جاء الحقُّ

وزہق الباطلُ انّ الباطِل کان زہوقا

مصنّف

حکیم الامّت

مُفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اسلامیہ

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

الحمد للہ کہ کتاب لاجواب نافع شیخ و شاب مفید عاقل موقظ غافل

مسمّیٰ بہ

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

المعروف فیصلہ مسائل

اضافاتِ جدیدہ و ضمیمہ عجیبہ کے ساتھ

جس میں موجودہ زمانے کے عام مختلف فیہ مسائل کا نہایت محققانہ مدلل فیصلہ کیا گیا ہے

مصنف حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

حصہ اوّل

ناشر

مکتبہ اسلامیہ بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... جاء الحق وزھق الباطل

مصنف .... حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

کمپوزنگ .... شعبہ نشر واشاعت جامعہ غوثیہ نعیمیہ ڈگری کالج، گجرات

پرنٹرز .... پیر بھائی پرنٹرز

ناشر .... مکتبہ اسلامیہ بیسمنٹ بیال مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

قیمت ....

ملنے کے پتے

مکتبہ اسلامیہ بیسمنٹ بیال مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور

☆ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور ☆ احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک راولپنڈی

☆ مکتبہ غوثیہ ہول سیل، کراچی ☆ مکتبہ نظامیہ جامعہ فریدیہ، ساہیوال

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ اَمَّابَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زیر نظر کتاب ''جاء الحق'' نئی کمپوزنگ اور تدوین کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن لگ بھگ ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا تھا' اس کے بعد لگا تار ایڈیشن شائع ہوتے رہے۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۶۶ء کی اپنی تحریر جو کتاب میں موجود ہے کے مطابق 28 ایڈیشن شمار فرماتے ہیں ہر ایڈیشن دو ہزار کتاب کا تھا۔ یہ لیتھو کتابت کا دور تھا ۱۹۷۲ء میں نسبتاً جدید طرز کی کتابت یعنی بٹر پیپر پر کروائی گئی۔ اس کتابت پر تقریباً گیارہ گیارہ سو کے 56 ایڈیشن شائع کیے گئے۔ بعد ازاں جدید کمپوزنگ کروائی گئی اور اس کمپوزنگ کے بھی 100 ایڈیشن تکمیل کو پہنچے۔ لہٰذا اس کتاب کی اشاعت کی تعداد تقریباً اڑھائی لاکھ سے زائد بنتی ہے۔ کسی دینی کتاب کے لوگوں تک پہنچنے کی یہ تعداد یقیناً ایک ریکارڈ ہے۔

کتاب کی مقبولیت لگا تار بڑھ رہی ہے اہل سنت حضرات کیلئے یہ کتاب ایک دستاویز کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور اسے نصاب کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔

مختلف بار کتابت کے دوران عبارات کی صحت کے مسائل پیدا ہو گئے تھے۔ جن کی طرف پبلشرز نے مناسب توجہ نہ کی۔ جب کہ اس قسم کی دستاویزی کتاب کیلئے یہ بہت ضروری تھا۔ لہٰذا اس دفعہ یہ کمپوزنگ انتہائی قدیم نسخے کے مطابق کروائی گئی ہے' جس کی صحت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ہوئی تھی۔ اس کے نسخہ کے مطابق صحت تقریباً پانچ بار کروائی گئی ہے۔ بعد ازاں میں نے اور جامعہ کے اساتذہ نے اس کو بغور پڑھا ہے اور اردو عبارات' قرآنی آیات و احادیث کی ممکن حد تک تصحیح کی گئی ہے۔ دراصل عام دینی کتب اور خاص طور پر اس قسم کی دستاویزی کتب کی صحت کی طرف خصوصی توجہ دی جانی چاہیے اس کتاب کی کمپوزنگ کی صحت کی تمام تر ذمہ داری میں اپنے سر لیتی ہوں مطالعہ فرما کر اطلاع کیجئے کہ میں اس میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہوں اور اگر کوئی کوتاہی رہ گئی ہو تو مطلع فرمائیں تاکہ اس فروگزاشت کو دور کیا جا سکے۔ اس کتاب کی کامیاب صحت کی اطلاع کے بعد میں حضرت کی دیگر کتب کی نئی کمپوزنگ اغلاط سے مبرا کرنے کیلئے کوشش کروں گی۔ انشاء اللہ

اس سلسلے میں علم القرآن اور شان حبیب الرحمٰن ﷺ خصوصی طور پر میرے پیش نظر ہیں کیونکہ ان میں قرآنی آیات و احادیث مبارکہ بکثرت ہیں جن کی صحت بہت ہی ضروری ہے۔

دختر رئیس المجاہدین مفتی محمد مختار احمد نعیمی رحمۃ اللہ علیہ سلمٰی مفتی (ایم۔ اے عربی)
(ایم۔ اے اسلامیات) بی ایڈ
پرنسپل جامعہ غوثیہ نعیمیہ ڈگری کالج برائے خواتین
مفتی احمد یار خان روڈ گجرات

فہرست جاء الحق وزہق الباطل

(حصہ اوّل)

مضامین	صفحہ نمبر
دیباچہ	11
تمام فتنوں سے بڑا وہابیوں کا فتنہ	11
وہابیوں کے ظلم اہل اسلام خصوصاً اہل حرمین پر	13
غیر مقلدوں اور دیوبندیوں میں فرق	14
وجہ تصنیف کتاب	15
مقدمہ	17
تفسیر تاویل اور تحریف کا فرق اور تفسیر بالرائے حرام ہے، تفسیر کے مراتب	17
تقلید	21
تقلید کے معنی اور اس کے اقسام	21
کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے	22
کس پر تقلید واجب ہے کس پر نہیں	23
مجتہدین کے چھ طبقے اور ان کی پہچان	24
غیر مقلدوں کے بہت سے اعتراضات کے جوابات	24
چوتھا باب تقلید واجب ہونے کے دلائل	25
تقلید شخصی کا بیان	30
پانچواں باب تقلید پر اعتراضات وجوابات	32
چاروں مذہب حق ہونے کے معنی	37
قیاس کی بحث	38
علم غیب	41
غیب کی تعریف اور اس کی اقسام	41
علم غیب کے متعلق چند فوائد	42
بری چیزوں کا علم برا نہیں	43
علم غیب کے مراتب واحکام	44
منکرین علم غیب سے سوالات	45
علم غیب کا ثبوت قرآنی آیات سے	45
آیۃ الکرسی میں حضور کی نعت ہے	51
حضرت خضر وابراہیم علیہما السلام کا علم	63
ملکوت کے معنی کی تفصیل	63
کل شیءٔ متناہی ہے اور کل وما کی تخصیص کے جوابات	65
دوسری فصل علم غیب کی احادیث	67
تیسری فصل شارحین احادیث کے اقوال در بارہ علم غیب	72
چوتھی فصل علماء امت کے اقوال	74
حضور علیہ السلام لکھنا جانتے تھے	79
پانچویں فصل مخالفین کی تائید علم غیب	80

چھٹی فصل علم غیب کی عقلی دلیل وعلم غیب اولیاء 81
دوسرا باب علم غیب پر اعتراض وجواب 85
لا اقول لکم میں نفی دو اور منفی تین ہیں
اس کی عجیب حکمت 88
حضور مفاتیح الغیب ہیں 92
علم عطائی غیب ہی نہیں 93
علم اور شعر کے معانی 94
خبر کا نسخ جائز ہے یا نہیں 100
علم روح کی بحث اور امر کے معنی 102
حضور علیہ السلام روح ہیں اور عالم امر ہے 103
علم قیامت کی بحث اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا کی نفیس توجیہیں 105
حدیث ما المسئول عنھا کی نفیس تحقیق 108
حضور نے قیامت کی خبر دی عقلی دلیل 108
علوم خمسہ کی بحث 109
دوسری فصل نفی غیب کی احادیث 115
جہل ونسیان وذھول میں فرق 121
قیامت میں لوگ شفیع کو بھول جائیں گے 122
حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام سے خبردار تھے انکار و ناترقی درجات کا سبب ہوا 122
تیسری فصل عبارات فقہا خلاف علم غیب کا بیان 124
علم غیب پر عقلی اعتراضات وجوابات 127
حاضر ناضر کی بحث 130
پہلا باب حاضر وناظر کے ثبوت میں 131
پہلی فصل آیات قرآنیہ سے ثبوت میں 131
دوسری فصل حاضر وناضر کی احادیث کا بیان 135
تیسری فصل حاضر وناظر کا ثبوت فقہاء اور علماء کے اقوال سے 139
حاضر وناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے 145
حاضر وناظر کے ثبوت دلائل عقلیہ سے 147
دوسرا باب حاضر وناظر پر اعتراضات 149
حضور علیہ السلام کو بشر کہنے کی بحث 158
نبی کی تعریف اور اس کے درجات 158
پہلا باب اس کے بیان میں کہ نبی علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنا حرام ہے 159
دوسرا باب بشریت پر اعتراضات 162
بحث نداء یا رسول الله 168
دوسرا باب نداء یا رسول اللہ پر اعتراضات 171
اولیاء الله اور انبیاء سے مدد مانگنا 176
اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت 186
دوسرا باب استمداد اولیاء پر اعتراضات کا بیان 189
بدعت 194
بدعت کے معنی اور اس کے اقسام 194
پہلا باب بدعت کی تعریف 195
بدعت کی قسمیں اور ان کی اقسام 198
بدعت کی قسموں کی پہچان اور علامتیں 199
دوسرا باب اس کی تعریف اور تقسیم پر اعتراضات 203
بحث محفل میلاد شریف 209

باب میلاد شریف کے ثبوت میں 209
دوسرا باب میلاد شریف پر اعتراضات وجوابات 215
نعت گوئی اور نعت خوانی عبادت ہے 217
تقسیم شیرینی کی بحث 218
کسی کی یادگار منانا دن مقرر کرنا 219
بحث قیام میلاد کے بیان میں 221
پہلا باب قیام میلاد شریف کے ثبوت میں 221
دوسرا باب قیام میلاد پر اعتراضات وجوابات 228
فاتحہ ، تیجہ ، دسواں اور چالیسواں کا بیان 232
پہلا باب فاتحہ کے ثبوت میں 233
دوسرا باب فاتحہ پر اعتراضات وجوابات 237
بحث دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق میں 242
دوسرا باب اس دعا پر اعتراضات وجوابات 245
مزارات اولیاء پر گنبد بنانا 249
اختلافات زمانہ سے بعض احکام بدل جاتے ہیں ان کی مثالیں 251
دوسرا باب گنبد مزارات پر اعتراضات وجوابات 255
ان اصحاب کے نام جنہوں نے قبروں پر گنبد بنائے 256
بحث مزارات پر پھول ڈالنا ، چادریں چڑھانا ، چراغاں کرنا 260
پہلا باب ان کے ثبوت میں 261
بزرگوں کے چلوں کا حکم
بحث اولیاء کے نام 269
نذر اولیاء 269
رمضان شریف میں ختم قرآن پر چراغاں 271
بحث قبر پر اذان دینا 272
اذان کہنے کے کل کتنے موقع ہیں 274
اذان کے سات فائدے 274
دوسرا باب اذان قبر پر اعتراض وجواب 276
مدرسہ دیوبند اور ختم بخاری 277
قبر کا طواف اور دیوبندیوں کی کتاب 279
معانقہ عید اور بعد نماز مصافحہ کے ثبوت 280
بحث عرس بزرگان 281
دوسرا باب مسئلہ عرس پر اعتراضات وجوابات 283
مسئلہ قوالی کی نہایت نفیس تحقیق 285
جائز کام میں ناجائز کے ملنے اور داخل ہونے کا فرق 287
بحث زیارت قبور کے لیے سفر کرنا 288
دوسرا باب سفر عرس پر اعتراضات وجوابات 291
کیا حضرت فاروق نے درخت کٹوایا تھا 293
کفنی یا الفی لکھنے کا بیان 293
اصحاب کہف کے ناموں کی برکت 297
دوسرا باب کفنی لکھنے پر اعتراضات وجوابات 297
بعد موت ہر شخص کو علم آجاتا ہے۔ 297
بحث بلند آواز سے ذکر کرنا 300
بازاروں میں تکبیر کہنے سے عوام کو نہ روکو 303
دوسرا باب ذکر بالجہر پر اعتراضات وجوابات 305

پر جانور پالنا 313
دوسرا باب اس پر اعتراضات وجوابات 315
بحث بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا 321
قبر کا بوسہ دینا 322
دوسرا باب اس پر اعتراضات وجوابات 324
سجدے کی تعریف اور اس کے اقسام واحکام 325
تبرکات کا ثبوت 327
بحث عبدالنبی ، عبدالرسول نام رکھنا 329
دوسرا باب اس پر اعتراضات وجوابات 330
بحث اسقاط کا بیان 332
حیلہ شرعی کے جواز کا ثبوت 334
عورتوں کے کان کب چھیدے گئے 335
دوسرا باب حیلہ اسقاط پر اعتراض وجواب 338
نئی قبروں پر جمعہ تک حافظ بٹھانا 340
کتنے شخصوں سے حساب قبر نہیں ہوتا 340
قضا عمری پڑھنے کی ترکیب 341
بحث اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان 342
اس کے دینی ودنیاوی فائدے 342
دوسرا باب انگوٹھے چومنے پر اعتراض وجواب 347
بحث جنازے کا آگے کلمہ یا نعت بلند آواز سے پڑھنا 349
دوسرا باب اس پر اعتراضات وجوابات 353
زمانہ کے اختلاف سے احکام کیوں بدل جاتے ہیں اور اس کی مثالیں 357
دیوبندی اور اسلامی عقائد میں فرق 361
دیوبندیوں کی پیر پرستی 364
ضمیمہ جاء الحق 367
قهر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء 367
پہلا باب عصمت انبیاء کا ثبوت 369
دوسرا باب اس پر سوال وجواب 373
یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی نہ تھے 382
لمعات المصابیح علی رکعات التراویح 384
پہلا باب بیس رکعت تراویح کا ثبوت 384
غیر مقلدین کے آرام دہ مسائل 387
دوسرا باب بیس رکعت تراویح پر سوال وجواب 387
رسالہ طلاق الاولہ فی حکم طلاق ثلاثہ 390
مقدمہ 390
پہلا باب اس کا ثبوت کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہوتی ہیں 391
دوسرا باب اس پر اعتراضات وجوابات 395

کرے مصطفیٰ ﷺ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

(اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

دہر میں آئے نورِ مُجسّم کفر پہ چھایا عالم ہُو کا
اپنی دُکانِ شرک بڑھا کر بھاگ گئے سب مَرقُس ولُوقا
شیطاں نارِ حسد میں جل کر رہ گیا پی کر گھونٹ لہُو کا
وقتِ ولادتِ شاہِ دو عالم نعرہ تھا یہ ہر سرِ مُو کا
جَآءَ الحَقُّ وَ زَهَقَ البَاطِلُ اِنَّ البَاطِلَ کَانَ زَهُوقًا

(شاعرِ پاکستان **قربان نظامی**)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ کَانَ نَبِیًّا وَ اٰدَمُ بَیۡنَ الۡمَاءِ وَالطِّیۡنِ اَجۡمَلِ الۡاَجۡمَلِیۡنَ اَکۡمَلِ الۡاَکۡمَلِیۡنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَھۡلِ بَیۡتِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

دیباچہ

دین اسلام کو دنیا میں تشریف لائے ہوئے آج تقریباً پونے چودہ سو برس گذرے اس عرصہ میں اس پاک دین نے ہزار ہا بلاؤں سے مقابلہ کیا۔ حضور ﷺ کے اس لہلہاتے ہوئے چمن پر بہت سی تیز آندھیاں آئیں اور اپنا اپنا زور دکھا کر چلی گئیں مگر الحمد للہ کہ یہ چمن اسی طرح سرسبز و شاداب رہا۔ اس آفتاب پر بار ہا تاریک بادل اور غبار آئے مگر یہ آفتاب اسی طرح چمکتا دمکتا رہا اور کیوں نہ ہوتا کہ رب تعالیٰ خود اس دین کا حافظ و ناصر ہے خود فرماتا ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت ۹)

”ہم نے ہی قرآن اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

کبھی اس پر یزیدی بادل آئے اور کبھی حجاجی غبار۔ کبھی مامونی طاقت نے اس کے سامنے آنے کی جرأت کی اور کبھی تاتاری قوتیں اس سے ٹکرائیں، کبھی خارجی شورش نے اس سے مقابلہ کیا اور کبھی رفض کی طاقت نے اس کو زیر کرنے کی کوشش کی مگر وہ سب کی سب اس پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں اور یہ پہاڑ اسی طرح اپنی جگہ مضبوطی سے قائم رہا۔ اَقَامَھَا اللّٰہُ وَاَدَامَھَا اللہ تعالیٰ اس کو قائم دائم رکھے۔

مگر ان تمام فتنوں میں زبردست فتنہ اور تمام مصیبتوں میں خطرناک مصیبت وہابیوں نجدیوں کا فتنہ تھا۔ جس کی خبر مخبر صادق نبی اکرم ﷺ نے پہلے ہی دے دی تھی اور طرح طرح سے اس فتنہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ مشکوۃ جلد دوم باب ذکر الیمن والشام میں بخاری کے حوالے سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن دریائے رحمت مصطفیٰ ﷺ جوش میں ہے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی جارہی ہے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ لَنَا فِیۡ شَامِنَا اے اللہ ہمارے لیے شام میں برکت دے اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ لَنَا فِیۡ یَمَنِنَا اے اللہ ہم کو ہمارے یمن میں برکت دے حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا وَفِیۡ نَجۡدِنَا یارسول اللہ دعا فرمائیں کہ نجد میں برکت دے پھر حضور ﷺ نے وہی دعا فرمائی شام اور یمن کا ذکر فرمایا مگر نجد کا نام نہ لیا۔ انہوں نے پھر توجہ دلائی کہ وَفِیۡ نَجۡدِنَا حضور یہ بھی دعا فرمائیں کہ نجد میں برکت ہو غرض تین بار یمن اور شام کے لئے دعائیں فرمائیں۔ بار بار توجہ دلانے پر نجد کے لئے دعا نہ فرمائی بلکہ آخر میں فرمایا۔

هُنَاکَ الزَّلَازِلُ وَالۡفِتَنُ وَبِهَا یَطۡلَعُ قَرۡنُ الشَّیۡطٰنِ۔

”میں اس ازلی محروم خطہ کو دعا کس طرح فرماؤں وہاں تو زلزلے اور فتنے ہونگے اور وہاں شیطانی گروہ پیدا ہوگا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کی نگاہ پاک میں دجال کے فتنہ کے بعد نجد کا فتنہ تھا جس کی اس طرح خبر دی۔

اس طرح مشکوٰۃ جلد اول کتاب القصاص باب قتل اہل الردۃ میں بحوالہ نسائی حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام ایک بار کچھ مال غنیمت تقسیم فرمارہے ہیں ایک شخص نے پیچھے سے عرض کیا یا محمد ﷺ آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا حضور علیہ السلام نے غضبناک ہوکر فرمایا کہ ہمارے بعد تم کو ہم سے بڑھ کر کوئی عادل نہ ملے گا پھر فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا اور اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے پھر فرمایا۔

سِیْمَاهُمُ التَّحْلِیْقُ لَا یَزَالُوْنَ یَخْرُجُوْنَ حَتّٰی یَخْرُجَ اٰخِرُهُمْ مَعَ الدَّجَّالِ فَاِذَا لَقِیْتُمُوْهُمْ هُمْ شَرُّالْخَلْقِ وَ الْخَلِیْقَةِ۔

"یعنی ان کی پہچان سر منڈوانا ہے یہ نکلتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ ان کی آخری جماعت دجال کے ساتھ ہوگی اگر تم ان سے ملو تو جان لو کہ وہ تمام خلقت میں بدتر ہیں۔"

اس میں ان کی پہچان فرمائی گئی۔ سر منڈانا آج بھی وہابی اس سے خالی مشکل ہی سے ملیں گے۔ کہیں فرمایا کہ بت پرستوں کو چھوڑیں گے اور مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ دیکھو بخاری جلد اول کتاب الانبیاء متصل قصہ یاجوج و ماجوج و مسلم اور مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اول۔ اسی جگہ مشکوٰۃ میں یہ بھی ہے۔

لَئِنْ اَدْرَکْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ۔

"اگر انہیں ہم پاتے تو قوم عاد کی طرح قتل فرمادیتے۔"

آج بھی دیوبندی عام طور پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں مگر نفرت کرتے ہیں تو مسلمانوں سے۔ ان کے ہمیشہ حملے مسلمانوں پر خاص کر اہل حرمین پر ہی ہوئے۔

اس فرمان عالی کے مطابق بارہویں صدی میں نجد سے محمد ابن عبدالوہاب پیدا ہوا۔ اس نے کیا کیا۔ اہل حرمین و دیگر مسلمانوں پر ظلم کئے اس کی داستان تو سیف الجبار اور بوارق محمدیہ علی ارغامات النجدیہ وغیرہ کتب تواریخ میں دیکھو۔ ان کے کچھ مظالم علامہ شامی نے اپنی کتاب ردالمحتار جلد سوم باب البغاۃ کے شروع میں اس طرح بیان فرمائے ہیں۔

کَمَا وَقَعَ فِیْ زَمَانِنَا فِیْ اَتْبَاعِ عَبْدِالْوَهَّابِ الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ نَجْدٍ وَ تَغَلَّبُوْا عَلَی الْحَرَمَیْنِ وَ کَانُوْا یَنْتَحِلُوْنَ اِلَی الْحَنَابِلَةِ لٰکِنَّهُمْ اِعْتَقَدُوْا اَنَّهُمْ هُمُ الْمُسْلِمُوْنَ وَاَنَّ مَنْ خَلَفَ اِعْتِقَادَهُمْ مُشْرِکُوْنَ وَ اسْتَبَاحُوْا بِذٰلِکَ قَتْلَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَ قَتْلَ عُلَمَاءِ هِمْ حَتّٰی کَسَرَ اللّٰهُ شَوْکَتَهُمْ وَ خَرَّبَ بِلَادَهُمْ وَ ظَفَرَ بِهِمْ عَسَاکِرُ الْمُسْلِمِیْنَ عَامَ ثَلٰثٍ وَ ثَلٰثِیْنَ وَ مِاَتَیْنِ وَ اَلْفٍ۔

"جیسے کہ ہمارے زمانے میں عبدالوہاب کے ماننے والوں کا واقعہ ہوا کہ یہ لوگ نجد سے نکلے اور مکہ و مدینہ شریف پر انہوں نے غلبہ پالیا اپنے کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن انکا عقیدہ یہ تھا کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں جو ہمارے عقیدہ کے خلاف ہے وہ مشرک ہے اس لیے انہوں نے اہل سنت والجماعت کا قتل جائز سمجھا اور ان کے علماء کو قتل کیا یہاں تک کہ اللہ نے وہابیوں کی شوکت توڑی اور ان کے شہروں کو ویران کردیا اور اسلامی لشکروں کو ان پر فتح دی یہ واقعہ ۱۲۳۳ھ

میں ہوا۔"

سیف الجبار وغیرہ میں ان کے مظالم بے شمار بیان فرمائے کہ مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں بے گناہوں کو بے دریغ قتل کیا اور حرمین شریف میں رہنے والوں کی عورتوں اور لڑکیوں سے زنا کیا اور ان کو غلام بنایا انکی عورتوں کو اپنی لونڈیاں۔ سادات کرام کو بہت قتل و غارت کیا مسجد نبوی ﷺ شریف کے تمام قالین اور جھاڑ و فانوس اٹھا کر نجد لے گئے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت عظام کی قبروں کو گرا کر زمین سے ملا دیا یہاں تک کہ یہ بھی ارادہ کیا کہ خاص گنبد خضرا جس کے گرد روزانہ صبح شام ملائکہ صلوۃ و سلام پڑھتے ہیں اس کو بھی گرا دیا جائے مگر جو شخص اس بری نیت سے روضہ پاک ﷺ پر گیا اس پر خدائے پاک نے ایک سانپ مقرر فرما دیا جس نے اس کو ہلاک کیا اور رب العلمین نے اپنے نبی ﷺ کی آخری آرام گاہ کو ان سے محفوظ رکھا۔ غرضیکہ ان کے مظالم بے حد تکلیف دہ ہیں جن کے بیان سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ یزید نے اہل بیت کی دشمنی ان کی زندگی میں ہی کی۔ مگر تیرہ سو برس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم عظام کو ان کی قبروں میں ستانا ان وہابیوں ہی کے ہاتھ سے ہوا۔ اب بھی جو کچھ ابن سعود نے حرمین شریفین میں کیا وہ ہر حاجی پر روشن ہے کہ مکہ مکرمہ میں میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی قبر شریف کا نشان بھی نہیں ملتا کہ کوئی فاتحہ بھی پڑھ لے۔ حضور ﷺ کی جائے ولادت میں میں نے ایک شامیانہ لگا ہوا دیکھا جہاں کتے گدھے بے تکلف پھر رہے تھے اس جگہ پہلے ایک قبہ بنا ہوا تھا جہاں لوگ نمازیں پڑھتے تھے اور اس کی زیارت کرتے تھے یہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا خاتون کا مکان تھا اسی جگہ اسلام کا آفتاب چمکا مگر اس کی یہ بے حرمتی کی گئی؟

یہ تو تھے عرب کے واقعات لیکن ہم کو اس وقت ہندوستان سے گفتگو کرنی ہے دہلی میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام تھا مولوی اسمٰعیل، اس نے محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا اردو میں خلاصہ کیا جس کا نام رکھا تقویۃ الایمان اور اس کی ہندوستان میں اشاعت کی۔ وہابی انہیں شہید کہتے ہیں کیونکہ یہ حضرت اسی تقویۃ الایمان کی بدولت سرحدی پٹھانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے دیکھو انوار آفتاب صداقت۔ مگر مشہور کیا کہ سکھوں کے ہاتھوں مرے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

وہ وہابیہ نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید لیلے نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے

اگر سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہوتے تو امرتسر یا مشرقی پنجاب کے کسی اور شہر میں مارے جاتے۔ کیونکہ یہ ہی سکھوں کا مرکز تھا سرحد تو پٹھانوں کا ملک ہے وہاں یہ مارے گئے معلوم ہوا کہ انہیں مسلمانوں نے قتل کیا اور ان کی لاش بھی غائب کر دی۔ اسی لیے ان کی قبر ہی نہیں۔

نیز دیوبندیوں کی مشہور کتاب ارواح ثلثہ کے صفحہ نمبر ۱۳۹ پر ہے کہ سید احمد صاحب نے پہلا جہاد یار محمد خان حاکم یاغستان سے کیا۔ اس جہاد میں مولوی عبدالحئی صاحب لکھنوی، مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی، مولوی محمد حسین صاحب رامپوری سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ نیز مولوی اسمٰعیل صاحب کا میر منشی ہیرا لال تھا (حیاۃ طیبہ) اور توپچی راجہ رام تھا۔ غرضیکہ وہابی دیوبندیوں کے قلمی، زبانی اور تلواروں کے حملے مسلمانوں پر ہی ہوئے۔ ابھی حال کا واقعہ ہے جو ۲۶ دسمبر ۱۹۶۱ء کے کوہستان وغیرہ کے تمام اخبارات میں چھپا کہ ایک دیوبندی عبدالقادر نامی نے پہلے تو حضرت داتا گنج بخش لاہوری کے آستانہ مقدس پر قلمی اشتہارات لگائے جن میں تحریر تھا کہ میت کے پاس دعا قبول کرنے کی طاقت نہیں۔ ان کے مزارات پر منتیں مانگنا شرک و بدعت ہے۔ پھر رات کے آخری حصہ میں تمام آستانہ پر مٹی کے تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے رکھ دیئے سوئے ہوئے زائرین کے کپڑوں میں بھی مٹی کا تیل چھڑک دیا دیا سلائی جلا کر آگ جلانا چاہتا

ہی تھا کہ پکڑا گیا۔ یہ واقعہ رات کے تین بجے ہوا اگر یہ ایک سیکنڈ کا موقع پالیتا تو سارا دربار اور سارے محلے اور ان تمام انسانوں کو جلا دیتا۔ یہ ہے ان ظالموں کی توحید اور تبلیغ۔ اسی گروہ نے ایک دن پہلے مسجد وزیر خان کے صحن میں جو مزار ہے اسے آگ لگانے کی کوشش کی آگ لگا بھی دی مگر چونکہ وہاں لکڑی کا سامان نہ تھا۔ اس لیے صرف دیواریں تو کالی ہو گئیں مگر آگ باقاعدہ نہ لگ سکی۔

(کوہستان ۲۶ دسمبر ۱۹۶۱ء بروز پیر)

اسمٰعیل کے معتقدین دو گروہ بنے ایک تو وہ جنہوں نے اماموں کی تقلید کا انکار کیا جو غیر مقلد یا وہابی کہلاتے ہیں دوسرے وہ جنہوں نے دیکھا کہ اس طرح اپنے کو ظاہر کرنے سے مسلمان ہم سے نفرت کرتے ہیں انہوں نے اپنے کو حنفی ظاہر کیا۔ نماز روزے میں ہماری طرح ہمارے سامنے آئے۔ ان کو کہتے ہیں، گلابی وہابی یا دیو بندی۔ بھلا میرے آقا و مولیٰ محبوب کبریا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ دیکھو کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہاں سے قَرْنَ الشَّيْطٰنِ یعنی شیطانی گروہ نکلے گا۔ اردو میں قَرْنَ الشَّيْطٰنِ کا ترجمہ ہے دیو بند۔ دیو اُردو میں کہتے ہیں شیطان کو اور بند بمعنی گروہ تابعدار۔ یا یہ اضافت مقلوبی ہے یعنی بند دیو شیطان کی جگہ یعنی ان دونوں فرقوں کے عقیدے بالکل ایک ہیں۔ اعمال میں کچھ ظاہری اختلاف ہے دونوں محمد ابن عبدالوہاب کو اچھا جانتے ہیں۔ اس کے عقائد کے حامی، چنانچہ دیو بندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے فتاوٰی رشیدیہ جلد اول کتاب التقلید صفحہ ۱۱۹ میں لکھتے ہیں۔

> ''محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی اور انکے مقتدی اچھے ہیں۔ مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آ گیا ہے اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا سا ہے۔ رشید احمد''

لیکن موجودہ زمانہ میں بمقابلہ غیر مقلدین کے زیادہ خطرناک دیو بندی ہیں کیونکہ عام مسلمان ان کو پہچان نہیں سکتے ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں حضور علیہ السلام کی ایسی توہینیں کی ہیں کہ کوئی کھلا ہوا مشرک بھی نہیں کر سکتا۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کے پیشوا بنتے ہیں اور اسلام کے ٹھیکیدار مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے حفظ الایمان میں حضور علیہ السلام کے علم کو جانوروں کے علم کی طرح بتایا۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ بتایا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی نے نماز میں حضور علیہ السلام کے خیال کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدتر لکھا۔ مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں حضور علیہ السلام کو خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ حضور علیہ السلام کے بعد اگر اور بھی نبی آ جائیں تب بھی خاتمیت میں کچھ فرق نہ آئیگا خاتم کے معنی ہیں اصل نبی دیگر نبی عارضی ہیں یہی مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ میں بروزی نبی ہوں۔ غرضیکہ مرزا غلام احمد اس مسئلہ میں انکا شاگرد رشید ہوا۔

ان صاحبوں کے یہاں توحید کے معنی ہیں انبیاء علیہم السلام کی توہین جیسے کہ روافض کے یہاں حب علی کے معنی ہیں بغض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حالانکہ یہ توحید تو شیطانی توحید ہے۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت سے انکار کیا نبی کے سامنے نہ جھکا۔ پھر جو اس کا حشر ہوا وہ آج تک لوگ دیکھ رہے ہیں کہ ہر جگہ اس کی لاحول ولا قوۃ الا باللہ سے تواضع کی جاتی ہے۔

اسلامی توحید ہے اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا، اس کے محبوبوں کی عزت و عظمت کرنا جس کی تعلیم ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پہلے

جزو میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہے دوسرے میں عظمت مصطفیٰ کا اظہار، آج کل جس جگہ بھی دیکھا گیا مسلمانوں میں اہل سنت و دیوبندیوں میں جھگڑے پڑے ہیں ہر جگہ خانہ جنگی ہے ہر کار خیر کو روکنے کی کوشش۔ کہیں علم غیب پر بحث ہے تو کہیں حضور علیہ السلام کے حاضر وناظر ہونے پر تکرار۔ کہیں محفلِ میلاد و فاتحہ پر بحث کہیں مزارات اولیاء اللہ پر قبہ بنانے پر مناظرہ۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک مسئلہ میں اہل سنت نے اعلیٰ درجہ کی تصانیف شائع فرمائیں جیسے مسئلہ تقلید میں انتصار الحق مصنفہ حضرت مولانا ارشاد حسین رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ علم غیب میں الکلمۃ العلیا مصنفہ حضرت صدر الفاضل استاذی مرشدی مولانا الحاج محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی مدظلہ' تیجہ فاتحہ وغیرہ میں انوار ساطعہ مصنفہ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب بیدل رامپوری اور مسئلہ حاضر و ناظر عرس و زیارت قبور و تمام مسائل میں تصنیفات اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز وغیرہ مگر خیال یہ تھا کہ کوئی کتاب ایسی لکھی جائے جو ان تمام بحثوں کی جامع ہو جس کے پاس وہ کتاب ہو وہ تقریباً ہر مسئلہ میں مخالف سے گفتگو کر سکے اور مسلمانوں کے عقائد کو ان لوگوں سے بچا سکے اس لیے میں نے حَسْبَۃً لِلّٰہِ اس کام کی ہمت کی۔ ہمت تو کر دی مگر اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا مجھے پورا پورا احساس ہے شروع کرنا میرا کام ہے اور اس کو اختتام پر پہنچانا میرے رب کے کرم پر موقوف ہے۔

اس کتاب میں ہر مسئلہ پر مختصر مگر جامع بحث کی گئی ہے۔ جن اصحاب کو زیادہ تفصیل منظور ہو وہ مسئلہ غیب میں الکلمۃ العلیا کا مطالعہ کریں کہ ایسی کتاب اس مسئلہ میں آج تک نہیں لکھی گئی اسی طرح دیگر مباحث میں اعلیٰحضرت بریلوی قدس سرہ العزیز کی تصنیفات کا مطالعہ کریں۔

اس کتاب میں مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

① اپنے دعوے کی وضاحت

② اس کے دلائل قرآن وحدیث اور بزرگان دین' محدثین ومفسرین کے اقوال سے۔

③ اس کی تائید مخالفین کی کتابوں سے۔

④ مخالفین کے اعتراضات آیاتِ قرآنیہ اور احادیث و اقوالِ فقہاء سے

⑤ اعتراضات کے جوابات قرآن واحادیث واقوال علماء کی روشنی میں۔

⑥ اپنے دعوی کے عقلی دلائل ⑦ مخالفین کے عقلی اعتراضات

⑧ ان کے عقلی جوابات

⑨ اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ حتی الامکان کتابوں کا صفحہ نقل نہ کیا جائے کیونکہ صفحے بدل جاتے ہیں بلکہ باب اور فصل اور اگر تفسیر کا حوالہ ہو تو پارہ' سورۃ اور آیت۔

ناظرین اگر غور سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو انشاء اللہ تعالٰی اس کو ایک سمندر پائیں گے جس سے بیش قیمت موتی حاصل ہوں گے اس کتاب میں سخت الفاظی اور کج بحثی سے پرہیز کیا گیا ہے اہل انصاف سے امید ہے کہ حق قبول کریں اور باطل سے بچیں کہ اسی میں دین ودنیا کی بھلائی ہے وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ ط عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ۔ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۸۸)

اس کتاب کا نام حضرت قبلہ عالم امیر ملت شیخ المشائخ قطب الوقت عالم ربانی پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری مدظلہ تعالی و دامت برکاتہم القدسیہ نے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۸۱) حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ تجویز فرمایا ہے میں نہایت فخر سے اس کتاب کو اسی نام سے موسوم کرتا ہوں اور اپنے رب سے امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کو اسم بامسمیٰ فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائے۔ میرے لیے کفارۂ سیئات بنائے اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے آمین۔

ضروری نوٹ

مسلمانوں کا اصرار ہوا کہ اس کتاب میں تین مباحث اور زیادہ کیے جائیں

① سلطنت مصطفیٰ ﷺ ② عصمت انبیاء علیہ السلام ③ بیس رکعت تراویح۔

چنانچہ اس سے پہلے ایڈیشن میں یہ تین بحثیں بڑھادی گئیں اور بھی دلائل کی زیادتی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماوے۔

ناچیز **احمد یار خان نعیمی** اوجھانوی بدایونی

ناظم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان

۳ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ روز ایمان افروز شنبہ مبارکہ

مزید در مزید

اس ایڈیشن میں مضامین اور دلائل بہت زیادہ کئے گئے ہیں اور ایک رسالہ طلاق الاولہ فی حکم الطلاق الثلثہ بڑھا دیا گیا ہے۔ جس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی نہ کہ ایک ”رب تعالیٰ قبول فرمائے۔“

الحمدللہ یہ کتاب اب ۱۳۷۵ھ میں اٹھائیسویں بار چھپ رہی ہے اکثر بار دو دو ہزار چھپی اور اللہ تعالیٰ کے فضل، حضور ﷺ کے کرم سے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، افریقہ، لندن وغیرہ دور دراز ممالک میں پہنچی ہے یہ سب رب تعالیٰ کی کرم نوازی ہے۔ اس اٹھائیسویں ایڈیشن میں بہت تھوڑا سا اضافہ کیا گیا ہے۔

احمد یار خان نعیمی بدایونی

مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان

۱۹ شوال ۱۳۷۵ھ ۲۲ فروری ۱۹۶۶ء دوشنبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

کیونکہ اس کتاب میں ہر مسئلہ کے متعلق قرآنی آیات پیش کی جاویں گی۔ اور ان آیات کی تفسیر بھی بیان ہوگی۔ اس لیے تفسیر قرآن کے متعلق حسبِ ذیل باتیں لحاظ میں رکھنا ضروری ہے۔

ایک تو ہے قرآن کی تفسیر، دوسری قرآن کی تاویل، تیسری قرآن کی تحریف۔ انکی علیحدہ علیحدہ تعریفیں ہیں اور علیحدہ علیحدہ احکام۔

تفسیر

① قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا حرام ہے بلکہ اس کے لیے نقل کی ضرورت ہے قرآن کی جائز تاویل اپنے علم و معرفت سے کرنا جائز اور باعث ثواب ہے، قرآن کی تحریف کرنا کفر ہے۔

تفسیر قرآن پاک کے وہ احوال بیان کرنا ہیں جو عقل سے معلوم نہ ہوسکیں۔ ان میں نقل کی ضرورت ہو جیسے آیات کا شان نزول یا آیات کا ناسخ منسوخ ہونا۔ اگر کوئی شخص بغیر حوالہ نقل اپنی رائے سے کہہ دے کہ فلاں آیت منسوخ ہے یا فلاں آیت کا یہ شان نزول ہے تو معتبر نہیں۔ بلکہ کہنے والا گنہگار ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْنُنْسِهَانَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْمِثْلِهَاط اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

(پارہ نمبر ۱ سورۃ ۲ آیت نمبر ۱۰۶)

"جو منسوخ کرتے ہیں کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں لاتے ہیں بہتر اس سے یا اسکی مثل کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں ہے

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَاْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

"جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے۔"

مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے۔

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَاْيِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاَ

"جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا۔ پس صحیح کہہ گیا تو بھی اس نے غلطی کی۔"

اب تفسیر قرآن کے چند مراتب ہیں۔ تفسیر بالقرآن۔ یہ سب سے مقدم ہے۔ اس کے بعد تفسیر قرآن بالاحادیث۔ کیوں کہ حضور صاحب قرآن ہیں۔ ان کی تفسیر قرآن نہایت ہی اعلیٰ۔ پھر قرآن کی تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے قول سے خصوصاً فقہاء صحابہ اور خلفائے راشدین کی تفسیر۔ رہی تفسیر قرآن تابعین و تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے۔ یہ اگر روایت سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر ماخوذ از اعلاء کلمۃ اللہ للعلامہ

گولڑوی قدس سرہٗ۔

تاویل

② تاویل قرآن یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کے مضامین اور اس کی باریکیاں بیان کرے اور صرفی ونحوی قواعد سے اس میں طرح طرح سے نکات نکالے۔ یہ اہل علم کے لیے جائز ہے۔ ان میں نقل کی ضرورت نہیں اس کا ثبوت قرآنی آیات سے اور احادیث نبویہ واقوال فقہاء سے ہے۔

رب کریم نے فرمایا ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔

(پارہ ۵ سورت نساء آیت نمبر ۸۲)

”تو کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔“

تفسیر روح البیان میں اس آیت کے ماتحت یَتَدَبَّرُوْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں یَتَاَمَّلُوْنَ وَ یَتَبَصَّرُوْنَ مَا فِیْہِ یعنی کیوں نہیں غور کرتے اس کے معنی میں اور کیوں نہیں عقل سے دیکھتے ان خوبیوں کو جو قرآن میں ہیں۔

مشکوٰۃ کتاب القصاص فصل اول میں ہے کہ کسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس قرآن کے سوا کچھ اور بھی عطیہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے تو فرمایا کہ:

مَا عِنْدَ نَا اِلَّا مَا فِی الْقُرْاٰنِ اِلَّا فَھْمًا یُّعْطٰی رَجُلٌ فِیْ کِتَابِہٖ۔

”ہمارے پاس اس قرآن کے سوا اور کچھ نہیں ہاں وہ علم وفہم ہے جو کسی کو کتاب الٰہی کے متعلق عطا کردی جاتی ہے۔“

اسی حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔

وَ الْمُرَادُ مِنْہُ مَا یُسْتَنْبَطُ بِہِ الْمَعَانِیْ وَ یُدْرَکُ بِہِ الْاِشَارَاتُ وَ الْعُلُوْمُ الْخُفْیَۃُ۔

”اس فہم سے مراد وہ علم ہے جس سے قرآن کے معنے مستنبط کیے جائیں اور جس سے اشارات معلوم ہوں اور چھپے ہوئے علوم کا پتہ لگے۔“

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآنی معنی میں غور کرنا اور علم وعقل سے کام لینا اس سے مسائل کا استنباط کرنا جائز ہے۔ ہر جگہ نقل کی ضرورت نہیں۔

جمل حاشیہ جلالین میں ہے۔

اَصْلُ التَّفْسِیْرِ الْکَشْفُ وَ اَصْلُ التَّاوِیْلِ الرُّجُوْعُ وَ عِلْمُ التَّفْسِیْرِ عِلْمٌ عَنْ اَحْوَالِ الْقُرْاٰنِ مِنْ حَیْثُ دَلَالَتِہٖ عَلٰی مُرَادِ اللّٰہِ تَعَالٰی بِحَسْبِ الطَّاقَۃِ الْبَشَرِیَّۃِ ثُمَّ ھُوَ قِسْمَانِ تَفْسِیْرٌ وَ ھُوَ مَا لَا یُدْرَکُ اِلَّا بِالنَّقْلِ کَاَسْبَابِ النُّزُوْلِ وَ تَاوِیْلٌ وَ

هُوَ مَا يُمْكِنُ اِدْرَاكُهٗ بِالْقَوَاعِدِ الْعَرَبِيَّةِ فَهُوَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالدِّرَايَةِ وَ السِّرُّ فِيْ جَوَازِ التَّاوِيْلِ بِالرَّاْيِ بِشُرُوْطِهٖ دُوْنَ التَّفْسِيْرِ اَنَّ التَّفْسِيْرَ كَشَهَادَةٍ عَلَى اللهِ قَطَعَ بِاللهِ عَنٰى بِهٰذَا اللَّفْظِ هٰذَا الْمَعْنٰى وَ لَا يَجُوْزُ اِلَّا وَبِتَوْقِيْفٍ وَ لِذَا جَزَمَ الْحَاكِمُ بِاَنَّ تَفْسِيْرَ الصَّحَابِيْ فِيْ حُكْمِ الْمَرْفُوْعِ وَ التَّاوِيْلُ تَرْجِيْحٌ لِاَحَدِ الْمُحْتَمِلَاتِ بِلَا قَطْعٍ۔

’’تفسیر کے لغوی معنی ہیں ظاہر کرنا اور تاویل کے معنی ہیں لوٹنا علم تفسیر قرآن پاک کے ان حالات کا جاننا جو اللہ کی مراد کو بتائیں طاقت انسانی کے مطابق پھر اسکی دو قسمیں ہیں ایک تو تفسیر اور تفسیر وہ ہے جو نقل کے بغیر معلوم نہ ہو سکے اور ایک تاویل ‘اور تاویل وہ ہے کہ جس کو عربی قاعدوں سے معلوم کر سکیں۔ پس تاویل کا تعلق فہم سے ہے اور تاویل کی رائے سے جائز ہونے میں اور تفسیر کے رائے سے ناجائز ہونے میں راز یہ ہے کہ تفسیر تو خدائے پاک پر گواہی دینا ہے اور اس کا یقین کرنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کلمہ کے یہ ہی معنی مراد لیے ہیں اور یہ بغیر بتائے جائز نہیں اسی لیے حاکم نے فیصلہ کر دیا کہ صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے اور تاویل چند احتمالات میں سے بعض کو ترجیح دے دینے کا نام ہے وہ بھی بلا یقین۔‘‘

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں من قال فی القران برایہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَیْ تَكَلَّمَ فِیْ مَعْنَاهُ اَوْ فِیْ قِرَاتِهٖ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ مِنْ غَيْرِ تَتَبُّعِ اَقْوَالِ الْاَئِمَّةِ مِنْ اَهْلِ اللُّغَةِ وَ الْعَرَبِيَّةِ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِيَّةِ بَلْ بِحَسْبِ مَا يَقْتَضِيْهِ عَقْلُهٗ وَ هُوَ مِمَّا يَتَوَقَّفُ عَلَى النَّقْلِ كَاَسْبَابِ النُّزُوْلِ وَ النَّاسِخِ وَ الْمَنْسُوْخِ۔

’’یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے معنی یا اسکی قراءت میں اپنی طرف سے کلام کرے لغت اور زبان جاننے والے اماموں کے قول کی تلاش نہ کرے شرعی قاعدوں کا لحاظ نہ رکھے بلکہ اس طرح کہہ دے جیسے جس طرح عقل چاہے حالانکہ یہ معنے ایسے ہوں کہ جس کا سمجھنا نقل پر موقوف ہو جیسے کہ شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ۔‘‘

ترمذی جلد دوم کتاب التفسیر کے شروع میں ہے

وَ هٰكَذَا رُوِیَ عَنْ بَعْضِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ غَيْرِهِمْ اَنَّهُمْ شَدَّدُوْا فِیْ هٰذَا فِیْ اَنْ يُفَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔

’’بعض اہل علم صحابہ کرام وغیرہ سے یہ ہی روایت ہے کہ وہ حضرات اس میں بہت سختی کرتے تھے کہ قرآن کی تفسیر بغیر علم کی جائے۔‘‘

اس حدیث کے حاشیہ میں مجمع البحار سے نقل فرمایا۔

لَا يَجُوْزُ اَنْ يُّرَادَ اَنْ لَّا يَتَكَلَّمَ اَحَدٌ فِی الْقُرْاٰنِ اِلَّا بِمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّ الصَّحَابَةَ قَدْ فَسَّرُوْا وَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ عَلٰى وُجُوْهٍ وَ لَيْسَ كُلُّ مَا قَالُوْهُ سَمِعُوْهُ مِنْهُ وَلِاَنَّهٗ لَا يُفِيْدُ دُعَاءُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ۔

’’یہ تو جائز نہیں کہ اس عبارت کی یہ مراد ہو کہ کوئی بھی قرآن میں بغیر سنے ہوئے کچھ کلام ہی نہ کرے کیونکہ صحابہ کرام

رضی اللہ عنہ نے قرآن کی تفسیریں کیں اور آپس میں بہت طرح ان میں اختلاف رہا اور ان کی ہر بات تو سنی ہوئی نہ تھی پھر حضور ح کا یہ دعا فرمانا بے کار ہو گا کہ اے اللہ انکو دینی فقہ دے اور تاویل سکھادے۔"

نیز حضرت امام غزالی نے احیاء العلوم باب ہشتم میں فصل چہارم اس مقصد کے لیے مقرر کی ہے کہ قرآن سمجھنا بغیر نقل کے بھی جائز ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی۔ علماء ظاہری معنی کی تحقیق کرتے ہیں اور صوفیائے کرام باطنی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو سورۃ فاتحہ کی تفسیر سے ۷۰ اونٹ بھر دوں۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن سمجھ لیتا ہے وہ تمام علوم کو بیان کرسکتا ہے۔ پھر جو حدیث میں یہ آیا کہ جو شخص اپنی رائے سے قرآن میں کہے وہ خطا کار ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جن باتوں کا علم بغیر نقل کے نہیں ہوسکتا ان کو رائے سے بیان کرنا حرام ہے۔ دیکھو اس کی پوری بحث احیاء العلوم شریف کے اسی باب کی اسی فصل میں۔

نیز آئمہ دین کا قرآنی آیات میں بڑا اختلاف رہتا ہے کہ ایک صاحب کسی جگہ وقف کرتے ہیں۔ تو دوسرے اور جگہ ایک صاحب اسی آیت سے ایک مسئلہ نکالتے ہیں اور دوسرے صاحب اس کے خلاف۔ جیسے کہ تہمت زنا لگانے والے کی گواہی تشابہات کا علم وغیرہ۔ تو اگر آپ اپنے علم سے کلام الٰہی میں بالکل کلام نہیں کرسکتے ہر ہر بات کے لیے نقل کی ضرورت ہے تو یہ اختلاف کیسا۔

تحریف

(۳) تحریف یہ ہے کہ قرآن کے ایسے معنی یا مطلب بیان کرے جو کہ اجماع امت یا عقیدہ اسلامیہ یا اجماع مفسرین کے خلاف ہو یا خود تفسیر قرآن کے خلاف ہے اور کہے کہ اس آیت کے وہ معنی نہیں ہیں بلکہ وہ معنی ہیں جو میں نے کہے۔ یہ صریح کفر ہے جیسے آیات قرآنیہ اور قرأت کا انکار کفر ہے ایسے ہی قرآن کے متواتر معنی کا انکار کفر ہے جیسے کہ مولوی قاسم صاحب نے خاتم النبین کے معنے کئے۔ اصلی نبی۔ اور معنی آخری نبی کو خیال عوام یعنی غلط کہا اور نبوت کی دو قسمیں کر ڈالیں۔ اصلی اور عارضی۔ حالانکہ امت کا اجماع اور احادیث کا اتفاق اس پر ہے کہ خاتم النبیین کے معنے ہیں آخری نبی۔ اور حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یا بعد میں کوئی نبی نہیں آسکتا۔ یہ تحریف ہے۔ اور اسی طرح قرآن پاک کی جن آیتوں میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت کی گئی ہے وہاں مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد غیر اللہ کو پوجنا ہے جیسے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا یَنْفَعُكَ وَ لَا یَضُرُّكَ (پارہ ۱۱ سورۃ ۱۰ آیت ۱۰۶)

"خدا کے سوا انکو نہ پوجو جو نفع نقصان نہ پہنچا سکیں۔"

نیز قرآن کریم خود اس کی تفسیر فرماتا ہے:

وَ مَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۳ آیت ۱۱۷)

"جو شخص خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو پوجے۔"

اب اسی تفسیر اور اجماع کے ہوتے ہوئے جو کہے کہ غیر کو پکارنا منع ہے وہ قرآن میں تحریف کرتا ہے اس بحث کو خوب اچھی طرح خیال میں

رکھنا چاہیئے بہت فائدہ مند ہے اور آئندہ کام آئے گی۔

تقلید کی بحث

تقلید کے باب میں پانچ باتیں خیال میں رکھنا ضروری ہیں۔ ① تقلید کے معنی اور اس کی قسمیں ② تقلید کونسی ضروری ہے اور کونسی منع ③ تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں ④ تقلید کے واجب ہونے کے دلائل ⑤ تقلید پر اعتراضات اور انکے مکمل جوابات اس لیے اس بحث کے پانچ باب کئے جاتے ہیں۔

بَابْ نمبر 1

تقلید کے معنی اور اس کی اقسام

تقلید کے دو معنی ہیں، ایک لغوی دوسرے شرعی۔ لغوی معنی ہیں قلادہ در گردن بستن گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا۔ تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے پر لازم شرعی جاننا یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لیے حجت ہے کیونکہ یہ شرعی محقق ہے جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لیے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

حاشیہ حسامی باب متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صفحہ ۸۶ پر شرح مختصر المنار سے نقل کیا اور یہ عبارت نور الانوار بحث تقلید میں بھی ہے:

اَلتَّقْلِیْدُ اِتْبَاعُ الرَّجُلِ غَیْرَہٗ فِیْمَا سَمِعَہٗ یَقُوْلُ اَوْفِیْ فِعْلِہٖ عَلٰی زَعْمٍ اَنَّہٗ مُحَقِّقٌ بِلَا نَظْرٍ فِی الدَّلِیْلِ

"تقلید کے معنی ہیں کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا اس میں جو اسے کہتے ہوئے یا کرتے ہوئے سن لے یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے بغیر دلیل میں نظر کیے ہوئے۔"

نیز امام غزالی کتاب المستصفیٰ جلد دوم صفحہ ۳۸۷ میں فرماتے ہیں اَلتَّقْلِیْدُ ھُوَ قَبُوْلُ قَوْلٍ بِلَا حُجَّتِہٖ۔ مسلم الثبوت میں ہے اَلتَّقْلِیْدُ اَلْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَیْرِ مِنْ غَیْرِ حُجَّۃٍ۔ ترجمہ وہ ہی جو اوپر بیان ہوا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انکا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے۔ تقلید میں ہوتا ہے دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ لہٰذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ و آئمہ دین حضور علیہ السلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے کیوں کہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لیے حجت نہیں بناتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا یہ فتوی غلط تھا' کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے بخلاف قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مسئلہ فرما دے تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا یہ فرق ضرور یاد رہے۔

تقلید دو طرح کی ہے تقلید شرعی اور غیر شرعی تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے روزہ' نماز' حج' زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں آئمہ دین کی اطاعت کی جاتی ہے اور تقلید غیر شرعی دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا ہے جیسے طبیب لوگ علم طب

میں بوعلی سینا کی اور شاعر لوگ داغ، امیر یا مرزا غالب کی یا نحوی صرفی لوگ سیبویہ اور خلیل کی پیروی کرتے ہیں اسی طرح ہر پیشہ ور اپنے پیشہ میں اس فن کے ماہرین کی پیروی کرتے ہیں یہ تقلید دنیاوی ہے۔

صوفیائے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لیے کہ یہ شرعی مسائل حرام و حلال میں تقلید نہیں۔ ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کام ہے۔

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف ہے تو حرام ہے اگر خلاف اسلام نہ ہو تو جائز ہے بوڑھی عورتیں اپنے باپ داداؤں کی ایجاد کی ہوئی شادی غمی کی ان رسموں کی پابندی کریں جو خلاف شریعت ہیں تو حرام ہے اور طبیب لوگ جو طبی مسائل میں بوعلی سینا وغیرہ کی پیروی کریں جو کہ مخالف اسلام نہ ہوں تو جائز ہے اسی پہلی قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآن کریم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے اور ایسی تقلید کرنے والوں کی برائی فرماتا ہے۔

وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۸ آیت ۲۸)

''اور اسکا کہا نہ مانو جسکا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اسکا کام حد سے گزر گیا۔''

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (پارہ ۲۱ سورۃ لقمان آیت ۱۵)

''اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرا اس کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہا نہ مان۔''

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ط اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ ۔ (پارہ ۷ سورۃ ۵ آیت ۱۰۴)

''اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف کہیں ہم کو وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانیں اور نہ راہ پر ہوں۔''

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا. (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۷۰)

''اور جب ان سے کہا جاوے کہ اللہ کے اتارے ہوئے پر چلو تو کہیں گے ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔''

ان میں اور ان جیسی آیتوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ داداؤں کے حرام کاموں میں کی جاوے کہ چونکہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے ہم بھی ایسا کریں گے چاہے یہ کام جائز ہو یا ناجائز۔ رہی شرعی تقلید اور آئمہ دین کی اطاعت، اس سے ان آیات کو کوئی تعلق نہیں ان آیتوں سے تقلید آئمہ کو شرک یا حرام کہنا محض بے دینی ہے۔ اس کا بہت خیال رہے۔

باب نمبر 2

کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے اور کن میں نہیں

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل تین طرح کے ہیں۔ ① عقائد ② وہ احکام جو صراحۃً قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت

ہوں اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو۔ ③ وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔

عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ تفسیر روح البیان آخر سورۃ ہود زیر آیت نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۱۰۹) میں ہے وَ فِیْ الْاٰيَةِ ذَمُّ التَّقْلِيْدِ وَ هُوَ قَبُوْلُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا دَلِيْلٍ وَ هُوَ جَائِزٌ فِی الْفُرُوْعِ وَالْعَمْلِيَاتِ وَ لَا يَجُوْزُ فِیْ اُصُوْلِ الدِّيْنِ وَ الْاِعْتِقَادِيَاتِ بَلْ لَآ بُدَّ مِنَ النَّظْرِ وَ الْاِسْتِدْلَالِ اگر کوئی ہم سے پوچھے کے توحید و رسالت وغیرہ تم نے کیسے مانی تو یہ نہ کہا جاویگا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمانے سے یا کہ فقہ اکبر سے بلکہ توحید و رسالت سے کیونکہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی مقدمہ شامی بحث تقلید المفضول مع الافضل میں ہے۔

(عَنْ مُعْتَقَدِنَا) اَیْ عَمَّا نَعْتَقِدُهٗ مِنْ غَيْرِ الْمَسَائِلِ الْفَرْعِيَّةِ مِمَّا يَجِبُ اِعْتِقَادُهٗ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ بِلَا تَقْلِيْدٍ لِاَحَدٍ وَ هُوَ مَا عَلَيْهِ اَهْلُ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ وَ هُمُ الْاَ شَاعِرَةُ وَالْمَا تُرِيْدِيَّةُ۔

”یعنی جن کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں فرعی مسائل کے علاوہ کہ جن کا اعتقاد رکھنا ہر مکلّف پر بغیر کسی کی تقلید کے واجب ہے وہ عقائد وہ ہی ہیں جن پر اہلسنت والجماعت ہیں اور اہل سنت اشاعرہ اور ماترید یہ ہیں۔“

نیز تفسیر کبیر پارہ دس زیر آیت فاجرہ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۶) میں ہے هٰذِهِ الْاٰيَتُهُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ التَّقْلِيْدَ غَيْرُ كَافٍ فِی الدِّيْنِ وَ اَنَّهٗ لَا بُدَّ مِنَ النَّظْرِ وَ الْاِ سْتِدْلَالِ صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں۔ پانچ نمازیں، نماز کی رکعتیں، تیس روزے، روزے میں کھانا پینا حرام ہونا یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت نص میں صراحۃً ہے اس لیے یہ نہ کہا جائے گا کہ نمازیں پانچ اس لیے ہیں یا روزے ایک ماہ کے اس لیے ہیں کہ فقہ اکبر میں لکھا ہے یا امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے بلکہ اس کے لیے قرآن و حدیث سے دلائل دیئے جائیں گے۔ جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں۔ ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے مسائل کی جو ہم نے تقسیم کر دی اور بتا دیا کہ کون سے مسائل تقلید یہ ہیں اور کون سے نہیں اسکا بہت لحاظ رہے بعض موقعوں پر غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں کہ مقلد کو حق نہیں ہوتا کہ دلائل سے مسائل نکالے پھر تم لوگ نماز روزے کے لیے قرآنی آیتیں یا احادیث کیوں پیش کرتے ہو اس کا جواب بھی اس امر میں آ گیا کہ روزہ و نماز کی فرضیت تقلیدی مسائل سے نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام خبر وغیرہ میں تقلید نہ ہوگی جیسے کہ مسئلہ کفر یزید وغیرہ۔ نیز قیاسی مسائل میں فقہاء کا قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرنا صرف مانے ہوئے مسائل کی تائید کے لیے ہوتا ہے وہ جو مسائل پہلے ہی قول امام سے مانے ہوئے ہوتے ہیں تو بلا نظر فی الدلیل کے یہ معنی نہیں کہ مقلد دلائل دیکھے ہی نہیں بلکہ یہ دلائل سے مسائل حل نہ کرے۔

بَابْ نَمبَر 3

کس پر تقلید کرنا واجب ہے کس پر نہیں

مکلّف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد۔ دوسرے غیر مجتہد۔ مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علمی لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی ارشادات و

رموز کو سمجھ سکے اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے اس سے مسائل نکال سکے ناسخ ومنسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف ونحو وبلاغت وغیرہ میں اس کو پوری مہارت حاصل ہو احکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو دیکھو تفسیرات احمدیہ وغیرہ جو کہ اس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لیے تقلید منع۔ مجتہد کے چھ طبقے ہیں ① مجتہد فی الشرع ② مجتہد فی المذہب ③ مجتہد فی المسائل ④ اصحاب التخریج ⑤ اصحاب الترجیح ⑥ اصحاب التمیز

(مقدمہ شامی بحث طبقات الفقہاء)

① مجتہد فی الشرع وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے جیسے چاروں امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم

② مجتہد فی المذہب وہ حضرات ہیں جو ان اصولوں میں تقلید کرتے ہیں اور ان اصولوں سے مسائل شرعیہ فرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں جیسے امام ابو یوسف ومحمد ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہم۔ کہ یہ قواعد میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد۔

③ مجتہد فی المسائل وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فرعیہ دونوں میں مقلد ہیں۔ مگر وہ مسائل جن کے متعلق آئمہ کی تصریح نہیں ملتی۔ انکو قرآن وحدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں۔ جیسے امام طحاوی اور قاضی خان، شمس الآئمہ سرخسی وغیرہم۔

④ اصحاب تخریج وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے، ہاں آئمہ میں کسی کے مجمل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں جیسے امام کرخی وغیرہ۔

⑤ اصحاب ترجیح وہ حضرات ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں، یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دو قول روایت میں آئے تو ان میں سے کسی کو ترجیح دیں۔ یہ وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں کہ ہذا اولیٰ یا ہذا اصح وغیرہ جیسے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ۔

⑥ اصحاب تمیز وہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات نادرہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقوٰی لیں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں اور صحیح روایات اور معتبر قول کو لیں۔ جیسے کہ صاحب کنز اور صاحب درمختار وغیرہ۔

جن میں ان چھ وصفوں میں سے کچھ بھی نہ ہوں وہ مقلّد محض ہیں جیسے ہم اور ہمارے زمانہ کہ عام علماء کہ ان کا صرف یہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتادیں۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مجتہد کو تقلید کرنا حرام ہے تو ان چھ طبقوں میں جو صاحب ہیں جس درجہ کے مجتہد ہوں گے۔ وہ اس درجہ سے کسی کی تقلید نہ کریں گے۔ اور اس سے اوپر والے درجہ میں مقلد ہوں گے جیسے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ومحمد رحمۃ اللہ علیہ کہ یہ حضرات اصول وقواعد میں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں چونکہ خود مجتہد ہیں اس لیے ان میں مقلد نہیں۔

ہماری اس تقریر میں غیر مقلدوں کا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ جب امام ابو یوسف ومحمد علیہما الرحمۃ حنفی ہیں اور مقلد ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ جگہ مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ تو یہ ہی کہا جاوے گا کہ اصول وقواعد میں یہ حضرات مقلد ہیں۔ اس میں مخالفت نہیں کرتے اور فرعی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں اس میں خود مجتہد ہیں۔ وہ کسی کے مقلد نہیں۔

یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتوی دیتے ہو اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو چھوڑتے ہو پھر تم حنفی کیسے؟ جواب آ گیا کہ بعض درجہ کے فقہاء اصحاب ترجیح بھی ہیں جو چند قولوں میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں اس لیے ہم کو ان فقہاء کا ترجیح دیا ہوا جو قول ملا اس پر فتوی دیا گیا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم اپنے کو حنفی پھر کیوں کہتے ہو یوسفی یا محمدی یا ابن مبارکہ کہو! کیونکہ بہت سی جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے ہو امام ابوحنیفہ کا قول چھوڑ کر۔ جواب یہ ہی ہوا کہ چونکہ ابو یوسف و محمد ابن مبارکہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال امام ابوحنیفہ علیہ الرحمتہ کے اصول اور قوانین پر بنے ہیں۔ لہذا ان میں سے کسی بھی قول کو لینا درحقیقت امام صاحب ہی کے قول کو لینا جیسے حدیث پر علم درحقیقت قرآن پر ہی عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے اب اگر کوئی محقق فی المذاہب کوئی صحیح حدیث پا کر اس پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہو گا بلکہ حنفی رہے گا کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا یہ پوری بحث دیکھو مقدمہ شامی مطلب صَحَّ مِنَ الْاِمَامِ اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب بنی یعنی ہر مسئلہ اور ہر حدیث میں، میں نے بہت جرح قدح اور تحقیق کی ہے تب اسے اختیار کیا چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مسئلہ کی بڑی چھان بین ہوتی ہے۔ مجتہد شاگردوں سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا۔

اگر یہ مختصری تقریر خیال میں رکھی گئی تو بہت سی مشکلوں کو انشاء اللہ حل کر دے گی اور بہت کام آوے گی بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہم میں اجتہاد کرنے کی قوت ہے لہذا ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ اس کے لیے بہت طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اجتہاد کے لیے کس قدر علم کی ضرورت ہے اور ان حضرات کو وہ قوت علمی حاصل ہے یا نہیں۔

حضرت امام رازی، امام غزالی، وغیرہ امام ترمذی و امام ابوداؤد وغیرہ حضور غوث پاک۔ حضرت بایزید بسطامی۔ شاہ بہاء الحق نقشبند اسلام میں ایسے پایہ کے علماء اور مشائخ گذرے کہ ان پر اہل اسلام جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔ مگر ان حضرات میں سے کوئی صاحب بھی مجتہد نہ ہوئے بلکہ سب مقلد ہی ہوئے خواہ امام شافعی کے مقلد ہوں یا امام ابوحنیفہ کے رضی اللہ عنہم۔ زمانہ موجودہ میں کون ان کی قابلیت کا ہے جب ان کے علم مجتہد بننے کے لیے کافی نہ ہوا۔ تو جن بے چاروں کو ابھی حدیث کی کتابوں کے نام لینا بھی نہ آتے ہوں وہ کس شمار میں ہیں۔

ایک صاحب نے دعویٰ اجتہاد کیا میں نے ان سے صرف اتنا پوچھا کہ سورۃ تکاثر سے کس قدر مسائل آپ نکال سکتے ہیں اور اس میں حقیقت، مجاز، صریح و کنایہ ظاہر و نص کتنے ہیں۔ ان بے چارے نے ان چیزوں کے نام بھی نہ سنے تھے۔

باب نمبر 4

تقلید واجب ہونے کے دلائل میں

اس باب میں ہم دو فصلیں لکھتے ہیں۔ پہلی فصل میں تو مطلقاً تقلید کے دلائل ہیں دوسری میں تقلید شخصی کے دلائل۔

فصل نمبر 1

تقلید کا واجب ہونا قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور عمل امت اور اقوال مفسرین سے ثابت ہے۔ تقلید مطلقاً بھی اور تقلید مجتہدین بھی ہر ایک تقلید کا ثبوت ہے۔

① اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (سورۂ فاتحہ: ۵۔۶)

''ہم کو سیدھا راستہ چلا ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں اور تمام مفسرین محدثین فقہا اولیاء اللہ غوث وقطب ابدال اللہ کے نیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلد گزرے لہذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا کوئی محدث مفسر ولی غیر مقلد نہ گذرا۔ غیر مقلد وہ ہے جو مجتہد نہ ہو پھر تقلید نہ کرے۔ جو مجتہد ہو کر تقلید نہ کرے وہ غیر مقلد نہیں کیونکہ مجتہد کو تقلید کرنا منع ہے۔

② لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۸۶)

''اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ کام کی خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ تو جو شخص اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن سے مسائل نہ نکال سکے۔ اس سے تقلید نہ کرانا اور اس سے استنباط کرنا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہے جب غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں تو بے علم پر مسائل کا استنباط کرانا کیونکر ضروری ہوگا۔

③ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۰۰)

''اور سب میں اگلے پچھلے مہاجر وانصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔''

معلوم ہوا کہ اللہ ان سے راضی ہے جو مہاجرین اور انصار کی اتباع یعنی تقلید کرتے ہیں یہ بھی تقلید ہوئی۔

④ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۵۹)

''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حکم والوں کی جو تم میں سے ہوں۔''

اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی (قرآن) رسول علیہ السلام کی (حدیث) امر والوں کی (فقہ واستنباط کے علماء) مگر کلمہ اَطِيْعُوْا دو جگہ آیا اللہ کے لیے ایک اور رسول علیہ السلام اور حکم والوں کے لیے ایک۔ کیونکہ اللہ کی صرف اس کے فرمانے میں ہی اطاعت کی جائے گی نہ کہ اس کے فعل میں اور نہ اس کے سکوت میں۔ وہ کفار کو روزی دیتا ہے کبھی ان کو ظاہری فتح دیتا ہے وہ کفر کرتے ہیں مگر ان کو فوراً عذاب نہیں بھیجتا۔ ہم اس میں رب تعالیٰ کی پیروی نہیں کر سکتے کہ کفار کی امداد کریں بخلاف نبی علیہ السلام و امام مجتہد کے کہ ان کا ہر حکم ان کا ہر کام اور ان کا کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہونا۔ تینوں چیزوں میں ان کی پیروی کی جاوے گی۔ اس فرق کی وجہ سے دو جگہ اَطِيْعُوْا بولا گیا اگر کوئی کہے کہ امر والوں سے مراد سلطان اسلامی ہے تو سلطان اسلامی کی اطاعت شرعی احکام میں کی

جاویگی نہ کہ خلاف شرع چیزوں میں اور سلطان وہ شرعی احکام علماء مجتہدین ہی سے معلوم کرے گا حکم تو سب میں فقیہ کا ہوتا ہے۔ اسلامی سلطان محض اس کا جاری کرنے والا ہوتا ہے تمام رعایا کا حاکم بادشاہ اور بادشاہ کا حاکم عالم مجتہد لہذا نتیجہ وہ ہی نکلا کہ اولی الامر علمائے مجتہدین ہی ہوئے اور اگر بادشاہ اسلامی بھی مرادلو۔ جب بھی تقلید تو ثابت ہو ہی گئی عالم کی نہ ہوئی بادشاہ کی ہوئی۔

یہ بھی خیال رہے کہ آیت میں اطاعت سے مراد شرعی اطاعت ہے۔

ایک نکتہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ احکام تین طرح کے ہیں۔ صراحۃً قرآن سے ثابت جیسے کہ جس عورت غیر حاملہ کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے ان کے لیے حکم ہوا اَطِیْعُوا اللّٰہَ دوسرے وہ جو صراحۃً حدیث سے ثابت ہیں۔ جیسے کہ چاندی سونے کا زیور مرد کو پہننا حرام ہے اس کے لیے فرمایا گیا وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ تیسرے وہ جو نہ تو صراحۃً قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث سے جیسے کہ چاول میں سود کی حرمت قطعی ہے اس کے لیے فرمایا گیا اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ تین طرح کے احکام اور تین حکم:

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (پارہ۱۴ سورۃ۱۶ آیت۴۳)

''تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو۔ وہ اہل علم سے دریافت کرے۔ وہ اجتہادی مسائل جن کو نکالنے کی ہم میں طاقت نہ ہو مجتہدین سے دریافت کیے جائیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تاریخی واقعات ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی آیت سے ثابت ہے لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ اس آیت کے کلمات مطلق بغیر قید کے ہیں اور پوچھنے کی وجہ ہے نہ جاننا تو جس چیز کو ہم نہ جانتے ہوں اس کا پوچھنا لازم ہے۔

وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ج۔ (پارہ۲۱ سورۃ۳۱ آیت۱۵)

''اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔''

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے یہ حکم بھی عام ہے کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔

(پارہ۱۹ سورۃ۲۵ آیت۷۴)

''اور وہ جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں میں ٹھنڈک اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا بنا۔''

اس آیت کی تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

فَنَقْتَدِیْ بِالْمُتَّقِیْنَ وَ یَقْتَدِیْ بِنَا الْمُتَّقُوْنَ۔

''ہم پرہیز گاروں کی پیروی کریں اور پرہیز گار ہماری پیروی کریں۔''

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی پیروی اور ان کی تقلید ضروری ہے۔

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ

(پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۲۲)

''تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص پر مجتہد بنا ضروری نہیں بلکہ بعض تو فقیہ بنیں اور بعض دوسروں کی تقلید کریں۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۸۳)

''اور اگر اس میں رسول اور امر والے لوگوں کی طرف رجوع کرتے تو ضرور ان میں سے حقیقت جان لیتے وہ جو استنباط کرتے ہیں۔''

اس سے صاف معلوم ہوا کہ احادیث اور اخبار اور قرآنی آیات کو پہلے استنباط کرنے والے علماء کے سامنے پیش کرے پھر جس طرح وہ فرما دیں اس پر عمل کریں۔ خبر سے بڑھ کر قرآن و حدیث ہے لہذا اس کا مجتہد پر پیش کرنا ضروری ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ ۢ بِاِمَامِهِمْ۔ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۱)

''جس دن ہر جماعت کو ہم اسکے امام کے ساتھ بلائیں گے۔''

اس کی تفسیر تفسیر روح البیان میں اس طرح ہے

اَوْ مُقَدَّمٍ فِي الدِّيْنِ فَيُقَالُ يَا حَنَفِيُّ يَا شَافِعِيُّ۔

''یا امام دینی پیشوا ہے۔ پس قیامت میں کہا جاوے گا کہ اے حنفی اے شافعی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر انس کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جاویگا۔ یوں کہا جاویگا کہ اے حنفیو! اے شافعیو! اے مالکیو! چلے آؤ تو جس نے امام ہی نہ پکڑا اس کو کس کے ساتھ بلایا جائیگا۔ اسکے بارے میں صوفیاء کرام فرماتے ہیں جس کا کوئی امام نہیں اس کا امام شیطان ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ط (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۳)

''یعنی جب ان کو کہا جاتا ہے کہ ایسا ایمان لاؤ جیسا کہ مخلص مومن ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف ایمان لائے۔''

معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہ ہی معتبر ہے جو صالحین کا سا ہو۔ تو مذہب بھی وہ ہی ٹھیک ہے جو نیک بندوں کی طرح ہو اور وہ تقلید ہے۔

فصل نمبر 1

مطلقاً تقلید کے بیان میں

اقوال مفسرین ومحدثین

دارمی باب الاقتداء بالعلماء میں ہے۔

اَخْبَرَ نَا یَعْلٰی قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُالْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ وَ اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ قَالُوْااُوْلُوْالْعِلْمِ وَالْفِقْهِ۔

”خبر دی ہم کو یعلیٰ نے انہوں نے کہا کہ مجھ سے کہا عبدالملک نے انہوں نے عطا سے روایت کی کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں کی۔ فرمایا عطا نے کہ اولوالامر علم اور فقہ والے حضرات ہیں۔“

تفسیر خازن زیر آیت:

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ فَاسْئَلُوْاالْمُؤْمِنِیْنَ الْعٰلِمِیْنَ مِنْ اَهْلِ الْقُرْاٰنِ۔

”پس پوچھو تم ذکر والوں سے اگر تم نہیں جانتے تم ان مومنوں سے پوچھو جو قرآن کریم کے علماء ہیں۔“

تفسیر درمنثور میں اسی آیت فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ کی تفسیر میں ہے۔

اَخْرَجَ اِبْنُ مَرْدَوَیْهِ عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الرَّجُلَ یُصَلِّی وَ یَصُوْمُ وَ یَحُجُّ وَ یَغْزُوْوَ اِنَّهٗ لَمُنَافِقٌ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِمَا ذَا دَخَلَ عَلَیْهِ النِّفَاقُ قَالَ لِطَعْنِهٖ عَلٰی اِمَامِهٖ وَ اِمَامِهٖ مَنْ قَالَ قَالَ اللّٰهُ فِیْ كِتَابِهٖ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

”ابن مردویہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سنا کہ فرماتے تھے کہ بعض شخص نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج اور جہاد کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ منافق ہوتے ہیں عرض کی یا رسول اللہ کس وجہ سے ان میں نفاق آ گیا فرمایا کہ اپنے امام پر طعنہ کرنے کی وجہ سے، فرمایا امام کون ہے فرمایا کہ رب نے فرمایا فَاسْئَلُوْا الْاٰیَةِ۔“

تفسیر صاوی سورہ کہف وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۸ آیت ۲۴) کی تفسیر میں ہے۔

وَلَا یَجُوْزُ تَقْلِیْدُ مَا عَدَا الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَ لَوْ وَافَقَ قَوْلَ الصَّحَابَةِ وَ الْحَدِیْثِ الصَّحِیْحِ وَالْاٰیَةِ فَالْخَارِجُ عَنِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ ضَالٌّ مُّضِلٌّ وَرُبَمَا اَدَّاهُ ذٰلِكَ لِلْكُفْرِ لِاَنَّ الْاَخْذَ بِظَوَاهِرِ الْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ مِنْ اُصُوْلِ الْكُفْرِ۔

”یعنی چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ صحابہ کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو۔ جو ان چار مذہبوں سے خارج ہے وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے کیوں کہ حدیث و قرآن کے محض ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے۔“

احادیث

مسلم جلداول صفحہ۵۴ باب بیان اِنَّ الدِّیْنِ النَّصِیْحَۃُ میں ہے۔

عَنْ تَمِیْمِ نِ الدَّارِیْ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ عَامَّتِھِمْ

’’تمیم داری سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دین خیر خواہی ہے ہم نے عرض کیا کس کی؟ فرمایا اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کے امام کی اور عامۂ مومنین کی۔‘‘

اس حدیث کی شرح نووی میں ہے:

وَ قَدْیَتَنَا وَ لُ ذٰلِکَ عَلَی الْاَئِمَّۃِ الَّذِیْنَ ھُمْ عُلَمَآءِ الدِّیْنِ وَ اِنَّ مِنْ نَصِیْحَتِھِمْ قَبُوْلَ مَارَوَوْہُ وَ تَقْلِیْدَ ھُمْ فِی الْاَحْکَامِ وَ اِحْسَانِ الظَّنِّ بِھِمْ۔

’’یہ حدیث ان اماموں کو بھی شامل ہے جو علمائے دین ہیں اور علماء کی خیر خواہی سے ہے ان کی روایت کی ہوئی احادیث کا قبول کرنا اور ان کے احکام میں تقلید کرنا اور ان کے ساتھ نیک گمان کرنا۔‘‘

فصل نمبر 2

تقلید شخصی کے بیان میں

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ میں بحوالہ مسلم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَنْ اَتَاکُمْ وَ اَمْرُکُمْ جَمِیْعٌ عَلٰی رَجُلٍ وَاحِدٍ یُرِیْدُ اَنْ یَّشُقَّ عَصَاکُمْ وَ یُفَرِّقَ جَمَاعَتَکُمْ فَاقْتُلُوْہُ۔

’’جو تمہارے پاس آوے حالانکہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو وہ چاہتا ہو کہ تمہاری لاٹھی توڑ دے اور تمہاری ہر جماعت کو متفرق کردے تو اس کو قتل کردو۔‘‘

اس سے مراد امام اور علماء دین ہی ہیں کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز نہیں ہے۔ مسلم نے کتاب الامارۃ میں ایک باب باندھا بَابُ وَ جُوْبِ طَاعَۃِ الْاُمَرَاءِ فِیْ غَیْرِ مَعْصِیَۃٍ۔ یعنی امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی اطاعت ضروری ہے۔

مشکوٰۃ شریف کتاب البیوع باب الفرائض میں بروایت بخاری ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا لَا تَسْئَلُوْا فِیْ مَادَامَ ھٰذَا الْحِبْرُ فِیْکُمْ جب تک کہ یہ علامہ تم میں رہیں مجھ سے مسائل نہ پوچھو معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت نہ کرے اور ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے فتح القدیر میں ہے۔

مَنْ تَوَلّٰی اَمْرَ الْمُسْلِمِیْنَ شَیْئًا فَاسْتَعْمَلَ عَلَیْهِمْ رَجُلًا وَّ یَعْلَمُ اَنَّ فِیْهِمْ مَنْ هُوَاَوْلٰی بِذَالِكَ وَ اَعْلَمُ مِنْهُ بِکِتَابِ اللّٰهِ وَ سُنَّةِ رَسُوْلِهٖ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

"جوشخص مسلمانوں کی حکومت کا مالک ہو پھران پر کسی کو حاکم بنائے حالانکہ جانتا ہو کہ مسلمانوں میں اس سے زیادہ مستحق اور قرآن وحدیث کا جاننے والا ہے تو اس نے اللہ ورسول حاور عام مسلمانوں کی خیانت کی۔"

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل اول میں ہے:

مَنْ مَاتَ وَ لَیْسَ فِیْ عُنُقِهٖ بَیْعَةٌ مَّاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً۔

"جو مرجائے حالانکہ اس کے گلے میں کسی کی بیعت نہ ہو وہ جہالت کی موت مرا۔"

اس میں امام کی بیعت یعنی تقلید اور بیعت اولیاء سب ہی داخل ہیں ورنہ بتاؤ فی زمانہ وہابی کس سلطان کی بیعت میں ہیں۔

یہ تو چند آیات واحادیث تھیں اس کے علاوہ اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر قناعت کی گئی۔ اب امت کا عمل دیکھو تو تبع تابعین کے زمانہ سے اب تک ساری امت مرحومہ اس ہی تقلید کی عامل ہے کہ جو مجتہد نہ ہو وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے اور اجماع امت پر عمل کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور ضروری ہے قرآن فرماتا ہے۔

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَسَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا۔ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۱۵)

"اور جو رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راستہ چلے ہم اسکو اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے اور اسکو دوزخ میں داخل کرینگے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔"

جس سے معلوم ہوا کہ جو راستہ عام مسلمانوں کا ہو اس کو اختیار کرنا فرض ہے اور تقلید پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنّت میں ہے۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔

"بڑے گروہ کی پیروی کرو کیوں کہ جو جماعت مسلمین سے علیحدہ رہا وہ علیحدہ کرکے جہنم میں بھیجا جاوے گا۔"

نیز حدیث میں ہے

مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَاللّٰهِ حَسَنٌ۔

"جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔"

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلید شخصی ہی کو اچھا جانتے آئے اور مقلد ہی ہوئے آج بھی عرب وعجم میں مسلمان تقلید شخصی ہی کرتے ہیں اور جو غیر مقلد ہوا اور اجماع کا منکر ہوا اگر اجماع کا اعتبار نہ کرو تو خلافت صدیقی وفاروقی کس طرح ثابت کروگے اور وہ بھی تو اجماع امت سے ہی ثابت ہوئی یہاں تک کہ جو شخص ان دونوں خلافتوں میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے۔

دیکھو شامی وغیرہ اسی طرح تقلید پر بھی اجماع ہوا۔

تفسیر خازن زیر آیت وَکُوْنُوْامَعَ الصّٰدِقِیْنَ (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۱۹) ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انصار سے فرمایا کہ قرآن شریف نے مہاجرین کو صادقین کہا اُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ (پارہ ۲۸ سورۃ ۵۹ آیت ۸) پھر فرمایا وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سچوں کے ساتھ رہو۔ لہٰذا تم بھی علیحدہ خلافت نہ قائم کرو۔ ہمارے ساتھ رہو ایسے ہی میں غیر مقلدوں سے کہتا ہوں کہ سچوں نے تقلید کی ہے تم بھی ان کے ساتھ رہو۔ مقلد بنو۔

عقلی دلائل

دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا۔ ہر ہنر اور علم کے قواعد سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ دین کا معاملہ تو دنیا سے کہیں زیادہ مشکل ہے اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوگی۔ علم حدیث میں بھی تقلید ہے کہ فلاں حدیث اس لیے ضعیف ہے کہ بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا اس کا قول ماننا یہی تو تقلید ہے۔ قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے قرآن کے اعراب، آیات سب ہی تقلید ہی تو ہے نماز میں جب جماعت ہوتی ہے تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں حکومت اسلام میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ریل میں بیٹھتے ہیں تو ایک انجن کی ساری ریل والے تقلید کرتے ہیں۔ غرضیکہ انسان ہر کام میں مقلد ہے اور خیال رہے کہ ان سب صورتوں میں تقلید شخصی ہے تمام کے امام دو نہیں۔ بادشاہ، اسلام دو نہیں۔ تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے۔

اِذَا کَانَ ثَلٰثَةٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَھُمْ۔

''جبکہ تین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنا لیں۔''

باب نمبر 5

تقلید پر اعتراضات اور اس کے جواب کے بیان میں

مسئلہ تقلید پر مخالفین کے اعتراضات دو طرح کے ہیں۔ ایک واہیات طعنے اور تمسخر ان کے جوابات ضروری نہیں۔ دوسرے وہ جن سے مقلدین کو غیر مقلد دھوکا دیتے ہیں اور عام مقلدین دھوکا کھا لیتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں۔

اعتراض نمبر 1

اگر تقلید ضروری تھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے؟

جواب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو حضور علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں کہ آئمہ دین امام ابو حنیفہ و شافعی رضی اللہ عنہما وغیرہ وغیرہ ان کی پیروی کرتے ہیں مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ۔

''میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جن کی پیروی کرو گے ہدایت پالو گے تم لازمی پکڑو میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت۔''

یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے ہم کسی کے امتی نہیں۔ کیونکہ ہمارے نبی علیہ السلام کسی کے امتی نہ تھے تو امتی نہ ہونا سنت رسول اللہ ہے۔ اس سے یہ ہی کہا جاوے گا کہ حضور علیہ السلام تو خود نبی ہیں سب آپ کی امت ہیں وہ کس کے امتی ہوتے۔ ہم کو امتی ہونا ضروری ہے ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تمام کے امام ہیں۔ ان کا کون مسلمان امام ہوتا۔

نہر سے پانی اس کھیت کو دیا جاوے گا جو دریا سے دور ہو۔ مکبّرین کی آواز پر وہ ہی نماز پڑھے گا جو امام سے دور ہو لب دریا کے کھیتوں کو نہر کی ضرورت نہیں۔ صف اول کے مقتدیوں کو مکبّرین کی ضرورت نہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ صف اول کے مقتدی ہیں۔ وہ بلا واسطہ سینہ پاک مصطفیٰ علیہ السلام سے فیض لینے والے ہیں ہم چونکہ اس بحر سے دور ہیں لہٰذا کسی نہر کے حاجتمند ہیں۔ پھر سمندر سے ہزار ہا دریا جاری ہوتے ہیں۔ جن سب میں پانی تو سمندر ہی کا ہے مگر ان سب کے نام اور راستے جدا ہیں کوئی گنگا کہلاتا ہے کوئی جمنا ایسے ہی حضور علیہ السلام آب رحمت کے سمندر ہیں۔ اس سینہ میں سے جو نہر امام ابوحنیفہ کے سینہ سے ہوتی ہوئی آئی اسے حنفی کہا گیا جو امام مالک کے سینہ سے آئی وہ مذہب مالکی کہلایا۔ پانی سب کا ایک ہے مگر نام جداگانہ اور نہروں کی ہمیں ضرورت پڑی نہ کہ صحابہ کرام کو جیسے حدیث کی اسناد ہمارے لیے ہیں صحابہ کرام کے لیے نہیں۔

اِعتَراض نمبَر 2

رہبری کے لیے قرآن وحدیث کافی ہیں۔ ان میں کیا نہیں جو کہ فقہ سے حاصل کریں قرآن فرماتا ہے۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (پارہ ۷ سورۃ ٦ آیت ۵۹)

''اور نہ ہے کوئی تر اور خشک چیز جو ایک روشن کتاب میں لکھی نہ ہو۔''

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۴ آیت ۱۷)

''اور بے شک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لیے آسان فرما دیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔''

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب ہے اور قرآن سب کے لیے آسان بھی ہے پھر کس لیے مجتہد کے پاس جاویں؟

جَوَابْ

قرآن وحدیث بے شک راہبری کے لیے کافی ہیں اور ان میں سب کچھ ہے مگر ان سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونا چاہیئے سمندر میں موتی ہیں مگر ان کو نکالنے کے لیے غوطہ خور کی ضرورت ہے۔ آئمہ دین اس سمندر کے غوطہ زن ہیں۔ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اور اس سے نسخہ تجویز کرانا ضروری ہے آئمہ دین طبیب ہیں وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ میں فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان کیا ہے نہ کہ اس سے مسائل استنباط کرنے کے لیے اگر مسائل نکالنا آسان ہیں تو پھر حدیث کی بھی کیا ضرورت

ہے قرآن میں سب کچھ ہے اور قرآن آسان ہے پھر قرآن سکھانے کے لیے نبی کیوں آئے۔ قرآن میں ہے وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (پارہ ا سورۃ ۲ آیت ۱۲۹) اور وہ نبی ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن و حدیث روحانی دوائیں ہیں امام روحانی طبیب۔

اعتراض نمبر 3

قرآن پاک نے تقلید کرنے والوں کی برائیاں فرمائی ہیں فرماتا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۳۱)

”انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنالیا۔“

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۵۹)

”پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔“

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ (پارہ ۸ سورۃ ۶ آیت ۱۵۳)

”اور یہ کہ یہ ہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اس پر چلو اور راہیں نہ چلو کہ تم کو اس کی راہ سے جدا کریں گی۔“

قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۷۰)

”تو کہیں گے بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔“

ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ و رسول کے حکم کے سامنے اماموں کی بات ماننا طریقہ کفار ہے اور سیدھا راستہ ایک ہی ہے چار راستے حنفی، شافعی وغیرہ ٹیڑھے راستے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

جواب

جس تقلید کی قرآن کریم نے برائی فرمائی ہے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ میں۔ یہودیت و نصرانیت وغیرہ خلاف اسلام راستے مراد ہیں۔ حنفی شافعی وغیرہ چند راستے نہیں بلکہ ایک اسٹیشن کی چار سڑکیں یا ایک دریا کی چار نہریں ہیں۔ ورنہ پھر تو غیر مقلدین کی جماعتیں ثنائی اور غزنوی کا کیا حکم ہے عقائد بدلنے سے چاروں مذاہب کے عقائد یکساں ہیں صرف اعمال میں فروعی اختلاف ہے جیسا کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف رہا۔

اعتراض نمبر 4

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار   مت مان کسی کا قول و قرار
دین حق را چار مذہب ساختند   فتنہ در دین نبی انداختند

جواب

یہ شعر اصل میں چکڑالویوں کا ہے

ہوتے ہوئے کبریا کی گفتار   مت مان نبی کا قول و کرار

دوسرا شعر بھی اسی طرح ہے

مسجد دو خشت علیحدہ ساختند   فتنہ در دین نبی انداختند

چار مذہب کا جواب ہم نے اپنے دیوان میں دو شعروں سے اس طرح دیا ہے۔

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار   سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک و باد سب کا انہیں سے ہے   چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

چار کا عدد تو خدا کو بڑا ہی پیارا ہے۔ کتابیں بھی چار بھیجیں۔ اور دین بھی چار ہی بنائے انسان کا خمیر بھی چار ہی چیزوں سے کیا وغیرہ۔ جب مقصود کے چاروں راستے گھر گئے تو پھر وہاں پہنچنا ناممکن کیونکہ راستے چار ہی ہو سکتے ہیں خانہ کعبہ کے ارد گرد چار طرف نماز ہوتی ہے۔ مگر رخ سب کا کعبہ کو ایسے ہی حضور علیہ السلام تو کعبہ ایمان ہیں چاروں مذہبوں نے چاروں راستے گھیر لیے۔ وہابی کس راستے سے وہاں پر پہنچیں گے؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

مذہب چار چوں چہار راہ اند   بہر منت جو جادہ پیمائی
خود یکے بینی از چہار طرف   کعبہ راچوں تو سجدہ بنمائی

جس طرح قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے اسی طرح حدیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی ضرورت ہے فقہ قرآن وحدیث کی تفسیر ہے اور جو حکم کہ ہم کو نہ حدیث میں ملے نہ قرآن میں اسکو فقہ ہی بیان فرماتا ہے۔

اعتراض نمبر 5

تقلید میں غیر خدا کو اپنا حکم بنانا ہے اور یہ شرک ہے لہذا تقلید شخصی شرک ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۵۷)

”نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔“

جواب

اگر غیر خدا کو حکم یا پنچ بنانا شرک ہے تو حدیث ماننا بھی شرک ہوا نیز سارے محدثین مفسرین مشرک ہو گئے کیونکہ ترمذی ابوداؤد مسلم وغیرہ حضرات تو مقلد ہیں اور امام بخاری وغیرہ مقلدوں کے شاگرد دیکھو عینی شرح بخاری ہم نے دیوان سالک میں اس سوال کا جواب دیا ہے۔

جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثین سارے ہوتے مشرک   بخاری و مسلم ابن ماجہ امام اعظم ابوحنیفہ
کہ جتنے فقہ محدثین ہیں تمہارے خرمن سے خوشہ چیں ہیں   ہوں واسطے سے کہ بے وسیلہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

جن روایات میں ایک فاسق راوی آ جاوے۔ وہ روایت ضعیف یا موضوع ہے تو جس روایت میں کوئی مقلد آ جاوے تو مشرک آ گیا لہذا وہ بھی باطل پھر ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ تو خود مقلد ہیں مشرک ہوئے ان کی روایات ختم ہوئیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ پہلے ہی ختم ہو چکی کہ وہ مشرکوں کے شاگرد ہیں۔ اب حدیث کہاں سے لاؤ گے قرآن پاک فرماتا ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِہِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا۔ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۳۵)

''اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک حکم مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے بھیجو۔''

حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما نے جنگ صفین میں حکم بنایا۔ خود حضور علیہ السلام نے بنی قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا آیت کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی حکم خدائے پاک ہی کا ہے اور جو اس کے سواء کے احکام ہیں۔ علماء فقہاء اور مشائخ کے اسی طرح احکام حدیث یہ تمام بالواسطہ خدائے تعالیٰ ہی کے حکم ہیں۔ اگر یہ معنی ہوں کہ کسی کا حکم سوائے خدا کے ماننا شرک ہے تو آج تمام دنیا جج کا فیصلہ اور کچہریوں کے مقدمات کو مانتی ہے سب ہی مشرک ہو گئے۔

اِعتراض نمبر 6

قیاس مجتہد ظن ہے اور ظن کرنا گناہ ہے قرآن میں اس سے ممانعت ہے قرآن فرماتا ہے؟

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ز اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا۔

(پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۱۲)

''اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے اور عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو لہٰذا دین میں صرف کتاب و سنت پر عمل چاہیئے۔''

اصل دین آمد کتاب اللہ مقدم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ از جان مسلم داشتن

جواب

اس کا جواب خاتمہ میں آویگا کہ قیاس کسے کہتے ہیں اور اسکے احکام کیا ہیں؟

اِعتراض نمبر 7

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے وہی میرا مذہب ہے لہٰذا ہم نے ان کے قول حدیث کے خلاف پا کر چھوڑ دیئے انشاء اللہ غیر مقلدوں کو اس سے زیادہ دلائل نہ ملیں گے ان ہی کو بنا بگاڑ کر یا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

جواب

بے شک امام صاحب کا یہ حکم ہوا کہ اگر میرا قول کسی حدیث کے مقابل واقع ہو تو حدیث پر عمل کرنا میرے مذہب پر عمل کرنا ہے۔ یہ تو امام صاحب کا انتہائی تقوٰی ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ قیاس مجتہد وہاں ہوتا ہے جہاں نص موجود نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس زمانہ میں دنیا میں ایسا کون محدث ہے جو احادیث کا اس قدر علم رکھتا ہو کہ تمام احادیث پھر اس کی تمام اسنادوں پر اطلاع رکھتا ہو اور یہ بھی جانتا ہے کہ امام صاحب نے یہ حکم کس حدیث سے لیا ہے ہم لوگوں کی نظر صحاح ستہ سے آگے نہیں ہوتی پھر کس طرح فیصلہ کر سکتے ہیں کہ امام کا یہ فرمان کسی حدیث سے ماخوذ نہیں یوں تو حدیث میں بھی آتا ہے۔ (مقدمہ تفسیرات احمدیہ صفحہ ۴)

اِذَا بَلَغَکُمْ مِنِّی حَدِیْثٌ فَاعْرِضُوْہُ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ فَاِنْ وَافَقَہٗ فَاقْبَلُوْہُ وَ اِلَّا فَرُدُّوْہُ۔

”جب تم کو میری کوئی حدیث پہنچے تو اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو اگر اس کے موافق ہو تو قبول کر لو ورنہ رد کر دو۔“

تو اگر کوئی چکڑالوی کہے کہ بہت احادیث چونکہ خلاف قرآن ہیں اس لیے ہم حدیث چھوڑتے ہیں قرآن میں ہے کہ میراث تقسیم کرو اور حدیث میں ہے کہ نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ جس طرح یہ کلام مردود ہے تمہارا قول بھی رد ہے۔

اعتراض نمبر 8

امام اعظم کو حدیث نہیں آتی تھی اس لیے ان کی روایات بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ سب ضعیف۔

جواب

امام اعظم بہت بڑے محدث تھے۔ بغیر حدیث دانی اس قدر مسائل کس طرح استنباط ہو سکتے تھے ان کی کتاب مسند امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی کتاب مؤطا امام محمد سے ان کی حدیث دانی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روایات بہت کم ملتی ہیں تو کیا وہ محدث نہ تھے کمی روایت احتیاط کی وجہ سے ہے امام صاحب کی تمام روایات صحیح ہیں کیوں کہ ان کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب ہے بعد میں بعض روایات میں ضعف پیدا ہوا اور بعد کا ضعف حضرت امام کو مضر نہیں۔ جس قدر اسناد بڑھیں ضعف بھی پیدا ہوا۔

لطیفہ

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ چاروں مذہب حق یہ کس طرح ہو سکتا ہے حق تو صرف ایک ہی ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ واجب ہے تو یا تو واجب ہوگی یا مکروہ۔ دونوں مسلے صحیح کس طرح ہو سکتے ہیں۔

جواب

یہ ہے کہ حق کے معنی یہاں صحیح واقعہ کے موافق نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ چاروں مذاہب میں سے کسی کی پیروی کر لو تو خدا کے یہاں پکڑ نہ ہوگی۔ کیونکہ مجتہد کی خطا بھی معاف ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ اسی طرح عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں جنگ بھی ہوئی۔ اور حق پر ایک ہی صاحب تھے مگر دونوں کو حق پر کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی کی پکڑ عند اللہ نہیں ہوگی۔ جنگل میں ایک شخص کو خبر نہیں کہ قبلہ کدھر ہے۔ اس نے اپنی رائے سے چار رکعت چار طرف پڑھیں۔ کیوں کہ رائے بدلتی رہی۔ یہ بھی منہ پھیرتا رہا۔ قبلہ تو ایک ہی طرف تھا مگر نماز صحیح ہوگئی چاروں قبلہ درست ہیں۔ بلکہ مجتہد خطا بھی کرے تو بھی ایک ثواب پاتا ہے۔ قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی اجتہادی خطا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی درستی بیان فرمائی۔ مگر کسی پر عتاب نہ فرمایا۔

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب العمل فی القضاء میں ہے۔

اِذَا حَکَمَ الْحٰکِمُ فَاجْتَھَدَ وَ اَصَابَ فَلَہٗ اَجْرَانِ وَ اِذَا حَکَمَ فَاجْتَھَدَ فَاَخْطَاَ فَلَہٗ اَجْرٌ وَّاحِدٌ (متفق علیہ)

"جبکہ حاکم فیصلہ کرے تو اجتہاد کرے اور صحیح کرے تو اس کو دو ثواب ہیں اور جب فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے اور خطا کرے تو اس کو ایک ثواب ہے۔"

اس سے یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ اگر شافعی رفع یدین کرے تو ٹھیک ہے اور اگر غیر مقلد کرے تو جرم ہے کیونکہ شافعی حاکم شرح مجتہد سے فیصلہ کرا کر رفع یدین کر رہا ہے اگر غلطی کرتا ہے تو بھی معاف ہے اور چونکہ غیر مقلد نے کسی مجتہد سے فیصلہ نہیں کروایا۔ لہٰذا اگر صحیح بھی کرتا ہے تو بھی خطا کار ہے جیسے کہ آج حاکم کے بغیر کوئی شخص خود ہی قانون کو ہاتھ میں لے کر کوئی کام کرتا ہے تو مجرم ہے لیکن اگر حاکم کچہری سے فیصلہ کرا کر وہی کام کیا تو اس پر جرم نہیں۔ حاکم جوابدہ ہے اگر حاکم نے غلطی کی ہے تو بھی اس کی پکڑ نہیں دیکھو حضور علیہ السلام نے بدر کے قیدیوں سے محض قیاس پر فدیہ کر لیا پھر آیت اسکے خلاف آئی۔ معلوم ہوا کہ اس قیاس سے رب راضی نہیں مگر وہ فدیہ کا روپیہ واپس نہ کرایا گیا۔ بلکہ ارشاد ہوا فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (پارہ ۱۰ سورۃ ۸ آیت ۶۹) "وہ مال کھالو حلال طیب" معلوم ہوا کہ خطاء اجتہادی پر کوئی پکڑ نہیں۔

خاتمہ قیاس کی بحث

شریعت کے دلائل چار ہیں قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس، اجماع کے دلائل تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کا بھی حکم ہے اور حدیث کا بھی کہ عام جماعت مسلمین کے ساتھ رہو۔ جو اس سے علیحدہ ہوا وہ جہنمی ہے۔

قیاس کے معنی لغت میں اندازہ لگانا اور شریعت میں کسی فرعی مسئلہ کو اصل مسئلہ سے حلت اور حکم میں ملا دینا یعنی ایک مسئلہ ایسا اور درپیش آ گیا۔ جس کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں ملتا تو اس کی مثل کوئی وہ مسئلہ لیا جو قرآن وحدیث میں ہے اس کے حکم کی علت معلوم کر کے کہا کہ چونکہ وہ علت یہاں بھی ہے لہٰذا اس کا یہ حکم ہے جیسے کسی نے پوچھا کہ عورت کے ساتھ اغلام کرنا کیسا ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ حالت حیض میں عورت سے جماع حرام ہے کیوں؟ پلیدی کی وجہ سے۔ اور اس میں بھی پلیدی ہے لہٰذا یہ بھی حرام ہے۔ کسی نے پوچھا کہ جس عورت سے کسی کے باپ نے زنا کیا وہ اس کے لیے حلال ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ جس عورت سے کسی کا باپ نکاح کرے وہ بیٹے کو حرام ہے وطی یا جزئیت کی وجہ سے لہٰذا یہ عورت بھی حرام ہے اس کو قیاس کہتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ قیاس کرنیوالا مجتہد ہو ہر کس وناکس کا قیاس معتبر نہیں۔ قیاس اصل میں حکم شریعت کو ظاہر کرنے والا ہے خود مستقل حکم نہیں۔ یعنی قرآن وحدیث کا حکم ہوتا ہے مگر قیاس اسے یہاں ظاہر کرتا ہے قیاس کا ثبوت قرآن وحدیث وافعال صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے قرآن فرماتا ہے

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔ (پارہ ۲۸ سورۃ ۵۹ آیت ۲)

"تو عبرت لو اے نگاہ والو۔"

یعنی کفار کی حالت پر اپنے آپ کو قیاس کرو کہ اگر تم نے ایسی حرکات کیں تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔

نیز قرآن نے قیامت کے ہونے کو نیند پر اسی طرح کھیتی کی خشک ہو کر سرسبز ہونے پر قیاس فرما کر بتایا ہے اول سے آخر تک کفار کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ یہ بھی قیاس ہے۔ بخاری کتاب الاعتصام میں ایک باب باندھا۔

بَابُ مَنْ شَبَّهَ اَصْلًا مَعْلُوْمًا بِاَصْلٍ مُّبِيْنٍ قَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ حُكْمَهَا لِيَفْهَمَ بِهِ السَّائِلُ۔

"جو کسی قاعدہ معلومہ کو ایسے قاعدے سے تشبیہ دے جسکا حکم خدا نے بیان فرمادیا ہے تاکہ سائل اس سے سمجھ لے۔"

اس میں ایک حدیث نقل کی جس میں حضور علیہ السلام نے ایک عورت کو قیاس سے حکم فرمایا۔

اِنَّ اِمْرَاَةً جَاءَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ اُمِّيْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ اَفَاَحُجَّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّيْ عَنْهَا اَرَءَيْتُ لَوْ كَانَ عَلٰى اُمِّكِ دَيْنٌ اَكُنْتِ تَقْضِيْنَهٗ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ اِقْضِيْ الَّذِيْ لَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ اَحَقُّ بِالْقَضَاءِ۔

"ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا ہاں کرو اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم اس کو ادا کرتیں عرض کیا ہاں فرمایا وہ بھی قرض ادا کرو جو اللہ کا ہے کیوں کہ اللہ ادائے قرض کا زیادہ مستحق ہے۔"

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ما علی الولاۃ اور ترمذی جلد اول شروع ابواب الاحکام اور دارمی میں ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ابن جبل کو حضور علیہ السلام نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کتاب اللہ سے؟ فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو عرض کیا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو عرض کیا کہ:

اَجْتَهِدُ بِرَائِيْ قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَدْرِهٖ وَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

"اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ راوی نے فرمایا پس حضور علیہ السلام نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اسکی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں۔"

اس سے قیاس کا پر زور ثبوت ہوا چونکہ حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں اجماع نہیں ہوسکتا اس لیے اجماع کا ذکر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نہ کیا اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت سے احکام اپنے قیاس سے دیئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو قیاس فرما کر مہر مثل دلوایا جو بغیر مہر نکاح میں آئی اور شوہر مر گیا۔ (دیکھو نسائی جلد دوم صفحہ ۸۸)

سائی شریف میں جلد دوم کتاب القضاء باب الحکم باتفاق اہل العلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے۔

فَمَنْ عَرَضَ لَهٗ مِنْكُمْ قَضَاءٌ بَعْدَ الْيَوْمِ فَلْيَقْضِ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ جَاءَهٗ اَمْرٌ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلْيَقْضِ بِمَا قَضٰى بِهٖ نَبِيُّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنْ جَاءَهٗ اَمْرٌ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا قَضٰى بِهٖ نَبِيُّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَقْضِ بِمَا قَضٰى بِهِ الصَّالِحُوْنَ فَاِنْ جَاءَهٗ اَمْرٌ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا قَضٰى بِهٖ نَبِيُّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَضٰى بِهِ الصَّالِحُوْنَ فَلْيَجْتَهِدْ رَاْيَهٗ۔

"آج کے بعد سے جس پر کوئی فیصلہ پیش آجائے تو قرآن شریف سے فیصلہ کرے اگر ایسی چیز پیش آ گئی جو قرآن شریف

میں نہیں ہے تو اس سے فیصلہ کرے جو اللہ کے نبی ﷺ نے فیصلہ کیا لیکن اگر ایسی چیز پیش آ جائے جو نہ قرآن شریف میں ہو اور نہ اللہ کے نبی ﷺ نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو اس پر فیصلہ کرو جو نیک لوگوں نے فیصلہ کیا ہو لیکن اگر وہ چیز پیش آ جائے جو نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ اس کا فیصلہ نبی ﷺ نے کیا نہ صالحین نے تو اپنے قیاس سے اجتہاد کرے۔''

امام نسائی اسی حدیث کے متعلق اسی جگہ فرماتے ہیں۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ هٰذَا الْحَدِيْثُ جَيِّدٌ جَيِّدٌ۔

''یہ حدیث بڑی کھری ہے بڑی کھری ہے۔''

نسائی شریف میں اس جگہ حضرت قاضی شریح سے روایت ہے فرمایا کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں دریافت کیا کہ میں فیصلے کیسے کروں تو آپ نے جواب دیا۔

فَكَتَبَ اِلَيْهِ اَنِ اقْضِ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَ لَا فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاقْضِ بِمَا قَضٰى بِهِ الصَّالِحُوْنَ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَ لَا فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَمْ يَقْضِ بِهِ الصَّالِحُوْنَ فَاِنْ شِئْتَ فَتَقَدَّمْ وَ اِنْ شِئْتَ فَتَاَخَّرْ وَلَا اَرٰى التَّاَخُّرَ اِلَّا خَيْرًا لَّكَ وَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔

''انہیں حضرت عمر نے لکھا کہ قرآن شریف سے فیصلہ کرو اگر اس میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ سے فیصلہ کرو اگر نہ کتاب اللہ میں ہو نہ سنت رسول اللہ میں تو اس سے فیصلہ کرو جو اللہ کے نزدیک نیک لوگوں نے فیصلہ کیا ہو (اجماع امت) لیکن اگر نہ تو وہ مسئلہ قرآن میں ہو نہ سنت میں اور نہ ہی اس کے متعلق صالحین کا فیصلہ ہو تو چاہو تو پیش قدمی کرو اور چاہو تو مہلت لو میں تمہارے لیے مہلت کو ہی بہتر جانتا ہوں۔''

ان دونوں حدیثوں میں کتاب' سنت' اجماع امت اور قیاس کا ایسا صریح ثبوت ہے کہ اسکا نہ انکار ہو سکتا ہے نہ کوئی تاویل۔ اب وہ اعتراض جو غیر مقلد کرتے ہیں اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۱۲) کہ بہت ظن سے بچو۔ اس میں ظن سے مراد بدگمانیاں ہیں یعنی مسلمانوں پر بدگمانیاں نہ کرو اسی لیے اس آیت میں اس کے بعد غیبت وغیرہ کی ممانعت ہے ورنہ قیاس اور غیبت میں کیا تعلق جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ (پارہ ۲۸ سورۃ ۵۸ آیت ۱۰) مشورہ کرنا شیطان کی طرف ہے۔ تو کیا ہر مشورہ شیطانی کام ہے۔ نہیں بلکہ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشورے ہوں وہ شیطانی ہیں ایسے ہی یہ ہے اور جس قیاس کی برائیاں آئی ہیں وہ وہ قیاس ہے جو حکم خدا کے مقابلہ میں کیا جائے جیسا کہ شیطان نے حکم سجدہ پا کر قیاس کیا اور حکم الٰہی ذرد کر دیا کفر ہے غیر مقلد یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن فرماتا ہے اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰى اِلَيَّ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۲۰۳) اِنَّمَا حصر کے لیے ہے جس سے معلوم ہوا کہ سوائے وحی کے اور کسی چیز کی پیروی نہ کی جائے نہ اجماع کی نہ قیاس کی صرف قرآن وحدیث کی پیروی ہو مگر انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اجماع وقیاس پر عمل بھی قرآن وحدیث پر ہی عمل ہے کہ قیاس مظہر ہے۔

آخر میں منکرین قیاس سے دریافت کرتا ہوں کہ جن چیزوں کی تصریح قرآن وحدیث میں نہ ملے یا بظاہر احادیث میں تعارض واقع ہو وہاں کیا کرو گے؟ مثلاً ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے؟ اور اسی طرح اگر جمعہ کی نماز میں رکعت اول میں جماعت تھی رکعت دوم میں جماعت پیچھے سے بھاگ گئی اب ظہر پڑھیں یا جمعہ؟ اسی طرح دیگر مسائل قیاسیہ میں کیا جواب ہوگا؟ اس لیے بہتر ہے کہ کسی امام کا دامن پکڑلو۔ اللہ توفیق دے۔

بحث علم غیب

اس میں ایک مقدمہ ہے اور دو باب اور ایک خاتمہ بمنہ وکرمہ

مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

فصل نمبر 1

غیب کی تعریف اور اس کی اقسام کے بیان میں

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ کان ناک وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداہۃً عقل میں آسکے لہذا پنجاب والے کے لیے بمبئی غیب نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا ہے کہ بمبئی ایک شہر ہے۔ یہ حواس سے علم ہوا۔ اسی طرح کھانوں کی لذتیں اور ان کی خوشبو وغیرہ غیب نہیں کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ آنکھ سے چھپی ہیں مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں جن اور ملائکہ اور جنت اور دوزخ ہمارے لیے اس وقت غیب ہیں۔ کیونکہ نہ ان کو حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ بلا دلیل عقل سے۔ غیب دو طرح کا ہے ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے۔ یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے دوسرا وہ جسکو دلیل سے بھی معلوم نہ کیا جا سکے پہلے غیب کی مثال جیسے جنت دوزخ اور خدائے پاک کی ذات وصفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآنی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا علم کے کب ہوگی۔ انسان کب مریگا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ بدبخت ہے یا نیک بخت کہ ان کو دلائل سے بھی معلوم نہ کر سکتے۔ اسی دوسرے غیب کو مفاتح الغیب کہا جاتا ہے اور اس کو پروردگار عالم نے فرمایا ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۲ آیت ۲۶، ۲۷) تفسیر بیضاوی يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے ماتحت ہے۔

وَالْمُرَادُ بِهِ الْخَفِيُّ الَّذِيْ لَا يُدْرِكُهُ الْحِسُّ وَلَا تَقْتَضِيْهِ بَدَاهَةُ الْعَقْلِ۔

”غیب سے مراد وہ چھپی ہوئی چیز ہے جسکو حواس نہ پا سکیں اور نہ بداہۃً اس کو عقل چاہے۔“

تفسیر کبیر سورۃ بقر کے شروع میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْمُفَسِّرِيْنَ اَنَّ الْغَيْبَ هُوَ الَّذِيْ يَكُوْنُ غَائِبًا عَنِ الْحَاسَّةِ ثُمَّ هٰذَا يَنْقَسِمُ اِلٰى مَا عَلَيْهِ دَلِيْلٌ وَ

اِلٰی مَا لَا دَلِیْلَ عَلَیْہِ۔

''عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو۔ پھر غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جس پر دلیل ہے اور دوسرے وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔''

تفسیر روح البیان میں شروع سورۃ بقر یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے ماتحت ہے۔

وَهُوَ مَا غَابَ عَنِ الْحِسِّ وَالْعَقْلِ غَيْبَةً كَامِلَةً بِحَيْثُ لَا يُدْرَكُ بِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا اِبْتِدَاءً بِطَرِيْقِ الْبَدَاهَةِ وَ هُوَ قِسْمَانِ قِسْمٌ لَا دَلِيْلَ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِىْ اُرِيْدَ بِقَوْلِهٖ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ وَ قِسْمٌ نُصِبَ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ كَا الصَّانِعِ وَ صِفَاتِهٖ وَ هُوَ الْمُرَادُ۔

''غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا چھپا ہوا ہو اس طرح کہ کسی ذریعہ سے بھی ابتداءً کھلم کھلا معلوم نہ ہو سکے غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم جس پر کوئی دلیل نہ ہو وہ ہی اس آیت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں دوسری قسم وہ جس پر دلیل قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ اور اسکی صفات۔ وہ ہی اس جگہ مراد ہے۔''

فائدہ

رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے بو ناک سے سونگھی جاتی ہے اور لذت زبان سے اور آواز کان سے محسوس ہوتی ہے۔ رنگت زبان و کان کے لیے غیب ہے اور بو آنکھ کے لیے غیب ہے اگر کوئی اللہ کا بندہ بو اور لذت کو ان کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے وہ بھی علم غیب اضافی ہے جیسے اعمال قیامت میں مختلف شکلوں میں نظر آئیں گے۔ اگر کوئی ان شکلوں کو یہاں دیکھ لے تو یہ بھی علم غیب ہے۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

وَ مَا مِنْهَا شُهُوْرٌ ا وَدُهُوْرًا تَمُرُّوْ تَنْقَضِىْ اِلَّا اَتَالِىْ

''کوئی مہینہ اور کوئی زمانہ عالم میں نہیں گزرتا مگر وہ ہمارے پاس ہو کر اجازت لے کر گزرتا ہے۔''

اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونیکی وجہ سے نظر نہ آ سکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام نے آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کو ملاحظہ فرما لیا یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہاوند میں حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے دیکھ لیا اور ان تک اپنی آواز پہنچا دی۔ اسی طرح کوئی پنجاب میں بیٹھ کر مکہ معظمہ یا دیگر دور دراز ملکوں کو مثل کف دست کے دیکھے یہ سب غیب ہی میں داخل ہیں۔

بذریعہ آلات کے جو چھپی ہوئی چیز معلوم کی جاوے وہ علم غیب نہیں۔ مثلاً کسی آلہ کے ذریعے عورت کے پیٹ کا بچہ معلوم کرتے ہیں یا کہ ٹیلیفون اور ریڈیو سے دور کی آواز سن لیتے ہیں۔ اس کو علم غیب نہ کہیں گے۔ کیوں کہ غیب کی تعریف میں عرض کر دیا گیا ہے کہ جو حواس سے معلوم نہ ہو سکے۔ اور ٹیلیفون اور ریڈیو میں سے جو آواز نکلی وہ آواز حواس سے معلوم ہونے کے قابل ہے آلہ سے جو پیٹ کے بچہ کا حال معلوم ہوا یہ بھی غیب کا علم نہ ہوا جبکہ آلہ نے اس کو ظاہر کر دیا تو اب غیب کہاں رہا۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی آلہ چھپی ہوئی چیز کو ظاہر کر دے تو ظاہر ہو چکنے کے بعد ہم اس چیز کو معلوم کر لیں تو وہ علم غیب نہیں۔

فصل نمبر 2

ضروری فوائد کے بیان میں

علم غیب کے مسئلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے چند باتیں خوب خیال رکھی جاویں تو بہت فائدہ ہوگا اور بہت سے اعتراضات خود بخود ہی دفع ہو جائیں گے۔

(۱) نفس علم کسی چیز کا بھی ہو برا نہیں۔ ہاں بری باتوں کا کرنا کرنے کے لیے سیکھنا برا ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض علم دوسرے علموں سے زیادہ افضل ہوں۔ جیسے عقائد۔ علم شریعت۔ علم تصوف دوسرے علموں سے افضل ہیں مگر کوئی علم فی نفسہ برا نہیں جیسے بعض آیات قرآنیہ بعض سے زیادہ ثواب رکھتی ہیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ میں تہائی قرآن کا ثواب ہے مگر تبت یدا میں یہ ثواب نہیں (دیکھو روح البیان زیر آیت وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۸۲) لیکن کوئی آیت بری نہیں۔ اس لیے کہ اگر کوئی علم برا ہوتا تو خدا کو بھی وہ حاصل نہ ہوتا کہ خدا ہر برائی سے پاک ہے نیز فرشتوں کو خدا کی ذات وصفات کا علم تو تھا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کو عالم کی ساری اچھی بری چیزوں کا علم دیا۔ اور وہ ہی علم ان کی افضلیت کا ثبوت ہوا اس علم کی وجہ سے وہ ملائکہ کے استاد قرار پائے اگر بری چیزوں کا علم برا ہوتا تو حضرت آدم کو علم دے کر استاد نہ بنایا جاتا۔ نیز دنیا میں سب سے بدتر چیز ہے کفر وشرک۔ مگر فقہاء فرماتے ہیں کہ علم حسد وبغض اور الفاظ کفریہ وشرکیہ کا جاننا فرض ہے تا کہ اس سے بچے۔ اسی طرح جادو سیکھنا فرض ہے دفع جادو کے لیے شامی کے مقدمہ میں ہے

> وَ عِلْمُ الرِّيَاءِ وَ عِلْمُ الْحَسَدِ وَالْعُجْبِ وَ عِلْمُ الْاَلْفَاظِ الْمُحَرَّمَةِ وَالْمُكَفِّرَةِ وَ لَعَمْرِيْ هٰذَا مِنْ اَهَمِّ الْمُهِمَّاتِ۔ (ملخصًا)

"یعنی علم ریا اور حسد وحرام اور کفریہ کلموں کا سیکھنا فرض ہے اور واللہ یہ بہت ہی ضروری ہے۔"

اسی مقدمہ میں شامی بحث علم نجوم ورمل میں فرماتے ہیں۔

> وَ فِيْ ذَخِيْرَةِ النَّظْرِ تَعَلُّمُهٗ فَرْضٌ لِرَدِّ سَاحِرِ اَهْلِ الْحَرْبِ۔

"ذخیرہ ناظرہ میں لکھا ہے کہ جادو سیکھنا فرض ہے اہل حرب کے جادو کو دفع کرنے کے لیے۔"

احیاء العلوم جلد اول باب اول فصل سوم برے علوم کے بیان میں ہے علم کی برائی خود علم ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ بندوں کے حق میں تین وجہوں سے ہے الخ۔

اس بیان سے بخوبی واضح ہوا کہ نفس علم کسی شے کا برا نہیں۔ اب منکرین کا وہ سوال اٹھ گیا کہ حضور علیہ السلام کو بری چیزوں‘ چوری‘ زنا‘ جادو ‘اشعار کا علم نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا جاننا عیب ہے۔ بتاؤ خدا کو بھی ان کا علم ہے یا نہیں؟ اسی لیے انہوں نے شیطان اور ملک الموت کا علم

حضور عَلَیْہِ السَّلَام سے زیادہ مانا۔ یہ تو ایسا ہوا جیسے مجوسی کہتے ہیں کہ خدائے پاک بری چیزوں کا خالق نہیں ہے کیونکہ بری چیزوں کا پیدا کرنا بھی برا ہے۔ نعوذ باللہ! اگر علم جادو برا ہے تو اس کی تعلیم کے لیے رب کی طرف سے دو فرشتے ہاروت و ماروت کیوں زمین پر اترے؟ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے جادوگروں نے جادو کے علم کے ذریعہ سے موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی حقانیت پہچانی اور آپ پر ایمان لائے دیکھو علم جادو ایمان کا ذریعہ بن گیا۔

(۲) سارے انبیاء اور ساری مخلوق کے علوم حضور عَلَیْہِ السَّلَام کو عطا ہوئے اس کو مولوی محمد قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں مانا ہے۔ جس کے سارے حوالے آتے ہیں تو جس چیز کا علم کسی مخلوق کو بھی ہے وہ حضور عَلَیْہِ السَّلَام کو ضرور ہے بلکہ سب کو جو علم ملا وہ حضور عَلَیْہِ السَّلَام ہی کی تقسیم سے ملا۔ جو علم شاگرد استاد سے لے ضروری ہے کہ استاد بھی اس کا جاننے والا ہو۔ انبیاء میں حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام بھی ہیں۔ اسی لیے ہم حضرت آدم و حضرت خلیل اللہ عَلَیْہِمَا السَّلَام کے علم سے بھی بحث کریں گے۔

(۳) قرآن اور لوح محفوظ سارے واقعات کُلُّ مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ میں ہیں اور اس پر ملائکہ اور بعض اولیاء و انبیاء کی نظریں ہیں اور ہر وقت وہ حضور عَلَیْہِ السَّلَام کے پیش نظر ہے۔ اس کے حوالہ بھی آتے ہیں اس لیے ہم لوح محفوظ اور قرآنی علوم کا ذکر بھی کر دیں گے۔ اسی طرح کاتب تقدیر و فرشتہ کے علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔ یہ تمام بحثیں علم مصطفیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے ثابت کرنے کو ہیں۔

فصل نمبر 3

علم غیب کے متعلق عقیدہ اور علم غیب کے مراتب کے بیان میں

علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں (از خالص الاعتقاد صفحہ ۵)

قسم اول

(۱) اللہ عزوجل عالم بالذات ہے اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

(۲) حضور عَلَیْہِ السَّلَام اور دیگر انبیائے کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

(۳) حضور عَلَیْہِ السَّلَام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم و خلیل عَلَیْہِمَا السَّلَام اور ملک الموت و شیطان بھی خلقت ہیں۔ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا انکار کفر ہے۔

قسم دوم

(۱) اولیائے کرام کو بھی بالواسطہ انبیائے کرام کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضور عَلَیْہِ السَّلَام کو پانچوں غیبوں میں بہت سے جزئیات کا علم دیا۔ جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ گمراہ اور بدمذہب ہے کہ صدہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔

قسم سوم

(۱) حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ کب ہوگی۔

(۲) تمام گزشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں انکا بلکہ ان سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

(۳) حضور علیہ السلام کو حقیقت روح اور قرآن کے سارے متشابہات کا علم دیا گیا۔

فصل نمبر 4

جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلائل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ (ازاحۃ الغیب صفحہ ۴)

(۱) وہ آیت قطعی الدلالت ہو جس کے معنی ہیں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو

(۲) اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی نفی ہو کہ ہم نے نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام فرمادیں کہ مجھے یہ علم نہیں دیا گیا۔

(۳) صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرمانا کافی نہیں ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصلحت سے ظاہر نہ کیا ہو اسی طرح حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ خدا ہی جانے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا مجھے کیا معلوم وغیرہ کافی نہیں کہ یہ کلمات کبھی علم ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔

(۴) جس کے لیے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہو اور قیامت تک کا ہو ورنہ کل صفات الٰہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعوی نہیں کرتے یہ چار فصلیں خوب خیال میں رکھی جائیں۔

باب نمبر 1

علم غیب کے ثبوت کے بیان میں

اس میں چھ فصلیں ہیں پہلی فصل میں آیات قرآنیہ سے ثبوت دوسری میں احادیث سے ثبوت تیسری میں احادیث کے شارحین کے۔ چوتھی میں علمائے امت اور فقہاء کے اقوال۔ پانچویں میں خود منکرین کی کتابوں سے ثبوت۔ چھٹی میں عقلی دلائل اولیائے اللہ کے علم غیب کا بیان۔

فصل نمبر 1

آیات قرآنیہ میں

(۱) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۳۱)

”اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کیں۔“

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَ مَعْنٰی تَعْلِیْمِہٖ اَسْمَاء الْمُسَمَّیَاتِ اَنَّہٗ تَعَالٰی اَرَاہُ الْاَجْنَاسَ الَّتِیْ خَلَقَھَا وَ عَلَّمَہٗ اَنَّ ھٰذَا اِسْمُہٗ فَرَسٌ وَ ھٰذَا اِسْمُہٗ بَعِیْرٌ وَ ھٰذَا اِسْمُہٗ کَذَا وَ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَلَّمَہٗ اِسْمَ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی الْقَصْعَۃَ وَ الْغَرْفَۃَ۔

''حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزونکے نام بتانے کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ نے انکو وہ تمام جنسیں دکھادیں جن کو پیدا کیا ہے اور انکو بتادیا کہ اس کا نام گھوڑا ہے اور اس کا نام اونٹ ہے اور اس کا نام فلاں ہے اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کو ہر چیز کے نام سکھادیئے یہاں تک کہ پیالی اور چلو کے بھی۔''

تفسیر خازن میں اسی آیت میں یہ ہی مضمون بیان فرمایا اتنا اور بھی زیادہ فرمایا۔

وَ قِیْلَ عَلَّمَ اٰدَمَ اَسْمَاءَ الْمَلٰئِکَۃِ وَ قِیْلَ اَسْمَاءَ ذُرِّیَّتِہٖ وَ قِیْلَ عَلَّمَہُ اللُّغَاتِ کُلَّھَا۔

''کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں کے نام سکھادیئے اور کہا گیا ہے کہ ان کی اولاد کے نام اور کہا گیا کہ انکو تمام زبانیں سکھادیں۔''

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے

قَوْلُہٗ اَیْ عَلَّمَہٗ صِفَاتِ الْاَشْیَاءِ وَ نُعُوْتَھَا وَ ھُوَ الْمَشْھُوْرُ اَنَّ الْمُرَادَ اَسْمَاءُ کُلِّ شَیْءٍ مِنْ خَلْقٍ مِنْ اَجْنَاسِ الْمُحْدَثَاتِ مِنْ جَمِیْعِ اللُّغَاتِ الْمُخْتَلِفَۃِ الَّتِیْ یَتَکَلَّمُ بِھَا وَلَدُ اٰدَمَ الْیَوْمَ مِنَ الْعَرَبِیَّۃِ وَ الْفَارِسِیَّۃِ وَ الرُّوْمِیَّۃِ وَ غَیْرِھَا۔

''آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھادیئے اور یہ مشہور ہے کہ مراد مخلوق میں سے ہر حادث کی جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہوں گے جن کو اولاد آدم آج تک بول رہی ہے عربی فارسی اور رومی وغیرہ۔''

تفسیر ابوالسعود میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَ قِیْلَ اَسْمَاءَ مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ وَ قِیْلَ اَسْمَاءَ خَلْقِہٖ مِنَ الْمَعْقُوْلَاتِ وَ الْمَحْسُوْسَاتِ وَ الْمُتَخَیَّلَاتِ وَ الْمَوْھُوْمَاتِ وَ اَلْھَمَہٗ مَعْرِفَۃَ ذَوَاتِ الْاَشْیَاءِ وَاَسْمَاءَ ھَا وَ خَوَاصَّھَا وَ مَعَارِفَھَا اُصُوْلَ الْعِلْمِ وَ قَوَانِیْنَ الصَّنْعَاتِ وَ تَفْصِیْلَا تِھَاا وَ کَیْفِیَۃَ اِسْتِعْمَالَاتِھَا۔

''کہا گیا ہے کہ حضرت آدم کو گذشتہ اور آئندہ چیزوں کے نام بتادیئے اور کہا گیا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کے نام بتادیئے عقلی، حسی، خیالی، وہمی چیزیں بتادیں اور ان چیزوں کی ذات ان کے نام انکے خاصے ان کی پہچان، علم کے قواعد، ہنروں کے قانون، ان کے اوزاروں کی تفصیل اور انکے استعمال کے طریقے کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو الہام فرمایا۔''

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَ عَلَّمَہٗ اَحْوَالَھَا وَ مَا یَتَعَلَّقُ بِھَا مِنَ الْمَنَافِعِ الدِّیْنِیَّۃِ وَالدُّنْیَوِیَّۃِ وَ عَلَّمَ اَسْمَآءَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَاَسْمَآءَ ذُرِّیَّتِہٖ وَ اَسْمَآءَ الْحَیْوَانَاتِ وَ الْجَمَادَاتِ وَصَنْعَۃَ کُلِّ شَیْءٍ وَ اَسْمَآءَ الْمُدُنِ وَالْقُرٰی وَ اَسْمَآءَ الطَّیْرِ وَ الشَّجَرِ وَ مَا یَکُوْنُ وَ اَسْمَآءَ کُلِّ شَیْءٍ یَخْلُقُھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَ اَسْمَاءَ الْمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ وَکُلِّ نَعْمَۃٍ فِیْ الْجَنَّۃِ وَ اَسْمَآءَ کُلِّ شَیْءٍ وَ فِیْ الْخَبَرِ عَلَّمَہٗ سَبْعَ مِائَۃِ اَلْفِ لُغَاتٍ۔

''اور حضرت آدم کو چیزوں کے حالات سکھائے اور جو کچھ ان میں دینی و دنیاوی نفع ہیں وہ بتائے اور انکو فرشتوں کے نام انکی اولاد اور حیوانات اور جمادات کے نام بتائے اور ہر چیز کا بنانا بتایا تمام شہروں اور گاؤں کے نام پرندوں اور درختوں کے نام جو ہو چکا یا جو کچھ بھی ہوگا ان کے نام اور جو قیامت تک پیدا فرمائیگا ان کے نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام جنت کی ہر نعمت غرضیکہ ہر چیز کے نام بتا دیئے حدیث میں ہے کہ حضرت آدم کو سات لاکھ زبانیں سکھائی گئیں۔''

ان تفسیروں سے اتنا معلوم ہوا ما کان اور ما یکون کے سارے علوم حضرت آدم علیہ السلام کو دیئے گئے زبانیں چیزوں کے نفع و ضرر بنانے کے طریقے۔ آلات کا استعمال سب دکھا دیئے۔ لیکن اب میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم دیکھو۔ حق یہ ہے کہ یہ علم آدم میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرہ ہیں۔

شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ باب دہم میں فرماتے ہیں۔

اَوَّلُ نَائِبٍ کَانَ لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ خَلِیْفَتُہٗ اٰدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

''حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب آدم علیہ السلام ہیں۔''

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک سے قبل سارے انبیاء حضور علیہ السلام کے نائب تھے یہ مولوی قاسم صاحب نے بھی تحذیر الناس میں لکھا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کریں گے خلیفہ کے علم کا یہ حال ہے۔

نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں ہے۔

اِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ عُرِضَتْ عَلَیْہِ الْخَلَائِقُ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ فَعَرَفَھُمْ کُلَّھُمْ کَمَا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا۔

''حضور علیہ السلام پر ساری مخلوقات از حضرت آدم علیہ السلام تا روز قیامت پیش کی گئیں پس ان سب کو پہچان لیا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام علیہ السلام کو سب نام سکھائے۔''

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کو جانتے پہچانتے ہیں۔

(۲) وَ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۴۳)

''اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں۔''

تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

رسول علیہ السلام مطلع است بنور نبوت بر دین ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس اوے شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال بد و نیک شمارا و اخلاق ونفاق شمارا لہذا شہادت او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبولواجب العمل است۔

”حضور علیہ السلام اپنے نور نبوت کی وجہ سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو پہچانتے ہیں لہذا ان کی گواہی دینا میں بحکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔“

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

هٰذَا مَبْنِیٌّ عَلٰی تَضْمِیْنِ الشَّهِیْدِ مَعْنَی الرَّقِیْبِ وَ الْمُطَّلِعِ وَالْوَجْهُ فِیْ اِعْتِبَارِ تَضْمِیْنِ الشَّهِیْدِ الْاِشَارَةُ اِلٰی اَنَّ التَّعْدِیْلَ وَ التَّزْكِیَةَ اِنَّمَا یَكُوْنُ عَنْ خُبْرَةٍ وَ مُرَاقَبَةٍ بِحَالِ الشَّاهِدِ۔ وَمَعْنٰی شَهَادَةِ الرَّسُوْلِ عَلَیْهِمْ اِطِّلَاعُهٗ رُتْبَةَ كُلِ مُتَدَیِّنٍ بِدِیْنِهٖ فَهُوَ یَعْرِفُ ذُنُوْبَهُمْ وَحَقِیْقَةَ اِیْمَانِهِمْ وَاَعْمَالِهِمْ وَحَسَنَاتِهِمْ وَسَیِّئَاتِهِمْ وَاَخْلَاصِهِمْ وَ نِفَاقِهِمْ وَ غَیْرِ ذٰلِكَ بِنُوْرِ الْحَقِّ وَ اُمَّتِهٖ یَعْرِفُوْنَ ذٰلِكَ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ بِنُوْرِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔

”یہ اس بنا پر ہے کہ کلمہ شہید میں محافظ اور خبردار کے معنی بھی شامل ہیں اور اس معنی کے شامل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو عادل کہنا اور صفائی کی گواہی دینا گواہ کے حالات پر مطلع ہونے سے ہوسکتا ہے اور حضور علیہ السلام کی مسلمانوں پر گواہی دینے کے معنے یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر دیندار کے دینی مرتبہ کو پہچانتے ہیں پس حضور علیہ السلام مسلمانوں کے گناہوں کو انکے ایمان کی حقیقت کو ان کے اچھے برے اعمال کو انکے اخلاص اور نفاق وغیرہ کو نور حق سے پہچانتے ہیں اور حضور علیہ السلام کی امت بھی قیامت میں ساری امتوں کے یہ حالات جانے گی مگر حضور علیہ السلام کے نور سے۔“

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ثُمَّ یُوْتٰی بِمُحَمَّدٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَیُسْئَالُهٗ عَنْ اُمَّتِهٖ فَیُزَكِّیْهِمْ وَ یَشْهَدُ بِصِدْقِهِمْ۔

”پھر قیامت میں حضور علیہ السلام کو بلایا جاویگا پس رب تعالیٰ حضور علیہ السلام سے آپ کی امت کے حالات پوچھے گا تو آپ انکی صفائی کی گواہی دیں گے اور ان کی سچائی کی گواہی دیں گے۔“

تفسیر مدارک پارہ ۲ سورہ بقر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَیُؤْتٰی بِمُحَمَّدٍ فَیُسْئَالُ عَنْ حَالِ اُمَّتِهٖ فَیُزَكِّیْهِمْ وَ یَشْهَدُ بِعَدَالَتِهِمْ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یَعْلَمُ بِعَدَالَتِكُمْ۔

''پھر حضور علیہ السلام کو بلایا جاویگا اور آپکی امت کیحالات پوچھے جائیں گے۔ پس آپ اپنی امت کی صفائی بیان کریں گے اور انکے عادل ہونیکی گواہی دینگے لہٰذا حضور تمہاری عدالت کو جانتے ہیں۔''

اس آیت اور ان تفاسیر میں یہ فرمایا گیا کہ قیامت کے دن دوسرے انبیائے کرام کی امتیں بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گی کہ ہمارے پاس تیرا کوئی پیغمبر نہ پہنچا۔ ان امتوں کے نبی عرض کریں گے کہ خدایا ہم ان میں گئے تیرے احکام پہنچائے مگر ان لوگوں نے قبول نہ کیے رب تعالیٰ کا انبیاء کو حکم ہوگا کہ چونکہ تم مدعی ہو اپنا کوئی گواہ لاؤ وہ اپنی گواہی کے لیے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش فرمائینگے مسلمان گواہی دیں گے کہ خدایا تیرے پیغمبر سچے ہیں انہوں نے تیرے احکام پہنچائے تھے۔

اب دو باتیں تحقیق کے لائق ہیں اول یہ کہ یہ مسلمان گواہی کے قابل ہیں یا نہیں (فاسق و فاجر اور کافر کی گواہی قبول نہیں ہوتی مسلمان پرہیز گار کی گواہی قبول ہوتی ہے) دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے اپنے سے پہلے پیغمبروں کا زمانہ دیکھا نہ تھا۔ پھر گواہی کس طرح دے رہے ہیں مسلمان عرض کریں گے کہ خدایا ہم سے تیرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پہلے پیغمبروں نے تبلیغ کی تھی اس کو سن کر ہم گواہی دے رہے ہیں تب حضور علیہ السلام کو بلایا جاویگا اور حضور علیہ السلام دو باتوں کی گواہی دیں گے کہ ایک یہ کہ یہ لوگ فاسق یا کافر نہیں تاکہ ان کی گواہی قبول ہو بلکہ مسلمان اور پرہیز گار ہیں دوسرے یہ کہ ہاں ہم نے ان سے کہا تھا کہ پہلے نبیوں نے اپنی قوم تک احکام الٰہیہ پہنچائے تب ان کے پیغمبروں کے حق میں ڈگری ہوگی۔

اس واقعہ سے چند باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام قیامت تک کہ مسلمانوں کے ایمان و اعمال روزہ، نماز و نیت سے بالکل خبر دار ہیں ورنہ پہلی یعنی صفائی کی گواہی کیسے ممکن ہے اگر ایک مسلمان کا بھی کوئی بھی حال آپ سے چھپا رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے آنے والی نسل کا حال معلوم فرمالیا کہ خدایا ان کی اولاد بھی اگر ہوئی تو کافر ہوگی۔ وَ لَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۱ آیت ۲۷) لہٰذا توان کو غرق کردے حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل فرمایا اس کا آئندہ حال معلوم کرلیا تھا کہ اگر زندہ رہا تو سرکش ہوگا تو سید الانبیاء علیہ السلام پر کسی کا حال کیونکر چھپ سکتا ہے دوسرے یہ کہ گذشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے حالات حضور علیہ السلام نے بنور نبوت دیکھے تھے اور آپ کی گواہی دیکھی ہوئی تھی اگر سنی ہوئی ہوتی تو ایسی گواہی تو اس سے پہلے مسلمان بھی دے چکے تھے سنی گواہی کی انتہا دیکھی گواہی پر ہوتی ہے تیسرے یہ کہ یہ بھی معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ تو جانتا ہے کہ نبی سچے ہیں مگر پھر بھی گواہیاں دے کر فیصلہ فرماتا ہے اسی طرح حضور علیہ السلام مقدمات میں تحقیق فرمادیں اور گواہیاں وغیرہ لیں تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضور علیہ السلام کو خبر نہ ہو۔ بلکہ مقدمات کا قاعدہ یہ ہی ہوتا ہے اور زیادہ تحقیق اس کی دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمان من آیات القرآن میں دیکھو اس گواہی کا ذکر آئندہ آیت میں بھی ہے۔

(۳) وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۴۱)

''اور اے محبوب تم کو ان سب پر نگہبان بنا کر ہم لادینگے۔''

تفسیر نیشا پوری میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لِاَنَّ رُوْحَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَاهِدٌ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَرْوَاحِ وَالْقُلُوْبِ وَالنُّفُوْسِ بِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ

نُوْرِیْ۔

''اس لیے حضور علیہ السلام کی روح مبارک تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کے دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے۔''

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَ اعْلَمْ اَنَّهٗ یُعْرِضُ عَلَی النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَعْمَالُ اُمَّتِهٖ غُدْوَةً وَعَشِیَّةً فَیَعْرِ فُهُمْ بِسِیْمَاهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَلِذٰلِكَ یَشْهَدُ عَلَیْهِمْ۔

''حضور علیہ السلام پر آپ کی امت کے اعمال صبح وشام پیش کیئے جاتے ہیں لہٰذا آپ امت کو ان کی علامات سے جانتے ہیں اور انکے اعمال کو بھی اس لیے آپ ان پر گواہی دینگے۔''

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے:

اَیْ شَاهِدًا عَلٰی مَنْ اٰمَنَ بِالْاِیْمَانِ وَ عَلٰی مَنْ كَفَرَ بِالْكُفْرِ وَعَلٰی مَنْ نَافَقَ بِالنِّفَاقِ۔

''حضور علیہ السلام گواہ ہیں مومنوں پر ان کے ایمان کے کافروں پر ان کے کفر کے اور منافقوں پر ان کے نفاق کے۔''

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام از اول تا روز قیامت تم لوگوں کے کفر وایمان ونفاق واعمال وغیرہ سب کو جانتے ہیں اسی لئے آپ سب کے ہی گواہ ہیں یہ ہی تو علم غیب ہے۔

(۴) مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ۔ (بقرہ:۲۲۵)

''وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اسکے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے۔''

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

یَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ مِنْ اَوَّلِیَّاتِ الْاَمْرِ قَبْلَ الْخَلَائِقِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ اَحْوَالِ الْقِیَامَةِ۔

''حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے اول معاملات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال ہیں وہ بھی جانتے ہیں۔''

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ مِنَ الْاُمُوْرِ الْاَوَّلِیَّاتِ قَبْلَ الْخَلَائِقِ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِنْ اَحْوَالِ الْقِیَامَةِ وَ فَزَعِ الْخَلْقِ وَ غَضَبِ الرَّبِّ۔

''حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کرنیکے پہلے کے واقعات اور انکے پیچھے

کے حالات بھی جانتے ہیں قیامت کے احوال مخلوق کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ۔''

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی میں **مَنْ ذَاالَّذِیْ** سے **اِلَّا بِمَا شَآءَ** تک تین صفات حضور علیہ السلام کی بیان ہوئیں۔ باقی اول و آخر میں صفات الٰہیہ ہیں۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس کوئی بغیر اجازت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا اور جن کو شفاعت کی اجازت ہے وہ حضور علیہ السلام ہیں اور شفیع کے لیے ضروری ہے کہ گنہگاروں کے انجام اور ان کے حالات سے واقف ہوتا کہ نااہل کی شفاعت نہ ہو جاوے اور مستحق شفاعت سے محروم نہ رہ جائیں جیسے طبیب کے لیے ضروری ہے کہ قابل علاج اور لاعلاج مریضوں کو جائے تو فرمایا گیا **یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْھِمْ** کہ جس کو ہم نے شفیع بنایا ہے اس کو تمام کا علم بھی دیا ہے کیونکہ شفاعت کبریٰ کے لیے علم غیب لازم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کہتے ہیں حضور علیہ السلام قیامت میں منافقین کو نہ پہچانیں گے۔ یا حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہیں کہ میرا کیا انجام ہوگا محض غلط اور بے دینی ہے جیسا کہ آئندہ آتا ہے **وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَاشَآءَ** اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں مگر جتنا وہ چاہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

> یَحْتَمِلُ اَنْ تَکُوْنَ الْھَاءُ کِنَایَةً عَنْہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَعْنِیْ ھُوَ شَاھِدٌ عَلٰی اَحْوَالِھِمْ یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْھِمْ مِنْ سِیَرِھِمْ وَ مُعَامَلَاتِھِمْ وَ قَصَصِھِمْ وَ مَا خَلْفَھُمْ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ وَ اَحْوَالِ اَھْلِ الْجَنَّةِ وَ النَّارِ وَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا مِّنْ مَعْلُوْمَاتِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ مِنْ مَعْلُوْمَاتِہٖ عِلْمُ الْاَوْلِیَآءِ مِنْ عِلْمِ الْاَنْبِیَآءِ بِمَنْزِلَةِ قَطْرَةٍ مِنْ سَبْعَةِ اَبْحُرٍ وَ عِلْمِ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ عِلْمِ نَبِیِّنَا عَلَیْہِ السَّلَامُ بِھٰذِہِ الْمَنْزِلَةِ فَکُلُّ رَسُوْلٍ وَ نَبِیٍّ وَ وَلِیٍّ اٰخِذُوْنَ بِقَدْرِ الْقَابِلِیَّةِ وَ الْاِسْتِعْدَادِ مِمَّا لَدَیْہِ وَ لَیْسَ لِاَحَدٍ اَنْ تَعَدُّوْہُ اَوْ یَتَقَدَّمَ عَلَیْہِ۔

''احتمال یہ بھی ہے اس ضمیر سے حضور علیہ السلام مراد ہوں یعنی حضور علیہ السلام لوگوں کے حالات کو مشاہدہ فرمانے والے ہیں اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں انکے اخلاق انکے معاملات اور انکے قصے وغیرہ اور انکے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں آخرت کے احوال جنتی و دوزخی لوگوں کے حالات اور وہ لوگ حضور علیہ السلام کی معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جانتے مگر اسی قدر جتنا کہ حضور علیہ السلام چاہیں اولیاء اللہ کا علم، علم انبیاء کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور انبیاء کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے سامنے اسی درجہ کا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام کا علم رب العلمین کے سامنے اسی درجہ کا۔ پس ہر نبی اور ہر رسول اور ہر ولی اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی لیتے ہیں اور کسی کو یہ ممکن نہیں کہ حضور علیہ السلام سے آگے بڑھ جائے۔''

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

> یَعْنِیْ اَنْ یَّطَّلِعَھُمْ عَلَیْہِ وَ ھُمُ الْاَنْبِیَآءُ وَالرُّسُلُ وَلِیَکُوْنَ مَا یُطْلِعُھُمْ عَلَیْہِ مِنْ عِلْمِ غَیْبِہٖ دَلِیْلًا عَلٰی

نُبُوَّتِهِمْ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔

''یعنی خداتعالیٰ انکو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے اور وہ انبیاء و رسول ہیں تاکہ ان کا علم غیب پر مطّلع ہونا انکی نبوت کی دلیل ہو جیسے رب نے فرمایا ہے کہ پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب خاص پر کسی کو سوائے اس رسول کے جس سے رب راضی ہے۔''

تفسیر معالم التنزیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے

يَعْنِيْ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِ الْغَيْبِ اِلَّا بِمَا شَآءَ مِمَّا اَخْبَرَ بِهِ الرُّسُلُ۔

''یعنی یہ لوگ علم غیب کو گھیر نہیں سکتے مگر جس قدر کہ خدا چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی۔''

اس آیت اور ان تفاسیر سے اتنا معلوم ہوا کہ اس آیت میں یا تو خدا کا علم مراد ہے کہ خدا کا علم کسی کو حاصل نہیں ہاں جس کو رب ہی دینا چاہے تو اس کو علم غیب حاصل ہوتا ہے اور رب نے تو انبیاء کو دیا اور انبیاء کے ذریعہ سے بعض مومنین کو دیا۔ لہٰذا ان کو بھی یہ عطائے الٰہی علم غیب حاصل ہوا کتنا دیا اس کا ذکر آئندہ آوے گا۔

یا یہ مراد ہے کہ حضور عَلَیْہِ السَّلَام کے علم کو کوئی نہیں پا سکتا۔ مگر جس کو حضور عَلَیْہِ السَّلَام ہی دینا چاہیں تو عطا فرما دیں۔ لہٰذا از حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام تا روز قیامت جس کو جس قدر علم ملا وہ حضور عَلَیْہِ السَّلَام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے اس میں حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے اور حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے علم کی وسعت ہم عَلَّمَ اٰدَمَ کی آیت کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

(۵) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ (پارہ ۴ سورہ ۳ آیت ۱۷۹)

''اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تم کو غیب کا علم دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔''

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُؤْتِيَ اَحَدَكُمْ عِلْمَ الْغَيْبِ فَيَطَّلِعَ عَلٰى مَا فِي الْقُلُوْبِ مِنْ كُفْرٍ وَّ اِيْمَانٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ لِرِسَالَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَيُوْحِيَ اللّٰهُ وَ يُخْبِرُهٗ بِبَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ اَوْ يَنْصِبُ لَهٗ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ۔

''خداتعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر و ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے لیکن اللہ اپنی پیغمبری کے لیے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اسکی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیوب کی انکو خبر دیتا ہے یا ان کے لیے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں۔''

تفسیر خازن میں ہے

لٰكِنَّ اللّٰهَ يَصْطَفِيْ وَ يَخْتَارُ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَيُطْلِعُهٗ عَلٰى بَعْضِ عِلْمِ الْغَيْبِ۔

''لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پس انکو خبردار کرتا ہے بعض علم غیب پر۔''

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَاَمَّا مَعْرِفَةُ ذٰلِكَ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِعْلَامِ مِنَ الْغَيْبِ فَهُوَ مِنْ خَوَاصِّ الْاَنْبِيَآءِ (جمل)

"لیکن ان باتوں کا بطریق غیب پر مطلع ہونیکے جان لینا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔"

اَلْمَعْنٰی لٰکِنَّ اللّٰہَ یَحْتَبِیْ اَنْ یَّصْطَفٰی مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ فَیُطْلِعُہٗ عَلَی الْغَیْبِ (جمل)

"معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس انکو غیب پر مطلع کرتا ہے۔"

وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ فَتَعْرِفُوا الْمُنَافِقَ قَبْلَ التَّمِیْزِ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ وَ یَخْتَارُ مَنْ یَّشَآءُ فَیُطْلِعُ عَلٰی غَیْبِہٖ کَمَا اَطْلَعَ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَلٰی حَالِ الْمُنَافِقِیْنَ۔ (جلالین)

"خداتعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کریگا تاکہ فرق کرنے سے پہلے منافقوں کو جان لو۔ لیکن اللہ جسکو چاہتا ہے چھانٹ لیتا ہے تو اسکو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کو منافقین کے حال پر مطلع فرمایا۔"

روح البیان میں ہے۔

فَاِنَّ غَیْبَ الْحَقَائِقِ وَ الْاَحْوَالِ لَا یَنْکَشِفُ بِلَا وَاسِطَۃِ الرَّسُوْلِ۔

"کیونکہ حقیقتوں اور حالات کے غیب نہیں ظاہر ہوتے بغیر رسول علیہ السلام کے واسطے سے۔"

اس آیت کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے جو فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علم الٰہی کے مقابلہ میں بعض اور کل ما کان و ما یکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے۔

(۶) وَ عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۔

"اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہیں جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔" (جلالین)

اَیْ مِنَ الْاَحْکَامِ وَ الْغَیْبِ۔

"یعنی احکام اور علم غیب۔" (تفسیر کبیر)

اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ اَطْلَعَکَ عَلٰی اَسْرَارِ ہِمَا وَ وَاقَفَکَ عَلٰی حَقَائِقِہِمَا

"اللہ نے آپ پر قرآن اتارا اور حکمت اتاری اور آپکو ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا اور انکی حقیقتوں پر واقف کیا۔" (خازن)

یَعْنِیْ مِنْ اَحْکَامِ الشَّرْعِ وَ اُمُوْرِ الدِّیْنِ وَ قِیْلَ عَلَّمَکَ مِنْ عِلْمِ الْغَیْبِ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَ قِیْلَ مَعْنَاہُ عَلَّمَکَ مِنْ خَفِیَّاتِ الْاُمُوْرِ وَ اَطْلَعَکَ عَلٰی ضَمَائِرِ الْقُلُوْبِ وَ عَلَّمَکَ مِنْ اَحْوَالِ الْمُنَافِقِیْنَ وَ کَیْدِہِمْ۔

"یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں اور کہا گیا ہے کہ آپکو علم غیب میں وہ وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ آپکو چھپی چیزیں سکھائیں اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا اور منافقین کے مکر و فریب آپ کو بتا دیئے۔" (مدارک)

مِنْ اُمُوْرِ الدِّیْنِ وَ الشَّرَائِعِ وَ مِنْ خَفِیَّاتِ الْاُمُوْرِ وَ ضَمَائِرِ الْقُلُوْبِ۔

''دین اور شریعت کے امور سکھائے اور چھپی ہوئی باتیں دلوں کے راز بتائے۔'' (مدارک)

تفسیر حسینی بحر الحقائق سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں۔

'آں علم ما کان و ما یکون ہست کہ حق سبحانہ در شب اسرا بداں حضرت عطا فرمود۔ چنانچہ در حدیث معراج ہست کہ من در زیر عرش بودم قطرہ در حلق من ریختندہ فَعَلِمْتُ مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ (جامع البیان)

''یہ ما کان و ما یکون کا علم ہے کہ حق تعالیٰ نے شب معراج میں حضور عَلَیْہِ السَّلَام کو عطا فرمایا چنانچہ معراج شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا پس ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لیئے۔''

قَبْلَ نُزُوْلِ ذَالِكَ مِنْ خَفِیَّاتِ الْاُمُوْرِ۔

''یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتا دیں جو قرآن کے نزول سے پہلے آپ نہ جانتے تھے۔''

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور عَلَیْہِ السَّلَام کو تمام آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دے دی گئی۔ کلمہ ما عربی زبان میں عموم کے لیے ہوتا ہے تو آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام دنیا کے سارے واقعات 'لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں تھا سب ہی بتا دیا اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں اپنی طرف سے قید ہے جو قرآن و حدیث اور امت کے عقیدے کے خلاف ہے۔

(۷) مَا فَرَّطْنَا فِیْ الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ اِنَّ الْقُرْاٰنَ مُشْتَمِلٌ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَحْوَالِ (خازن)۔

''ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا قرآن کریم تمام حالات پر شامل ہے۔'' (خازن)

تفسیر انوار التنزیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یَعْنِی اللَّوْحَ الْمَحْفُوْظَ فَاِنَّہٗ مُشْتَمِلٌ عَلٰی مَا یَجْرِی فِیْ الْعَالَمِ مِنْ جَلِیْلٍ وَّ دَقِیْقٍ لَمْ یُهْمَلْ فِیْهِ اَمْرُ حَیْوَانٍ وَ لَا جَمَادٍ۔

''کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ یہ لوح محفوظ ان باتوں پر مشتمل ہے جو عالم میں ہوتا ہے ہر ظاہر اور باریک اس میں کسی حیوان اور جماد کا معاملہ چھوڑا نہ گیا۔''

تفسیر عرائس البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَیْ مَا فَرَّطْنَا فِیْ الْکِتَابِ ذِکْرَ اَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ لٰکِنْ لَّا یُبْصِرُ ذِکْرَهٗ فِیْ الْکِتَابِ اِلَّا الْمُؤَیَّدُوْنَ بِاَنْوَارِ الْمَعْرِفَةِ۔

''یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہ چھوڑا ہے لیکن اس ذکر کو کوئی نہیں دیکھ سکتا مگر وہ جنکی معرفت کے انوار سے تائید کی گئی ہو۔''

امام شعرانی طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں۔ ماخوذ از دخال اللسان صفحہ ۵۵

لَوْ فَتَحَ اللّٰهُ عَنْ قُلُوْبِكُمْ اَقْفَالَ السُّدَدِ لَا طَّلَعْتُمْ عَلٰى مَا فِي الْقُرْاٰنِ مِنَ الْعُلُوْمِ وَاسْتَغْنَيْتُمْ عَنِ النَّظْرِ فِيْ سِوَاهُ فَاِنَّ فِيْهِ جَمِيْعَ مَا رُقِمَ فِيْ صَفْحَاتِ الْوُجُوْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ۔

’’اگر خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کے بند قفل کھول دے تو تم ان علموں پر مطلع ہو جاؤ جو قرآن میں ہیں اور تم قرآن کے سوا دوسری چیزوں سے بے پرواہ ہو جاؤ۔ کیونکہ قرآن میں وہ تمام چیزیں ہیں جو وجود کے صفحوں میں لکھی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ‘‘

اس آیت اور ان تفسیروں سے معلوم ہوا کہ کتاب میں دنیا و آخرت کے سارے حالات موجود ہیں اب کتاب سے مراد تو قرآن یا لوح محفوظ اور قرآن بھی حضور علیہ السلام کے علم میں ہوئے۔ کیونکہ سارے علوم قرآن اور لوح محفوظ میں ہیں اور قرآن اور لوح محفوظ حضور ﷺ کے علم میں ہیں۔

(۸) وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۵۹)

’’اور نہیں ہے کوئی تر اور خشک جو روشن کتاب میں نہ لکھا ہو۔‘‘

روح البیان:

هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ فَقَدْ ضَبَطَ اللّٰهُ فِيْهِ جَمِيْعَ الْمَقْدُوْرَاتِ الْكَوْنِيَّةِ لِفَوَائِدَ تَرْجِعُ اِلَى الْعِبَادِ يَعْرِفُهَا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ

’’وہ لوح محفوظ ہے کہ اللہ نے اس میں ساری ہو سکنے والی چیزیں جمع فرما دیں ان فائدوں کی وجہوں سے جو بندوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ انکو علمائے ربانی جانتے ہیں۔‘‘

تفسیر کبیر یہ ہی آیت:

وَ فَائِدَةُ هٰذَا الْكِتَابِ اُمُوْرٌ اَحَدُهَا اَنَّهٗ تَعَالٰى كَتَبَ هٰذِهِ الْاَحْوَالَ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لِتَقِفَ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى نَفَاذِ عِلْمِ اللّٰهِ فِي الْمَعْلُوْمَاتِ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ عِبْرَةً تَامَّةً كَامِلَةً لِلْمَلٰٓئِكَةِ الْمُوَكَّلِيْنَ بِاللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لِاَنَّهُمْ يُقَابِلُوْنَ بِهٖ مَا يَحْدُثُ فِيْ صَحِيْفَةِ هٰذَا الْعَالَمِ فَيَجِدُوْنَهٗ مُوَافِقًا لَهٗ۔

’’اس لکھنے میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان حالات کو لوح محفوظ میں اس لیے لکھا تھا تاکہ ملائکہ خبردار ہو جائیں ان معلومات میں علم الٰہی جاری ہونے پر پس یہ بات ان فرشتوں کے لیے پوری پوری عبرت بن جائے جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں کیونکہ وہ فرشتے ان واقعات کا اس تحریر سے مقابلہ کرتے ہیں جو عالم میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں تو اس کو لوح محفوظ کے موافق پاتے ہیں۔‘‘

تفسیر خازن یہ ہی آیت:

وَالثَّانِیْ اَنَّ الْمُرَادَ بِالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ ھُوَا للَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ لِاَنَّ اللّٰہَ کَتَبَ فِیْہِ عِلْمَ مَا یَکُوْنُ وَ مَا قَدْ کَانَ قَبْلَ اَنْ یَخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ فَائِدَۃُ اِحْصَآءِ الْاَشْیَآءِ کُلِّھَا فِیْ ھٰذَا الْکِتَابِ لِتَقِفَ الْمَلٰٓئِکَۃُ عَلٰی اِنْفَاذِ عِلْمِہٖ

’’دوسری توجیہہ یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ ہوگا اور جو کچھ آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکا سب کا علم لکھ دیا اور ان تمام چیزوں کا فائدہ یہ ہے کہ فرشتے اس کے علم کے جاری کرنے پر واقف ہو جائیں۔‘‘

تفسیر مدارک یہ ہی آیت:

ھُوَعِلْمُ اللّٰہِ اَوِ اللَّوْحِ۔

’’وہ کتاب یا تو علم الٰہی ہے یا لوح محفوظ۔‘‘

تفسیر تنویر المقیاس میں تفسیر ابن عباس میں اسی آیت کے ماتحت ہے:

کُلُّ ذٰلِکَ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ مُبَیَّنٌ مِقْدَارُھَا وَ وَقْتُھَا

’’یہ تمام چیزیں لوح محفوظ میں ہیں ان کی مقدار اور ان کا وقت بیان کر دیا گیا ہے۔‘‘

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں ہر خشک وتر ادنیٰ واعلیٰ چیز ہے اور لوح محفوظ کو فرشتے اور اللہ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفیٰ علیہ السلام ان سب پر محیط ہے لہٰذا یہ تمام علوم علم مصطفیٰ کے دریا کے قطرے ہیں۔

(۹) نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ۔ (پارہ ۱۴ سورہ ۱۶ آیت ۸۹)

’’اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔‘‘

تفسیر حسینی یہ ہی آیت:

نَزَّلْنَا فرستادیم عَلَیْکَ الْکِتَابَ بر تو قرآن تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ بیان روشن برائے ہمہ چیز از امور دین ودنیا تفصیل واجمال

’’اور ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن، دین ودنیا ہر چیز کا روشن بیان بنا کر بھیجی تفصیلی واجمالی۔‘‘

تفسیر روح البیان یہ ہی آیت:

یَتَعَلَّقُ بِاُمُوْرِ الدِّیْنِ مِنْ ذَالِکَ اَحْوَالُ الْاُمَمِ وَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ۔

’’اس کے بیان کے لیے جو دینی چیزوں سے تعلق رکھتی ہوں اور اس میں سے امتوں اور انکے پیغمبروں کے حالات ہیں۔‘‘

تفسیر اتقان یہ ہی آیت:

قَالَ الْمُجَاھِدُ یَوْمًا مَا مِنْ شَیْءٍ فِی الْعَالَمِ اِلَّا ھُوَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ فَقِیْلَ لَہٗ فَاَیْنَ ذِکْرُ الْخَانَاتِ فَقَالَ فِیْ قَوْلِہٖ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ۔

''حضرت مجاہد نے ایک دن فرمایا کہ عالم میں کوئی شے ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو تو ان سے کہا گیا کہ سرایوں کا ذکر کہاں ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اس آیت میں ہے کہ تم پر گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جاؤ جس میں کوئی رہتا نہ ہو اور تمہارا وہاں سامان ہو۔''

اس آیت اوران تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ چیز ہے اور قرآن رب تعالیٰ نے محبوب علیہ السلام کو سکھایا اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ یہ تمام چیزیں علم مصطفیٰ علیہ السلام میں آئیں۔

(۱۰) وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ (پارہ ۱۱ سورہ ۱۰ آیت ۳۷)

''اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں۔''

جلالین یہ ہی آیت:

تَفْصِيْلَ الْكِتَابِ تُبَيِّنُ مَا كَتَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْاَحْكَامِ وَ غَيْرِ هٰذَا

''یہ تفصیلی کتاب ہے اس میں وہ احکام اور ان کے سوا دوسری چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیں۔''

جمل یہ ہی آیت:

اَىْ فِى اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ

''یعنی لوح محفوظ میں تفصیل ہے۔''

روح البیان یہ ہی آیت:

اَىْ وَ تَفْصِيْلَ مَا حُقِّقَ وَ اُثْبِتَ مِنَ الْحَقَائِقِ وَ الشَّرَائِعِ وَ فِى التَّاوِيْلَاتِ النَّجْمِيَّةِ اَىْ تَفْصِيْلَ الْجُمْلَةِ الَّتِىْ هِىَ الْمُقَدَّرُ الْمَكْتُوْبُ فِى الْكِتٰبِ الَّذِىْ لَا يَتَطَرَّقُ اِلَيْهِ الْمَحْوُ وَ الْاِثْبَاتُ لِاَنَّهٗ اَزَلِىٌّ اَبَدِىٌّ۔

''یعنی یہ قرآن ان شرعی اور حقیقت کی چیزوں کی تفصیل ہے۔ جو ثابت کی جا چکی ہیں اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس تمام کی تفصیل ہے جو تقدیر میں آ چکی ہیں اور اس کتاب میں لکھی جا چکی ہیں جس میں ردوبدل نہیں ہوتا کیونکہ وہ کتاب ازلی و ابدی ہے۔''

اس آیت و تفسیر سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم میں احکام شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ قرآن میں سارے لوح محفوظ کی تفصیل ہے اور لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ اور قرآن حضور علیہ السلام کے علم میں ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لہٰذا سارا لوح محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں ہے کیونکہ قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔

(۱۱) مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ۔ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۱۱۱)

''یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں اپنے سے اگلے کلاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔''

تفسیر خازن یہ ہی آیت:

يَعْنِيْ فِيْ هٰذَا لقُرْآنِ الْمُنَزَّلِ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ تَفْصِيْلُ كُلِّ شَيْءٍ تَحْتَاجُ اِلَيْهِ مِنَ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ وَ الْحُدُوْدِ وَ الْاَحْكَامِ وَ الْقَصَصِ وَ الْمَوَاعِظِ وَ الْاَمْثَالِ وَ غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ الْعِبَادُ فِيْ اَمْرِ دِيْنِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ۔

''یعنی اس قرآن میں جو آپ پر اتارا گیا اے محمد ﷺ ہر چیز کی تفصیل ہے جسکی آپ کو ضرورت ہو حلال اور حرام سزائیں اور احکام اور قصے اور نصیحتیں اور مثالیں۔ ان کے علاوہ وہ چیزیں جن کی بندوں کو اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں ضرورت پڑتی ہے۔''

تفسیر حسینی میں ہے:

وَ تَفْصِيْلُ كُلِّ شَيْءٍ و بیان ہمہ چیز ہا کہ محتاج باشد در دین و دنیا

''یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہے جسکی دین و دنیا میں ضرورت ہو۔''

(کتاب الاعجاز لابن سراقہ میں ہے)

مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ اِلَّا هُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى

''عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔''

(۱۲) اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۱ تا ۴)

''رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا اور ما کان و ما یکون کا بیان اس کو سکھایا۔''

تفسیر معالم التنزیل و حسینی یہ ہی آیت:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ اَيْ مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِيْ بَيَانَ مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنَ

''اللہ نے انسان یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی پچھلی باتوں کا بیان سکھا دیا۔''

تفسیر خازن یہ ہی آیت:

قِيْلَ اَرَادَ بِالْاِنْسَانِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِيْ بَيَانَ مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ لِاَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبِيٌّ عَنْ خَبَرِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَ عَنْ يَوْمِ الدِّيْنِ۔

''کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد ﷺ ہیں کہ ان کو اگلے پچھلے امور کا بیان سکھا دیا گیا کیونکہ حضور علیہ السلام کو اگلوں پچھلوں کی اور قیامت کے دن کی خبر دے دی گئی۔''

روح البیان یہ ہی آیت:

وَ عَلَّمَ نَبِيَّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ الْقُرْاٰنَ وَ اَسْرَارَ الْاُلُوْهِيَّةِ كَمَا قَالَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔

‘‘یعنی ہمارے نبی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے قرآن اور اپنی ربوبیت کے بھید سکھا دیئے جیسا کہ خود رب تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کو سکھا دیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے۔’’

تفسیر مدارک یہ ہی آیت:

اَلْاِنْسَانَ اَیِ الْجِنْسَ اَوْ اٰدَمَ اَوْ مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

‘‘انسان سے مراد جنس انسانی ہے یا آدم علیہ السلام یا حضور علیہ السلام۔’’

معالم التنزیل یہ ہی آیت:

وَ قِيْلَ الْاِنْسَانُ هٰهُنَا مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ بَيَانُهٗ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔

‘‘کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ تمام باتیں سکھائیں جو نہ جانتے تھے۔’’

تفسیر حسینی یہ ہی آیت:

یا وجود محمد را بیاموزانیدے۔

‘‘یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کی ذات کو اور سکھایا ان کو جو ہو چکا یا ہوگا۔’’

ان آیتوں اور تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سارا علم حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو دیا گیا۔

(۱۳) مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ۔ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۸ آیت ۲)

‘‘تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔’’

تفسیر روح البیان یہ ہی آیت:

اَیْ لَيْسَ بِمَسْتُوْرٍ عِلْمًا كَانَ فِي الْاَزَلِ وَ مَا سَيَكُوْنُ اِلَى الْاَبَدِ لِاَنَّ الْجَنَّ هُوَ السَّتْرُ بَلْ اَنْتَ عَالِمٌ بِمَا كَانَ وَ خَبِيْرٌ بِمَا سَيَكُوْنُ۔

‘‘یعنی آپ سے وہ باتیں چھپی ہوئی نہیں جو ازل میں تھیں اور وہ جو ابد تک ہونگی۔ کیونکہ جن کے معنی ہیں چھپنا بلکہ آپ اس کو جانتے ہیں جو ہو چکا اور خبردار ہیں اس سے جو ہوگا۔’’

اس آیت و تفسیر سے علم غیب کلی ثابت ہوا۔

(۱۴) وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ط (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۶۵)

‘‘اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے۔’’

تفسیر درمنثور و طبری یہ ہی آیت:

عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهٗ قَالَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰے وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ اَلْخ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ یُحَدِّثُنَا مُحَمَّدٌ اَنَّ نَاقَةَ فُلَانٍ بِوَادٍ کَذَا وَ کَذَا وَ مَا یُدْرِیْهِ بِالْغَیْبِ۔

’’حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس آیت کے نزول کے بارے میں ولئن سالتھم کہ ایک منافق نے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خبر دیتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں جنگل میں ہے ان کو غیب کی کیا خبر۔‘‘

اس آیت اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے غیب سے انکار کرنا منافقین کا کام تھا۔ جس کو قرآن نے کفر قرار دیا۔

(۱۵) فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (پارہ ۲۹ سورۃ ۲۷ آیت ۲۶,۲۷)

’’تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔‘‘

تفسیر کبیر یہ ہی آیت:

اَیْ وَقْتَ وَ قُوْعِ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْغَیْبِ الَّذِیْ لَا یُظْهِرُ اللّٰهُ لِاَحَدٍ فَاِنْ قِیْلَ فَاِذَا اَحْمَلْتُمْ ذٰلِكَ عَلَی الْقِیٰمَةِ فَکَیْفَ قَالَ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مَعَ اَنَّهٗ لَا یُظْهِرُ هٰذَا الْغَیْبَ لِاَحَدٍ قُلْنَا بَلْ یُظْهِرُهٗ عَنْ قَرِیْبِ الْقِیٰمَةِ۔

’’یعنی قیامت کے آنے کا وقت ان غیبوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر نہیں فرماتا پس اگر کہا جاوے کہ جب تم نے اس غیب کو قیامت پر محمول کر لیا تو اب رب تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا مگر پسندیدہ رسولوں کو حالانکہ یہ غیب تو کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا جاتا تو ہم کہیں گے کہ رب تعالیٰ قیامت کے قریب ظاہر فرما دیگا۔‘‘

تفسیر عزیزی صفحہ ۱۷۳:

آنچہ بہ نسبت ہمہ مخلوقات غائب است غائب مطلق است مثل وقت آمدن قیامت واحکام تکوینیہ وشرعیہ باری تعالیٰ در ہر روز و ہر شریعت ومثل حقائق ذات وصفات اوتعالیٰ علیٰ سبیل التفصیل ایں قسم راغیب خاص اوتعالیٰ نیز می نامند فَلَا یُظْهِرُهٗ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا پس مطلع نمی کند بر غیب خاص خود ہیچ کس رامگر کسی را کہ پسند میکند وآں کس رسول باشد خواہ از جنس ملک وخواہ از جنس بشر مثل حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام واظہار بعضے از غیوب خاصہ خود می فرمائد۔

’’جو چیز تمام مخلوقات سے غائب ہو وہ غائب مطلق ہے جیسے قیامت کے آنے کا وقت اور ہر چیز کے پیدائشی اور شرعی احکام اور جیسے پروردگار کی ذات وصفات بطریق تفصیل اس قسم کو رب تعالیٰ کا خاص غیب کہتے ہیں پس اپنے خاص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا اس کے سوا جس کو پسند فرمادے اور وہ رسول ہوتے ہیں خواہ فرشتے کی جنس سے ہوں یا انسان کی جنس سے جیسے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام ان کو اپنے بعض خاص غیب ظاہر فرماتا ہے۔‘‘

تفسیر خازن یہ ہی آیت:

اِلَّا مَنْ یَّصْطَفِیْهِ لِرِسَالَتِهٖ وَ نُبُوَّتِهٖ فَیُظْهِرُهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنَ الْغَیْبِ حَتّٰی یُسْتَدَلَّ عَلٰی نُبُوَّتِهٖ بِمَا یُخْبِرُ بِهٖ

مِنَ الْمُغِيْبَاتِ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ مُعْجِزَةً لَّهٗ

''سوا اس کے جس کو اپنی نبوت اور رسالت کے لیے لیا پس ظاہر فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے غیب تاکہ انکی نبوت پر دلیل پکڑی جاوے ان غیب چیزوں سے جس کی وہ خبر دیتے ہیں پس یہ ان کا معجزہ ہوتا ہے۔''

روح البیان یہ ہی آیت:

قَالَ ابْنُ الشَّيْخِ اَنَّهٗ تَعَالٰى لَا يُطْلِعُ عَلَى الْغَيْبِ الَّذِيْ يَخْتَصُّ بِهٖ تَعَالٰى عِلْمُهٗ اِلَّا لِمُرْتَضَى الَّذِيْ يَكُوْنُ رَسُوْلًا وَ مَالَا يَخْتَصُّ بِهٖ يُطْلِعُ عَلَيْهِ غَيْرَ الرَّسُوْلِ

''ابن شیخ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اس غیب پر جو اس سے خاص ہے کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسول کے اور جو غیب کہ رب سے خاص نہیں اس پر غیر رسول کو بھی مطلع فرمادیتا ہے۔''

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علم غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا اب کیا شے ہے جو علم مصطفیٰ علیہ السلام سے باقی رہ گئی۔

(۱۶) فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۳ آیت ۱۰)

''اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔''

مدارج النبوۃ جلد اول وصل رویۃ الٰہی میں ہے:

فاوحی الآیۃ بتمام علوم ومعارف وحقائق وبشارات واشارات، اخبار وآثار وکرامات وکمالات دراحیطۂ ایں ابہام داخل است وہمہ راشامل وکثرت وعظمت اوست کہ مبہم آوردو بیان نہ کرد اشارات بآنکہ جز علام الغیوب ورسول محبوب بہ آں محیط نتواند شد مگر آں چہ آں حضرت بیان کردہ۔

''معراج میں رب نے حضور علیہ السلام پر جو سارے علوم اور معرفت اور حقائق اور بشارتیں اور اشارے اور خبریں اور کرامتیں و کمالات وحی فرمائے وہ اس ابہام میں داخل ہیں اور سب کو شامل ہیں انکی زیادتی اور عظمت ہی کی وجہ سے ان چیزوں کو بطور ابہام ذکر کیا بیان نہ فرمایا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان علوم غیبیہ کو سوائے رب تعالیٰ اور محبوب علیہ السلام کے کوئی نہیں احاطہ کرسکتا۔ ہاں جس قدر حضور نے بیان فرمایا وہ معلوم ہے۔''

اس آیت اور عبارت سے معلوم ہوا کہ معراج میں حضور علیہ السلام کو وہ علوم عطا ہوئے جو کہ نہ کوئی بیان کرسکتا ہے اور نہ کسی کے خیال میں آسکتے ہیں ماکان ومایکون تو صرف بیان کے لیے ہے ورنہ اس سے بھی کہیں زیادہ کی عطا ہوئی۔

(۱۷) وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۔ (پارہ ۳۰ سورۃ ۸۱ آیت ۲۴)

''اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔''

یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو اس سے مطلع فرمادیتے ہوں۔

معالم التنزیل یہ ہی آیت:

عَلَى الْغَيْبِ وَ خَبَرِ السَّمَآءِ وَ مَا اُطُّلِعَ عَلَيْهِ مِنَ الْاَخْبَارِ وَ الْقَصَصِ بِضَنِيْنٍ اَىْ بِبَخِيْلٍ يَقُوْلُ اِنَّهٗ يَاتِيْهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَبْخَلُ بِهٖ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ وَ يُخْبِرُكُمْ وَلَا يَكْتُمُهٗ كَمَا يَكْتُمُ الْكَاهِنُ۔

”حضور علیہ السلام غیب پر اور آسمانی خبروں پر اور ان خبروں وقصوں پر بخیل نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے پس وہ اس میں تم پر بخل نہیں کرتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں جیسے کہ کاہن چھپاتے ہیں ویسے نہیں چھپاتے۔“

خازن یہ ہی آیت:

يَقُوْلُ اِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَاتِيْهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَبْخَلُ بِهٖ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ۔

”مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے تو تم پر اس میں بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔“

اس آیت وعبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام لوگوں کو علم غیب سکھاتے ہیں اور سکھائے گا وہ ہی جو خود جانتا ہے۔

(۱۸) وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۸ آیت ۶۵)

”اور ان کو اپنا علم لدنی عطا کیا یعنی حضرت خضر کو۔“

بیضاوی یہ ہی آیت:

اَىْ مِمَّا يَخْتَصُّ نَبَاَهٗ لَا يَعْلَمُ اِلَّا بِتَوْفِيْقِنَا وَ هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ۔

”حضرت خضر کو وہ علم سکھائے جو ہمارے ساتھ خاص ہیں بغیر ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے۔“

تفسیر ابن جریر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا كَانَ رَجُلًا يَعْلَمُ عِلْمَ الْغَيْبِ قَدْ عَلِمَ ذٰلِكَ۔

”حضرت خضر نے فرمایا تھا حضرت موسیٰ سے کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے وہ خضر علم غیب جانتے تھے کہ انہوں نے جان لیا۔“

روح البیان یہ ہی آیت:

هُوَ عِلْمُ الْغُيُوْبِ وَالْاِخْبَارُ عَنْهَا بِاِذْنِهٖ تَعَالٰى كَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ۔

”حضرت خضر کو جو لدنی علم سکھایا گیا وہ علم غیب ہے اور اس غیب کے متعلق خبر دینا ہے خدا کے حکم سے جیسا کہ اس طرف ابن عباس رضی اللہ عنہما گئے ہیں۔“

تفسیر مدارک یہ ہی آیت:

يَعْنِى الْاِخْبَارَ بِالْغُيُوْبِ وَ قِيْلَ الْعِلْمُ الَّدُنِّى مَا حَصَلَ لِلْعَبْدِ بِطَرِيْقِ الْاِلْهَامِ۔

"یعنی حضرت خضر کو غیب کی خبریں دیں اور کہا گیا ہے کہ علم لدنی وہ ہوتا ہے جو بندے کو الہام کے طریقہ پر حاصل ہو۔"

تفسیر خازن یہ ہی آیت:

اَیْ عِلْمَ الْبَاطِنِ اِلْهَامًا

"یعنی حضرت خضر کو علم باطن الہام کے طریقہ پر عطا فرمایا۔"

اس آیت و تفسیری عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضر کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا جس سے لازم آیا کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا ہوا کیونکہ آپ تمام مخلوق الٰہی سے زیادہ عالم ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی مخلوق ہیں۔

(۱۹) وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۷۵)

"اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔"

تفسیر خازن یہ ہی آیت:

اُقِیْمَ عَلٰی صَخْرَةٍ وَ كُشِفَ لَهٗ عَنِ السَّمٰوٰتِ حَتّٰی رَاَی الْعَرْشَ وَ الْكُرْسِیَّ وَ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ كُشِفَ لَهٗ عَنِ الْاَرْضِ حَتّٰی نَظَرَ اِلٰی اَسْفَلِ الْاَرْضِیْنَ وَ رَاٰی مَا فِیْهَا مِنَ الْعَجَائِبِ۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صخرہ پر کھڑا کیا گیا اور ان کے لیے آسمان کھول دیئے گئے یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جو کچھ آسمانوں میں ہے دیکھ لیا اور آپ کے لیے زمین کھول دی گئی یہاں تک کے انہوں نے زمینوں کی نیچی زمین اور عجائبات کو دیکھ لیا جو زمینوں میں ہیں۔"

تفسیر مدارک یہ ہی آیت:

قَالَ مُجَاهِدٌ فُرِجَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ فَنَظَرَ اِلٰی مَا فِیْهِنَّ حَتّٰی انْتَهٰی نَظَرُهٗ اِلَی الْعَرْشِ وَ فُرِجَتْ لَهُ الْاَرْضُوْنَ السَّبْعُ حَتّٰی نَظَرَ اِلٰی مَا فِیْهِنَّ۔

"مجاہد نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے ساتوں آسمان کھول دیئے گئے پس انہوں نے دیکھ لیا۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے یہاں تک کہ ان کی نظر عرش تک پہنچ گئی اور ان کے لیے سات زمینیں کھولی گئیں کہ انہوں نے وہ چیزیں دیکھ لیں جو زمینوں میں ہیں۔"

روح البیان یہ ہی آیت:

عجائب و بدائع آسمانہا و زمین ہا از ذروہ عرش تا تحت الثری بروے منکشف ساختہ

"ابراہیم کو آسمان و زمین کی عجائبات و غرائبات دکھائے اور عرش کی بلندی سے تحت الثریٰ تک کھول دیا۔"

تفسیر ابن جریر ابن ابی حاتم میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اِنَّهٗ جَلَّ لَهُ الْاَمْرُ سِرُّهٗ وَ عَلَانِیَتُهٗ فَلَمْ یَخْفَ عَلَیْهِ شَیْءٌ مِّنْ اَعْمَالِ الْخَلَائِقِ۔

''حضرت ابراہیم پر کھلی و پوشیدہ تمام چیزیں کھل گئیں پس ان پر مخلوق کے اعمال میں سے کچھ بھی نہ چھپا رہا۔''

تفسیر کبیر یہ ہی آیت:

اِنَّ اللّٰهَ شَقَّ لَهُ السَّمٰوٰتِ حَتّٰى رَاَى الْعَرْشَ وَ الْكُرْسِيَّ وَ اِلٰى حَيْثُ يَنْتَهِيْ اِلَيْهِ فَوْقِيَةُ الْعَالَمِ الْجِسْمَانِيْ وَ رَاٰى مَا فِي السَّمٰوٰتِ مِنَ الْعَجَائِبِ وَ الْبَدَائِعِ وَ رَاٰى مَا فِيْ بَطْنِ الْاَرْضِ مِنَ الْعَجَائِبِ وَ الْغَرَائِبِ۔

''اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے لیے آسمانوں کو چیر دیا یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جہاں تک جسمانی علم کی فوقیت ختم ہوتی ہے دیکھ لیا اور وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو زمین کے پیٹ میں ہیں۔''

اس آیت اور ان تفسیری عبارات سے معلوم ہوا کہ از عرش تا تحت الثریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی ان کو خبر دی گئی اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم عطا ہوئے۔

خیال رہے کہ عرش کے علم میں لوح محفوظ بھی آ گئی اور لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں لہٰذا ما کان و ما یکون کا علم تو ان کو بھی حاصل ہوا اور علم ابراہیمی اور علم حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے۔

(۲۰) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۳۷) اسکی تفسیر روح البیان و کبیر و خازن میں ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ تمہیں کھانے کے گذشتہ و آئندہ کے سارے حالات بتا سکتا ہوں کہ غلہ کہاں سے آیا اور اب کہاں جائے گا۔ تفسیر کبیر نے تو فرمایا کہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ کھانا نفع دے گا یا نقصان۔ یہ چیزیں وہ ہی بتا سکتا ہے جو ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہو پھر فرماتے ہیں۔

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ۔ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۳۷)

''یہ علم تو میرے علوم کا بعض حصہ ہے۔''

اب بتاؤ کے حضور علیہ السلام کا علم کتنا ہوگا۔ علم یوسفی تو علم مصطفیٰ کے سمندر کا قطرہ اور عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ لا فِيْ بُيُوْتِكُمْ ط (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۹)

''میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے اور جو کچھ جمع کرتے ہو۔''

دیکھو کھانا گھر میں کھایا اور رکھا گیا۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجود نہیں تھے اور اسکی خبر آپ باہر دے رہے ہیں یہ ہے علم غیب۔

(۲۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ (پارہ ۷ سورۃ ۵ آیت ۱۰۱)

''اے ایمان والو ایسی باتیں ہمارے محبوب سے نہ پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جاویں تو تمہیں ناگوار ہوں۔''

بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ قَوْمٌ يَسْاَلُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتِهْزَاءً فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مَنْ اَبِيْ

وَ يَقُوْلُ الرَّجُلُ اَيْنَ نَاقَتِيْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِمْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ لَا تَسْاَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ۔

''حضرت عباس سے روایت ہے کہ کچھ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بطور مزاح سوال کرتے تھے کہ پس ایک شخص کہتا کہ میرا باپ کون ہے اور دوسرا شخص کہتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اے ایمان والو ایسی باتیں ہمارے محبوب سے نہ پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کردی جاویں تو تمہیں ناگوار ہوں۔

تتمہ

مخالفین سے ان دلائل کے جواب کچھ نہیں بنتے صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ جن آیات میں کُلَّ شَیْءٍ کا ذکر ہوا یا فرمایا گیا مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمْ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۱۳) ان میں مراد شریعت کے احکام ہیں نہ کہ اور چیزیں اسکے لیے چند دلائل لاتے ہیں۔

(۱) کُلَّ شَیْءٍ غیر متناہی (بے انتہا) اور غیر متناہی چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو ہونا منطقی قاعدے سے بالکل باطل ہے دلیل تسلسل سے۔

(۲) بہت سے مفسرین نے بھی کُلَّ شَیْءٍ کے معنے کیے ہیں مِنْ اُمُوْرِ الدِّیْنِ یعنی دین کے احکام جیسے جلالین وغیرہ۔

(۳) قرآن پاک میں بہت جگہ کُلَّ شَیْءٍ فرمایا گیا ہے مگر اس سے بعض چیزیں مراد ہیں جیسے وَ اُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّشَیْءٍ (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۷ آیت ۲۳) بلقیس کو کُلِّ شَیْءٍ دی گئیں حالانکہ بلقیس کو بعض چیزیں ہی دی گئی تھیں۔

مگر یہ دلائل نہیں صرف غلط فہمی ہے اور دھوکا۔ ان کے جوابات یہ ہیں۔

عربی زبان میں کلمہ کل اور کلمہ ما عموم کے لیے آتے ہیں اور قرآن کا ایک ایک کلمہ قطعی ہے اس میں کوئی قید لگانا محض اپنے قیاس سے جائز نہیں۔ قرآن پاک کے عام کلمات اور حدیث احاد سے بھی خاص نہیں بنا سکتے چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے۔

(۱) کُلَّ شَیْءٍ غیر متناہی نہیں بلکہ متناہی ہیں۔ تفسیر کبیر زیر آیت وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۲ آیت ۲۸) ہے۔

قُلْنَا لَا شَكَّ اِنَّ اِحْصَاءَ الْعَدَدِ اِنَّمَا يَكُوْنُ فِي الْمُتَنَاهِيْ فَاَمَّا لَفْظَةُ كُلِّ شَيْءٍ فَاِنَّهَا لَا تَدُلُّ عَلٰى كَوْنِهٖ غَيْرَ مُتَنَاهٍ لِاَنَّ الشَّيْئَ عِنْدَنَا هُوَ الْمَوْجُوْدَاتُ وَ الْمَوْجُوْدَاتُ مُتَنَاهِيَةٌ فِي الْعَدَدِ۔

''اس میں شک نہیں کہ عدد سے شمار کرنا متناہی چیز میں ہوسکتا ہے لیکن لفظ کُلَّ شَیْءٍ اسی شئی کے غیر متناہی ہونے پر دلالت نہیں کرتا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک شئی ءموجودات ہی ہیں اور موجود چیزیں متناہی میں شمار ہیں۔''

تفسیر روح البیان میں اسی آیت وَ اَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۲ آیت ۲۸) کے ماتحت فرمایا۔

وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ مِمَّا يُسْتَدَلُّ بِهٖ عَلٰى اَنَّ الْمَعْدُوْمَ لَيْسَ بِشَيْءٍ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ شَيْئًا لَكَانَتِ الْاَشْيَاءُ غَيْرَ مُتَنَاهِيَةٍ وَ كَوْنُهٗ اَحْصٰى عَدَدَهَا يَقْتَضِيْ كَوْنَهَا مُتَنَاهِيَةً لِاَنَّ اِحْصَاءَ الْعَدَدِ اِنَّمَا يَكُوْنُ فِي الْمُتَنَاهِيْ۔

''اس آیت سے اس پر بڑی دلیل پکڑی جاتی ہے کہ معدوم (غیر موجود) شئی نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بھی شئی ہوتی تو چیزیں غیر متناہی (بے انتہا) ہوجاتیں۔ اور چیزوں کا شمار میں آنا چاہتا ہے کہ چیزیں متناہی ہوں کیونکہ عدد سے شمار متناہی ہوسکتی ہے۔''

(۲) اگر بہت سے مفسرین نے کُلَّ شَیْءٍ سے صرف شریعت کے احکام مراد لیے ہیں تو بہت سے مفسرین نے کلی علم غیب بھی مراد لیا ہے اور جبکہ بعض دلائل نفی کے ہوں۔ اور بعض ثبوت کے تو ثبوت والوں کو ہی اختیار کیا جاتا ہے۔

نور الانوار بحث تعارض میں ہے۔ وَالْمُثْبَتُ اَوْلٰی مِنَ النَّافِیْ ثابت کرنے والے دلائل نفی کرنے والے سے زیادہ بہتر ہیں۔ تو جن تفسیروں کے حوالہ ہم پیش کر چکے ہیں۔ چونکہ ان میں زیادہ کو ثبوت ہے لہٰذا وہ ہی قابل قبول ہیں۔ نیز کُلَّ شَیْ کی تفسیر خود احادیث اور علمائے امت کے اقوال سے ہم بیان کریں گے کہ کوئی ذرہ کوئی قطرہ ایسا نہیں جو حضور علیہ السلام کے علم میں نہ آ گیا ہو اور ہم مقدمہ کتاب لکھ چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالحدیث اور تفسیروں سے بہتر ہے لہٰذا حدیث ہی کی تفسیر مانی جاوے گی۔

نیز مفسرین نے امور دین سے تفسیر کی انہوں نے بھی دوسری چیزوں کی نفی تو نہ کی۔ لہٰذا تم نفی کہاں سے نکالتے ہو؟ کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے اس کی نفی کیسے ہوگی۔ قرآن کریم فرماتا ہے تَقِیْکُمُ الْحَرَّ یعنی تمہارے کپڑے تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔ تو کیا کپڑے سردی سے نہیں بچاتے؟ مگر ایک چیز کا ذکر نہ فرمایا۔ نیز دین تو سب ہی کو شامل ہے۔ عالم کی کونسی چیز ایسی ہے۔ جس پر دین کے احکام حرام حلال وغیرہ جاری نہیں ہوتے تو ان کا یہ فرمانا کہ دینی علم مکمل کر دیا سب کو شامل ہے۔

(۳) بلقیس وغیرہ کے قصہ میں جو کُلَّ شَیْءٍ آیا ہے۔ وہاں قرینہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کُلَّ شَیْءٍ سے مراد سلطنت کے کاروبار کی چیزیں ہیں۔ اس لیے وہاں گویا مجازی معنی مراد لیے گئے۔ یہاں کونسا قرینہ ہے جس کی وجہ سے کُلَّ شَیْءٍ کے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد لئے جاویں خیال رہے کہ قرآن کریم نے ہد ہد کا قول نقل فرمایا کہ اس نے کہا اُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ بلقیس کو ہر چیز دی گئی خود رب نے یہ خبر نہ دی. ہد ہد یہ سمجھا کہ بلقیس کو دنیا کی تمام چیزیں مل گئیں مگر مصطفیٰ علیہ السلام کے لیے خود رب تعالیٰ نے فرمایا. تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہد ہد غلطی کر سکتا ہے. رب کا کلام غلط نہیں ہو سکتا اس نے تو یہ بھی کہا وَلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ کیا تخت بلقیس عرش عظیم تھا بلکہ قرآن کی اور آیتیں تو بتا رہی ہیں کہ کُلَّ شَیْءٍ سے مراد یہاں عالم کی تمام چیزیں ہیں فرماتا ہے. وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ کوئی خشک اور تر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ یا قرآن مجید میں نہ ہو پھر آنے والی احادیث اور علماء اور محدثین کے قول بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز کا حضور علیہ السلام کو علم دیا گیا ہم حاضر و ناظر کی بحث میں انشاء اللہ بتائیں گے کہ تمام عالم ملک الموت کے سامنے ایسا ہے جیسا ایک طشت. اور ابلیس آن کی آن میں تمام زمین کا چکر لگا لیتا ہے اور یہ دیوبندی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ساری مخلوقات سے زیادہ حضور علیہ السلام کا علم ہے. لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کو بھی ان چیزوں کا علم ہے۔ حضرت آدم اور کاتب تقدیر فرشتہ کا علم ہم علوم خمسہ کی بحث میں بتائیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ سارے علوم خمسہ ان کو حاصل ہوتے ہیں. اور حضور علیہ السلام تو ساری مخلوق سے زیادہ عالم لہٰذا حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم بلکہ اس سے زیادہ ماننا پڑیں گے. ہمارا مدعیٰ ہر حال میں ثابت ہے وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

فصل نمبر 2

علم غیب کی احادیث کے بیان میں

اس فصل میں ہم نمبروار احادیث بیان کرتے ہیں۔ پھر اسی نمبروں کی ترتیب سے تیسری فصل میں ان حدیثوں کی شرح بیان کریں گے۔

(۱) بخاری کتاب بدء الخلق اور مشکوٰۃ جلد دوم باب بدء الخلق وذکر الانبیاء میں حضرت فاروق سے روایت ہے۔

قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَ اَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ ذٰلِكَ حَفَظَ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ۔

''حضور علیہ السلام نے ایک جگہ قیام فرمایا پس ہم کو ابتداء پیدائش کی خبر دے دی۔ یہاں تک کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنی میں۔ جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔''

اس جگہ حضور علیہ السلام نے دو قسم کے واقعات کی خبر دی (۱) عالم کی پیدائش کی ابتداء کس طرح ہوئی (۲) پھر عالم کی انتہاء کس طرح ہوگی یعنی از روز اول تا قیام قیامت ایک ایک ذرہ بیان کر دیا۔

(۲) مشکوٰۃ باب المعجزات میں مسلم سے بروایت عمرو ابن اخطب اسی طرح منقول ہے مگر اس میں اتنا اور ہے۔

فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔

''ہم کو تمام ان واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک ہونیوالے ہیں پس ہم میں بڑا عالم وہ ہے جو ان باتوں کا زیادہ حافظ ہے۔''

(۳) مشکوٰۃ باب الفتن میں بخاری ومسلم بروایت ہے حضرت حذیفہ ہے۔

مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ فِيْ مُقَامِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ۔

''حضور علیہ السلام نے اس جگہ قیامت تک کی کوئی چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دے دی جس نے یاد رکھا یاد رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔''

(۴) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں مسلم بروایت ثوبان رضی اللہ عنہ ہے

اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَءَيْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا۔

''اللہ نے میرے لیے زمین سمیٹ دی پس میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔''

(۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں عبدالرحمٰن بن عائش سے روایت ہے۔

رَءَيْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدَيَّيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِيْ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

”ہم نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ پر رکھا جسکی ٹھنڈک ہم نے اپنے قلب میں پائی پس تمام آسمان وزمین کی چیزوں کو ہم نے جان لیا۔“

(۶) شرح مواہب لدنیہ للزرقانی میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت سے ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا وَ اِلٰی مَا هُوَ کَائِنٌ فِیْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ هٰذَا

”اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمادیا پس ہم اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک ہونیوالا ہے اسی طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں۔“

(۷) مشکوٰۃ باب المساجد بروایت ترمذی ہے۔

فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَّ عَرَفْتُ۔

”پس ہمارے لیے ہر چیز ظاہر ہوگئی اور ہم نے پہچان لی۔“

(۸) مسند امام احمد بن حنبل میں بروایت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہے۔

لَقَدْ تَرَکْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا یُحَرِّکُ طَائِرٌ جَنَاحَیْهِ اِلَّا ذِکَرَ لَنَا مِنْهُ عِلْمًا

”ہم کو حضور ﷺ نے اس حال پر چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے پر بھی نہ ہلاتا مگر اس کا ہم کو علم بتادیا۔“

(۹) مشکوٰۃ باب الفتن فصل ثانی میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَةٍ اِلٰی اَنْ تَنْقَضِیَ الدُّنْیَا یَبْلُغُ مِنْ ثَلٰثِ مِائَةٍ فَصَاعِدًا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاِسْمِهٖ وَ اِسْمِ اَبِیْهِ وَ اِسْمِ قَبِیْلَتِهٖ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ۔

”نہیں چھوڑا حضور ﷺ نے کسی فتنہ چلانیوالے کو دنیا کے ختم ہونے تک جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تک پہنچے گی مگر ہم کو اس کا نام اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلے کا نام بتادیا۔“

(۱۰) مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء میں بخاری سے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔

خُفِّفَ عَلٰی دَاوٗدَ الْقُرْاٰنُ فَکَانَ یَاْمُرُ دَوَآبَّهٗ فَتُسْرَجُ فَیَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ اَنْ تُسْرَجَ۔

”حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کو اس قدر ہلکا کردیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو زین لگانے کا حکم دیتے تھے تو آپ ان کی زین سے پہلے زبور پڑھ لیتے تھے۔“

یہ حدیث اس جگہ اس لیے بیان کی گئی کہ اگر حضور علیہ السلام نے ایک وعظ میں از اول تا آخر واقعات بیان فرمادیے تو یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔ جیسا کہ حضرت داؤد آن کی آن میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔

(۱۱) مشکوٰۃ باب مناقب اہل البیت میں ہے۔

تَلِدُ فَاطِمَةُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوْنُ فِیْ حُجْرِكَ۔

''حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ فاطمہ زہرا کے فرزند پیدا ہوگا جو تمہاری پرورش میں رہے گا۔''

(۱۲) بخاری باب اثبات عذاب القبر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل ہے۔

مَرَّالنَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبَرَيْنِ يُعَذَّبَانِ فَقَالَ اِنَّهُمَايُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّ بَانِ فِیْ كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُ هُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَكَانَ يَمْشِیْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رَطَبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً وَ قَالَ لَعَلَّهُ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا۔

''حضور علیہ السلام دو قبروں پر گزرے جن میں عذاب ہورہا تھا تو فرمایا کہ ان دو شخصوں کو عذاب دیا جارہا ہے اور کسی دشوار بات میں عذاب نہیں ہورہا ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا پھر ایک تر شاخ کو لے کر اسکو آدھا آدھا چیرا پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں کے عذاب میں کمی کی جاویگی۔''

(۱۳) بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ اور تفسیر خازن میں زیر آیت لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ (پارہ ۷ سورۃ ۵ آیت ۱۰۱) ہے۔

قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَ ذَكَرَ اَنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا اُمُوْرًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ اَحَبَّ اَنْ يَسْئَالَ عَنْ شَيْئٍ فَلْيَسْئَلْ عَنْهُ فَوَ اللّٰهِ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَيْئٍ اِلَّا اَخْبَرْ تُكُمْ مَا دُمْتُ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ اَيْنَ مَدْ خَلِیْ قَالَ النَّارُ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ اَبِیْ قَالَ اَبُوْكَ حُذَافَةُ ثُمَّ كَثُرَ اَنْ يَقُوْلَ سَلُوْنِیْ سَلُوْنِیْ۔

''حضور علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھتا ہے پوچھ لے قسم خدا کی جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں عبداللہ ابن حذافہ نے کھڑے ہوکر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے فرمایا حذافہ۔ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔''

خیال رہے کہ جہنمی یا جنتی ہونا علوم خمسہ میں سے ہے کہ سعید ہے یا شقی اسی طرح کون کس کا بیٹا ہے؟ یہ ایسی بات ہے جس کا علم سوائے اس کی ماں کے اور کسی کو نہیں ہوسکتا قربان ان نگاہوں کے جو کہ اندھیرے اجالے دنیا و آخرت سب کو دیکھتی ہیں۔

(۱۴) مشکوۃ باب مناقب علی میں ہے۔

قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَاُ عْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَ يْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ

''حضور علیہ السلام نے خیبر کے دن فرمایا کہ ہم کل یہ جھنڈا اس کو دیں گے جسکے ہاتھ اللہ خیبر کی فتح فرمادیگا اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔''

(۱۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ہے۔

عُرِضَتْ عَلَیَّ اَعْمَالُ اُمَّتِیْ حَسَنُھَا وَ سَیِّئُھَا فَوَجَدْتُ فِیْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِھَا الْاَذٰی یُمَاطُ عَنِ الطَّرِیْقِ۔

''مجھ پر ہماری امت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے بھی اور برے بھی مجھ نے انکی اچھے اعمال میں وہ تکلیف دہ چیز بھی پائی جو راستے سے ہٹادی جائے۔''

(۱۶) مسلم جلد دوم کتاب الجہاد باب غزوہ بدر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ یَضَعُ یَدَہٗ عَلَی الْاَرْضِ ھٰھُنَا ھٰھُنَا قَالَ فَمَا مَاتَ اَحَدُھُمْ عَنْ مَوْضِعِ یَدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ۔

''حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور اپنے دست مبارک کو ادھر ادھر زمین پر رکھتے تھے راوی نے فرمایا کہ کوئی بھی مقتولین میں سے حضور علیہ السلام کے ہاتھ کی جگہ سے ذرا بھی نہ ہٹا۔''

خیال رہے کہ کون کس جگہ مرے گا۔ یہ علوم خمسہ میں سے ہے جس کی خبر حضور علیہ السلام جنگ بدر میں ایک روز پہلے دے رہے ہیں۔

(۱۷) مشکوٰۃ باب المعجزات میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

فَقَالَ رَجُلٌ تَاللّٰہِ اِنْ رَءَیْتُ کَالْیَوْمِ ذِئْبٌ یَتَکَلَّمُ فَقَالَ الذِّئْبُ اَعْجَبُ مِنْ ھٰذَا رَجُلٌ فِی النَّخْلَاتِ بَیْنَ الْحَرَّتَیْنِ یُخْبِرُکُمْ بِمَا مَضٰی وَمَا ھُوَ کَائِنٌ بَعْدَکُمْ۔

''شکاری آدمی نے کہا کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کر رہا ہے تو بھیڑیا بولا کہ اس سے عجیب بات یہ ہے کہ ایک صاحب (حضورﷺ) دو میدانوں کے درمیان نخلستان (مدینہ) میں ہیں اور تم کو گذشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں۔''

(۱۸) تفسیر خازن پارہ ۴ زیر آیت مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۷۹) ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ عُرِضَتْ عَلَیَّ اُمَّتِیْ فِیْ صُوَرِھَا فِی الطِّیْنِ کَمَا عُرِضَتْ عَلٰی اٰدَمَ وَ اُعْلِمْتُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِیْ وَ مَنْ یَّکْفُرُ بِیْ فَبَلَغَ ذٰلِکَ الْمُنَافِقِیْنَ قَالُوْا اسْتِھْزَاءً زَعَمَ مُحَمَّدٌ اَنَّہٗ یَعْلَمُ مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ وَ مَنْ یَّکْفُرُ مِمَّنْ لَمْ یُخْلَقْ بَعْدُ وَ نَحْنُ مَعَہٗ وَ مَا یَعْرِفُنَا فَبَلَغَ ذٰلِکَ رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَقَامَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَ اَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْا فِیْ عِلْمِیْ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْئٍ فِیْمَا بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَ السَّاعَةِ اِلَّا اَنْبَاْتُکُمْ بِہٖ۔

''حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت پیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جسطرح کہ حضرت آدم پر پیش ہوئی تھی ہم کو بتا دیا گیا کہ کون ہم پر ایمان لاویگا اور کون کفر کریگا۔ یہ خبر منافقین کو پہنچی تو وہ ہنس کر کہنے لگا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ان لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مومن کی خبر ہوگئی ہم تو ان کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہچانتے یہ خبر حضور علیہ السلام کو پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا کہ قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعنے کرتے ہیں اب سے قیامت تک کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم ہم سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔''

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم میں طعنے کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ دوسرے یہ کہ قیامت تک کے واقعات سارے حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ کتاب الفتن باب الملاحم فصل اول میں مسلم سے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہما ہے۔

إِنِّیْ لَأَعْرِفُ أَسْمَآءَهُمْ وَأَسْمَآءَ اٰبَآئِهِمْ وَأَلْوَانَ خُيُوْلِهِمْ خَيْرُ فَوَارِسَ أَوْ مِنْ خَيْرِ فَوَارِسَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ۔

''ہم ان کے (دجال سے جہاد کی تیاری کرنیوالوں) نام ان کے باپ دادوں کے نام ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں وہ روئے زمین پر بہترین سوار ہیں۔''

(۲۰) مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ کوئی ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں فرمایا ہاں وہ عمر ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری و پوشیدہ اعمال کی پوری خبر ہے اور آسمانوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیلی علم ہے۔ حالانکہ بعض بعض تارے اب تک فلاسفہ کو سائنسی آلات سے بھی معلوم نہ ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابری یا کمی بیشی وہ ہی بتا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدار بھی معلوم ہو۔

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی قدر پر کفایت کی گئی ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس طرح ہے جیسے اپنی کف دست۔ خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسواء اللہ کو تو عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان عالم ملائکہ، عرش و فرش غرضیکہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے اور عالم میں لوح محفوظ بھی ہے۔ جس میں سارے حالات ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کے اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں تیسرے یہ معلوم ہوا کہ راتوں میں تنہائی کے اندر جو کام کیے جاویں وہ بھی نگاہ مصطفیٰ علیہ السلام سے پوشیدہ نہیں کہ عبداللہ کے والد حذیفہ کو بتا دیا۔ چوتھے یہ معلوم ہوا کہ کون کب مریگا کہاں مریگا۔ کس حال میں مرے گا کافر یا مومن، عورت کے پیٹ میں کیا ہے یہ بھی میرے حضور علیہ السلام پر مخفی نہیں غرضیکہ ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

فصل نمبر 3

شارحین احادیث کے اقوال میں، دربارۂ علم غیب

(۱) عینی شرح بخاری۔ فتح الباری ارشاد الساری شرح بخاری۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۱ کے ماتحت ہے۔

فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّهٗ اَخْبَرَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ بِجَمِيْعِ اَحْوَالِ الْمَخْلُوْقَاتِ مِنْ اِبْتِدَآءِ هَا اِلٰى اِنْتِهَائِهَا۔

''اس حدیث میں دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں ساری مخلوقات کے سارے حالات کی از ابتداء تا انتہا خبر دے دی۔''

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شرح شفاء لملا علی قاری، زرقانی شرح مواہب۔ نسیم الریاض شرح شفا میں حدیث نمبر ۴ میں ہے۔

وَحَاصِلُهٗ اَنَّهٗ طُوِيَ لَهُ الْاَرْضُ وَ جَعَلَهَا مَجْمُوْعَةً كَهَيْئَةِ كَفٍّ فِيْهِ مِرْاٰةٌ يَنْظُرُ اِلَيْ جَمْعِهَا وَ طَوَاهَا بِتَقْرِيْبِ بَعِيْدِ هَا اِلٰى قَرِيْبِهَا حَتّٰى اِطَّلَعْتُ عَلٰى مَا فِيْهَا۔

''اسی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے لیئے ساری زمین سمیٹ دی گئی اور اسکو ایسا جمع فرما دیا گیا۔ جیسے ایک ہاتھ میں آئینہ ہو اور وہ شخص اس پورے آئینے کو دیکھتا ہے اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور والی کو قریب کر دیا اسکے قریب کی طرف۔ یہاں تک کہ ہم نے دیکھ لیا ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں۔''

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۵ کے ماتحت ہے۔

فَعَلِمْتُ بِسَبَبِ وُصُوْلِ ذٰلِكَ الْفَيْضِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَعْنِيْ مَا اَعْلَمَهُ اللّٰهُ مِمَّا فِيْهِمَا مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْاَشْجَارِ وَ غَيْرِهَا وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنْ سِعَةِ عِلْمِهِ الَّذِيْ فَتَحَ اللّٰهُ وَ قَالَ اِبْنُ حَجَرٍ اَيْ جَمِيْعَ الْكَائِنَاتِ الَّتِيْ فِي السَّمٰوٰتِ بَلْ وَمَا فَوْقَهَا كَمَا يُسْتَفَادُ مِنْ قِصَّةِ الْمِعْرَاجِ وَ الْاَرْضِ هِيَ بِمَعْنَى الْجِنْسِ وَ جَمِيْعَ مَا فِي الْاَرْضِيْنَ السَّبْعِ بَلْ وَمَا تَحْتَهَا كَمَا اَفَادَهٗ اِخْبَارُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الثَّوْرِ وَالْحُوْتِ الَّذِيْ عَلَيْهِمَا الْاَرْضُوْنَ۔

''اس فیض کے پہنچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان لیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی آسمان و زمین میں وہ چیزیں جو اللہ نے بتائیں فرشتے اور درخت وغیرہ یہ آپ کے اس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر فرمایا۔ ابن حجر نے فرمایا کہ جان لی وہ تمام مخلوقات جو آسمانوں (بلکہ جو اس کے اوپر ہے) جیسا کہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے اور زمین میں ہے اور تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمینوں بلکہ جو اس سے نیچے ہیں جیسا کہ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے اور مچھلی کی خبر دی جن پر زمینیں قائم ہیں۔''

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث ۵ کے ماتحت ہے۔

''عبارت است از حصول تمام علوم جزوی وکلی واحاطہ آں''

''یہ حدیث جزئی وکلی علموں کے حاصل ہونے اور اسکے احاطہ کا بیان ہے۔''

(۷) اشعۃ اللمعات میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت بیان فرمایا۔

''پس ظاہر شد مرا ہر چیز از علوم وشناختم ہمہ را''

''ہم پر ہر قسم کا علم ظاہر ہو گیا اور ہم نے سب کو پہچان لیا۔''

علامہ زرقانی شرح مواہب میں اسی حدیث نمبر ۷ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَیْ اُظْهِرَ وَكُشِفَ لِیَ الدُّنْيَا بِحَيْثُ اَحَطْتُّ بِجَمِيْعِ مَا فِيْهَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَاهُوَ كَائِنٌ فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّى هٰذِهٖ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهٗ نَظَرَ حَقِيْقَةً دُفِعَ بِهٖ اَنَّهٗ اُرِيْدَ بِالنَّظَرِ الْعِلْمُ۔

''یعنی ہمارے سامنے دنیا ظاہر کی گئی اور کھولی گئی کہ ہم نے اس کی تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا پس ہم اس دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور ﷺ نے حقیقۃً ملاحظہ فرمایا یہ احتمال دفع ہو گیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔''

(۸) امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں زیر حدیث نمبر ۸ فرماتے ہیں۔

وَلَاشَكَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَطْلَعَهٗ عَلٰى اَزْيَدَ مِنْ ذٰلِكَ وَ اَلْقٰى عَلَيْهِ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ۔

''اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور کو اس سے بھی زیادہ مطلع فرمایا اور آپکو سارے اگلے پچھلے حضرات کا علم دیا۔''

ملا علی قاری مرقاۃ میں حدیث نمبر ۱۷ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضٰى اَیْ سَبَقَ مِنْ خَبَرِ الْاَوَّلِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَ كُمْ اَیْ مِنْ نَبَاِ الْاٰخِرِيْنَ فِی الدُّنْيَا وَمِنْ اَحْوَالِ الْاَجْمَعِيْنَ فِی الْعُقْبٰى۔

''تم کو حضور ﷺ اگلوں کی گذری ہوئی خبریں دیتے ہیں اور جو کچھ تمہارے بعد پچھلوں کی خبریں ہیں وہ بھی بتاتے ہیں۔ دنیاوی حالات اور آخرت کے سارے حالات۔''

(۹) مرقاۃ میں حدیث نمبر ۱۹ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فِيْهِ مَعَ كَوْنِهٖ مِنَ الْمُعْجِزَاتِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّ عِلْمَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُحِيْطٌ بِالْكُلِّيَاتِ وَالْجُزْئِيَاتِ مِنَ الْكَائِنَاتِ وَ غَيْرِهَا

''اس حدیث میں معجزہ ہونیکے ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی دلالت ہے کہ حضور ﷺ کا علم کلی اور جزئی واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔''

محدثین کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تمام عالم کو اور اس میں ازل تا ابد ہونے والے واقعات کو اس طرح ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ جیسے کوئی اپنے ہاتھ میں آئینہ لے کر اس کو دیکھتا ہے اس عالم میں لوح محفوظ بھی ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ تمام اولین وآخرین یعنی انبیاء و ملائکہ واولیاء کا علم آپ کو عطا فرمایا گیا انبیاء میں حضرت آدم وحضرت خلیل وحضرت خضر علیہ السلام داخل ہیں۔ اور ملائکہ میں حاملین عرش اور حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں اور انکا علم تو سارے ماکان و مایکون کو محیط ہے تو حضور ﷺ کے علم کا کیا پوچھنا۔ اس وسعت علم میں علوم خمسہ بھی آ گئے۔

فصل نمبر 4

علمائے امت کے اقوال کے بیان میں دربارہ علم غیب

مدارج النبوۃ کے خطبہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ج وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۷ آیت ۳)

''وہ ہی اول ہے وہ ہی آخر وہ ہی ظاہر ہے وہ ہی پوشیدہ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔''

یہ خدا کی حمد بھی ہے اور نعت مصطفیٰ ﷺ بھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

''و وے ﷺ دانا است بہمہ چیز از شیونات واحکام الٰہی احکام وصفات حق واسماء وافعال وآثار وبجمیع علوم ظاہر وباطن واول وآخر احاطہ نمودہ ومصداق فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ شد''

''حضور ﷺ تمام چیزوں کے جاننے والے ہیں اور انہوں نے خدائے پاک کی شانیں اس کے احکام حق تعالیٰ کی صفات اور افعال اور سارے ظاہری باطنی اول وآخر کے علوم کا احاطہ فرمالیا ہے۔''

اسی مدارج جلد اول باب پنجم در ذکر فضائل آنحضرت صفحہ ۱۴۴ میں ہے۔

''از زمان آدم تا نفخہ اولیٰ بر وے علیہ السلام منکشف ساختند تا ہمہ احوال او دا از اول وآخر معلوم گردد و یاران خود را نیز از بعضے احوال خبر داد۔

''حضرت آدم سے صور پھونکنے تک تمام حضور ﷺ پر ظاہر فرمادیا تاکہ اول سے آخر تک کے سارے حالات آپکو معلوم ہو جائیں اور حضور ﷺ نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔''

علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ وَاتَّفَقَتْ مَعَانِيْهَا عَلٰى اِطِّلَاعِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ وَلَايُنَافِيْ الْاٰيٰتِ الدَّالَّةِ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ لِاَنَّ الْمَنْفِيَّ عِلْمُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ اَمَّا اِطِّلَاعُهٗ عَلَيْهِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ

فَمُحَقَّقٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔

”احادیث اس پر متواتر ہیں اور انکے معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور ﷺ کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسئلہ ان آیتوں کے خلاف نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا کیونکہ جس غیب کی نفی ہے وہ علم بغیر واسطہ ہے (ذاتی) لیکن حضور کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے وہ ثابت ہے رب کے اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسول کے۔“

شفا شریف میں قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ماخوذ از خرپوتی شرح قصیدہ بردہ)

خَصَّ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْاِطِّلَاعِ عَلٰی جَمِيْعِ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ وَمَصَالِحِ اُمَّتِهٖ وَ كَانَ فِي الْاُمَمِ وَمَا سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِهٖ مِنَ النَّقِيْرِ وَالْقِطْمِيْرِ وَعَلٰی جَمِيْعِ فُنُوْنِ الْمَعَارِفِ كَاَحْوَالِ الْقَلْبِ وَالْفَرَائِضِ وَالْعِبَادَةِ وَالْحِسَابِ۔

”اللہ نے حضور ﷺ کو خاص فرمایا تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرما کر اور اپنی امت کے مصلحت اور گذشتہ امتوں کے واقعات اور اپنی امت کے ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ پر خبردار فرما دیا۔ اور تمام معرفت کے فنون پر مطلع فرما دیا کیسے دل کے حالات، فرائض عبادات اور علم حساب۔“

قصیدہ بردہ میں ہے۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتَهَا وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ
دنیا آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے

شرح قصیدہ بردہ مصنفہ علامہ ابراہیم بیجوری میں اس شعر کے ماتحت ہے۔

فَاِنْ قِيْلَ اِذَا كَانَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَ الْقَلَمِ بَعْضَ عُلُوْمِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَا الْبَعْضُ الْاٰخَرُ اُجِيْبَ بِاَنَّ الْبَعْضَ الْاٰخَرَ هُوَمَا اَخْبَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ اَحْوَالِ الْاٰخِرَةِ لِاَنَّ الْقَلَمَ اِنَّمَا كَتَبَ فِي اللَّوْحِ مَاهُوَ كَائِنٌ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

”اگر کہا جاوے کہ جب لوح و قلم کا علم حضور کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کون سے علوم ہیں جواب دیا جاویگا کہ وہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہ ہی لکھا ہے جو قیامت تک ہونے والا ہے۔“

ملا علی قاری حل العقد شرح قصیدہ بردہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَكَوْنُ عُلُوْمِهِمَا مِنْ عُلُوْمِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّ عُلُوْمَهٗ تَتَنَوَّعُ اِلَی الْكُلِّيَّاتِ وَ الْجُزْئِيَّاتِ وَ حَقَائِقِ وَ مَعَارِفِ وَ عَوَارِفِ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَ الصِّفَاتِ وَ عِلْمُهُمَا يَكُوْنُ نَهْرًا مِّنْ بُحُوْرِ عِلْمِهٖ وَ حَرْفًا مِنْ سُطُوْرِ عِلْمِهٖ۔

”اور لوح و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لیے ہیں کہ حضور علوم منقسم ہیں جزئیات اور کلیات اور حقائق اور

معرفت اور ان معرفتوں کی طرف جس کا تعلق ذات اور صفات سے ہے لہٰذا لوح وقلم کا علم حضور کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور حضور علیہ السلام کے علم کی سطروں کا ایک حرف۔"

ان عبارتوں نے فیصلہ فرما دیا کہ وہ لوح وقلم جن کے علوم کو قرآن نے فرمایا کہ۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (پارہ ۷ سورۃ ٦ آیت ۵۹)

"کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔"

اس کے علوم علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندروں کا ایک قطرہ ہے تو معلوم ہوا کہ ما کان وما یکون کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دفتر کا ایک نقطہ ہے امام بوصیری صاحب قصیدہ بردہ اپنے دوسرے قصیدہ ام القرط میں فرماتے ہیں۔

وَسَعَ الْعَالَمِیْنَ عِلْمًا وَ حِلْمًا فَھُوَ بَحْرٌ لَّمْ تَعِیْھَا الْاَعْیَاءُ

حضور علیہ السلام نے اپنے علم اخلاق سے جہانوں کو گھیر لیا پس آپ ایسے سمندر ہیں کہ اس کو گھیرنے والے گھیر نہ سکے۔ شیخ سلیمان جمل اس شعر کی شرح میں فتوحات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

اَیْ وَسَعَ عِلْمُہٗ عُلُوْمَ الْعٰلَمِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ لِاَنَّ اللّٰہِ تَعَالٰی اَطْلَعَہٗ عَلَی الْعَالَمِ کُلِّہٖ فَعَلَّمَ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ وَ مَا کَانَ وَ مَایَکُوْنَ وَ حَسْبُکَ عِلْمُہٗ عِلْمُ الْقُرْاٰنِ وَ قَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ۔

"یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن وانسان اور فرشتوں کے علم کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرمایا پس اگلے پچھلوں کا علم سکھایا اور ما کان وما یکون بتایا اور حضور علیہ السلام کے علم کے لیے علم قرآن کافی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔"

امام ابن حجر مکی اس شعر کی شرح میں افضل القریٰ میں فرماتے ہیں۔

لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰے اَطْلَعَہٗ عَلَی الْعَالَمِ فَعَلِمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَ مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ۔

"کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جہان پر خبردار فرمایا پس آپ نے اولین وآخرین کو اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اس کو جان لیا۔"

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ سارے جہان والوں کا علم حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ جہان والوں میں حضرت آدم وملائکہ اور ملک الموت اور شیطان وغیرہ سب ہی ہیں۔ اور ملک الموت وشیطان کے لیے علم غیب تو دیوبندی بھی مانتے ہیں۔

امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

وَ کُلُّھُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّیَمِ
تمام رسول حضور علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں سمندر سے ایک چلو یا تیز بارش سے چھینٹا

علامہ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ شریف میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اِنَّ جَمِیْعَ الْاَ نْبِیَآ ءِ کُلِّ وَاحِدٍ مِنْھُمْ طَلَبُوْا وَ اَخَذُ وْا الْعِلْمَ مِنْ عِلْمِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ الَّذِیْ کَا لْبَحْرِ فِیْ السِّعْۃِ وَ الْکَرَمِ مِنْ کَرَمِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ الَّذِیْ ھُوَ کَالدِّیْمِ لِاَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ مُفِیْضٌ وَ ھُمْ مُسْتَفَاضُوْنَ لِاَنَّہٗ تَعَالٰی خَلَقَ اِبْتِدَاءً رُوْحَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ وَضَعَ عُلُوْمَ الْاَنْبِیَاءِ وَ عِلْمَ مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ ثُمَّ خَلَقَھُمْ فَاَخَذُ وْ اعُلُوْمِھِمْ مِنْہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

’’ہر نبی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور لیا جو وسعت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے کرم حضور علیہ السلام کے اس کرم سے حاصل کیا جو تیز بارش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فیض دینے والے ہیں اور نبی فیض لینے والے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے اولاً حضور علیہ السلام کی روح پیدا فرمائی پھر اسی روح میں نبیوں کے **ما کان و ما یکون** کے علم رکھے پھر رسولوں کو پیدا فرمایا پس ان سب نے اپنے علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لئے۔‘‘

حافظ سلیمان ابریز شریف صفحہ ۲۵۸ میں فرماتے ہیں۔

یَعْلَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنَ الْعَرْشِ اِلَی الْفَرْشِ وَ یَطَّلِعُ عَلٰی جَمِیْعِ مَا فِیْھَا وَ ھٰذَا الْعُلُوْمُ بِا لنِّسْبَۃِ اِلَیْہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَاَلِفٍ مِنْ سِتِّیْنَ جُزْءُ الَّتِیْ ھِیَ الْقُرْاٰنُ الْعَزِیْزُ۔

’’حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک کو جانتے ہیں اور جو کچھ ان میں ہے اسکی خبر رکھتے ہیں اور سارے علوم حضور علیہ السلام کی نسبت سے ایسے ہیں جیسے الف ۶۰ جزو کی نسبت سے جو قرآن کریم ہیں۔‘‘

امام قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں۔

اَلنُّبُوَّۃُ مَاخُوْذَۃٌ مِنَ النَّبَاءِ بِمَعْنَی الْخَبَرِ اَیْ اَطْلَعَہُ اللّٰہُ عَلَی الْغَیْبِ۔

’’نبوت نبا سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں خبر یعنی اللہ نے ان کو غیب پر خبردار فرمایا۔‘‘

مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۱۹۲ اَلْقِسْمُ الثَّانِیْ فِیْمَا بِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنَ الْغُیُوْبِ میں ہے۔

لَا شَکَّ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ اَطْلَعَہٗ عَلٰی اَزْیَدَ مِنْ ذٰلِکَ وَ اَلْقٰی عَلَیْہِ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔

’’اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس سے بھی زیادہ پر اطلاع دی اور آپ پر اگلوں پچھلوں کا علم پیش کر دیا۔‘‘

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات شریف جلد اول مکتوب ۳۱۰ میں فرماتے ہیں:

ہر علم کہ مخصوص بہ اوست سبحانہ خاص رسل را اطلاع مے بخشد ’’مدارج النبوۃ جلد اول میں ہے‘‘۔ از بعضے صلحا از اہل فضل شنیدہ شدہ کہ بعضے از عرفا کتابے نوشتہ اند اثبات کردہ اند کہ آں حضرت را تمام علوم الٰہی معلوم ساختہ بودند و ایں سخن بظاہر مخالف بسیارے از ادلہ است تا قائل آنچہ قصد باشد

> ”جو علم رب تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس پر خاص رسولوں کو اطلاع دیتے ہیں بعض علمائے صالحین میں سنا گیا ہے کہ بعض عارفین نے کوئی کتاب لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو تمام علوم الٰہیہ معلوم کرا دیئے گئے تھے۔ یہ کلام بظاہر تو بہت سے دلائل کے خلاف ہے نامعلوم کے قائل نے اس سے کیا مراد لی ہے۔“

یہ عبارت اس لیے پیش کی گئی کہ بعض لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم خدا کے علم کے برابر مانا اور فرق صرف ذاتی اور عطائی کا جانا۔ مگر شیخ عبدالحق نے ان کو مشرک نہ مانا۔ بلکہ عارف کہا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم غیب ماننا شرک نہیں۔ میر زاہد رسالہ کے خطبہ میں ہے۔ كَانَ صَوَادِقُ التَّصْدِيْقَاتِ بِطَبَائِعِهَا مُتَوَجِّهَةً اِلٰى حَضْرَتِهِ الْاَقْدَسِ وَ حَقَائِقُ التَّصَوُّرَاتِ بِاَنْفُسِهَا مَائِلَةً اِلٰى جَنَابِ الْمُقَدَّسِ فُرُوْجُهُ الْمُعَلّٰى مَرْكَزُ الْمَعْقُوْلَاتِ تَصَوُّرَاتِهَا وَ تَصْدِيْقَاتِهَا وَ نَفْسِهِ الْعُلْيَا مَنْبَعُ الْعَقْلِيَّاتِ نَظَرِيَّاتِهَا وَ فِطْرِيَّاتِهَا اسکی شرح لواء الہدیٰ مصنفہ غلام یحییٰ میں اس عبارت کے ماتحت ہے فَذَاتُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَامِعٌ بَيْنَ جَمِيْعِ اَنْحَاءِ الْعُلُوْمِ۔ سبحان اللہ اس عبارت نے پردے اٹھا دیئے۔ منطقیوں نے بھی بارگاہ نبوت میں پیشانی رگڑ دی۔

مولانا بحرالعلوم عبدالعلی لکھنوی علیہ الرحمتہ خطبہ حواشی میر زاہد رسالہ میں فرماتے ہیں۔

عَلَّمَهٗ عُلُوْمًا مَا احْتَوٰى عَلَيْهِ الْعِلْمُ الْاَعْلٰى وَ مَا اسْتَطَاعَ عَلٰى اِحَاطَتِهَا اللَّوْحُ الْاَوْفٰى لَمْ يَلِدِ الدَّهْرُ مِثْلَهٗ مِنَ الْاَزَلِ وَلَمْ يُوْلَدْ اِلَى الْاَبَدِ فَلَيْسَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُفُوًا اَحَدٌ

> ”حضور علیہ السلام کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علم اعلیٰ بھی مشتمل نہیں اور جس کے گھیرنے پر لوح محفوظ قادر نہیں نہ تو آپ کی مثل زمانے میں پیدا ہوا ازل سے اور نہ ابد تک ہو اور آسمانوں و زمین میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔“

علامہ شنوائی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں۔

قَدْ وَارَدَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى اَطْلَعَهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ۔

> ”یہ وارد ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے نہ نکالا یہاں تک کہ آپ کو ہر چیز پر مطلع فرما دیا۔“

شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۷۵ میں ہے۔

بِالْجُمْلَةِ الْعِلْمُ بِالْغَيْبِ اَمْرٌ تَفَرَّدَ بِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا سَبِيْلَ اِلَيْهِ لِلْعِبَادِ اِلَّا بِاِعْلَامٍ مِنْهُ اَوْ اِلْهَامٍ بِطَرِيْقِ الْمُعْجِزَةِ اَوِ الْكَرَامَةِ۔

> ”خلاصہ کلام یہ ہے کہ غیب جاننا ایک ایسی بات ہے جو خدا سے خاص ہے بندوں کو اس تک کوئی راہ نہیں بغیر رب کے بتائے یا الہام فرمائے معجزے یا کرامت کے طریقہ پر۔“

درمختار شروع کتاب الحج میں ہے۔

فُرِضَ الْحَجُّ سَنَةَ تِسْعٍ وَ اِنَّمَا اَخَّرَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِعَشْرٍ لِعُذْرٍ مَعَ عِلْمِهٖ بِبَقَاءِ حَيَاتِهٖ لِيُكْمِلَ التَّبْلِيْغُ۔

''حج سنہ ۹ ھ میں فرض ہوا اور حضور علیہ السلام نے اس کو سنہ ۱۰ ھ تک مؤخر فرمایا کسی عذر کی وجہ سے اور حضور علیہ السلام کو اپنی زندگی کو باقی رہنے کا علم بھی تھا۔ تا کہ تبلیغ پوری ہو جائے۔''

اس عبارت سے معلوم کہ کب وفات ہوگی اس کا جاننا علوم خمسہ سے ہے مگر حضور علیہ السلام کو اپنی وفات کی خبر تھی۔ کہ سنہ ۹ ھ میں نہ ہوگی۔ اسی لیے اس سال حج نہ فرمایا۔ ورنہ حج فرض ہوتے ہی اس کا ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ ہم کو موت کی خبر نہیں۔

خرپوتی نے شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت بیان فرمایا۔

وَ وَاقِفُوْنَ لَدَيْهِ عِنْدَحَدِّهِمْ وَ فِیْ حَدِيْثٍ يُرْوٰی عَنْ مَعَاوِيَةَ اَنَّهٗ كَانَ يَكْتُبُ بَيْنَ يَدَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهٗ اَلْقِ الدَّوَاةَ وَ حَرِّفِ الْقَلَمَ وَ اَقِمِ الْبَاءَ وَ فَرِّقَ السِّيْنَ وَ لَا تُعَوِّرِ الْمِيْمَ مَعَ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكْتُبْ وَلَمْ يَقْرَءْ مِنْ كِتَابِ الْاَوَّلِيْنَ۔

''حضرت امیر معاویہ سے حدیث مروی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے سامنے لکھا کرتے تھے۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دوات اس طرح رکھو۔ قلم کو پھیرا' ب کو سیدھا کرو' سین میں فرق کرو' اور میم کو ٹیڑھا کرو۔ باوجودیکہ حضور علیہ السلام نے لکھنا نہ سیکھا اور نہ اگلوں کی کتاب پڑھی۔''

تفسیر روح البیان میں زیر آیت وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (پارہ ۲۱ سورۃ ۲۹ آیت ۴۸) ہے۔

كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْخُطُوْطَ وَ يُخْبِرُ عَنْهَا

''حضور علیہ السلام خطوں کو جانتے تھے اور اسکی خبر بھی دیتے تھے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام علم خط بھی بخوبی جانتے تھے۔ اسکی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن بآیات القرآن میں دیکھو۔ مثنوی شریف میں ہے۔

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء — تا بہ بینی ز ابتدا تا انتہا
کاملاں از دور نامت بشنوند — تا بقعر تار و پودت در روند
بلکہ پیش از زادن تو سالہا — دیدہ باشندت بچندیں حالہا
حال تو دانند یک مو بمو — زانکہ پر ہستند از اسرار ہو

اسی مثنوی شریف میں مولانا کفار قیدیوں کا ایک واقعہ نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

بنگرم سر عالم بینم نہاں — آدم و حوا نرستہ از جہاں
من شمارا وقت ذرات الست — دیدہ ام پابستہ ومنکوس وپست
از حدوث آسمان بے عمد — آنچہ دانستہ بدم افزوں نہ شد

یعنی ہم سارے جہاں کو اس وقت سے دیکھ رہے ہیں جب آدم و حوا پیدا بھی نہ ہوئے تھے اے کافر قیدیو ہم نے تمہیں میثاق کے دن مومن

اور نمازی دیکھا تھا۔ اس لیے تمہیں قید کیا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ بے ستون آسمان کی پیدائش ہم نے دیکھی ہے اس سے کچھ نہ زیادہ ہوا۔

علمائے کرام ان کے اقوال سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے سارے انبیاء و ملائکہ سے زیادہ علوم عطا فرمائے لوح محفوظ و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علموں کا قطرہ ہے اور عالم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس چشم حق بین سے مخفی رہی ہو۔

فصل نمبر 5

مخالفین کی تائید کے بیان میں

اب تک تو موافقین کی عبارات سے علم غیب حضور علیہ السلام کے لیے ثابت کیا گیا۔ اب مخالفین کے اکابر کی وہ عبارات پیش کی جاتی ہیں۔ جس سے مسئلہ علم غیب بخوبی حل ہو جاتا ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحب شمائم امدادیہ صفحہ ۱۱۰ میں فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا' میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں۔ دریافت و ادراک مغیبات کا ان کو ہوتا ہے۔ اصل میں یہ علم حق ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کو حدیبیہ اور حضرت عائشہ کے معاملات کی خبر نہ تھی۔ اس کو دلیل اپنے دعویٰ کی سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے۔

(ماخوذ از انوار غیبیہ صفحہ ۲۵)

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لطائف رشیدیہ صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو ہر دم مشاہدہ امور غیبیہ اور تیقظ (حضور حق تعالیٰ کا رہتا ہے) **كَمَا قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا** اور فرمایا **اِنِّيْ اَرٰى مَالَا تَرَوْنَ** (انوار غیبیہ صفحہ ۳۲)

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی تکمیل الیقین مطبوعہ ہندوستان پرنٹنگ پریس صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل و اولیاء غیب اور آئندہ کی خبر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب خدا غیب اور آئندہ کے حوادثات کو جانتا ہے اس لیے کہ ہر حادث اس کے علم سے اسی کے ارادے کے متعلق ہونے سے اسی کی فعل سے پیدا ہوتا ہے تو پھر اس سے کون امر مانع ہو سکتا ہے۔ کہ یہ ہی خدا ان رسل و اولیاء میں سے جسے چاہے اسے غیب یا آئندہ کی خبر دے دے۔ اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں کہ فطرت انسانی کا یہ متقاضی نہیں کہ وہ بذاتہ اور خود مغیبات میں سے کسی شے کو جان سکے لیکن اگر خدا کسی کو بتا دے تو اس کو کون روک سکتا ہے پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ خدا کے بتانے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ اوروں کو خبر دے دیتے ہیں۔ ان میں سے ایسا کوئی نہیں جو بذاتہ علم غیب کا دعویٰ کرتا ہو چنانچہ شریعت محمدیہ بالذات علم غیب کے دعویٰ کرنے کو اعلیٰ درجہ کی ممنوعات میں شمار کرتی ہے۔ اور جو اس کا دعویٰ کرے اس کو کافر بتاتی ہے۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی تحذیر الناس کے صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں۔ علوم اولین اور ہیں اور علوم آخرین اور' لیکن سب علم رسول اللہ میں مجتمع ہیں۔ اس طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء بالعرض ہیں۔

اس آخری عبارت پر غور کرنا چاہیئے کہ مولوی قاسم صاحب نے حضور علیہ السلام میں اولین اور آخرین کا علم جمع مانا ہے۔ اور اولین میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت ابراہیم علیہم السلام اسی طرح سارے ملائکہ حاملان عرش و حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں لہٰذا ان سب کے علوم

سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہونا چاہیئے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

فصل نمبر 6

علم غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علم غیب کے بیان میں

چند عقلی دلائل سے بھی علم ما کان و ما یکون کا ثابت ہے وہ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضور سید عالم ﷺ سلطنت الٰہیہ کے وزیر اعظم بلکہ خلیفہ اعظم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔ تو حضور علیہ السلام اس سلطنت کے خلیفہ اعظم اور زمین میں نائب رب العٰلمین ہیں۔ اور سلطنت کے مقرر کردہ حاکم میں دو وصف لازم ہیں۔ ایک تو علم دوسرے اختیارات۔ اس دنیاوی سلطنت کے حکام جس قدر بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اس قدر ان کی معلومات اور اختیارات زیادہ ہوتے ہیں۔ کلکٹر کو سارے ضلع کا علم و اختیارات۔ وائسرائے کو سارے ملک کے متعلق علم و اختیارات ضروری ہیں کہ ان دو وصفوں کے بغیر وہ حکومت کر ہی نہیں سکتا۔ اور سلطانی قانون رعایا میں جاری ہی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرات انبیاء میں جن کا جس قدر بڑا درجہ اسی قدر ان کے اختیارات اور علم زیادہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی رب العٰلمین نے ان کے علم ہی سے ثابت فرمایا کہ چونکہ ان کو اتنا وسیع علم دیا ہے وہ ہی خلافت الٰہیہ کے لیے موزوں ہیں۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم کے نبی اور عرش و فرش کے لوگ آپ کے امتی ہیں لہٰذا ضروری تھا کہ آپ کو تمام انبیاء سے زیادہ علم اور زیادہ اختیارات دیئے جاویں۔ اسی لیے بہت سے معجزات دکھائے گئے۔ چاند اشارے سے پھاڑا۔ ڈوبا ہوا سورج واپس فرمایا۔ بادل کو حکم دیا پانی برسا' پھر حکم دیا' تو کھل گیا۔ یہ سب اپنے خداداد اختیارات کا اظہار تھا۔

(۲) مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں لکھا ہے کہ انبیاء امت سے علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں رہا عمل اس میں بظاہر کبھی امتی نبی سے بڑھ جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ عمل میں امتی نبی سے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر علم میں نبی کا زیادہ ہونا ضروری ہے اور حضور علیہ السلام کے امتی تو ملائکہ بھی ہیں لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۵ آیت ۱) تو علم میں حضور علیہ السلام کا ملائکہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے۔ ورنہ پھر حضور علیہ السلام کے وصف میں امت سے افضل ہوں گے اور ملائکہ کو تو ما کان و ما یکون کا علم ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ علم ہو۔

(۳) چند سال کامل استاد صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام قبل ولادت پاک کروڑوں برس رب تعالیٰ کی بارگاہ خاص میں حاضر رہے تو حضور ﷺ کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ روح البیان نے لَقَدْ جَآءَکُمْ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے بارگاہ نبوت ﷺ میں عرض کیا ایک تارہ ستر ہزار سال بعد چمکتا تھا۔ اور میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ چمکتے دیکھا۔ فرمایا وہ تارا ہم ہی تھے۔ حساب لگا لو کتنے کروڑوں برس دربار خاص میں حاضری رہی۔

(۴) اگر شاگرد کے علم میں کچھ کمی رہے تو اس کی صرف چار ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اولاً تو یہ کہ شاگرد نا اہل تھا۔ استاد سے پورا فیض نہ لے سکا۔ دوم یہ کہ استاد کامل نہ تھا کہ مکمل سکھا نہ سکا۔ سوم یہ کہ استاد یا بخیل تھا کہ پورا پورا علم اس شاگرد کو نہ دیا یا اس سے زیادہ کوئی اور پیارا

شاگرد تھا کہ اس کو سکھانا چاہتا تھا۔ چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی وہ ناقص تھی۔ ان چار وجھوں کے علاوہ کوئی اور وجہ ہو سکتی ہی نہیں یہاں سکھانے والا پروردگار سیکھنے والے محبوب عالم علیہ السلام۔ کیا سکھایا قرآن اور اپنے خاص علوم۔ بتاؤ آیا رب تعالیٰ کامل استاد نہیں۔ یا رسول علیہ السلام لائق شاگرد نہیں۔ رب تعالیٰ کامل عطا فرمانے والا محبوب علیہ السلام کامل لینے والے۔ قرآن کریم کامل کتاب اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وہ ہی سب سے زیادہ مقبول بارگاہ۔ پھر علم ناقص کیوں۔

(۵) رب تعالیٰ نے ہر بات لوح محفوظ میں کیوں لکھی۔ لکھنا تو اپنی یادداشت کے لیے ہوتا ہے بھول نہ جائیں۔ یا دوسرے کے بتانے کے لیے رب تعالیٰ تو بھول سے پاک لہٰذا اس نے دوسروں کے لیے ہی لکھا حضور علیہ السلام تو دوسروں سے زیادہ محبوب لہٰذا وہ تحریر حضور ﷺ کے لیے ہے۔

(۶) غیبوں کی غیب رب تعالیٰ کی ذات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا فرمائی تو فرما دیا گیا لَنْ تَرَانِیْ تم ہم کو دیکھ نہ سکو گے۔ جب محبوب علیہ السلام نے رب ہی کو معراج میں اپنی ان ظاہری مبارک آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو عالم کیا چیز ہے جو آپ سے چھپ سکے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

دیدار الٰہی کی بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الایمان بالقدر فصل اول کے آخر میں ہے۔

كَمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰهُ فِی الدُّنْيَا لِاِ نْقَلَابِهٖ نُوْرًا۔

''حضور علیہ السلام نے دنیا میں رب کو دیکھا۔ کیونکہ خود نور ہو گئے تھے۔''

(۷) شیطان دنیا کا گمراہ کرنے والا ہے اور نبی ﷺ دنیا کے ہادی۔ گویا شیطان وبائی بیماری ہے اور نبی علیہ السلام طبیب مطلق۔ رب تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لیے اتنا وسیع علم دیا کہ دنیا کا کوئی شخص اس کی نگاہ سے غائب نہیں۔ پھر اسے یہ بھی خبر ہے کہ کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں۔ اور جو گمراہ ہو سکتا ہے وہ کس حیلہ سے۔ ایسے ہی وہ ہر دین کے ہر مسئلہ سے خبردار ہے اس لیے ہر نیکی سے روکتا ہے۔ ہر برائی کراتا ہے۔

اس نے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت ۳۹،۴۰) جب گمراہ کرنے والے کو اتنا علم دیا گیا۔ تو ضروری ہے کہ دنیا کے طبیب مطلق ﷺ ہدایت دینے کے لئے اس سے کہیں زیادہ علم والے ہوں کہ آپ ہر شخص کو اس کی بیماری کو اس کی استعداد کو اس کے علاج کو جانیں۔ ورنہ ہدایت مکمل نہ ہو گی۔ اور رب تعالیٰ پر اعتراض پڑے گا کہ اس نے گمراہ کرنے والے کو قوی کیا اور ہادی کو کمزور رکھا۔ لہٰذا گمراہی تو کامل رہی اور ہدایت ناقص۔

(۸) رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو نبی کے خطاب سے پکارا یٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ اور نبی کے معنی ہیں۔ خبر دینے والا۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو ہر مولوی نبی ہے اور اگر دنیا کے واقعات مراد ہوں تو ہر اخبار۔ ریڈیو' خط' تار بھیجنے والا نبی ہو جاوے۔ معلوم ہوا کہ نبی میں غیبی خبریں معتبر ہیں یعنی فرشتوں کی اور عرش کی خبر دینے والا جہاں تار' اخبار کام نہ آ سکیں۔ وہاں نبی کا علم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل ہے۔

یہاں تک تو حضور علیہ السلام کے علم غیب کی بحث تھی۔ اب یہ بھی جاننا چاہیئے کہ حضور علیہ السلام کے صدقے سے اولیائے کرام کو بھی علم غیب دیا جاتا ہے۔ مگر ان کا علم نبی علیہ السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور ان کے علم کے سمندر کا قطرہ ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تالیف شیخ ابوعبداللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔

اَلْعَبْدُ یَنْقُلُ فِی الْاَحْوَالِ حَتّٰی یَصِیْرَ اِلٰی نَعْتِ الرُّوْحَانِیَّۃِ فَیَعْلَمُ الْغَیْبَ۔

”بندہ حالات میں منتقل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ روحانیت کی صفت پالیتا ہے۔ پس غیب جانتا ہے۔“

اسی کتاب مرقاۃ میں کتاب عقائد سے نقل فرمایا۔

یَطَّلِعُ الْعَبْدُ عَلٰی حَقَائِقِ الْاَشْیَاءِ وَیَتَجَلّٰی لَہُ الْغَیْبُ وَ غَیْبُ الْغَیْبِ۔

”کامل بندہ چیزوں کی حقیقتوں پر مطلع ہوجاتا ہے اور اس پر غیب اور غیب الغیب کھل جاتے ہیں۔“

مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۶ بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ وَفَضْلِھَا میں فرماتے ہیں۔

اَلنُّفُوْسُ الزَّکِیَّۃُ الْقُدْسِیَّۃُ اِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِیَّۃِ خَرَجَتْ وَاتَّصَلَتْ بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰی وَلَمْ یَبْقَ لَہٗ حِجَابٌ فَتَرَی الْکُلَّ کَالْمُشَاھِدِ بِنَفْسِھَا اَوْ بِاِخْبَارِ الْمَلَکِ لَھَا۔

”پاک وصاف نفس جبکہ بدنی علاقوں سے خالی ہوجاتے ہیں تو ترقی کر کے بزم بالا سے مل جاتے ہیں اور ان پر کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ پس وہ تمام چیزوں کا مثل محسوس وحاضر کے دیکھتے ہیں خواہ تو اپنے آپ یا فرشتہ کے الہام سے۔“

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی سورہ جن میں فرماتے ہیں۔ ”اطلاع بر لوح محفوظ و دیدن نقوش نیز از بعضے اولیاء۔ بتواتر منقول است۔“ ”لوح محفوظ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بھی بطریق تواتر منقول ہے۔ امام ابن حجر کی کتاب الاعلام میں اور علامہ شامی سل الحسام میں فرماتے ہیں۔

اَلْخَوَاصُ یَجُوْزُ اَنْ یَّعْلَمَ الْغَیْبَ فِیْ قَضِیَّۃٍ اَوْ قَضَاءٍ کَمَا وَقَعَ لِکَثِیْرٍ مِّنْھُمْ وَاشْتَھَرَ۔

”جائز ہے کہ خاص خاص حضرات کسی معاملہ یا فیصلے میں غیب جان لیں جیسا کہ بہت سے اولیاء اللہ سے واقع ہوا اور یہ مشہور بھی ہوگیا۔“

شاہ ولی اللہ صاحب الطاف القدس میں فرماتے ہیں۔

”نفس کلیہ بجائے جسد عارف مے شود وذات وعارف بجائے روح او وہمہ عالم بعلم حضوری مے بیند۔“

”عارف کا نفس بالکل جسم بن جاتا ہے اور عارف کی ذات بجائے روح کے ہوجاتی ہے وہ تمام عارف کو علم حضوری سے دیکھتا ہے۔“

زرقانی شرح مواہب جلد ۷ صفحہ ۲۲۸ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ فِیْ لَطَائِفِ الْمِنَنِ اِطِّلَاعُ الْعَبْدِ عَلٰی غَیْبٍ مِّنْ غُیُوْبِ اللّٰہِ بِدَلِیْلِ خَبَرِ اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَۃِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ

يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ لَا يَسْتَغْرِبُ وَهُوَمَعْنٰى كُنْتُ بَصَرَهُ الَّذِىْ يُبْصِرُبِهٖ فَمِنَ الْحَقِّ بَصَرُهٗ فَاطِّلَاعُهٗ عَلَى الْغَيْبِ لَا يَسْتَغْرَبُ۔

''لطائف المنن میں فرمایا کہ کامل بندے کا اللہ کے غیبوں میں سے کسی غیب پر مطلع ہو جانا عجیب نہیں اس حدیث کی وجہ سے کہ مومن کی دانائی سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور یہ ہی اس حدیث کے معنے ہیں کہ رب فرماتا ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس اسکا دیکھنا حق کی طرف سے ہوتا ہے لہٰذا اس کا غیب پر مطلع ہونا کچھ عجیب بات نہیں۔''

امام شعرانی الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں۔

لِلْمُجْتَهِدِيْنَ الْقَدَمُ فِىْ عُلُوْمِ الْغَيْبِ۔

''غیبی علوم میں مجتہدین کا قدم مضبوط ہے۔''

حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

نَظَرْتُ اِلٰى بِلَادِ اللّٰهِ جَمِيْعًا كَخَرْدَلَةٍ عَلٰى حُكْمِ اتِّصَالِىْ

''ہم نے اللہ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا۔ جیسے چند رائی کے دانہ ملے ہوئے ہوں۔''

شیخ عبدالحق محدث دہلوی زبدۃ الاسرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

قَالَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ يَا اَبْطَالُ يَا اَبْطَالُ هَلُمُّوْوَخُذُوا عَنْ هٰذَا الْبَحْرِ الَّذِىْ لَا سَاحِلَ لَهٗ وَ عِزَّةِرَبِّىْ اِنَّ السُّعَدَاءَ وَالْاَشْقِيَاءَ يُعْرَضُوْنَ عَلَىَّ وَ اَنَّ بُوْبُوْءَةَ عَيْنِىْ فِى اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَاَنَا غَائِصٌ فِىْ بِحَارِ عِلْمِ اللّٰهِ۔

''اے بہادر واے فرزندو! آؤ اس دریا سے کچھ لے لو۔ جسکا کنارہ ہی نہیں۔ قسم ہے اپنے رب کی کہ تحقیق نیک بخت اور بد بخت لوگ مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں اور ہمارا گوشہ چشم لوح محفوظ رہتا ہے اور میں اللہ کے علم کے سمندروں میں غوطے لگا رہا ہوں۔''

مولانا جامی نفحات الانس میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیہ قدس سرہٗ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عزیزان علیہ الرحمتہ گفتہ اند کہ زمین در نظر ایں طائفہ چوں سفرہ ایست و ما می گوئیم کہ چوں ناخنے است ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست۔

''حضرت عزیزان علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے کہ اس گروہ اولیاء کی نظر میں زمین دسترخوان کی طرح ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی طرح ہے کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔''

امام شعرانی کبریت احمر میں فرماتے ہیں۔

وَاَمَّاشَیْخُنَاالسَّیِّدُ عَلِی الْخَوَاصُّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ لَا یَکْمُلُ الرَّجُلُ عِنْدَنَاحَتّٰی یَعْلَمَ حَرْکَاتِ مُرِیْدِہٖ فِیْ اِنْتِقَالِہٖ فِی الْاَصْلَابِ وَھُوَ مِنْ یَوْمِ اَلَسْتُ اِلٰی اِسْتِقْرَارِہٖ فِی الْجَنَّۃِ اَوْفِی النَّار۔

''ہم نے اپنے شیخ سید علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کوئی مرد کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مرید کی حرکات نسبی کو نہ جان لے۔ یوم میثاق سے لے کر اس کے جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک کو۔''

شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اَنَّہٗ یَنْجَذِبُ اِلٰی حَیِّزِالْحَقِّ فَیَصِیْرُ عَبْدَاللّٰہِ فَیَتَجَلّٰی لَہٗ کُلُّ شَیْئٍ۔

''پھر وہ مرد عارف بارگاہ حق کیطرف جذب ہو جاتے ہیں پس وہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں اور انکو ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔''

مشکوٰۃ جلد اول کتاب الدعوات باب ذکر اللہ والتقرب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بروایت بخاری۔

فَاِ ذَا اَحْبَبْتُہٗ فَکُنْتُ سَمِعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَۃُ الَّذِیْ یُبْصُرُبِہٖ وَیَدَہُ الَّذِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَ رِجْلَہُ الَّذِیْ یَمْشِیْ بِھَا۔

''رب تعالیٰ فرماتا ہے پس جبکہ میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔''

یہ بھی خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام والیاس علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں۔ اور حضرات اب امت مصطفیٰ علیہ السلام کے ولی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے وہ بھی امت کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے۔ ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی امت کے اولیاء کے علوم ہیں۔

باب نمبر 2

علم غیب پر اعتراضات کے بیان میں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل ان آیات قرآنیہ کے بیان میں جو مخالفین پیش کرتے ہیں دوسری فصل احادیث کے بیان میں تیسری فصل اقوال علماء وفقہا کے بیان میں چوتھی فصل عقلی اعتراضات کے بیان میں۔

اس بات کے شروع سے پہلے بطور مقدمہ چند ضروری بحثیں قابل غور ہیں۔

(۱) جن آیات واحادیث یا اقوال فقہاء میں حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی ہے ان میں یا تو ذاتی علم مراد ہے یا اتمامی معلومات یعنی رب تعالیٰ کی معلومات کے برابر عطائی علم کی نفی نہیں ورنہ پھر آیات واحادیث میں جو ہم اثبات میں بیان کر چکے ہیں۔ مطابقت کیونکر ہوگی۔

علامہ ابن حجر فتاوی حدیثیہ میں اس قسم کے تمام دلائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔

مَعْنَا هَا لَا يَعْلَمُ ذٰلِكَ اِسْتِقْلَالًا وَّ عِلْمَ اِحَاطِةٍ اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰى اَمَّا الْمُعْجِزَاتُ وَ الْكَرَامَاتُ فَبِاَ عْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

''ان کے معنے ہیں کہ مستقل طور پر (ذاتی) اور احاطہ کے طور پر کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن معجزات اور کرامات پس وہ خدا کے بتانے سے ہوتے ہیں۔''

مخالفین کہتے ہیں کہ جن دلائل میں علم غیب کا ثبوت ہے اس سے مراد مسائل دینیہ کا علم ہے اور جن میں نفی ہے ان سے مراد باقی دنیاوی چیزوں کے علوم ہیں۔ مگر توجیہہ ان آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ واقوال علمائے امت کے خلاف ہے۔ جو ہم نے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا علم۔ اسی طرح لوح محفوظ کا علم سب ہی چیزوں کو شامل ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ تمام عالم ہمارے سامنے مثل ہاتھ کے ہے لہذا توجیہہ بالکل باطل ہے۔

(۲) مخالفین کے پیش کردہ دلائل کہ رب فرماتا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا حضور فرماتے ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا یا فقہا فرماتے ہیں کہ جو غیر خدا کے لیے علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ وہ خود مخالفین کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض علوم غیبیہ کے تو وہ بھی قائل ہیں۔ صرف جمیع ما کان وما یکون میں اختلاف ہے ان آیات اور اقوال فقہاء سے تو وہ بھی نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ اگر ایک بات کا بھی علم مانا۔ ان کے دلائل کے خلاف ہوا سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ ان کے دلائل میں کل علم غیب کی نفی ہے نہ کے بعض کی تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا کیونکہ ما کان وما یکون علم الٰہی کے سمندر کا قطرہ ہے ہم بھی حضور علیہ السلام کے لئے علوم الٰہیہ کے مقابلے میں بعض ہی علم کے قائل ہیں۔

(۴) مخالفین کہتے ہیں کہ علم غیب خدا کی صفت ہے لہٰذا غیر خدا کے لیے ماننا کفر ہے اس کفر میں وہ بھی داخل ہو گئے۔ کیونکہ صفت الٰہیہ میں اگر ایک میں شرکت مانی تو کفر ہوا جو شخص عالم کی ایک چیز کا خالق کسی بندے کو مانے وہ بھی بے دین ہے۔ تمام عالم کا خالق کسی کو مانے تو بھی کافر اور وہ بھی بعض علم غیب تو حضور علیہ السلام کے لیے ثابت کرتے ہیں پھر کفر سے کیسے بچے ہاں یہ کہو کہ ذاتی علم خدا کی صفت عطائی علم حضور علیہ السلام کی صفت لہٰذا شرک نہ ہوا۔ یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

فصل نمبر 1

آیات قرآنیہ کے بیان میں

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ۔ (پارہ ۷ سورۃ ٦ آیت ۵۰)

''تم فرما دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہو کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔''

اس آیت کی چار توجیہیں مفسرین نے کی ہیں اولاً تو یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔ دوم یہ کہ کل علم' کی نفی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ کلام تواضع

انکسار کے طور پر بیان فرما دیا گیا ہے۔ چہارم یہ کہ آیت کے معنی یہ ہیں میں دعوے نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعویٰ علم غیب کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی۔ ملاحظہ ہو تفاسیر۔ تفسیر نیشا پوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ عَطْفًا عَلٰى لَا اَقُوْلُ لَكُمْ اَىْ قُلْ لَّا اَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُوْنُ فِيْهِ دَلَالَةٌ اَنَّ الْغَيْبَ بِالْاِسْتِقْلَالِ لَا يَعْلَمُهٗ اِلَّا اللّٰهُ۔

''اس آیت میں یہ احتمال بھی ہے کہ لا اعلم کا عطف لا اقول پر ہو یعنی اے محبوب فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا تو اس میں دلالت اس پر ہوگی کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔''

تفسیر بیضاوی یہ ہی آیت

لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ مَالَمْ يُوْحَ اِلَيَّ اَوْلَمْ يَنْتَصِبْ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ۔

''میں غیب نہیں جانتا جب تک اسکی مجھ پر وحی نہ کی جاوے یا کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔''

یا اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهٗ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ يَدُلُّ عَلٰى اِعْتِرَافِهٖ بِاَنَّهٗ غَيْرُ عَالِمٍ بِكُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ۔

''یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے۔''

یا یہ کلام بطور تواضع وانکسار فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَ اِنَّمَا نَفٰى عَنْ نَفْسِهِ الشَّرِيْفَةِ هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ تَعَالٰى وَاعْتِرَافًا لِلْعُبُوْدِيَّةِ فَلَسْتُ اَقُوْلُ شَيْئًا مِنْ ذَالِكَ وَلَا اَدَّعِيْهِ۔

''حضور علیہ السلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کریمہ سے نفی فرمائی رب کے لیے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار فرماتے ہوئے یعنی میں انمیں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔''

تفسیر عرائس البیان میں ہے۔

وَ تَوَاضَعَ حِيْنَ اَقَامَ نَفْسَهٗ مَقَامَ الْاِنْسَانِيَّةِ بَعْدَ اِنْ كَانَ اَشْرَفَ خَلْقِ اللّٰهِ مِنَ الْعَرْشِ اِلَى الثَّرٰى وَ اَطْهَرَ مِنَ الْكَرُّوْبِيِّيْنَ وَ الرُّوْحَانِيِّيْنَ خُضُوْعًا لِجَبَرُوْتِهٖ وَ خُشُوْعًا لِمَلَكُوْتِهٖ۔

''حضور علیہ السلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیت کی جگہ میں رکھا ورنہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق میں اشرف ہیں اور ملائکہ اور روحانین سے زیادہ ستھرے ہیں حق تعالیٰ کی شان جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر اسکی سطوت کے سامنے پستی کے اظہار کے طریقہ پر یہ فرمایا۔''

یہ دعویٰ علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا تفسیر نیشا پوری میں ہے

اَیْ لَا اَدَّعِیْ الْقُدْرَةَ عَلٰی کُلِّ الْمَقْدُوْرَاتِ وَالْعِلْمَ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ۔

''یعنی میں تمام مقدورات پر قدرت رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔''

تفسیر کبیر یہ ہی آیت:

اَیْ لَا اَدَّعِیْ کَوْنِیْ مَوْصُوْفًا بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ بِمَجْمُوْعِ هٰذَیْنِ الْکَلَامَیْنِ حَصَلَ اَنَّهٗ لَا یَدَّعِیْ الْاِلٰهِیَّةَ۔

''یعنی میں اللہ کے علم میں متصف ہونیکا دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا ہونیکا دعویٰ نہیں کرتے۔''

روح البیان یہ ہی آیت:

عَطْفٌ عَلٰی عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَ لَا مُذَکِّرَةٌ لِلنَّفْیِ اَیْ وَلَا اَدَّعِیْ اَنِّیْ اَعْلَمُ الْغَیْبَ مِنْ اَفْعَالِهٖ تَعَالٰی عَلٰی اَنَّهَا عِنْدِیْ وَلٰکِنْ لَّا اَقُوْلُ لَکُمْ فَمَنْ قَالَ اِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ فَقَدْ اَخْطَا فِیْمَا اَصَابَ۔

''اسکا عطف عندی خزائن اللہ پر ہے اور لا زائدہ ہے نفی کا یاد دلانے والا یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا کے افعال میں غیب جانتا ہوں اس بنا پر کہ خزائن اللہ میرے پاس تو ہیں مگر میں یہ کہتا نہیں۔ تو جو شخص یہ کہے کہ نبی اللہ غیب نہیں جانتے تھے اس نے غلطی کی اس آیت میں جس میں یہ مصیب تھا۔''

تفسیر مدارک یہ ہی آیت:

وَ مَحَلُّ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ النَّصْبُ عَطْفًا عَلٰی مَحَلِّ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ لِاَنَّهٗ مِنْ جُمْلَةِ الْمَقُوْلِ کَاَنَّهٗ قَالَ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ هٰذَا الْقَوْلَ وَ لَا هٰذَا الْقَوْلَ وَ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ

''ولا اعلم الغیب کا اعراب زبر ہے عندی خزائن اللہ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ۔''

تفسیر نیشا پوری:

اَیْ قُلْ لَّا اَعْلَمُ الْغَیْبَ فَیَکُوْنُ فِیْهِ دَلَالَةٌ عَلٰی اِنَّ الْغَیْبَ بِاِسْتِقْلَالٍ لَا یَعْلَمُ اِلَّا اللّٰهُ

نکتہ

اس آیت میں لَا اَقُوْلُ دو جگہ پر ہے پہلے لَا اَقُوْلُ کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں دوسرے لَا اَقُوْلُ کے بعد صرف ایک چیز کا ذکر ہے میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس لیے کہ پہلے دو میں دعویٰ کی نفی ہے اور مدعیٰ کا ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعیٰ دونوں کی نفی ہے۔ یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر میں انکا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک ہے۔ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین) یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں اور علم غیب کی احادیث ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور نہ میں واقع میں فرشتہ ہوں

اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکتہ نہیں۔ تو ایک ہی جگہ لَآ اَقُوْلُ کافی تھا دو جگہ کیوں لایا گیا اگر ہماری بیان کی ہوئی توجیہیں نہ کی جاویں تو یہ آیت مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب تو وہ بھی مانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل نفی کر رہی ہے نیز یہاں لَکُمْ میں کفار سے خطاب ہے یعنی اے کافرو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں تم تو چور ہو۔ چوروں کو خزانے نہیں بتائے جاتے۔ تم شیطانوں کی طرح اسرار کی چوری نہ کرلو۔ رب تعالیٰ نے بھی شیطان کو آسمان پر جانے سے اسی لیے روکا کہ وہ چور ہے۔ یہ تو صدیق سے کہا جاویگا کہ مجھے خزائن الٰہیہ کی کنجیاں سپرد ہوئیں نیز یہاں عندی فرما کر بتایا کہ خزانہ میرے پاس نہیں میری ملک میں ہیں۔ کیونکہ خزانہ خزانچی کے پاس اور مالک کی ملک میں ہوتا ہے میں خزانچی نہیں کیا نہ دیکھا کہ ان کے اشارہ پر بادل برسا۔ ان کی انگلیوں سے چشمے جاری ہوئے۔

(۲) وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۸۸)

’’اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی۔‘‘

اس آیت کے بھی مفسرین نے تین مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بطور انکسار کے ہے دوسرے یہ کہ اس میں تمام معلومات الٰہیہ جاننے کی نفی کرنا مقصود ہے۔ تیسرے یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔

نسیم الریاض میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهٗ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ فَاِنَّ الْمَنْفِيَّ عِلْمُهٗ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ وَ اَمَّا اِطِّلَاعُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَاَمْرٌ مُتَحَقِّقٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔

’’علم غیب کا ماننا اس آیت کے منافی نہیں کہ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ الخ کیونکہ نفی علم بغیر واسطہ کی ہے لیکن حضور علیہ السلام کے غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے واقع ہے رب تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ الخ کل معلومات الٰہیہ جاننے کی نفی ہے۔‘‘

شرح مواقف میں میر سید شریف فرماتے ہیں۔

اَلْاِطِّلَاعُ عَلٰى جَمِيْعِ الْمُغَيَّبَاتِ لَا يَجِبُ لِلنَّبِيِّ وَلِذَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (الْاٰيَة) وَجَمِيْعُ مُغَيَّبَاتٍ غَيْرُ مُتَنَاهِيَةٍ۔

تمام غیبوں پر مطلع ہونا نبی کیلئے ضروری نہیں اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ الآیتہ تمام غیب غیر متناہی ہیں۔ (یہ کلام انکسار کے طور پر ہے)

صاوی حاشیہ جلالین میں ہے یہ ہی آیت:

اِنْ قُلْتَ اَنَّ هٰذَا يُشْكِلُ مَعَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ اَنَّهٗ اُطْلِعَ عَلٰى جَمِيْعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَالْجَوَابُ اَنَّهٗ قَالَ ذٰلِكَ تَوَاضُعًا۔

’’اگر تم کہو کہ یہ آیت گذشتہ کلام کے خلاف ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی غیبوں پر مطلع کر دیا گیا تو جواب یہ ہے

کہ یہ کلام لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ بطور انکسار فرمایا گیا ہے۔‘‘

تفسیر خازن میں جمل حاشیہ جلال سے اسی آیت کے ماتحت نقل کیا:

فَاِنْ قُلْتَ قَدْ اَخْبَرَ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنِ الْمُغِیْبَاتِ قَدْ جَاءَ تْ اَحَادِیْثُ فِیْ الصَّحِیْحِ بِذٰلِكَ وَهُوَ مِنْ اَعْظَمِ مُعْجِزَاتِهٖ فَكَیْفَ الْجَمْعُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ قَوْلِهٖ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ قُلْتُ یَحْتَمِلُ اَنْ یَّكُوْنَ قَالَهٗ تَوَاضُعًا وَ اَدَبًاوَ الْمَعْنٰی لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اَنْ یُطْلِعَنِیَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ یُقَدِّرَهٗ لِیْ وَ یَحْتَمِلَ اَنْ یَّكُوْنَ قَالَ ذٰلِكَ قَبْلِ اَنْ یُّطْلِعَهَ اللّٰهُ عَلَی الْغَیْبِ فَلَمَّا اَطْلَعَهُ اللّٰهُ اَخْبَرَبِهٖ

’’پس اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام نے بہت سے غیبوں کی خبر دی ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ اور علم غیب تو حضور علیہ السلام کا بڑا معجزہ ہے تو ان باتوں میں اور اس آیت میں لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ میں مطابقت کس طرح ہوگی تو میں کہونگا کہ یہاں احتمال یہ ہے کہ یہ کلام انکسار کے طریقہ پر فرمایا ہو اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا بغیر خدا کے بتائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام غیب پر مطلع ہونے سے پہلے کا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو غیب پر مطلع فرمادیا تو خبریں دیں۔‘‘

علامہ سلیمان جمل نے فتوحات الٰہیہ حاشیہ جلالین جلد دوم صفحہ ۲۵۸ میں اسی کی مثل فرمایا۔

اَیْ قُلْ لَّآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ فَیَكُوْنُ فِیْهِ دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ الْغَیْبَ بِالْاِسْتِقْلَالِ لَا یَعْلَمُ اِلَّا اللّٰهُ

’’یعنی فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا الخ پس اس آیت میں اس پر دلالت ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا۔‘‘

تفسیر صاوی یہ ہی آیت:

اَوْ اَنَّ عِلْمَهٗ بِالْمُغِیْبِ كَلَاعِلْمٍ مِنْ حَیْثُ اَنَّهٗ لَا قُدْرَةَ لَهٗ عَلٰی تَغْیِیْرِ مَا قَدَّرَ اللّٰهُ فَیَكُوْنُ الْمَعْنٰی حِیْنَئِذٍ لَوْ كَانَ لِیْ عِلْمٌ حَقِیْقِیٌّ بِاَنْ اَقْدِرَ عَلٰی مَا اُرِیْدُ وُ قُوْعَهٗ لَاَ سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ۔

’’حضور علیہ السلام کا علم غیب جاننا نہ جاننے کی طرح ہے۔ کیونکہ آپ کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما دیں۔ تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا اس طرح کہ میں اپنی مراد کے واقع کرنے پر قادر ہوتا تو خیر بہت سی جمع کر لیتا۔‘‘

یہ توجیہہ نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتی۔ اور صرف کسی چیز کا جاننا خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لیے کافی نہیں جب تک خیر کے حاصل کرنے اور مصیبت سے بچنے پر مستقل قدرت نہ ہو۔ مجھ کو علم ہے کہ بڑھاپا آئے گا اور اس وقت مجھ کو یہ تکالیف پہنچیں گی۔ مگر مجھے بڑھاپے کو دفع کرنے پر قدرت نہیں۔ مجھے آج خبر ہے کہ غلہ چندروز کے بعد گراں ہو جاوے گا۔ کہ میرے پاس آج روپیہ نہیں کہ بہت سے غلہ خرید لوں خرید نہیں سکتا۔ معلوم ہوا کہ خیر حاصل کرنا مصیبت سے بچنا علم اور قدرت دونوں پر موقوف ہے اور یہاں قدرت کا ذکر نہیں۔ تو علم غیب سے وہ علم مراد ہے جو قدرت

حقیقی کے ساتھ ہو یعنی علم ذاتی جو لازم الوہیت ہے جس کے ساتھ حقیقی لازم ہے ورنہ آیت کے معنی نہیں درست ہوتے۔ کیونکہ مقدم اور تالی میں لزوم نہیں رہتا اور اسکے بغیر قیاس درست نہیں ہوتا۔

نیز دیوبندی تو اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر میں غیب جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی مصیبت نہ پہنچتی۔ مگر چونکہ نہ میرے پاس خیر ہے اور نہ میں مصیبت سے بچا لہٰذا غیب نہیں جانتا۔

ہم یہ ترجمہ کر سکتے ہیں کہ غور کر لو اگر میرے پاس خیر ہو اور میں مصیبت سے بچوں تو سمجھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے مرے پاس بہت خیر تو ہے مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۶۹) نیز اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ نیز يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ۔ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۲۹) اور میں مصیبت سے بھی محفوظ کہ رب تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۶۷) لہٰذا مجھے علم غیب بھی ہے۔ یہ آیت تو علم غیب کے ثبوت میں ہے نہ کہ انکار میں۔

روح البیان یہ ہی آیت:

وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ اِلٰى اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتَ السَّاعَةِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ وَ هُوَ لَا يُنَافِيْ الْحَصْرَ فِيْ الْاٰيَةِ كَمَا لَا يَخْفٰى۔

''بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حق کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔''

(۳) وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۵۹)

''اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی۔ ان کو وہ ہی جانتا ہے۔''

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مُفَاتِحُ الْغَيْبِ (غیب کی کنجیوں) سے مراد یا تو غیب کے خزانے ہیں یعنی سارے معلومات الٰہیہ کا جاننا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا۔ کیونکہ کنجی کا کام یہی ہوتا ہے کہ اس سے قفل کھولا جائے اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کر دی جائے اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگار ہی کو ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَكَذٰلِكَ هٰهُنَا لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِجَمِيْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ هٰذَا الْمَعْنٰى بِالْعِبَارَةِ الْمَذْكُوْرَةِ وَ عَلَى التَّقْدِيْرِ الثَّانِيْ الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ عَلٰى كُلِّ الْمُمْكِنَاتِ۔

''جبکہ پروردگار تمام معلومات کو جاننے والا ہے تو اس مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے۔''

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے:

وَ قَلَمُ تَصْوِيْرِهَا الَّذِيْ هُوَ مِفْتَاحٌ يُفْتَحُ بِهٖ بَابُ عِلْمِ تَكْوِيْنِهَا عَلٰى صُوْرَتِهَا وَ كَوْنُهَا هُوَ الْمَلَكُوْتُ فَبِقَلَمِ

مَّلَكُوْتِ كُلِّ شَيْئٍ يَكُوْنُ كُلَّ شَيْئٍ وَ قَلَمُ الْمَلَكُوْتِ بِيَدِ اللّٰهِ لِاَنَّ الْغَيْبَ هُوَ عِلْمُ التَّكْوِيْنِ۔

''ان چیزوں کے نقش باندھنے کا قلم جو ایسی کنجی ہے جس سے ان چیزوں کی پیدائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے (انکی مناسب صورتوں پر) وہ ہی ملکوت ہے پس ہر چیز کے ملکوت کے قلم سے ہر چیز کی ہستی ہوتی ہے اور ملکوت کا قلم اللہ کے ہاتھ میں ہے اسلئے کہ غیب سے مراد پیدا کرنیکا جاننا ہے۔''

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے:

لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمَّا كَانَ عَالِمًا بِجَمِيْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ هٰذَا الْمَعْنٰى بِهٰذَا الْعِبَارَةِ وَ عَلَى التَّفْسِيْرِ الثَّانِىْ يَكُوْنُ الْمَعْنٰى وَ عِنْدَهٗ خَزَائِنُ الْغَيْبِ وَ الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ الْكَامِلَةُ عَلٰى كُلِّ الْمُمْكِنَاتِ۔

''کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس کے معنی کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری تفسیر پر اسکے معنے یہ ہوں گے کہ اس کے نزدیک غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد ہے ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ۔''

یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تعلیم الٰہی کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے۔

قَالَ الْحَرِيْرِىْ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَ مَنْ يُطْلِعُهٗ عَلَيْهَا مِنْ خَلِيْلٍ وَ حَبِيْبٍ اَىْ لَا يَعْلَمُهَا الْاَوَّلُوْنَ وَ الْاٰخِرُوْنَ قَبْلَ اِظْهَارِهٖ تَعَالٰى ذٰلِكَ لَهُمْ۔

''حریری نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔''

تفسیر عنایت القاضی یہ ہی آیت:

وَجْهُ اِخْتِصَاصِهَا بِهٖ تَعَالٰى اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُهَا كَمَا هِىَ اِبْتِدَاءً اِلَّا هُوَ۔

''ان غیب کی کنجیوں کے خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونیکی وجہ یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اسطرح ابتداء خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

اس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی نہیں مانتے۔ اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔

نکتہ

بعض صاحبوں نے مجھ سے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس جگہ ایک نکتہ لکھا ہے وہ یہ کہ اس آیت میں عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ (پارہ ۷ سورۃ ٦ آیت ۵۹) دوسری میں ہے لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (پارہ ۲۴ سورۃ ۳۹ آیت ٦۳)۔ مَفَاتِحُ اور مَقَالِيْدُ دونوں کے معنے ہیں کنجیاں اور اگر مفاتح کا اول و آخر حرف یعنی م ح لو اور مقالید کا اول و آخر حرف یعنی م د لو تو بنتا ہے۔ محمد (ﷺ) جس سے سمجھ آتا ہے کہ ذات رسول اللہ ہی ظہور عالم کی کنجی ہے لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام جیسے ہیں ویسا کوئی نہیں جانتا۔ حقیقت محمدیہ کو رب ہی جانے مَفَاتِحُ جمع اس لیے بولا کہ آپ کی ہر ادا رحمت الٰہی کی کنجی ہے۔ آپ کا نور عالم کی کنجی کُلُّ

اَلْخَلْقِ مِنْ نُوْرِیْ قیامت میں آپ کا سجدہ شفاعت کی کنجی ہے۔ جنت میں آپ کا نام ہر نعمت کی کنجی اور جنت میں آپ کا جانا سب کے لیے جنت کے کھلنے کی کنجی ہے۔ دیکھو ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن۔

نکتہ

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اب یہ سوال ہے کہ اس کنجی سے کسی کے لیے دروازہ غیب کھولا بھی گیا یانہیں؟ یا کسی کو کوئی کنجی دی گئی یا نہیں؟ اس کا جواب قرآن وحدیث سے پوچھو قرآن فرماتا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۱) ہم نے آپ کے لیے ظاہر طور پر کھول دیا۔ کیا کھول دیا؟ اس کی نفیس توجیہیں ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن میں دیکھو۔ قفل اور کنجی میں وہ ہی چیز رکھی جاتی ہے جو کھول کر نکالنی ہو اور جسے نکالنا نہ ہو وہ زمین میں دفن کردی جاتی ہے پتہ لگا کہ غیب کسی کو دینا تھا۔ اس لیے کنجی بھی بھیجی۔ حدیث میں ہے اُوْتِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو کنجی بھی دی گئی آپ کے لیے فتح باب بھی ہوا۔

(۴) قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۷ آیت ۶۵)

”تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے وہ آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔“

اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان فرمائے غیب ذاتی کو کوئی نہیں جانتا کلی غیب کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر المودج میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَعْنَاهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ بِلَا دَلِيْلٍ اِلَّا اللّٰهُ اَوْ بِلَا تَعْلِيْمٍ اَوْ جَمِيْعَ الْغَيْبِ۔

”اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ بغیر دلیل یا بغیر بتانے یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

تفسیر مدارک یہ ہی آیت:

وَالْغَيْبُ مَالَمْ يَقُمْ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ وَلَا اُطْلِعَ عَلَيْهِ مَخْلُوْقٌ۔

”غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق کو اس پر مطلع نہ کیا گیا ہو۔“

مدارک کی اس توجیہہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو علم عطائی ہو وہ غیب نہیں کہا جاتا غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ جن آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی کی ہے اس آیت کے کچھ آگے ہے۔ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۷ آیت ۷۵) جس سے معلوم ہوا کہ ہر غیب لوح محفوظ یا قرآن میں محفوظ ہے۔

فتاویٰ امام نووی:

مَامَعْنٰى قَوْلِ اللّٰهِ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ اَشْبَاهِ ذٰلِكَ مَعَ اَنَّهٗ قَدْ عَلِمَ مَا فِيْ غَدٍ وَالْجَوَابُ مَعْنَاهُ لَا يَعْلَمُ ذٰلِكَ اِسْتِقْلَالًا وَاَمَّا الْمُعْجِزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ فَحَصَلَتْ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ لَا اِسْتِقْلَالًا۔

''آیت لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ کے کیا معنی ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام آئندہ کی باتیں جانتے ہیں جواب اس کے معنے یہ ہیں کہ غیب کو مستقل طور پر (ذاتی) کوئی نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات پس یہ رب کے بتانے سے حاصل ہوئے نہ کہ بالاستقلال۔''

امام ابن حجر مکی فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں۔

مَاذَکَرْنَاهُ فِی الْاٰیٰتِ صَرَّحَ بِهِ النَّوَوِیُّ فِیْ فَتَاوَاهُ فَقَالَ لَا یَعْلَمُ ذٰلِكَ اِسْتِقْلَالًا وَعِلْمَ اِحَاطَةٍ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ

''ہم نے اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہا اس کی امام نووی نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے انہوں نے کہا کہ غیب مستقل طور پر سارے معلومات الٰہیہ کو کوئی نہیں جانتا۔''

شرح شفا خفاجی میں ہے:

هٰذَا لَا یُنَافِی الْاٰیٰتِ الدَّالَّةِ عَلٰی اَنَّهٗ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِنَّ النَّفْیَ عِلْمًا مِنْ غَیْرِ وَاسِطَةٍ اَمَّا اِطِّلَاعُهٗ عَلَیْهِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ فَاَمْرٌ مُتَحَقَّقٌ۔

''یہ کلام ان آیات کے خلاف نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ نفی بے واسطہ علم کی ہے لیکن اللہ کی تعلیم سے جاننا ثابت ہے۔''

اگر اس آیت کے یہ مطلب نہ مانے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی بعض غیبوں کو علم حضور علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اور اس میں بالکل نفی ہے۔ نیز انہوں نے شیطان و ملک الموت کو علم غیب مانا ہے دیکھو براہین قاطعہ صفحہ ۵ پھر اس آیت کا کیا مطلب بتائیں گے قرآن کریم میں ہے لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ (پارہ ۶ سورۃ ۴ آیت ۱۷۱) خدا ہی کی وہ تمام چیزیں ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں وَ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۷۹) اللہ کافی گواہ ہے وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۸۱) اللہ کافی وکیل ہے وَ کَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا (پارہ ۴ سورۃ ۴ آیت ۶) اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حکومت، ملکیت، گواہی، وکالت، حساب لینا سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اب بادشاہ کو حاکم، ہر شخص کو اپنی چیزوں کا مالک، مشرکین کو وکیل محاسب اور عام لوگوں کو مقدمات کا گواہ مانا جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے ان آیات میں حکومت ملکیت وغیرہ سے حقیقی اور ذاتی مراد ہے اور دوسروں کے لیے یہ اوصاف بہ عطائے الٰہی مانے گئے اسی طرح آیات غیب میں بھی توجیہ کرنا لازم ہے کہ حقیقی کی غیر سے نفی ہے اور عطائی کا ثبوت۔

(۵) وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا یَنْبَغِیْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۶ آیت ۶۹)

''اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ انکی شان کے لائق ہے وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔''

مفسرین نے اس آیت کے تین مطلب بتائے ہیں اولاً یہ کہ علم کے چند معنی ہیں جاننا (بلکہ مشق و تجربہ وغیرہ) اس جگہ علم کے دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا نہ یہ کہ ان کو اچھا برا صحیح غلط شعر پہچاننے کا شعور نہ دیا۔ دوسرے یہ کہ شعر کے دو

معنی ہیں ایک تو وزن وقافیہ والا کلام (غزل) دوسرا وہمی وخیالی باتیں چاہے نظم ہوں یا نثر اس آیت میں یہ دوسرے معنی ہی مراد ہیں۔ یعنی ہم نے ان کو جھوٹی اور وہمی باتیں نہ سکھائیں وہ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے تیسرے یہ کہ شعر سے مراد اس جگہ اجمالی کلام ہے۔ یعنی ہم نے ان کو ہر چیز کی تفصیل بتائی ہے نہ کہ معمے اور اجمالی باتیں وَتَفْصِيْلٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ علم بمعنی ملکہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ (پارہ۱۷سورۃ۲۱آیت۸۰) اور ہم نے ان کو تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا۔

دیلمی نے حضرت جابر سے روایت کیا۔ عَلِّمُوْا بَنِيْنَ كُمُ الرَّمْيَ یعنی اپنی اولاد کو تیر اندازی سکھاؤ۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ كَانَ لَا يُحْسِنُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ يُمَيِّزُ جَيِّدَ الشِّعْرِ وَرَدِيَّهٖ۔

"زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ شعر بخوبی پڑھتے نہ تھے لیکن اچھے اور ردی شعر میں فرق فرما لیتے تھے۔"

روح البیان یہ ہی آیت اِنَّ الْمُحَرَّمَ عَلَيْهِ اِنَّمَا هُوَ اِنْشَاءُ الشِّعْرِ آپ کے لئے شعر بنانا منع تھا۔ شعر کے معنے ہیں جھوٹا کلام کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم شعر ہے اور حضور علیہ السلام شاعر ہیں بَلْ هُوَ شَاعِرٌ اس شعر سے مراد تھی جھوٹا کلام تو ان کے اس بکواس کی تردید اسی آیت نے کردی کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (پارہ۲۳سورۃ۳۶آیت۶۹) وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن یہاں اگر شعر سے مراد منظوم کلام ہو تو اس عبارت سے آیت کا کیا تعلق ہوگا۔

مدارک یہ ہی آیت:

اَيْ مَا عَلَّمْنَا النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَوْلَ الشِّعْرِ اَوْمَا عَلَّمْنَاهُ بِتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ الشِّعْرَ عَلٰى مَعْنٰى اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَيْسَ بِشِعْرٍ۔

"یعنی ہم نے نبی علیہ السلام کو شعر کہنا نہ سکھایا یا ہم نے ان کو قرآن کی تعلیم سے شعر نہ سکھایا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں"

خازن یہ ہی آیت:

وَلَمَّا نَفٰى اَنْ يَّكُوْنَ الْقُرْاٰنُ مِنْ جِنْسِ الشِّعْرِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ۔

"جبکہ اس کی تردید فرمادی کہ قرآن کریم شعر کی جنس سے ہو تو رب تعالیٰ نے فرمادیا کہ نہیں ہے وہ مگر نصیحت اور روشن کتاب۔"

قِيْلَ اِنَّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا شَاعِرٌ وَمَا يَقُوْلُهٗ شِعْرٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَكْذِيْبًا لَّهُمْ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ۔

"کہا گیا ہے کہ کفار قریش نے کہا تھا کہ حضور علیہ السلام شاعر ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں (قرآن) وہ شعر ہے اس کی تکذیب کیلئے رب تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔"

تنبیہ

اس جگہ مخالفین یہ سوال کرتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی زبان پاک شعر کے موافق نہ تھی یعنی آپ کوئی شعر پڑھتے تھے تو وزن بگڑ جاتا۔ دیکھو اسی خازن میں ہے۔

اَیْ مَا یَسْھَلُ لَہٗ ذٰلِكَ وَمَا یُصْلِحُ مِنْہُ بِحَیْثُ لَوْاَرَادَ نَظْمَ شِعْرٍ لَمْ یَتَاَتَّ لِذٰلِكَ۔

"یعنی آپ کو شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ سے درست نہ ادا ہوتا تھا اگر کسی شعر کو نظم فرمانے کا ارادہ فرماتے تو نہ ہو سکتا تھا۔"

مدارک:

اَیْ جَعَلْنَاہُ بِحَیْثُ لَوْ اَرَادَ قِرَاءَ ةَ شِعْرٍ لَّمْ یَتَسَھَّلْ۔

"یعنی ہم نے آپ کو اس طرح کیا ہے کہ اگر آپ شعر پڑھنے کا ارادہ فرماویں تو آسان نہ ہو۔"

تفسیر کبیر:

وَمَا یَتَسَھَّلُ لَہٗ حَتّٰی اَنَّہٗ اَنْ تَمَثَّلَ لَہٗ بَیْتُ شِعْرٍ سُمِعَ مِنْہُ مُزَاحَفًا

"آپ کو شعر آسان نہیں یہاں تک کہ اگر کسی کو ادا فرمانے کا ارادہ فرماویں تو آپ سے ٹوٹا ہوا سنا جاتا ہے۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ شعر کا علم اور ہے شعر کا پڑھنا اور، بڑے بڑے شعراء اور علماء گا کر پڑھ نہیں سکتے بہت سے نعت خواں اور قوال علم شعر نہیں رکھتے مگر شعر پڑھنے پر پورے قادر ہوتے ہیں۔ آپ روٹی پکانا جانتے نہیں مگر اچھی بری، موٹی، باریک خوب جان لیتے ہیں۔ آپ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو شعر پڑھنے کا ملکہ اور مشق نہ تھی۔ نہ کہ شعر کی پہچان نہ تھی۔ یہ ہی ہم نے کہا تھا۔ حضور علیہ السلام کو بعض شعر پسند تھے اور بعض ناپسند۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

کَانَ اَحَبُّ الْحَدِیْثِ عَلَیْہِ السَّلَامُ الشِّعْرَوَاَیْضًا کَانَ اَبْغَضُ الْحَدِیْثِ اِلَیْہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ الشِّعْرَ۔

"حضور علیہ السلام کو شعر بہت پسند بھی تھا اور نہایت ناپسند بھی۔"

نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض شعراء کے شعر پڑھے ہیں اور ان کی تعریف فرمائی ہے جیسے کہ اَلَا کُلُّ شَیْئٍ مَا خَلَا اللّٰہُ بَاطِلًا اگر اچھے برے شعر کی پہچان نہیں تو یہ تعریف فرمانا کیسا؟ شعر سے مراد اجمالی یعنی غیر مفصل کلام اور معمے ہیں۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ الشَّیْخُ الْاَکْبَرُ اِعْلَمْ اَنَّ الشِّعْرَ مَحَلٌّ لِّلْاِجْمَالِ وَاللَّغْزِ وَالتَّوْرِیَّةِ اَیْ مَارَ مَزْنَا مُحَمَّدًا عَلَیْہِ السَّلَامُ شَیْئًاوَلَااَلْغَزْنَا وَلَاخَطَبْنَاہُ بِشَیْئٍ وَنَحْنُ نُرِیْدُ شَیْئًاوَلَاجَعَلْنَالَہُ الْخِطَابَ حَیْثُ لَمْ یَفْھَمْ۔

"جاننا چاہئے کہ شعر اجمالی اور پھسلنے اور اشاروں کا مقام ہے یعنی ہم نے حضور کے لئے کسی چیز کے اشارے نہ کئے اور نہ یہ کیا کہ ہم ارادہ کچھ فرمائیں اور خطاب کچھ کریں اور ان سے اس طرح اجمالی کلام نہ فرمایا کہ سمجھ میں نہ آوے۔"

(٦) مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ط (پارہ ۲۴ سورۃ ۴۰ آیت ۷۸)

"ان نبیوں میں سے کسی کا احوال تم سے بیان فرمایا اور کسی کا احوال نہ بیان فرمایا۔"

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے چند توجیہیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں تمام انبیاء کے حالات کا علم دینے کی نفی نہیں۔ بلکہ قرآن

کریم میں صراحۃً ذکر کی نفی ہے۔ یعنی بعض انبیاء کے واقعات صراحۃً بیان نہ فرمائے۔ دوسرے یہ کہ ذکر تفصیلی کی نفی ہے۔ اور اجمالی ذکر سب کا فرمایا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ وحی ظاہر میں سب کا بیان نہ ہوا۔ وحی خفی میں سب کا ذکر فرمایا گیا۔ تفسیر صاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اِنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یَخْرُجْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی عَلِمَ جَمِیْعَ الْاَنْبِیَآءِ تَفْصِیْلًا کَیْفَ لَا وَھُمْ مُخْلَقُوْنَ مِنْہُ وَخَلْفَھُمْ لَیْلَۃَ الْاَسْرَآءِ فِیْ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ وَلٰکِنَّہٗ الْعِلْمُ الْمَکْنُوْنُ وَاِنَّمَا تَرَکَ بَیَانَ قَصَصِھِمْ لِاُمَّتِہٖ رَحْمَۃً بِھِمْ فَلَمْ یُکَلِّفْھُمْ اِلَّا بِمَا کَانُوْا یُطِیْقُوْنَ۔

”حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ تمام انبیاء کو تفصیلاً جان لیا۔ کیونکر نہ جانیں وہ سب پیغمبر آپ ہی سے پیدا ہوئے اور شب معراج بیت المقدس میں آپ کے مقتدی بنے لیکن یہ علم مکنون ہے اور ان پیغمبروں کے قصے چھوڑ دیئے امت کے لئے ان پر رحمت فرماتے ہوئے پس انکو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔“

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۵۰ میں ہے۔

ھٰذَا لَا یُنَافِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی مِنْھُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ لِاَنَّ الْمَنْفِیَّ ھُوَ التَّفْصِیْلُ وَالثَّابِتُ ھُوَ الْاِجْمَالُ اَوِ النَّفْیُ مُقَیَّدٌ بِالْوَحْیِ الْجَلِیِّ وَالثُّبُوْتُ مُتَحَقِّقٌ بِالْوَحْیِ الْخَفِیِّ۔

”یہ کلام اس آیت کے خلاف نہیں کہ مِنْھُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ کیونکہ نفی تو علم تفصیلی کی ہے اور ثبوت علم اجمالی کا ہے یا نفی وحی ظاہر (قرآن) کی ہے اور ثبوت وحی خفی (حدیث) کا ہے

قرآن فرماتا ہے:

وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِہٖ فُؤَادَکَ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۱۲۰)

”اور سب کچھ ہم تم کو رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔“

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ط قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔

(پارہ ۷ سورۃ ۵ آیت ۱۰۹)

”جس دن اللہ جمع فرمادے گا رسولوں کو۔ پھر فرمادے گا کہ تم کو کیا جواب ملا۔ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں بے شک تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے۔“

مفسرین نے اس آیت کریمہ کی دو توجیہیں فرمائی ہیں اولاً یہ کہ خدایا تیرے علم کے مقابلہ میں ہم کو علم نہیں۔ دوسرے یہ کہ ادباً یہ عرض کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ قیامت میں جس وقت نفسی نفسی فرمانے کا وقت ہوگا اس وقت انبیائے کرام یہ فرمائیں گے۔ بعد میں پھر عرض کریں گے کہ ہم نے اپنی قوم کو تبلیغ احکام کی مگر انہوں نے نہ مانا۔ وہ کفار کہیں گے کہ ہم کو احکام نہ پہنچے۔ جس پر امت مصطفٰی علیہ السلام انبیائے کرام کی گواہی دے گی۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَعَلٰی هٰذَا الْقَوْلِ اِنَّمَا نَفَوْا الْعِلْمَ عَنْ اَنْفُسِهِمْ وَاِنْ كَانُوْا عُلَمَآءَ لِاَنَّ عِلْمَهُمْ صَارَ كَلَا عِلْمٍ عِنْدَ عِلْمِ اللّٰهِ

''پس اس قول کی بناء پر پیغمبروں نے اپنی ذات سے علم کی نفی کی اگر چہ وہ جانتے تھے کیونکہ علم اللہ کے علم کے سامنے مثل نہ ہونے کے ہو گیا۔''

مدارک:

قَالُوْا ذٰلِكَ تَاَدُّبًا اَیْ عِلْمُنَا سَاقِطٌ مَعَ عِلْمِكَ فَكَاَنَّهٗ لَا عِلْمَ لَنَا

''ان انبیاء نے یہ عرض کیا ادباً یعنی ہمارا علم تیرے علم کے ساتھ ساقط ہے پس گویا ہم کو علم ہی نہیں۔''

تفسیر کبیر یہ ہی آیت:

اِنَّ الرُّسُلَ عَلَیْهِمِ السَّلَامُ لَمَّا عَلِمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَالِمٌ لَا یَجْهَلُ حَلِیْمٌ لَا یَسْفَهُ عَادِلٌ لَایَظْلِمُ عَلِمُوْا اَنَّ قَوْلَهُمْ لَا یُفِیْدُ خَیْرًا وَّلَا یَدْفَعُ شَرًّا فَالْاَدَبُ فِی السُّكُوْتِ وَ تَفْوِیْضِ الْاَمْرِ اِلَی اللّٰهِ وَ عَدْلِهٖ فَقَالُوْا لَاعِلْمَ لَنَا (از خازن)

''انبیائے کرام نے جب جان لیا کہ اللہ عالم ہے بے علم نہیں حلیم ہے سفیہ نہیں انصاف والا ہے ظالم نہیں تو وہ سمجھ گئے کہ ان کی بات نہ تو بھلائی کا فائدہ دیگی اور نہ مصیبت کو دفع کریگی پس ادب خاموشی میں ہے اور معاملہ کو اللہ کے عدل کی طرف سپرد کر دینے میں ہے لہٰذا انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو علم نہیں۔''

بیضاوی یہ ہی آیت:

وَقِیْلَ الْمَعْنٰی لَا عِلْمَ لَنَا اِلٰی جَنْبِ عِلْمِكَ

''کہا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو تیرے علم کے مقابل علم نہیں۔''

روح البیان میں یہ ہی آیت:

اِنَّ هٰذَا الْجَوَابَ یَكُوْنُ فِیْ بَعْضِ مَوَاطِنِ الْقِیٰمَةِ وَ تَرْجِعُ عُقُوْلُهُمْ اِلَیْهِمْ فَیَشْهَدُوْنَ عَلٰی قَوْمِهِمْ اَنَّهُمْ بَلَّغُوْا الرِّسَالَةَ وَاَنَّ قَوْمَهُمْ كَیْفَ رَدُّوْا عَلَیْهِمْ۔

''یہ جواب قیامت کے بعض موقعوں میں ہوگا اور اس کے بعد حواس قائم ہوں گے تو اپنی قوم پر گواہی دیں گے کہ ہم نے رسالت کی تبلیغ فرمادی اور ہماری قوم نے کیا جواب دیا (ملخصاً)۔''

(۸) وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ط (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۶ آیت ۹)

''اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاویگا اور تمہارے ساتھ کیا۔''

اس سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی۔ نہ کسی اور کی کہ قیامت میں ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا لیکن اس کی

تفسیر میں مفسرین کے دوقول ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں درائیت کی نفی ہے نہ کہ علم کی۔ درائیت اٹکل اور قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں۔ یعنی میں بغیروحی اپنے قیاس سے یہ امورنہیں جانتا۔ وحی سے جانتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانے سے پہلے کی ہے۔ لہٰذا یہ منسوخ ہے۔

تفسیر صاوی میں ہے یہ ہی آیت۔

مَاخَرَجَ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی عَلَّمَهُ اللّٰهُ فِیْ الْقُرْاٰنِ مَایُعْمَلُ بِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ الدُّنْیَاوَ الْاٰخِرَةِ اِجْمَالًا وَ تَفْصِیْلًا۔

”جو کیا جائیگا آپ کے ساتھ دنیا سے یہ بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے قرآن میں ہے جو ان سے اور مومنین سے دنیا اور آخرت میں اجمالاً اور تفصیلاً کیا جائے گا۔“

ملا عبدالرحمٰن ابن محمد و مشقی رسالہ ناسخ ومنسوخ میں فرماتے ہیں۔ وَمَا اُدْرِیَ مَا یَفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ نَسخ بِقَوْلِهٖ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ ا یتَ مَا اُدْرِیَ منسوخ ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ سے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ فَرِحَ الْمُشْرِکُوْنَ فَقَالُوْا وَ اللَّاتِ وَالْعُزّٰی مَا اَمْرُنَا وَاَمْرُ مُحَمَّدٍ اِلَّا وَاحِدٌ اَوْمَالَهُ عَلَیْنَا مِنْ مَّزِیَّةٍ وَ فَضْلٍ لَوْلَااَنَّهُ مَا ابْتَدَعَ مَا یَقُوْلُهُ لَاَ خْبَرَهُ الَّذِیْ بَعَثَهٗ بِمَا یَفْعَلُ بِهٖ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ(الْاٰیَةِ)فَقَالَتِ الصَّحَابَةُ هَنِیْئًا لَکَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ قَدْ عَلِمْتَ مَا یُفْعَلُ بِکَ فَمَاذَایُفْعَلُ بِنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ (الْاٰیَةِ)وَاَنْزَلَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ فَضْلًا کَبِیْرًا وَهٰذَا قَوْلُ اَنَسٍ وَقَتَادَةَ وَعِکْرَمَةَ قَالُوْا اِنَّمَا هٰذَا قَبْلَ اَنْ یُّخْبَرَ بِغُفْرَ انِ ذَنْبِهٖ وَ اِنَّمَا اُخْبِرَ بِغُفْرَانِ ذَنْبِهٖ عَامَ الْحُدَیْبِیَةِ فَنُسِخَ ذٰلِکَ

”جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ لات وعزّٰی کی قسم ہمارا اور حضور علیہ السلام کا تو یکساں حال ہے انکو ہم پر کوئی زیادتی اور بزرگی نہیں اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ کر نہ کہتے ہوتے تو ان کو بھیجنے والا خدا انہیں بتا دیتا کہ ان سے کیا معاملہ کریگا تو رب نے یہ آیت اتاری لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ پس صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو آپ نے تو جان لیا جو آپ کے ساتھ ہوگا ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا تو یہ آیت اتری کہ داخل فرمائیگا اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنتوں میں (الآیۃ)اور یہ آیت اتری کہ مسلمانوں کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ و عکرمہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے جبکہ حضور علیہ السلام کو ان کی مغفرت کی خبر دی گئی مغفرت کی خبر آپکو حدیبیہ کے سال دی گئی تو یہ آیت منسوخ ہوگئی۔“

اگر کوئی کہے کہ آیت لَا اَدْرِیْ خبر ہے اور منسوخ نہیں ہوسکتی تو اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بہت سے علماء نسخ خبر جائز کہتے ہیں۔ جیسے

وَاِنْ تُبْدُوْا (الآیتہ) لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۸۶) منسوخ ہے ایسے ہی لَآاَدْرِیْ کو ابن عباس رضی اللہ عنہ وانس رضی اللہ عنہ وابن مالک رضی اللہ عنہ نے اِنَّا فَتَحْنَالَکَ سے منسوخ مانا (تفسیر کبیر درمنشور وابوالسعود) دوسرے یہ کہ یہاں گویا فرمایا گیا۔ قُلْ لَآاَدْرِیْ اور قل امر ہے۔ نسخ کا تعلق اسی سے ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض آیات صورت میں خبر اور معنی میں حکم ہیں جیسے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۸۳) وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۹۷) وغیرہ ان جیسی خبروں کا نسخ جائز ہے چوتھے یہ کہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ ان تفاسیر اور احادیث پر ہے جس سے نسخ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے مذکورہ بالا مطلب نہ بیان کئے جاویں تو صدہا احادیث کی مخالفت ہوگی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوَآءُ الْحَمْدِ ہمارے ہاتھ میں ہوگا آدم وآدمیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ شفاعت کبریٰ ہم فرمائیں گے۔ ہمارا حوض ایسا ہوگا اس کے برتن اس طرح کے ہوں گے وغیرہ وغیرہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جنتی ہیں۔ حسن حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا خواتین جنت کی سردار ہیں۔ کسی کو فرمایا کہ تو جہنمی ہے۔ ایک آدمی بہت اچھا جہاد کر رہا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی تعریف کی فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ آخرکار اس نے خودکشی کی۔ اگر معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو اپنی خبر نہ ہو تو اپنی اور دیگر حضرات کی یہ خبریں کس طرح سنا رہے ہیں وہ تو جس کے ایمان کی رجسٹری فرما دیں وہ کامل مومن ہے۔ اس جگہ بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر کفایت کرتا ہوں‘ خدا درست سمجھ عطا فرماوے۔ آمین۔

(۹) لَا تَعْلَمُھُمْ ط نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ ط (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۰۱)

”تم انکو نہیں جانتے ہم انکو جانتے ہیں۔“

اس آیت سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام دربار میں آنے والے منافقوں کو نہ پہچانتے تھے پھر علم غیب کیسا؟ مگر مفسرین نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس آیت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی وَلَتَعْرِفَنَّھُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۷ آیت ۳۰) اور ضرور تم ان کو بات کے طریقہ سے پہچان لوگے لہٰذا یہ آیت منسوخ ہے یا یہ توجیہ ہے کہ بغیر ہمارے بتائے انکو نہیں پہچانتے۔ جمل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَاِنْ قُلْتَ کَیْفَ نُفِیَ عَنْہُ عِلْمُ بِحَالِ الْمُنَافِقِیْنَ وَ اَثْبَتَہٗ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَ لَتَعْرِفَنَّھُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ فَالْجَوَابُ اَنَّ اٰیَۃَ النَّفْیِ نَزَلَتْ قَبْلَ اٰیَۃِ الْاِثْبَاتِ

”اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام کے منافقین کا حال جاننے کی نفی کیوں کی گئی حالانکہ آیت وَلَتَعْرِفَنَّھُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ میں اس کے جاننے کا ثبوت ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت ثبوت کی آیت سے پہلے اتری ہے۔“

اسی جمل میں زیر آیت:

وَلَتَعْرِفَنَّھُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ھے فَکَانَ بَعْدَ ذٰلِکَ لَا یَتَکَلَّمُ مُنَافِقٌ عِنْدَ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِلَّا عَرَفَہٗ وَ یَسْتَدِلُّ عَلٰی فَسَادِ بَاطِنِہٖ وَ نِفَاقِہٖ۔

"اس آیت کے بعد کوئی بھی منافق حضور علیہ السلام کی حرمت میں کلام نہ کرتا تھا مگر حضور علیہ السلام ان کو پہچان لیتے تھے اور اس کے فساد باطن اور نفاق پر دلیل پکڑتے تھے۔"

تفسیر بیضاوی یہ ہی آیت:

خَفِیَ عَلَیْکَ حَالُھُمْ مَعَ کَمَالِ فِطْنَتِکَ وَ صِدْقِ فِرَاسَتِکَ۔

"آپ پر ان کا حال باوجود آپ کی کمال سمجھ اور سچی مردم شناسی کے مخفی رہ گیا۔"

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ آیت میں اندازے سے پتہ لگا لینے کی نفی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو ان احادیث کی مخالفت ہو گی جن سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام منافقوں کو پہچانتے تھے۔ مگر پردہ پوشی سے کام لیتے تھے۔

عینی شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۲۱ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَقَالَ اُخْرُجْ یَا فُلَانُ فَاِنَّکَ مُنَافِقٌ فَاَخْرَجَ مِنْھُمْ نَاسًا فَفَضَحَھُمْ۔

"حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھا۔ پس فرمایا کہ اے فلاں نکل جا کیونکہ تو منافق ہے ان میں سے بہت سے آدمیوں کو رسوا کر کے نکال دیا۔"

شرح شفا ملا علی قاری جلد اول صفحہ ۲۴۱ میں فرماتے ہیں۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ کَانَ الْمُنٰفِقُوْنَ مِنَ الرِّجَالِ ثَلٰثَۃَ مِائَۃٍ وَ مِنَ النِّسَاءِ مِائَۃً وَ سَبْعِیْنَ۔

"ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منافقین مرد تین سو تھے اور عورتیں ایک سو ستر۔"

ہم اثبات علم غیب میں ایک حدیث پیش کر چکے ہیں۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت پیش کی گئی۔ لہٰذا ہم نے منافقوں، کفار اور مومنین کو پہچان لیا۔ اس پر منافقین نے اعتراض کیا اور قرآن کی آیت ان کے جواب کے لیے آئی۔ ان سب دلائل میں مطابقت کرنے کے لیے یہ توجیہہ کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کلام اظہار غضب کے لیے ہوتا ہے اگر بچہ کو باپ مارنے لگے اور کوئی باپ سے بچائے تو وہ کہتا ہے کہ اس خبیث کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ اس سے علم کی نفی نہیں۔

(۱۰) رب تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۸۴) حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق کی نماز جنازہ یا تو پڑھ لی یا پڑھنا چاہی فاروق اعظم نے منع کیا۔ مگر ان کی عرض نہ سنی تب یہ آیت اتری جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ سے روکا گیا۔ اگر علم غیب تھا تو منافق کا جنازہ کیوں پڑھا؟

جواب

اس منافق کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر کچھ احسان تھا اور اس کا فرزند مخلص مومن تھا اور خود اس منافق نے وصیت کی تھی میرا جنازہ حضور پڑھائیں۔ اس وقت تک اس کی ممانعت نہ تھی۔ لہٰذا دینی مصلحت سے اجازت پر عمل فرمایا۔ تفسیر کبیر و روح البیان نے فرمایا کہ اس کی

وصیت علامت توبہ تھی اور شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جس پر حضور نے عمل فرمایا رب کو منظور نہ تھا کہ حبیب کا دشمن ظاہری عزت بھی پاوے۔ لہٰذا قرآن کریم نے حضرت فاروق کی تائید فرمادی غرضکہ اس مسئلہ کو علم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا منافق ہونا ظاہر تھا۔ مگر اس نماز میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ کریم کا کرم غیر اختیاری ہوتا ہے۔ اور پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پتہ لگ جائے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ نہ لگے۔

(۱۱) وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔

(پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۸۵)

''اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تم کو علم نہ ملا مگر تھوڑا۔''

مخالفین اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہ تھا کہ روح کیا چیز ہے لہٰذا آپ کو علم غیب کلی نہ ہوا اس میں تین امور قابل غور ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ ہم نے حضور علی علیہ السلام کو یہ علم نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام نے کہاں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں ملا۔ لہٰذا اس آیت کو نفی علم روح کی دلیل بنانا محض غلط ہے۔ اس میں تو پوچھنے والے کافروں سے فرمایا گیا کہ تم کو علم بہت تھوڑا سا دیا گیا ہے تم کو روح کی حقیقت کا علم نہیں دوسرے یہ کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کے معنی حضرت قبلہ عالم شیخ مہر علی شاہ صاحب فاضل گولڑوی علیہ الرحمتہ نے سیف چشتیائی میں حضرت محی الدین ابن عربی سے یہ نقل فرمایا کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ فرمادو کہ روح امر رب سے ہے یعنی عالم بہت ہیں عالم عناصر، عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان وغیرہ تو روح عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگ عالم عناصر کے تم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے کیونکہ اے کافرو تم کو تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ روح البیان میں زیر آیت۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۱۰۳) ہے۔

لِاَنَّہٗ تَجَاوَزَ فِیْ تِلْکَ اللَّیْلَۃِ عَنْ عَالَمِ الْعَنَاصِرِ ثُمَّ عَنْ عَالَمِ الطَّبْعِیَّۃِ ثُمَّ عَنْ عَالَمِ الْاَرْوَاحِ حَتّٰی وَصَلَ اِلٰی عَالَمِ الْاَمْرِ وَعَیْنُ الرَّاْسِ مِنْ عَالَمِ الْاَجْسَامِ وَفَانْسَلَخَ عَنِ الْکُلِّ وَرَاٰی رَبَّہٗ بِالْکُلِّ۔

''حضور علیہ السلام معراج کی رات عالم عناصر سے آگے بڑھے پھر عالم طبیعت سے پھر عالم ارواح سے یہاں تک کہ عالم امر تک جا پہنچے اور سر کی آنکھ عالم اجسام سے ہے پس آپ ان تمام چیزوں سے علیحدہ ہوگئے اور رب تعالیٰ کو کل ذات سے دیکھا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں حضور علیہ السلام نے عالم امر کی سیر ہی نہیں فرمائی بلکہ خود بھی عالم امر میں سے بن گئے۔ اور اپنے رب کو دیکھا۔ اور اسی عالم امر کی روح بھی ہے۔ پھر آپ پر روح کیونکر مخفی رہ سکتی ہے۔ جس طرح ہم جسموں کو جانتے پہچانتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام آدھے بشر اور آدھے روح تھے کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام تو بشر تھیں اور حضرت جبریل روح فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۷) ہم نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اپنی روح یعنی جبریل علیہ السلام کو بھیجا۔ اور آپ کی پیدائش حضرت جبریل علیہ السلام کی پھونک سے ہوئی۔ اس لئے دونوں امور آپ میں موجود ہیں۔ فتوحات کلیہ باب ۵۷۵ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں۔

فَکَانَ نِصْفُہٗ بَشَرًا وَّنِصْفُہُ الْاٰخَرُ رُوْحًا مُطَھَّرًا مَلَکًا لِاَنَّ جِبْرِیْلَ وَھَبَہٗ لِمَرْیَمَ۔

''حضرت مسیح نصف بشر اور نصف دوم پاک روح ہیں کیونکہ جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کو انہیں بخشا۔''

اوران کی پیدائش بھی حضور ﷺ کے نور سے ہے۔ تو گویا حضور علیہ السلام از سرتا پا روح ہیں۔ روح البیان نے اسی آیت لَا تُدۡرِكُ کے ماتحت لکھا ہے۔

اَلۡحَقِیۡقَةُ الۡمُحَمَّدِیَّةُ هِیَ حَقِیۡقَةُ الۡحَقَائِقِ وَهُوَ الۡمَوۡجُوۡدُ الۡعَامُ الشَّامِلُ۔

''حقیقت محمد یہ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے اور وہ ہی وجود عام ہے۔''

لہٰذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ روح وہ جو امر یعنی کن سے بلا واسطہ پیدا ہو۔ اور وہ تو حقیقت محمد یہ ہے۔ کہ بلا واسطہ ان کی پیدائش ہے اور سب کی پیدائش ان کے نور سے ہے مطلب یہ ہوا کہ عالم کی روح حقیقی میں ہوں۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ یہاں روح سے قرآن یا جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ کفار نے سوال کیا تھا کہ قرآن کیا ہے شعر ہے یا کہانت؟ جبریل علیہ السلام کون ہیں؟ اور کیسے آتے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ قرآن امر الٰہی ہے نہ شعر ہے نا جادو۔ جبریل علیہ السلام امر الٰہی سے آتے ہیں۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۶۴) اسی کبیر میں ہے۔

فَاِذَا كَانَ مَعۡرِفَتُ اللّٰهِ تَعَالٰی مُمۡكِنَةٍ بَلۡ حَاصِلَةً فَاَیُّ مَانِعٍ یَمۡنَعُ مِنۡ مَّعۡرِفَةِ الرُّوۡحِ۔

''جب حضور ح خدا کو پہچانیں تو روح کو کیوں نہ پہچانیں۔''

تیسرے یہ کہ مفسرین ومحدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم تھا۔ تفسیر خازن نے اسی آیت کے ماتحت لکھا۔

قِیۡلَ اِنَّ النَّبِیَّ عَلَیۡهِ السَّلَامُ عَلِمَ مَعۡنَی الرُّوۡحِ لٰكِنۡ لَّمۡ یُخۡبِرۡبِهٖ لِاَنَّ تَرۡكَ الۡاِخۡبَارِ كَانَ عَلَمًا لِنُبُوَّتِهٖ وَالۡقَوۡلُ الۡاَصَحُّ اَنَّ اللّٰهَ اِسۡتَاثَرَ بِعِلۡمِ الرُّوۡحِ۔

''کہا گیا ہے کہ نبی ح کو حقیقت روح معلوم تھی لیکن اسکی خبر نہ دی کیونکہ یہ خبر نہ دینا آپکی نبوّت کی علامت اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم روح سے خاص ہے۔''

اس عبارت میں علم روح ماننے والوں کو مشرک نہ کہا گیا اور نہ ان کے قول کو غلط بتایا۔

تفسیر روح البیان اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

جَلَّ مَنۡصَبَ حَبِیۡبِ اللّٰهِ اَنۡ یَّكُوۡنَ جَاهِلًا بِالرُّوۡحِ مَعَ اَنَّهٗ عَالِمٌ بِاللّٰهِ وَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیۡهِ بِقَوۡلِهٖ وَعَلَّمَكَ مَالَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمۡ

''حضور علیہ السلام کی شان اس سے بلند ہے کہ آپ روح سے ناواقف ہوں حالانکہ آپ اللہ سے واقف ہیں رب نے آپ پر احسان جتایا کہ فرمایا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ آپ کو بتادیا۔''

تفسیر مدارک یہ ہی آیت:

وَقِیۡلَ كَانَ السُّوَالُ عَنۡ خَلۡقِ الرُّوۡحِ یَعۡنِیۡ مَخۡلُوۡقٌ اَمۡ لَا لِقَوۡلِهٖ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ دَلِیۡلُ خَلۡقِ الرُّوۡحِ فَكَانَ جَوَابًا۔

> ''کہا گیا ہے کہ سوال روح کی پیدائش سے متعلق تھا کہ روح مخلوق بھی ہے یا نہیں اور رب کا فرمان من امر ربی روح کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے لہٰذا یہ جواب ہو گیا۔''

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے نہ ہونے سے بحث ہی نہیں ہو رہی ہے یہاں تو ذکر مخلوقیت روح کا ہے 'مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۴۰ وصل ایذا رسانی کفار فقراء صحابہ را میں شیخ فرماتے ہیں۔

> چہ گونہ جرات کند مومن عارف کہ نفی علم بحقیقت روح از سید المرسلین و امام العارفین کند و دادہ است اورا حق سبحانہ' علم ذات و صفات خود و فتح کردہ برائے او فتح مبین از علوم اولین و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جب جامعیت وے قطرہ ایست از دریا و ذرہ ایست از بیدا

> ''مومن عارف یہ ہمت کس طرح کر سکتا ہے کہ حضور سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے حالانکہ رب نے ان کو اپنی ذات و صفات کا علم دیا ہے اور ان پر علوم اولین و آخرین کھول دیئے حضور علیہ السلام کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے وہ تو اس دریا ایک قطرہ اور جنگل کا ایک ذرہ ہے۔''

احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں:

> وَلَاتَظُنَّ اَنَّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ مَكْشُوْفًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِنَّ مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ نَفْسَهٗ فَكَيْفَ يَعْرِفُ اللّٰهُ سُبْحٰنَهٗ فَلَا يُبْعَدُ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ مَكْشُوْفًا لِبَعْضِ الْاَوْلِيَآءِ وَالْعُلَمَآءِ

> ''تم یہ گمان نہ کرنا کہ روح حضور علیہ السلام کو ظاہر نہ تھی۔ کیونکہ جو اپنے کو نہ پہچانے گا وہ اللہ کو کس طرح پہچان سکتا ہے یہ بھی بعید نہیں کہ روح بعض اولیاء و علماء کو ظاہر ہو۔''

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم روح عطا ہوا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے بعض علماء و اولیاء کو بھی ملا۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا۔ مگر وہ بلا دلیل ہے۔ نیز جب ثبوت و نفی کے دلائل ہوں تو ثبوت کو اختیار کرنا چاہیئے جیسا کہ ہم قاعدہ اصول کا بیان کر چکے ہیں۔

(۱۲) عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۴۳) غزوہ تبوک میں بعض منافقین نے غلط بہانہ کر کے شرکت نہ کی۔ حضور علیہ السلام کو ان کی حیلہ سازی کا پتہ نہ لگا اور انہیں جہاد میں نہ جانیکی اجازت دے دی اس آیت میں آپ پر عتاب فرمایا گیا کہ کیوں اجازت دی۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا۔ تو اصل آپ پر ظاہر ہوتا۔

جواب

نہ اس آیت میں آپ پر عتاب ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فریب سے بے خبر تھے بلکہ حضور علیہ السلام نے انکی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اجازت دی۔ رب نے فرمایا کہ اے مجرموں کے پردہ پوش! آپ نے ان کو رسوا کیوں نہ کیا؟ عتاب غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کون سی ہوئی تھی؟ عَفَا اللّٰهُ کلمہ دعائیہ ہے نہ کہ عتاب۔

(۱۳)یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا۔ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰهَا (پارہ ۳۰ سورۃ ۷۹ آیت ۴۲، ۴۳)

”تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لئے ٹھہری ہوئی ہے تم کو اس بیان سے کیا تعلق۔“

اس آیت سے مخالفین دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہ تھا کہ کب ہوگی۔ لہٰذا آپ کو علم غیب کلی نہ ہوا۔ جواب صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ علم بھی عطا فرمایا۔ مفسرین نے اس آیت کی چند توجیہیں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ آیت علم قیامت عطا کرنے سے پہلے کی ہے دوم یہ کہ اس سے مقصود سائلین کو جواب دینے سے روکنا ہے نہ کہ آپکے علم کی نفی۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں فرمایا گیا اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰهَا (پارہ ۳۰ سورۃ ۷۹ آیت ۴۳) آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہیں آپ کو دیکھ کر ہی جان لینا چاہئیے کہ قیامت قریب ہے۔ چوتھے یہ کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں آپ یہ باتیں بتانے نہیں بھیجے گئے۔

تفسیر صاوی یہ ہی آیت۔

وَھٰذَا قَبْلَ اِعْلَامِهٖ بِوَقْتِهَا فَلَایُنَا فِیْ اَنَّہٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَمْ یَخْرُجْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَعْلَمَہُ اللّٰهُ بِجَمِیْعِ مُغِیْبَاتِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔

”یہ آیت حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے لہٰذا یہ اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام دنیا سے نہ گئے یہانتک کہ اللہ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم دے دیئے۔“

روح البیان یہ ہی آیت۔

قَدْ ذَھَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ اِلٰی اَنَّ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ کَانَ یَعْرِفُ وَقْتَ السَّاعَةِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ وَ ھُوَ لَا یُنَا فِیْ الْحَصْرَ فِی الْاٰیَةِ۔

”بعض مشائخ ادھر گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور یہ قول اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔“

روح البیان میں یہ ہی آیت پارہ ۹ زیر آیت یَسْئَلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْهَا (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۸۷) میں بھی ہے اور وہاں یہ بھی ہے کہ دنیا کی کل عمر ۷۰ ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیحہ سے ثابت ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔

تفسیر خازن یہ ہی آیت:

وَ قِیْلَ مَعْنَاہُ فِیْمَ اِنْکَارٌ لِسُوَالِهِمْ اَیْ فِیْمَ ھٰذَا السُّوَالُ ثُمَّ قَالَ اَنْتَ یَا مُحَمَّدُ مِنْ ذِکْرِھَا اَیْ مِنْ عَلَامَتِهَا لِاَنَّکَ اٰخِرُ الرُّسُلِ فَکَفَا ھُمْ ذٰلِکَ دَلِیْلًا عَلٰی دُنُوِّھَا۔

”کہا گیا ہے کہ فیما کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی ان کا سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں پس ان کو یہ دلیل کافی ہے قیامت قریب ہونے پر۔“

تفسیر مدارک یہ ہی آیت:

اَوْ كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَزَلْ يَذْكُرُ السَّاعَةَ وَ يُسْئَلُ عَنْهَا حَتّٰى نَزَلَتْ فَهُوَ تَعَجَّبٌ مِنْ كَثْرَةِ ذِكْرِهَا

''یا حضور علیہ السلام قیامت کا بہت ہی ذکر فرماتے تھے اور اسکے بارے میں سوال کئے جاتے تھے یہاں تک کہ آیت اتری پس یہ آیت تعجب ہے آپ کے زیادہ ذکر قیامت فرمانے پر۔''

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کس قدر ذکر قیامت فرماتے ہیں۔

مدارک یہ ہی آیت:

اَوْ فِيْمَ اِنْكَارٌ لِسُؤَالِهِمْ عَنْهَا اَىْ فِيْمَ هٰذَا السُّؤَالُ ثُمَّ قَالَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا وَ اَنْتَ اٰخِرُ الْاَنْبِيَآءِ عَلَامَةٌ مِنْ عَلَامَاتِهَا فَلَا مَعْنٰى لِسُؤَالِهِمْ عَنْهَا

''یا فیما کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی یہ سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں۔ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے اب انکے قیامت کے پوچھنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔''

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا قیامت کے متعلق پوچھنا لغو ہے آپ خود اس کی علامت ہیں وہ کیوں پوچھتے ہیں

مدارک میں یہ ہی آیت:

قِيْلَ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا مُتَّصِلٌ بِالسُّؤَالِ اَىْ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا وَ يَقُوْلُوْنَ اَيْنَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ثُمَّ اسْتَانَفَ فَقَالَ اِلٰى رَبِّكَ۔

''اور کہا گیا کہ فِيْمَا اَنْتَ سوال سے ملا ہوا ہے یعنی کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا قیام کب ہوگا؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا علم کہاں سے آیا۔ پھر رب تعالیٰ نے اپنی بات شروع کی اِلٰى رَبِّكَ ۔''

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار نے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے ہے۔ رب نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے تو یہ آیت علم قیامت کا ثبوت ہے۔ مدارک یہ ہی آیت

اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا اَىْ لَمْ تُبْعَثْ لِتُعَلِّمُهُمْ بِوَقْتِ السَّاعَةِ اِنَّمَا اَنْتَ الخ

''یعنی آپ اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ ان کو قیامت کے وقت کی خبر دیں۔''

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر آپ قیامت کی خبر دے دیں تو آپ نبی ہیں ورنہ نہیں۔ محض بیہودہ ہے کیونکہ قیامت کی خبر دینا نبوت کے فرائض میں سے نہیں۔ نبی کے لیے تبلیغ احکام ضروری ہے۔ مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۰ وصل ایذا رسانی کفار فقراء صحابہ رامیں ہے۔

''وبعضے علماء علم ساعۃ نیز مثل ایں معنی گفتہ اند''

''یعنی بعض علما نے روح کی طرح حضور ﷺ کو قیامت کا علم بھی مانا۔''

(۱۴) يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ط قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (پارہ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۸۷)

”تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسکو خوب تحقیق کرر کھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“

مخالفین اس آیت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں دیا۔ اس میں تو یہ ہے کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ دینے کی نفی نہیں۔ دوم یہ کہ یہ قیامت کا علم دینے سے قبل کی آیت ہے۔

تفسیر صاوی یہ ہی آیت:

وَالَّذِیْ يَجِبُ الْاِيْمَانُ بِهٖ اَنَّ النَّبِیَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ الْمُغِيْبَاتِ الَّتِیْ تَحْصُلُ فِی الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَهُوَ يَعْلَمُهَا كَمَا هِیَ عَيْنُ يَقِيْنٍ لِّمَا وَرَدَ رُفِعَتْ لِیَ الدُّنْيَا فَاَنَا اَنْظُرُ فِيْهَا كَمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّیْ هٰذِهٖ وَرَدَاَنَّهٗ اُطُّلِعَ لِیَ الْجَنَّةِ وَ مَا فِيْهَاوَالنَّارُ وَ مَا فِيْهَا وَ غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا تَوَا تَرَتِ الْاَخْبَارُ وَ لٰكِنْ اُمِرُ بِكِتْمَانِ بَعْضِهَا۔

”جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ رب نے آپ کو وہ تمام غائب چیزیں بتادیں جو دنیا اور آخرت میں آیا کہ ہمارے سامنے دنیا کی پیش کی گئی۔ پس ہم اس میں اسطرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ میں یہ بھی آیا ہے کہ ہم کو جنت اور وہاں کی نعمتوں اور دوزخ اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی علاوہ ازیں اور متواتر خبریں ہیں لیکن بعض کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔“

تفسیر خازن میں اس آیت میں ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنْهَا كَاَنَّكَ حَفِیٌّ۔ یعنی یہ لوگ آپ سے اسی طرح پوچھتے ہیں گویا آپ ان پر بڑے مہربان ہیں۔ اور آپ ان کو بتاہی دیں گے حالانکہ یہ اسرار الٰہی میں سے ہے اغیار سے چھپانا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے مگر اظہار کی اجازت نہیں۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ط قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (پارہ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۶۳)

”لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔“

جوابْ

تفسیر صاوی یہ ہی آیت:

اِنَّمَا وَقْتُ السَّوَالِ وَ اِلَّافَلَمْ يَخْرُجْ نَبِيُّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى اَطْلَعَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَمِيْعِ الْمُغِيْبَاتِ وَ مِنْ جُمْلَتِهَا السَّاعَةُ۔

”یعنی اس قیامت پر کوئی مطلع نہیں اور یہ سوال کے وقت تھا ورنہ نبی علیہ السلام تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے

تمام غیبوں پر مطلع فرمادیا۔ جن میں سے قیامت بھی ہے۔"

روح البیان یہ ہی آیت:

وَ لَيْسَ مِنْ شَرْطِ النَّبِيِّ اَنْ يَّعْلَمَ الْغَيْبَ بِغَيْرِ تَعْلِيْمٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

"اور شرائط نبی میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے بغیر بتائے غیب جانے۔"

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں ہے لہٰذا اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جاننے پر دلیل پکڑنا غلط ہے۔ تفسیر صاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَلْمَعْنٰى لَا يُفِيْدُ عِلْمَهٗ غَيْرُهٗ تَعَالٰى فَلَا يُنَافِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اُطْلِعَ عَلٰى مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَ مَا هُوَ كَائِنٌ وَ مِنْ جُمْلَتِهٖ عِلْمُ السَّاعَةِ۔

"معنی یہ ہیں کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی ح دنیا سے تشریف نہ لے گئے۔ یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے ان کو سارے اگلے پچھلے واقعات پر مطلع فرمادیا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔"

مخالفین علم قیامت کی نفی کی دلیل میں شروع مشکوٰۃ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا اَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ مجھے قیامت کے متعلق خبر دیجئے تو فرمایا مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ یعنی اس بارے میں ہم سائل سے زیادہ جاننے والے نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں۔

مگر یہ دلیل بھی محض لغو ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اس میں حضور علیہ السلام نے اپنے جاننے کی نفی نہیں کی بلکہ زیادتی علم کی نفی کی ہے۔ ورنہ فرماتے۔ لَا اَعْلَمُ میں نہیں جانتا۔ اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی؟ اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اے جبریل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو بھی خبر ہے اور تم کو بھی اس مجمع میں یہ پوچھ کر راز ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ جواب سن کر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ فَاَخْبِرْ عَنْ اَمَارَاتِهَا تو قیامت کی نشانیاں ہی بتادیجئے اس پر حضور علیہ السلام نے چند نشانیاں بیان فرمائیں کہ اولاد نافرمان ہوگی اور کمین لوگ عزت پائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ جس کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو۔ اس سے اس کی نشانیاں پوچھنا کیا معنی؟ نشان اور پتہ تو جاننے والے سے پوچھا جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے قیامت قائم ہونے کا دن بتایا مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔

"قیامت قائم نہ ہوگی مگر جمعہ کے دن۔"

کلمہ اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا:

بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔

"ہم اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں۔" (مشکوٰۃ باب خطبہ یوم الجمعہ)

یعنی ہمارے زمانہ کے بعد بس قیامت ہی ہے اور اس قدر علامات قیامت ارشاد فرمائیں کہ ایک بات بھی نہ چھوڑی آج میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آسکتی کیونکہ نہ ابھی دجال آیا نہ حضرت مسیح ومہدی نہ آفتاب مغرب سے نکلا۔ ان علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرمادیا۔ پھر قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا معنی؟ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ نہ بتایا کہ فلاں سنہ میں قیامت ہوگی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں سنہ مقرر ہی نہ ہوئی تھی سنہ ہجری عہد فاروقی میں مقرر ہوئی کہ ہجرت تو ربیع الاول میں ہوئی مگر سنہ ہجری کا آغاز محرم سے ہوتا ہے بلکہ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ سال میں جو اہم واقعہ ہوا اس سے سال منسوب کردیا۔ سال فیل، سال فتح، سال حدیبیہ وغیرہ۔ تو سنہ ہجری کس طرح بتایا جاسکتا تھا۔ اس دن کی علامات وغیرہ سب بتادیئے اور جو ذات اس قدر تفصیلی علامتیں بیان کرے وہ بے علم کس طرح ہوسکتی ہے؟ نیز ہم ثبوت علم غیب میں وہ حدیث پیش کرچکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قیامت تک کہ من وعن واقعات بیان کردیئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ قیامت کا علم نہ ہو کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا تو جو آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہ ہی دنیا کی انتہاء ہے اور قیامت کی ابتداء دو ملی ہوئی چیزوں میں سے ایک کی انتہاء کا علم دوسری کی ابتداء کا علم ہوتا ہے۔ اس پر خوب غور کرلیا جاوے۔ نہایت نفیس تحقیق ہے جو حضرت صدر الافاضل مرشدی استاذی مولانا سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے ایک تقریر کے دوران ارشاد فرمائی۔

اِعتراض 16

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۠ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۱ آیت ۳۴)

”بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔“

اس آیت سے مخالفین کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یہ اللہ کی صفت ہے جو کسی غیر کے لیے ثابت کرے وہ مشرک ہے اسی کو علوم خمسہ کہتے ہیں قیامت کب ہوگی؟ بارش کب ہوگی؟ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ اور کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا؟ اس آیت کی تائید میں شرح مشکوٰۃ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا فِیْ خَمْسٍ لَا یَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَرَءَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر یہ ہی آیت تلاوت فرمائی۔ ہم علوم خمسہ کے بارے میں نہایت منصفانہ تحقیق کرتے ہیں اور ناظرین سے انصاف کی توقع اور اپنے رب سے تمنائے قبول رکھتے ہیں اولاً اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال پھر حدیث کے متعلق محدثین کے اقوال پھر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

تفسیرات احمدیہ زیر آیت مذکورہ۔

وَلَكَ اَنْ تَقُوْلَ اِنَّ عِلْمَ هٰذِهِ الْخَمْسَةِ وَ اَنْ لَّا یَعْلَمُهَا اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ لٰكِنْ یَّجُوْزُ اَنْ یُّعَلِّمَهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ

مُحِبِّیْهِ وَاَوْلِيَآءِ بِقَرِيْنَةِ قَوْلِهٖ تَعَالیٰ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ بِمَعْنَى الْمُخْبِرِ۔

''اورتم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جائز ہے کہ خدا پاک اپنے ولیوں اور محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے اس قول کے قرینہ سے کہ اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔ خبیر بمعنی مخبر۔''

تفسیر صاوی آیت مَا ذَا تَكْسِبُ غَدًا (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۱ آیت ۳۴) کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَیْ مِنْ حَیْثُ ذَاتِهَا وَ اَمَّا بِاِعْلَامِ اللّٰهِ لِلْعَبْدِ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ كَالْاَنْبِيَآءِ وَ بَعْضِ الْاَوْلِيَآءِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَلَا مَانِعَ مِنْ كَوْنِ اللّٰهِ يُطْلِعُ بَعْضَ عِبَادِهِ الصّٰلِحِيْنَ عَلٰى بَعْضِ الْمُغِيْبَاتِ فَتَكُوْنُ مُعْجِزَةً لِلنَّبِیِّ وَ كَرَامَةً لِلْوَلِیِّ وَلِذٰلِكَ قَالَ الْعُلَمَآءُ الْحَقُّ اَنَّهٗ لَمْ يَخْرُجْ نَبِيُّنَا مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَطْلَعَهٗ عَلٰى تِلْكَ الْخَمْسِ۔

''یعنی ان باتوں کو کوئی اپنے آپ نہیں جانتا لیکن کسی بندے کا اللہ کے بتانے سے جاننا اس سے کوئی مانع نہیں جیسے انبیاء اور بعض اولیاء رب نے فرمایا کہ یہ لوگ خدا کے علم کو گھیر نہیں سکتے مگر جس قدر رب چاہے اور فرمایا کہ اپنے غیب پر کسی کو ظاہر نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسولوں کے پس اگر خدا تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کو بعض غیبوں پر مطلع فرمادے تو کوئی مانع نہیں پس یہ علم نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہوگا اسی لیے علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ حضور دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ ان کو ان پانچوں باتوں پر رب نے مطلع فرمادیا۔''

تفسیر عرائس البیان زیر آیت يَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۱ آیت ۳۴) ہے۔

سَمِعْتُ اَيْضًا مِنْ بَعْضِ الْاَوْلِيَآءِ اَنَّهٗ اَخْبَرَ مَا فِی الرَّحْمِ مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ رَءَيْتُ بِعَيْنِیْ مَا اَخْبَرَ۔

''ہم نے بعض اولیاء کو سنا کہ انہوں نے پیٹ کے بچہ لڑکی یا لڑکے کی خبر دی اور ہم نے اپنی آنکھوں سے وہی دیکھا جس کی انہوں نے خبر دی تھی۔''

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا رُوِیَ عَنِ الْاَنْبِيَآءِ وَ الْاَوْلِيَآءِ مِنَ الْاَخْبَارِ عَنِ الْغُيُوْبِ فَبِتَعْلِيْمِ اللّٰهِ تَعَالیٰ اَمَّا بِطَرِيْقِ الْوَحْیِ اَوْ بِطَرِيْقِ الْاِلْهَامِ وَ الْكَشْفِ وَ كَذَا اَخْبَرَ بَعْضُ الْاَوْلِيَآءِ عَنْ نُزُوْلِ الْمَطَرِ وَ اَخْبَرَ عَمَّا فِی الرَّحْمِ مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى فَوَقَعَ كَمَا اَخْبَرَ

''اور جو غیب کی خبریں انبیاء و اولیاء سے مروی ہیں پس یہ اللہ کی تعلیم سے ہے یا وحی یا الہام کے طریقے سے۔ اور اسی طرح بعض اولیاء نے بارش آنے کی خبر دی اور بعض نے رحم کے بچہ اور لڑکے یا لڑکی کی خبر دی اور وہ ہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔''

قیامت کے علم کی تحقیق ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں جو علوم خمسہ میں سے ہے۔

ان تفاسیر کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے علوم خمسہ اپنے حبیب علیہ السلام کو دیئے اور اس آیت میں خبیر بمعنی مخبر ہے اس کے متعلق اور بھی تفاسیر کی عبارتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اس پر اختصار کرتا ہوں۔ اب رہی مشکوٰۃ شروع کتاب الایمان کی حدیث کہ یہ پانچ چیزیں کوئی نہیں جانتا اس کی شرحین ملاحظہ ہوں امام قرطبی' امام عینی' امام قسطلانی' شرح بخاری میں اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اول میں اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فَمَنِ ادَّعٰی عِلْمَ شَیْئٍ مِنْھَا غَیْرَ مُسْنَدٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ کَاذِبًا فِیْ دَعْوِہٖ۔

''پس جو شخص ان پانچوں میں سے کسی چیز کے علم کا دعویٰ کرے حضور علیہ السلام کی طرف بغیر نسبت کئے ہوئے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔''

لمعات میں شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَلْمُرَادُ لَا یَعْلَمُ بِدُوْنِ تَعْلِیْمِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

''مراد یہ ہے کہ ان پانچوں باتوں کو بغیر اللہ کے بتائے کوئی نہیں جانتا۔''

اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ''مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل ایہنا راندامز از امور الغیب اندکر کہ جز خدائے تعالیٰ کسے آں راند اند مگر آنکہ دے تعالیٰ از نزد خود کسے را بوحی والہام بدناند'' مراد یہ ہے کہ ان امور غیب کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل کے اندازہ سے کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جس کو اللہ اپنی طرف سے بتادے وحی یا الہام سے۔ امام قطسلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورۃ رعد میں فرماتے ہیں۔

لَا یَعْلَمُ مَتٰی تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا اللّٰہُ وَ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یُطْلِعُہٗ عَلٰی غَیْبِہٖ وَ الْوَلِیُّ التَّابِعُ لَہٗ یَاخُذُہٗ عَنْہُ۔

''کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی سوائے اللہ کے اور پسندیدہ رسول کے کیونکہ رب تعالیٰ اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے اور انکا تابع ولی ان سے وہ غیب لیتا ہے۔''

انجاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ باب اشراط الساعۃ زیر حدیث خَمْسٌ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ہے:

اَخْبَرَ الصِّدِّیْقُ زَوْجَتَہٗ بِنْتَ خَارِجَۃَ اَنَّھَا حَامِلَۃٌ بِنْتٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ وَفَاتِہٖ اُمَّ کُلْثُوْمٍ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ فَھٰذَا مِنَ الْفِرَاسَۃِ وَالظَّنِّ وَ یُصَدِّقُ اللّٰہُ فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی بنت خارجہ کو خبر دی کہ وہ بیٹی سے حاملہ ہے۔ لہٰذا صدیق کی وفات کے بعد ام کلثوم بنت صدیق پیدا ہوئیں پس یہ فراست اور ظن ہے خدا تعالیٰ مومن کی فراست کو سچا کر دیتا ہے۔

سید شریف عبدالعزیز مسعود تاب الابریز میں فرماتے ہیں۔

ھُوَ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَا یُخْفٰی عَلَیْہِ مِنْ شَیْئٍ مِنَ الْخَمْسِ الْمَذْکُوْرَۃِ فِی الْاٰیَۃِ وَ کَیْفَ یَخْفٰی ذٰلِکَ وَ الْاَقْطَابُ

اَلسَّبْعَةُ مِنْ اُمَّتِہٖ الشَّرِیْفَۃِ یَعْلَمُوْنَہَا وَ ہُمْ دُوْنَ الْغَوْثِ فَکَیْفَ بِالْغَوْثِ فَکَیْفَ بِسَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ الَّذِیْ ہُوَ سَبَبُ کُلِّ شَیْئٍ وَ مِنْہُ کُلُّ شَیْئٍ۔

''حضور ﷺ پر ان پانچ مذکورہ میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور مخفی کیونکر ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت کے سات قطب ان کو جانتے ہیں پس غوث کا کیا پوچھنا اور پھر سید الانبیاء ﷺ کا کیا کہنا جو ہر چیز کے سبب ہیں اور جن سے ہر چیز ہے۔''

علامہ جلال الدین سیوطی روض النظر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

قَوْلُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِلَّا ہُوَ مَعْنَاہُ بِاَنَّہٗ لَا یَعْلَمُہَا اَحَدٌ بِذَاتِہٖ اِلَّا ہُوَ لٰکِنْ قَدْ یُعْلَمُ بِہٖ بِاِعْلَامِ اللّٰہِ فَاِنَّ ثَمَّ مَنْ یَّعْلَمُہَا وَ قَدْ وَجَدْنَا ذٰلِکَ بِغَیْرِ وَاحِدٍ کَمَا رَءَیْنَا جَمَاعَۃً عَلِمُوْا اَمَتٰی یَمُوْتُوْنَ وَ عَلِمُوْا مَا فِی الْاَرْحَامِ

''حضور علیہ السلام کا فرمانا اِلَّا ھُوَ اسکے معنی یہ ہیں کہ انکو اپنے آپ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن کبھی اللہ کے بتانے سے جان لیتے ہیں کیونکہ یہاں وہ لوگ ہیں جو جانتے ہیں ہم نے متعدد کو ایسا پایا جیسے ہم نے ایک جماعت کو دیکھا وہ جان لیتے ہیں کہ کب مرینگے اور جانتے ہیں شکم کے بچہ کو۔''

یہی علامہ جلال الدین سیوطی خصائص شریف میں فرماتے ہیں۔

عَرَضَ عَلَیْہِ مَا ہُوَ کَائِنٌ فِیْ اُمَّتِہٖ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ۔

''حضور علیہ السلام پر تمام وہ چیزیں پیش کر دی گئیں جو آپ کی امت میں قیامت تک ہونیوالی ہیں۔''

علامہ بجوری شرح قصیدہ بردہ صفحہ ۷۴ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ یَخْرُجِ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْیَا اِلَّا بَعْدَ اَنْ اَعْلَمَہُ اللّٰہُ بِہٰذِہِ الْاُمُوْرِ الْخَمْسَۃِ۔

''حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر اس کے بعد کہ اللہ نے آپ کو ان پانچوں چیزوں کا علم بتا دیا۔''

جمع النہایہ میں علامہ شنوائی فرماتے ہیں۔

قَدْ وَرَدَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمْ یُخْرِجِ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَتّٰی اَطْلَعَہُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ۔

''یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے خارج نہ کیا یہاں تک کہ ہر چیز پر مطلع کر دیا۔''

یہ ہی علامہ شنوائی اسی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِیْنَ لَا یَعْلَمُ ہٰذَا الْخَمْسَ عِلْمًا لُدُنِّیًّا ذَاتِیًّا بِلَا وَاسِطَۃٍ اِلَّا اللّٰہُ فَالْعِلْمُ بِہٰذَا الصِّفَۃِ مِمَّا اخْتَصَّ اللّٰہُ بِہٖ وَاَمَّا بِوَاسِطَۃٍ فَلَا یَخْتَصُّ بِہٖ۔

''بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پانچوں باتوں کو ذاتی طور پر بلا واسطہ تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پس اسطرح کا علم خدا

سے خاص ہے لیکن علم بالواسطہ وہ خدا سے خاص نہیں۔"

فتوحات وہبیہ شرح اربعین نووی میں فاضل ابن عطیہ فرماتے ہیں۔

اَلْحَقُّ کَمَا قَالَ جَمْعٌ اَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَقِضِ نَبِیَّنَا عَلَیْہِ السَّلَامُ حَتّٰی اُطْلِعَہٗ عَلٰی کُلِّ مَا اَبْھَمَ عَنْہُ اِلَّا اَنَّہٗ اُمِرَ بِکَتْمِ بَعْضٍ وَالْاِعْلَامِ بِبَعْضٍ۔

"حق وہ ہی ہے جو ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو وفات نہ دی یہانتک کہ پوشیدہ چیزوں پر خبردار کر دیا لیکن بعض کے چھپانے اور بعض کے بتانے کا حکم دیا۔"

شاہ عبدالعزیز صاحب بستان محدثین صفحہ ۱۱۴ میں فرماتے ہیں۔

"نقل می کند کہ والد شیخ ابن حجر را فرزندمی زیست کبیدہ خاطر بحضور شیخ رسید۔ شیخ فرمود کہ از پشت تو فرزندے خواہد آمد کہ بعلم خود دنیا را پر کند۔"

"نقل ہے کہ شیخ ابن حجر کے والد کا کوئی بچہ نہ جیتا تھا۔ ملول دل ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ نے فرمایا کہ تمہاری پشت سے ایسا فرزند ہوگا کہ اپنے علم سے دنیا کو بھر دے گا۔"

یہاں تک تو علوم خمسہ کے نقلی دلائل تھے۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے۔ جس کا حوالہ ہم تحذیر الناس میں پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں کا علم دیا گیا ہے یا نہیں۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ شکم مادر میں بچہ بننے کا ذکر فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ثُمَّ یَبْعَثُ اللّٰہُ اِلَیْہِ مَلَکًا بِاَرْبَعِ کَلِمٰتٍ فَیَکْتُبُ عَمَلَہٗ وَ اَجَلَہٗ وَ رِزْقَہٗ وَ شَقِیٌّ اَوْ سَعِیْدٌ ثُمَّ یُنْفَخُ فِیْہِ الرُّوْحُ۔

"یعنی پھر رب تعالیٰ ایک فرشتے کو چار باتیں بتا کر بھیجتا ہے وہ فرشتہ لکھ جاتا ہے اسکا عمل اسکی موت اسکا رزق اور یہ کہ نیک بخت ہے یا بد بخت پھر روح پھونکی جاتی ہے۔"

یہ ہی علوم خمسہ ہیں اور تمام موجودہ اور گذشتہ لوگوں کی یہ پانچ باتیں وہ فرشتہ کاتب تقدیر جانتا ہے مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

کَتَبَ اللّٰہُ مَقَادِیْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ۔

"اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں۔"

معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں علوم خمسہ ہیں۔ تو وہ ملائکہ جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء جن کی نظر لوح محفوظ پر رہتی ہے ان کو یہ علوم خمسہ حاصل ہوئے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اولاد آدم کی روحیں سیاہ و سفید رنگ میں دکھا دی گئیں کہ سیاہ روحیں تو کافروں کی ہیں اور سفید مسلمانوں کی۔ معراج میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح دیکھا کہ ان کے داہنے جانب سفید اور بائیں جانب سیاہ رنگ کی ارواح ہیں یعنی جنتی اور دوزخی لوگ مومنوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کفار کو ملاحظہ فرما کر غمگین۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لیے

ہوئے مجمع صحابہ رضی اللہ عنہ میں تشریف لائے۔ اور داہنے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ اس میں تمام جنتی لوگوں کے نام مع ان کے قبیلے کے ناموں کے لکھے ہوئے ہیں اور دوسری کتاب میں تمام دوزخیوں کے نام مع ان کے قبائل کے ہیں اور آخر میں ان ناموں کا ٹوٹل بھی لگا دیا گیا ہے۔ کہ کل کتنے ہیں۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا۔ اَلظَّاهِرُ مِنَ الْاِشَارَاتِ اَنَّهُمَا حِسِّيَانَ وَ قِيْلَ تَمْثِيْلٌ۔ اشارہ سے یہ ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کتابیں دیکھنے میں آ رہی ہیں۔ اسی مشکوٰۃ بابِ عذاب القبر میں ہے کہ جو مردہ نکیرین کے امتحان میں کامیاب یا ناکام ہوتا ہے تو نکیرین کہتے ہیں قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ هٰذَا ہم تو پہلے ہی سے جانتے تھے تو یہ کہے گا۔ معلوم ہوا کہ نکیرین کو امتحان میت سے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کا علم ہوتا ہے۔ امتحان تو فقط پابندی قانون یا معترض کا منہ بند کرنے کو ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی صالح آدمی کی بیوی اس سے لڑتی ہے تو جنت سے حور پکارتی ہے کہ یہ تیرے پا چند دن کا مہمان ہے۔ پھر ہمارے پاس آنیوالا ہے اس سے جھگڑا نہ کر مشکوٰۃ کتاب النکاح فی عشرۃ النساء معلوم ہوا کہ حور کو بھی خبر ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے جنگ بدر میں ایک دن پہلے زمین پر نشان لگا کر فرمایا کہ یہاں فلاں کافر مرے گا اور یہاں فلاں۔ موت کی زمین کا علم ہوا۔ (مشکوٰۃ کتاب الجہاد)۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ علوم خمسہ کا علم اللہ نے بعض بندوں کو بھی دیا ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا علم ان سب کے علموں کا محیط۔ تو کس طرح ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علوم خمسہ حاصل نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ پانچ علوم عطائی حادث ہو کر خدا کی صفت نہیں۔ ورنہ کسی کو ان میں سے ایک بات کا بھی علم نہ ہوتا۔ صفت الٰہی میں شرکت نہ تو کلاً جائز ہے نہ بعضاً۔ ان دلائل کے جواب انشاء اللہ مخالف سے نہ بن سکیں گے۔

اِعتراض 17

وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۷) متشابہات آیات کی تاویل رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متشابہات آیات کا علم نہ تھا۔

جوابْ

اس آیت میں یہ کہاں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے متشابہات کا علم کسی کو دیا بھی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اپنے حبیب کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ جب رب نے سارا قرآن حضور کو سکھا دیا تو متشابہات بھی سکھا دیئے۔ اس لیے حنفی مذہب کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام متشابہات کو جانتے ہیں ورنہ ان کا نازل کرنا بیکار ہوگا۔ شافعیوں کے نزدیک علماء بھی جانتے ہیں وہ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۷) پر وقف کرتے ہیں۔ شوافع کے ہاں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ اور مضبوط علماء کے سوا کسی کو نہیں۔

فصل نمبر 2

نفی غیب کی احادیث کے بیان میں

مخالفین نفی غیب کے لیے بہت سی احادیث پیش کرتے ہیں ان سب کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے رب نے فلاں چیز کا علم نہ دیا بلکہ کسی میں ہے اَللّٰہُ اَعْلَمُ کسی میں ہے کہ مجھے کیا خبر کسی میں ہے کہ فلاں بات حضور علیہ السلام نے نہ بتائی کسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فلاں سے یہ بات پوچھی۔ اور تمام باتیں علم کی نفی ثابت نہیں کرتیں نہ بتانا یا پوچھنا یا اَللّٰہُ اَعْلَمُ فرمانا اور بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ بہت سی باتیں خدا نے بندوں کو نہ بتائیں۔ سوال کے باوجود مخفی رکھا۔ بہت سی چیزوں کے متعلق پروردگار عالم فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا اس کو بھی علم نہیں۔ ایک حدیث صحیح قطعی الدلالت ایسی لاؤ۔ جس میں عطائے علم غیب کی نفی ہو۔ مگر انشاء اللہ نہ لاسکیں گے۔ یہ جواب نہایت کافی تھا۔ مگر پھر بھی ان کی مشہور احادیث عرض کر کے جواب عرض کرتا ہوں۔ وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

اِعتراض نمبر 1

مشکوٰۃ باب اعلان النکاح کی پہلی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام ایک نکاح میں تشریف لے گئے جہاں انصار کی کچھ بچیاں دف بجا کر جنگ بدر کے مقتولین کے مرثیہ کے گیت گانے لگیں ان میں سے کسی نے یہ مصرع پڑھا۔

وَ فِیْنَا نَبِیٌّ یَّعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ۔

’’ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔‘‘

تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چھوڑ دو۔ وہ ہی گائے جاؤ جو پہلے گا رہی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا اگر ہوتا تو آپ ان کو یہ کہنے سے نہ روکتے سچی بات سے کیوں روکا۔

جوَابْ اولاً تو غور کرنا چاہیئے کہ یہ مصرع خود ان بچیوں نے تو بنایا ہی نہیں۔ کیونکہ بچیوں کو شعر بنانا نہیں آتا اور نہ کسی کافر و مشرک نے بنایا۔ کیوں کہ وہ حضور علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے تھے لامحالہ یہ کسی صحابی کا شعر ہے۔ بتاؤ وہ شعر بنانے والے صحابی معاذ اللہ مشرک ہیں یا نہیں؟ پھر حضور علیہ السلام نے نہ تو اس شعر بنانے والے کو برا کہا نہ شعر کی مذمت کی۔ بلکہ ان کو گانے سے روکا۔ کیوں روکا؟ چار وجہ سے اولاً تو یہ کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرے تو بطور انکسار کہتے ہیں ارے میاں! یہ باتیں چھوڑ و وہ ہی باتیں کرو۔ یہ بھی انکساراً فرمایا۔ دوم یہ کہ کھیل کود گانے بجانے کے درمیان نعت کے اشعار پڑھنے سے ممانعت فرمائی اس کے لیے ادب چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے کو ناپسند فرمایا۔ چوتھے یہ کہ مرثیہ کے درمیان نعت ہونا ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ آج کل نعت خوان کرتے ہیں کہ نعت و مرثیہ ملا ملا کر پڑھتے ہیں۔ مرقاۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

لِکَرَامَۃِ نِسْبَۃِ عِلْمِ الْغَیْبِ اِلَیْہِ لِاَنَّہٗ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اِنَّمَا یَعْلَمُ الرَّسُوْلُ مِنَ الْغَیْبِ مَا اَعْلَمَہٗ اَوْ

لِكَرَامَةٍ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْ اَثْنَاءِ ضَرْبِ الدَّفِّ وَ اَثْنَاءِ مَرْثِيَةِ الْقَتْلٰى لِعُلُوِّ مَنْصَبِهٖ عَنْ ذَالِكَ۔

’’منع فرمایا علم کی نسبت اپنی طرف کرنے کو۔ کیونکہ علم غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہ ہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے یا یہ ناپسند کیا کہ آپ کا ذکر دف بجانے میں یا مقتولین کے مرثیہ کے درمیان کیا جاوے کہ آپ کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے۔‘‘

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

’’گفتہ اند کہ منع آنحضرت ازیں قول بجہت آں است کہ دروے اسناد علم غیب است بہ آنحضرت را نا خوش امد وبعضے گویند کہ بجہت آں است کہ ذکر شریف وے در اثنا لہو مناسب نہ باشد‘‘۔

’’شارحین نے کہا ہے حضور علیہ السلام کا اس کو منع فرمانا اس لئے ہے کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضور ﷺ کی طرف ہے۔ لہٰذا آپ کو ناپسند آئی اور بعض نے فرمایا کہ آپ ﷺ کا ذکر شریف کھیل کود میں مناسب نہیں۔‘‘

اعتراض نمبر 2

مدینہ پاک میں انصار باغوں میں نر درخت کی شاخ مادہ درخت میں لگاتے تھے تا کہ پھل زیادہ دے اس فعل سے انصار کو حضور علیہ السلام نے منع فرمایا (اس کام کو عربی میں تلقیح کہتے ہیں) انصار نے تلقیح چھوڑ دی۔ خدا کی شان پھل گھٹ گئے اس کی شکایت سرکار دو عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ۔

’’اپنے دنیاوی معاملات تم جانتے ہو۔‘‘

معلوم ہوا کہ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ تلقیح روکنے سے پھل گھٹ جاویں گے اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا۔

جواب

حضور ﷺ کا فرمانا اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ اظہار ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو۔ جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں بھائی تو جان۔ اس سے نفی علم مقصود نہیں۔ شرح شفاء ملا علی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں۔

وَ خَصَّهُ اللّٰهُ مِنَ الْاِطِّلَاعِ عَلٰى جَمِيْعِ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَ الدِّيْنِ وَ اسْتُشْكِلَ بِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَدَ الْاَنْصَارَ يُلَقِّحُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ لَوْ تَرَكْتُمُوْهُ فَتَرَكُوْهُ فَلَمْ يَخْرُجْ شَيْئًا اَوْ خَرَجَ شِيْصًا فَقَالَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ قَالَ الشَّيْخُ السَّنُوْسِيُّ اَرَادَ اَنْ يَحْمِلَهُمْ عَلٰى خَرْقِ الْعَوَائِدِ فِيْ ذٰلِكَ اِلٰى بَابِ التَّوَكُّلِ وَ اَمَّا هُنَاكَ فَلَمْ يَمْتَثِلُوْا فَقَالَ اَنْتُمْ اَعْرَفُ بِدُنْيَاكُمْ وَلَوِ امْتَثَلُوْا وَ تَحَمَّلُوْا فِيْ سَنَةٍ اَوْ سَنَتَيْنِ لَكُفُوْا اَمْرَ هٰذِهِ الْمِحْنَةِ۔

''اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضور ﷺ نے انصار کو درختوں کی تلقیح کرتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انہوں نے چھوڑ دیا تو کچھ پھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی معاملات تم جانو۔ شیخ سنوسی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلاف عادت کام کر کے باب توکل تک پہنچا دیں۔ انہوں نے نہ مانا تو فرمادیا کہ تم جانو۔ اگر وہ جان جاتے اور دو ایک سال نقصان برداشت کر لیتے تو اس محنت سے بچ جاتے۔''

ملا علی قاری اسی شرح شفا جلد دوم صفحہ ۲۳۸ میں فرماتے ہیں۔

وَلَوْ ثَبَتُوْا عَلٰی کَلَامِہٖ اَفَا قُوْا فِی الْفَنِّ تَقَعَ عَنْهُمْ کُلْفَةُ الْمُعَالَجَةِ

''اگر وہ حضرات حضور ﷺ کے فرمان پر ثابت رہتے تو اس فن میں فوقیت لیجاتے اور ان سے اس تلقیح کی محنت دور ہو جاتی۔''

فصل الخطار میں علامہ قیصری سے نقل فرمایا:

وَلَا یَعْزُبُ عَنْ عِلْمِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَاءِ مِنْ حَیْثُ مَرْتَبَتِہٖ وَ اِنْ کَانَ یَقُوْلُ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ۔

''حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمان میں ذرہ بھر چیز بھی پوشیدہ نہیں اگرچہ آپ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشتکاری نہیں کی تھی اور نہ کاشتکاروں کی صحبت حاصل کی۔ مگر زمانہ قحط آنے سے پہلے حکم دیا کہ غلہ خوب کاشت کرو اور فرمایا۔

فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْہُ فِیْ سُنْبُلِہٖ۔ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۴۷)

''کہ جو کچھ کاٹو اس کو بالی ہی میں رہنے دو۔''

یعنی گیہوں کی حفاظت کا طریقہ سکھایا۔ آج بھی غلے کو بھوسے میں رکھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں ان کو کھیتی باڑی کا خفیہ راز کس طرح معلوم ہوا اور فرمایا۔

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ج اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۵۵)

''فرمایا مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو میں اس کا محافظ اور ہر کام جاننے والا ہوں۔''

یہ ملکی انتظامات وغیرہ کس سے سیکھے؟ تو کیا حضور علیہ السلام کی دانائی اور حضور کا علم حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی کم ہے۔ معاذ اللہ۔

اعتراض نمبر 3

ترمذی کتاب التفسیر سورہ انعام میں ہے کہ حضرت مسروق عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا یا کسی شے کو چھپایا وہ جھوٹا ہے

وَ مَنْ زَعَمَ اَنَّہٗ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْیَۃَ عَلَے اللّٰہِ۔

''اور جو کہے کہ حضور علیہ السلام کل کی بات جانتے ہیں اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔''

جواب

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ تینوں باتیں اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہیں آپ کے یہ قول اپنی رائے سے ہیں۔ اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرماتیں بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں رب تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت پیش فرمائی۔ اور اب تک جمہور اہل اسلام اس کو مانتے چلے آئے۔ دیکھو اس کی تحقیق مدارج اور نسیم الریاض وغیرہ میں ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن سورۃ والنجم میں اسی طرح صدیقہ کا فرمانا کہ حضور علیہ السلام نے کوئی چیز نہ چھپائی۔ اس سے مراد احکام شرعیہ تبلیغیہ ہیں۔ ورنہ بہت سے اسرار الٰہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا۔

مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور علیہ السلام سے دو قسم کے علوم ملے۔ ایک وہ جن کی تبلیغ کر دی۔ دوسرے وہ کہ اگر تم کو بتاؤں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسرار الٰہیہ نامحرم سے چھپائے گئے۔ اسی طرح صدیقہ کا یہ فرمان کہ کل کی بات حضور علیہ السلام نہیں جانتے تھے۔ اس سے مراد ہے بالذات نہ جاننا ورنہ صدہا احادیث اور قرآنی آیات کی مخالفت لازم آوے گی۔ حضور علیہ السلام نے قیامت کی، دجال کی، امام مہدی کی اور حوض کوثر کی شفاعت بلکہ امام حسین کی شہادت کی۔ جنگ بدر ہونے سے بیشتر کفار کے قتل کی اور جگہ قتل کی خبر دی۔ نیز صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے ظاہری معنے بھی کئے جاویں تو مخالفین کے بھی تو خلاف ہے کہ وہ بھی بہت سے غیوب کا علم مانتے ہیں اور اس میں بالکل نفی ہے۔ مجھے آج یقین ہے کہ کل پنجشنبہ ہوگا۔ سورج نکلے گا۔ رات آوے گی۔ یہ بھی کل کی بات کا علم ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے معراج جسمانی کا بھی انکار فرمایا۔ مگر یہ ہی کہا جاتا ہے کہ واقعہ معراج ان کے نکاح میں آنے سے پیشتر کا ہے۔ جواب تک ان کے علم میں نہ آیا تھا۔

اِعتراض نمبر 4

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا۔ جگہ جگہ تلاش کرایا گیا نہ ملا پھر اونٹ کے نیچے سے برآمد ہوا اگر حضور علیہ السلام کو علم تھا تو لوگوں کو اسی وقت کیوں نہ بتا دیا کہ ہار وہاں ہے۔ معلوم ہوا کہ علم نہ تھا۔

جواب

اس حدیث سے نہ بتانا معلوم ہوا نہ کہ نہ جاننا اور نہ بتانے میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں حضرات صحابہ نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ رب تعالیٰ نے نہ بتایا تو کیا خدائے پاک کو بھی علم نہیں؟ مرضی الٰہی یہ تھی، صدیقہ کا ہار گم ہو، مسلمان اس کی تلاش میں یہاں رک جاویں ظہر کا وقت آ جاوے پانی نہ ملے۔ تب حضور علیہ السلام سے عرض کیا جاوے کہ اب کیا کریں تب آیت تیمم نازل ہوئی جس سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت قیامت تک مسلمان معلوم کرلیں کہ ان کے طفیل ہم کو تیمم ملا۔ اگر اس وقت ہار بتا دیا جاتا تو آیت تیمم کیوں نازل ہوتی۔ رب کے کام اسباب سے ہوتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ جو آنکھ قیامت تک کے حالات کا مشاہدہ کرے۔ اس سے اونٹ کے نیچے چیز کس طرح مخفی رہے۔ شان محبوب علیہ السلام پہچاننے کی خدا توفیق دے۔

اِعتراض نمبر 5

مشکوٰۃ باب الحوض والشفاء میں ہے۔

لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَ يَعْرِفُوْنَنِيْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُمْ فَاَ قُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَااَحْدَ ثُوْا بَعْدَ كَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيْرِ بَعْدِيْ۔

”حوض پر ہمارے پاس کچھ قومیں آئینگی جن کو ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے ہیں۔ پھر ہمارے اور ان کے درمیان آڑ کر دی جاویگی ہم کہیں گے کہ یہ تو ہمارے لوگ ہیں تو کہا جاویگا کہ آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کیے پس فرمائیں گے۔ کہ دوری ہو دوری ہو اس کو جو میرے بعد دین بدلے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت میں بھی اپنے پرائے اور مومن و کافر کی پہچان نہ ہوگی کیونکہ آپ مرتدین کو فرمائیں گے کہ یہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ملائکہ عرض کریں گے آپ نہیں جانتے۔

جواب

حضور علیہ السلام کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا کہ ان کو آنے دو یہ تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں اور ملائکہ کا یہ عرض کرنا ان کو سنا کر غمگین کرنے کے لیے ہوگا۔ ورنہ ملائکہ نے ان کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ جہنمی کافر سے کہا جاویگا۔

ذُقْ ج لا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ۔ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۴ آیت ۴۹)

”عذاب چکھ تو، تو عزت کرم والا ہے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج کو دیکھ کر فرمایا۔ هٰذَا رَبِّيْ ج (پارہ ۷ سورۃ ٦ آیت ۷٦) یہ میرا رب ہے۔

پھر غور کی بات تو یہ ہے کہ آج تو حضور علیہ السلام اس سارے واقعہ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں اَعْرِفُهُمْ ہم ان کو پہچانتے ہیں کیا اس دن بھول جائیں گے؟ نیز قیامت کے دن مسلمانوں کی چند علامات ہوں گی۔ اعضاء وضو کا چمکنا، چہرہ نورانی ہونا يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ج (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۰٦) داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال کا ہونا۔ پیشانی پر سجدہ کا داغ ہونا۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ) اور کفار کی علامت ہوگی ان کے خلاف ہونا۔ اور ان لوگوں کو ملائکہ کا روکنا۔ ان کے ارتداد کی خاص علامت ہوگی جو آج بیان ہو رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اتنی علامات کے ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہ پہچانیں۔ نیز آج تو حضور علیہ السلام نے جنتی و جہنمی لوگوں کو خبر دے دی عشرہ مبشرہ کو بشارت دے دی۔ دو کتابیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو دکھا دیں۔ جن میں جنتی اور جہنمی لوگوں کے نام ہیں وہاں نہ پہچاننے کے کیا معنی؟ حضور علیہ السلام کو خبر نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۴۱) نیز فرماتا ہے سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (پارہ ۲٦ سورۃ ۴۸ آیت ۲۹) معلوم ہوا کہ قیامت میں نیک و بد لوگوں کی علامات چہروں پر ہوں گی۔

مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعہ میں ہے کہ جنتی مسلمان جہنمی مسلمانوں کو نکالنے کے لیے جہنم میں جائیں گے اور ان کی پیشانی کے داغ سجدہ کو دیکھ کر ان کو جل چکنے کے بعد نکالیں گے اور ان سے فرمایا جاوے گا۔

فَمَنْ وَجَدْتُّمْ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ مِّنْ خَیْرٍ فَاَخْرِجُوْہُ۔

''جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان پاؤ۔ اس کو نکال لے جاؤ۔''

دیکھو جنتی مسلمان دوزخی مسلمانوں کے دل کے ایمان کو پہچانتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس درجہ کا ایمان ہے دینار کے برابر یا ذرہ کے برابر۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چہرہ دیکھ کر علامات دیکھ کر بھی خبر نہیں ہوگی کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔

اعتراض نمبر 6

بخاری جلد اول کتاب الجنائز میں حضرت ام العلا کی روایت ہے۔

وَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ وَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مَا یُفْعَلُ بِیْ۔

''خدا کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بھی خبر نہ تھی کہ قیامت میں مجھ سے کیا معاملہ ہوگا۔

جواب

اس جگہ علم کی نفی نہیں۔ بلکہ درایۃً کی نفی ہے۔ یعنی میں اپنے اٹکل وقیاس سے نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ بلکہ اس کا تعلق وحی الٰہی سے ہے تو اے ام العلاء تم جو عثمان ابن مظعون کے جنتی ہونے کی گواہی محض قیاس سے دے رہی ہو یہ معتبر نہیں اس غیب کی خبروں میں تو انبیاء کرام بھی قیاس نہیں فرماتے۔ ورنہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ ہم اولاد آدم کے سردار ہیں اس روز لواء الحمد ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم وآدمیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہونگے ان کی مطابقت کس طرح کی جاوے گی۔

اعتراض نمبر 7

بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب حدیث افک میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں پریشان تو رہے بغیر وحی آئے ہوئے کچھ نہ فرما سکے یہ تہمت صحیح ہے یا غلط۔ اگر علم غیب ہوتا تو پریشانی کیسی؟ اور اتنے روز تک خاموشی کیوں فرمائی؟

جواب

اس میں بھی نہ بتانا ثابت ہے نہ کہ نہ جاننا۔ نہ بتانے سے نہ جاننا لازم نہیں آتا۔ خود رب نے بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ اتاریں تو کیا رب کو خبر نہ تھی نیز بخاری کی اسی حدیث میں ہے

مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ اِلَّا خَیْرًا۔

''میں اپنی بیوی کی پاکدامنی ہی جانتا ہوں۔''

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے۔ وقت سے پہلے اظہار نہیں اور یہ تو ہوسکتا ہی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ پر بدگمانی ہوئی ہو کیونکہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو عتاباً فرمایا۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا لا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ۔

(پارہ ۱۸ سورۃ ۲۴ آیت ۱۲)

”یعنی مسلمان مردوں و عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور فوراً کیوں نہ کہا کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے۔“

پتہ لگا کے نزول براءت سے پہلے ہی مسلمانوں پر نیک گمانی واجب اور بدگمانی حرام تھی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حرام سے معصوم تھے۔ تو آپ بدگمانی ہرگز نہیں فرما سکتے۔ ہاں آپ کا فوراً یہ فرمانا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ آپ پر واجب نہ تھا کیونکہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا۔ رہی پریشانی اور اتنا سکوت یہ کیوں ہوا؟ پریشانی کی وجہ معاذ اللہ لاعلمی نہیں ہے۔ اگر کسی عزت و عظمت والے کو غلط الزام لگا دیا جاوے اور وہ خود جانتا بھی ہو کہ یہ الزام غلط ہے۔ پھر بھی اپنی بدنامی کے اندیشہ سے پریشان ہوتا ہے لوگوں میں افواہ کا پھیلنا ہی پریشانی کا باعث ہوا۔ اگر آیات نزول کا انتظار نہ فرمایا جاتا۔ اور پہلے ہی عصمت کا اظہار فرمایا جاتا تو منافقین کہتے کہ اپنی اہل خانہ کی حمایت کی۔ اور مسلمانوں کو تہمت کے مسائل نہ معلوم ہوتے اور پھر مقدمات میں تحقیقات کرنے کا طریقہ نہ آتا اور صدیقہ الکبریٰ کو صبر کا وہ ثواب نہ ملتا جواب ملا اس تاخیر میں صدہا حکمتیں ہیں اور یہ تو مسئلہ عقائد کا ہے کہ نبی کی بیوی بدکار نہیں ہوسکتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ (پارہ ۱۸ سورہ ۲۴ آیت ۲۶)

”گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے ہیں۔“

اس گندگی سے مراد گندگی زنا ہے۔ یعنی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہو سکتی ہاں کافرہ ہو سکتی ہے کہ کفر سخت جرم ہے مگر گھناؤنی چیز نہیں۔ ہر شخص اس سے عار نہیں کرتا اور زنا سے ہر طبیعت نفرت اور عار کرتی ہے اسی لیے انبیاء کی بیوی کو کبھی خواب میں بھی احتلام نہیں ہوتا دیکھو مشکوٰۃ کتاب الغسل کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس پر تعجب فرمایا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ اور اسکی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں بھی ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کو عقیدہ کا یہ مسئلہ بھی معلوم نہ تھا کہ صدیقہ سید الانبیاء کی زوجہ پاک ہیں اور ان سے قصور ہو ہی نہیں سکتا۔ نیز مرضی الٰہی یہ تھی کے محبوبہ محبوب علیہ السلام کی عصمت کی گواہی ہم براہ راست دیں اور قرآن میں یہ آیات اتار کر قیامت تک کے مسلمانوں سے تمام دنیا میں ان کی پاکدامنی کے خطبے پڑھوالیں کہ نمازی نمازوں میں ان کی عفت کے گیت گایا کریں اب اگر حضور علیہ السلام خود ہی بیان فرمادیتے تو یہ خوبیاں حاصل نہ ہوتیں غرضیکہ علم تو تھا اظہار نہ تھا۔

لطف یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے تہمت لگائی۔ تو رب تعالیٰ نے ان کی صفائی خود بیان نہ فرمائی بلکہ ایک شیرخوار بچہ کے ذریعہ پاکدامنی سے پاکدامنی فرمادی۔ حضرت مریم علیہا السلام کو تہمت لگی۔ شیرخوار روح اللہ سے ان کی عصمت ظاہر کی۔ مگر محبوب علیہ السلام کی محبوبہ زوجہ کو الزام لگا تو کسی بچہ یا فرشتہ سے عصمت کی گواہی نہ دلوائی گئی بلکہ یہ گواہی خود خالق نے دی اور گواہی کو قرآن کا جزو بنایا۔ تاکہ یہ گواہی ایمان کا رکن بنے اور مخلوق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا پتہ چلے۔

تنبیہ

ایک جہل ہے ایک نسیان ایک ذہول۔ جہل نہ جاننا ہے۔ نسیان جان کر حافظہ سے نکل جانا۔ اور ذہول یہ ہے کہ کوئی چیز حافظہ میں ہو مگر ادھر توجہ نہ رہے۔ ایک شخص نے قرآن نہ پڑھا دوسرے نے حفظ کر کے بھلا دیا تیسرا شخص حافظ کامل ہے۔ اگر کوئی آیت اس سے پوچھی تو

بتا نہ سکا۔ توجہ نہ رہی۔ پہلا تو قرآن سے جاہل دوسرا ناسی، تیسرا ذاہل ہوا، انبیائے کرام کو بعض وقت کسی خاص چیز کا نسیان ہوسکتا ہے مگر بعد میں اس پر قائم نہیں رہتے۔ قرآن کریم سیدنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے فرماتا ہے۔ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (پارہ ۱۶ سورۃ ۲۰ آیت ۱۱۵) وہ بھول گئے ہم نے ان کا قصد نہ پایا۔ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کی نظر لوح محفوظ پر تھی۔ یہ تمام واقعات پیش نظر تھے۔ مگر ارادہ الٰہی کہ کچھ مدت کے لیے نسیان ہوگیا۔ قیامت میں شفیع کی تلاش میں سارے مسلمان جن میں محدثین و مفسرین فقہاء سب ہی ہیں۔ انبیاء کرام کے پاس جائیں گے کہ آپ شفاعت فرما دیں وہ شفاعت تو نہ کریں گے اور نہ ہی شفیع المذنبین کا صحیح پتہ دیں گے۔ خیال سے فرما دیں گے کہ حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس جاؤ۔ وہاں جاؤ وہاں جاؤ شاید وہ تمہاری شفاعت کریں۔ حالانکہ دنیا میں سب کا عقیدہ تھا اور ہے کہ قیامت میں شفیع المذنبین حضور عَلَیْہِ السَّلَام ہی ہیں۔ یہ ہوا ذھول کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ رہی۔ اگر حضور کسی وقت کوئی بات نہ بتائیں تو اس کی وجہ زھا (ادھر توجہ کا نہ ہونا) ہو سکتی ہے بے علمی ثابت نہ ہوگی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۳) اگر چہ آپ اس سے پہلے واقعہ یوسف عَلَیْہِ السَّلَام سے بے پرواہ تھے غافل فرمایا جاہل نہ فرمایا۔ غافل وہ کہ واقعہ علم میں ہے مگر ادھر دھیان نہیں گلستان میں فرماتے ہیں کسی نے حضرت یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام سے پوچھا۔

زمصرش بوئے پیراہن شمیدی
چرا در چاہ کنعانش ندیدی

کہ آپ نے حضرت یوسف کے کرتہ کی خوشبو مصر سے تو پائی۔ مگر کنعان کے کنویں میں رہے تو آپ معلوم نہ کر سکے جواب دیا۔

بگفت احوال ما برق جہاں است دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے برطارم اعلیٰ نشینیم! گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

فرمایا کہ ہمارا حال بجلی کی تڑپ کی طرح ہے کبھی ظاہر کبھی چھپا۔ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام کو علم تھا کہ ماہ کنعان مصر میں تجلی دے رہا ہے فرماتے ہیں۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۸۶)

"مجھے خدا کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو نہیں معلوم۔"

روح البیان پارہ بارہ زیر آیت وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۲۵) میں ہے کہ رب تعالیٰ کو اپنے پیاروں کا رونا بہت پسند ہے حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام اتنا روئے کہ نام ہی نوح عَلَیْہِ السَّلَام ہوا۔ یعنی نوحہ اور گریہ زاری کرنے والے۔ حضرت یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام کے رونے کے لیے فراق یوسف سب ظاہری تھا ورنہ ان کا رونا بلندی درجات کا سبب تھا۔ لہٰذا ان کا یہ رونا حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام سے بے خبری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اَلْمَجَازُ قُنْطَرَةُ الْحَقِيْقَةِ مثنوی میں ہے۔

عشق لیلیٰ نیست ایں کار منست حسن لیلیٰ عکس رخسار منست
خوش بیاید نالۂ شب ہائے تو ذو قہا دارم بیار بہائے تو

بنیامین کو مصر میں حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام نے ایک حیلہ سے روک لیا۔ بھائیوں نے اگر قسم کھائی اور قافلے والوں کی گواہی پیش کی کہ بنیامین مصر میں شاہی قیدی بنا لئے گئے مگر فرمایا۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ط (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۱۸)

"کہ تمہارے نفس نے تمہیں حیلہ سکھا دیا۔"

یعنی یوسف علیہ السلام کو بھی مجھ سے میری اولاد نے ہی جدا کیا اور بنیامین کو بھی، میری اولاد یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے حیلہ ہی سے روکا جس سے معلوم ہوا کہ اصل واقعہ کی خبر ہے۔ پھر بظاہر مصر میں یعقوب علیہ السلام کے دو فرزند رہ گئے تھے ایک بنیامین دوسرا یہودا مگر فرماتے ہیں۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا ط۔ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۸۳)

"قریب ہے اللہ ان تینوں کو مجھ سے ملائے۔"

تین کون تھے؟ تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی تو تھے۔ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گھر میں بند کر کے بری خواہش ظاہر کرنا چاہی تو اس بند مکان میں یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور دانت تلے انگلی دبا کر اشارہ کیا کہ ہرگز نہیں۔ اے فرزند یہ کام تمہارا نہیں ہے کہ تم نبی کے بیٹے ہو جس کو قرآن فرماتا ہے۔

وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ط (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۲۴)

"وہ بھی زلیخا کا قصد کر لیتے اگر رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔"

یہ بھی خیال رہے کہ برادران یوسف علیہ السلام نے خبر دی کہ ان کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور آپ کو قمیض اور بھیڑیئے کی خبر سے ان کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا تھا کہ بھیڑیئے نے عرض کیا تھا کہ ہم پر انبیاء کا گوشت حرام ہے، دیکھو تفسیر خازن، روح البیان سورہ یوسف۔ پھر آپ اپنے فرزند کی تلاش میں جنگل میں کیوں نہ گئے؟ معلوم ہوا کہ باخبر تھے مگر رازدار تھے جانتے تھے کہ فرزند سے مصر میں ملاقات ہو گی۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کو بہت سے موقعے ملے مگر والد کو اپنی خبر نہ دی معلوم ہوا کہ حکم کا انتظار تھا کنعان سے بیٹھے ہوئے یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں کی ایک ایک بات دیکھ لیں۔ مگر حضور علیہ السلام اپنی طیبہ طاہرہ زوجہ صدیق کی بیٹی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات سے بے خبر ہوں۔ مگر جو رب انکو اتنا علم دیتا ہے طاقت ضبط بھی دیتا ہے کہ دیکھتے ہیں مگر بے مرضی الٰہی راز فاش نہیں کرتے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ (پارہ ۸ سورۃ ۶ آیت ۱۲۴) ہماری یہ تقریر اگر خیال میں رہی تو بہت مفید ہو گی۔ انشاء اللہ۔

اعتراض نمبر 8

حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعض ازواج کے گھر شہد ملاحظہ فرمایا اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آپ کے دہن پاک سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ تو فرمایا کہ ہم نے مغافیر نہیں استعمال فرمایا شہد پیا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پر شہد حرام کر لیا۔ جس پر یہ آیت اتری لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۶ آیت ۱) معلوم ہوا کہ اپنے دہن پاک کی بو کا بھی علم نہ تھا کہ اس سے بو آ رہی ہے یا نہیں۔

جواب

اس کا جواب اسی آیت میں ہے تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ (پارہ ۲۸ سورۃ ٦٦ آیت ١) اے حضور ﷺ یہ حرام فرمانا آپ کی بے خبری سے نہیں بلکہ ان معترض ازواج کی رضا کے لیے ہے نیز اپنے منہ کی بو غیب نہیں محسوس چیز ہے ہر صحیح الدماغ محسوس کر لیتا ہے کیا دیوبندی انبیاء کے حواس کو بھی ناقص ماننے لگے ان کے حواس کی قوت کو مولانا نے بیان فرمایا۔

نطق آب ونطق خاک ونطق گل   ہست محسوس از حواس اہل دل
فلسفی گو منکر حنانہ است   از حواس اولیاء بیگانہ است!

اعتراض نمبر 9

اگر نبی ﷺ کو علم غیب تھا تو خیبر میں زہر آلود گوشت کیوں کھا لیا تھا۔ اور اگر جانتے ہوئے کھایا تو یہ خودکشی کی کوشش ہے۔ جس سے نبی معصوم ہے۔

جواب

اگر نبی ﷺ کو یہ بھی علم تھا کہ اس میں زہر ہے اور یہ بھی خبر تھی کے زہر ہم پر بحکم الٰہی اثر نہ کرے گا اور یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ کی مرضی یہ ہی تھی کہ ہم اسے کھالیں تو بوقت وفات اس کا اثر لوٹے اور ہم کو شہادت کی وفات عطا فرمائی جاوے راضی برضا تھے۔

اعتراض نمبر 10

اگر حضور علیہ السلام کو علم غیب تھا تو بیر معونہ کے منافقین دھوکے سے آپ سے ستر صحابہ کرام کیوں لے گئے؟ جنہیں وہاں لے جا کر شہید کر دیا۔ اس آفت میں انہیں حضور علیہ السلام نے کیوں پھنسایا؟

جواب

جی ہاں حضور علیہ السلام کو یہ خبر تھی کہ بیر معونہ والے منافقین ہیں اور یہ بھی خبر تھی کہ لوگ ان ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیں گے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خبر تھی کہ مرضی الٰہی یہ ہی ہے اور ان ستر کی شہادت کا وقت آ گیا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بندے کی شان ہے ابراہیم علیہ السلام تو مرضی الٰہی پا کر فرزند پر چھری لے کر تیار ہو گئے کیا یہ بے گناہ پر ظلم تھا؟ نہیں بلکہ رضائے مولیٰ پر رضا تھی۔ اچھا بتاؤ رب تعالیٰ کو تو خبر تھی کہ گوشت میں زہر ہے اور بیر معونہ والے ان ستر کو شہید کر دیں گے۔ اس نے وحی بھیج کر کیوں نہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

فصل نمبر 3

علم غیب کے خلاف عبارات فقہاء کے بیان میں

اعتراض نمبر 1

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

رَجُلٌ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ شُهُوْدٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالْمَرْءَةُ خداورسول را گواہ کریم قَالُوْا يَكُوْنُ كُفْرًا لِاَنَّهٗ اِعْتَقَدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَهُوَ مَا كَانَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ حِيْنَ كَانَ فِي الْحَيٰوةِ فَكَيْفَ بَعْدَ الْمَوْتِ۔

”کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو مرد اور عورت نے کہا کہ ہم نے خدا اور رسول کو گواہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ قول کفر ہے کیونکہ اس نے اعتقاد کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام علم غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ تو غیب زندگی میں بھی نہ جانتے تھے چہ جائیکہ موت کے بعد۔“

اعتراض نمبر 2

شرح فقہ اکبر ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وَذَكَرَ الْحَنَفِيَّةُ تَصْرِيْحًا بِالتَّكْفِيْرِ بِاعْتِقَادِ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَاوَضَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔

”حنفیوں نے صراحۃً ذکر کیا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے کفر ہے کیونکہ یہ عقیدہ خدا پاک کے اس فرمان کے خلاف ہے کہ فرمادو آسمانوں اور زمین کا غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو عالم غیب ماننا کفر ہے۔

جواب

ان دونوں عبارتوں کا اجمالی اور الزامی جواب تو یہ ہے کہ مخالفین بھی حضور علیہ السلام کو بعض علم غیب مانتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی کافر ہوئے کیونکہ ان عبارتوں میں کل یا بعض کا ذکر تو نہیں بلکہ یہ ہے کہ جو بھی حضور علیہ السلام کو عالم غیب مانے وہ کافر ہے۔ خواہ ایک کا مانے یا زیادہ کا۔ تو وہ بھی خیر منائیں مولوی اشرف علی تھانوی نے حفظ الایمان میں بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بعض عالم غیب مانا ہے۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے براہین قاطعہ میں شیطان اور ملک الموت کو وسیع عالم غیب مانا۔ مولوی قاسم صاحب نے تحذیر الناس میں کمال ہی کر دیا کہ ساری مخلوقات سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ مانا اب ان تینوں صاحبوں پر کیا حکم لگایا جاوے گا۔ تفصیلی جواب یہ ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں ہے قالوا لوگوں نے کہا اور قاضی خان وغیرہ فقہاء کی عادت یہ ہے کہ وہ قالوا وہاں بولتے ہیں جہاں ان کو یہ قول پسند نہ ہو۔ شامی جلد پنجم صفحہ ۴۴۵ میں ہے۔

لَفْظَةُ قَالُوْا تُذْكَرُ فِيْمَا فِيْهِ خِلَافٌ۔

”لفظ قالوا وہاں بولا جاتا ہے جہاں اختلاف ہو۔“

غنیۃ المصلی شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں ہے:

كَلَامُ قَاضِيْ خَانْ يُشِيْرُ اِلٰى عَدَمِ اِخْتِيَارِهٖ لَهٗ حَيْثُ قَالَ قَالُوْا لَا يُصَلّٰى عَلَيْهِ فِي الْقَعْدَةِ الْاَخِيْرَةِ فَفِيْ قَوْلِهٖ قَالُوْا اِشَارَةٌ اِلٰى عَدَمِ اِسْتِحْسَانِهٖ لَهٗ وَاِلٰى اَنَّهٗ غَيْرُ مَرْوِيٍّ عَنِ الْاَئِمَّةِ كَمَا قُلْنَاهُ فَاِنَّ ذٰلِكَ مُتَعَارَفٌ فِيْ

عِبَارَاتِهِمْ لِمَنِ اسْتَقْرَاهَا۔

''قاضی خان کا کلام ان کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا قالوا الخ ان کے قالوا کہنے میں اشارہ ادھر ہے کہ یہ قول پسندیدہ نہیں اور یہ اماموں سے مروی نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا کیونکہ یہ فقہاء کی عبارات میں شائع ہے اس کو معلوم ہے جو ان کی تلاش کرے۔''

درمختار کتاب النکاح میں ہے:

تَزَوَّجَ رَجُلٌ بِشَهَادَةِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لَمْ يَجُزْ بَلْ قِيْلَ يَكْفُرُ۔

''ایک شخص نے نکاح کیا اللہ اور رسول کی گواہی سے تو نہیں جائز ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ کافر ہو جاوے گا۔''

اس عبارت کے ماتحت شامی نے تاتارخانیہ سے نقل کیا ہے۔

وَ فِي الْحُجَّةِ ذُكِرَ فِي الْمُلْتَقَطِ لَا يَكْفُرُ لِاَنَّ الْاَشْيَاءَ تُعْرَضُ عَلٰى رُوْحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ اَنَّ الرُّسُلَ يَعْرِفُوْنَ بَعْضَ الْغَيْبِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ قُلْتُ بَلْ ذَكَرُوْا فِيْ كُتُبِ الْعَقَائِدِ اَنَّ مِنْ جُمْلَةِ كَرَامَاتِ الْاَوْلِيَاءِ وَ الْاِطِّلَاعُ عَلٰى بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ۔

''ملتقط میں ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ تمام چیزیں حضورح کی روح پر پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب جانتے ہیں رب نے فرمایا ہے کہ پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب پر کسی کو سوائے پسندیدہ رسول کے میں کہتا ہوں کہ کتب عقائد میں ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات میں سے بعض غیبوں پر مطلع ہونا بھی ہے۔''

شامی المرتدین میں مسئلہ بزازیہ ذکر فرما کر فرمایا۔

حَاصِلُهٗ اَنَّ دَعْوَى الْغَيْبِ مُعَارَضَةٌ لِنَصِّ الْقُرْاٰنِ يَكْفُرُ بِهَا اِلَّا اِذَا اَسْنَدَ ذٰلِكَ صَرِيْحًا اَوْ دَلَالَةً اِلٰى سَبَبٍ كَوَحْيٍ اَوْ اِلْهَامٍ۔

''اس کا خلاصہ یہ ہے دعویٰ علم غیب نص قرآنی کے خلاف ہے کہ اس سے کافر ہوگا مگر جبکہ اس کو صراحۃً یا دلالۃً کسی سبب کی طرف نسبت کر دے جیسے کہ وحی یا الہام۔''

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق اور خزانۃ الروات میں ہے۔

وَ فِي الْمُضْمَرَاتِ وَ الصَّحِيْحُ اَنَّهٗ لَا يَكْفُرُ لِاَنَّ الْاَنْبِيَاءَ يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ وَ يُعْرَضُ عَلَيْهِمُ الْاَشْيَاءُ فَلَا يَكُوْنُ كُفْرًا

''مضمرات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا کیونکہ انبیاء کرام غیب جانتے ہیں اور ان پر چیزیں پیش کی جاتی ہیں پس یہ کفر نہ ہوگا۔''

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عقیدہ علم غیب پر فتویٰ کفر لگانا غلط ہے بلکہ فقہاء کا بھی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا۔

ملا علی قاری کی عبارت پوری نقل نہیں کی اصل عبارت یہ ہے جو مطلب واضح کرتی ہے۔

ثُمَّ اِعْلَمْ اَنَّ الْاَنْبِیَآءَ لَمْ یَعْلَمُوْا الْمُغِیْبَاتِ مِنَ الْاَشْیَآءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ ذَكَرَ الْحَنَفِیَةُ تَصْرِیْحًا بِالتَّكْفِیْرِ الخ

''پھر جانو کہ انبیاء کرام غیب چیزوں کو نہیں جانتے سوائے اس کے جو انکو اللہ نے بتا دیں اور حنفیوں نے کفر کی تصریح کی جو نبی علیہ السلام کو علم غیب جانے الخ۔''

اب پورا مطلب معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کو علم غیب ذاتی ماننے کو ملا علی قاری کفر فرما رہے ہیں نہ کہ عطائی کیونکہ عطائی کو تو مان رہے ہیں اور پھر ان کی عبارتیں ہم ثبوت علم غیب میں پیش کر چکے ہیں کہ ملا علی قاری حضور علیہ السلام کو تمام ما کان و ما یکون کا علم مانتے ہیں۔

فصل نمبر 4

علم غیب پر عقلی اعتراضات کے بیان میں

اعتراض نمبر 1

علم غیب خدا کی صفت ہے اس میں کسی کو شریک کرنا شرک فی الصفت ہے لہٰذا حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا شرک ہے۔

جواب

غیب جاننا بھی خدا کی صفت ہے حاضر چیزوں کا جاننا بھی خدا کی صفت ہے۔ عَالِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ اسی طرح سننا دیکھنا زندہ ہونا سب خدا کی صفات ہیں۔ تو اگر کسی کو حاضر چیز کا علم ماننا یا کسی کو سمیع یا بصیر یا حی ماننا ہر طرح شرک ہوا۔ فرق یہ ہی کہا جاتا ہے کہ ہمارا سننا دیکھنا زندہ رہنا خدا کے دینے سے ہے اور حادث ہے خدا کی یہ صفات ذاتی اور قدیم پھر شرک کیسا؟ اسی طرح علم غیب نبی عطائی اور حادث اور متناہی ہے رب کا علم ذاتی قدیم اور کل معلومات غیر متناہیہ کا ہے نیز یہ کہ شرک تو تم پر بھی لازم ہے۔ کیونکہ تم حضور علیہ السلام کے لیے علم غیب مانتے ہو بعض ہی کا سہی۔ اور خدا کی صفت میں کلاً و بعضاً ہر طرح شریک کرنا شرک ہے نیز مولوی حسین علی صاحب واں بھچر والے جو مولوی رشید احمد صاحب کے خاص شاگرد ہیں اپنی کتاب بلغتہ الحیران زیر آیت یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ط كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۶) میں لکھتے ہیں کہ خدا کو ہر وقت مخلوقات کے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ بندے جب اعمال کر لیتے ہیں۔ تب علم ہوتا ہے۔ اب تو علم غیب خدا کی صفت رہی ہی نہیں۔ پھر کسی کو علم غیب ماننا شرک کیوں ہوگا۔

اعتراض نمبر 2

حضور علیہ السلام کو علم غیب کب حاصل ہوا تم کبھی تو کہتے ہو کہ شب معراج میں قطرہ ٹپکایا گیا اس سے علم غیب ملا اور کبھی کہتے ہو کہ خواب میں رب کو دیکھا کہ اس نے اپنا دست قدرت حضور علیہ السلام کے شانے پر رکھا۔ جس سے تمام علوم حاصل ہوئے کبھی کہتے ہو کہ قرآن تمام چیزوں کا بیان ہے۔ اس کے نزول ختم ہونے سے علم غیب ملا۔ اس میں کونسی بات درست ہے۔ اگر نزول قرآن سے پہلے علم مل چکا تھا تو قرآن سے کیا ملا۔ تحصیل حاصل محال ہے۔

جواب

حضور علیہ السلام کو نفس علم غیب تو ولادت سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ آپ ولادت سے قبل عالم ارواح میں نبی تھے۔ کُنْتَ نَبِیًّا وَ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ اور نبی کہتے ہی اس کو ہیں جو غیب کی خبر رکھے مگر ما کان و ما یکون کی تکمیل شب معراج میں ہوئی۔ لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیاء کو نظر سے مشاہدہ فرمایا۔ پھر قرآن نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا اس لیے قرآن میں ہے۔ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۶ آیت ۸۹) ہر چیز کا بیان اور معراج میں ہوا فَتَجَلّٰی لِیْ کُلَّ شَیْءٍ وَ عَرَفْتُ دیکھنا اور ہے بیان کچھ اور۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر ان کو تمام چیزیں دکھا دیں۔ بعد میں ان کے نام بتائے۔ وہ مشاہدہ تھا اور یہ بیان اگر چیز دیکھائی نہ گئی تھیں تو ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۳۱) کے کیا معنے ہوں گے۔ یعنی پھر ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش فرمایا لہٰذا دونوں قول صحیح ہیں کہ معراج میں بھی علم ہوا اور قرآن سے بھی۔ اگر کہا جاوے کہ پھر نزول قرآن سے کیا فائدہ سب باتیں تو پہلے ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھیں بتائی جاتی ہے نا معلوم چیز۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن صرف حضور علیہ السلام کے علم کے لیے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے ہزار رہا دیگر فائدے ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ اس کی تلاوت وغیرہ نہ ہوگی اگر نزول قرآن حضور علیہ السلام کے علم کے لیے ہے تو بعض سورتیں دوبارہ کیوں نازل ہوئیں۔

تفسیر مدارک میں ہے:

> فَاتِحَةُ الْکِتَابِ مَکِّیَّةٌ وَ قِیْلَ مَدَنِیَّةٌ وَ الْاَصَحُّ اَنَّهَا مَکِّیَّةٌ وَ مَدَنِیَّةٌ نَزَلَتْ بِمَکَّةَ ثُمَّ نَزَلَتْ بِالْمَدِیْنَةِ۔
>
> ”سورہ فاتحہ مکی ہے اور کہا گیا ہے کہ مدنی ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ یہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی اولاً مکہ میں نازل ہوئی پھر مدینہ میں۔“

مشکوٰۃ حدیث معراج میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو شب معراج میں پانچ نمازیں اور سورۃ بقر کی آخری آیات عطا ہوئیں۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے سوال کیا کہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی اور سورہ بقر مدنی ہے۔ پر اس کی آخری آیات معراج میں کیسے عطا ہوئیں؟ تو جواب دیتے ہیں۔

> حَاصِلُهٗ اَنَّهٗ وَقَعَ تَکْرَارُ الْوَحْیِ فِیْهِ تَعْظِیْمًا لَّهٗ وَ اِهْتِمَامًا لِّشَانِهٖ فَاَوْحَی اللّٰهُ اِلَیْهِ فِیْ تِلْكَ اللَّیْلَةِ بِلَا وَاسِطَةِ جِبْرِیْلَ۔
>
> ”خلاصہ یہ ہے کہ اس میں وحی مکرر ہوئی حضور علیہ السلام کی تعظیم اور آپکے اہتمام شان کے لیے۔ پس اللہ نے اس رات بغیر واسطہ جبریل وحی فرمادی۔“

اسی حدیث کے ماتحت لمعات میں ہے:

> نَزَلَتْ عَلَیْهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةَ الْمِعْرَاجِ بِلَا وَاسِطَةٍ ثُمَّ نَزَلَ بِهَا جِبْرِیْلُ فَاُثْبِتَ فِی الْمَصَاحِفِ۔
>
> ”شب معراج میں یہ آیات بغیر واسطہ کے اتریں پھر ان کو جبریل نے اتارا تو قرآن میں رکھی گئیں۔“

بتاؤ کے دوبار نزول کس لیے ہوا؟ پھر حضور علیہ السلام کو تو پہلے نزول سے علم حاصل ہو چکا تھا۔ نیز ہر سال ماہ رمضان میں جبریل امین حضور

علیہ السلام کو سارا قرآن سناتے تھے۔ مقدمہ نورالانوار تعریف کتاب میں ہے لِاَنَّهٗ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دُفْعَةً وَّاحِدَةً فِيْ كُلِّ شَهْرِ رَمَضَانَ جُمْلَةً بتاؤ یہ نزول کیوں تھا؟ بلکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو تمام آسمانی کتابوں کا پورا علم تھا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔

(پارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۱۵)

”یعنی اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے وہ رسول آگئے جو تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی کتاب کو ظاہر فرماتے ہیں اور بہت سے درگزر فرماتے ہیں۔“

اگر حضور علیہ السلام کے علم میں ساری کتب آسمانی نہیں تو ان کا ظاہر فرمانا یا نہ فرمانا کیا معنے حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اول ہی سے قرآن کے عارف تھے۔ مگر قرآنی احکام نزول سے قبل جاری نہ فرمائے اسی لئے بخاری کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے غار حرا میں پہلی بار آکر عرض کیا اِقْرَاْ آپ پڑھیے یہ نہ عرض کیا کہ فلاں آیت پڑھیے، اور پڑھو اسی سے کہتے ہیں جو جانتا ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ میں نہیں پڑھنے والا میں تو پڑھانے والا ہوں پڑھ تو پہلے ہی لیا ہے لوح محفوظ میں قرآن ہے اور حضور علیہ السلام میں پہلے ہی سے ہے۔ آپ ولادت سے پہلے نبی صاحب قرآن ہیں بغیر وحی کے نبوت کیسی؟ لہٰذا یہ ماننا ہوگا قبل ولادت ہی قرآن کے عارف ہیں آج بھی بعض بچے حافظ پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۳۰) رب نے مجھے کتاب دی۔ معلوم ہوا کہ ابھی سے کتاب کو جانتے ہیں بعض پیغمبروں کے لیے فرمایا اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۲) ہم نے انہیں بچپن ہی سے علم وحکمت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے امت کی شفاعت کی۔ حالانکہ سجدہ اور شفاعت حکم قرآنی ہے۔ حضور غوث پاک نے ماہ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ یہ بھی حکم قرآنی ہے۔ نورالانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے۔ یعنی اِنَّ الْعَمَلَ بِالْقُرْاٰنِ كَانَ جِبِلَّةً لَّهٗ مِنْ غَيْرِ تَكَلُّفٍ معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا حضور علیہ السلام کی پیدائشی عادت ہے ہمیشہ حلیمہ دائی کا ایک پستان پاک چوسا دوسرا بھائی کے لیے چھوڑا۔ یہ عدل وانصاف بھی قرآنی حکم ہے اگر ابتداء سے قرآن کے عارف نہیں تو یہ عمل کیسے فرما رہے ہیں۔ دیوبندیوں کا ایک مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیتوں کے عموم سے لازم آتا ہے کہ حضور کا علم رب کے برابر ہو۔ مگر ان آیتوں میں قیامت تک کی قید لگاتے ہو مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں نہ تو قیامت کی قید ہے نہ ما کان وما یکون کا ذکر۔ اور ایک دفعہ خاص ہونے سے آئندہ خصوص کا دروازہ کھل جاتا ہے دیکھو کتب اصول۔ لہٰذا ہم ان آیتوں میں احکام شرعیہ کی قید لگاتے ہیں یعنی اس سے صرف شرعی احکام مراد ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں آیت میں تخصیص نہیں بلکہ عقلی استثنا ہے کیونکہ رب کا علم غیر متناہی ہے مخلوق کا دماغ غیر متناہی علوم نہیں لے سکتا۔ برہان تسلسل وغیرہ سے لہٰذا متناہی ہوگا۔ احادیث سے پتہ لگا کہ قیامت تک کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اسی لئے یہ دعویٰ کیا گیا، استثنا کا اور حکم ہے اور تخصیص کا حکم دوسرا۔ دیکھو اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ سے بچے دیوانے حائضہ خارج ہیں یہ تخصیص نہیں بلکہ استثنا ہے۔

فقیر نے یہ مختصر سی تقریر علم غیب کے متعلق کر دی۔ اس کی زیادہ تحقیق کرنا ہو تو رسالہ مبارکہ الکلمۃ العلیاء کا مطالعہ کرو۔ جو کچھ میں نے کہا یہ

اس بحر کی ایک لہر ہے چونکہ مجھے اور مسائل پر بھی گفتگو کرنا ہے لہٰذا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

حاضر و ناظر کی بحث

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ

حاضر و ناظر کی لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق میں

حاضر کے لغوی معنی ہیں سامنے موجود ہونا یعنی غائب نہ ہونا المصباح المنیر میں ہے حاضر

حَضَرْتُ مَجْلِسِ الْقَاضِیْ وَ حَضَرَ الْغَائِبُ حُضُوْرٌ اَقْدِمَ مِنْ غَیْبَتِہٖ

منتہی الارب میں ہے حاضر حاضر شوندہ۔ ناظر کے چند معنے ہیں دیکھنے والا، آنکھ کا تل، نظر، ناک کی رگ، آنکھ کا پانی۔

المصباح المنیر میں ہے: وَالنَّاظِرُ السَّوَادُ الْاَصْغَرُ مِنَ الْعَیْنِ الَّذِیْ یُبْصُرُ بِہِ الْاِنْسَانُ شَخْصِہٖ۔

قاموس اللغات میں ہے وَالنَّاظِرُ السَّوَادُ فِی الْعَیْنِ اَوِالْبَصَرُ بِنَفْسِہٖ وَعِرْقٌ فِی الْاَنْفِ وَفِیْہِ مَاءُ الْبَصَرِ

مختار الصحاح میں ابن ابی بکر رازی کہتے ہیں: اَلنَّاظِرُ فِی الْمُقْلَۃِ السَّوَادُ الْاَصْغَرُ الَّذِیْ فِیْہِ الْمَاءُ الْعَیْنِ۔

جہاں تک ہماری نظر کام کرے وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جس جگہ تک ہماری دسترس ہو کہ تصرف کرلیں وہاں تک ہم حاضر ہیں آسمان تک نظر کام کرتی ہے وہاں تک ہم ناظر ہیں یعنی دیکھنے والے ہیں مگر وہاں ہم حاضر نہیں کیونکہ وہاں دسترس نہیں۔ اور جس حجرے یا گھر میں ہم موجود ہیں وہاں ہم حاضر ہیں کہ اس جگہ ہماری پہنچ ہے۔ عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دور و قریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے۔ یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے۔ ان سب معنی کا ثبوت بزرگان دین کے لیے قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ہے۔

بابُ نمبر 1

حاضر وناظر کے ثبوت میں، اس میں پانچ فصلیں ہیں۔

فصل نمبر 1

آیات قرانیہ سے ثبوت

(۱) یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔

(پارہ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۴۵، ۴۶)

اے غیب کی خبریں بتانے والے بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈرسناتا اور اللہ کی طرف اسکے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب

شاہد کے معنی گواہ بھی ہوسکتے ہیں اور حاضر وناظر بھی، گواہ کو شاہد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ موقعہ پر حاضر تھا۔ حضور علیہ السلام کو شاہد یا تو اس لیے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کی دیکھ کر گواہی دے رہیں ورنہ سارے انبیاء گواہ تھے یا اس لیے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی عینی گواہی دیں گے یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح آپ کا مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کئے مگر سن کر، حضور علیہ السلام نے دیکھ کر۔ اسی لیے معراج صرف حضور کو ہوئی۔ سراج منیر آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے گھر گھر موجود آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر وناظر ہونا ثابت ہے۔

(۲) وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ یَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ط

(پارہ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۴۳)

"اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔"

(۳) فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا (پارہ۵ سورۃ ۴ آیت ۴۱)

"تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تم کو ان سب پر گواہ ونگہبان بنا کر لائیں۔"

ن آیتوں میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے ے احکام نہ پہنچائے تھے۔ انبیائے کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیئے تھے اور اپنی گواہی کے لیے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو ش کریں گے۔ ان کی گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا۔ تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے م سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جاویگی۔ آپ گواہیاں دیں گے ایک تو یہ کہ نبیوں نے تبلیغ کی۔ دوسری یہ کہ یری امت والے قابل گواہی ہیں۔ بس مقدمہ ختم انبیائے کرام کے حق میں ڈگری۔ اگر حضور علیہ السلام نے گذشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ نی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہ فرمایا تھا تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی؟ جیسی کے امت کی گواہی پر جرح

ہوئی تھی معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی اس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔ اس آیت کی تحقیق ہم بحث علم غیب میں بھی کر چکے ہیں۔

(۴) لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ۔ (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۲۸)

"بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔"

اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے ایک یہ کہ جَآءَ کُمْ میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور علیہ السلام تشریف لائے جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں تو حضور علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں دوم یہ کہ فرمایا گیا مِنْ اَنْفُسِکُمْ تمہاری نفسوں میں سے ہیں یعنی ان کا آنا تم میں ایسا ہے جیسے جان کا قالب میں آنا کہ قالب کی رگ رگ اور رونگٹے رونگٹے میں موجود اور ہر ایک سے خبردار رہتی ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر فعل سے خبردار ہیں۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظر یوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں وہ لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے!

اگر آیت کے صرف یہ معنی ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان ہیں تو مِنْکُمْ کافی تھا مِنْ اَنْفُسِکُمْ کیوں ارشاد ہوا؟ تیسرے یہ کہ فرمایا گیا عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہماری راحت و تکلیف کی ہر وقت حضور کو خبر ہے تب ہی تو ہماری تکلیف سے قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے ورنہ اگر ہماری خبر ہی نہ ہو تو تکلیف کیسی؟ یہ کلمہ بھی حقیقت میں اَنْفُسِکُمْ کا بیان ہے کہ جس طرح جسم کے کسی عضو کو دکھ ہو تو روح کو تکلیف اسی طرح تم کو دکھ درد ہو تو آقا کو گرانی اس کرم کے قربان۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(۵) وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔ (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۶۴)

"اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں کی بخشش کی سبیل صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت مانگیں۔ اور حضور کرم کریمانہ سے شفاعت فرمادیں۔ اور یہ تو مطلب ہو سکتا نہیں کہ مدینہ پاک میں حاضر ہوں۔ ورنہ پھر ہم فقیر پردیسی گنہگاروں کی مغفرت کی کیا سبیل ہوگی۔ اور مالدار بھی عمر میں ایک دوبار ہی پہنچتے ہیں اور گناہ دن رات کرتے ہیں۔ لہٰذا تکلیف مَا فَوْقَ الطَّاقَۃِ ہوگی لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ وہ تو تمہارے پاس موجود ہیں تم غائب ہو تم بھی حاضر ہو جاؤ کہ ادھر متوجہ ہو جاؤ۔

یار نزدیک تر از من بمن است دین عجب ہیں کہ من ازوئے دورم

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہیں۔

(۶) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۱۰۷)

''اور ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔''

پھر فرماتا ہے:

(۷) وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۵۶)

''اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔''

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اور رحمت جہانوں کو محیط۔ لہٰذا حضور علیہ السلام جہانوں کو محیط' خیال رہے کہ رب کی شان ہے رب العلمین۔ حبیب کی شان ہے رحمۃ للعلمین معلوم ہوا کہ اللہ جس کا رب ہے۔ حضور علیہ السلام اس کے لیے رحمت۔

(۸) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ (پارہ ۹ سورۃ ۸ آیت ۳۳)

''اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔''

یعنی عذاب الٰہی اس لیے نہیں آتا کہ ان میں آپ موجود ہیں اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ بھی نہ آوے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک ہر جگہ موجود ہیں۔ بلکہ روح البیان میں فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سعید وشقی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کا ذکر تیسری فصل میں آتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۹) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ط (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۷)

''جان لو کہ تم سب میں رسول اللہ تشریف فرما ہیں۔''

یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے خطاب ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تو مختلف جگہ رہتے تھے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب جگہ انکے پاس ہیں۔

(۱۰) وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۷۵)

''اور اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب نے تمام عالم بچشم سر ملاحظہ کرادیا۔ حضور علیہ السلام کا درجہ ان سے اعلیٰ ہے لہٰذا ضروری ہے کہ آپ نے بھی عالم کو مشاہدہ فرمایا ہو۔ اس آیت کی تحقیق بحث علم غیب میں گزر گئی۔

(۱۱) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (پارہ ۳۰ سورہ ۱۰۵ آیت ۱)

''اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔''

(۱۲) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۔ (پارہ ۳۰ سورہ ۸۹ آیت ۶)

''کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے قوم عاد کیساتھ کیا کیا۔''

قوم عاد اور اصحاب فیل کا واقعہ ولادت پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے اَلَمْ تَرَ کیا آپ نے نہ دیکھا یعنی دیکھا ہے اگر کوئی کہے کہ قرآن کریم کفار کے بارے میں فرماتا ہے۔

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ قَرْنٍ۔ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت ۶)

''کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں۔''

کفار نے اپنے سے پہلے کفار کو ہلاک ہوتے نہ دیکھا تھا۔ مگر فرمایا گیا کہ کیا نہ دیکھا انہوں نے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کفار کے اجڑے ہوئے ملک اور تباہ شدہ مکانات کا دیکھنا مراد ہے اور چونکہ کفار مکہ اپنے سفروں میں ان مقامات سے گزرتے تھے اس لیے فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو ظاہر میں دنیا کی سیاحت فرمائی اور نہ قوم عاد وغیرہ کے اجڑے ہوئے ملکوں کو بظاہر دیکھا۔ اس لیے ماننا ہوگا کہ یہاں نور نبوت سے دیکھنا مراد ہے۔

(۱۱) قرآن کریم جگہ جگہ اِذْ فرماتا ہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۳۰) جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۶۷) جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا وغیرہ وغیرہ اس جگہ مفسرین محذوف نکالتے ہیں اُذْکُرْ یعنی اس واقعہ کو یاد کرو۔ اور یاد وہ چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے سے دیکھی بھالی ہو ادھر توجہ نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گذشتہ واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھے ہوئے ہیں۔ روح البیان نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سارے واقعات حضور علیہ السلام مشاہدہ فرما رہے تھے اس کا ذکر آگے آتا ہے اگر کوئی کہے کہ بنی اسرائیل سے بھی خطاب ہے وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۴۹) اس وقت کو یاد کرو جبکہ ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی تھی۔ حضور علی علیہ السلام کے زمانہ کے یہودی اس زمانہ میں کہاں تھے مگر مفسرین یہاں بھی اُذْکُرُوْا محذوف نکالتے ہیں۔ جواب دیا جاویگا کہ بنی اسرائیل کو تاریخی واقعات معلوم تھے۔ کتب تواریخ پڑھی تھیں۔ اس طرف انکو متوجہ کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے نہ کسی سے پڑھا نہ کتب تاریخ کا مطالعہ فرمایا نہ کسی مورخ کی صحبت میں رہے نہ تعلیم یافتہ قوم میں پرورش پائی اب آپ کو بجز نور نبوت علم کا ذریعہ کیا تھا۔

(۱۲) اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۳ آیت ۶)

''نبی مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہے۔''

مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اولیٰ کے معنی قریب تر ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوئے نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام ہیں اور زیادہ قریب چیز بھی چھپی رہتی ہے اور اسی زیادتی قرب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

تنبیہ

اس جگہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم مقلد ہو اور مقلد کو آیات یا احادیث سے دلیل لینا جائز نہیں وہ تو قول امام پیش کرے۔ لہٰذا تم صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی پیش کر سکتے ہو اس کا جواب چند طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ آپ خود حاضر و ناظر نہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس بارے میں امام صاحب کا قول پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ ہم تقلید کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ مسئلہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ بلکہ مسائل فقہیہ اجتہادیہ میں ہوتی ہے یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے۔ تیسرے یہ کہ صریح آیات و احادیث سے مقلد بھی استدلال کر سکتا ہے۔ ہاں ان سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا طحاوی میں ہے۔

وَ مَا فُهِمَ الْاِحْكَامُ مِنْ نَحْوِ الظَّاهِرِ وَ النَّصِّ وَ الْمُفَسِّرِ فَلَيْسَ مُخْتَصًّابِهٖ (اَیْ بِالْمُجْتَهِدْ) بَلْ يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْعُلَمَآءُ و الْاَعَمُّ۔

’’جو احکام ظاہر نص ومفسر سے سمجھے جاویں وہ مجتہد خاص نہیں بلکہ اس پر علماء قادر ہیں۔‘‘

مسلم الثبوت میں ہے:

وَاَيْضًا شَاعَ وَ ذَاعَ اِحْتِجَاجُهُمْ سَلَفًا وَ خَلَفًا بِالْعُمُوْمَاتِ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ۔

’’نیز عام آیات سے دلیل پکڑنا خلف وسلف میں بغیر کسی انکار کے شائع ہے۔‘‘

قرآن بھی فرماتا ہے فَا سْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۶ آیت ۴۳) اگر تم نہ جانتے ہو تو ذکر والوں سے پوچھو۔ اجتہادی مسائل ہم بھی نہیں جانتے ان میں آئمہ کی تقلید کرتے ہیں اور صریح آیات کا ترجمہ جانتے ہیں اس میں تقلید نہیں۔ چوتھے یہ کہ مسئلہ حاضر وناظر پر فقہاء، محدثین اور مفسرین کے اقوال بھی آئندہ فصلوں میں آرہے ہیں دیکھو غور کرو کہ حاضر وناظر کا عقیدہ سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

فصل نمبر 2

حاضر وناظر کی احادیث کے بیان میں

اس میں تمام احادیث وہ احادیث پیش کی جاویں گی جو مسئلہ علم غیب میں گزر چکی ہیں۔ خصوصاً حدیث نمبر ۶، ۷، ۱۸ اور ۱۹ جن کا مضمون یہ ہے کہ ہم تمام عالم کو مثل کف دست دیکھ رہے ہیں۔ ہم پر ہماری امت اپنی صورتوں میں پیش ہوئی اور ہم ان کے نام ان کے باپ دادوں کے نام ان کے گھوڑوں کے رنگ جانتے ہیں وغیرہ وغیرہ اسی طرح ان کی شرح میں محدثین کے اقوال گزر چکے ہیں وہ پیش کیے جائیں گے۔ خصوصاً مرقاۃ، زرقانی وغیرہ کی عبارتیں انکے علاوہ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے۔ حسب ذیل احادیث بھی پیش کی جاویں گی۔

(۱) فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ الْمُحَمَّدِ۔

’’نکیرین میت سے پوچھتے ہیں کہ تم انکے (محمد رسول اللہ) کے بارے میں کیا کہتے تھے۔‘‘

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے یعنی ہذا الرجل کہ می گویند آنحضرت رامی خواہند۔ ہذا الرجل سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اشعۃ اللمعات میں یہی حدیث ہے یا با حضار ذات شریف دے درعیانے بہ ایں طریق کہ در قبر مثالے دے علیہ السلام حاضر ساختہ باشد دور دریں جا بشارتے است عظیم مرمشتان غمزدہ راہ کہ گر برامید ایں شادی جاں دہندہ وزندہ در گور روند جائے دارد یا قبر میں ظاہر ظہور آپکی ذات شریف کو حاضر کرتے ہیں اس طرح کہ قبر میں حضور علیہ السلام کا وجود مثالی موجود کر دیتے ہیں اور اس جگہ مشتاقان غمزہ کو بڑی خوشخبری ہے کہ اگر اس شادی کی امید پر جان دے دیں اور زندہ قبروں میں چلے جائیں تو اس کا موقعہ ہے۔ حاشیہ مشکوٰۃ میں یہ ہی حدیث ہے۔

قِیْلَ یُکْشَفُ لِلْمَیِّتِ حَتّٰی یَرَی النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ هِیَ بُشْرٰی عَظِیْمَةٌ

''کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کو دیکھتا ہے اور یہ بڑی ہی خوشخبری ہے۔''

قسطلانی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۳۹۰ کتاب الجنائز میں ہے۔

فَقِیْلَ یُکْشَفُ لِلْمَیِّتِ حَتّٰی یَرَی النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ هِیَ بُشْرٰی عَظِیْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِ اِنْ صَحَّ۔

''کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی علیہ السلام کو دیکھتا ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے بڑی خوشخبری ہے اگر ٹھیک رہے۔''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہذا الرجل معہود ذہنی کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتے مردہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ جو تیرے ذہن میں موجود ہیں انہیں و کیا کہتا تھا؟ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو کافر میت۔ سے سوال نہ ہوتا کیونکہ وہ تو حضور علیہ السلام کے تصور سے خالی الذہن ہے نیز کافر اس کے جواب میں یہ نہ کہتا میں نہیں جانتا بلکہ پوچھتا تم کس کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ اس کے لَا اَدْرِیْ کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کو آنکھوں سے دیکھ تو رہا ہے مگر پہچانتا نہیں اور یہ اشارہ خارجی ہے۔

اس حدیث اور عبارتوں سے معلوم ہوا کہ قبر میں میت کو حضور علیہ السلام کا دیدار کرا کر سوال ہوتا ہے تو اس شمس الضحٰی بدر الدجیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تیرے سامنے جلوہ گر ہیں کیا کہتا تھا ہذا اشارہ قریب ہے معلوم ہوا کہ دکھا کر قریب کر کے پھر پوچھتے ہیں اسی لیے حضرات صوفیائے کرام اور عشاق موت کی تمنا کرتے ہیں اور قبر کی پہلی رات کو دولہا کے دیدار کی رات کہتے ہیں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے　　　　کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

مولانا آسی فرماتے ہیں۔

آج پھولے نہ سمائیں کفن میں آسی　　　　جس کے جویاں تھے ہے اس گُل کی ملاقات کی رات

ہم نے اپنے دیوان میں عرض کیا ہے۔

مرقد کی پہلی شب ہے دولہا کی دید کی شب　　　　اس شب پہ عید صدقے اس کا جواب کیسا

ی لیے بزرگان دین کے وصال کے دن کو روز عرس کہتے ہیں' عرس کے معنی ہیں شادی کیونکہ عروس یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دولہا کے دیدار کا دن ہے۔ اور ایک وقت میں ہزار ہا جگہ ہزاروں مردے دفن ہوتے ہیں۔ تو اگر حضور علیہ السلام حاضر و ناظر نہیں ہوتے تو ہر جگہ جلوہ گری کیسی؟ ثابت ہوا کہ حجاب ہماری نگاہوں پر ہے۔ ملائکہ اس حجاب کو اٹھا دیتے ہیں جیسے کہ دن میں کوئی خیمہ میں بیٹھا ہو اور آفتاب اس کی نگاہ سے غائب ہو کسی نے اس خیمہ کو اوپر سے ہٹا کر سورج دکھایا۔

(۲) مشکوٰۃ باب التحریض علی قیام الیل میں ہے

اِسْتَیْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةً فَزِعًا یَقُوْلُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّیْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَ مَا ذَا اُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ۔

''ایک شب حضور علیہ السلام گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے فرماتے تھے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر خزانے اور کس قدر فتنے اتارے گئے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے فتنوں کو بچشم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ باب المعجزات میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

نَعَی النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ زَیْدًا وَ جَعْفَرَ وَ ابْنَ رَوَاحَۃَ لِلنَّاسِ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَھُمْ خَبَرُھُمْ فَقَالَ اَخَذَ الرَّایَۃَ زَیْدٌ فَاُصِیْبَ اِلٰی حَتّٰی اَخَذَ الرَّایَۃَ سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ یَعْنِیْ خَالِدَ ابْنَ الْوَلِیْدِ حَتّٰی فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ۔

''حضور علیہ السلام نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کی خبر موت آنے سے پہلے لوگوں کو خبر موت دے دی۔ فرمایا کہ اب جھنڈا زید نے لیا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلوار خالد بن ولید نے لیا تا آنکہ اللہ نے ان کو فتح دے دی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ موتہ جو کہ مدینہ منورہ سے بہت ہی دور ہے وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو حضور ﷺ مدینہ سے دیکھ رہے ہیں۔

(۴) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات کے بعد باب وفاۃ النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَ اِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْحَوْضُ وَ اِنِّیْ لَا نَظُرُ اِلَیْہِ وَ اَنَا فِیْ مَقَامِیْ۔

''تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے میں اس کو اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔''

(۵) مشکوٰۃ باب تسویۃ الصف میں ہے:

اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ فَاِنِّیْ اَرٰکُمْ مِنْ وَّرَائِیْ۔

''اپنی صفیں سیدھی رکھو کیونکہ ہم تم کو اپنے پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔''

(۶) ترمذی جلد دوم باب العلم بَابُ مَاجَآءَ فِیْ ذِھَابِ الْعِلْمِ میں ہے

کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَشَخَصَ بِبَصَرِہٖ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ قَالَ ھٰذَا اَوَانُ یُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰی لَا یَقْدِرُوْا مِنْہُ عَلٰی شَیْءٍ۔

''ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے کہ آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے جب کہ علم لوگوں سے چھین لیا جاوے گا حتی کہ اس پر بالکل قابو نہ پائیں گے۔''

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقاۃ کتاب العلم میں فرماتے ہیں۔

فَکَاَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمَّا نَظَرَ اِلَی السَّمَآءِ کُشِفَ بِاقْتِرَابِ اَجَلِہٖ فَاَخْبَرَ بِذٰلِکَ۔

''جب حضور علیہ السلام نے آسمان کیطرف دیکھا تو آپ پر آپکی موت کا قرب ظاہر ہو گیا تو اسکی خبر دے دی۔''

(۷) مشکوٰۃ شروع باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا۔

فَاِنِّی اَرَی الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَلَ بُیُوْتِکُمْ کَوَقْعِ الْمَطَرِ۔

''میں تمہارے گھروں میں بارش کی طرح فتنے گرتے دیکھتا ہوں۔''

معلوم ہوا کہ یزیدی وحجازی فتنے جو عرصہ کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بین آئندہ کے واقعات اور دور وقریب کے حالات اور حوض کوثر جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدام کو بھی خدائے قدوس یہ قدرت وعلم عطا فرماتا ہے۔

(۸) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کا سردار ساریہ کو بنا کر نہاوند بھیجا۔

فَبَیْنَمَا عُمَرُ یَخْطُبُ فَجَعَلَ یَصِیْحُ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ۔

''عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے پکارنے لگے کہ اے ساریہ پہاڑ کو لو۔''

کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے قاصد آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ ہم نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ ساریہ پہاڑ کو لو۔ تو ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے لیا۔ خدا نے انکو شکست دے دی۔

(۹) امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں حارث ابن نعمان اور حارثہ ابن نعمان رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار نے مجھ سے سوال فرمایا کہ اے حارث تم نے کس حال میں دن پایا میں نے عرض کیا کہ سچا مومن ہو کر۔ فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ میں نے عرض کی۔

وَ کَاَنِّی اَنْظُرُ اِلٰی عَرْشِ رَبِّی بَارِزًا وَّ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ یَتَزَاوَرُوْنَ فِیْھَا وَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَھْلِ النَّارِ یَتَضَاعُوْنَ فِیْھَا۔

''میں گویا عرش الٰہی کو ظاہر دیکھ رہا ہوں اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔''

اس قصے کو مثنوی شریف میں نقل کیا ہے۔

هشت جنت هفت دوزخ پیش من   هست پیدا هم چوں بت این پیش ہن
یک بیک وا می شناسم خلق را   ہمچو گندم من زجو در آسیا
که بہشتی که وزیگانه کی است   پیش من پیدا چو مورد ماہی است
من بگویم یا فرو بندم نفس   لب گزیدش مصطفیٰ یعنی که بس

میرے سامنے ۸ بہشت اور ۷ دوزخ ایسے ظاہر ہیں۔ جیسے ہندو کے سامنے بت ہیں ہر ایک مخلوق کو ایسا پہچانتا ہوں جیسے چکی میں جو اور گیہوں۔ کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون۔ میرے سامنے یہ سب مچھلی اور چیونٹی کی طرح ہیں چپ رہوں یا کچھ اور کہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا منہ پکڑ لیا کہ بس۔

جب اس آفتاب کے ذروں کی نظر کا یہ حال کہ جنت و دوزخ، عرش و فرش، جنتی دوزخی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کونین کی نظر کا کیا پوچھنا ہے۔

(۱۰) حضور ﷺ نے نماز کسوف جماعت صحابہ ﷺ کو پڑھائی بحالت نماز ہاتھ اٹھایا جیسے کچھ لینا چاہتے ہیں بعد نماز صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں یہ جنبش کیسی تھی۔ فرمایا ہم پر جنت پیش کی گئی چاہا کہ ہم اس کا ایک خوشہ توڑ لیں مگر چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کو علم بالغیب قائم رہے۔ اگر یہ توڑ لیتے تو لوگ تا قیامت اس سے کھاتے رہتے اس سے پتہ لگا کہ حضور ﷺ مدینہ میں کھڑے ہیں ہاتھ اٹھایا تو جنت میں پہنچا جسم مدینہ میں ہے ہاتھ جنت الفردوس کے باغ کے خوشہ پر یہ ہے حاضر و ناظر کے معنی۔ اسی طرح حضور ﷺ کا ہاتھ مدینہ منورہ سے ہماری ڈوبتی کشتی پر پہنچ کر بیڑا پار کر سکتا ہے۔

فصل نمبر 3

حاضر و ناضر کا ثبوت فقہاء اور علماء امت کے اقوال سے

(۱) درمختار جلد سوم باب المرتدین بحث کرامات اولیاء میں ہے۔

یَاحَاضِرُ یَا نَاظِرُ لَیْسَ بِکُفْرٍ۔

”اے حاضر اے ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔“

شامی میں اسی آیت کے ماتحت ہے:

فَاِنَّ الْحُضُوْرَ بِمَعْنَی الْعِلْمِ شَائِعٌ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا هُوَرَابِعُهُمْ وَالنَّاظِرُ بِمَعْنَی الرُّوْیَۃِ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی فَالْمَعْنِیْ یَا عَالِمُ مَنْ رَّیٰ۔

”(بزاریہ) کیونکہ حضورٹ بمعنی علم مشہور ہے قرآن میں ہے کہ نہیں ہوتا تین کا مشورہ مگر رب ان کا چوتھا ہوتا ہے اور ناظر بمعنی دیکھنا ہے۔ رب فرماتا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے پس اسکے معنی یہ ہوئے کہ اے عالم اے دیکھنے والے۔“

(۲) درمختار جلد اول باب کیفیۃ الصلوٰۃ میں ہے۔

وَیَقْصِدُ بِاَلْفَاظِ التَّشَهُّدِ الْاِنْشَاءَ کَاَنَّہٗ یُحَیِّ عَلَی اللّٰهِ وَیُسَلِّمُ عَلٰی نَبِیِّہٖ نَفْسِہٖ

”التحیات کے لفظوں میں خود کہنے کی نیت کرے گویا نمازی رب کو تحیہ اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے۔“

شامی میں اسی عبارت کے ماتحت:

اَیْ لَا یَقْصِدُ الْاِخْبَارَ وَالْحِکَایَۃَ عَمَّا وَقَعَ فِی الْمِعْرَاجِ مِنْهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَمِنْ رَّبِّہٖ وَمِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ۔

”یعنی التحیات میں معراج کے اس کلام کے قصہ کی نیت نہ کرے جو حضور ح اور رب تعالیٰ اور ملائکہ کے درمیان ہوا۔“

فقہاء کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر و ناظر کہنا کفر نہیں ہے اور التحیات میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر سلام عرض کرے۔

التحیات کے متعلق اور بھی عبارات آتی ہیں مجمع البرکات میں شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں ''دے علیہ السلام براحوال واعمال امت مطل است برمقربان وخاصان درگاہ خود مفیض وحاضروناظر است'' حضور علیہ السلام امت کے حالات واعمال پر مطلع ہیں اور حاضرین بارگاہ ک فیض پہنچانے والے اور حاضروناظر ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ ہزدم مسمی بہ سلوک اقرب السبل بالتوجہ سید الرسل می فرماتے ہیں۔ باچندیں اختلاف وکثرت مذاہب کے درعلماء امت ہست یک کس رادریں مسئلہ خلافی نیست کہ آنحضرت علیہ السلام حقیقت حیات بے شائبہ مجاز دتوہم تاویل دائم وباقی است وبراعمال امت حاضروناظر است ومرطالبان حقیقت راومتوجہان آنحضرت رامفیض و مربی (ادخال السناں) اس اختلاف ومذاہب کے باوجود علمائے امت میں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام حقیقی زندگی سے بغیر تاویل ومجاز کے احتمال کے باقی اور دائم ہیں اور امت کے اعمال پر حاضروناظر ہیں اور حقیقت کے طلبگار اور حاضرین بارگاہ کو فیض رساں اور مربی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح فتوح الغیوب صفحہ ۳۳۳ میں فرماتے ہیں ''امام الانبیاء علیہم السلام بحیات حقیقی دنیاوی حی وباقی ومتصرف ان دریں جاسخن نیست'' انبیاء علیہم السلام دنیاوی حقیقی زندگی سے زندہ اور باقی وعمل درآمد فرمانے والے ہیں اسمیں کوئی کلام نہیں۔

مرقات باب: مَا يُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَهُ الْمَوْتُ کے آخر میں ہے۔

وَ لَا تَبَاعِدُ عَنِ الْاَوْلِيَاءِ حَيْثُ طُوِيَتْ لَهُمُ الْاَرْضُ وَ حَصَلَ لَهُمْ اَبْدَانٌ مُكْتَسِبَةٌ مُتَعَدِّدَةٌ وَجَدُوْهَا فِيْ اَمَاكِنَ مُخْتَلِفَةٍ فِيْ اٰنٍ وَّاحِدٍ۔

''یعنی اولیاء اللہ ایک آن میں چند جگہ ہوسکتے ہیں اور ان کے بیک وقت چند اجسام ہوسکتے ہیں۔''

شفاء میں ہے:

اِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْبَيْتِ اَحَدٌ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ

''جب گھر میں کوئی نہ ہوتو تم کہو کہ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔''

اس کے ماتحت ملاعلی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں۔

لِاَنَّ رُوْحَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَاضِرٌ فِيْ بُيُوْتِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ۔

''کیونکہ نبی علیہ السلام کی روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے۔''

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں ''ذکرکن اوراودرود بفرست بردے علیہ السلام وباش درحال ذکر گویا حاضر است پیش تودرحالت حیات ومی بینی تو اورامتادب باجلال وتعظیم وہیبت وحیاوبدانکہ دے علیہ السلام می بیندوحی شنود کلام ترازیرا کہ دے علیہ السلام متصف است بصفات الٰہیہ ویکے ازصفات الٰہی آں است کہ '' اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ حضور علیہ السلام کو یاد کرو اور درود بھیجو اور حالت ذکر میں ایسے رہو کہ حضور ﷺ حالت حیات میں تمہارے سامنے ہیں اور تم ان کو دیکھتے ہو ادب اور جلال اور تعظیم اور ہیبت وحیا سے رہو اور جانو کہ حضور علیہ السلام دیکھتے اور سنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الٰہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذاکر

کا ہم نشین ہوں۔ امام ابن الحارج مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب جلد دوم صفحہ ۳۸۷ فصل ثانی زیارۃ قبرہ الشریف میں فرماتے ہیں:

وَقَدْ قَالَ عُلَمَآءُ نَا لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهٖ وَ حَيٰوتِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ مُشَاهَدَتِهٖ لِاُمَّتِهٖ وَ مَعْرِفَتِهٖ بِاَحْوَالِهِمْ وَ نِيَّاتِهِمْ وَ عَزَائِمِهِمْ وَ خَوَاطِرِ هِمْ وَذٰلِكَ جَلِيٌّ عِنْدَهٗ لَا خَفَاءَ بِهٖ۔

"ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات و نیات اور ارادے اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں یہ آپ کو بالکل ظاہر ہے۔ اس میں پوشیدگی نہیں۔"

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

وَ قَالَ الْغَزَالِيُّ سَلِّمْ عَلَيْهِ اِذَا دَخَلْتَ فِى الْمَسْجِدِ فَاِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَحْضُرُ فِي الْمَسٰجِدِ۔

"امام غزالی نے فرمایا کہ جب تم مسجدوں میں جاؤ تو تم حضور علیہ السلام کو سلام عرض کرو کیوں کہ آپ مسجدوں میں موجود ہیں۔"

نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض جلد سوم کے آخر میں ہے

اَلْاَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ جِهَةِ الْاَجْسَامِ وَ الظَّوَاهِرِ مَعَ الْبَشَرِ وَ بَوَاطِنُهُمْ وَ قُوَاهُمُ الرُّوْحَانِيَّةُ مَلْكِيَّةٌ وَ لِذَاتَرٰى مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا تَسْمَعُ اَطِيْطَ السَّمَآءِ وَ تَشَمُّ رَائِحَةَ جِبْرِيْلَ اِذَا اَرَادَ النُّزُوْلَ اِلَيْهِمْ۔

"انبیائے کرام جسمانی اور ظاہری طور پر بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں ملکی ہیں اس لیے وہ زمین کی مشرقوں اور مغربوں کو دیکھتے ہیں اور آسمانوں کی چرچراہٹ سنتے ہیں اور جبریل کی خوشبو پا لیتے ہیں جب وہ ان پر اترتے ہیں۔"

دلائل الخیرات کے خطبہ میں ہے۔

وَقِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ اَرَءَيْتَ صَلٰوةَ الْمُصَلِّيْنَ عَلَيْكَ مِمَّنْ غَابَ عَنْكَ وَ مَنْ يَاْتِيْ بَعْدَكَ مَا حَالُهُمَا عِنْدَكَ فَقَالَ اَسْمَعُ صَلٰوةَ اَهْلِ مَحَبَّتِيْ وَاَعْرِفُهُمْ وَتُعْرَضُ عَلَيَّ صَلٰوةُ غَيْرِهِمْ عَرْضًا

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ سے دور رہنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے درودوں کا آپ کے نزدیک کیا حال ہے تو فرمایا کہ ہم محبت والوں کے درود تو خود سنتے ہیں اور انکو پہچانتے ہیں اور غیر محبین کا درود ہم پر پیش کر دیا جاتا ہے۔"

شفاء قاضی عیاض جلد دوم میں ہے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ اِذَا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ اَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

"علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکات۔"

اس کی تائید ابوداؤد و ابن ماجہ باب الدعا عند دخول المسجد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

مدارج النبوۃ ۴۵۰ جلد دوم قسم چہارم وسلم حیات انبیاء میں ہے۔ "اگر بعد ازاں گوید کہ حق تعالیٰ جسد شریف را حالتے وقدرتے بخشیدہ است کہ در ہر مکانے کہ خواہد تشریف بخشد خواہ بعینہ خواہ بمثال خواہ بر آسمان وخواہ بر زمین خواہ در قبر یا غیر دے صورتے دارد باوجود ثبوت

نسبت خاص بقبر در ہمہ حال'' اس کے بعد اگر کہیں کہ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کے جسم پاک کو ایسی حالت وقدرت بخشی کہ جس مکان میں چاہیں تشریف لے جائیں خواہ بعینہ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ قبر میں تو درست ہے۔ قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے مصباح الہدایت ترجمہ عوارف المعارف مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی صفحہ ۱۶۵ میں ہے'' بس باید کہ بندہ ہم چناں کہ حق سبحانہ را پیوستہ بر جمیع احوال خود ظاہراً و باطناً واقف و مطلع بیند رسول اللہ علیہ السلام را نیز ظاہر و باطن حاضر داند۔ تا مطالعہ صورت تعظیم و وقات او ہموارہ بہ محافظت آداب حضرتش دلیل بود واز مخالفت دے سراداعلاناً شرم دارد و ہیچ دقیقہ از دقائق آداب صحبت وفرد نہ گزارد'' بس چاہیئے کہ بندہ جس طرح حق تعالیٰ کو ہر حال میں ظاہر و باطن طور پر واقف جانتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کو بھی ظاہر و باطن حاضر جانے تاکہ آپ کی صورت کا دیکھنا آپ کی ہمیشہ تعظیم ووقار کرنے اور اس بارگاہ کے ادب کی دلیل ہو جاوے اور آپ کی ظاہر و باطن میں مخالفت سے شرف کرے اور حضور علیہ السلام کی صحبت پاک کے ادب کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑے۔

فقہا علماء امت کے اقوال سے حضور علیہ السلام کا حاضر وناظر ہونا بخوبی واضح ہوا اب ہم آپ کو یہ دکھاتے ہیں کہ نمازی نماز میں حضور علیہ السلام کے متعلق کیا خیال رکھے اور اس کے متعلق ہم درمختار اور شامی عبارتیں تو شروع فصل میں پیش کر چکے ہیں دیگر بزرگان دین کی عبارتیں سنیے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجیے اشعۃ اللمعات کتاب الصلوۃ باب التشہد اور مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۱۳۵ باب پنجم ذکر فضائل آنحضرت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں'' وبعضے عرفا گفتہ اند کہ ایں بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در ذرات مصلیان موجود وحاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نہ بود تا انوار قرب واسرار معرفت منور وفائز گردو۔'' بعض عارفین نے کہا ہے کہ التحیات میں یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کئے ہیں۔ پس حضور علیہ السلام نمازوں کی ذات میں موجود حاضر ہیں نمازی کو چاہیئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہو تاکہ قرب کے نور اور معرفت کے بھیدوں سے کامیاب ہو جاوے احیاء العلوم جلد اول باب چہارم فصل سوم نماز کی باطنی شرطوں میں امام غزالی فرماتے ہیں۔ وَ اَحْضِرْ فِي قَلْبِكَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ شَخْصَهُ الْكَرِيْمَ وَ قُلْ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ اور اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور آپ کی ذات پاک کو حاضر جانو اور کہو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اسی طرح مرقاۃ باب التشہد میں ہے مسک الختام میں نواب صدیق حسن خان بھوپالی وہابی صفحہ ۲۴۳ پر وہ ہی عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے ابھی اشعۃ اللمعات کی التحیات کے بارے میں لکھی کہ نمازی کو چاہیئے کہ حضور کو حاضر وناظر جان کر التحیات میں سلام کرے پھر یہ شعر لکھتے ہیں۔

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
می بینمت عیان و- دعا می فرستمت

''عشق کی راہ میں دور وقریب کی منزل نہیں ہے
اور تم کو دیکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں

علامہ شیخ مجدد فرماتے ہیں۔

وَ خُوْطِبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَاَنَّهٗ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهٗ تَعَالٰے يَكْشِفُ لَهٗ عَنِ الْمُصَلِّيْنَ مِنْ اُمَّتِهٖ حَتّٰے يَكُوْنَ كَالْحَاضِرِ يَشْهَدُ لَهُمْ بِالْعَقْلِ اَعْمَالَهُمْ وَ لِيَكُوْنَ تَذَكُّرُ حُضُوْرِهٖ سَبَبًا لِمَزِيْدِ الْخُشُوْعِ وَالْخُضُوْعِ۔

''حضور علیہ السلام کو نماز میں خطاب کیا گیا شاید کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت میں سے نمازیوں کا حال آپ پر ظاہر فرما دیتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ مثل حاضر کے ہوتے ہیں اسکے اعمال کو سمجھنے میں اور اس لیے کہ آپ کی حاضرت کا خیال زیادتی خشوع وخضوع کا سبب ہو جاوے۔''

مسئلہ حاضر و ناظر پر بعض فقہی مسائل بھی موقوف ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ زوج مشرق میں ہو اور زوجہ مغرب میں اور بچہ پیدا ہو۔ اور زوج کہتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو بچہ اسی کا ہے کہ شاید یہ ولی اللہ ہو اور کرامت سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا ہو۔ دیکھو شامی جلد دوم باب ثبوت النسب شامی جلد سوم باب المرتدین مطلب کرامات اولیاء میں ہے۔

وَ طَیُّ الْمَسَافَةِ مِنْهُ لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ زُوِیَتْ لِیَ الْاَرْضُ وَ یَدُلُّ عَلَیْهِ مَا قَالُوْا فِیْمَنْ کَانَ فِی الْمَشْرِقِ وَ تَزَوَّجَ امْرَاَةً بِالْمَغْرِبِ فَاَتَتْ بِوَلَدٍ یَلْحَقُهٗ وَ فِی التَّتَارِخَانِیَةِ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةَ تُؤَیِّدُ الْجَوَازَ۔

''اور راستہ طے کرنا بھی اسی کرامت میں سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کی وجہ سے کہ میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی۔ اس پر مسئلہ دلالت کرتا ہے جو فقہاء نے کہا کہ کوئی شخص مشرق میں ہو اور مغرب میں رہنے والی عورت سے نکاح کرے پھر وہ عورت بچہ جنے تو بچہ اس مرد سے ملحق ہوگا اور تتارخانیہ میں ہے کہ یہ مسئلہ اس کرامت کے جائز ہونے کی تائید کرتا ہے۔''

شامی یہ ہی مقام:

وَالْاِنْصَافُ مَا ذَکَرَهُ الْاِمَامُ النَّسْفِیُّ حِیْنَ سُئِلَ عَمَّا یُحْکٰی اَنَّ الْکَعْبَةَ کَانَتْ تَزُوْرُ وَاحِدًا مِنَ الْاَوْلِیَاءِ هَلْ یَجُوْزُ الْقَوْلُ بِهٖ فَقَالَ نَقْضُ الْعَادَةِ عَلٰی سَبِیْلِ الْکَرَامَةِ لِاَهْلِ الْوَلَایَةِ جَائِزٌ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ

''انصاف کی بات وہ ہی ہے جو امام نسفی نے اس وقت کہی جبکہ ان سے سوال کیا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ کعبہ ایک ولی کی زیارت کرنے جاتا ہے کیا یہ کہنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے خلاف عادت کام کرامت کے طریقہ پر اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔''

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ بھی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کے لیے عالم میں چکر لگاتا ہے۔

تفسیر روح البیان سورہ ملک کے آخر میں ہے۔

قَالَ الْاِمَامُ الْغَزَالِیْ وَ الرَّسُوْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَهُ الْخِیَارُ فِیْ طَوَافِ الْعَالَمِ مَعَ اَرْوَاحِ الصَّحَابَةِ لَقَدْ رَاٰهُ کَثِیْرٌ مِّنَ الْاَوْلِیَاءِ۔

''امام غزالی نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں سیر فرمانے کا اپنے صحابہ کرام کی روحوں کے ساتھ اختیار ہے آپ کو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے۔''

انتباہ الاذکیاء فی حیات الاولیاء میں علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں۔

اَلنَّظْرُ فِیْ اَعْمَالِ اُمَّتِهٖ وَ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ مِنَ السَّیِّاٰتِ وَالدُّعَاءُ بِکَشْفِ الْبَلَاءِ عَنْهُمْ التَّرَدُّدُ فِیْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ وَ

اَلْبَرْكَةِ فِيْهَا وَ حُضُوْرُ جَنَازَةِ مِنْ صَالِحِيْ اُمَّتِهٖ فَاِنَّ هٰذِهٖ الْاُمُوْرَ مِنْ اَشْغَالِهٖ كَمَا وَرَدَتْ بِذٰلِكَ الْحَدِيْثُ وَ الْاٰثَارُ

”اپنی امت کے اعمال میں نگاہ رکھنا ان کے لئے گناہوں سے استغفار کرنا ان سے دفع بلا کی دعا فرمانا اطراف زمین میں آنا جانا اس میں برکت دینا اور اپنی امت میں کوئی صالح آدمی مرجاوے تو اس کے جنازے میں جانا یہ چیزیں حضور علیہ السلام کا مشغلہ ہیں جیسے کہ اس پر احادیث اور آثار آئے ہیں۔“

امام غزالی المنقد من الضلال میں فرماتے ہیں ”ارباب قلوب مشاہدہ می کنند در بیداری انبیاء و ملائکہ را و ہمکلام می شوند بایشاں“ صاحب دل حضرات جاگتے ہوئے انبیاء اور ملائکہ کو دیکھتے ہیں اور ان سے بات چیت کرتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شرح صدور میں فرماتے ہیں

اِنِ اعْتَقَدَ النَّاسُ اَنَّ رُوْحَهٗ وَمِثَالَهٗ فِيْ وَقْتِ قِرَاءَةِ الْمَوْلِدِ وَخَتْمِ رَمَضَانَ وَقِرَاءَةِ الْقَصَائِدِ يَحْضُرُ جَازَ۔

”اگر لوگ یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کی روح اور آپکی مثال مولود شریف پڑھنے اور ختم رمضان اور نعت خوانی کے وقت آتی ہے تو جائز ہے۔“

مولوی عبدالحئی صاحب رسالہ ترویح الجنان بتشریح حکم شرب الدخان میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نعت خواں تھا اور حقہ بھی پیتا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم رونق افروز مجلس ہوتے ہیں۔ مگر جب حقہ آجاتا ہے۔ تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہوجاتے ہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نگاہ پاک ہر وقت عالم کے ذرہ ذرہ پر ہے اور نماز تلاوت قرآن، محفل میلاد شریف اور نعت خوانی کی مجالس میں اسی طرح صالحین کی نماز جنازہ میں خاص طور پر اپنے جسم پاک سے تشریف فرما ہوتے ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۸) ہے۔

فَاِنَّهٗ لَمَّا كَانَ اَوَّلَ مَخْلُوْقٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ كَانَ شَاهِدًا بِوَحْدَانِيَّةِ الْحَقِّ وَشَاهِدًا بِمَا اُخْرِجَ مِنَ الْعَدَمِ اِلَى الْوُجُوْدِ مِنَ الْاَرْوَاحِ وَالنُّفُوْسِ وَ الْاَجْرَامِ وَالْاَرْكَانِ وَالْاَجْسَادِ وَالْمَعَادِنِ وَالنَّبَاتِ وَالْحَيْوَانِ وَالْمَلَكِ وَالْجِنِّ وَالشَّيْطٰنِ وَالْاِنْسَانِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ لِئَلَّا يَشُذَّ عَنْهُ مَا يُمْكِنُ لِلْمَخْلُوْقِ وَاَسْرَارِ اَفْعَالِهٖ وَعَجَائِبِهٖ۔

”چونکہ حضور علیہ السلام اللہ کی پہلی مخلوق ہیں اس لئے اس کی وحدانیت کے گواہ ہیں اور ان چیزوں کو مشاہدہ کرنے والے ہیں جو عدم سے وجود میں آئے ارواح، نفوس اجسام، معدنیات، نباتات، حیوانات فرشتے اور انسان وغیرہ تاکہ آپ پر رب کے وہ اسرار اور عجائب مخفی نہ رہیں جو کسی مخلوق کے لئے ممکن ہے۔“

اسی جگہ کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

فَشَاهَدَ خَلْقَهٗ وَمَاجَرٰى عَلَيْهِ مِنَ الْاِكْرَامِ وَ الْاِخْرَاجِ مِنَ الْجَنَّةِ بِسَبَبِ الْمُخَالَفَةِ وَمَاتَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِلٰى اٰخِرِ مَاجَرَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَشَاهَدَ خَلْقَ اِبْلِيْسَ وَمَاجَرٰى عَلَيْهِ۔

”حضور علیہ السلام نے حضرت آدم کا پیدا ہونا انکی تعظیم ہونا اور خطا پر جنت سے علیحدہ ہونا اور پھر توبہ قبول ہونا آخر تک کے

سارے معاملات جوان پر گزرے سب کو دیکھا اور ابلیس کی پیدائش اور جو کچھ اس پر گذرا اس کو بھی دیکھا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے عالم ظہور میں جلوہ گری سے پہلے ہر ایک کے ایک ایک حالات کا مشاہدہ فرمایا۔

یہ ہی صاحب روح البیان کچھ آگے چل کر اسی مقام پر فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ الْكِبَارِ اِنَّ مَعَ كُلِّ سَعِيْدٍ رَفِيْقَهٗ مِنْ رُّوْحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ هِيَ الرَّقِيْبُ الْعَتِيْدُ عَلَيْهِ وَلَمَّا قُبِضَ الرُّوْحُ الْمُحَمَّدِيُ عَنْ اٰدَمَ الَّذِيْ كَانَ بِهٖ دَائِمًا لَايُضِلُّ وَلَا يَنْسٰى جَرٰى عَلَيْهِ مَاجَرٰى مِنَ النِّسْيَانِ وَمَا يَتْبَعُهٗ

"بعض اکابر نے فرمایا کہ ہر سعید کے ساتھ حضور علیہ السلام کی روح رہتی ہے اور یہ ہی رقیب عتید سے مراد ہے اور جس وقت روح محمدی کی توجہ دائمی حضرت آدم سے ہٹ گئی تب ان سے نسیان اور اس کے نتائج ہوئے۔"

ایک حدیث میں ہے کہ جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے۔

روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایمان سے مراد توجہ مصطفٰی ہے یعنی جو مومن کوئی اچھا کام کرتا ہے تو حضور ﷺ کی توجہ کی برکت سے کرتا ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ ان کی بے توجہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس سے حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی ثابت ہوا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

وَاِذَا سَمِعْتُ فَعَنْكَ قَوْلًا طَيِّبًا وَاِذَا نَظَرْتُ فَلَا اَرٰى اِلَّاكَ !

جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں
اور جب دیکھتا ہوں تو آپکے سوا کچھ نظر نہیں آتا

فصل نمبر 4

حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے

تحذیر الناس صفحہ ۱۰ میں مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کہتے ہیں کہ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۳ آیت ۶) کو بعد لحاظ صلہ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے دیکھے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب ہے جو ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہے۔ ترجمہ صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی صفحہ ۱۳ میں چوتھی ہدایت جب عشق کے بیان میں کوئلے اور آگ کی مثال دے کر کہتے ہیں۔ "اسی طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی کوشش اور جذب کی موجیں احادیث کے دریاؤں کی تہ میں کھینچ کر لے جاتی ہے تو اَنَا الْحَقُّ اور لَيْسَ فِيْ جُبَّتِيْ سِوَى اللهُ کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا اور ایک اور روایت کی رو سے لِسَانَهٗ الَّذِيْ يَتَكَلَّمُ بِهٖ اسی حالت کی حکایت ہے۔ اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو خدائی طاقت سے دیکھتا سنتا اور چھوتا اور بولتا ہے۔ یعنی عالم کی ہر چیز کو دیکھتا ہے ہر دور و نزدیک کی چیزوں کو پکڑتا ہے

یہی حاضر و ناظر کے معنی ہیں اور جب معمولی انسان فنا فی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جاویں تو سید الانس والجان علیہ الصلوۃ والسلام سے بڑھ کر فنا فی اللہ کون ہو سکتا ہے تو بدرجہ اولیٰ حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہوئے۔ امداد السلوک صفحہ ۱۰ میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

''ہم مرید بیقین داند کہ روح شیخ مقید بیک مکان نیست پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگر چہ از شیخ دور است اما روحانیت او دور نیست چوں ایں امر محکم دارو ہر وقت شیخ را بیان دوار ردو ربط قلب پیدا آید و ہر دم مستفید بود شیخ را بقلب حاضر آوردہ بلسان حال سوال کند البتہ روح شیخ باذن اللہ تعالیٰ القاء خواہد کرد مگر ربط تام شرط است وبسبب ربط قلب شیخ را لسان قلب ناطق می شود وبسوئے حق تعالیٰ راہے کشائد وحق تعالیٰ او را محدث می کند۔''

''مرید یہ بھی یقین سے جانے کہ شیخ کی روح ایک جگہ میں قید نہیں ہے مرد جہاں بھی ہو دور ہو یا نزدیک اگر چہ پیر کے جسم سے دور ہے لیکن پیر کی روحانیت دور نہیں جب یہ بات پختہ ہو گئی تو ہر وقت پیر کی یاد رکھے اور دلی تعلق اس سے ظاہر ہو اور ہر وقت اس سے فائدہ لیتا رہے مرید واقعہ جات میں پیر کا محتاج ہوتا ہے شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبان حال سے اس سے مانگے پیر کی روح اللہ کے حکم سے ضرور القا کریگی۔ مگر پورا تعلق شرط ہے اور شیخ سے اسی تعلق کی وجہ سے دل کی زبان گویا ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف راہ کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اسکو صاحب الہام کر دیتا ہے۔''

اس عبارت میں حسب ذیل فائدے ہیں (۱) پیر کا مریدوں کے پاس حاضر و ناظر ہونا (۲) مرید کا تصور شیخ میں رہنا (۳) پیر کا حاجت روا ہونا (۴) مرید خدا کو چھوڑ کر اپنے پیر سے مانگے (۵) پیر مرید کو القا کرتا رہے (۶) پیر مرید کا دل جاری کر دیتا ہے۔ جب پیر میں یہ طاقتیں ہیں تو جو ملائکہ اور انسانوں کے شیخ الشیوخ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں یہ چھ صفات ماننا کیوں شرک ہے؟ اس عبارت نے تو مخالفین کے سارے مذہب پر پانی ہی پھیر دیا وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ سب تقویۃ الایمان ختم۔ حفظ الایمان صفحہ ۷ میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ ابو یزید سے پوچھا گیا کہ طیے زمین کی نسبت۔ تو آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز کمال کی نہیں دیکھو ابلیس مشرق سے مغرب تک ایک لحظہ میں قطع کر جاتا ہے۔

اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ آناً فاناً مشرق سے مغرب تک پہنچ جانا اہل اللہ کو تو کیا کفار و شیاطین سے بھی ممکن ہے بلکہ ہوتا رہتا ہے اور یہ حاضر و ناظر کے معنی ہیں تقویۃ الایمان کے لحاظ سے شرک ہے۔ مسک الختام مصنفہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی وہابی کی عبارت ہم بحث ثبوت میں پیش کر چکے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ التحیات میں السلام علیک سے خطاب اس لئے ہے کہ حضور علیہ السلام عالم کے ذرہ ذرہ میں موجود ہیں۔ لہٰذا نمازی کی ذات میں موجود و حاضر ہیں۔

ان عبارات سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہے۔

فصل نمبر 5

حاضر و ناظر ہونا کا ثبوت دلائل عقلیہ سے

اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی ذات جامع کمالات ہے یعنی جس قدر کمالات کہ دیگر انبیائے کرام یا آئندہ اولیاء عظام یا کسی مخلوق کو مل چکے یا ملیں گے وہ سب بلکہ ان سے بھی زیادہ حضور ﷺ کو عطا فرمادیئے بلکہ حضور ﷺ کے ذریعہ سے ان کو ملے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ط (پارہ ۷ سورۃ ٦ آیت ۹۰) آپ ان سب کی راہ چلو۔ اس کی تفسیر روح البیان میں ہے۔

فَجَمَعَ اللّٰهُ كُلَّ خَصْلَةٍ فِيْ حَبِيْبِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

"اللہ نے ہر نبی کی خصلت حضور ﷺ کو عطا فرمائی۔"

مولانا جامی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری

نیز مولوی محمد قاسم صاحب تحذیر الناس صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں انبیاء رسول اللہ ﷺ سے لے کرامتوں کو پہنچاتے ہیں۔ غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے اس قاعدے پر بہت سے دلائل قرآن و احادیث و اقوال علماء سے پیش کیے جاسکتے ہیں۔ مگر چونکہ مخالفین اس کو مانتے ہیں۔ اس لئے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ تو پہلا قاعدہ یہ مسلّم ہے کہ جو صفت کمال کسی مخلوق کو ملی وہ تمام علی وجہ الکمال حضور ﷺ کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر و ناظر ہونا عطا کیا گیا ماننا پڑے گا کہ یہ صفت بھی حضور ﷺ کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر و ناظر ہونا کس کس مخلوق کو عطا ہوا۔ ہم نے اس بحث حاضر و ناظر کے مقدمہ میں عرض کر دیا ہے کہ حاضر و ناظر ہونے کے تین معنی ہیں ایک جگہ رہ کر تمام عالم کو مثل کف دست کے دیکھنا۔ ایک آن میں عالم کی سیر کر لینا اور صدہا کوس پر کسی کی مدد کر دینا اس جسم یا جسم مثالی کا متعدد جگہ موجود ہو جانا۔ یہ صفات بہت سی مخلوقات کو ملی ہیں۔

(۱) روح البیان اور خازن و تفسیر کبیر وغیرہ تفاسیر میں پارہ ۷ سورہ انعام۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا۔ (پارہ ۷ سورۃ ٦ آیت ٦۱)

"یہاں تک کہ آئے تم میں سے کسی کو موت تو وفات دیتے ہیں اسکو ہمارے رسول۔"

آیت ٦۱ کے تحت ہے:

جُعِلَتِ الْاَرْضُ لِمَلَكِ الْمَوْتِ مِثْلَ الطَّشْتِ يَتَنَاوَلُ مِنْ حَيْثُ شَآءَ۔

"یعنی ملک الموت کے لیے ساری زمین طشت کیطرح کر دی گئی ہے کہ جہاں سے چاہیں لے لیں۔"

اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے:

لَيْسَ عَلٰى مَلَكِ الْمَوْتِ صُعُوْبَةٌ فِيْ قَبْضِ الْاَرْوَاحِ وَاِنْ كَثُرَتْ وَ كَانَتْ فِيْ اَمْكِنَةٍ مُتَعَدِّدَةٍ۔

''ملک الموت پر روحیں قبض کرنے میں کوئی دشواری نہیں اگر چہ روحیں زیادہ ہوں اور مختلف جگہ ہوں۔
تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔''

مَامِنْ اَهْلِ بَيْتِ شَعْرٍ وَلَا مَدَرٍ اِلَّا مَلَكُ الْمَوْتِ يُطِيْفُ بِهِمْ يَوْمًا مَرَّتَيْنِ۔

''کوئی خیمہ اور مکان والے نہیں مگر ملک الموت ہر روز ان کے پاس دو بار جاتے ہیں۔''

مشکوۃ باب فصل الاذان میں ہے کہ جب اذان اور تکبیر ہوتی ہے تو شیطان ۳۶ میل دور بھاگ جاتا ہے پھر جہاں یہ ختم ہوئیں کہ پھر موجود اس ناری کی رفتار کا یہ عالم ہے۔

جب ہم سوتے ہیں تو ہماری ایک روح جسم سے نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے جسے روح سیرانی کہتے ہیں جس کا ثبوت قرآن پاک میں ہے وَيُمْسِكُ اُخْرٰى اور جہاں کسی نے جسم کے پاس کھڑے ہو کر اس کو اٹھایا وہ ہی روح جو ابھی مکہ معظّمہ یا مدینہ پاک میں تھی آناً فاناً جسم میں آ کر داخل ہو گئی اور آدمی بیدار ہو گیا۔ روح البیان زیر آیت۔ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۶۰) ہے۔

فَاِذَا انْتَبَهَ مِنَ النَّوْمِ عَادَتِ الرُّوْحُ اِلٰى جَسَدٍ بِاَسْرَعَ مِنْ لَّحْظَةٍ۔

''یعنی جب انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے تو روح جسم میں ایک لحظہ سے بھی کم میں لوٹ آتی ہے۔''

ہمارا نور نظر آن کی آن میں آسمانوں پر جا کر زمین پر آجاتا ہے ہمارا خیال آن واحد میں تمام عالم کی سیر کر لیتا ہے بجلی تار ٹیلیفون اور لاؤڈ سپیکر کی قوت کا یہ عالم ہے کہ آدھے سیکنڈ میں زمین کے قطر کو طے کر لیتے ہیں حضرت جبریل کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب آدھے کنویں سے نیچے چلے اور حضرت جبریل سدرہ سے چلے یوسف علیہ السلام ابھی کنویں کی تہ کو نہ پہنچے تھے کہ جبریل علیہ السلام سدرہ سے وہاں پہنچ گئے۔ دیکھو تفسیر روح البیان زیر آیت اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِىْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۱۵) حضرت خلیل علیہ السلام نے حلق اسماعیل علیہ السلام پر چھری چلائی ابھی چھری روانہ ہوئی تھی کہ جبریل علیہ السلام سدرہ سے مع دنبہ خلیل اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلیمان کے وزیر آصف بن برخیا نے ایک پلک جھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت یمن سے لا کر شام میں حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر کر دیا جس کا ثبوت قرآن میں ہے کہ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۷ آیت ۴۰) معلوم ہوا کہ آصف کو یہ بھی خبر تھی کہ تخت کہاں ہے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ پلک جھپکنے سے پہلے یمن گئے بھی اور لوٹ کر بھی آئے اور اتنا وزنی تخت لے آئے۔ رہی یہ بحث کہ حضرت سلیمان میں تخت لانے کی طاقت تھی یا نہیں وہ ہم اسی بحث کے دوسرے باب میں بیان کریں گے انشاء اللہ۔

معراج میں سارے انبیاء نے بیت المقدس میں حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کی حضور براق پر تشریف لے گئے۔ اور براق کی رفتار کا یہ عالم کہ حد نظر اسکا ایک قدم پڑتا تھا۔ مگر رفتار انبیاء کرام کا یہ عالم ابھی بیت المقدس میں مقتدی تھے اور ابھی مختلف آسمانوں پر پہنچ گئے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم نے فلاں آسمان پر فلاں پیغمبر سے ملاقات کی جس سے معلوم ہوا کہ براق کی یہ برق رفتاری خراماں تھی کہ دولہا گھوڑے پر سوار ہو کر خراماں ہی جایا کرتے ہیں اور انبیاء کی خدمت گزاری کا وقت تھا۔ ابھی بیت المقدس میں اور ابھی افلاک پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات آخر باب زیارۃ القبور میں فرمایا کہ ہر پنجشنبہ کے دن مردوں کی روحیں اپنے خویش و اقارب کے یہاں جا کر ان سے ایصال ثواب کی تمنا کرتی ہیں اب اگر کسی میت کے خوایش و اقربا دوسرے ملک میں بھی رہتے ہوں تو وہاں ہی پہنچیں گی۔

ہماری گفتگو سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ سارے عالم پر نگاہ رکھنا ہر جگہ کی آنا فاناً سیر کر لینا ایک وقت میں چند جگہ پایا جانا یہ وہ صفات ہیں کہ رب نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں۔ اس سے دو باتیں لازم آئیں ایک تو یہ کہ کسی بندے کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا شرک نہیں کہ شرک کہتے ہیں۔ خدا کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک ماننا۔ یہاں یہ نہیں دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کے خدام میں ہر جگہ رہنے کی طاقت ہے تو حضور علیہ السلام میں بدرجہ اولی یہ صفت ہے۔

(۲) دنیا میں پانی اور دانہ ہر جگہ موجود نہیں۔ بلکہ خاص خاص جگہ ہے۔ پانی تو کنویں اور تالاب وغیرہ میں ہے دانہ کھیت یا گھروں وغیرہ میں۔ مگر ہوا اور دھوپ عالم کے گوشہ گوشہ میں ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک خلا محال ہے ہر جگہ ہوا ہے۔ اس لیے کہ ہوا اور روشنی کی ہر وقت ہر چیز کو ضرورت ہے اور حبیب خدا کی بھی ہر مخلوق الٰہی کو ہر وقت ضرورت ہے جیسا کہ ہم روح البیان وغیرہ کے حوالے سے ثابت کر چکے ہیں تو لازم ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر جگہ جلوہ گری ہو۔ حضور علیہ السلام تمام عالم کی اصل ہیں وَكُلُّ الْخَلْقِ مِنْ نُّوْرِیْ اور اصل کا اپنی فرع میں مادہ کا سارے مشتقات میں ایک کا سارے عددوں میں رہنا ضروری ہے۔

ہر ایک ان سے ہے وہ ہر اک میں ہیں وہ ہیں ایک علم حساب کے
بنے دوجہاں کی وہ ہی بناء وہ نہیں جو ان سے بنا نہیں

باب نمبر 2

مسئلہ حاضر و ناظر پر اعتراضات کے بیان میں

اعتراض نمبر 1

ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۳۳) بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۲۶) لہٰذا غیر میں یہ صفت ماننا شرک فی الصفت ہے۔

جواب

ہر جگہ میں حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ خدائے تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے کتب عقائد میں ہے۔ لَا یَجْرِیْ عَلَیْهِ وَ زَمَانٌ وَ لَا یَشْتَمِلُ عَلَیْهِ مَکَانٌ۔ خدا پر نہ زمانہ گزرے کیونکہ زمانہ سفلی اجسام پر زمین میں رہ کر گزرتا ہے انہی کی عمر ہوتی ہے۔ چاند ستارے سورج حور وغلمان فرشتے بلکہ آسمان پر عیسی علیہ السلام معراج میں حضور علیہ السلام زمانہ سے علیحدہ ہیں اور نہ کوئی جگہ خدا کو گھیرے خدا تعالیٰ حاضر ہے مگر بغیر جگہ اسی لیے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۳ آیت ۲) کو متشابہات سے مانا گیا ہے اور بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۲۶) وغیرہ آیات میں مفسرین فرماتے ہیں عِلْمًا وَّقُدْرَةً یعنی اللہ کا علم اور اس کی قدرت عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشین ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا ہی کی شان ہو سکتی ہے اور بالفرض محال مان بھی لیا جائے تو بھی حضور علیہ السلام کی یہ صفت عطائی حادث مخلوق قبضہ الٰہی میں ہے اور خدا کی یہ صفت ذاتی قدیم غیر مخلوق ہے کسی کے قبضے میں نہیں اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ جیسے حیٰوۃ سمع بصر وغیرہ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۱ میں ہے "فخر دو عالم علیہ السلام کو مولود میں حاضر جاننا بھی غیر ثابت ہے اگر باعلام اللہ تعالیٰ جاننا ہے تو شرک نہیں ورنہ شرک ہے۔" یہ ہی مضمون براہین قاطعہ صفحہ ۲۳ میں ہے مولوی رشید احمد صاحب نے رجسٹری فرمادی کہ غیر خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننا بہ عطاء الٰہی شرک نہیں اگر کوئی کہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ خالقیت وجوب قدم وغیرہ دیگر صفات الہٰیہ بھی پیغمبروں کو عطائی مان لو اور حضور کو خالق واجب قدیم کہا کرو تو اس کا جواب یہ ہے کہ چار صفات قابل عطا نہیں کہ ان پر الوہیت کا مدار ہے، وجوب قدیم، خلق، نہ مرنا، دیگر صفات کی تجلی مخلوقات بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے سمع بصر حیات وغیرہ مگر ان میں بھی بڑا فرق ہو گا رب کی یہ صفات ذاتی، واجب، نہ مٹنے والی اور مخلوق کی عطائی، ممکن فانی۔

جو ہوتی خدائی بھی دینے کے قابل
خدا بن کے آتا وہ بندہ خدا

اعتراض نمبر 2

قرآن کریم نے فرمایا:

وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ۔ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۴)

"اور آپ انکے پاس نہ تھے جبکہ وہ لوگ اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال رہے تھے۔" حضرت مریم کے حاصل کرنے کے لیے

وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ۔ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۱۰۲)

"اور آپ انکے پاس نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنے معاملہ پر اتفاق کیا"۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۸ آیت ۴۴)

"اور آپ مغربی کنارہ، میں نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسی کی طرف حکم بھیجا"۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۸ آیت ۴۶)

اور آپ طور کی طرف نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کو آواز دی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ گذشتہ زمانہ میں جو یہ مذکورہ واقعات ہوئے اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے صاف ظاہر ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں۔

جواب

یہ سوال اس وجہ سے ہے کہ معترض کو حاضر و ناظر کے معنی کی خبر نہیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حاضر و ناظر کی تین صورتیں ہیں ایک جگہ رہ کر سارے عالم کو دیکھنا۔ آن کی آن میں سارے عالم کی سیر کر لینا۔ ایک وقت میں چند جگہ ہونا۔ ان آیات میں فرمایا گیا کہ آپ باین جسم

پاک وہاں موجود نہ تھے ان میں یہ کہاں ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے اسی جسد عنصری سے وہاں نہ ہونا اور ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا کچھ اور بلکہ آیات مذکورہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ السلام آپ وہاں بہ ایں جسم موجود نہ تھے لیکن پھر بھی آپ کو ان واقعات کا علم اور مشاہدہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ سچے نبی ہیں یہ آیات تو حضور کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کر رہی ہیں۔ تفسیر صاوی میں وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ الآیۃ کی تفسیر میں ہے۔

وَ هٰذَا بِالنَّظْرِ اِلَى الْعَالَمِ الْجِسْمَانِیْ لِاِ قَامَةِ الْحُجَّةِ عَلَى الْخَصْمِ وَ اَمَّا بِالنَّظْرِ اِلَى الْعَالَمِ الرُّوْحَانِیْ فَهُوَ حَاضِرٌ رِسَالَةَ كُلِ رَسُوْلٍ وَمَاوَقَعَ مِنْ لَّدُنِ اٰدَمَ اِلٰى اَنْ ظَهَرَ بِجِسْمِهِ الشَّرِيْفِ

(تفسیر صاوی سورۃ قصص)

"یعنی یہ فرمانا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کی جگہ نہ تھے جسمانی لحاظ سے ہے عالم روحانی کی حیثیت سے حضور علیہ السلام ہر رسول کی رسالت اور آدم ح سے لے کر آپ کے جسمانی ظہور تک کے تمام واقعات پر حاضر ہیں۔"

نیز ہجرت کے دن غار ثور میں صدیق صدق کو لیے ہوئے جلوہ گر ہیں کہ کفار مکہ دروازہ غار پر آ پہنچے حضرت صدیق پریشان ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۴۰)

"غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ تو ہے مگر کفار کے ساتھ نہیں لہٰذا خدا ہر جگہ نہیں کیونکہ کفار بھی تو عالم ہی میں تھے نیز غزوہ احد سے فارغ ہو کر کفار سے خطاب فرمایا۔

اَللّٰهُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ

"اللہ ہمارا مولیٰ ہے تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔"

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی سلطنت وحکومت فقط مسلمانوں پر تو ہے کفار پر نہیں مولیٰ بمعنی والی۔ تو جس طرح ان دونوں کلاموں میں توجیہ کرو گے کہ پہلے کلام سے مراد ہے کہ اللہ رحم وکرم سے ہمارے ساتھ ہے اور جبر وقہر سے کفار کے ساتھ اور دوسری کلام میں مراد یہ ہے کہ مدد گار والی ہمارا ہے تمہارا والی تو ہے مگر ناصر اور مہربان نہیں اسی طرح ان آیات میں بھی کہا جائیگا کہ بطریق ظاہر بہ ایں جسد عنصری آپ اس وقت انکے پاس نہ تھے۔

اعتراض نمبر 3

قرآن کریم فرماتا ہے:

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قف مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ قف لَا تَعْلَمُهُمْ ط نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ط (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۰۱)

"اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے نفاق ان کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر نہیں ورنہ آپ کو منافقین کے اندرونی رازوں کی بھی خبر ہوتی حالانکہ آپ ان سے بے خبر تھے۔

جواب

اس کا تفصیلی جواب ہم بحث علم غیب میں اسی آیت کے ماتحت دے چکے ہیں۔

اِعتراض نمبر 4

بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ زید ابن ارقم نے عبداللہ ابن ابی کی شکایت کی کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۳ آیت ۷) مسلمانوں کو کچھ خرچ نہ دو۔ عبداللہ ابن ابی نے بارگاہ الٰہی میں آ کر جھوٹی قسم کھالی کہ میں نے یہ نہ کہا تھا فَصَدَّقَهُمْ وَ كَذَّبَنِیْ حضور علیہ السلام نے ان کو سچا مان لیا اور مجھ کو جھوٹا۔ اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ تو ابن ابی کی غلط تصدیق کیوں کر دی جب آیت کریمہ نے نازل ہو کر زید ابن ارقم کی تصدیق کی تو یہ سچے ہوئے۔

جواب

عبداللہ ابن ابی کی تصدیق فرما دینے سے لازم نہیں کہ آپ کو اصل واقعہ کا علم بھی نہ ہو شرعاً مقدمہ میں ضروری ہے کہ یا تو مدعی گواہ پیش کرے۔ ورنہ مدعی علیہ قسم کھا کر مقدمہ جیت لیگا۔ کیونکہ قاضی کا فیصلہ مدعی کی گواہی یا مدعا علیہ کہ قسم پر ہوتا ہے نہ کہ قاضی کے ذاتی علم پر زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ مدعی تھے کہ ابن ابی نے توہین کی اور ابن ابی منکر چونکہ حضرت زید کے پاس گواہی نہ تھی عبداللہ کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا۔ پھر جب قرآن نے زید کی گواہی دی تب اس گواہی سے انکی تصدیق ہوئی۔ قیامت میں گذشتہ کفار انبیاء کی تبلیغ کا انکار کریں گے اور انبیاء دعویٰ۔ رب العلمین امت مصطفیٰ علیہ السلام سے انبیاء کرام کے حق میں گواہی لے کر انبیاء کرام کی تصدیق فرمائے گا۔ اسی طرح کفار عرض کریں گے۔ وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۲۳) خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے تب انکے نامہ اعمال اور ملائکہ اور ان کے اعضاء سے گواہی لے کر ان کے خلاف فیصلہ ہوگا۔ تو کیا رب کو بھی اصل واقعہ کا پتہ نہ تھا۔ ضرور تھا مگر یہ قانون کی پابندی ہے۔ كَذَّبَنِیْ کے معنی ہیں کہ میری بات نہ مانی یہ معنی نہیں کہ مجھ کو جھوٹا فرمایا۔ کیونکہ جھوٹا فاسق ہوتا ہے اور تمام صحابہ عادل ہیں اور کسی مسلمان کو بلا دلیل فاسق نہیں کہا جا سکتا۔ کبھی دیوبندی کہتے ہیں کہ کیا نبی علیہ السلام گندی جگہ اور دوزخ میں بھی حاضر ہیں ان کو وہاں ماننا بے ادبی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر جگہ حاضر ہونا ایسا ہے جیسے سورج کی شعاع یا نور نظر یا فرشتوں کا ہر جگہ ہونا ہے کہ یہ چیزیں ہر جگہ موجود ہیں مگر گندگی سے گندی نہیں ہوتیں۔ بتاؤ تم رب کو ان سب جگہ حاضر مانتے ہو یا نہیں اگر مانتے ہو تو اس کی بے ادبی ہوئی یا نہیں نور آفتاب گندی جگہ پڑنے سے ناپاک نہیں تو حقیقت محمدیہ جسے رب نور فرمائے اس پر ناپاکی کے احکام کیوں جاری ہوں گے۔

اِعتراض نمبر 5

ترمذی ابن مسعود سے روایت ہے:

لَا یُبَلِّغُنِیْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَصْحَابِیْ شَیْئًا فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَیْكُمْ وَاَنَا سَلِیْمُ الصَّدْرِ۔

”کوئی شخص ہم سے کسی صحابی کی باتیں نہ لگائے ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس صاف دل آیا کریں۔“

اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہوتے تو خبر پہنچانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو ویسے ہی خبر رہتی۔

جوَابْ

انبیائے کرام کے علم شہودی میں ہر وقت ہر چیز رہتی ہے مگر ہر چیز ہر وقت توجہ رہنا ضروری نہیں۔ اس کے متعلق ہم بحث علم غیب میں حاجی امداد اللہ صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ اب حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم کو لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ دلا کر کسی کی طرف سے ناراض نہ بناؤ۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ذَرُوْنِیْ مَاتَرَکْتُکُمْ جب تک ہم تم کو چھوڑے رہیں تم بھی چھوڑے رہو۔

اِعتَراض نمبَر 6

بیہقی میں ہے:

مَنْ صَلَّی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلَّی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ۔

”جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے تو ہم خود سنتے ہیں اور جو دور سے درود بھیجتا ہے تو ہم تک پہنچایا جاتا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دور کی آواز آپ تک نہیں پہنچتی ورنہ پہنچائے جانے کی کیا ضرورت ہے۔

جوَابْ

اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ درود ہم نہیں سنتے۔ مطلب بالکل ظاہر ہے کہ قریب والے کا درود تو صرف خود سنتے ہیں اور دور والے کا درود سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے، ہم حاضر و ناظر کے ثبوت میں دلائل الخیرات کی وہ روایت پیش کر چکے ہیں کہ اہل محبت کا درود تو ہم بنفس نفیس خود سن لیتے ہیں۔ اور غیر محبت والوں کا درود پہنچا دیا جاتا ہے تو دور و قریب سے مراد دلی دوری قریبی ہے نہ کہ مسافت کے لحاظ سے۔

گر با منی دور یمنی پیش منی   گر بے منی و پیش دریمنی

پہنچائے جانے سے لازم نہیں آتا کہ آپ اس کو سنتے ہی نہیں۔ ورنہ ملائکہ بندوں کے اعمال بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں تو کیا رب کو خبر نہیں۔ درود کی پیشی میں بندوں کی عزت ہے کہ درود پاک کی برکت سے ان کا یہ رتبہ ہوا کہ غلاموں کا نام شہنشاہ امام کی بارگاہ میں آ گیا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فقہاء فرماتے ہیں کہ نبی کی توہین کرنے والے کی توبہ قبول نہیں۔ دیکھو شامی باب المرتدین کیونکہ یہ توہین۔ حق العباد ہے جو توبہ سے معاف نہیں ہوتا اگر توہین کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہیں ہوتی تو یہ حق العبد کیونکر بنی۔ غیب اسی وقت حق العبد بنتی ہے جب اس کی خبر اس کو ہو جاوے جس کی غیبت کی گئی ورنہ حق اللہ رہتی ہے۔ دیکھو شرح فقہ اکبر مصنفہ ملا علی قاری۔

کتاب جلاء الافہام مصنفہ ابن قیم شاگرد ابن تیمیہ صفحہ ۷۳ حدیث نمبر ۱۰۸ میں ہے۔

لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُّصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُہٗ حَیْثُ کَانَ قُلْنَا بَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِیْ۔

”یعنی کوئی کہیں سے درود شریف پڑھے مجھے اسکی آواز پہنچتی ہے۔ یہ دستور بعد وفات بھی رہے گا۔“

جلاء افہام مطبوعہ ادارہ الطباعۃ المنیر یہ صفحہ ۷۳ انیس الجلیس مصنفہ مولانا جلال الدین سیوطی صفحہ ۲۲۲ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اَصْحَابِیْ اِخْوَانِیْ صَلُّوْا عَلَی فِیْ کُلِّ یَوْمِ الْاِثْنِیْنَ وَ الْجُمُعَةِ بَعْدِ وَفَاتِیْ فَاِنِّیْ اَسْمَعُ صَلٰوتَکُمْ بِلَاوَاسِطَةٍ

''یعنی ہر جمعہ و پیر کو مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو میری وفات کے بعد کیونکہ میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں۔''

اِعتَراض نمبَر 7

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

مَنْ قَالَ اِنَّ اَرْوَاحَ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ یَکْفُرُ۔

''جو کہے کہ مشائخ کی روحیں حاضر ہیں جانتی ہیں وہ کافر ہیں۔''

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین والوازم الوہیت از علم غیب وشنیدن فریاد ہر کس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند یعنی نبی اور پیغمبروں کے لیے خدائی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سے ہر شخص کی فریاد سننا، تمام ممکنات پر قدرت ثابت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے۔ کسی اور میں ماننا صریح کفر ہے۔ بزازیہ فقہ کی معتبر کتاب ہے وہ حکم کفر دے رہی ہے۔

جوَابْ

فتاویٰ بزازیہ کی ظاہر عبارت کی زد میں تو مخالفین بھی آتے ہیں اولاً تو اس لیے کہ ہم امداد السلوک مصنفہ مولوی رشید احمد صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں جس میں انہوں نے نہایت صفائی سے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جاننے کی تعلیم دی ہے۔ دوسرے اس لیے کہ بزازیہ کی عبارت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کس جگہ روح مشائخ کو حاضر جانے ہر جگہ یا بعض جگہ اس اطلاق سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مشائخ کی روح کو ایک جگہ بھی حاضر جانے یا ایک بات کا بھی علم مانے تو کافر ہے اب مخالفین بھی ارواح مشائخ کو ان کی قبر یا مقام علیین برزخ وغیرہ جہاں وہ رہتی ہیں۔ وہاں تو حاضر مانیں گے ہی۔ بس کہیں بھی ماننا کفر ہوا۔ تیسرے اس لیے کہ ہم اس بحث حاضر و ناظر میں شامی کی عبارت پیش کر چکے ہیں کہ یہ حاضر یا ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ اشعۃ اللمعات اور احیاء العلوم بلکہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی وہابی کی عبارت بیان کر چکے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نمازی اپنے قلب میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہے۔ اب ان اکابر فقہاء پر بزازیہ کا فتویٰ جاری ہوگا یا نہیں لہٰذا ماننا ہوگا کہ بزازیہ میں جس حاضر و ناظر ماننے کو کفر فرمایا جا رہا ہے اور وہ حاضر و ناظر ہونا ہے جو صفت الٰہیہ ہے یعنی ذاتی 'قدیم' واجب 'بغیر کسی جگہ میں ہوئے کہ ایسا حاضر ہونا رب کی صفت ہے وہ ہر جگہ ہے مگر کسی جگہ میں نہیں پہلے سوال کے جواب میں ہم فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۱ کی عبارت اور براہین قاطعہ صفحہ ۲۳ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ مولوی رشید احمد و خلیل احمد صاحبان بھی اس فتوے میں ہم سے متفق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے کہ مشائخ و انبیاء کی قدرت تمام مقدورات الٰہیہ پر اللہ کی طرف ماننا کفر ہے ورنہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب وَ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۴۳) کے ماتحت حضور علیہ السلام کو حاضر ناظر مانتے ہیں۔ ان کی بحث علم غیب میں اسی آیت مذکورہ کے ماتحت لکھ چکے ہیں۔

اعتراض نمبر 8

اگر حضور ﷺ حاضر بھی ہیں اور نور بھی تو چاہیے کہ رات میں کبھی اندھیرا نہ ہو مگر ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے لہٰذا یا تو حضور نور نہیں یا نور ہیں مگر ہر جگہ حاضر نہیں؟

جواب

اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن مجید نور ہے اور ہر گھر میں بھی نیز فرشتے نور بھی ہیں اور ہر انسان کے ساتھ بھی نیز رب تعالیٰ نور بھی ہے اور ہر ایک کے ساتھ بھی مگر پھر بھی رات کو اندھیرا ہوتا ہے لہٰذا یا تو فرشتے' قرآن' خدا تعالیٰ نور نہیں یا حاضر نہیں۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ قرآن فرشتوں کی نورانیت ایمانی ہے اور نور کو دیکھنے کے لیے دیکھنے والے میں بصیرت کا نور چاہیے بعض مقبول لوگ وہ نور اب بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر 9

بعض مخالفین جب کوئی راستہ نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ابلیس میں ہر جگہ پہنچ جانیکی طاقت مانتے ہیں۔ اسی طرح آصف ابن برخیا اور ملک الموت اور ملائکہ میں یہ طاقت تسلیم کرتے ہیں مگر یہ نہیں مانتے کہ دیگر مخلوق کے کمالات پیغمبروں میں یا حضور عَلَیْہِ السَّلَام میں جمع ہیں۔ مولوی قاسم صاحب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ ''رہا عمل اس میں بسا اوقات غیر نبی، نبی سے بڑھ جاتے ہیں'' رجوم المذنبین میں مولوی حسین احمد صاحب نے لکھا کہ دیکھو تخت بلقیس لانیکی طاقت حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام میں نہ تھی اور آصف میں تھی ورنہ آپ خود ہی کیوں نہ لے آتے اسی طرح ہدہد نے کہا کہ اَحَطْتُّ بِمَالَمْ تُحِطْ بِہٖ (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۷ آیت ۲۲) اے سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جس کی خبر آپ کو نہیں نیز ہدہد کی آنکھ زمین کے اندر کا پانی دیکھ لیتی ہے اسی لیے وہ حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی خدمت میں رہتا تھا کہ جنگل میں زمین کے اندر کا پانی بتائے اور حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کو اس کی خبر نہ تھی معلوم ہوا کہ انبیاء عَلَیْہِ السَّلَام کے علم و طاقت سے غیر نبی بلکہ جانوروں کا علم و طاقت زیادہ ہو سکتا ہے۔

جواب

غیر نبی میں نبی سے زیادہ یا کسی اور نبی میں حضور عَلَیْہِ السَّلَام سے زیادہ کمال ماننا صریح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے خود مخالفین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی عبارات ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہ آٹھواں اعتراض خود اپنے مذہب کو چھوڑنا ہے۔ شفا شریف میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ فلاں کا علم حضور عَلَیْہِ السَّلَام سے زیادہ ہے۔ وہ کافر ہے۔ کسی بھی کمال میں کسی کو حضور عَلَیْہِ السَّلَام سے زیادہ ماننا کفر ہے کوئی غیر نبی نبی سے نہ تو علم میں بڑھ سکتا ہے نہ عمل میں۔ اگر کسی کی عمر ۸ سو سال ہو اور وہ اس تمام مدت میں عبادت ہی کرے اور کہے کہ میری عبادت تو ۸ سو سال کی ہے اور حضور عَلَیْہِ السَّلَام کی عبادت کل پچیس برس کی لہٰذا عبادت میں حضور سے میں بڑھ گیا وہ بے دین ہے۔ ان کے ایک سجدے کا جو ثواب ہے وہ ہماری لاکھوں برس کی عبادات سے کہیں بڑھ کر ہے صرف یہ ہوا کہ اس کی محنت زیادہ ہوئی مگر قرب الٰہی درجہ اور ثواب میں اس کی نبی سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ شان نبی تو بہت بلند و بالا ہے مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے کہ

میرے صحابی کا تھوڑے جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ شمسون بن اسرائیل نے ایک ہزار ماہ یعنی ۸۲ سال چار ماہ مسلسل عبادت کی۔ مسلمانوں کو اس پر رشک ہوا کہ ہم اس کا درجہ ثواب کیسے پائیں تو آیت کریمہ اتری لَيْلَةُ الْقَدْرِ لا خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (پارہ ۳۰ سورۃ ۹۷ آیت ۳) شب قدر تو ہزار ماہ سے بھی بہتر ہے۔ یعنی اے مسلمانو! تم کو ہم ایک شب قدر دیتے ہیں کہ اس شب میں عبادت بنی اسرائیل کی ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے تو حضور عَلَیْہِ السَّلَام کی ایک ایک ساعت لاکھوں شب قدر سے افضل ہے۔

جس مسجد پاک کے ایک گوشہ میں سید الانبیاء آرام فرما ہیں یعنی مسجد نبوی وہاں کی ایک رکعت پچاس ہزار کے برابر ثواب رکھتی ہے۔ جن کے قرب میں ہماری عبادت ایسی پھولتی پھلتی ہے تو ان کی عبادت کا کیا پوچھنا ہے۔

اس طرح یہ کہنا کہ آصف ابن برخیا میں تخت لانیکی طاقت تھی نہ کہ حضرت سلیمان میں محض بے ہودہ بکواس ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ط۔ (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۷ آیت ۴۰)

''اس نے کہا جس کو کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت بلقیس کو آپکے پلک جھپکنے سے پہلے حاضر خدمت کر دونگا۔''

معلوم ہوا کہ آصف کی یہ قدرت علم کتاب کی وجہ سے تھی بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کو اسم اعظم یاد تھا جس سے وہ یہ تخت لائے ان کو یہ علم حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی برکت سے ملا۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ان میں یہ قدرت ہو اور ان کے استاذ سیدنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام میں نہ ہو رہا یہ کہ پھر آپ خود نہ لائے وجہ بالکل ظاہر ہے کہ کام کرنا خدام کا کام ہے نہ کہ سلاطین کا دبدبہ سلطنت چاہتا ہے کہ خدام سے کام لیا جاوے بادشاہ اپنے نوکروں سے پانی منگوا کر پیتا ہے تو کیا اس میں خود پانی لینے کی طاقت نہیں۔ رب العلمین دنیا کے سارے کام فرشتوں سے کراتا ہے کہ بارش برسانا' جان نکالنا' پیٹ میں بچہ بنانا' سب ملائکہ کے سپرد ہیں تو کیا خدا میں یہ طاقت نہیں ہے کیا فرشتے خدا سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔ تفسیر روح البیان نے زیر آیت فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۹۲) بیان فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کا آصف کو بلقیسی تخت لانے کا حکم دینا اس لیے تھا کہ آپ نے اپنے درجہ سے اترنا نہ چاہا یعنی یہ کام خدام کا ہے۔

اسی طرح ہدہد کا قول قرآن نے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جسکی آپ کو خبر نہیں۔ قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی آپ کو خبر نہ تھی۔ ہدہد سمجھا کہ شاید اس کی خبر حضرت کو نہ ہوگی یہ کہہ دیا لہٰذا اس سے سند نہیں پکڑی جا سکتی۔

نیز ہدہد نے عرض کیا کہ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۷ آیت ۲۲) میں وہ بات دیکھ کر آیا جو آپ نے نہ دیکھی یعنی اس ملک میں آپ بہ این جسم شریف مشاہدہ فرمانے نہ گئے خبر کی نفی نہیں حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کو سب کچھ خبر تھی مگر منشاء الٰہی یہ تھا کہ اتنا بڑا کام ایک ہدہد چڑیا کے ذریعہ ہوتا کہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کے پاس بیٹھنے والے جانور وہ کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہو سکتے۔ اگر حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کو خبر نہ تھی تو آصف ابن برخیا بغیر کسی سے پتہ پوچھے یمن کے شہر سبا میں بلقیس کے گھر کیسے پہنچے اور آن کی آن میں تخت کیسے لے آئے؟ معلوم ہوا کہ سارا یمن حضرت آصف کے سامنے تھا تو پھر حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام سے کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔

یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کو باپ کا پتہ معلوم تھا۔ مگر وقت سے پہلے اپنی خبر نہ دی تا کہ قحط سالی پڑے اور آپ کی شان دنیا کو معلوم ہو۔ پھر باپ سے ملاقات ہو۔ نیز زمین کے نیچے کا پانی معلوم ہونا یہ ہدہد کی خدمت تھی سلاطین ان کاموں کو آپ نہیں کرتے مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار حضور عَلَیْہِ السَّلَام وضو فرما رہے تھے موزے اتار کر رکھ دیئے کہ ایک چیل نے جھپٹ کر ایک موزہ اٹھا لیا اور اوپر لے جا کر

الٹا کر کے پھینک دیا۔ جس میں سے سانپ نکلا۔ حضور علیہ السلام نے چیل سے دریافت فرمایا کہ تو نے میرا موزہ کیوں اٹھایا؟ عرض کیا کہ جب میں اڑتی ہوئی آپ کے سر مبارک کے مقابل آئی تو آپ کے سر سے آسمان تک وہ نور تھا کہ اسمیں آ کر مجھ پر زمین کے ساتوں طبق روشن ہو گئے اس سے میں نے آپ کے موزے کے اندر سانپ دیکھ لیا تو اس خیال سے اٹھالیا کہ شاید آپ بے توجہی میں اس کو پہن لیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جاوے مولینا فرماتے ہیں۔

مار در موزہ بہ بینم از ہوا! نیست از من عکس تست اے مصطفیٰ

پھر حضور نے فرمایا:

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود دل دریں لحظہ بحق مشغول بود

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار عرض کیا یا حبیب اللہ آج بہت تیز بارش آئی اور آپ قبرستان میں تھے آپکے کپڑے کیوں تر نہ ہوئے؟ فرمایا کہ عائشہ تم نے کیا اوڑھا ہوا ہے؟ عرض کیا کہ آپ کا تہبند شریف فرمایا۔

گف بہرآں نمود اے پاک حبیب چشم پاکت را خدا باران غیب !
نیست ایں باراں ازیں ابر شما ہست باراں دیگر ود دیگر سما!

اے محبوبہ! اس تہبند شریف کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے غیب کے پردے کھل گئے۔ یہ بارش نور کی تھی نہ کہ پانی کی بارش۔ اسکا بادل اور آسمان ہی دوسرا ہے۔ اے عائشہ یہ کسی کو نظر نہیں آیا کرتی۔ تم نے ہمارے تہبند کی برکت سے اس کو دیکھ لیا۔ ہدہد کی آنکھ کو یہ طاقت ابراہیم کی آگ پر پانی ڈالنے کی برکت سے ملی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی صحبت سے۔

اِعتراض نمبر 10

اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو مدینہ پاک حاضر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب

جب خدا ہر جگہ ہے تو کعبہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر معراج میں حضور علیہ السلام کے عرش پر جانے کا کیا فائدہ تھا؟ جناب مدینہ منورہ دارالسلطنت ہے۔ اور خاص تجلی گاہ جیسے کہ برقی طاقت کے لیے پاور ہاؤس بلکہ اولیائے اللہ کی قبور مختلف پاوروں کے قمقمے ہیں۔ ان کی بھی زیارت ضروری ہے۔

اِعتراض نمبر 11

اگر حضور حاضر و ناظر ہیں تو تم لوگ نماز کی امامت کیوں کرتے ہو ہر جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام ہونے چاہئیں۔

جواب

کسی آیت یا حدیث میں یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی امامت نہیں کرسکتا حضرت صدیق اکبر نے حضور کی حیات شریف میں ۱۷ نمازیں پڑھائیں حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نماز فجر پڑھائی خود حضور انور نے ان کے پیچھے ایک رکعت پڑھی۔ جناب امامت کے لیے ضروری ہے کہ امام حاضر بھی ہو اور نظر بھی آئے نماز بھی پڑھائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہیں اور تمام

جہاں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں مگر وہ تو نظر نہیں آتے ناظر ہیں مگر منظور نہیں نیز اب آپ یہ نماز کسی کو نہیں پڑھاتے کہ یہ نماز اسی عالم کی چ
ہے حضور ﷺ دوسرے عالم سے تعلق رکھتے ہیں اور حضور ﷺ پر اب نماز فرض نہیں ہم پر فرض ہے فرض والا نفل والے کے پیچھے نہیں
پڑھ سکتا۔

حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث

اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ

نبی کی تعریف اور ان کے درجات کے بیان میں

عقیدہ

نبی وہ انسان مرد ہیں جن کو اللہ نے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لیے بھیجا (شرح عقائد) لہٰذا نبی نہ تو غیر انسان ہو اور نہ عورت۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۷)

''اور ہم نے آپ سے پہلے نہ بھیجا مگر ان مردوں کو جن کیطرف ہم وحی کرتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ جن، فرشتہ، عورت وغیرہ نبی نہیں ہو سکتے۔

عقیدہ

نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان اور عالی نسب میں سے ہوتے ہیں اور نہایت عمدہ اخلاق ان کو عطا ہوتے ہیں۔ ذلیل قوم اور ادنی حرکات سے محفوظ (بہار شریعت) بخاری جلد اول کے شروع میں ہے کہ جب ہرقل بادشاہ روم کے پاس حضور علیہ السلام کا فرمان عالی پہنچا کہ اَسْلِمْ تَسْلِمْ اسلام لے آ سلامت رہے گا۔ تو ہرقل نے ابوسفیان کو بلا کر حضور علیہ السلام کے متعلق کچھ سوالات کئے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ كَيْفَ نَسَبُهٗ فِيْكُمْ تم میں ان کا خاندان و نسب کیسا ہے؟ ابوسفیان نے کہا هُوَ فِيْنَا ذُوْ نَسَبٍ وہ ہم میں نہایت اعلیٰ خاندان والے ہیں یعنی قریشی ہاشمی و مطلبی ہیں ﷺ۔ اس کے جواب میں ہرقل نے کہا وَكَذَالِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِيْ قَوْمِهَا ہمیشہ انبیائے کرام عالی قوم و اعلیٰ خاندان میں بھیجے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام عالی خاندان میں تشریف لاتے ہیں۔

تنبیہ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے یعنی معاذ اللہ بھنگیوں، چماروں ہندوؤں، بدھ اور چینی وغیرہ میں ان ہی کی قوم سے آئے لہٰذا لال گرو، کرشن، گوتم بدھ وغیرہ چونکہ نبی تھے اس لیے ان کو برا نہ کہو قرآن فرماتا ہے لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہر قوم میں ہادی ہیں نیز عورتیں بھی نبی ہوئی ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت مریم کو وحی ہوئی اور جس کو وحی ہو وہ نبی ہے۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى (پارہ ۲۰

سورۃ ۲۸ آیت ۷) وغیرہ لہٰذا یہ عورتیں نبی ہیں۔ مگر یہ دونوں قول غلط ہیں اول تو اس لیے کہ وہ آیت پوری نہیں بیان کی اور ترجمہ بھی درست نہ کیا آیت یہ ہے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۳ آیت ۷) تم ڈر سنانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہو یعنی ہر قوم کا ہادی ہونا حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء خاص خاص قوموں کے نبی ہوتے ہیں اور اے محبوب تم ہر قوم کے نبی ہو اگر مان بھی لیا جاوے کہ اس آیت کے یہ ہی معنی ہیں کہ ہر قوم میں ہادی ہوئے تو یہ کہاں ہے کہ ہر قوم میں اس ہی قوم سے ہادی ہوئے۔ ہوسکتا ہے اشرف قوم میں نبی آئے دیگر قومیں ان کے ماتحت رہیں حضور علیہ السلام قریشی ہیں۔ مگر پٹھان، شیخ، سید غرض کہ ساری قوموں بلکہ ساری مخلوق کے نبی ہیں نیز لفظ هَادٍ عام ہے کہ نبی ہو یا غیر نبی۔ تو یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے بعض بعض کے لیے رہبر ہوئے بلکہ مہادیو، کرشن وغیرہ کی ہستی کا بھی شرعی ثبوت نہیں قرآن وحدیث نے ان کی خبر نہ دی۔ صرف بت پرستوں کے ذریعے ان کا پتہ لگا وہ بھی اس طرح کہ کسی کے چار ہاتھ کسی کے چھ پاؤں۔ کسی کے منہ پر ہاتھی کی سی سونڈ کسی کے چوتڑ پر لنگور کی سی دم۔ ان کے نام بھی گھڑے ہوئے ہیں ان کی صورتیں بھی رب نے عرب کے بت پرستوں کو فرمایا۔

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ۔ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۳ آیت ۲۳)

”یہ تمہارے اور تمہارے باپ دادوں کے گھڑے ہوئے نام ہیں۔“

جب ان کے ہونے کا یقین ہی نہیں تو ان کو نبی مان لینا کونسی عقلمندی ہے۔

دوسرا قول اس لیے غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے دل میں القاء یا الہام کیا گیا تھا جسے قرآن نے اَوْحَيْنَآ سے تعبیر کیا وحی بمعنی الہام بھی آتی ہے جیسے قرآن میں ہے وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۶ آیت ۶۸) آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی یہاں وحی بمعنی دل میں ڈالنا ہے حضرت مریم علیہا السلام کو وحی تبلیغی نہ تھی اور نہ وہ تبلیغ احکام کے لیے بھیجی گئی نیز فرشتے کا ہر کلام وحی نہیں اور ہر وحی تبلیغی نہیں بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے ملائکہ کے کلام سنے ہیں اور بوقت موت اور قبر وحشر میں سب ہی ملائکہ سے کلام کریں گے حالانکہ سب نبی نہیں ہیں اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔

عقیدہ

کوئی شخص اپنی عبادات واعمال سے نبوت نہیں پاسکتا۔ نبوت محض عطاء الٰہی ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ (پارہ ۸ سورۃ ۶ آیت ۱۲۴) اللہ خوب جانتا ہے کہ جہاں اپنی رسالت رکھے اور غیر نبی خواہ غوث ہو یا قطب ابدال یا کچھ اور نہ تو نبی کے برابر ہوسکتا ہے نہ اس سے بڑھ سکے یہ چند امور خیال میں رہیں۔

بَابُ نَمبَر 1

اس بیان میں کہ نبی علیہ السلام کو بشر یا بھائی وغیرہ کہنا حرام ہے

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں جن یا بشر یا فرشتہ نہیں ہوتے یہ دنیاوی احکام ہیں ورنہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام

سے ہوئی کیونکہ وہ ہی ابوالبشر ہیں اور حضور علیہ السلام اس وقت نبی ہیں جبکہ آدم علیہ السلام آب وگل میں ہیں خود فرماتے ہیں کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَ الطِّیْنِ اس وقت حضور نبی ہیں بشر نہیں سب کچھ صحیح لیکن ان کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا حضور علیہ السلام کو یا محمد یا کہ اے ابراہیم کے باپ یا اے بھائی باوا وغیرہ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے اور اگر اہانت کی نیت سے پکارا تو کافر ہے۔ عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ جو شخص حضور علیہ السلام کو ھٰذَا الرَّجُلُ یہ مرد اہانت کی نیت سے کہے تو کافر ہے بلکہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا شفیع المذنبین وغیرہ عظمت کے کلمات سے یاد کرنا لازم ہے۔ شعراء جو اشعار میں یا محمد لکھ دیتے ہیں وہ تنگی موقعہ کی وجہ سے ہے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لے۔ اس طرح جو کہتے ہیں کہ

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحہ تیرا

یہ تیرا انتہائی ناز کا کلمہ ہے جیسے اے آقا میں تیرے قربان۔ اے ماں تو کہاں ہے؟ اے اللہ تو ہم پر رحم فرما! اس تو اور تیرے کی حیثیت اور ہے۔

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے:

لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ط (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۴ آیت ۶۳)

''رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔''

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۲)

''اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جاویں اور تم کو خبر نہ ہو۔''

ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے مدارج جلد اول وصل از جملہ رعایت حقوق اولیت میں ہے ''مخوانید اورا بنام مبارک او چنانکہ می خوانید بعضے از شما بعض را بلکہ بگوئید یا رسول اللہ یا نبی اللہ با توقیر و تواضع'' نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک لے کر نہ بلاؤ جیسے بعض کو بعض بلاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ توقیر و عزت کے ساتھ۔ تفسیر روح البیان زیر آیت لا تجعلوا ہے۔

وَالْمَعْنٰی لَا تَجْعَلُوْا نِدَآءَکُمْ اِیَّاهُ وَ تَسْمِیَّتَکُمْ لَهٗ کَنِدَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا لِاِسْمِهٖ مِثْلُ یَا مُحَمَّدُ وَ یَا ابْنَ عَبْدِاللّٰهِ وَلٰکِنْ بِلَقَبِهِ الْمُعَظَّمِ مِثْلُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ وَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ وَ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ۔

یعنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض لوگ بعض کو نام سے پکارتے ہیں جیسے یا محمد اور یا ابن عبداللہ وغیرہ لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو جیسے یا نبی اللہ یا رسول اللہ جیسا کہ خود رب تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا النبی یا ایھا الرسول۔''

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین ومحدثین سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جاوے نداء میں، کلام میں، ہر ادا میں۔

(۲) دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔ ماں کو والدہ صاحبہ، باپ کو والد ماجد، بھائی کو بھائی صاحب جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اگر کوئی اپنی ماں کو باپ کی بیوی یا باپ کو ماں کا شوہر کہے یا اس کا نام لے کر پکارے یا اسکو بھیا وغیرہ کہے۔ تو اگر چہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب گستاخ کہا جائے گا کہ برابری کے کلمات سے کیوں یاد کیا۔ حضور علیہ السلام تو خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں ان کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے گھر میں بہت ماں بیوی بیٹی سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام وکام واحکام جداگانہ جو ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہہ کر پکارے وہ بے ایمان ہی ہے اور جوان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے یا ایسے ہی جو نبی کو امتی یا امتی کو نبی کیطرح سمجھے وہ ملعون ہے دیوبندیوں نے نبی کو اُمّی کا درجہ دیا یا ان کے پیشوا مولوی اسمٰعیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کرسی دی دیکھ صراط المستقیم کا خاتمہ معاذ اللہ۔

(۳) رب تعالیٰ جس کو کوئی خاص درجہ عطا فرمائے۔ اس کو عام القاب سے پکارنا اس کے ان مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے اگر دنیاوی سلطنت کی طرف سے کسی کو نواب یا خان بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی یا آدمی بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب کو یاد نہ کرنا جرم ہے کہ اسکا مطلب تو یہ ہے کہ تم حکومت کے عطا کئے ہوئے۔ ان خطابات سے ناراض ہو تو جس ذات عالی کو رب کی طرف سے نبی رسول کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔

(۴) خود پروردگار عالم نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد یا اخا مومنین کہہ کر نہ پکارا بلکہ یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المزمل یا ایہا المدثر وغیرہ وغیرہ پیارے القاب سے پکارا حالانکہ وہ رب ہے تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔

(۵) قرآن کریم نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بتایا کہ وہ انبیاء کو بشر کہتے تھے۔

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۶ آیت ۱۵)

''کافر بولے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر۔''

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۳ آیت ۳۴)

''اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان والے ہو وغیرہ وغیرہ۔''

اس قسم کی بہت سے آیات ہیں اسی طرح مساوات بتانا انبیاء کرام کی شان گھٹانا طریقہ ابلیس ہے کہ اس نے کہا۔

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔

''خدایا تو نے مجھے آگ سے اور انکو مٹی سے پیدا فرمایا۔''

مطلب یہ کہ میں ان سے افضل ہوں اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور پیغمبروں میں کیا فرق ہے۔ ہم بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم زندہ وہ مردے یہ سب ابلیسی کلام ہے۔

باب نمبر 2

مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے بیان میں

اعتراض نمبر 1

(۱) قرآن فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پارہ ۲۴ سورہ ۴۱ آیت ۶)

''اے محبوب فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔''

اس آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ بھی ہماری طرح بشر ہیں اگر نہیں تو آیت معاذ اللہ جھوٹی ہو جاوے گی

جواب

اس آیت میں چند طرح غور کرنا لازم ہے ایک یہ کہ فرمایا گیا ہے قل اے محبوب آپ فرمادو۔ تو یہ کلمہ فرمانے کی صرف حضور علیہ السلام کو اجازت ہے کہ آپ بطور انکسار و تواضع فرمادیں یہ نہیں کہ قُوْلُوْا اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلُنَا اے لوگو تم کہا کرو کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں بلکہ قل میں اس جانب اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہہ دو ہم تو نہ کہیں گے ہم تو فرمائیں گے شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا (پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت ۴۵، ۴۶) ہم تو فرمائیں گے يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ وغیرہ ہم تو آپکی شان بڑھائیں گے آپ انکسارًا یہ فرما سکتے ہیں نیز۔ اس آیت میں کفار سے خطاب ہے چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے لہٰذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے نہ گھبراؤ میں تمہاری جنس میں سے ہوں یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی آوازیں نکال کر شکار کرتا ہے اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے اور دیوبندی بھی کفار میں سے ہی ہیں تو ان سے بھی یہ خطاب ہو سکتا ہے ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا اَيُّكُمْ مِثْلِيْ طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر پیچھے کھڑے ہو کر بولتے ہیں تاکہ طوطا اپنا عکس دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جنس کی آواز ہے انبیائے کرام رب کا آئینہ ہیں آواز و زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام رب کا گفت من آئینہ مشقول دوست۔ یہ عکس کا لحاظ ہے دوسرے اس طرح کہ مِثْلُكُمْ پر آیت ختم نہ ہوئی بلکہ آگے آرہا ہے يُوْحٰى اِلَيَّ يُوْحٰى اِلَيَّ کی قید ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ زید دیگر حیوانات کی طرح حیوان ہے مگر ناطق ہے تو ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید سے زید تو اشرف المخلوقات انسان ہوا۔ اور دوسرے حیوانات اور شئے اسی طرح وحی کی صفت نے نبی اور امتی میں بہت بڑا فرق بتا دیا۔ حیوان اور انسان میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے۔ مگر بشریت اور شان مصطفوی میں ۲۷ درجہ کا فرق ہے اولا بشر پھر شہید پھر متقی پھر ولی پھر ابدال پھر اوتار پھر قطب پھر غوث پھر غوث الاعظم پھر تابعی پھر صحابی پھر مہاجر پھر صدیق پھر نبی پھر رحمۃ للعالمین وغیرہ یہ ۲۷ مراتب کا اجمالی ذکر ہے۔ تفصیل دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ کرو۔ تو عام بشر اور مصطفیٰ علیہ السلام میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں کہ جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کہے اللہ ہماری طرح موجود ہے۔ اللہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے کیونکہ کلمہ

موجود و علیم ہر جگہ بولا جاتا ہے۔ جس طرح ہماری موجودیت اور رب کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ اس لیے ہی ہماری بشریت اور محبوب علیہ السلام کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں۔ مولانا مثنوی میں فرماتے ہیں۔

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر ۔ بہر حق سوئے غریباں یک نظر

حضور علیہ السلام کی بشریت ہزار رہا جبریلی حیثیت سے اعلیٰ ہے۔

تیسرے اس طرح کہ قرآن کریم میں ہے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۴ آیت ۳۵) رب کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے۔ اس آیت میں بھی کلمہ مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نور خدا چراغ کی طرح روشنی ہے اسی طرح قرآن میں ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۳۸)

”نہیں ہے کوئی جانور زمین میں نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔“

یہاں بھی کلمہ امثال موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے اُلو جیسا ہے ہرگز نہیں نیز اِنَّمَا کا حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی یعنی میں نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح خالص بندہ ہوں جیسے ہاروت ماروت کا کہنا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۰۲)

چوتھے اس طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایمان عبادات، معاملات غرض یہ کہ کسی شے میں ہم جیسے نہیں ہر بات میں فرق عظیم ہے۔ حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جاویں۔ حضور علیہ السلام کا ایمان دیکھی ہوئی چیزوں پر کہ رب کو جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرمالیا۔ ہمارا ایمان سنا ہوا ہمارے لیے ارکان اسلام پانچ، حضور علیہ السلام کے لیے چار یعنی آپ پر زکوۃ فرض نہیں۔ دیکھو شامی شروع کتاب الزکوۃ۔ ہم کو چار بیویوں کی اجازت حضور علیہ السلام کے لیے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں۔ ہماری بیویاں ہمارے مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۳ آیت ۶) کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ط (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۵۳) ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہو حضور ﷺ کی میراث نہ بٹے ہمارا پیشاب پائخانہ ناپاک۔ حضور علیہ السلام کے فضلات شریفہ امت کے لیے پاک (دیکھو شامی باب الانجاس) مرقاۃ باب الستر کے شروع میں ہے وَلِذَا حَجَمَهٗ اَبُوْ طَيْبَةَ فَشَرِبَ دَمَهٗ اسی طرح مدارج النبوۃ میں جلد اول وصل عرق شریف صفحہ ۲۵ میں بھی ہے۔ یہ تو شرعی احکام میں فرق بتائے گئے ورنہ لاکھوں امور میں فرق عظیم ہے۔ ہم کو اس ذات کریم سے کوئی نسبت ہی نہیں یوں سمجھو کہ بے مثل خالق کے بے مثل بندے ہیں۔

بے مثلی حق کے مظہر ہو پھر مثل تمہارا کیونکر ہو
نہیں کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ کوئی تمہارا ہم پایا

اس قدر فرق عظیم کے ہوتے ہوئے مثلیت کے کیا معنی۔

پانچویں اس طرح کہ اس آیت میں ہے بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ نہیں ہے کہ اِنْسَانٌ مِّثْلُكُمْ بشر کے معنی ہیں ذو بشرہ۔ یعنی ظاہری چہرے مہرہ والا۔ بشرہ کہتے ہیں ظاہر کھال کو۔ تو معنی یہ ہوئے کہ میں ظاہر رنگ و روپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ اعضائے بدن دیکھنے میں یکساں

معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے یُوْحٰی اِلَیَّ (پارہ ۲۴ سورۃ ۴۱ آیت ۶) ہم صاحب وحی ہیں۔ یہ گفتگو بھی فقط ظاہری طور پر ہے۔

ورنہ ہمارے ظاہری اعضاء کو حضور علیہ السلام کے اعضاء مبارکہ سے کوئی نسبت نہیں۔ قدرت الٰہی دیکھو کہ منہ کا لعاب شریف کھاری کنویں میں پڑے پانی کو میٹھا کر دے۔ حدیبیہ کے خشک کنویں میں پڑ جاوے تو پانی پیدا کر دے حضرت جابر کی ہانڈی میں پڑ کر شوربا اور بوٹیاں بڑھا دے۔ آٹے میں پڑے تو آٹے میں برکت دے۔ صدیق کے پاؤں میں پہنچ کر سانپ کے زہر کو دفع کرے۔ عبداللہ ابن عتیک کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچ کر ہڈی جوڑ دے۔ حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھ سے لگے تو کحل الجواہر کا کام دے۔ آج ہزار روپے کی دوا بھی اس قدر اثر نہیں رکھتی۔ اگر سر پاک سے قدم پاک تک ہر عضو شریف کی برکات دیکھنا ہیں تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن کا مطالعہ کرو۔ ہمارے ہر عضو کا سایہ حضور کے کسی عضو کا سایہ نہیں پسینہ پاک میں مشک و عنبر سے بہتر خوشبو۔ ﷺ۔

چھٹے اسطرح کے شیخ عبدالحق مدارج النبوۃ جلد اول باب سوم وصل ازالہ شبہات میں فرماتے ہیں ”در حقیقت متشابہات اند علماء آں را معانی لائقہ تاویلات رائقہ کردہ راجع بحق ساختہ اند“ یہ آیات حقیقت میں متشابہات ہیں کہ علماء نے ان کے مناسب معانی اور بہتر تاویلیں کر کے حق کی طرف پھیرا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۱۰) یا مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۴ آیت ۳۵) وغیرہ آیات جو بظاہر شان خداوندی کے خلاف معلوم ہوتی ہے وہ متشابہات ہیں۔ اسی طرح اِنَّمَا بَشَرٌ وغیرہ آیات جو بظاہر شان مصطفٰی کے خلاف ہیں متشابہات ہیں لہٰذا انکے ظاہر سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔

ساتویں اس طرح کے روزہ وصال کے بارے میں حضور نے فرمایا اَیُّکُمْ مِثْلِیْ تم میں ہم جیسا کون ہے؟ بیٹھ کے نفل پڑھنے کے بارے میں فرمایا لٰکِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ لیکن ہم تمہاری طرح نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت موقعوں پر فرمایا اَیُّنَا مِثْلُہٗ ہم میں حضور علیہ السلام کی طرح کون ہے؟ احادیث تو فرما رہی ہیں کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں ان میں مطابقت کرنا ضروری ہے وہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جاوے۔

آٹھویں اس طرح کہ تفسیر روح البیان میں سورہ مریم میں کٓھٰیٰعٓصٓ کے ماتحت ہے کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں۔ صورت بشری، صورت حقی، صورت ملکی بشریت کا ذکر اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ (پارہ ۲۴ سورۃ ۴۱ آیت ۸) حقی کا ذکر ہوا مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ جس نے ہم کو دیکھا حق کو دیکھا صورت ملکی کا ذکر فرمایا لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّ لَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ بعض وقت ہم کو اللہ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ نہ اس میں مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے نہ مرسل نبی کی۔ معراج میں سدرہ پہنچ کر طاقت جبریلی ختم ہو گئی۔ مگر حضور علیہ السلام کی بشری طاقت کی ابھی ابتداء نہ تھی اس آیت میں محض ایک صورت کا ذکر ہے۔

نویں اس طرح کہ بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ میں یہ تو فرمایا کہ ہم تم جیسے بشر ہیں یہ نہ فرمایا کہ کس وصف میں تم جیسے ہیں یعنی جس طرح تم محض بندے ہو۔ نہ خدا نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کی صفات سے موصوف اس طرح میں عبداللہ ہوں نہ اللہ ہوں۔ نہ ابن اللہ ہوں۔ عیسائیوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا تم ہمارے صدہا معجزات دیکھ کر یہ نہ کہہ دینا بلکہ کہنا عبداللہ و رسولہ۔

تفسیر کبیر شروع پارہ ۱۲ زیر آیت فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۲۷) قصۂ نوح علیہ السلام میں ہے کہ نبی بشر اس

لیے ہوتے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوتے تو لوگ ان کے معجزات کو ان کی ملکی طاقت پر محمول کر لیتے۔ آپ جب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں تو ان کا کمال معلوم ہوتا ہے غرض کہ انبیاء کی بشریت ان کا کمال ہے لہٰذا آیت کا مقصود یہ ہوا کہ ہم تم جیسے بشر ہو کر ایسے کمالات دکھاتے ہیں تم تو دکھا دو۔

دسواں اس طرح کہ بہت سے الفاظ وہ ہیں جو پیغمبر اپنے لیے استعمال فرما سکتے ہیں اور وہ ان کا کمال ہے دوسرا کوئی ان کی شان میں کہے تو گستاخی دیکھو آدم علیہ السلام نے عرض کیا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۳) یونس علیہ السلام نے رب سے عرض کیا اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۸۷) موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۶ آیت ۲۰) لیکن کوئی دوسرا اگر ان حضرات کو ظالم یا ضال کہے تو ایمان سے خارج ہوگا۔ اسی طرح بشر کا لفظ بھی ہے

اِعتراض نمبر 2

حضور علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا وَاَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ تم اپنے بھائی کا (ہمارا) احترام کرو جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہمارے بھائی ہیں۔ مگر بڑے بھائی ہیں نا کہ چھوٹے۔

(۳) قرآن فرماتا ہے:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا۔

(پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۸۵، ۷۳، ۶۵)

"ان آیات میں رب نے انبیائے کرام کو مدین ثمود اور عاد کا بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ انبیاء امتیوں کے بھائی ہوتے ہیں۔"

جواب

حضور علیہ السلام نے اپنے کرم کریمانہ سے بطور تواضع وانکسار فرمایا اخاکم اس فرمانے سے ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی؟ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں تو رعایا کو حق نہیں کہ وہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے۔ اسی طرح رب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شعیب وصالح وہود علیہ السلام مدین اور ثمود اور عاد قوموں میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے نہ تھے۔ یہ بتانے کے لیے اَخَاھُمْ فرمایا یہ کہاں فرمایا کہ ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام علیہ السلام کو برابری کے القاب سے پکارنا حرام ہے اور لفظ بھائی برابری کا لفظ ہے۔ باپ بھی گوارہ نہیں کرتا کہ بیٹا اس کو بھائی کہے۔

اِعتراض نمبر 3

قرآن کہتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۱۰) مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور حضور علیہ السلام بھی مومن ہیں لہٰذا آپ بھی مسلمانوں کے بھائی ہوئے تو حضور علیہ السلام کو کیوں نہ بھائی کہا جاوے۔

جواب

پھر تو خدا کو بھی اپنا بھائی کہو کیونکہ وہ بھی مومن ہے قرآن فرماتا ہے اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ (پارہ ۲۸ سورۃ ۵۹ آیت

۲۳)اور ہر مومن آپس میں بھائی ہے۔ لہٰذا خدا بھی مسلمانوں کا بھائی معاذ اللہ۔ نیز بھائی کی بیوی بھابی ہوتی ہے اور اس سے نکاح حلال اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ (قرآن کریم) لہٰذا نبی ہمارے لیے مثل والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے نہ کہ بھائی کی۔ جناب ہم تو مومن ہیں۔ اور حضور علیہ السلام عین ایمان ہیں۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

فَالصِّدْقُ فِی الْغَارِ وَ الصِّدِّیْقُ لَمْ یُرِیَا۔
''یعنی غار ثور میں صدق بھی تھا صدیق بھی تھے۔''

حضور علیہ السلام اور عام مومنین میں صرف لفظ مومن کا اشتراک ہے جیسے رب اور عام مومنین میں نہ کہ حقیقت میں ہم اور طرح کے مومن ہیں اسکی تفصیل ہم جواب نمبر ایک میں بیان کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر 4

حضور علیہ السلام اولاد آدم ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے اور زندگی گذارتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں، موت آتی ہے اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے انکو بشر یا بھائی کیوں نہ کہا جاوے۔

جواب

اس کا فیصلہ مثنوی نے خوب فرمادیا۔

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر   ما و ایشاں بستہ خوابیم و خور!
ایں نہ دانستند ایشاں از عمیٰ   ہست فرقے درمیاں بے انتہا
ہر دو یک گل خورد و زنبور و نحل   زاں یکے شد نیش زاں دیگر عسل
ہر دو گوں آہو گیا خورد ند و آب   زیں یکے سرگیں شد و زان مشکناب
ایں خورد گرد و پلیدی زین جدا   واں خورد گرو وہمہ نور خدا

کفار نے کہا کہ ہم اور پیغمبر بشر ہیں کیونکہ ہم اور وہ دونوں کھانے سونے میں وابستہ ہیں اندھوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت بڑا فرق ہے۔ بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہے مگر اس سے زہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دونوں ہرن ایک ہی دانہ پانی کھاتے ہیں۔ مگر ایک سے پاخانہ اور دوسرے سے مشک بنتا ہے۔ یہ جو کھاتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے نبی کے کھانے سے نور خدا ہوتا ہے۔

یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میری کتاب اور قرآن یکساں ہیں۔ کیونکہ دونوں ایک ہی روشنائی ایک کاغذ پر ایک ہی قلم سے لکھی گئیں۔ ایک ہی قسم کے حروف تہجی سے دونوں بنیں ایک ہی پریس میں چھپیں۔ ایک ہی جلد ساز نے جلد باندھی۔ ایک ہی الماری میں رکھی گئیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے۔ مگر کوئی بیوقوف بھی نہیں کہے گا کہ ان ظاہری باتوں سے ہماری کتاب قرآن کی طرح ہو گئی تو ہم صاحب قرآن کی مثل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ دیکھا کہ حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے ان کو معراج ہوئی ان کو نماز میں سلام کرتے ہیں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام انبیاء و اولیاء ان کے خدام بارگاہ ہیں۔ یہ اوصاف ماو شما تو کیا ملائکہ کو بھی نہ ملے۔

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَّا کَالْبَشَرِ
حضور علیہ السلام بشر ہیں عام بشر نہیں

یَاقُوْتٌ حَجَرٌ لَّا کَالْحَجَرِ
یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھر نہیں

اعتراض نمبر 5

بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ اگر حضور کو بشر کہنا حرام ہے چاہیئے کہ انسان یا عبد کہنا بھی حرام ہو کہ ان سب کے معنی قریب ہیں پھر تم کلمہ میں عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کیوں کہتے ہو؟

جواب

یہ ہے کہ لفظ بشر کفار بہ نیت اہانت کہتے تھے اور نبی کو رب نے انسان یا عبد بطور تعظیم فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۳، ۴) اور اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۱) لہٰذا یہ الفاظ تعظیماً کہنا جائز ہیں اور بشر کہنا حرام ہے جیسے رَاعِنَا اور اُنْظُرْنَا ہم معنی ہیں مگر راعنا کہنا حرام ہے طریقہ کفار ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا:

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر او سراپا انتظار او منتظر

حضور کی عبدیت سے رب کی شان ظاہر ہوتی ہے اور رب کی عظمت سے ہماری عبدیت چمکی وزیر بھی شاہی خادم ہے اور سپاہی بھی مگر وزیر سے بادشاہ کی شان کا ظہور اور شاہی نوکروں سے سپاہی کی عزت۔

اعتراض نمبر 6

شمائل ترمذی میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ فرماتی ہیں کَانَ بَشَرٌ مِّنَ الْبَشَرِ حضور علیہ السلام بشروں میں سے ایک بشر تھے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام نے عائشہ صدیقہ کو اپنی زوجیت سے مشرف فرمانا چاہا تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کا بھائی ہوں کیا میری دختر آپ کو حلال ہے دیکھو حضرت عائشہ نے حضور علیہ السلام کو بشر کہا اور صدیق نے اپنے کو حضور کا بھائی بتایا۔

جواب

بشر یا بھائی کہہ کر پکارنا یا محاورہ میں نبی علیہ السلام کو یہ کہنا حرام ہے عقیدہ کے بیان یا دریافت مسائل کے لیے اور احکام ہیں۔ حضرت صدیقہ یا صدیق رضی اللہ عنہما عام گفتگو میں حضور علیہ السلام کو بھائی یا بشر نہ کہتے تھے۔ یہاں ضرورتاً اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے۔ صدیقۃ الکبریٰ تو یہ فرمارہی ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک نہایت بے تکلفی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گذری کہ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ ہی سے انجام دیتے تھے اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خطاب اخوت سے نوازا ہے کیا اس خطاب پر حقیقی بھائی کے احکام جاری ہونگے یا نہیں؟ اور میری اولاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال ہوگی یا نہیں؟ ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔ حضرت خلیل نے ایک ضرورت پر حضرت سارہ علیہا السلام کو فرمادیا ھٰذَا اُخْتِیْ یہ میری بہن ہیں حالانکہ وہ آپکی بیوی تھیں اس سے لازم نہیں آتا کہ حضرت سارہ اب آپکو بھائی کہہ کر پکارتیں۔

ہم ان حضرات کا عام محاورہ دکھاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ السلام رشتہ میں صدیقہ کے زوج اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بھائی کی اولاد ہیں۔ مگر یہ حضرات جب بھی روایت حدیث کرتے ہیں تو صدیقہ یہ نہیں فرماتیں کہ میرے زوج نے فرمایا، یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہما یہ نہیں کہتے کہ ہمارے بھتیجے یا ہمارے بھائی نے یہ فرمایا۔ سب یہ ہی فرماتے ہیں قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو جو حضرات رشتہ کے لحاظ سے بھائی ہیں وہ بھی بھائی نہیں کہتے۔ تو ہم کمینوں غلاموں کو کیا حق ہے کہ بھائی کہیں۔

نسبت خود بسگت کردم وبس منفعلم   زانکہ نسبت بسگت کوئے تو شد بے ادبی است
ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب   ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

جناب شروع اسلام میں تو یہ حکم تھا کہ حضور علیہ السلام سے کچھ عرض کرنا چاہے تو پہلے کچھ صدقہ دے بعد میں عرض کرے۔ قرآن فرماتا ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ط (پارہ ۲۸ سورۃ ۵۸ آیت ۱۲)

یعنی اے ایمان والو۔ جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مسائل دریافت کئے (تفسیر خازن یہ ہی آیت) پھر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی عظمت شان کا پتا لگ گیا کہ نماز میں رب سے ہمکلام ہو تو صرف وضو کرو۔ لیکن حضور علیہ السلام سے عرض معروض کرنا ہو تو صدقہ کرو پھر بھائی کہنا کہاں رہا؟

بحث نداء یارسول اللہ یا نعرہ یارسول اللہ

حضور علیہ السلام کو دور یا نزدیک سے پکارنا جائز ہے۔ ان کی ظاہری زندگی پاک میں بھی اور وفات شریف میں بھی خواہ ایک ہی شخص عرض کرے یارسول اللہ یا ایک جماعت مل کر نعرہ رسالت لگائے یارسول اللہ ہر طرح جائز ہے۔ اس بحث کو ہم دو باب میں تقسیم کرتے ہیں۔

باب نمبر 1

ندائے یارسول اللہ کے ثبوت میں

حضور علیہ السلام کو ندا کرنا قرآن کریم، فعل ملائکہ، فعل صحابہ رضی اللہ عنہم اور عمل امت سے ثابت ہے قرآن کریم نے بہت سے مقامات میں حضور علیہ السلام کو نداء فرمائی یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ۔ یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ وغیرہ ان تمام آیات میں حضور علیہ السلام کو پکارا گیا ہے ہاں دیگر انبیاء کرام کو ان کے نام سے پکارا یا موسیٰ یا عیسیٰ یا یحییٰ یا ابراہیم یا آدم وغیرہ مگر محبوب علیہ السلام کو پیارے پیارے القاب سے نداء فرمائی۔

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب   یا ایہا النبی خطاب محمد است

بلکہ قرآن کریم نے عام مسلمانوں کو بھی پکارا یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہمارے محبوب کو پکارو مگر اچھے القاب سے

لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۴ آیت ۶۳)

اس میں حضور علیہ السلام کو پکارنے سے نہیں روکا گیا بلکہ فرمایا گیا کہ اوروں کی طرح نہ پکارو۔ قرآن نے فرمایا اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِهِمْ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۳ آیت ۵) انکو ان کے باپ دادا کی طرف نسبت کر کے پکارو۔ اس آیت میں اجازت ہے کہ زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پکارو۔

اسی طرح کفار کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے مددگاروں کو اپنی امداد کے لیے بلالیں وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۲۳)۔

مشکوٰۃ کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے عرض کیا یَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ ندا پائی گئی۔ مشکوٰۃ باب وفات النبی میں ہے کہ بوقت وفات ملک الموت نے عرض کیا یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَنِیْ اِلَيْكَ ندا پائی گئی۔ ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجہ میں حضرت عثمان ابن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوئے ان کو یہ دعا ارشاد ہوئی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتَقْضِیَ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ قَالَ اَبُوْاِسْحٰقَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ

"اے اللہ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں اور تیری طرف حضور علیہ السلام نبی الرحمتہ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپکے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کی تاکہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ میرے لیے حضور کی شفاعت قبول فرما ابو اسحٰق نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔"

یہ دعا قیامت تک کہ مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے اس میں ندا بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے مدد بھی مانگی ہے۔

عالمگیری جلد اول کتاب الحج آداب زیارت قبر نبی علیہ السلام میں ہے ثُمَّ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اے نبی آپ پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں وَ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِی الْغَارِ پھر فرماتے ہیں۔ وَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُظْهِرَ الْاِسْلَامِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُكَسِّرَ الْاَصْنَامِ یعنی صدیق اکبر کو یوں سلام پیش کرے کہ آپ پر سلام ہوا اے رسول اللہ کے سچے جانشین۔ آپ پر سلام ہوا اے رسول اللہ کے غار کے ساتھی۔ اور حضرت فاروق کو یوں سلام کرے آپ پر سلام ہو اے مسلمانوں کے امیر آپ پر سلام ہو اے اسلام کو چمکانے والے آپ پر سلام ہو اے بتوں کو توڑنے والے۔ اس میں حضور علیہ السلام کو بھی ندا ء ہے اور حضور علیہ السلام کے پہلو میں آرام فرمانے والے حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کو بھی۔ اکابر امت اولیاء ملت مشائخ و بزرگان دین اپنی دعاؤں اور وظائف میں یا رسول اللہ کہتے ہیں۔ قصیدہ بردہ میں ہے۔

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ
اے بہترین مخلوق آپکے سوا میرا کوئی نہیں

سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ
کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں

امام زین العابدین فرماتے ہیں اپنے قصیدہ میں:

يَا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اَدْرِكْ لِزَيْنِ الْعَابِدِيْنَ   مَحْبُوْسْ اَيْدِى الظّٰلِمِيْنَ فِىْ مَوْكَبِ الْمُزْدَهِمْ
اے رحمۃ للعالمین زین العابدین کی مدد کو پہنچو   وہ اس ازدحام میں ظالموں کی قید میں ہے

مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

ز مہجوری برآمد جان عالم   ترحم یا نبی اللہ ترحم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی   ز محروماں چرا فارغ نشینی

جدائی سے عالم کی جان نکل رہی ہے یا نبی اللہ رحم فرماؤ رحم فرماؤ ۔ کیا آخر آپ رحمۃ اللعالمین نہیں ہیں پھر ہم مجرموں سے فارغ کیوں ہو بیٹھے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں:

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا   اَرْجُوْ رِضَاكَ وَاَحْتَمِىْ بِحِمَاكَ

اے پیشواؤں کے پیشوا میں دلی قصد سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کی رضاء کا امیدوار ہوں اور اپنے کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ ان اشعار میں حضور کو ندا بھی ہے۔ اور حضور علیہ السلام سے استعانت بھی اور یہ ندا دور سے بعد وفات شریف ہے۔ تمام مسلمان نماز میں کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِىُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارنا واجب ہے۔ التحیات کے متعلق ہم شامی اور اشعۃ اللمعات کی عبارتیں حاضر و ناظر کی بحث میں پیش کر چکے ہیں وہاں دیکھو یہ گفتگو تھی تنہا یا رسول اللہ کہنے کی۔ اگر بہت لوگ مل کر نعرہ رسالت لگائیں تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ جب ہر شخص کو یا رسول اللہ کہنا جائز ہوا تو ایک ساتھ مل کر بھی کہنا جائز ہے چند مباح چیزوں کو ملانے سے مجموعہ مباح ہی ہوگا۔ جیسے بریانی حلال ہے۔ اس لیے حلال چیزوں کا مجموعہ ہے نیز اس کا ثبوت صراحۃً یہی ہے۔

مسلم آخر جلد دوم باب حدیث الہجرۃ میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ پاک داخل ہوئے۔

فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَ النِّسَآءُ فَوْقَ الْبُيُوْتِ وَ تَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَ الْخَدَمُ فِى الطُّرُقِ يُنَادُوْنَ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

”تو عورتیں اور مرد گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہو گئے نعرے لگاتے پھرتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔“

اس حدیث مسلم سے نعرہ رسالت کا صراحۃً ثبوت ہوا۔ اور معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نعرہ لگایا کرتے تھے۔ اسی حدیث ہجرت میں ہے کہ صحابہ کرام نے جلوس بھی نکالا ہے اور جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر سے واپس مدینہ پاک تشریف لاتے تو اہل مدینہ حضور علیہ السلام کا استقبال کرتے اور جلوس نکالتے (دیکھو مشکوٰۃ بخاری وغیرہ) جلسہ کے معنی ہیں بیٹھک یا نشست جلوس اس کی جمع ہے جیسے جلدہ کی جمع جلود۔ بمعنی کوڑا نماز ذکر الٰہی کا جلسہ ہے کہ ایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے اور حج ذکر کا جلوس کہ اس میں گھوم پھر کر ذکر ہوتا ہے قرآن سے ثابت ہے کہ تابوت سکینہ کو ملائکہ بشکل جلوس لائے۔ بوقت ولادت پاک اور معراج میں فرشتوں نے حضور کا جلوس نکالا۔ اور اچھوں کی نقل کرنا

باعث ثواب ہے۔ لہٰذا یہ مروج جلوس اس اصل کی نقل ہے اور باعث ثواب ہے۔

بابُ نمبر 2

ندائے یارسول اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اِعتراض نمبر 1

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے:

وَلَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنۡفَعُكَ وَ لَا یَضُرُّكَ۔ (پارہ ۱۱ سورہ ۱۰ آیت ۱۰۶)

''اللہ کے سوا ان کو نہ پکارو جو تم کو نفع و نقصان نہ پہنچا سکیں۔''

وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنۡفَعُھُمۡ وَلَا یَضُرُّھُمۡ۔ (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۵ آیت ۵۵)

''خدا کے سوا ان کو پوجتے ہیں جو ان کے لیے نافع و مضر نہیں۔''

ثابت ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا بت پرستوں کا کام ہے۔

جوَاب

ان جیسی آیتوں میں جہاں بھی لفظ دعا ہے اس سے مراد بلانا نہیں بلکہ پوجنا (دیکھو جلالین اور دیگر تفاسیر) معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو۔ دوسری آیت اس معنی کی تائید کرتی ہے رب فرماتا ہے وَمَنۡ یَّدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۳ آیت ۱۱۷) جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے (عبادت کرے) معلوم ہوا کہ غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے۔ کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے اگر ان آیات کے یہ معنی نہ کئے جاویں تو ہم نے جو آیات واحادیث اور علماء دین کے اقوال پیش کئے ہیں جن میں غیر خدا کو پکارا گیا ہے سب شرک ہوگا۔ پھر زندہ کو پکارو یا مردہ کو، سامنے والے کو پکارو یا دور والے کو سب ہی شرک ہوگا، روزانہ ہم لوگ بھائی بہن دوست آشنا کو پکارتے ہی ہیں۔ تو عالم میں کوئی بھی شرک سے نہ بچا نیز شرک کہتے ہیں غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات میں شامل کرنا کسی کو آواز دینا پکارنا اسمیں کون سے صفت الٰہی میں داخل کرنا ہے پھر یہ شرک کیوں ہوا؟

اِعتراض نمبر 2

(۲) فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ۔ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۰۳)

''پس اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام لینا شرک ہے صرف خدا ہی کا ذکر چاہیئے۔

جوَاب

اس آیت سے ذکر رسول اللہ کو حرام یا شرک سمجھنا نادانی ہے۔ یہ آیت تو یہ فرما رہی ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ہر حال میں ہر

طرح خدا کا ذکر کر سکتے ہو۔ یعنی نماز میں تو پابندی تھی کہ بغیر وضو نہ ہو، سجدہ رکوع اور قعدہ میں تلاوت قرآن کریم نہ ہو بلا عذر بیٹھ کر یا لیٹ کر نہ ہو مگر جب نماز سے فارغ ہو چکے تو یہ پابندیاں اٹھ گئیں۔ اب کھڑے بیٹھے لیٹے ہر طرح خدا کو یاد کر سکتے ہو۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں ایک یہ کہ یہ امر فَاذْکُرُوا اللّٰہَ وجوب کے لیے نہیں صرف جواز کے لیے ہے کہ نماز کے علاوہ چاہے خدا کو یاد کرو خواہ غیر خدا کو خواہ بالکل خاموش رہو ہر بات کی اجازت ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ امر وجوب کے لیے بھی ہو تو بھی ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نقیض نہیں تاکہ ذکر اللہ کے واجب ہونے سے یہ حرام ہو جاوے۔ بلکہ ذکر اللہ کی نقیض عدم ذکر اللہ ہے، تیسرے یہ کہ اگر ذکر اللہ کی نقیض ذکر غیر اللہ مان بھی لی جاوے تب بھی ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض زیادہ سے زیادہ حرام ہوگی نہ کہ شرک۔ مگر خیال رہے کہ حرام یا فرض ہونا فعل کی صفت ہے نہ کہ عدم فعل کی۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام کا ذکر بالواسطہ خدا ہی کا ذکر ہے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۸۰)

''جس نے رسول اللہ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔''

جب کلمہ، نماز، حج، درود، خطبہ، اذان غرض کہ ساری عبادات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر داخل اور ضروری ہے تو نماز سے خارج، انکا ذکر اٹھتے بیٹھتے کیوں حرام ہوگا جو شخص ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے درود شریف یا کلمہ پڑھے تو حضور کا ذکر کر رہا ہے ثواب کا مستحق ہے۔ پانچویں یہ کہ اس طرح کہ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ (پارہ ۳۰ سورۃ ۱۱۱ آیت ۱) اور سورہ منافقون اور وہ آیات جن میں کفار یا بتوں کا ذکر ہے ان کا پڑھنا ذکر اللہ ہے یا نہیں ضرور ہے کیونکہ یہ قرآنی آیات ہیں۔ ہر کلمہ پر ثواب ہے اگرچہ ان آیات میں مذکور کفار یا بت ہیں مگر کلام تو اللہ کا ہے۔ کلام الٰہی کا ذکر تو ذکر اللہ ہو۔ مگر رحمت الٰہی یا نور الٰہی محمد رسول اللہ کا ذکر ذکر اللہ نہ ہو یہ کیا انصاف ہے؟ قرآن میں ہے قَالَ فِرْعَوْنَ فرعون نے کہا قال پڑھنے پر تیس ثواب اور لفظ فرعون پڑھنے پر پچاس ثواب کیونکہ ہر حرف کے دس ثواب ہیں تو فرعون کا نام قرآن میں پڑھا گیا پچاس نیکیاں ملیں اور محمد رسول اللہ کا نام لیا تو مشرک ہو گیا۔ یہ کیا عقل ہے؟ ساتویں اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام فراق حضرت یوسف میں اٹھتے بیٹھتے حضرت یوسف کے نام کی رٹ فرماتے تھے اور ان کی یاد میں اس قدر روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اسی طرح حضرت آدم فراق حوا میں، حضرت امام زین العابدین فراق امام حسین میں اٹھتے بیٹھتے ان کے نام جپا کرتے تھے اور بزبان حال یہ کہتے تھے۔

حال من در ہجرت والد کم از یعقوب نیست او پسر گم کردہ بود ومن پدر گم کردہ ایم

بتاؤ ان پر یہ حکم شرک جاری ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو آج جو عاشق ہر حال میں اپنے نبی کو یاد کرے وہ کیوں مشرک ہوگا؟ ایک تاجر دن رات تجارت کا ذکر کرتا رہتا ہے طالب علم دن رات ہر حال میں سبق یاد کرتا ہے وہ بھی غیر خدا کا نام جپ رہا ہے وہ کیوں مشرک نہیں۔

نوٹ

دینا نگر پنجاب میں ہمارا اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کا اسی مسئلہ ندا یا رسول اللہ پر مناظرہ ہوا۔ ثناء اللہ صاحب نے یہ ہی آیت پیش کی۔ ہم نے صرف تین سوال کئے ایک یہ کہ قرآن میں امر کتنے معنی میں آیا ہے اور یہاں کون سے معنی میں استعمال ہوا؟ دوسرے یہ کہ ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض حرام ہوگی یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ ذکر اللہ کی نقیض کیا ہے؟ ذکر غیر اللہ یا عدم ذکر اللہ؟ جس کا جواب یہ

دیا کہ آپ نے ان سوالات میں اصول فقہ اور منطق کو دخل دیا ہے یہ دونوں علم بدعت ہیں گویا کہ جاہل رہنا سنت ہے پھر ان سے سوال کیا کہ بدعت کی صحیح تعریف ایسی کردو جس سے محفل میلاد تو حرام رہے اور اخبار اہلحدیث نکالنا سنت ہو؟ یہ سوالات اب تک ان پر قائم ہیں۔ ابھی وہ زندہ ہیں کوئی صاحب ان سے جوابات دلوا دیں ہم مشکور ہوں گے مگر اب افسوس کہ ثناء اللہ صاحب تو بغیر جواب دیئے دنیا سے چلے گئے کاش کوئی ان کے معتقد صاحب جواب دے کر ان کی روح کو خوش کریں۔

اعتراض نمبر 3

بخاری جلد دوم کتاب الاستیذان بحث مصافحہ باب الاخذ بالیدین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو حضور علیہ السلام نے التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَتُهُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ سکھایا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو ہم نے التحیات میں یوں پڑھا۔ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ۔

عینی شرح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

> فَظَاهِرُ هَا اَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ السَّلَامُ عَلَيْكَ بِكَافِ الْخِطَابِ فِيْ حَيَاةِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا مَاتَ تَرَكُوْا الْخِطَابَ وَ ذَكَرُوْهُ بِلَفْظِ الْغَيْبَةِ فَصَارُوْ يَقُوْلُوْنَ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ۔
>
> ”حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام حضور کی زندگی پاک میں السلام علیک کاف خطاب سے کہتے تھے لیکن جبکہ حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو خطاب چھوڑ دیا اور لفظ غائب سے ذکر کیا اور کہنے لگے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ۔“

اس حدیث اور شرح کی عبارات سے معلوم ہوا کہ التحیات میں السلام علیک کہنا زندگی پاک مصطفیٰ علیہ السلام میں تھا حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد التحیات میں بھی نداء کو چھوڑ دیا گیا تو جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے التحیات میں سے ندا کو نکال دیا تو جو شخص نماز کے خارج میں یارسول اللہ وغیرہ کہے تو بالکل ہی شرک ہے۔

جواب

بخاری اور عینی کی یہ عبارات تو آپ کے خلاف بھی ہیں کیونکہ آج تک کسی امام مجتہد نے التحیات کے بدلنے کا حکم نہ دیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی التحیات اختیار فرمائیں۔ مگر دونوں التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ ہے غیر مقلد بھی خواہ ثنائی ہوں یا غزنوی یہ ہی خطاب والی التحیات پڑھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے التحیات کو بدلا اور حدیث مرفوع کے مقابل اجتہاد صحابی قبول نہیں۔ اور ان صحابہ کرام نے بھی اس لیے تبدیل نہ کیا کہ نداء غائب حرام ہے۔ ورنہ زندگی پاک میں دور رہنے والے صحابہ خطاب والی التحیات نہ پڑھتے آخر یمن، خیبر، مکہ مکرمہ، نجد، عراق، تمام جگہ نماز رہتی تھی۔ تو اس میں التحیات پڑھی جاتی تھی۔ ندا غائب برابری ہوتی تھی۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حجاز میں تشریف فرما تھے اور نداء والی التحیات ہر جگہ پڑھی جارہی تھی نہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا نہ صحابہ کرام نے کچھ شبہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے التحیات سکھاتے وقت یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ التحیات صرف ہماری زندگی پاک میں ہے اور ہماری وفات شریف کے بعد دوسری پڑھنا۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۷ میں ہے ”لہٰذا صیغہ خطاب کو بدلنا ضروری نہیں اور اس میں تقلید بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی ضروری

نہیں۔ ورنہ خود حضور علیہ السلام فرماتے کہ بعد میرے انتقال کے خطاب نہ کرنا۔ بہرحال صیغہ خطاب رکھنا اولیٰ ہے۔ اصل تعلیم اسی طرح ہے۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ فعل حجت نہیں ورنہ لازم آوے گا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں شرک ہوتا رہا۔ اور منع نہ فرمایا گیا۔ بعد میں بھی بعض نے بدلا نہ کہ کل نے۔ بلکہ مرقات باب التشہد اخیر فصل میں ہے۔ وَاَمَّاقَوْلُ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ كُنَّا نَقُوْلُ الْخ فَهُوَرَوَايَتُهٗ اَبِىْ عَوَانَتَهٗ وَ رِوَايَتُهُ الْبُخَارِىّ اَصَحُّ فِيْهَا بَيِّنَتْ اَنَّ ذٰلِكَ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ بَلْ مِنْ فَهْمِ الرَّاوِىْ عَنْهُ وَ لَفْظِهَا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا سَلَا مٌ يَعْنِىْ عَلَى النَّبِىِّ فَقَوْلِهٖ قُلْنَا سَلَامٌ يَحْتَمِلُ اَنَّهٗ اَرَادَبِهٖ اِسْتَمَرَرْنَا عَلٰى مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِىْ حَيَاتِهٖ

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے التحیات ہرگز نہ بدلی۔ یہ صرف راوی کی فہم ہے نہ کہ اصل واقعہ۔

اِعتراض نمبر 4

بعض وہابی یہ کہتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے کیونکہ دور کی آواز سننا تو خدا ہی کی صفت ہے۔ غیر خدا میں یہ طاقت ماننا شرک ہے اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو یا رسول اللہ یا غوث وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے ہوا کو نداء دیا کرتے ہیں ”سن اے بادصبا“ وغیرہ کہ وہاں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہوا سنتی ہے آج کل عام وہابی یہ ہی عذر پیش کرتے ہیں فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ میں اسی پر زور دیا ہے۔

جواب

دور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں۔ کیونکہ دور سے آواز تو وہ سنے جو پکارنے والے سے دور ہو۔ رب تعالیٰ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے خود فرماتا ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (پارہ۲۶ سورۃ ۵۰ آیت ۱۶)

”ہم تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ۔ (پارہ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۸۶)

”جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو فرما دو کہ قریب ہیں۔“

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۔ (پارہ۲۷ سورہ۵۶ آیت ۸۵)

”ہم اس سے بمقابلہ تمہارے زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں۔“

لہٰذا پروردگار تو قریب ہی کی آواز سنتا ہے ہر آواز اس سے قریب ہی ہوتی ہے کہ وہ خود قریب ہے اگر مان لیا جاوے کہ دور کی آواز سننا اس کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو اس کی صفت ہے لہٰذا چاہیئے کہ قریب والے کو بھی سامع سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ مشرک ہو جاؤ گے سب کو بہرا جانو۔ نیز جس طرح دور کی آواز سننا خدا کی صفت ہے اسی طرح دور کی چیز دیکھنا۔ دور کی خوشبو پالینا بھی تو صفت الٰہی ہے۔ اور ہم علم غیب اور حاضر و ناظر کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے دور و نزدیک یکساں ہیں۔ جب ان کی نظر دور و قریب کو یکساں دیکھ سکتی ہے تو اگر ان کے کان دور و نزدیک کی آوازیں سن لیں تو کیوں شرک ہوا؟ یہ وصف ان کو بہ عطاء الٰہی حاصل ہوا۔ اب ہم دکھاتے ہیں کہ دور کی آواز انبیاء و اولیاء سنتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو پالی اور فرمایا اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۹۴) بتاؤ یہ شرک ہوا یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ پاک سے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی جو مقام نہاوند میں جنگ کر رہے تھے اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نے وہ آواز سن لی (دیکھو مشکوۃ باب الکرامات فصل ثالث) حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھ نے دور سے دیکھا حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کے کان نے دور سے سنا۔ تفسیر روح البیان وجلالین ومدارک وغیرہ تفاسیر میں زیر آیت وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۲ آیت ۲۷) ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنا کر پہاڑ پر کھڑے ہوکر تمام روحوں کو آواز دی کہ اے اللہ کے بندو چلو قیامت تک جو بھی پیدا ہونے والے ہیں۔ سب نے وہ آواز سن لی۔ جس نے لبیک کہہ دیا وہ ضرور حج کرے گا اور جو روح خاموش رہی وہ کبھی حج نہیں کر سکتی کہیے۔ یہاں تو دور کے علاوہ پیدائش سے پہلے سب نے حضرت خلیل علیہ السلام کی آواز سن لی یہ شرک ہوا یا نہیں۔ اسی طرح حضرت خلیل علیہ السلام نے بارگاہ رب جلیل میں عرض کیا کہ مولیٰ مجھے دکھا دے کہ تو مردے کو کس طرح زندہ فرمائے گا تو حکم ہوا کہ چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت چار پہاڑوں پر رکھو ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا ط (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۶۰) پھر انہیں پکارو دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ دیکھو مردہ جانوروں کو پکارا گیا اور وہ دوڑتے ہوئے آئے تو کیا اولیاء اللہ ان جانوروں سے بھی کم ہیں آج ایک شخص لندن میں بیٹھ کر بذریعہ ٹیلیفون ہندوستان کے آدمی سے بات کرتا ہے اور یہ سمجھ کر اس کو پکارتا ہے کہ ہندوستان کا آدمی اس آلہ کے ذریعہ میری بات سنتا ہے یہ پکارنا شرک ہے کہ نہیں؟ تو اگر کسی مسلمان کا عقیدہ یہ ہو کہ قوت نبوت ٹیلیفون کی قوت سے زیادہ ہے اور حضرات انبیاء قوت خداداد سے ہر ایک کی آواز سنتے ہیں۔ پھر پکارے یا رسول اللہ الغیاث تو کیوں شرک ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سفر میں جاتے ہوئی ایک جنگل میں چیونٹی کی آواز دور سے سنی۔ وہ کہتی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔

(پارہ ۱۹ سورۃ ۲۷ آیت ۱۸)

"اے چیونٹیو اپنے گھر میں چلی جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں۔"

تفسیر روح البیان وغیرہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ آپ نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سن لی خیال کرو کہ چیونٹی کی آواز اور تین میل کا فاصلہ کہیے یہ شرک ہوا کہ نہیں؟ مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ دفن کے بعد میت قبر میں سے باہر والوں کے پاؤں کی آواز سنتی ہے۔ اور زائرین کو دیکھتی اور پہچانتی ہے اسی لیے قبرستان میں جا کر اہل قبور کو سلام کرنا چاہیئے اس قدر مٹی کے نیچے ہو کر اتنی آہستہ آواز کو سننا کس قدر دور کی آواز سننا ہے۔ کہو شرک ہوا یا کہ نہیں؟ ہم بحث علم غیب اولیاء اللہ میں مشکوۃ کتاب الدعوات کی حدیث نقل کر چکے ہیں کہ اللہ کا ولی خدائی طاقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ اپنی قوت سے عطا فرماوے وہ اگر دور سے سن لے تو کیوں شرک ہے؟ مخالفین کے معتمد اور معتبر عالم مولوی عبدالحئی صاحب لکھنوی فتاویٰ عبدالحئی کتاب العقائد صفحہ ۴۳ میں اس سوال کے جواب میں ایک شخص کہتا ہے کہ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ حضور علیہ السلام کی شان ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (پارہ ۳۰ سورۃ ۱۲۲ آیت ۱) حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا۔ جبکہ آپ چہل روزہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مادر

مشفقہ نے میرا ہاتھ مضبوط باندھ دیا تھا۔ اس کی اذیت سے مجھ کو رونا آتا تھا اور چاند منع کرتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان دنوں آپ چہل روزہ (چالیس دن) کے تھے یہ حال کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے نیچے تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا۔ اس روایت سے تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام والدہ ماجدہ کے شکم میں ہی عرش وفرش کی تمام آوازیں سنتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی اپنے نیک شوہر سے لڑے تو جنت سے حور پکار کر اسے ملامت کرتی ہے (مشکوٰۃ باب معاشرۃ النساء) معلوم ہوا کہ گھر کی کوٹھڑی کی جنگ کو حور اتنی دور سے دیکھتی اور سنتی ہے اور پھر اسے علم غیب بھی ہے کہ اس آدمی کا انجام بخیر ہوگا۔ دوربین سے دور کی چیزیں دیکھتے ہیں ریڈیو ٹیلیفون سے دور کی آواز سنتے ہیں۔ تو کیا نبوت ولایت کی طاقت بجلی کی طاقت سے بھی کم ہے معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں حضرت بلال کے قدم کی آہٹ سنی حالانکہ بلال کو معراج نہ ہوئی تھی اور اپنے گھر ہی میں تھے۔ یہاں نماز تہجد کے لیے چل پھر رہے ہوں گے وہاں آہٹ سنی جا رہی تھی اور اگر حضرت بلال بھی بجسم مثالی جنت میں پہنچے تو حاضر وناظر کا ثبوت ہوا۔

ان سب باتوں کے متعلق مخالف یہی کہے گا کہ وہ تو خدا نے سنایا تو ان حضرات نے سن لیا۔ پس ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انبیاء واولیاء کو خدا دور کی آواز سناتا ہے تو یہ سنتے ہیں خدا تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی ان کی عطائی۔ خدا کی یہ صفت قدیم۔ ان حضرات کی حادث۔ خدا کی یہ صفت کسی کے قبضہ میں نہیں ان کی یہ صفت خدا کے قبضہ میں خدا کا سننا بغیر کان وبغیر عضو کے۔ ان کا سننا کان سے اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ اس نداء کے متعلق اور بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر اسی قدر پر ہی کفایت ہے۔

بڑے عالماں تے عقلاں والے اوتھے پل نہ اڑدے نے
میں سنیا ویکھ کے اوس نوں پتھر بھی کلمہ پڑھ دے نے

بحث اولیاء اللہ وانبیاء سے مدد مانگو

اولیاء اللہ اور انبیائے کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو رب تعالیٰ ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمان کا یہی عقیدہ ہوتا ہے کوئی جاہل بھی کسی ولی کو خدا نہیں سمجھتا۔ اس بحث میں دو باب ہیں۔

باب نمبر 1

غیر اللہ سے مدد مانگنے کے ثبوت میں

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء محدثین اور خود مخالفین کے اقوال سے ہے ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (پارہ ا سورہ ۲ آیت ۲۳)

''اور اللہ کے سوا اپنے سارے حمائتیوں کو بلالو۔''

اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی مثل ایک سورہ بنا کر لے آؤ اور اپنی امداد کے لیے اپنے حمائتیوں کو بلا لو۔ غیر اللہ کی مدد لینے کی اجازت دی گئی۔

مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰهِ ط قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۱ آیت ۱۴)

”کہا مسیح نے کون ہے جو مدد کرے میری طرف اللہ کی کہا حواریوں نے ہم مدد کریں گے اللہ کے دین کی۔“

اس میں فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علی علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب فرمایا کہ میرا مددگار کون ہے۔ حضرت مسیح نے غیر اللہ سے مدد طلب کی۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص۔ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۲)

”مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر نیک کاموں کے اور تقوی کے اور نہ مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر گناہ اور زیادتی کے۔“

اس آیت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ۔ (پارہ ۲۶ سورہ ۴۷ آیت ۷)

”اگر مدد کرو گے تم اللہ کے دین کی مدد کریگا وہ تمہاری۔“

اس میں خود رب تعالیٰ نے جو کہ غنی ہے اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالیٰ نے میثاق کے دن ارواح انبیاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عہد لیا۔

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۸۱)

”کہ تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔“

معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد کا میثاق کے دن سے حکم ہے۔

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت ۱۵۳)

”مدد طلب کرو ساتھ صبر اور نماز کے۔“

اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو اور نماز و صبر بھی تو غیر اللہ ہیں

وَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ۔

”مدد کرو میرے ساتھ قوت کے“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنین نے دیوار آہنی بناتے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ۔ (پارہ ۱۰ سورہ ۸ آیت ۶۲)

”اے نبی رب نے آپ کو اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت بخشی۔“

فرماتا ہے:

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (پارہ ۱۰ سورۃ ۸ آیت ۶۴)

"اے نبی آپ کو اللہ اور آپ کے مطیع مسلمان کافی ہیں۔"

فرماتا ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ

(پارہ ۲۸ سورۃ ۶۶ آیت ۴)

"یعنی رسول کے مددگار اللہ اور جبریل اور متقی مسلمان ہیں بعد میں فرشتے ان کے مددگار ہیں۔"

فرماتا ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ

(پارہ ۶ سورہ ۵ آیت ۵۵)

"یعنی اے مسلمانوں تمہارا مددگار اللہ اور رسول اور وہ مسلمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔"

فرماتا ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ص (پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت ۷۱) دوسری جگہ فرماتا ہے نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ (پارہ ۲۴ سورۃ ۴۱ آیت ۳۱) معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی مددگار ہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے مگر رب تعالیٰ بالذات مددگار اور یہ بالعرض۔

موسیٰ علیہ السلام کو جب تبلیغ کے لیے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو عرض کیا۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ۔ هٰرُوْنَ اَخِي ° اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ۔ (پارہ ۱۶ سورۃ ۲۰ آیت ۲۹ تا ۳۱)

"خدایا میرے بھائی کو نبی بنا کر میرا وزیر کر دے میری پشت کو ان کی مدد سے مضبوط کر دے۔"

رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا سہارا کیوں لیا میں کیا کافی نہیں بلکہ ان کی درخواست منظور فرمائی معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا لینا سنت انبیاء ہے۔

مشکوۃ باب السجود وفضلہ من ربیعہ ابن کعب اسلمی سے بروایت مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا۔

سَلْ فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ فَقُلْتُ هُوَ ذَالِكَ قَالَ فَاَعِنِّي عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔

"کچھ مانگ لو میں نے کہا کہ میں آپ سے جنت میں آپکی ہمراہی مانگتا ہوں۔ فرمایا کچھ اور مانگنا ہے میں نے کہا صرف یہ ہی فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو۔"

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے حضور رضی اللہ عنہ سے جنت مانگی۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے

بلکہ فرمایا وہ تو منظور ہے کچھ اور بھی مانگو۔ یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام بھی فرماتے ہیں اَعِنِّیْ اے ربیعہ تم بھی اس کام میں میری اتنی مدد کرو کہ زیادہ نوافل پڑھا کرو یہ بھی غیر اللہ سے طلب مدد ہے۔ اسی حدیث پاک کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔ ”واز اطلاق سوال کہ فرمود سل وتخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص معلوم مے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہرچہ خواہد وباذن پروردگار خود بدہد۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا   وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ
اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری   بدر گاہش بیاد ہرچہ می خواہی تمنا کن!

سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا کچھ مانگ لو۔ کسی خاص چیز سے مقید نہ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ حضور ﷺ ہی کے ہاتھ کریمانہ میں ہے۔ جو چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیدیں کیونکہ دنیا وآخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر دنیا وآخرت کی خیر چاہتے ہو تو ان کے آستانے پر آؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رہے اور تین سو سال تک رہے پھر حضور ﷺ کے ذریعہ کعبہ پاک ہوا رب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا گھر کعبہ بغیر میرے محبوب کے مداوا کے پاک نہیں ہوسکتا تو تمہارا دل ان کی نظر کرم کے بغیر پاک نہیں ہوسکتا۔

نور الانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے۔ هُوَ الْجُوْدُ بِالْكَوْنَيْنِ وَالتَّوَجُّهُ اِلٰى خَالِقِهَا یعنی دونوں جہان اوروں کو بخش دینا اور خود خالق کی طرف متوجہ ہو جانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں دوسروں کو وہ ہی بخشے گا جو خود ان کا مالک ہوگا۔ ملکیت ثابت ہوئی شیخ عبد الحق کی ان عبارات نے فیصلہ کر دیا کہ دنیا وآخرت کی تمام نعمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مانگو، مال مانگو، جنت مانگو، جہنم سے پناہ مانگو بلکہ اللہ کو مانگو۔ ایک صوفی شاعر خوب فرماتے ہیں۔

محمد از تو مے خواہم خدارا   خدایا از تو عشق مصطفیٰ را
یارسول اللہ میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں   اور اے اللہ میں تجھ سے رسول اللہ کو مانگتا ہوں

حضرت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلہم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۶۴) اس کا ترجمہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرکے آپ کی بارگاہ میں آجاتے پھر خدا سے اپنی مغفرت مانگتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو پالیتے۔ مگر کس شان میں تَوَّابًا رَّحِيْمًا توبہ قبول فرمانے والا مہربان یعنی آپ کے پاس آنے سے ان کو خدا مل جاتا۔

اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

اشعۃ اللمعات کی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت فرمایا ہے کہ فَعَطِیْ لِمَنْ شَآءَ مَاشَآءَ حضور علیہ السلام جس کو جو چاہیں دے دیں تفسیر کبیر جلد سوم (پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت ۸۸) وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ہے۔

وَثَالِثُهَا الْاَنْبِيَاءُ وَهُمُ الَّذِيْنَ اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْعُلُوْمِ وَالْمَعَارِفِ مَا لِاَجْلِهٖ يَقْدِرُوْنَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِيْ بَوَاطِنِ الْخَلْقِ وَاَرْوَاحِهِمْ وَاَيْضًا اَعْطَاهُمْ مِنَ الْقُدْرَةِ وَالْمَكْنَةِ مَا لِاَجْلِهٖ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى

اَلتَّصَرُّفِ فِیْ ظَوَاھِرِ الْخَلْقِ۔

''تیسرے ان میں انبیاء ہیں یہ وہ حضرات ہیں جن کو رب نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں۔ جس سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی ارواح پر تصرف کر سکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت وقوت دی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کر سکتے ہیں۔''

اسی تفسیر کبیر پارہ الٓمٓ وَ اِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۳۰) کی تفسیر میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی جنگل میں پھنس جائے تو کہے۔

اَعِیْنُوْنِیْ عِبَادَ اللّٰهِ یَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ۔

''اے اللہ کے بندو میری مدد کرو رب تم پر رحم فرمائے۔''

تفسیر روح البیان سورہ مائدہ پارہ ۶ زیر آیت ۳۳ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا ہے کہ شیخ صلاح الدین فرماتے ہیں۔ مجھ کو رب نے قدرت دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گرا دوں اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو ہلاک کر دوں اللہ کی قدرت سے لیکن ہم اصلاح کی دعا کرتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

اولیا راہست قدرت ازالہ　　تیر جستہ باز گر واند زراہ!
اولیاء کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے　　کہ چھوٹا ہوا تیر واپس کر لیں

اشعۃ اللمعات شروع باب زیارت القبور میں ہے امام غزالی گفتہ ہر کہ استمد اد کردہ شود بوے در حیات استمد اد کردہ مے شود بوے بعد از وفات یکے از مشائخ گفتہ دیدم چہار کس راز مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور حود مانند تسرفہا ایشاں در حیات خو یا بیشتر۔ قومے مے گویند کہ امداد حی قومی نز است و من مے گویم کہ امداد میت قوی تر و اولیاء را تصرف در اکون حاصل است وآں نیست مگر ارواح ایشاں را و ارواح باقی است'' امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد مانگی جاوے ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی وہ ہی عمل در آمد کرتے ہیں جو زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ' ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ کی امداد زیادہ قوی اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر انکی روحوں کو کیونکہ ارواح باقی ہیں۔ حاشیہ مشکوٰۃ باب زیارت القبور میں ہے۔

وَ اَمَّا الْاِسْتِمْدَادُ بِاَھْلِ الْقُبُوْرِ فِیْ غَیْرِ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَوِ الْاَنْبِیَآءُ فَقَدْ اَنْكَرَہٗ كَثِیْرٌ مِنَ الْفُقَھَآءِ وَ اَثْبَتَهٗ الْمَشَائِخُ الصُّوْفِیَّةُ وَ بَعْضُ الْفُقَھَآءِ قَالَ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ قَبْرُ مُوْسٰی الْكَاظِمِ تِرْیَاقٌ مُجَرَّبٌ لِاِجَابَةِ الدُّعَاءِ وَ قَالَ الْاِمَامُ الْغَزَالِیُّ مَنْ یَّسْتَمِدُّ فِیْ حَیَاتِهٖ یَسْتَمِدُّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ۔

''نبی علیہ السلام و دیگر انبیاء کرام کے علاوہ اور اہل قبور سے دعا مانگنے کا بہت سے فقہاء نے انکار کیا اور مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء نے اسکو ثابت کیا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ موسیٰ کاظم کی قبر قبولیت دعا کے لیے آزمودہ تریاق ہے اور امام محمد غزالی نے

فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاسکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ یا دیگر انبیائے کرام سے مدد مانگنے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ قبور اولیاء اللہ سے مدد مانگنے میں اختلاف ہے علمائے ظاہر بین نے انکار کیا' صوفیا کرام اور فقہاء اہل کشف نے جائز فرمایا۔

حصن حصین صفحہ ۲۰۲ میں ہے۔

وَاِنْ اَرَادَ عَوْنًا فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِىْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِىْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِيْنُوْنِىْ۔

"جب مدد لینا چاہے تو کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔"

اس کی شرح الحرز الثمین میں ملا علی قاری اسی جگہ فرماتے ہیں۔

اِذَا انْفَلَتَتْ دَآبَّةُ اَحَدِكُمْ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اِحْبِسُوْا۔

"یعنی جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو آواز دو کہ اے اللہ کے بندو اسے روک دو۔"

عباد اللہ کے ماتحت فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوِ الْمُسْلِمُوْنَ مِنَ الْجِنِّ اَوْ رِجَالُ الْغَيْبِ الْمُسَمُّوْنَ بِاَبْدَالٍ۔

"یعنی بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا جن یا رجال الغیب یعنی ابدال مراد ہیں۔"

پھر فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ يَحْتَاجُ اِلَيْهِ الْمُسَافِرُوْنَ وَ اَنَّهٗ مُجَرَّبٌ۔

"یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل مجرب ہے۔"

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۲۰ میں فرماتے ہیں "باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد باشد اور اعوان الٰہی نداند حرام است واگر التفات محض بجانب حق است و اورا یکے از مظاہر عون الٰہی دانستہ و بکار خانہ اسبابی و حکمت او تعالیٰ در آں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید دور از عرفان نخواہد بود و در شرح نیز جائز و رواست در انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت تعبیر کردہ اند در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر"۔ سمجھنا چاہیئے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الٰہی نہ سمجھے حرام ہے اور توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی رحمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں جائز ہے اور اس کو انبیا و اولیاء کی مدد کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مدد مانگنا نہیں ہے لیکن اسکی مدد سے ہے تفسیر عزیزی سورہ بقر صفحہ ۴۶۵ میں شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں "افعال عادی الٰہی را مثل بخشیدن فرزند و توسیع رزق وشفاء مریض وامثال ذالک را مشرکان نسبت بہ ارواح خبیثہ اصنام می نمایند و کافر می شوید۔ از تاثیر الٰہی یا خواص مخلوقات او می دانند از ادویہ ومغافیر یا دعائے صلحاء بندگان او کہ ہمہ از جناب او در خواستہ انجاج مطلب می کنا ندمی فہمند و در ایماں ایشاں خلل نمی افتد" اللہ کے کام جیسے لڑکا دینا رزق بڑھانا۔ بیمار کو اچھا کرنا اور اسکی مثل کو مشرکین خبیث روحوں اور بتوں کیطرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے

ہیں اور مسلمان ان امور کو حکم الٰہی یا اس کی مخلوق کی خاصیت سے جانتے ہیں جیسے کہ دوائیں یا مغافیر یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور ان مومنین کے ایمان میں اس سے خلل نہیں آتا۔

بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز صاحب شیخ ابوالعباس احمد زردنی کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں۔

اَنَا لِمُرِيْدِیْ جَامِعٌ لِشَتَّاتِهٖ
اِذَا مَا مَطٰی جُوْرُ الزَّمَانِ بِنَكِبَتِهٖ!
وَ اِنْ كُنْتُ فِیْ ضِيْقٍ وَ كَرْبٍ وَ حُشْتَةٍ
فَنَا دِ بِيَازْ رُّوْقُ اتِ بِسُرْعَتِهٖ !

میں اپنے مرید کی پراگندگیوں کو جمع کرنے والا ہوں جبکہ زمانہ کی مصیبتیں اس کو تکلیف دیں اگر تو تنگی یا مصیبت یا وحشت میں ہو تو پکار کہ اے زروق! میں فوراً آؤں گا۔

تفسیر کبیر و روح البیان و خازن میں سورہ یوسف زیر آیت فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۴۲) ہے اَلْاِسْتِعَانَةُ بِالنَّاسِ فِیْ دَفْعِ الضَّرَرِ وَ الظُّلْمِ جَائِزَةٌ اور خازن زیر آیت ۴۲ فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ ہے اَلْاِسْتِعَانَةُ بِالْمَخْلُوْقِ فِیْ دَفْعِ الضَّرَرِ جَائِزٌ مصیبت دور کرنے کے لیے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے درمختار جلد سوم باب اللقطہ کے آخر میں گمی ہوئی چیز تلاش کرنے کے لیے ایک عمل لکھا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ اِذَا ضَاعَ لَهٗ شَیْءٌ وَّ اَرَادَ اَنْ يَّرُدَّهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَلْيَقِفْ عَلٰی مَكَانٍ عَالٍ مُّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَ يَقْرَءُ الْفَاتِحَةَ وَ يُهْدِیْ ثَوَابَهَا لِلنَّبِیِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ يُهْدِیْ ثَوَابَهَا لِسَيِّدِیْ اَحْمَدَ ابْنِ عَلْوَانَ يَقُوْلُ يَا سَيِّدِیْ يَا اَحْمَدَ ابْنِ عَلْوَانَ اِنْ لَّمْ تَرُدَّ عَلَیَّ ضَالَّتِیْ وَ اِلَّا نَزَعْتُكَ مِنْ دِيْوَانِ الْاَوْلِيَاءِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَرُدُّ ضَالَّتَهٗ بِبَرْكَتِهٖ۔

”جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جاوے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس ملائے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ کو منہ کر کے کھڑا ہو اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد ابن علوان کو پھر یہ دعا پڑھے اے میرے آقا اے احمد ابن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال لوں گا پس خدا تعالیٰ اسکی گمی ہوئی چیز ان کی برکت سے ملا دے گا۔“

اس دعا میں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی ان سے گمی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی حنفیوں کے فقیہ اعظم صاحب درمختار نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

يَا اَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰی
جُدْلِیْ بِجُوْدِكَ وَ اَرْضِنِیْ بِرِضَاكَ
اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ لَمْ يَكُنْ
لِاَبِیْ حَنِيْفَةَ فِی الْاَنَامِ سِوَاكَ!

اے موجودات سے اکرم اور نعمت الٰہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرمائیے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابوحنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں۔ اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد لی گئی ہے۔ قصیدہ بردہ میں ہے

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مِنْ اَلُوْذُبِہٖ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ
اے تمام مخلوق سے بہتر میرا آپ کے سوا کوئی نہیں جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت

اگر ہم ان علماء وفقہاء کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے تو اس کے لیے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام ہو جاتا ہے۔ نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر مصنفہ ملا علی قاری صفحہ ۶۱ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

مَنِ اسْتَغَاثَ بِیْ فِیْ كُرْبَةٍ كُشِفَتْ عَنْهُ وَ مَنْ نَادَانِیْ بِاِسْمِیْ فِیْ شِدَّةٍ فُرِجَتْ عَنْهُ وَ مَنْ تَوَسَّلَ بِیْ اِلَی اللّٰهِ فِیْ حَاجَةٍ قُضِيَتْ۔

”یعنی جو کوئی رنج وغم میں مجھ سے مدد مانگے تو اسکا رنج وغم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اسکی حاجت پوری ہوگی۔“

پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک نماز غوثیہ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں ۱۱۔ ۱۱ بار سورہ اخلاص پڑھے سلام پھیر کر ۱۱ بار صلوٰۃ والسلام پڑھے پھر بغداد کی طرف (جانب شمال) ۱۱ قدم چلے ہر قدم پر میرا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور دو شعر پڑھے۔

اَیُدْرِكُنِیْ ضَيْمٌ وَ اَنْتَ ذَخِيْرَتِیْ وَ اُظْلَمُ فِی الدُّنْيَا وَ اَنْتَ نَصِيْرِیْ
دَعَارٌ عَلٰی حَامِی الْحِمٰی وَهُوَ مُنْجِدِیْ اِذَا ضَاعَ فِی الْبَيْدَاءِ عِقَالُ بَعِيْرِیْ

یہ کہہ کر ملا علی قاری فرماتے ہیں وَ قَدْ جُرِّبَ ذَالِكَ مِرَارًا فَصَحَّ یعنی بارہا اس نماز غوثیہ کا تجربہ کیا گیا۔ درست نکلا کہیئے کہ حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو اور حنفیوں کے بڑے معتبر عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں سے بعد وفات مدد مانگنا جائز اور فائدہ مند ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قرآنی آیات اور احادیث اور اقوال فقہاء علماء ومشائخ سے ثبوت دیا اب خود منع کرنے والوں کے اقوال سے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مولوی محمود حسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پاروں کا حاشیہ انہوں نے لکھا باقی کا مولوی شبیر احمد صاحب نے۔ اس میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے ماتحت فرماتے ہیں ”ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے“ بس فیصلہ ہی کر دیا یہی ہمارا دعویٰ ہے کوئی مسلمان بھی کسی نبی یا ولی کو خدا نہیں جانتا نہ خدا کا فرزند محض وسیلہ مانتا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۶۴ پر ایک سوال وجواب ہے۔

سوال

اشعار اس مضمون کے پڑھنے "یارسول اللہ کبریا فریاد ہے۔ یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے۔ مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفیٰ۔ میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے۔ کیسے ہیں؟

جواب

ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرما دیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۵ پر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ان اشعار کو بطور وظیفہ یا ورد پڑھنا کیسا ہے۔

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْ حَالَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْمَعْ قَالَنَا
اِنَّنِیْ فِیْ بَحْرِ ھَمٍّ مُغْرَقٌ خُذْ یَدِیْ سَہِلْ لَنَا اَشْکَالَنَا

یا قصیدہ بردہ کا یہ شعر وظیفہ کرنا۔

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُبِہٖ سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

جواب دیا کہ ایسے کلمات کو نظم ہوں یا نثر ورد کرنا مکروہ تنزیہی ہے کفر و فسق نہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں حضور عَلَیْہِ السَّلَام سے مدد مانگنے کو کفر و شرک نہیں بلکہ جائز' زیادہ سے زیادہ' مکروہ تنزیہی کہا قصائد قاسمی میں مولوی قاسم صاحب فرماتے ہیں۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

اس میں حضور عَلَیْہِ السَّلَام سے مدد مانگی اور عرض کیا ہے آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی نہیں یعنی خدا کو بھی بھول گئے ترجمہ صراط مستقیم اردو خاتمہ تیسرا افادہ صفحہ ۱۰۳ پر مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت پر تصرف کرنے کے ماذون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں" حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں تم اب چاہے ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۹ میں ہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے اَعِیْنُوْنِیْ یا عباد اللّٰہ یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ تو وہ فی الوقت کسی میت سے استعانت نہیں ہے بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگلوں میں کچھ اللہ کے بندے اللہ کی طرف سے اسی لیے رہتے ہیں کہ لوگوں کی مدد کریں اور ان سے مدد مانگنا جائز ہے مدعٰی ہمارا بھی یہ ہی ہے کہ اللہ کے بندوں سے استمداد جائز ہے رہا یہ فیصلہ کہ نبی کریم ﷺ مدد فرما سکتے ہیں یا کہ نہیں ہم اس کے متعلق بہت کچھ عرض کر چکے اور آئندہ عقلی دلائل میں بھی بیان کریں گے۔

مولوی محمود الحسن صاحب ادلہ کاملہ میں صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں" آپ اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات بنی آدم ہوں

یا غیر بنی آدم۔ القصہ آپ اصل میں مالک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عدل ومہر آپکے ذمہ واجب الادا نہ تھا“ صراط مستقیم دوسری ہدایت کا پہلا افادہ صفحہ ۶۰ میں مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں ”اور حضرت مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے لیے شیخین پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطبیت وغوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسی باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت امیری ولایت غوثیت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو ملتی ہے دیوبندیوں کے پیر ومرشد حاجی امداد اللہ صاحب اپنی کتاب ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں اس مرتبہ میں پہنچ کر بندہ خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس کو برزخ کہتے ہیں اور اس میں وجوب وامکان مساوی ہیں۔ کسی کو کسی پر غلبہ نہیں اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہو جاتا ہے۔ (ضیاء القلوب مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند صفحہ ۲۹ کے مراتب کا بیان) غور کرو پیر صاحب نے بندہ کو باطن میں خدا مان لیا عالم میں متصرف۔

یکشنبہ ۹ جولائی ۱۹۶۱ء کے جنگ راولپنڈی میں خبر شائع ہوئی کہ صدر پاکستان محمد ایوب خان صاحب جب امریکہ کے دورے پر کراچی روانہ ہوئے تو مولانا احتشام الحق صاحب دیوبندی نے صدر کے بازو پر امام ضامن باندھا اور ۱۰ جولائی ۶۱ء دوشنبہ کے جنگ میں مولانا کا فوٹو شائع ہوا جس میں آپ صدر کے بازو پر امام ضامن باندھ رہے ہیں امام ضامن کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم امام حسین کے نام کا روپیہ مسافر کے بازو پر باندھ رہے ہیں۔ امام حسین اس کے ضامن ہیں ان کے سپرد کرتے ہیں۔ جب مسافر بخیریت واپس آ دنے تب اس روپیہ کی فاتحہ امام حسین کے نام کی کی جاوے جن کے سپرد مسافر کیا گیا تھا۔ دیکھو اس میں امام حسین کی مدد بھی لی گئی۔ ان کی فاتحہ بھی کی گئی ان کی نذر بھی مانی گئی۔ جناب صدر کو انکے سپرد بھی کیا سبحان اللہ کیسا ایمان افروز کام ہے خدا کا شکر ہے کہ دیوبندی بھی اس کے قائل ہوگئے۔

امداد الفتاویٰ مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب جلد ۴ کتاب العقائد والکلام صفحہ ۹۹ میں ہے جو استعانت واستمداد باعتقاد علم وقدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے۔ خواہ مستمد منہ حی ہو یا میت بس فیصلہ ہی فرما دیا کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت مان کر ان سے استمداد جائز ہے اگر چہ میت ہی سے مانگی جائے یہی ہم کہتے ہیں۔

مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شیم الحبیب کے عربی کے اشعار کا ترجمہ کیا جس کا نام شیم الطیب رکھا جس میں حضور علیہ السلام سے بے دریغ امداد مانگی اشعار حسب ذیل ہیں۔

شیم الطیب ترجمہ شیم الحبیب مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۴۵۔

یَا شَفِیْعَ الْعِبَادِ خُذْ بِیَدِیْ اَنْتَ فِی الْاِضْطِرَارِ مُعْتَمِدِیْ
دستگیری کیجیے میری نبی کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
لَیْسَ لِیْ مَلْجَاءٌ سِوَاکَ اَغِثْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ سَیِّدِیْ سَنَدِیْ

جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی!
غَمَّشَنِیْ الدَّھْرِ ابْنِ عَبْدُاللّٰہِ کُنْ مُغِیْثًا فَاَنْتَ لِیْ مَدَدِیْ
ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف اے مرے مولیٰ خبر لیجئے مری
نام احمد چوں حسینے شد حسین پس چہ باشد ذات آں روح الامین

نشر الطیب فی ذکر ابن الحبیب

باب نمبر 2

اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت

دنیا آخرت کا نمونہ ہے یہاں کے کاروبار اس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لیے قرآن کریم نے حشر نشر اور رب کی الوہیت کو دنیاوی مثالوں سے ثابت فرمایا مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش پڑتی ہے تو پھر سبزہ زار بن جاتی ہے۔ اسی طرح بے جان جسموں کو دوبارہ حیات دی جاویگی نیز فرمایا کہ تم گوارا نہیں کرتے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی اور شریک ہو تو ہماری ملکیت میں بتوں وغیرہ کو کیوں شریک مانتے ہو۔ غرضیکہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے۔ بلکہ سلطنت کے کاموں کے لیے محکمہ بنا دیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں کوئی افسر اور کوئی ماتحت۔ پھر ان تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلیٰ وزیر اعظم کو منتخب کرتے ہیں۔ یعنی ہر کام بادشاہ کی مرضی اس کے منشاء سے ہوتا ہے۔ لیکن بلا واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے اپنا عملہ رکھتا ہے کیونکہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے اپنی اکثر ضروریات زندگی خود انجام دے سکتا ہے لیکن رعب کا تقاضا ہے کہ ہر کام خدام سے لیا جاوے اور رعایا کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کے وقت ان مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرو۔ بیماری میں شفاخانہ یا ڈاکٹر سے جا کر کہو۔ مقدمات میں کچہری جا کر جج سے وکلاء کے ذریعے سے کہو وغیرہ وغیرہ ان مصائب میں رعایا کو ان حکام کی طرف جانا بادشاہ سے بغاوت نہیں بلکہ یہ عین ان کی منشاء کے مطابق ہے کہ اس نے ان حکام کو اسی لیے مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کے طالب ہوں تو اب باغی ہے کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑا اور غیر کو اپنا حاکم مانا جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو سمجھو کہ یہ ہی طریقہ سلطنت الٰہیہ کا ہے کہ وہ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا چھوٹا کام ہر کام اپنی قدرت سے خود ہی پورا فرما دے مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ انتظام عالم کے لیے ملائکہ وغیرہم کو مقرر فرمایا اور ان کے علیحدہ محکمے کر دیئے جان نکالنے والوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل ہیں۔ اسی طرح انسان کی حفاظت' رزق پہنچانا' بارش برسانا' ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا۔ ان کی تقدیر لکھنا۔ مدفون میتوں سے سوال کرنا صور پھونک کر مردوں کو زندہ کرنا اور قیامت قائم کرنا۔ پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا غرض کہ دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیئے۔

اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطا فرمائے۔ کتب تصوف دیکھنے سے پتا چلتا ہے

کہ اولیاء اللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ نہیں بلکہ آئین سلطنت کا یہ ہی تقاضا ہے پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں یہ محض ہمارا قیاس نہیں۔ بلکہ قرآن وحدیث اس پر شاہد ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۹)

''اے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں۔ آیا ہوں تاکہ تم کو پاک فرزند دوں۔''

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل بیٹا دیتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۴۹)

''میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذن الٰہی بے جان کو جان بخشتے ہیں۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ۔ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۱۱)

''فرمادو کہ تم کو ملک الموت وفات دینگے جو تم پر مقرر کیے گئے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں۔ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ملیں گی جس میں خدائی کاموں کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ رب تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے۔

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۶۴)

ہمارے محبوب انکو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔

اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۷۴)

انکو اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گندگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فقیروں کو غنی بھی کرتے ہیں۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۰۳)

''آپ ان کے مالوں سے صدقے وصول فرمایئے اور اس سے ان کو پاک فرما دیجیے۔''

معلوم ہوا کہ وہ ہی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو بارگاہ رسالت میں منظور ہو جائے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ

(پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۵۹)

''اور کیا اچھا ہوتا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ رسول نے انکو دیا اور کہتے اللہ ہم کو کافی ہے اب دیتا ہے ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور رسول۔''

معلوم ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دیتے ہیں ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کہے کہ ہم کو رسول اللہ عزت دیتے ہیں مال واولاد دیتے ہیں تو صحیح ہے کیونکہ آیات نے یہ بتایا لیکن مقصود وہ ہی ہوگا یہ حضرات حکومت الٰہیہ کے حکام ہیں رب تعالیٰ نے ان کو دیا یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اسی طرح مصیبت کے وقت اولیاء اللہ یا انبیائے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا۔ جس طرح کہ بیماری اور مقدمہ میں بادشاہ کی رعایا ڈاکٹر یا حاکم سے مدد مانگتی ہے۔ قرآن نے فرمایا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

(پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۶۴)

”اگر یہ گنہگار اپنی جانوں پر ظلم کر کے اے محبوب تمہارے پاس آجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور اے محبوب آپ بھی ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔“

عالمگیری کتاب الحج باب آداب زیارۃ قبر النبی میں فرماتے ہیں کہ اب بھی جب زائر روضہ پاک پر حاضر ہو تو یہ آیت پڑھے۔ یہ تو دنیا میں تھا۔ قبر میں تین سوال نکیرین کرتے ہیں اول تو مَنْ رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے؟ بندہ کہتا ہے کہ اللہ۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ بندہ کہتا ہے کہ اسلام۔ ان سوالوں میں اسلام کی ساری باتیں آگئیں مگر ابھی پاس نہیں ہوا۔ بلکہ آخری سوال ہوتا ہے کہ اس سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ جب یہ صراحۃً کہلوالیا کہ ہاں میں ان کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرے نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں تب سوالات ختم ہوتے ہیں تو قبر میں ان کے نام کی امداد سے نجات ہوئی۔ قیامت میں لوگ تنگ آکر شفیع کو ہی ڈھونڈیں گے۔ جب حضور علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جائیں گے تب حساب وکتاب شروع ہوگا۔ وہ بھی حضور کی شفاعت سے معلوم ہوا کہ رب کو یہ منظور ہے کہ سارا عالم حضور علیہ السلام کا ہی محتاج رہے۔ یہاں بھی، قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ اسی لیے فرمایا وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو یعنی ہر جگہ وسیلہ مصطفیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے۔

اگر یہاں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہی کا وسیلہ مراد ہو تو ہم جیسے گنہگار بدعمل اور دیوانے مسلمان اور وہ جو ایمان لاتے ہی مر جاویں وہ سب بے وسیلہ ہی رہ جاویں۔ نیز نیک اعمال بھی تو حضور ﷺ ہی کے طفیل سے حاصل ہوں گے۔ پھر بھی بالواسطہ حضور ﷺ ہی کا وسیلہ ضروری ہوا۔ نبی کے وسیلے کے کفار بھی قائل تھے۔ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۸۹) کعبہ معظّمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے بتوں سے پاک ہوا اور حضور ﷺ ہی کے وسیلے سے قبلہ بنا۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۴۴)۔ بلکہ حضور ﷺ ہی کے وسیلے سے قرآن قرآن کہلایا۔ اور قرآن کی آیات حضور ﷺ کی مکی مدنی ہونے سے مکی مدنی ہیں ورنہ وہ تو عرشی ہیں۔

شیطان بلاواسطہ انبیاء رب تک پہنچنا چاہتا ہے تو شہاب سے مار دیا جاتا ہے اگر مدینہ کے راستہ سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ یہ ہی نتیجہ ان کا بھی ہوگا جو کہتے ہیں خدا کو مان خدا کے سوا کسی کو نہ مان۔

ہماری اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانون اسلامی اور منشاء الٰہی کے بالکل مطابق ہے جناب معراج میں نماز اولاً پچاس وقت کی فرض فرمائی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر کم

کرتے کرتے پانچ رکھیں۔ آخر کیوں۔ اسی لیے کہ مخلوق جانے کہ نماز پچاس کی پانچ رہیں۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی مدد شامل ہے۔ یعنی اللہ کے مقبول بعد وفات بھی مدد فرماتے ہیں رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا یہ بالکل شرک ہے دو وجہ سے۔ اولاً تو اس لیے کہ وہ ان بتوں میں خدائی اثر اور ان کو جھوٹا خدا مان کر مدد مانگتے ہیں۔ اس لیے ان کو الٰہ یا شرکاء کہتے ہیں یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الوہیت کا حصہ دار مانتے ہیں۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی اللہ کا بندہ ہونے کے ساتھ اِبْنُ اللّٰہِ یَا ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ یَا عَیْنُ اللّٰہِ مانتے ہیں۔ مومن ان اولیاء وانبیاء کو محض بندہ ہی مان کر ان کو اس طرح کا حاجت روا مانتے ہیں۔ جیسے اہل دیو بند مالداروں کو مدرسہ کا معاون و مددگار یا طبیب و حاکم کو مختار حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ بتوں کو رب تعالیٰ نے یہ اختیارات نہ دیئے وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا مختار مان کر ان سے مدد وغیرہ طلب کرتے ہیں لہٰذا وہ مجرم بھی ہیں اور اللہ کے باغی بندے بھی۔ جس کی بہترین مثال ابھی ہم دے چکے ہیں اس فرق کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمایا بلا تشبیہ ایک بت پرست پتھر کی طرف سجدہ کرتا ہے مشرک ہے کہ اس کا فعل اپنی ایجاد سے ہے اور مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہاں بھی پتھر ہی کی عمارت ہے مگر مشرک نہیں کیونکہ اسکا سجدہ حقیقت میں خدا کو ہے نہ کہ کعبہ کو اور حکم الٰہی سے ہے مشرک کا سجدہ خلاف حکم الٰہی پتھر کو ہے یہ فرق ضروری ہے۔ گنگا کے پانی کی تعظیم کرنا کفر ہے مگر آب زمزم کی تعظیم ایمان۔ مندر کے پتھر کی تعظیم شرک ہے مگر مقام ابراہیم کی تعظیم ایمان حالانکہ وہ بھی پتھر ہی ہے۔

باب نمبر 2

استمداد اولیاء اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اس مسئلہ پر مخالفین کے چند مشہور اعتراضات ہیں وہ ہی ہر جگہ بیان کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر 1

مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

لَآ اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا

"میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔"

جب آپ سے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی مدد نہ ہوسکی تو دوسروں کی کیا ہوگی؟

جواب

یہ اول تبلیغ کا واقعہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو میں خدا کے مقابل ہو کر تم سے عذاب دور نہیں کر سکتا۔ دیکھو پسر نوح یہاں اسی لیے من اللہ فرمایا۔ مسلمانوں کو حضور ہر جگہ امداد فرمائیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۳ آیت ۶۷) پرہیز گاروں کے سوا سارے دوست قیامت میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ حضور علیہ السلام گناہ کبیرہ والوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے گرتوں کو سنبھالیں گے۔ شامی باب غسل المیت میں ہے کہ حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت میں سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ سوا میرے نسب اور رشتہ کے۔ واقعی دیوبندیوں کی حضور مد
ند فرمائیں گے۔ ہم چونکہ بحمدہٖ تعالیٰ مسلمان ہیں ہماری مدد ضرور فرمائیں گے۔

اعتراض نمبر 2

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ (پارہ ۱ سورۃ ۱ آیت ۴)

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ عبادت کی طرح مدد مانگنا بھی خدا سے ہی خاص ہے جب غیر خدا کی عبادت شرک تو غیر خدا کی استمداد بھی شرک

جواب

اس جگہ مدد سے مراد حقیقی مدد ہے یعنی حقیقی کارساز سمجھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ رہا اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا وہ محض واسطہ فیض الٰہی سمجھ کر ہے جیسے کہ قرآن میں ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۵۷) نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ یا فرمایا گیا لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ اللہ ہی کی ہیں تمام آسمان و زمین کی چیزیں۔ پھر ہم حکام کو حکم بھی مانتے ہیں اور اپنی چیزوں پر دعویٰ ملکیت بھی کرتے ہیں۔ یعنی آیت سے مراد ہے حقیقی حکم اور حقیقی ملکیت' مگر بندوں کے لیے بہ عطائے الٰہی۔

نیز یہ بتاؤ کے عبادت اور مدد مانگنے میں کیا تعلق ہے؟ کہ اس آیت میں ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ تعلق یہ ہی ہے کہ حقیقی معاون سمجھ کر مدد مانگنا یہ بھی عبادت ہی کی ایک شاخ ہے۔ بت پرست بتوں کی پرستش کرتے وقت مدد کے الفاظ بھی کہا کرتے ہیں کہ ''کالی مائی تیری دہائی'' وغیرہ اس لیے ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ اگر آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر خدا سے کسی قسم کی مدد مانگنا بھی شرک ہے تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ نہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نہ قرآن کے ماننے والے اور نہ خود مخالفین۔ ہم اس کا ثبوت اچھی طرح پہلے دے چکے ہیں ۔ اب بھی مدرسہ کے چندہ کے لیے مالداروں سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر دفن قبر بلکہ قیامت تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے دائی کی مدد سے پیدا ہوئے ماں باپ کی مدد سے پرورش پائی۔ استاد کی مدد سے علم سیکھا۔ مالداروں کی مدد سے زندگی گزاری اہل قرابت کی تلقین کی مدد سے دنیا سے ایمان سلامت لے گئے۔ پھر غسال اور درزی کی مدد سے غسل ملا اور کفن پہنا۔ گورکن کی مدد سے قبر کھدی مسلمانوں کی مدد سے زیر خاک دفن ہوئے پھر اہل قرابت کی مدد سے بعد میں ایصال ثواب ہوا۔ پھر ہم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی سے مدد نہیں مانگتے اس آیت میں کوئی قید نہیں ہے کہ کس سے مدد اور کس وقت۔

اعتراض نمبر 3

رب تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۰۷)

''معلوم ہوا کہ رب کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی مددگار۔''

جواب

یہاں ولی اللہ کی نفی نہیں بلکہ ولی من دون اللہ کی نفی ہے۔ جنہیں کفار نے اپنا ناصر و مددگار مان رکھا تھا یعنی بت و شیاطین، ولی اللہ وہ جسے رب نے اپنے بندوں کا ناصر بنایا۔ جیسے انبیاء و اولیاء اللہ۔ وائسرائے لندن سے حکومت کرنے کے لیے منتخب ہو کر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو خود ساختہ حاکم مان لے وہ مجرم ہے۔ سلطانی حکام کو مانو، خود ساختہ حاکموں سے بچو۔ ایسے ہی ربانی حکام سے مدد لو گھریلو ناصرین سے بچو۔ موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی (پارہ ۱۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۴)

"فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے۔"

آپ نے عرض کیا:

وَجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ۔ هٰرُوْنَ اَخِیْ۔ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ۔ (پارہ ۱۶ سورہ ۲۰ آیت ۲۹ تا ۳۱)

"مولیٰ حضرت ہارون کو میرا وزیر بنا دے جس سے میرے بازو کو قوت ہو۔"

اعتراض نمبر 4

درمختار باب المرتدین کرامات اولیاء میں ہے کہ قول شَيْئًا لِلّٰهِ قِيْلَ يَكْفُرُهٗ معلوم ہوا کہ يَا عَبْدُ الْقَادِرِ جِيْلَانِيْ شَيْئًا لِلّٰهِ کہنا کفر ہے

جواب

یہاں شیئا اللہ کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی حاجت روائی کے لیے کچھ دو۔ رب تعالیٰ تمہارا محتاج ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ یتیم کے لیے کچھ دو۔ یہ معنی واقعی کفر ہیں۔ اس کی شرح میں شامی نے فرمایا اَمَّا اِنْ قَصَدَ الْمَعْنٰی الصَّحِيْحِ فَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ لَا بَأْسَ بِهٖ یعنی اگر اس سے صحیح معنی کی نیت کی کہ اللہ کے لیے مجھے کچھ دو یہ جائز ہے اور ہمارے نزدیک شیأ للہ کا یہ ہی مطلب ہے۔

اعتراض نمبر 5

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے   جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے!

جواب

وہ چندہ ہے جو نہیں ملتا خدا سے   جسے تم مانگتے ہو اغنیاء سے
توسل کر نہیں سکتے خدا سے   اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

اعتراض نمبر 6

خدا کے بندے ہو کر غیر کے پاس کیوں جائیں؟ ہم اس کے بندے ہیں چاہیئے کہ اسی سے حاجتیں مانگیں (تقویۃ الایمان)

جواب

ہم خدا کے بندے خدا کے حکم سے خدا کے بندوں کے پاس جاتے ہیں قرآن بھیج رہا ہے دیکھو گذشتہ تقریر اور خدا نے بندوں کو اسی لیے دنیا

میں بھیجا ہے۔

حاکم حکیم دارو دوا دیں یہ کچھ نہ دیں
مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے!

اعتراض نمبر 7

قرآن کریم نے کفار کا کفر یہ بیان کیا ہے کہ وہ بتوں سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ بتوں سے مدد مانگ کر مشرک ہوئے اور تم اولیاء سے۔

جواب

اور تم بھی مشرک ہوئے اغنیاء پولیس اور حاکم سے مدد مانگ کر' یہ فرق ہم اپنی عقلی تقریر میں بیان کر چکے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَلَهٗ نَصِيْرًا (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۵۲)

''جس پر خدا کی لعنت ہوتی ہے اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔''

مومن پر خدا کی رحمت ہے اس لیے رب تعالیٰ نے بہت مددگار بنائے۔

اعتراض نمبر 8

شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے آگ میں پہنچ کر حضرت جبریل علیہ السلام کے پوچھنے پر بھی ان سے مدد نہ مانگی۔ بلکہ فرمایا کہ اے جبریل علیہ السلام تم سے کوئی حاجت نہیں اگر غیر خدا سے حاجت مانگنا جائز ہوتا تو ایسی شدت میں خلیل اللہ جبریل علیہ السلام سے کیوں مدد نہ طلب کرتے۔

جواب

یہ وقت امتحان تھا اندیشہ تھا کہ حرف شکایت منہ سے نکلنا رب کو ناپسند ہوگا۔ اسی لیے خلیل اللہ نے اس وقت خدا سے بھی دعا نہ کی بلکہ فرمایا کہ اے جبریل علیہ السلام تم سے کچھ حاجت نہیں اور جس سے ہے وہ خود جانتا ہے جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی مگر اس مصیبت کے دفع ہونے کی کسی نے بھی دعا نہ کی نہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے۔

اعتراض نمبر 9

زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے مگر مردوں سے نہیں۔ کیونکہ زندہ میں مدد کی طاقت ہے مردہ میں نہیں۔ لہٰذا یہ شرک ہے۔

جواب

قرآن میں ہے وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (پارہ ۱ سورۃ ۱ آیت ۴) ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اس میں زندہ اور مردے کا فرق کہاں۔ کیا زندہ کی عبادت جائز ہے مردے کی نہیں؟ جس طرح غیر خدا کی عبادت مطلقاً شرک ہے زندہ کی ہو یا مردے کی استمداد بھی مطلقاً شرک ہونی چاہیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے ڈھائی ہزار برس بعد امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مدد فرمائی کہ شب معراج میں پچاس نمازوں کے بجائے پانچ نمازیں کرادیں۔ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ نمازیں پانچ رہیں گی مگر بزرگان دین کے لیے پچاس مقرر فرما کر پھر دو پیاروں کی دعا سے

پانچ مقرر فرمائیں استمداد کے منکرین کو چاہیئے کہ نمازیں پچاس پڑھا کریں۔ کیونکہ پانچ میں غیر اللہ کی مدد شامل ہے۔

نیز قرآن تو فرماتا ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں ان کو مردہ نہ کہو اور نہ جانو۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۵۴)

"جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں کرتے۔"

جب یہ زندہ ہوئے تو ان کی مدد حاصل کرنا جائز ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو شہداء کے بارے میں ہے جو کہ تلوار سے راہ خدا میں مارے جاویں گے۔ مگر یہ بلاوجہ زیادتی ہے اس لیے کہ آیت میں لوہے کی تلوار کا ذکر نہیں ہے جو حضرات عشق الٰہی کی تلوار سے مقتول ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں (روح البیان) اسی لیے حدیث پاک میں آیا کہ جو ڈوب کر مرے، جل جاوے، طاعون میں مرے، عورت زچگی کی حالت میں مرے۔ طالب علم مسافر وغیرہ سب شہید ہیں نیز اگر صرف تلوار سے مقتول تو زندہ ہوں باقی سب مردے تو نبی کریم علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ مردہ ماننا لازم آوے گا۔ حالانکہ سب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت بحیات کامل زندہ ہیں۔ نیز زندہ اور مردے سے مدد مانگنے کی تحقیق بہ ثبوت استمداد کر چکے ہیں کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں مدد لی جاسکتی ہے بعد موت بھی اس سے مدد مانگی جاوے اور اس کی کچھ تحقیق بوسہ تبرکات اور سفر زیارت قبور میں بھی ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

تفسیر صاوی آخر سورۃ قصص وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۸ آیت ۸۸) کی تفسیر میں ہے

فَحِیْنَئِذٍ فَلَیْسَ فِی الْاٰیَۃِ دَلِیْلٌ عَلٰی مَا زَعَمَہٗ الْخَوَارِجُ مِنْ اَنَّ الطَّلَبَ مِنَ الْغَیْرِ حَیًّا وَ مَیِّتًا شِرْکٌ فَاِنَّہٗ جَھْلٌ مُرَکَّبٌ لِاَنَّ سُوَالَ الْغَیْرِ مِنْ اِجْرَاءِ اللّٰہِ النَّفْعُ اَوِالنَّصْرُ عَلٰی یَدِہٖ قَدْ یَکُوْنُ وَاجِبًا لِاَنَّہٗ مِنَ التَّمَسُّکِ بِالْاَسْبَابِ وَ لَا یُنْکِرُ الْاَسْبَابَ اِلَّا جُحُوْدًا اَوْ جُھُوْلًا۔

"یعنی یہاں لاتدع کے معنی ہیں نہ پوجو لہٰذا اس آیت میں ان خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگنا شرک ہے۔ خارجیوں کی یہ بکواس جہالت ہے کیونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب ان کے ذریعے سے نفع نقصان دے کبھی واجب ہوتا ہے کہ یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا جاہل۔"

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں (۱) غیر خدا سے مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہوتا ہے (۲) اس طلب کا انکار خارجی کرتے ہیں (۳) لاتدع میں پوجنے کی نفی ہے نہ کہ پکارنے کی یا مدد مانگنے کی۔

اِعتَراض نمبر 10

بزرگان دین کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں چل پھر نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل بے دست و پا ہیں پھر ایسے کمزوروں سے مدد لینا بتوں سے مدد لینے کیطرف لغو ہے۔ اس کی برائی رب تعالیٰ نے بیان کی کہ وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۲ آیت ۷۳) یہ اولیاء اپنی قبروں سے مکھی بھی دفع نہیں کر سکتے۔ ہماری کیا مدد کریں گے۔

جواب

یہ تمام کمزوریاں اس جسم خاکی پر اس لیے طاری ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق روح سے کمزور ہو گیا روح میں کوئی کمزوری نہیں۔ بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے کہ قبر کے اندر سے باہر والوں کو دیکھتی ہے اور قدموں کی آواز سنتی ہے خصوصاً ارواح الانبیاء رب تعالیٰ نے فرمایا وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (پارہ ۳۰ سورۃ ۹۳ آیت ۴) پر پچھلی گھڑی گذشتہ گھڑی سے آپ کے لیے بہتر ہے اور استمد ادولی کی روح سے ہے۔ نہ جسم عنصری سے کفار جن سے مدد مانگتے ہیں وہ روحانی طاقت سے خالی ہیں۔ نیز وہ پتھروں کو اپنا مددگار جانتے ہیں جن میں روح بالکل نہیں۔

تفسیر روح البیان یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۳۷) کی تفسیر ہے کہ حضرت خالد و عمر رضی اللہ عنہما نے زہر پیا حضور علیہ السلام نے خیبر میں زہر کھایا۔ مگر بوقت وفات اثر ظاہر ہوا کہ انہوں نے مقام حقیقت میں رہ کر زہر پیا تھا۔ اور زہر کا اثر حقیقت پر نہیں ہوتا۔ بوقت وفات بشریت کا ظہور تھا کہ موت بشریت پر طاری ہوتی ہے۔ لہٰذا اب اثر ظاہر ہوا۔ ان حضرات کو قبر کی مکھی تو کیا عالم کو پلٹ دینے کی طاقت ہے۔ مگر اس کی جانب توجہ نہیں خانہ کعبہ میں تین سو برس بت رہے رب نے دور نہ کیے تو کیا خدا کمزور ہے اپنے گھر سے نجاست دور نہ کر سکا۔؟ رب سمجھ دے۔

اِعتَراض نمبر 11

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ میں اگر کچھ طاقت ہوتی تو خود دشمنوں سے کیوں شہید ہوتے جب وہ اپنی مصیبت دفع نہ کر سکے تو تمہاری مصیبت کیا دفع کریں گے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْــٴًـا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۲ آیت ۷۳)

جواب

ان میں دفع مصیبت کی طاقت تو تھی۔ مگر طاقت کا استعمال نہ کیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی مرضی ایسی ہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصاء فرعون کو بھی کھا سکتا تھا۔ مگر وہاں استعمال نہ کیا امام حسین رضی اللہ عنہ میں طاقت تھی کہ کربلا میں حوض کوثر منگا لیتے فرات کی کیا حقیقت تھی مگر راضی برضاء الٰہی تھے۔ دیکھو رمضان میں ہمارے پاس پانی ہوتا ہے۔ مگر حکم الٰہی کی وجہ سے استعمال نہیں کرتے بخلاف بتوں کے کہ ان میں طاقت ہی نہیں لہٰذا یہ آیت انبیاء و اولیاء کے لیے پڑھنا بے دینی ہے۔ یہ بتوں کے لیے ہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نانا نے بار بار اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیئے یہ پانی جنت سے آتا تھا۔

بحث بدعت کے معنٰی اور اس کے اقسام و احکام

اس میں دو باب ہیں۔ پہلا باب بدعت کے معنٰی اور اس کے اقسام و احکام میں دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات ہیں۔

بابُ نمبر 1

بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام میں

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز قرآن کریم فرماتا ہے۔

قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ۔ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۶ آیت ۹)

''فرمادو کہ میں نیا رسول نہیں ہوں۔''

نیز فرماتا ہے بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۱۷) آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے نیز فرماتا ہے وَ رَھْبَانِیَّۃَ نِ ابْتَدَعُوْھَا مَا کَتَبْنٰھَا عَلَیْھِمْ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۷ آیت ۲۷)۔

ان آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایجاد کرنا' نیا بنانا وغیرہ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے قَالَ النَّوَوِیُّ اَلْبِدْعَۃُ کُلُّ شَیْئٍ عُمِلَ عَلٰی غَیْرِ مِثَالٍ سَبَقَ بدعت وہ کام ہے جو بغیر گذری مثال کے کیا جاوے۔

اب بدعت تین معنی میں استعمال ہوتا ہے نیا کام جو حضور انور کے بعد ایجاد ہوا خلاف سنت کام جو دافع سنت ہو۔ برے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے معنی سے بدعت دو قسم کی ہے' حسنہ' سیئہ دوسرے دو معنی سے ہر بدعت سیئہ ہی ہے جن بزرگوں نے فرمایا کہ ہر بدعت سیئہ ہوتی ہے وہاں دوسرے معنی مراد ہیں وہ جو حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہاں تیسرے معنی مراد ہیں لہٰذا احادیث و اقوال علماء آپس میں متعارض نہیں۔

بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے ہوں نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی ان برے عقائد کو کہتے ہیں۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے' عیسائی یہودی' مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں۔ کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔ نیز ان عقائد کو عیسائی وغیرہ بھی اسلامی عقائد نہیں کہتے اور جبریہ' قدریہ' مرجیہ' چکڑالوی' غیر مقلد' دیوبندی' عقائد بدعت اعتقادیہ ہیں۔ کیونکہ یہ سب بعد کو بنے۔ اور یہ لوگ ان کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں۔ مثلاً دیوبندی کہتے ہیں کہ خدا جھوٹ پر قادر ہے۔ حضور علیہ السلام غیب سے جاہل یا حضور علیہ السلام کا خیال نماز میں بیل گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔ یہ ناپاک عقیدے بارھویں صدی کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ہم شامی سے اس کا ثبوت مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے وَ جَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ رَاْفَۃً وَّ رَحْمَۃً ط وَرَھْبَانِیَّۃَ نِ ابْتَدَعُوْھَا مَا کَتَبْنٰھَا عَلَیْھِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰہِ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۷ آیت ۲۷) پھر فرماتا ہے فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْھُمْ اَجْرَھُمْ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے بدعت حسنہ یعنی تارک الدنیا ہو جانا ایجاد کیا رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اس پر اجر بھی دیا۔ ہاں جو اسے نبھا نہ سکے ان پر عتاب آیا۔ فرمایا گیا۔ فَمَا رَعَوْھَا حَقَّ رِعَایَتِھَا (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۷ آیت ۲۷) دیکھو ایجاد بدعت پر عتاب نہیں ہوا بلکہ نہ نبھانے پر۔ معلوم ہوا کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے اور باعث ثواب ہے۔ مگر اس پر پابندی نہ کرنا برا خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَدْوَمُھَا لہٰذا چاہئے کہ مسلمان

محفل میلاد شریف وغیرہ پر پابندی کریں۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام کی پہلی حدیث ہے کہ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدہ ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔ ہم نے ما کے معنی عقیدے اس لیے کئے ہیں کہ دین عقائد کا ہی نام ہے اعمال فروع میں بے نمازی گنہگار ہے۔ بے دین یا کافر نہیں۔ بداعتقاد یا تو گمراہ ہے یا کافر اس کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔

> وَالْمَعْنٰی اَنَّ مَنْ اَحْدَثَ فِی الْاِسْلَامِ رَاْیًا فَهُوَ مَرْدُوْدٌ عَلَیْهِ اَقُوْلُ فِیْ وَصْفِ هٰذَا الْاَمْرِ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ اَمْرَ الْاِسْلَامِ كَمُلَ۔
>
> ’’معنی یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے کہ دین سے نہیں ہے وہ اس پر رد ہے میں کہتا ہوں کہ ہذا الامر کے وصف میں اس طرح اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے۔‘‘

ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔ اسی مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو فرمایا کہ بَلَغَنِیْ اَنَّهٗ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ كَانَ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِءْهُ مِنِّی السَّلَامَ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا سلام نہ کہنا بدعتی کیسے ہوا؟ فرماتے ہیں۔

> یَقُوْلُ یَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ اَوْ قَذْفٌ فِیْ اَهْلِ الْقَدْرِ۔
>
> ’’حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ میری امت میں زمین میں دھنسنا صورت بدلنا یا پتھر برسنا ہوگا قدریہ لوگوں میں۔‘‘

معلوم ہوا کہ وہ قدریہ یعنی تقدیر کا منکر ہو گیا تھا۔ اس کو منکر فرمایا۔ درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں ہے۔

> وَ مُبْتَدِعٌ اَیْ صَاحِبُ بِدْعَةٍ وَ هِیَ اِعْتِقَادُ خِلَافِ الْمَعْرُوْفِ عَنِ الرَّسُوْلِ۔
>
> ’’بدعتی امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ بدعت اس عقیدہ کے خلاف اعتقاد رکھنا ہے جو حضور علیہ السلام سے معروف ہیں۔‘‘

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بدعت نئے اور برے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔ یعنی بدعت اعتقادیہ والے کی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے۔ ’’جس بدعت میں ایسی شدید وعید ہے وہ بدعت فی العقائد ہے جیسا کہ روافض خوارج کی بدعت ہے۔

بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہو یا اس کے بھی بعد۔ مرقات باب الاعتصام میں ہے۔

> وَ فِی الشَّرْعِ اِحْدَاثُ مَا لَمْ یَكُنْ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔
>
> ’’بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو۔‘‘

اشعۃ اللمعات میں یہی باب ’’بدانکہ ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت است‘‘ جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہوا وہ بدعت ہے۔

ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ جو کام بھی ہو دینی یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو خواہ زمانہ صحابہ میں یا اس کے بعد وہ بدعت ہے ہاں عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو سنت صحابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے یہ عرف ہے ورنہ خود فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر فرمایا نِعْمَةُ الْبِدْعَةِ هٰذِهٖ۔ یہ تو بہت ہی اچھی بدعت ہے۔

بدعت عملی دو قسم کی ہے بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کسی سنت کے خلاف نہ ہو جیسے محفل میلا اور دینی مدارس اور نئے نئے عمدہ کھانے اور پریس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا اور بدعت سیئہ وہ جو کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والی ہو۔ جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ جمعہ و عیدین پڑھنا یا لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنا پڑھانا کہ اس میں سنت خطبہ یعنی عربی میں نہ ہونا اور تبلیغ تکبیر کی سنت اٹھ جاتی ہے یعنی بذریعہ مکبرین کے آواز پہنچانا بدعت حسنہ جائز ہے بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے اس تقسیم کو ہم آئندہ بیان کریں گے بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی دلیل سنو۔ اشعتہ اللمعات جلد اول باب الاعتصام زیر حدیث وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ہے ’’وآنچہ موافق اصول وقواعد اوست وقیاس کردہ شدہ است آں را بدعت حسنہ گویند وآنچہ مخالف آں باشد باعث ضلالت گویند۔ جو بدعت کہ اصول وقوانین اور سنت کے موافق ہے اور اس سے قیاس کی ہوئی ہے۔ اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہے اس کو بدعت گمراہی کہتے ہیں۔ مشکوٰۃ باب العلم میں ہے:

مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسْنَةً فَلَهٗ اَجْرُ هَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنم بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِ هِمْ شَيْئٌ وَّ مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِ زْرُهَاوَ وِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ

’’جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اسکا بھی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی معلوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے اور برے کام نکالنا گناہ کا موجب۔‘‘

نامی کے مقدمہ میں فضائل امام ابو حنیفہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

قَالَ الْعُلَمَآءُ هٰذِهٖ اَحَادِيْثُ مِنْ قَوَاعِدِ الْاِسْلَامِ وَ هُوَ اَنَّ كُلَّ مَنِ ابْتَدَعَ شَيْئًا مِنَ الشَّرِّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِ زْرِ مَنِ اقْتَدٰى بِهٖ فِيْ ذٰلِكَ وَ كُلُّ مَنِ ابْتَدَعَ شَيْئًا مِنَ الْخَيْرِ كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ كُلِّ مَنْ يَعْمَلُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

’’علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون ہیں کہ جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرے اس پر اس کام میں ساری پیروی کرنیوالوں کا گناہ ہے اور جو شخص اچھی بدعت نکالے اسکو قیامت تک کہ سارے پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔‘‘

ں سے بھی معلوم ہوا کہ اچھی بدعت ثواب ہے اور بری بدعت گناہ۔ بری بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ اسکی بھی دلیل ملاحظہ ہو۔ نکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ۔

''جوشخص ہمارے دین میں کوئی ایسی رائے نکالے جوکہ دین سے نہیں ہےتو وہ مردود ہے۔''

دین سے نہیں ہے کہ معنٰی یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے۔ چنانچہ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے ''ومراد چیزے است ک مخالف ومغیر آن باشد'' اس سے مراد وہ چیز ہے جوکہ دین کے خلاف اور دین کو بدلنے والی ہو۔ اسی مشکوٰۃ باب الاعتصام تیسری فصل میں ہے۔

مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَۃً اِلَّا رَفَعَ مِثْلَھَا مِنَ السُّنَّۃِ فَتَمَسُّکٌ بِسُنَّۃٍ خَیْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَۃٍ۔

''کوئی قوم بدعت ایجادنہیں کرتی مگراتنی سنت اٹھ جاتی ہےلہٰذا سنت کولینابدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔''

اس شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے ''وچوں احداث بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس اقامت سنت قاطع بدعت خواہد بود''۔ اور جب بدعت نکالنا سنت کومٹانے والا ہےتو سنت کوقائم کرنابدعت کومٹانے والا ہوگا۔

اس حدیث اوراسکی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیئہ یعنی بری بدعت وہ ہے کہ جس سے سنت مٹ جاوے۔ اسکی مثالیں ہم دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی پہچان خوب یادرکھنا چاہیئے کہ اسی جگہ دھوکا ہوتا ہے۔

بدعت کی قسمیں اوران کی اقسام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دوطرح کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ اب یادرکھنا چاہیے کہ بدعت حسنہ تین طرح کی ہے۔ بدعت جائز' بدعت مستحب' بدعت واجب' اور بدعت سیئہ دوطرح کی ہے۔ بدعت مکروہ اور بدعت حرام۔ اس کی تقسیم کی دلیل ملاحظہ ہو۔ مرقات باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے۔

اَلْبِدْعَۃُ اَمَّا وَاجِبَۃٌ کَتَعَلُّمِ النَّحْوِ وَ تَدْوِیْنِ اُصُوْلِ الْفِقْہِ وَ اَمَّا مُحَرَّمَۃٌ کَمَذْھَبِ الْجَبْرِیَّۃِ وَ اَمَّا مَنْدُوْبَۃٌ کَاِحْدَاثِ الرَّوَابِطِ وَ الْمَدَارِسِ وَ کُلِّ اِحْسَانٍ لَمْ یُعْھَدْ فِی الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَ کَالتَّرَاوِیْحِ اَیْ بِالْجَمَاعَۃِ الْعَامَّۃِ وَ اَمَّا مَکْرُوْھَۃٌ کَذُخْرُفَۃِ الْمَسَاجِدِ وَ اَمَّا مُبَاحَۃٌ کَالْمُصَافِحَۃِ عَقِیْبَ الصُّبْحِ وَ التَّوَسُّعِ بِلَذِیْذِ الْمَاکِلِ وَالْمَشَارِبِ۔

''بدعت یا تو واجب ہے جیسے کےعلم نحو کا سیکھنا اوراصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جبریہ مذہب اور یا مستحب ہے۔ جیسے مسافرخانوں اور مدرسوں کا ایجاد اور وہ ہر اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کوفخریہ زینت دینا اور یا جائز ہے جیسے فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا۔''

شامی جلداول کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں ہے۔

اَیْ صَاحِبُ بِدْعَۃٍ مُحَرَّمَۃٍ وَ اِلَّا فَقَدْ تَکُوْنُ وَاجِبَۃٌ کَنَصَبِ الْاَدِلَّۃِ وَ تَعَلُّمِ النَّحْوِ وَ مَنْدُوْبَۃٌ کَاِحْدَاثِ نَحْوِ

رُبَاطٍ وَ مَدْرَسَةٍ وَ كُلِّ اِحْسَانٍ لَمْ يَكُنْ فِي الصَّدْرِ الْاَوَّلِ مَكْرُوْهَةٌ كَزَ خْرُفَةِ الْمَسْجِدِ وَ مُبَاحَةٌ كَالتَّوَسُّعِ بِلَذِيْذِ الْمَاكِلِ وَ الْمَشَارِبِ وَ الثِّيَابِ كَمَا فِيْ شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ۔

''یعنی حرام بدعت والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے ورنہ بدعت تو کبھی واجب ہوتی ہے جیسے کہ دلائل قائم کرنا اور علم نحو سیکھنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور مدرسے اور ہر وہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی ان کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریہ زینت اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شربتوں اور کپڑوں میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے۔''

ان عبارات سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوئیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ بعض بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ علم فقہ و اصول فقہ قرآن کریم کا جمع کرنا یا قرآن کریم میں اعراب لگانا یا آج کل قرآن کریم کا چھاپنا اور دینی اداروں کے درس وغیرہ بنانا۔

بدعت کی قسمیں اور پہچانیں اور علامتیں

بدعت حسنہ اور سیئہ کی پہچان تو بتا دی گئی کہ جو بدعت اسلام کے خلاف ہو یا کسی سنت کو مٹانے والی ہو وہ بدعت سیئہ اور جو ایسی نہ ہو وہ بدعت حسنہ اب ان پانچ قسموں کی علامتیں معلوم کرو۔

بدعت جائز

ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جاوے جیسے چند کھانے کھانا وغیرہ۔ اس کا حوالہ مرقاۃ اور شامی میں گذر گیا ان کاموں پر نہ ثواب نہ عذاب۔

بدعت مستحبہ

وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور اس کو عام مسلمان کار ثواب جانتے ہیں یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان کہ عام مسلمان اس کو کار ثواب جانتے ہیں۔ اس کو کرنے والا ثواب پاویگا۔ اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ دلائل ملاحظہ ہوں مرقات باب الاعتصام میں ہے۔

وَرُوِيَ عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَفِيْ حَدِيْثٍ مَرْفُوْعٍ وَ لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ

''حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور حدیث مرفوع میں ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔''

مشکوٰۃ کے شروع میں ہے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ اِنَّمَا لِاِمْرِءٍ مَانَوٰى۔

''اعمال کا مدار نیت سے ہے اور انسان کے لیے وہی ہے جو نیت کرے۔''

درمختار جلد اول بحث مستحبات وضو میں ہے:

وَ مُسْتَحَبُّهٗ وَهُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَرَّةً وَ تَرَكَهٗ اُخْرٰی وَ مَا اَحَبَّهُ السَّلَفُ۔

''مستحب وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو اور وہ کام جسے گزشتہ مسلمان اچھا جانتے ہوں۔''

شامی جلد پنجم بحث قربانی میں ہے۔

فَاِنَّ النِّیَّاتِ تَجْعَلُ الْعَادَاتِ عِبَادَاتٍ۔

''کیونکہ نیت خیر عادات کو عبادات بنا دیتی ہے۔''

اس طرح مرقاۃ بحث نیت میں بھی ہے۔

ان احادیث وفقہی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام نیت ثواب سے کیا جاوے یا مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں۔ وہ عند اللہ بھی کار ثواب ہے۔ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جو اس کے اچھے ہونے کی گواہی دیں وہ اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ برا ہے۔ گواہی کی نفیس بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ اور اس کتاب میں بھی عرس بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آویگا۔ انشاء اللہ

بدعت واجبہ

وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے کہ قرآن کے اعراب اور دینی مدارس اور علم نحو وغیرہ پڑھنا اس کے حوالے گذر چکے۔

بدعت مکروہہ

وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جاوے۔ اگر سنت غیر موکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر سنت موکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تحریمی۔ اسکی مثالیں اور حوالے گذر چکے۔

بدعت حرام

وہ نیا کام جس سے کوئی واجب چھوٹ جاوے۔ یعنی واجب کو مٹانیوالی۔

درمختار باب الاذان میں ہے کہ اذان کے بعد سلام کرنا ۷۸۱ھ میں ایجاد ہوا۔ لیکن وہ بدعت حسنہ ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ اذان جوق کے بارے میں فرماتے ہیں۔ فَفِیْهِ دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّهٗ غَیْرُ مَكْرُوْهٍ لِاَنَّ الْمُتَوَارَثَ لَا یَكُوْنُ مَكْرُوْهًا وَّ كَذٰلِكَ تَقُوْلُ فِی الْاَذَانِ بَیْنَ یَدَیِ الْخَطِیْبِ فَیَكُوْنُ بِدْعَةً حَسَنَةً اِذْمَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام مسلمانوں میں مروج ہو جائے باعث ثواب ہے۔

آؤ ہم مل کر دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت بدعت حسنہ سے خالی نہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو۔

ایمان

مسلمان کا بچہ بچہ کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے۔ ایمان کی دو قسمیں ہیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں قرون ثلثہ میں اس کا پتہ نہیں۔

کلمہ

ہر مسلمان چھ کلمہ یاد کرتا ہے۔ یہ چھ کلمے ان کی تعداد ان کی ترکیب کہ یہ پہلا کلمہ ہے۔ یہ دوسرا اور ان کے یہ نام ہیں۔ سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلثہ مین بھی نہیں تھا۔

قرآن

قرآن کے تیس پارہ بنانا۔ ان میں رکوع قائم کرنا۔ اس پر اعراب لگانا۔ اس کی سنہری روپہلی جلدیں تیار کرنا۔ قرآن کو بلاک وغیرہ بنا کر چھاپنا سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا۔ حدیث کی اسناد بیان کرنا۔ اسناد پر جرح کرنا اور حدیث کی قسمیں بنانا کہ یہ صحیح ہے، یہ حسن، یہ ضعیف، یہ معضل، یہ مدلس ان قسموں میں ترتیب دینا کے اول نمبر صحیح ہے دوم نمبر حسن، سوم نمبر ضعیف۔ پھر انکے احکام مقرر کرنا کہ حرام وحلال چیزیں حدیث صحیح سے ثابت ہوں گی۔ اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی۔ غرضکہ سارا فن حدیث ایسی بدعت ہے جس کا قرون ثلثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

اصول حدیث

یہ فن بالکل بدعت ہے بلکہ اس کا تو نام بھی بدعت ہے۔ اسکے سارے قاعدے قانون بدعت۔

فقہ

اس پر آج کل دین کا دارومدار ہے مگر یہ بھی از اول تا آخر بدعت ہے۔ جس کا قرون ثلثہ میں ذکر نہیں۔

اصول فقہ وعلم کلام

یہ علم بھی بالکل بدعت ہے اس کے قواعد وضوابط بالکل بدعت ہیں۔

نماز

نماز میں زبان سے نیت کرنا۔ بدعت۔ جس کا ثبوت قرون ثلثہ میں نہیں۔ رمضان میں بیس تراویح پر ہمیشگی کرنا بدعت ہے خود امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نِعۡمَةِ الۡبِدۡعَةِ هٰذِهٖ یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

روزہ

روزہ افطار کرتے وقت زبان سے دعا کرنا۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمۡتُ الخ اور سحری کے وقت دعا مانگنا کہ اَللّٰهُمَّ بِالصَّوۡمِ لَكَ غَدًا نَوَيۡتُ بدعت ہے۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ میں موجود سکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے۔ قرون ثلثہ میں یہ تصویر والے سکے نہ تھے۔ نہ ان سے زکوٰۃ جیسی عبادات ادا ہوتی تھی۔ موجودہ سکوں سے غلوں سے فطرانہ نکالنا یہ سب بدعت ہے۔

حج

ریل گاڑیوں، لاریوں، موٹروں، ہوائی جہازوں کے ذریعے حج کرنا، موٹروں میں عرفات شریف جانا بدعت ہے اس زمانہ پاک میں نہ ی سواریاں تھیں، نہ ان کے ذریعے حج ہوتا تھا۔

طریقت

طریقت کے قریباً سارے مشاغل اور تصوف کے قریباً سارے مسائل بدعت ہیں مراقبے چلے، پاس انفاس، تصور شیخ، ذکر کی اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلثہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔

چار سلسلے

شریعت وطریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اسی طرح قادری، چشتی، یا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنفی، قادری نہ ہوئے۔ اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بچ کر وہ دینی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں تو بدعت سے چھٹکارا کیسا؟

دنیاوی چیزیں

آج کل دنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد ہوگئی ہیں جن کا خیر القرون میں نام ونشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، تانگہ، گھوڑا گاڑی، پھر خط، لفافہ، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔

بولو! دیوبندی، وہابی، بغیر بدعات حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

لطیفہ

ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھانے گئے۔ دولہا کو پھولوں کا سہرا بندھا ہوا تھا۔ جاتے ہوئے بولے یہ سہرا بدعت ہے شرک ہے حرام ہے نہ حضور ﷺ نے باندھا نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے نہ تابعین رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ نے بتاؤ کونسی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا باندھو۔ لوگوں نے سہرا کھول دیا جب نکاح پڑھا چکے تو دولہا کے باپ نے دس روپے کا نوٹ دیا۔ مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رہے تھے کہ دولہا نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لینا بدعت ہے۔ حرام ہے شرک ہے نہ حضور ﷺ نے لیے نہ صحابہ رضی اللہ عنہ نے نہ تابعین رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تبع تابعین نے بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ نکاح کی فیس لو مولوی صاحب بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں دولہا بولا سہرا بھی خوشی کا تھا۔ غم کا نہ تھا۔ مولوی صاحب شرم سے ڈوب گئے۔ یہ ہے ان بزرگوں کی بدعت۔

بَابْ نمبر 2

اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات و جوابات میں

ہم نے بدعت عملی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام دینی و دنیاوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں ہو یا اسکے بعد اس پر دو مشہور اعتراض ہیں۔

اِعتَراض نمبَر 1

بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے کہ جو حضور علیہ السلام کے بعد ایجاد ہو۔ دنیاوی نئے کام بدعت نہیں۔ لہٰذا محفل میلاد وغیرہ تو بدعت ہیں اور تار' ٹیلیفون' ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَرَدٌّ جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالے وہ مردود ہے امرنا سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حسنہ نہیں سب حرام ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ان سب کو کہا گیا کہ وہ مردود ہے۔

جوَابْ

دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے اور احادیث صحیحہ اور اقوال علماء اور محدثین کے خلاف ہے حدیث میں ہے۔ کُلُّ مُحْدَثٍ بِدْعَۃٌ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)۔ ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ نیز ہم اشعتہ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں۔ اس میں دینی کام کی قید نہیں لگائی۔ نیز ہم پہلے باب میں مرقاۃ اور شامی کی عبارتیں دکھا چکے کہ انہوں نے عمدہ کھانے۔ اچھے کپڑے' بدعت جائزہ میں داخل کئے ہیں یہ کام دنیاوی ہیں لیکن بدعت میں انکا شمار کیا لہٰذا یہ قید لگانا غلط ہے۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو تو کہتے ہیں۔ جس پر ثواب ملے۔ مستحبات' نوافل' واجبات' فرائض سب دینی کام ہیں کہ اس کو آدمی ثواب کے لیے کرتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جاوے اس پر ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔ اپنے بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہو تو ثواب ہے حَتّٰی اللُّقْمَۃِ تَرْفَعُھَا اِلٰی فِیْ اِمْرَاءَ تِکَ یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی زوجہ کے منہ میں دے وہ بھی ثواب ہے۔ لہٰذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے۔ اب بتاؤ کہ نیت خیر سے پلاؤ کھلانا بدعت ہے یا نہیں؟ نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لیے کوئی مفید نہیں۔ کیونکہ دیو بند کا مدرسہ' وہاں کا نصاب دورہ حدیث' تنخواہ لے کر مدرسین کا پڑھانا' امتحان اور تعطیلات کا ہونا' آج قرآن پاک میں اعراب لگانا' قرآن و بخاری چھاپنا' مصیبت کے وقت ختم بخاری کرنا جیسا کہ دیو بند میں پندرہ روپیہ لے کر کرایا جاتا ہے۔ بلکہ سارا فن حدیث خود احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کاغذ پر جمع کرنا۔ اس میں رکوع بنانا۔ اسکے تیس سیپارے کرنا وغیرہ وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اسکا کوئی کام نہ ہوا تھا۔ بولو یہ حرام ہیں یا حلال؟ بچارے محفل میلاد شریف اور فاتحہ نے ہی کیا قصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لیے حرام ہوں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھا اور اوپر ذکر کئے ہوئے سب کام حلال۔

ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرات چار چیزوں کی صحیح تعریف کر دیں جس پر کوئی اعتراض نہ ہو جامع مانع ہو۔ تو جس قدر چاہیں ہم سے انعام لیں بدعت' شرک' دین' عبادت' اور اب بھی اپنے رب کے بھروسہ پر کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی دیوبندی کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس کا مذہب بچ جاوے۔ آج بھی ہر دیوبندی اور ہر غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ انکی ایسی صحیح تعریف کرو جس سے محفل میلاد حرام ہو۔ اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد عین اسلام اور کہہ دیتے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکی ہیں اور نہ ہو سکیں گی۔ لہٰذا چاہیئے کہ اپنے اس بے اصولے مذہب سے توبہ کریں اور اہلسنت والجماعت میں داخل ہوں اللہ الموفق۔

وہ حدیث جو آپ نے پیش کی۔ اس کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں یا تو ما سے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر مراد اعمال بھی ہوں تو لَیْسَ مِنْهَا سے مراد وہ اعمال ہیں جو خلاف سنت یا خلاف دین ہوں ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے ہیں'

یہ کہنا ہر بدعت حرام ہوتی ہے۔ بدعت حسنہ کوئی چیز ہی نہیں اس حدیث کے خلاف ہے جو پیش کی جا چکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ ثواب کا مستحق ہے اور جو برا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا۔ نیز شامی، اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارات پیش کی جا چکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے جائز' واجب' مستحب' مکروہ اور حرام۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ہر بدعت حرام ہے تو مدارس وغیرہ کو ختم کر دو کہ یہ بھی حرام ہیں۔ نیز مسائل فقیہہ اور اشغال صوفیہ جو خیر القرون کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے۔ شریعت کے چار سلسلے حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی اور طریقت کے چار سلسلے قادری' چشتی' نقشبندی اور سہروردی یہ تمام ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے بعد ایجاد ہوئے پھر ان کے مسائل اجتہادیہ اور اعمال' وظیفے' مراقبے' چلے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ ان کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں' چھ کلمہ' ایمان مجمل و مفصل قرآن کے تیس پارے' حدیث کی قسمیں اور ان کے احکام کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف' یہ حسن ہے یا معضل وغیرہ عربی مدارس کے نصاب' جلسہ دستار بندی' سند لینا' پگڑی بندھوانا' ان چیزوں کا کہیں قرآن و حدیث میں نام بھی نہیں۔ کوئی دیوبندی وہابی ان چیزوں کو تو کیا ان کے نام بھی کسی حدیث میں نہیں دکھا سکتا۔ پھر حدیث کی اسناد اور راویوں پر مروجہ جرح خیر القرون سے ثابت نہیں کر سکتا۔ غرض کہ شریعت و طریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں بدعت شامل نہ ہو۔

مولوی اسمٰعیل صاحب صراط مستقیم صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں "نیز اکابر طریقت نے اگرچہ اذکار و مراقبات و ریاضات و مجاہدات کی تعین میں جو راہ ولایت کے مبادی ہیں کوشش کی ہے لیکن بحکم ہر سخن وقتی و ہر نکتہ مقامی دارد"۔ ہر ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہیں۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تصوف کے اشغال صوفیاء کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں اور جائز ہیں۔ بلکہ راہ سلوک ان ہی سے طے ہوتی ہے۔ کہیے کہ اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہر نئی چیز حرام ہے؟ ماننا پڑے گا کہ جو کام خلاف سنت ہو وہ برا ہے باقی عمدہ اور اچھا ہے۔

اعتراض نمبر 2

مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ یا تابعین رحمۃ اللہ علیہ یا تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ ان زمانوں کے بعد جو کام ایجاد ہو گا وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی جائز نہیں۔ سب حرام ہیں یعنی صحابہ کرام

رضی اللہ عنہ اور تابعین رحمۃ اللہ علیہ و تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ کی ایجادات سنت ہیں۔ اس لیے مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

(۱) فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرّٰشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔

”تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت والے خلفائے راشدین کی سنت کہ اس کو دانت سے مضبوط پکڑ لو۔“

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا۔ اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کی ایجادات بدعت نہیں۔

(۲) مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے:

خَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ اَنْ بَعْدَ ذٰلِكَ قَوْمًا يَشْهَدُوْنَ وَ لَا يُسْتَشْهَدُوْنَ وَ يَخُوْنُوْنَ وَ لَا يُؤْتَمَنُوْنَ۔

”میری امت میں بہتر گروہ میرا گروہ ہے پھر وہ جو ان کے متصل میں پھر وہ جو ان کے متصل میں پھر اس کے بعد ایک قوم ہو گی جو بغیر گواہ بنائے ہوئے گواہی دیتی پھرے گی اور جو خیانت کریں گے۔ امین نہ ہوں گے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ تین زمانہ خیر ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا، تابعین رحمۃ اللہ علیہ کا، تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ کا، اور پھر شر اور خیر کا زمانہ میں جو پیدا ہو وہ خیر یعنی سنت ہے اور شر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ شر یعنی بدعت ہے۔ نیز مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

(۳) تَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلٰثٍ وَ سَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِيْ۔

”میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے ایک کہ سوا سب جہنمی ہیں۔ عرض کیا کہ یا رسول وہ کون ہے؟ فرمایا کہ جن پر ہم اور ہمارے صحابہ رضی اللہ عنہ ہیں۔“

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی جنت کا راستہ ہے اس لیے ان کے ایجادات کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

(۴) اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ۔

”میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم جسکے پیچھے ہو لو ہدایت پا لو گے۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی پیروی باعث نجات ہے لہٰذا ان کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں۔ کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے۔

جواب

یہ سوال بھی محض دھوکا ہے اس لیے کہ ہم نے مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پیدا ہو۔ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ و تابعین رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہیں۔ نیز اس لیے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تراویح کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا پھر تراویح کی جماعت دیکھ کر فرمایا۔

نِعْمَتُ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ۔

''یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے۔''

خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مبارک فعل کو بدعت حسنہ فرمایا۔ اور ترمذی' ابن ماجہ' نسائی' مشکوٰۃ شریف باب القلوب میں حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے نماز فجر میں قنوت نازلہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا اے نبی محدث۔ بیٹے یہ بدعت ہے دیکھو زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہ کی چیز کو آپ بدعت سیئہ کہہ رہے ہیں۔ اگر زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہ کی ایجادات بدعت نہیں ہوتیں تو تراویح بدعت حسنہ کیوں ہوتی۔ اور قنوت نازلہ بدعت سیئہ کیوں ٹھہری۔ وہ زمانہ تو بدعت کا ہے ہی نہیں۔ تیسرے اس لیے کہ پہلے باب میں بحوالہ مرقات گزر چکا ہے کہ تراویح کی جماعت بدعت مستحبہ ہے یعنی تراویح سنت اور اس کی باقاعدہ پابندی سے جماعت بدعت حسنہ انہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کو بدعت میں داخل کیا۔ چوتھے اس لیئے کہ بخاری جلد دوم کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآ ن میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ خَيْرٌ آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا' صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے حضرت زید ابن ثابت نے بارگاہ صدیقی رضی اللہ عنہما میں یہ ہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے آپ بدعت کیوں ایجاد کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی اچھی ہے جس سے پتہ لگا کہ فعل صحابہ کرام بدعت حسنہ ہے مخالفین کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ۔

''خلفائے راشدین کی اقوال وافعال کو لغوی معنی سے سنت فرمایا گیا۔''

یعنی اے مسلمانوں تم میرے اور میرے خلفاء کے طریقوں کو اختیار کرو جیسے کہ ہم پہلے باب میں حدیث نقل کر چکے ہیں۔ مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً اَجْرُهَا اور مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً اس حدیث میں سنت بمعنی طریقہ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۷) نیز فرماتا ہے سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ ان آیات اور حدیث میں سنت سے مراد سنت شرعیہ بدعت کے مقابل نہیں۔ بلکہ بمعنی طریقہ ہے۔ سنت الٰہیہ اللہ کا طریقہ۔ سنت انبیاء نبیوں کا طریقہ وغیرہ۔

اسی حدیث فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔ "بحقیقت سنت خلفائے راشدین ہماں سنت پیغمبر است کہ در زبان آنحضرت علیہ السلام شہرت نیافتہ بود و در زمان ایشاں مشہور و مضاف بہ ایشاں شدہ۔'' خلفائے راشدین کی سنت حقیقۃً سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہو گئی اور انکی طرف منسوب ہو گئی اس سے معلوم ہوا کہ سنت خلفاء اس کو کہتے ہیں جو اصل میں سنت رسول اللہ ہو مگر اس کو مسلمانوں میں رائج کرنے والے خلفاء راشدین ہوں پانچویں اس لیے کہ محدثین اور فقہا فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے حکم سنت سے ملحق ہیں یعنی سنت تو نہیں۔ سنت سے الحاق ہوئے ہیں اگر ان حضرات کے ایجاد فرمودہ کام سنت ہی ہوتے تو الحاق کے کیا معنی۔ نوالانوار کے شروع میں ہے وَ قَوْلُ الصَّحَابِيْ فِيْمَا يُعْقَلُ مُلْحَقٌ بِالْقِيَاسِ وَ فِيْمَا لَا يُعْقَلُ فَمُلْحَقٌ بِالسُّنَّةِ صحابی کا فرمان عقلی باتوں سے تو قیاس سے ملحق ہے اور غیر عقلی باتوں میں سنت سے ملحق

ہے۔ اگر صحابی کا ہر قول و فعل سنت ہے تو قیاس اور سنت سے الحاق کے کیا معنی؟ اشعۃ اللمعات زیر حدیث فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِیْ ہے پس ہر چہ خلفائے راشدین مداں حکم کردہ باشند۔ اگر چہ باجتہاد و قیاس ایشاں بود موافق سنت نبوی است اطلاق بدعت برآں نتواں کرد''۔ جس چیز کا خلفائے راشدین نے حکم فرمایا ہو اگر چہ اپنے قیاس اور اجتہاد سے ہو سنت نبوی کے موافق ہے اس پر لفظ بدعت نہیں بول سکتے ان عبارات سے بالکل واضح ہو گیا کہ سنت خلفاء راشدین بمعنی لغوی سنت ہے اور سنت شرعی سے ملحق ہے ان کو ادباً بدعت نہ کہا جاوے۔ کیونکہ بدعت اکثر بدعت سیئہ کو بولتے ہیں۔

(۲) خَيْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ الخ سے تو معلوم ہوا کہ ان تین زمانوں تک خیر زیادہ ہوگی اور ان کے بعد خیر کم شر زیادہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہو اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہو جائے۔ یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے ورنہ مذہب جبریہ اور قدریہ زمانہ تابعین ہی میں ایجاد ہوا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ان ہی زمانوں میں ہوئے کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنت کہا جاوے گا۔

(۳، ۴) مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِیْ اور اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی غلامی ان کی پیروی کرنا باعث ہدایت ہے اور ان کی مخالفت باعث گمراہی۔ یہ بالکل درست ہے اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی ہو۔ بدعت حسنہ بھی واجب الاتباع ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

اِتَّبِعُوْا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔

''بڑی جماعت کی پیروی کرو جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔''

نیز وارد ہوا:

مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَا عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهٖ۔

''جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر علیحدہ رہا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی۔''

قرآن کریم میں ہے:

وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ۔ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۱۵)

''اور جو مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوزخ میں داخل کریں گے۔''

اس آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد و اعمال میں جماعت مسلمین کے ساتھ رہے ان کی مخالفت جہنم کا راستہ ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں کہ جماعت مسلمین کا ایجاد کیا ہوا کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب سنت ہی ہو۔ بدعت ہی ہوگا مگر بدعت حسنہ۔ جس طرح کہ ایجادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو سنت صحابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اسی طرح سلف الصالحین کی ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں۔ بمعنی لغوی یعنی پسندیدہ دینی طریقہ۔

ہدایت ضروریہ

جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے کہ اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃُ تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کہ نئے ہونے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ واقوال فقہاء سے ثابت ہے اور غالباً کوئی مقلد کہلانے والا تو اس کا انکار نہیں کرسکتا قرآن کریم فرماتا ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْجوَ اِنْ تَسْئَلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَکُمْ طعَفَا اللّٰہُ عَنْھَا ط (پارہ ۷ سورۃ ۵ آیت ۱۰۱)

’’اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو کہ جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر انکو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو ظاہر کر دی جاویں گی اللہ انکو معاف کر چکا ہے۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے اس لیے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر کہا وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآ ءَ ذٰلِکُمْ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۲۴) ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں نیز فرمایا وَقَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ (پارہ ۸ سورۃ ۶ آیت ۱۱۹) تم سے تفصیل وار بیان کر دی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند محرمات ہیں جن کی تفصیل بتا دی ان کے سوا سب حلال۔ مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب الطعام فصل دوم میں ہے۔

اَلْحَلَالُ مَا اُحِلَّ اللّٰہُ فِیْ کِتٰبِہٖ وَ الْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ وَ مَا سَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ مِمَّا عَفٰی عَنْہُ۔

’’حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔‘‘

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا صراحۃً قرآن میں مذکور ہے دوسری وہ جنکی حرمت صَرَاحَۃً آ گئی۔ تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے؟ شامی جلد اول کتاب الطہارہ بحث تعریف سنت میں ہے اَلْمُخْتَارُ اَنَّ الْاَصْلَ الْاِ بَاحَۃُ عِنْدَ الْجُمْھُوْرِ مِنَ الْحَنْفِیَۃِ وَ الشَّافِعِیَۃِ جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر خازن وروح البیان اور تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔ اب جو بعض لوگ اہل سنت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا جائز ہے یا حضور علیہ السلام یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ یا تابعین رحمۃ اللہ علیہ یا تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ نے کب کیا تھا یہ محض دھوکا ہے۔ اہل سنت کو چاہیئے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا حرام ہے جب خدا حرام نہ کرے۔ رسول علیہ السلام منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونے کی علامت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ

اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً (پارہ ۸ سورۃ ٦ آیت ۱۴۵) الآیہ نیز فرماتا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۳۲) الآیۃ ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی حضرات اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الٹی منطق ہے اچھا بتاؤ کہ ریلوے سفر مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے؟ کہ حلال ہے، یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ یا تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔ جیسے وہ حلال ایسے ہی یہ بھی جائز اور حلال ہے۔

محفل میلاد شریف کے بیان میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب تو میلاد شریف کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

باب نمبر 1

میلاد شریف کے ثبوت میں

اولاً تو معلوم ہونا چاہیئے کہ میلاد شریف کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا حکم کیا ہے؟ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے دلائل کیا ہیں۔ میلاد شریف کی حقیقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا واقعہ بیان کرنا۔ حمل شریف کے واقعات۔ نور محمدی کے کرامات، نسب نامہ یا شیر خوارگی اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں پرورش حاصل کرنے کے واقعات بیان کرنا اور حضور علیہ السلام کی نعت پاک نظم یا نثر میں پڑھنا سب اسکے تابع ہیں۔ اب واقعہ ولادت خواہ تنہائی میں پڑھو یا مجلس جمع کر کے اور نظم میں پڑھو یا نثر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر جس طرح بھی ہو اس کو میلاد شریف کہا جاوے گا۔ محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور ولادت پاک کی خوشی منانا۔ اس کے ذکر کے موقعہ پر خوشبو لگانا۔ گلاب چھڑکنا۔ شیرینی تقسیم کرنا غرضیکہ خوشی کا اظہار جس جائز طریقہ سے ہو مستحب اور بہت ہی باعث برکت اور رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہے۔

(۱) عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا (پارہ ۷ سورۃ ۵ آیت ۱۱۴) معلوم ہوا کہ مائدہ آنے کے دن کو حضرت مسیح نے عید کا دن بنایا۔ آج بھی اتوار کو عیسائی اسی لیے عید مناتے ہیں کہ اس دن دسترخوان اترا تھا اور حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اس مائدہ سے کہیں بڑھ کر نعمت ہے لہٰذا ان کی ولادت کا دن بھی یوم العید ہے۔ ہاں اس مجلس پاک میں حرام کام کرنا سخت جرم اور گناہ ہے جیسے عورتوں کا اس قدر بلند آواز میں نعت شریف پڑھنا کہ اجنبی مرد سنیں سخت منع ہے عورت کی آواز اجنبی مرد کو سننا جائز نہیں۔ اگر کوئی مرد نماز کی حالت میں کسی کو سامنے سے نکلنے سے روکے تو آواز سے سبحان اللہ کہہ دے۔ لیکن اگر عورت کسی کو روکے تو سبحان اللہ نہ کہے بلکہ بائیں ہاتھ کی پشت پر داہنا ہاتھ مارے جس سے معلوم ہوا کہ عورت نماز میں ضرورت کے وقت بھی کسی کو اپنی آواز نہ سنائے اسی طرح میلاد شریف میں باجے کے ساتھ نعت خوانی کرنا بہت ہی گناہ ہے کہ باجہ کھیل کود اور لغویات میں سے ہے اور ویسے ہی باجے سے کھیلنا حرام ہے اور خاص نعت خوانی جو کہ عبادت ہے۔ اس کو باجے پر استعمال کرنا اور بھی جرم ہے اگر کسی جگہ میلاد شریف میں یہ خرابیاں پیدا کر دی گئی ہوں تو ان خرابیوں کو دور کیا جاوے۔ لیکن اصل میلاد شریف کو بند نہ کیا جاوے اگر عورت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرے یا لوگ قرآن کریم باجے سے پڑھنے لگیں تو ان بیہودگیوں کو مٹا دو قرآن پڑھنا نہ روکو کیونکہ

یہ عبادت ہے۔

میلاد شریف قرآن و احادیث و اقوال علماء اور ملائکہ اور پیغمبروں کے فعل سے ثابت ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا (۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۷) اور حضور کی تشریف آوری اللہ کی بڑی نعمت ہے میلاد پاک میں اسی کا ذکر ہے لہٰذا محفل میلاد کرنا اس آیت پر عمل ہے۔

(۲) وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (پارہ ۳۰ سورۃ ۹۳ آیت ۱۱)

''اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔''

اور حضور علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر احسان جتایا ہے اس کا چرچا کرنا ا آیت پر عمل ہے۔ آج کسی کے فرزند پیدا ہو تو ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے۔ کسی کو سلطنت ملی تو ہر سال اس تاریخ پر جشن جلوس مناتا ہے تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا؟ خود قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کا میلاد جگہ جگہ ارشاد فرمایا فرماتا ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ اے مسلمانو تمہارے پاس عظمت والے رسول تشریف لے آئے ہیں۔ تو اس ولادت کا ذکر ہوا پھر فرمایا مِنْ اَنْفُسِكُمْ حضور علیہ السلام کا نسب نامہ بیان ہوا کہ وہ تم میں سے یا تمہاری بہترین جماعت میں سے ہیں۔ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ سے آخر تک حضور علیہ السلام کی نعت بیان ہوئی آج میلاد شریف میں یہ ہی تین باتیں بیان ہوتی ہیں۔

(۳) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا۔ (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۶۴)

''اللہ نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان میں اپنے رسول علیہ السلام کو بھیج دیا۔''

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ۔ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۱ آیت ۹)

''رب العالمین وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔''

غرضیکہ بہت سی آیات ہیں جن میں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر سنت درجہ ہے۔ اب اگر جماعت کی نماز میں امام یہ ہی آیات ولادت پڑھے تو عین نماز میں میرے آقا کا میلاد ہوتا ہے۔ دیکھو امام صاحب کے پیچھے مجمع بھی ہے اور قیام بھی ہو رہا ہے۔ پھر ولادت پاک کا ذکر بھی ہے بلکہ خود کلمہ طیبہ میں میلاد شریف ہے کیونکہ اس میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ رسول کے معنی ہیں بھیجے ہوئے اور بھیجنے کے لیے آنا ضروری ہے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہو گیا۔ اصل میلاد پایا گیا قرآن کریم نے تو انبیاء علیہم السلام کا بھی میلاد بیان فرمایا ہے۔ سورہ مریم میں حضرت مریم علیہ السلام کا حاملہ ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر۔ حتیٰ کہ مریم علیہ السلام کا درد زہ۔ اس تکلیف میں جو کلمات فرمائے کہ يٰلَيْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۲۳) پھر ان کی ملائکہ کی طرف سے تسلی پانا۔ پھر یہ کہ حضرت مریم علیہ السلام نے اس وقت کیا غذا کھائی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے کلام فرمانا حتیٰ کے سب ہی بیان فرمایا۔ یہ ہی میلاد خواں بھی پڑھتا ہے کہ حضرت آمنہ خاتون نے ولادت پاک کے وقت فلاں فلاں معجزات دیکھے۔ پھر یہ فرمایا اس طرح حوران بہشتی آپ کی امداد کو آئیں۔ پھر کعبہ معظمہ نے آمنہ رضی اللہ عنہا خاتون کے گھر کو سجدہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ وہ ہی قرآنی سنت ہے اسی طرح قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، انکی شیر خوارگی، ان کی پرورش، ان کا چلنا پھرنا مدین

میں جانا، حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں جانا، وہاں رہنا اور ان کی بکریاں چرانا، ان کا نکاح، ان کی نبوت ملنا، سب کچھ بیان فرمایا۔

یہ ہی باتیں میلاد پاک میں ہوتی ہیں۔

مدارج النبوۃ وغیرہ نے فرمایا کہ سارے پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی خبریں دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان تو قرآن نے بھی نقل فرمایا۔

وَمُبَشِّرًا م بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ط۔ (پارہ ۲۸ سورہ ۶۱ آیت ۶)

"میں ایسے رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام پاک احمد ہے۔"

سبحان اللہ بچوں کے نام پیدائش کے ساتویں روز ماں باپ رکھتے ہیں۔ مگر ولادت پاک سے ۵۷۰ سال پہلے مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کا نام احمد ہے۔ ہوگا نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ان کا نام پاک رب تعالیٰ نے رکھا۔ کب رکھا؟ یہ تو رکھنے والا جانے۔

یہ بھی میلاد شریف ہے صرف اتنا فرق ہوا کہ ان حضرات نے اپنی قوم کے مجمعوں میں فرمایا کہ وہ تشریف لائیں گے۔ ہم اپنے مجمعوں میں کہتے ہیں کہ وہ تشریف لے آئے۔ فرق ماضی و مستقبل کا ہے بات ایک ہی ہے۔ ثابت ہوا کہ میلاد سنت انبیاء بھی ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ط (پارہ ۱۱ سورۃ ۱۰ آیت ۵۸) یعنی اللہ کے فضل و رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ معلوم ہوا کہ فضل الٰہی پر خوشیاں منانا حکم الٰہی ہے۔ اور حضور علیہ السلام رب کا فضل بھی ہیں اور رحمت بھی لہٰذا ان کی ولادت پر خوشی منانا اسی آیت پر عمل ہے اور چونکہ یہاں خوشی مطلق ہے۔

ہر جائز خوشی اس میں داخل۔ لہٰذا محفل میلاد کرنا وہاں کی زیب و زینت سج دھج وغیرہ سب باعث ثواب ہیں۔

(۴) مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں ذکر ولادت میں ہے کہ شب ولادت میں ملائکہ نے آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ ہاں ازلی راندہ ہوا شیطان رنج و غم میں بھاگا بھاگا پھرا۔ بھاگا بھاگا پھرنا شیطان کا فعل ہے۔ اب لوگوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو میلاد پاک کے ذکر کے وقت ملائکہ کے کام پر عمل کریں یا شیطان کے۔

(۵) خود حضور علیہ السلام نے مجمع صحابہ رضی اللہ عنہ کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی ولادت پاک اور اپنے اوصاف بیان فرمائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ میلاد پڑھنا سنت رسول اللہ علیہ السلام بھی ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاید حضور علیہ السلام تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب پاک پر طعن کرتے ہیں فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا پس منبر پر قیام فرما کر پوچھا بتاؤ میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں فرمایا میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہم کو بہتر مخلوق میں سے کیا۔ پھر ان کے دو حصے کیے عرب و عجم ہم کو ان میں سے بہتر یعنی عرب میں پیدا کیا۔ پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے۔ ہم کو ان کے بہتر یعنی قریش میں کیا۔ پھر قریش کے چند خاندان بنائے ہم کو ان میں سے سب سے بہتر خاندان یعنی بنی ہاشم سے کیا۔ اسی مشکوٰۃ اسی فصل میں ہے کہ ہم خاتم النبیین ہیں اور ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا دیدار ہیں جو انہوں نے ہماری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے

ایک نور چمکا جس سے شام کی عمارتیں ان کو نظر آئیں اس مجمع میں حضور علیہ السلام نے اپنا نسب نامہ اپنی نعت شریف' اپنی ولادت پاک کا واقعہ بیان فرمایا۔ یہ ہی میلاد شریف میں ہوتا ہے ایسی ہی صدہا احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔

(۶) صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ایک دوسرے کے پاس جا کر فرمائش کرتے تھے ہمیں حضور علیہ السلام کی نعت شریف سناؤ معلوم ہوا کہ میلاد سنت صحابہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول میں ہے کہ حضرت عطا ابن یسار فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ ابن عمر ابن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور علیہ السلام کی وہ نعت سناؤ جو کہ توریت شریف میں ہے۔ انہوں نے پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کی نعت پاک توریت میں یوں پاتے ہیں محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میرے پسندیدہ بندے ہیں نہ کج خلق' نہ سخت طبیعت' ان کی ولادت مکہ مکرمہ میں اور ان کی ہجرت طیبہ میں۔ ان کا ملک شام میں سفر ہوگا۔ ان کی امت خدا کی بہت حمد کرے گی کہ رنج وخوشی ہر حال میں خدا کی حمد کرے گی (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

(۷) یہ تو مقبول بندوں کا ذکر تھا۔ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی۔ تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہی کرلیا۔ چنانچہ بخاری جلد دوم کتاب النکاح باب وَ اُمَّھَاتِکُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَکُمْ وَ مَا یُحَرَّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ میں ہے۔

فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ لَھَبٍ اُرِیَهٗ بَعْضُ اَھْلِهٖ بِشَرِّ ھِیْبَةٍ قَالَ لَهٗ مَا ذَا بَقِیْتَ قَالَ اَبُوْ لَھَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَ کُمْ خَیْرًا اِنِّیْ سُقِیْتُ فِیْ ھٰذِهٖ بِعِتَاقَتِیْ ثُوْبِیَةَ

''جب ابولہب مرگیا تو اسکو اس کے بعض گھر والوں نے خواب میں برے حال میں دیکھا پوچھا کہ کیا گزری ابولہب بولا کہ تجھ سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوئی۔ ہاں مجھے اس کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ کیونکہ میں نے ثوبیہ لونڈی کو آزاد کیا تھا۔''

بات یہ تھی کہ ابولہب حضرت عبداللہ کا بھائی تھا۔ اسکی لونڈی ثوبیہ نے آکر اس کو خبر دی کہ آج تیرے بھائی عبداللہ کے گھر فرزند (محمد رسول اللہ) پیدا ہوئے۔ اس نے خوشی میں اس لونڈی کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جا تو آزاد ہے۔ یہ سخت کافر تھا۔ جس کی برائی قرآن میں آرہی ہے۔ مگر اس خوشی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا کہ جب دوزخ میں وہ پیاسا ہوتا ہے تو اپنی اس انگلی کو چوستا ہے۔ پیاس بجھ جاتی ہے حالانکہ وہ کافر تھا۔ ہم مومن۔ وہ دشمن تھا ہم ان کے بندے بے دام۔ اس نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی۔ نہ کہ رسول اللہ کی۔ ہم رسول اللہ کی ولادت کی خوشی کرتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو وہ کریم ہیں ہم ان کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے۔

دوستاں راکجا کنی محروم   تو کہ بادشمناں نظر داری

مدارج النبوۃ جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

''دریں جا سند است مراہل موالید را کہ در شب میلاد آں سرور سرور کنند و بذل نمایند یعنی ابولہب کہ کافر بود چوں بسرور میلاد آں حضرت و بذل شیر جاریہ دے بجہت آں حضرت جزا دادہ شد تا حال مسلماں کہ مملواست بمحبت وسرور و بذل مال در دے چہ باشد لیکن باید کہ از بدعت ہا کہ عوام احداث کردہ انداز تغنی وآلات محرمہ ومنکرات خالی باشد''

> ''اس واقعہ میں مولود والوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا جب حضور کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کو دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا ہوگا جو محبت خوشی سے بھرا ہوا ہے اور مال خرچ کرتا ہے لیکن چاہیئے کہ محفل میلاد شریف عوام کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں وغیرہ سے خالی ہو۔''

(۸) ہر زمانہ اور ہر جگہ میں علماء واولیاء مشائخ اور عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے۔ جس ملک میں بھی جاؤ۔ مسلمانوں میں یہ عمل پاؤ گے۔ اولیاء اللہ اور علماء امت نے اس کے بڑے بڑے فائدے اور برکات بیان فرمائی ہیں۔ ہم حدیث نقل کر چکے ہیں کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے قرآن فرماتا ہے۔ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۴۳) تاکہ اے مسلمانو تم گواہ ہو۔ حدیث پاک میں بھی ہے اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ لہذا محفل میلاد پاک مستحب ہے۔

آخر مجمع البحار صفحہ ۵۵۰ میں ہے کہ شیخ محمد طاہر محدث ربیع الاول کے متعلق فرماتے ہیں۔ فَاِنَّهٗ شَهْرٌ اُمِرْنَا بِاِظْهَارِ الْحُبُوْرِ فِيْهِ كُلَّ عَامٍ معلوم ہوا کہ ربیع الاول میں ہر سال خوشی منانے کا حکم ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔

وَمِنْ تَعْظِيْمِهٖ عَمَلُ الْمَوْلِدِ اِذَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ مُنْكَرٌ قَالَ الْاِمَامُ السُّيُوْطِيُّ يُسْتَحَبُّ لَنَا اِظْهَارُ الشُّكْرِ لِمَوْلِدِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

> ''میلاد شریف کرنا حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جبکہ وہ بری باتوں سے خالی ہو امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔''

پھر فرماتے ہیں:

فَقَدْ قَالَ ابْنُ الْحَجَرِ الْهَيْتَمِيُّ اَنَّ الْبِدْعَةَ الْحَسَنَةَ مُتَّفَقٌ عَلٰى نُدُبِهَا وَ عَمَلُ الْمَوْلِدِ وَ اِجْتِمَاعُ النَّاسِ لَهٗ كَذٰلِكَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ قَالَ السَّخَاوِيُّ لَمْ يَفْعَلْهُ اَحَدٌ مِّنَ الْقُرُوْنِ الثَّلٰثَةِ وَ اِنَّمَا حَدَثَ بَعْدُ ثُمَّ لَا زَالَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْاَقْطَارِ وَ الْمُدُنِ الْكِبَارِ يَعْمَلُوْنَ الْمَوْلِدَ وَ يَتَصَدَّقُوْنَ بِاَنْوَاعِ الصَّدَقٰتِ وَيَعْتَنُوْنَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيْمِ وَ يَظْهَرُ مِنْ مبرَكَاتِهٖ عَلَيْهِمْ كُلُّ فَضْلٍ عَظِيْمٍ قَالَ ابْنُ الْجَوْزِيُّ مِنْ خَوَاصِّهٖ اَنَّهٗ اَمَانٌ فِيْ ذٰلِكَ الْعَامِ وَ بُشْرٰى عَاجِلَةٌ بِنَيْلِ الْبُغْيَةِ وَالْمَرَامِ وَ اَوَّلُ مِنْ اَحْدَثَهٗ مِنَ الْمُلُوْكِ صَاحِبَ اَرْبَلَ وَصَنَّفَ لَهٗ ابْنُ دِحْيَةَ كِتَابًا فِي الْمَوْلِدِفَا جَازَهٗ بِاَلْفِ دِيْنَارٍ وَقَدْ اِسْتَخْرَجَ لَهُ الْحٰفِظُ ابْنُ حَجَرٍ اَصْلًا مِنَ السُّنَّةِ وَ كَذَا الْحَافِظُ السُّيُوْطِيُّ وَرَدَّ عَلٰى اِنْكَارِهَا فِيْ قَوْلِهٖ اِنَّ عَمَلَ الْمَوْلِدِ بِدْعَةٌ مَّذْمُوْمَةٌ۔

''ابن حجر ہیتمی نے فرمایا کہ بدعت حسنہ کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلاد شریف کرنا اور اس میں لوگوں کا جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت حسنہ ہے امام سخاوی نے فرمایا کہ میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا بعد ایجاد ہوا پھر ہر طرف کے اور ہر شہر کے مسلمان ہمیشہ مولود شریف کرتے رہے اور کرتے ہیں اور طرح طرح کے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور حضور عَلَیْہِ السَّلَام کے میلاد پڑھنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ اس مجلس پاک کی برکتوں سے ان پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن رہتا ہے اور اس میں مرادیں پوری ہونیکی خوشخبری ہے جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اربل ہے اور ابن دحیہ نے اسکے لیے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اسکو ہزار اشرفیاں نذر کیں اور حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے اس کی اصل سنت ثابت کی ہے اور انکار کیا ہے۔ جو اس کو بدعت سیئہ کہہ کر منع کرتے ہیں۔''

ملا علی قاری مورد الروی میں دیباچہ کے متصل فرماتے ہیں لَا زَالَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ يَحْتَفِلُوْنَ فِیْ كُلِّ سَنَّةٍ جَدِيْدٍ وَ يَعْتَنُوْنَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيْمِ وَ يَظْهَرُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَرَكَاتِهِ كُلُّ فَضْلٍ عَظِيْمٍ اور اسی کتاب کے دیباچہ میں یہ اشعار فرماتے ہیں۔

لِهٰذَا الشَّهْرِ فِیْ الْاِسْلَامِ فَضْلٌ وَ مَنْقَبَةٌ تَفُوْقُ عَلَى الشُّهُوْر
رَبِيْعٌ فِیْ رَبِيْعٍ وَ نُوْرٌ فَوْقَ نُوْرٍ فَوْقَ نُوْر

(انوار ساطعہ)

ان عبارات سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ مشرق و مغرب کے مسلمان اس کو اچھا جان کر کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بڑے بڑے علماء فقہاء محدثین و مفسرین و صوفیاء نے اس کو اچھا جانا ہے۔ جیسے امام سیوطی، علامہ ابن حجر ہیتمی، امام سخاوی، ابن جوزی، حافظ ابن حجر وغیرہم۔ تیسرے یہ کہ میلاد پاک کی برکت سے سال بھر تک گھر میں امن۔ مراد پوری ہونا۔ مقاصد بر آنا حاصل ہوتا ہے۔

(۹) عقل کا بھی تقاضا ہے کہ میلاد شریف بہت مفید محفل ہے۔ اس میں چند فائدے ہیں۔ مسلمانوں کے دل میں حضور عَلَیْہِ السَّلَام کے فضائل سن کر حضور عَلَیْہِ السَّلَام کی محبت بڑھتی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور عَلَیْہِ السَّلَام کی محبت بڑھانے کے لیے زیادتی درود شریف اور حضور عَلَیْہِ السَّلَام کے احوال زندگی کا مطالعہ ضروری ہے۔ پڑھے لکھے لوگ تو کتابوں میں حالات دیکھ سکتے ہیں مگر ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ ان کو اس طرح سننے کا موقع مل جاتا ہے۔ یہ مجلس پاک غیر مسلموں میں تبلیغ کا احکام کا ذریعہ ہے۔ کہ وہ بھی اس میں شریک ہوں۔ حضور عَلَیْہِ السَّلَام کے حالات طیبہ سنیں۔ اسلام کی خوبیاں دیکھیں۔ خدا توفیق دے تو اسلام لے آویں۔ تیسرے یہ کہ اس مجلس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو مسائل دینیہ بتانے کا موقع ملتا ہے۔ بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح بلاؤ تو جمع نہیں ہوتے۔ ہاں محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتے ہیں۔ خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا ہے۔ اب اسی مجلس میں مسائل دینیہ بتاؤ ان کو ہدایت کرو اچھا موقع ملتا ہے۔

چوتھے یہ کہ میلاد شریف میں ایسی نظمیں بنا کر پڑھی جاویں جن میں مسائل دینیہ ہوں اور مسلمانوں کو ہدایت کی جاوے۔ کیونکہ بمقابلہ نثر کے نظم دل میں زیادہ اثر کرتی ہے اور جلد یاد ہوتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس مجلس میں سنتے سنتے مسلمانوں کو حضور عَلَیْہِ السَّلَام کا نسب شریف اولاد

پاک' ازواج مطہرات اور ولادت پاک و پرورش کے حالات یاد ہو جائیں گے۔ آج مرزائی۔ رافضی وغیرہم کو اپنے مذاہب کی پوری پوری معلومات ہوتی ہیں۔ رافضی کے بچوں کو بھی بارہ اماموں کے نام اور خلفائے راشدین کے اسماء تبرا کرنے کو یاد ہوں گے مگر اہل سنت کے بچے تو کیا بوڑھے بھی اس سے غافل ہیں۔ میں نے بہت سے بوڑھوں کو پوچھا کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کتنی ہے؟ داماد کتنے ہیں؟ بے خبر پایا۔ اگر ان مجلسوں میں ان کا چرچا رہے تو بہت مفید ہو۔ بنی ہوئی چیز کو نہ بگاڑو۔ بلکہ بگڑی ہوئی چیز کو بنانے کی کوشش کرو۔

(۱۰) مخالفین کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں محفل میلاد شریف کو جائز اور باعث برکت فرمایا۔ چنانچہ وہ اس کے صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں کہ ''کہ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں۔'' عجیب بات ہے کہ پیر صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال کریں اور مریدین مخلصین کا عقیدہ ہو (کہ شرک وکفر کی محفل ہے محفل میلاد) نہ معلوم کہ اب پیر صاحب پر کیا فتویٰ لگے گا؟

(۱۱) ہم عرس کی بحث پر عرض کریں گے کہ فقہاء کے نزدیک بغیر دلیل کراہت تنزیہی کا بھی ثبوت نہیں ہوسکتا۔ حرمت تو بہت بڑی چیز ہے اور استحباب کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان کو اچھا جانیں' تو جو کام شریعت میں منع نہیں اور مسلمان اس کو نیت خیر سے کرے یا کہ عام مسلمان اس کو اچھا جانتے ہوں وہ مستحب ہے اس کا ثبوت بدعت کی بحث میں بھی ہو چکا۔ تو محفل میلاد شریف کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ شرعاً یہ منع نہیں اور مسلمان اسکو کار ثواب سمجھتے ہیں۔ نیت خیر کرتے ہیں لہٰذا یہ مستحب ہے مگر حرام کہنے والے پر اسکی حرمت پر کونسی قطعی الثبوت قطعی الدلالت حدیث یا آیت لائیں گے صرف بدعت کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔

باب نمبر 2

میلاد شریف پر اعتراضات و جوابات میں

مخالفین کے اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

اعتراض نمبر 1

محفل میلاد بدعت ہے کہ نہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ وتابعین کے زمانہ میں۔ اور بدعت حرام ہے۔ لہٰذا مولود حرام

جواب

میلاد شریف کو بدعت کہنا نادانی ہے۔ ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ اصل میلاد سنت الٰہیہ، سنت انبیاء' سنت ملائکہ' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سنت سلف صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے۔ پھر بدعت کیسی؟ اور اگر بدعت ہو بھی۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ ہم بدعت کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے۔ اور مستحب بھی جائز بھی ہوتی ہے اور مکروہ حرام بھی۔ نیز پہلے باب میں تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بتا چکے کہ یہ محفل بدعت حسنہ مستحبہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا ذکر کیونکر حرام ہوسکتا ہے۔

اعتراض نمبر 2

اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مردوں کا خلط ملط' داڑھی منڈوں کا نعت خوانی کرنا۔ غلط روایات پڑھنا گویا یہ مجلس

حرام باتوں کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا حرام ہے۔

جواب

اولاً یہ حرام چیزیں ہر مجلس میلاد میں ہوتی نہیں۔ بلکہ اکثر نہیں ہوتیں۔ عورتیں مردوں سے علیحدہ بیٹھتی ہیں اور مرد علیحدہ بیٹھتے ہیں۔ پڑھنے والے پابند شریعت ہوتے ہیں۔ روایات بھی صحیح بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے والے سننے والے باوضو بیٹھتے ہیں۔ درود شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ اور رقت طاری ہوتی ہے بسا اوقات آنسو جاری ہوتے ہیں اور محبوب علیہ السلام کا ذکر پاک ہوتا ہے۔

لذت بادۂ عشقش زمن مست مپرس　　ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی
ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

اور اگر کسی جگہ یہ باتیں ہوتی بھی ہوں۔ تو یہ باتیں حرام ہوں گی اصل میلاد شریف یعنی ذکر ولادت مصطفیٰ علیہ السلام کیوں حرام ہو گا۔ بحث عرس میں ہم ذکر کریں گے کہ حرام چیز کے شامل ہو جانے سے کوئی سنت یا جائز کام حرام نہیں ہو جاتا۔ ورنہ سب سے پہلے دینی مدرسے حرام ہونے چاہئیں۔ کیونکہ وہاں مرد بے داڑھی والے بچے جوانوں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ان کا آپس میں اختلاط بھی ہوتا ہے کبھی کبھی اس کے برے نتیجے بھی برآمد ہوتے ہیں اور ترمذی و بخاری ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث وتفسیر پڑھتے ہیں۔ ان میں تمام روایات صحیح نہیں ہوتیں۔ بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی ہوتی ہیں۔ بعض طلباء بلکہ بعض مدرسین داڑھی منڈے بھی ہوتے ہیں۔ تو کیا ان کی وجہ سے مدرسے بند کئے جائیں گے؟ نہیں بلکہ ان محرمات کو روکنے کی کوشش کی جاوے گی۔ بتاؤ اگر داڑھی منڈا قرآن پڑھے تو کیسا؟ قرآن پڑھنا بند کرو گے؟ ہرگز نہیں۔ تو اگر داڑھی منڈا میلاد شریف پڑھے تو کیوں بند کرتے ہو؟

اعتراض نمبر 3

محفل میلاد کی وجہ سے رات کو دیر میں سونا ہوتا ہے۔ جسکی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوتی ہے۔ اور جس سے فرض چھوٹے وہ حرام لہٰذا میلاد حرام

جواب

اولاً تو میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا۔ بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے۔ جہاں رات کو ہو وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا دس گیارہ بجے تک ہوتا ہے اتنی دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہی ہیں۔ اگر دیر لگ بھی جاوے تو نماز جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں۔ جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے لہٰذا یہ اعتراض محض ذکر رسول علیہ السلام کو روکنے کا بہانہ ہے اور اگر کبھی میلاد شریف دیر میں ختم ہوا اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہو گیا؟ دینی مدارس کے سالانہ جلسے دیگر مذہبی اور قومی جلسے رات کو دیر تک ہوتے ہیں اور بعض جگہ نکاح کی مجلس آخر رات میں ہوتی ہے۔ رات کی ریل سے سفر کرنا ہوتا ہے تو بہت دیر تک جاگنا ہوتا ہے۔ کہو کہ یہ جلسے' یہ نکاح' یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو محفل میلاد پاک کیوں حرام ہو گی؟ ورنہ وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر 4

علامہ شامی نے جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں کہا کہ میلاد شریف سب سے بدتر چیز ہے۔ اسی طرح تفسیر احمدیہ شریف میں

میلاد شریف کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والے کو کافر کہا جس سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد سخت بری چیز ہے۔

جواب

شامی نے مجلس میلاد شریف کو حرام نہ کہا بلکہ جس محفل میں گانے باجے اور لغویات ہوں اور اس کو لوگ میلاد کہیں کار ثواب سمجھیں اس کو منع فرمایا۔ چنانچہ وہ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَ اَقْبَحُ مِنْهُ النَّذْرُ بِقِرَاءَةِ الْمَوْلِدِ فِی الْمَنَایِرِ مَعَ اِشْتِمَالِهٖ عَلَی الْغِنَاءِ وَاللَّعْبِ وَ اِیْهَابِ ثَوَابِ ذٰلِكَ اِلٰی حَضْرَتِ الْمُصْطَفٰی۔

”اس سے بھی بری میناروں میں مولود پڑھنے کی نذر ماننا ہے۔ باوجودیکہ اس مولود میں گانے اور کھیل کود ہوتے ہیں اس کا ثواب حضور علیہ السلام کو ہدیہ کرنا۔“

اسی طرح تفسیرات احمدیہ نے گانے کی مجالس کو منع کیا کہ جس میں کھیل تماشے بلکہ شراب نوشی بھی ہو۔ اور لوگ اس کو سماع کہہ کر کار ثواب جانیں۔ تفسیرات احمدیہ نے ان لغویات کی تصریح بھی کردی ہے دیکھو تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان زیر آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۱ آیت ۶) ہم نے بھی پہلے عرض کیا کہ محفل میلاد میں لغویات نہ ہوں گے۔ میں نے خود کراچی میں دیکھا ہے کہ بعض جگہ باجے پر نعت پڑھتے ہیں اور اس کو میلاد شریف کہتے ہیں۔ ایک بار سہسوان ضلع بدایوں کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص نے اپنے باپ کی فاتحہ کرائی۔ بجائے قرآن کی تلاوت کے گراموفون ریکارڈ میں سورہ یاسین بجا کر اس کا ثواب باپ کی روح کو بخشا۔ ایسی بیہودہ اور حرام باتوں کو کون جائز کہتا ہے؟ اسی طرح ان حضرات کے زمانہ میں بھی ایسی لغو اور بیہودہ مجلسیں ہوتی ہوں گی۔ اس کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ اگر یہ مطلقاً میلاد شریف کو جائز ماننا کفر ہے تو حاجی امداد اللہ صاحب پیرومرشد بھی اسی میں شامل ہوئے جاتے ہیں۔

اعتراض نمبر 5

نعت خوانی حرام ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں برائی آئی ہے اسی طرح تقسیم شیرینی کہ یہ اسراف ہے۔

جواب

نعت کہنا اور نعت پڑھنا بہترین عبادت ہے سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں۔ گذشتہ انبیائے کرام نے حضور علیہ السلام کی نعت خوانی کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور سارے مسلمان نعت شریف کو مستحب جانتے رہے اور خود حضور علیہ السلام نے اپنی نعت پاک سنی اور نعت خوانوں کو دعائیں دیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نعتیہ اشعار اور کفار کی مذمت منظوم کر کے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لاتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام ان کے لیے مسجد میں منبر بچھوا دیتے تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس پر کھڑے ہو کر نعت شریف سنایا کرتے تھے اور حضورر علیہ السلام دعائیں دیتے تھے۔ کہ اَللّٰهُمَّ اَیِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اے اللہ حسان کی روح القدس سے امداد کر (دیکھو مشکوٰۃ شریف جلد دوم باب الشعر) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعت گوئی اور نعت خوانی ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مجلس مصطفیٰ علیہ السلام میں منبر دیا گیا۔ ابو طالب نے نعت لکھی۔ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ صاحب قصیدہ

بردہ کو فالج ہو گیا تھا۔ کوئی علاج مفید نہ ہوتا تھا۔ آخر کار قصیدہ بردہ شریف لکھا۔ رات کو خواب میں حضور کو کھڑے ہو کر سنایا۔ شفا بھی پائی اور انعام بھی چادر مبارک بھی ملی۔ نعت شریف سے دین و دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں۔ مولانا جامی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ غرض کہ سارے اولیاء و علماء نے نعتیں لکھیں اور پڑھی ہیں ان حضرات کے قصائد نعتیہ مشہور ہیں حدیث و فقہ میں گانے بجانے کی برائیاں ہیں نہ کہ نعت کی۔ جن گیتوں میں مخرب اخلاقی مضامین ہوں۔ عورتوں یا شراب کی تعریفیں ہوں واقعی وہ گانے ناجائز ہیں۔ اس کی پوری تحقیق کے لیے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب مَا يُقَالُ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ (كِتَابُ الصَّلٰوةِ) اور باب الشعر میں دیکھو۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ فصیح و بلیغ اشعار کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اگرچہ ان کے مضامین خراب ہوں۔ مگر ان کے الفاظ سے علوم میں مدد ملتی ہے۔ دیوان متنبّی وغیرہ مدارس اسلامیہ میں داخل ہیں۔ حالانکہ ان کے مضامین گندے ہیں۔ تو نعتیہ اشعار سیکھنا' یاد کرانا' پڑھنا جن کے مضامین بھی اعلیٰ الفاظ بھی پاکیزہ کس طرح ناجائز ہو سکتے ہیں؟ شامی کے مقدمہ میں شعر کی بحث میں ہے۔

وَمَعْرِفَةُ شِعْرِهِمْ رِوَايَةً وَدِرَايَةً عِنْدَ فُقَهَاءِ الْاِسْلَامِ فَرْضُ كِفَايَةٍ لِاَنَّهٗ تَثْبُتُ بِهٖ قَوَاعِدُ الْعَرَبِيَّةِ وَ كَلَامُهُمْ وَاِنَّ فِيْهِ الْخَطَاءَ فِي الْمَعَانِيْ فَلَا يَجُوْزُ فِيْهِ الْخَطَاءُ فِي الْاَلْفَاظِ۔

''شعراء جاہلیت کے شعروں کو جاننا سمجھنا روایت کرنا فقہاء اسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے کیونکہ اس سے عربی قواعد ثابت کئے جاتے ہیں اور ان کے کلام میں اگرچہ معنوی خطا ممکن ہے مگر لفظی غلطی نہیں ہو سکتی۔''

گانے کی پوری تحقیق بحث عرس میں قوالی کے ماتحت آوے گی۔ انشاء اللہ

تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے خوشی کے موقعہ پر کھانا کھلانا مٹھائی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ عقیقہ' ولیمہ وغیرہ میں کھانے کی دعوت سنت ہے کیوں؟ اس لیے کہ یہ خوشی کا موقعہ ہے خاص نکاح کے وقت خرمے تقسیم کرنا اس کو لٹانا سنت ہے۔ اظہار خوشی کے لیے مسلمان کو ذکر محبوب پاک پر خوشی ہوتی ہے۔ دعوت کرتا ہے۔ صدقہ و خیرات کرتا ہے شیرینی تقسیم کرتا ہے۔ اس طرح اساتذہ کرام کا طریقہ ہے کہ دینی کتاب شروع ہونے اور ختم ہونے پر شیرینی تقسیم کراتے ہیں۔ میں نے مینڈو ضلع علی گڑھ میں کچھ عرصہ تعلیم پائی ہے وہاں دیوبندیوں کا مدرسہ تھا مگر کتاب شروع ہونے پر شیرینی تقسیم کی جاتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ دینی اہم کام کرنے سے پہلے اور ختم کر کے تقسیم شیرینی سنت سلف صالحین ہے اور محفل میلاد بھی اہم دینی کام ہے اس سے پہلے اہل قرابت کو میلاد خوانوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا بعد میں حاضرین میں تقسیم شیرینی کرنا اسی میں داخل ہے اس تقسیم کی اصل قرآن و حدیث سے ملتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ۔

(پارہ ۲۸ سورۃ ۵۸ آیت ۱۲)

''اے ایمان والو جب تم رسول سے کچھ آہستہ عرض کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لیے بہتر اور بہت ستھرا ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں مالداروں پر ضروری تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی ضروری مشورہ کریں تو پہلے خیرات کریں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دینار خیرات کر کے حضور علیہ السلام سے دس مسئلہ پوچھے بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا (دیکھو

تفسیر خزائن العرفان و خازن و مدارک) اگرچہ وجوب منسوخ ہو گیا مگر اباحت اصلیہ اور استحباب تو باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء اللہ پر کچھ شیرینی لے کر جانا۔ مرشدین اور صلحاء کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے۔ اسی طرح احادیث و قرآن یا دینی کتب کے شروع کرتے وقت کچھ صدقہ کرنا بہتر ہے میلاد شریف پڑھنے سے پہلے کچھ خیرات کرنا کارِ ثواب ہے کہ ان میں بھی در حقیقت حضور ﷺ ہی سے کلام کرتا ہے۔ تفسیر فتح العزیز صفحہ ۸۶ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک حدیث نقل کی۔ ''بیہقی در شعب الایمان از ابن عمر روایت کردہ کہ عمر ابن الخطاب سورہ بقرا با حقائس آن در مدت دوازدہ سال خواندہ فارغ شد و روزے ختم شترے را کہ کشتہ طعام وافر پختہ یاران حضرت پیغمبر را خورانید۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضرت فاروق نے سورہ بقر بارہ سال کی مدت میں اس رموز اسرار کے ساتھ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے بہت سا کھانا پکا کر صحابہ کرام کو کھلایا۔ اہم کار خیر سے فارغ ہو کر تقسیم شیرینی و طعام ثابت ہوا۔ میلاد پاک بھی اہم کام ہے بزرگان دین تو فرماتے ہیں کہ کسی اہل قرابت کے یہاں جاؤ تو خالی نہ جاؤ کچھ لے کر جاؤ۔ **تَهَادَوْا وَتَحَابُّوْا**۔ ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت بڑھے گی فقہاء فرماتے ہیں۔ کہ جب دیار محبوب یعنی مدینہ پاک میں جاوے تو وہاں کے فقراء کو صدقہ دے کہ وہ اجیران رسول اللہ ﷺ ہیں۔ رب تعالیٰ کے یہاں بھی پہلا سوال یہ ہی ہوگا کہ کیا اعمال لائے؟

حق بفر ماید چہ آوردی مرا! اندران مہلت کہ من دادم ترا

یہ تقسیم اسراف نہیں۔ کسی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ **لَا خَيْرَ فِي السَّرَفِ** اسراف میں بھلائی نہیں۔ فوراً جواب دیا کہ **لَا سَرَفَ فِي الْخَيْرِ** بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

اعتراض نمبر 6

محفل میلاد کے لیے ایک دوسرے کو بلانا حرام ہے دیکھو لوگوں کو بلا کر نفل کی جماعت بھی منع ہے تو کیا میلاد اس سے بڑھ کر ہے؟

(براہین)

جواب

مجلس، وعظ، دعوت ولیمہ، مجالس امتحان و محفل نکاح و عقیقہ وغیرہ میں لوگوں کو بلایا ہی جاتا ہے بولو یہ امور حرام ہو گئے یا حلال رہے؟ اگر کہو کہ نکاح و وعظ وغیرہ فرائض اسلامی ہیں لہٰذا ان کے لیے مجمع کرنا حلال۔ تو جناب تعظیم رسول اللہ علیہ السلام اہم فرائض سے ہے۔ لہٰذا اس کے لیے بھی مجمع کرنا حلال ہے۔ نماز پر دیگر حالات کو قیاس کرنا سخت جہالت ہے اگر کوئی کہے کہ نماز بے وضو منع ہے۔ لہٰذا تلاوت قرآن بھی بے وضو منع ہونی چاہیئے۔ وہ احمق ہے یہ قیاس مع الفارق ہے۔

اعتراض نمبر 7

کسی کی یادگار منانا اور دن تاریخ مقرر کرنا شرک ہے اور میلاد شریف میں یہ دونوں ہیں لہٰذا یہ بھی شرک ہے۔

جواب

خوشی کو یادگار منانا بھی سنت ہے۔ اور دن و تاریخ مقرر کرنا مسنون۔ اس کو شرک کہنا انتہا کی جہالت و بے دینی ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ

علیہ السلام کو حکم دیا وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۴ آیت ۵) یعنی بنی اسرائیل کو وہ دن بھی یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالیٰ نے بن اسرائیل پر نعمتیں اتاریں۔ جیسے غرق فرعون، من وسلویٰ کا نزول وغیرہ (خزائن العرفان) معلوم ہوا کہ جن دنوں رب تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمت دے ان کی یادگار منانے کا حکم ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم باب صوم التطوع فصل اول میں ہے۔

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُّ وَ فِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ وَحِيٌ

''حضور علیہ السلام سے دوشنبہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی دن ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔''

ثابت ہوا کہ دوشنبہ کا روزہ اس لیے سنت ہے کہ یہ دن حضور علیہ السلام کی ولادت کا ہے۔ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ یادگار منانا سنت ہے اس کے لیے دن مقرر کرنا سنت ہے۔ حضور علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں عبادت کرنا سنت ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور نوافل یا مالی جیسے صدقہ اور خیرات تقسیم شیرینی وغیرہ مشکوٰۃ یہ ہی باب فصل ثالث میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزے رکھتے ہیں۔ سبب پوچھا۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے فرعون سے نجات دی تھی۔ ہم اس کے شکریہ میں روزہ رکھتے ہیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا فَنَحْنُ اَحَقُّ وَ اَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ ہم موسیٰ علیہ السلام سے تم سے زیادہ قریب ہیں فَصَامَهٗ وَ اَمَرَ بِصِيَامِهٖ خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا۔ چنانچہ اول اسلام میں یہ روزہ فرض تھا اب فرضیت تو منسوخ ہو چکی مگر استحباب باقی ہے۔ اسی مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے کہ عاشورہ کے روزے کے متعلق کسی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس میں یہود سے مشابہت ہے تو فرمایا کہ اچھا سال آئندہ اگر زندگی رہی تو ہم دو روزے رکھیں گے یعنی چھوڑا نہیں بلکہ زیادتی فرما کر مشابہت اہل کتاب سے بچ گئے۔ ہم نے شان حبیب الرحمٰن حوالہ کتب سے بیان کیا کہ پنجگانہ نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں۔ فجر میں دو مغرب میں تین عصر میں چار، وہاں جواب دیا کہ یہ نمازیں گذشتہ انبیاء کی یادگار ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں آ کر رات دیکھی تو پریشان ہوئے صبح کے وقت دو رکعت شکریہ ادا کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل کا فدیہ دنبہ پایا۔ لخت جگر کی جان بچی قربانی منظور ہوئی۔ چار رکعت شکریہ ادا کیں یہ ظہر ہوئی وغیرہ وغیرہ معلوم ہوا کہ نماز کی رکعت بھی دیگر انبیاء کی یادگار ہیں اب نہ تو وہاں پانی کی تلاش ہے اور نہ شیطان کا قربانی سے روکنا۔ مگر صفا و مروہ کے درمیان، چلنا، بھاگنا، منیٰ میں شیطان کو کنکر مارنا بدستور ویسے ہی موجود ہے۔ محض یادگار کے لیے۔ اس کی نفیس بحث کا مطالعہ کرو شان حبیب الرحمٰن میں۔

ماہ رمضان خصوصاً شب قدر اس لیے افضل ہوئے کہ ان میں قرآن کریم کا نزول ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۸۵) اور قرآن فرماتا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (پارہ ۳۰ سورۃ ۹۷ آیت ۱) جب قرآن کے نزول کی وجہ سے یہ مہینہ رات تا قیامت اعلیٰ ہو گئے تو صاحب قرآن ﷺ کی ولادت پاک سے تا قیامت ربیع الاول اور اسکی بارہویں تاریخ اعلیٰ و افضل کیوں نہ ہو۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے دن کو روز عید قرار دے دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ جس دن، تاریخ میں کسی اللہ والے پر اللہ کی رحمت آئی ہو وہ دن وہ تاریخ تا قیامت رحمت کا دن بن جاتا ہے دیکھو جمعہ کا دن اس لئے افضل ہے کہ اس دن میں گذشتہ

انبیا علیہم السلام پر ربانی انعام ہوئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش' انہیں سجدہ کرنا۔ ان کا دنیا میں آنا' نوح علیہ السلام کی کشتی پار لگانا یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا' یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند سے ملنا، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ پھر آئندہ قیامت کا آنا یہ سب جمعہ کے دن ہیں لہٰذا جمعہ سید الایام ہوگیا۔

اسی طرح برعکس کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں میں قوموں پر عذاب آیا ان سے ڈرو۔ منگل کے دن فصد نہ لو کہ یہ خون کا دن ہے۔ اسی دن ہابیل قتل ہوا اسی دن حضرت حوا کو حیض شروع ہوا۔ دیکھو ان دنوں میں یہ واقعات کبھی ایک بار ہو چکے ہیں مگر ان واقعات کی وجہ سے دن میں عظمت یا حقارت ہمیشہ کے لیے ہوگئی۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خوشی یا عبادت کی یادگاریں منانا عبادت ہے آج بھی یادگار اسمٰعیل شہید' یادگار مولانا قاسم خود مخالفین مناتے ہیں۔ اگر کسی چیز کا مقرر کرنا شرک ہو جاوے تو مدرسہ دیوبند کی تاریخ امتحان مقرر تعطیل کے لیے ماہ رمضان مقرر' دستار بندی کے لیے دورہ حدیث مقرر' مدرسین کی تنخواہ مقرر' کھانے اور سونے کے لیے وقت مقرر' جماعت کے لیے گھنٹہ اور دن مقرر' نکاح ولیمہ اور عقیقہ کے لیے تاریخیں مقرر۔ میلاد شریف کو شرک کرنے کے شوق میں اپنے گھر کو تو آگ نہ لگاؤ۔ یہ تاریخیں محض عادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس تاریخ کے علاوہ اور تاریخ میں محفل میلاد جائز ہی نہیں۔ اسی لیے ہمارے یوپی میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلاد شریف کرتے ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں خاص شادی کے دن' میت کے تیجہ' دسویں' چالیسویں کے دن میلاد شریف کرتے ہیں۔ پھر ماہ ربیع الاول میں ہر جگہ پورے ماہ میلاد شریف ہوتے رہتے ہیں۔ سوائے دیوبند کے ہر جگہ دستور ہے بلکہ سنا گیا ہے کہ وہاں عام باشندے میلاد شریف برابر کرتے ہیں۔ پھر ماہ ربیع الاول میں ہر جگہ پورے مہینے میلاد شریف ہوتے رہتے ہیں۔

خیال رہے کہ دن یا جگہ مقرر کرنا چند وجہ سے منع ہے۔ ایک یہ کہ وہ دن یا جگہ کسی بت سے نسبت رکھتی ہو۔ جیسے ہولی' دیوالی کے دن اسکی تعظیم کے لیے دیگ پکائے۔ یا مندر میں جا کر صدقہ کرے۔ اسی لیے مشکوٰۃ بَابَ النَّذَرِ میں ہے کہ کسی نے بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی منت مانی تو فرمایا۔ کیا وہاں کوئی بت یا کفار کا میلہ تھا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا جا اپنی نذر پوری کر۔ یا اس تعین میں کفار سے مشابہت ہو یا اس تعین کو واجب جانے۔ اسی لیے مشکوٰۃ باب صوم النفل میں ہے کہ صرف جمعہ کے روزے سے منع فرمایا کیونکہ اس میں یہود سے مشابہت ہے یا اسے واجب جاننا منع ہے یا جمعہ عید کا دن ہے اسے روزے کا دن نہ بناؤ۔

ان اعتراضات سے معلوم ہوا کہ مانعین کے پاس کوئی دلیل حرمت موجود نہیں۔ یونہی ایک چڑ پیدا ہوگئی ہے اس لیے محض قیاسات باطلہ سے حرام کہتے ہیں مگر یاد رہے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائینگے اعداد تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا!

بحث قیام میلاد کے بیان میں

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں مقدمہ میں قیام کے متعلق ضروری باتیں ہیں۔

مقدمہ

نماز میں دو طرح کی عبادتیں ہیں قولی اور فعلی۔ قولی تو قرآن کریم کی تلاوت، رکوع وسجود کی تسبیح، التحیات وغیرہ کا پڑھنا۔ اور فعلی عبادت چا ہیں۔ قیام رکوع، سجدہ بیٹھنا، قیام کے معنی ہیں اس طرح سیدھا ہونا کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں۔ رکوع کے معنی ہیں اس قدر جھکنا ک گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جاویں۔ اسی لیے زیادہ کبڑے کے پیچھے تندرست کی نماز جائز نہیں۔ کیونکہ وہ قیام نہیں کرسکتا۔ ہر وقت رکوع میں ہی رہتا ہے۔ سجدہ کے معنی ہیں سات اعضا کا زمین پر لگنا۔ دونوں پاؤں کے پنجے دونوں گھٹنے، دونوں ہتھیلیاں، ناک و پیشانی۔ اسلام سے پہلے دیگر انبیائے کرام کی امتوں میں سے کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا اور بیٹھنا ہر کام جائز تھا مگر عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ تحیۃ وتعظیم کے لئے خدائے پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ تعظیمی کرایا۔ اور یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزندوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا (قرآن کریم) مگر اسلام نے تعظیمی قیام اور تعظیماً بیٹھنے کو تو جائز رکھا۔ مگر تعظیمی رکوع اور تعظیمی سجدہ حرام کر دیا۔ معلوم ہوا کہ قرآن حدیث سے منسوخ ہوتا ہے کیونکہ غیر اللہ کے لیے سجدہ تعظیمی کا ثبوت تو قرآن سے ہے۔ اور اس کا نسخ حدیث پاک سے ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ کسی کے سامنے جھکنا یا زمین پر سر رکھنا جب حرام ہوگا جبکہ رکوع وسجدہ کی نیت سے یہ کام کرے لیکن اگر کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنے یا ہاتھ پاؤں چومنے کے لیے جھکا تو اگرچہ جھکنا تو پایا گیا مگر چونکہ اس میں رکوع کی نیت نہیں ہے لہٰذا یہ رکوع نہیں ہاں حد رکوع جھک کر سلام کرنا حرام ہے یعنی تعظیماً تا حد رکوع جھکنا حرام اور جھکنا کسی اور کام کے لیے تھا۔ اور کام تعظیم کے لیے تو جائز جیسے کہ کسی کے جوتے سیدھے کرنا وغیرہ۔ یہ فرق ضرور خیال رہے بہت ہی باریک ہے شامی جلد پنجم کتاب الکراھیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے

اَلْاِیْمَاءُ فِی الْاِسْلَامِ اِلٰی قَرِیْبِ الرُّکُوْعِ کَالسُّجُوْدِ وَفِی الْمُحِیْطِ اَنَّہٗ یُکْرَہُ الْاِنْحِنَاءُ لِلسُّلْطٰنِ وَغَیْرِہٖ

"لاسلام میں رکوع کے قریب جھک کر اشارہ کرنا سجدہ کی طرح ہے (حرام ہے) محیط میں ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے۔"

باب نمبر 1

قیام میلاد کے ثبوت میں

قیام یعنی کھڑا ہونا چھ طرح کا ہے قیام جائز، قیام فرض، قیام سنت، قیام مستحب، قیام مکروہ، قیام حرام، ہم ہر ایک کے پہچاننے کا قاعدہ عرض کیے دیتے ہیں جس سے قیام میلاد کا حال خود بخود معلوم ہو جاوے گا کہ یہ قیام کیسا ہے۔

(۱) دنیاوی ضروریات کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کھڑے ہو کر عمارت بنانا اور دیگر دنیاوی کاروبار کرنا وغیرہ۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ (پارہ ۲۸ سورہ ۶۲ آیت ۱۰)

’’جب نماز جمعہ ہو جاوے تو تم زمین پر پھیل جاؤ۔ پھیلنا بغیر کھڑے ہوئے ناممکن ہے۔‘‘

(۲) پنج وقتہ نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۲۳۸) اللہ کے سامنے اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی

(۳) نوافل میں کھڑا ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔ یعنی کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴) چند موقعوں پر کھڑا ہونا سنت ہے۔ اولاً تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسی لئے آب زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر اللہ حاضری نصیب فرماوے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے۔ عالمگیری جلد اول آخر کتاب الحج آداب زیارت قبر النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَيَقِفُ كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلٰوةِ وَيُمَثِّلُ صُوْرَةَ الْكَرِيْمَةِ كَاَنَّهٗ نَائِمٌ فِيْ لَحْدِهٖ عَالِمٌ بِهٖ يَسْمَعُ كَلَامَهٗ۔

’’روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے گویا کہ وہ سرکار اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں۔ اس کو جانتے ہیں اور اسکی بات سنتے ہیں۔‘‘

اسی طرح مومنین کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قبلہ کو پشت اور قبر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا سنت ہے عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب زیارت القبور میں ہے۔

يَخْلَعُ نَعْلَيْهِ ثُمَّ يَقِفُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلًا لِوَجْهِ الْمَيِّتِ۔

’’اپنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔‘‘

روضہ پاک، آب زمزم، وضو کا پانی، قبر مومن سب متبرک چیزیں ہیں۔ ان کی تعظیم قیام سے کرائی گئی۔ دوسرے جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا سنت ہے۔ اسی طرح جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اس کے لئے کھڑا رہنا سنت اور بیٹھا رہنا بے ادبی ہے۔ مشکوٰۃ جلد اول کتاب الجہاد باب حکم الاسرا اور باب القیام میں ہے کہ جب سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے انصار کو حکم دیا۔ قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ قیام تعظیمی تھا۔ نہ یہ کہ ان کو محض مجبوری کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا۔ خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیمی ہی تھا۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ انصار کے سردار تھے۔ ان سے تعظیم کرائی گئی۔ جن لوگوں نے الٰی سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لئے تھا وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۶) کیا نماز بھی بیمار ہے کہ اس کی امداد کے لئے کھڑا ہونا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے

’’حکمت در مراعات توقیر و اکرام سعد دریں مقام و امر تعظیم اورا و داریں ہا آں باشد کہ اورا برائے حکم کردن طلبیدہ بودند پس اعلان شان او دریں مقام اولٰی و انسب باشد‘‘

’’اس موقعہ پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم کرانے میں یہ حکمت ہوگی کہ ان کو بنی قریظہ پر حکم فرمانے کے لئے بلایا

تھا۔ اس جگہ ان کی شان کا اظہار بہتر اور مناسب تھا۔''

مشکوٰۃ باب القیام میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے:

فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِیَامًا حَتّٰی نَرَاہُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُیُوْتِ اَزْوَاجِہٖ۔

''جب حضور علیہ السلام مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے تھے کہ آپ اپنی کسی بیوی پاک کے گھر میں داخل ہو گئے۔''

اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام میں زیر آیت حدیث قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ ہے اجماع کردہ اند جماہیر علماء بایں حدیث بر اکرام اہل فضل از علم یا صلاح یا شرف ونووی گفتہ کہ ایں قیام مراہل فضل را وقت قدوم آوردن ایشاں مستحب است واحادیث دریں باب درود یافتہ دور نہی ازاں صریحاً چیزے صحیح نہ شدہ از قنیہ نقل کردہ کہ مکروہ نیست قیام جالس از برائے کسی کہ در آمدہ است بروئے بجہت تعظیم''۔ اس حدیث کی وجہ سے جمہور علماء نے علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے نووی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اس بارے میں احادیث آئی ہیں اور اس کی ممانعت میں صراحۃً کوئی حدیث نہیں آئی۔ قنیہ سے نقل کیا کہ بیٹھے ہوئے آدمی کا کسی آنیوالے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

تَجُوْزُ الْخِدْمَۃُ بِغَیْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی بِالْقِیَامِ وَاَخْذِ الْیَدَیْنِ وَالْاِنْحِنَاءِ۔

''غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے جھک کر ہر طرح جائز ہے۔''

اس جگہ جھکنے سے مراد حد رکوع سے کم جھکنا ہے۔ تا حد رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ درمختار جلد پنجم کتاب الکراہیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

یَجُوْزُ بَلْ یُنْدَبُ الْقِیَامُ تَعْظِیْمًا لِلْقَادِمِ یَجُوْزُ الْقِیَامُ وَلَوْ لِلْقَارِیْ بَیْنَ یَدَیِ الْعَالِمِ۔

''آنیوالے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے جیسے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جانا جائز ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کی حالت میں بھی کوئی عالم دین آ جاوے تو اس کے لئے کھڑا ہو جانا مستحب ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے۔

وَقِیَامُ قَارِی الْقُرْاٰنِ لِمَنْ یَجِیْءُ تَعْظِیْمًا لَا یُکْرَہُ اِذْ کَانَ مِمَّنْ یَسْتَحِقُّ التَّعْظِیْمَ۔

''قرآن پڑھنے والے کا آنیوالے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔''

شامی جلد اول باب الامامت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے اور کوئی عالم آدمی آ گیا اس کے لئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے یہ افضل ہے۔ یہ تعظیم تو علماء امت کی ہے۔ لیکن صدیق اکبر نے تو عین نماز پڑھاتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف لاتے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے۔ اور بیچ نماز میں حضور

علیہ السلام امام ہوئے۔ (مشکوٰۃ باب مرض النبی) ان امور سے معلوم ہوا کہ بزرگان دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جاوے۔ مسلم جلد دوم باب حدیث توبہ ابن مالک کتاب التوبہ میں ہے۔

فَقَامَ طَلْحَةُ ابْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ يُهَرْوِلُ حَتّٰى صَافَحَنِيْ وَهَنَّاَنِيْ ۔

''پس طلحہ ابن عبید اللہ کھڑے ہو گئے دوڑتے ہوئے آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔''

اس جگہ نووی میں ہے۔ فِيْهِ اسْتِحْبَابُ مُصَافَحَةِ الْقَادِمِ وَالْقِيَامُ لَهٗ اِكْرَامًا وَالْهَرْوَلَةُ اِلٰى لِقَاءِهٖ

اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے سے مصافحہ کرنا۔ اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا۔ اس کے ملنے کے لئے دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا پیارا آجاوے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا' ہاتھ پاؤں چومنا سنت ہے مشکوٰۃ کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ زید ابن حارثہ دروازہ پاک مصطفیٰ علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

فَقَامَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرْيَانًا فَاعْتَنَقَهٗ وَقَبَّلَهٗ۔

''ان کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے ہو گئے پھر ان کو گلے سے لگا لیا اور بوسہ دیا۔''

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتیں۔ قَامَ اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهٖ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑتے ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے۔ تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ السلام کو بٹھا لیتیں۔ مرقات باب المشی بالجنازہ فصل دوم میں ہے۔ فِيْهِ اِيْمَاءٌ اِلٰى نُدُبِ الْقِيَامِ لِتَعْظِيْمِ الْفُضَلَاءِ وَالْكُبَرَاءِ معلوم ہوا کہ فضلاء کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے۔ چوتھے جبکہ کوئی پیارے کا ذکر سنے یا کوئی اور خوشی کی خبر سنے تو اسی وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت صحابہ وسنت سلف ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل ثالث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو صدیق اکبر نے ایک خوشخبری سنائی۔

فَقُمْتُ اِلَيْهِ وَقُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا۔

''تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔''

تفسیر روح البیان مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۲۹) ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجمع علماء موجود تھا کہ ایک نعت خواں نے نعت کے دو اشعار پڑھے۔

فَعِنْدَ ذٰلِكَ قَامَ الْاِمَامُ السُّبْكِيُّ وَجَمِيْعُ مَنْ فِي الْمَجْلِسِ فَحَصَلَ اُنْسٌ عَظِيْمٌ بِذٰلِكَ الْمَجْلِسِ

''تو فوراً امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہو گئے اور اس مجلس میں بہت ہی لطف آیا۔''

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیشوا ہو۔ اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آنے پر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سینہ پاک سے لگا لیا۔ (کتب تواریخ)

عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

اِذَا دَخَلَ ذِمِّیٌّ عَلٰی مُسْلِمٍ فَقَامَ لَہٗ طَمْعًا فِیْ اِسْلَامِہٖ فَلَا بَاسَ۔

’’کوئی ذمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے اسلام کی امید پر اسکے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔‘‘

(۵) چند جگہ قیام مکروہ ہے۔ اولاً آب زمزم اور وضو کے سوا اور پانی کو پیتے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے دوسرے دنیا دار کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا دنیاوی لالچ سے بلا عذر مکروہ ہے تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اس کی مالداری کی وجہ سے مکروہ ہے۔ عالمگیری کتاب الکرا ہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

وَاِنْ قَامَ لَہٗ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْوِیَ شَیْئًا مِّمَّا ذَکَرْنَا اَوْقَامَ طَمْعًا لِغِنَاہُ کُرِہَ لَہٗ ذٰلِکَ۔

’’اگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہوا یا اسکی مالداری کے طمع میں کھڑا ہوا تو مکروہ ہے۔‘‘

چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہو اسکی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آس پاس دست بستہ کھڑے ہوں تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے۔ اپنے لئے قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حوالہ دوسرے باب میں آویں گے انشاء اللہ یہ تقسیم خیال میں رہے۔

جب یہ تحقیق ہو چکی تو اب پتہ لگ گیا کہ میلاد پاک میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا سنت صحابہ اور سنت سلف صالحین سے ثابت ہے کیونکہ ہم قیام سنت میں چوتھا قیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر پا کر یا کسی پیارے کے ذکر پر ہو۔ اور پہلا قیام وہ بتایا جو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو۔ لہٰذا قیام میلاد چند وجہ سے سنت میں داخل ہوا۔ ایک تو اس لئے کہ یہ ذکر ولادت کی تعظیم کے لئے ہے دوسرے اس لئے کہ ذکر ولادت سے بڑھ کر مسلمان کیلئے کونسی خوشی ہو سکتی ہے اور خوشی کی خبر پر قیام مسنون ہے تیسرے یہ کہ نبی کریم سے بڑھ کر مسلمان کے نزدیک کون محبوب ہے‘ وہ جان اولاد ماں باپ مال متاع سب سے زیادہ محبوب ہیں ﷺ ان کے ذکر پر کھڑا ہونا سنت سلف الصالحین ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک کے وقت ملائکہ در دولت پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس لئے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا فعل ملائکہ سے مشابہ ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ہم بحث میلاد میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا نسب شریف منبر پر کھڑے ہو کہ بیان فرمایا۔ تو اس قیام کی اصل مل گئی۔ چھٹے اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ہم اسکی تحقیق بحث میلاد اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں۔ نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جس کام کو مستحب جانیں۔ وہ شریعت میں مستحب ہے۔ شامی جلد سوم کتاب الوقف۔ وقف منقولات کی بحث میں فرماتے ہیں۔ لِاَنَّ التَّعَامُلَ یُتْرَکُ بِہِ الْقِیَاسُ لِحَدِیْثِ مَارَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ یعنی دیگچی و جنازہ وغیرہ کا وقف قیاساً ناجائز ہونا چاہیئے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہٰذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا۔ دیکھو عامۃ المسلمین جس کام کو اچھا سمجھنے لگیں۔ اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑنا لازم ہے درمختار جلد پنجم کتاب الاجارات باب اجارت الفاسدہ میں ہے۔

وَجَازَ اِجَارَۃُ الْحَمَّامِ لِاَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ دَخَلَ حَمَّامَ الْجُحْفَۃِ وَلِلْعُرْفِ وَقَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَارَاٰہُ

اَلْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔

"حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام شہر جحفہ کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس لئے کہ عرف جاری ہو گیا اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جسکو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے۔"

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے جحفہ کے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے۔ بعض نے کہا کہ موضوع ہے۔ لہٰذا اب حمام کے جائز ہونیکی دلیل صرف ایک رہ گئی یعنی عرف عام تو ثابت ہوگا کہ جو کام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

لِاَنَّ النَّاسَ فِیْ سَائِرِ الْاَمْصَارِ یَدْفَعُوْنَ اُجْرَتَ الْحَمَّامِ فَدَلَّ اِجْمَاعُهُمْ عَلٰی جَوَازِ ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ الْقِیَاسُ یَاْبَاهُ

"کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی اجرت دیتے ہیں پس ان کے اجماع سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگرچہ یہ خلاف قیاس ہے۔"

ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیاساً جائز نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہوگا۔ اور کرایہ میں نفع و اجرت معلوم ہونا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ لہٰذا یہ جائز ہے۔ قیام میلاد کو بھی عام مسلمان مستحب سمجھتے ہیں۔ لہٰذا مستحب ہے۔

ساتویں اسلئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (پارہ ۲۶ سورہ ۴۸ آیت ۹)

"اے مسلمانو ہمارے نبی کی مدد کرو اور انکی تعظیم کرو۔"

تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح کرو بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیمی سجدہ و رکوع۔ اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہٰذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہئے۔ دیکھو كُلُوْا وَاشْرَبُوْا (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۶۰) میں مطلقاً کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیو۔ تو بریانی، زردہ، قورما سب ہی حلال ہوا خواہ خیر القرون میں ہو یا نہ ہو۔ ایسے ہی تُوَقِّرُوْهُ کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو۔ خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو۔

آٹھویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ۔ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۲ آیت ۳۲)

"اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کے تقوے سے ہے۔"

روح البیان نے زیر آیت وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۲) لکھا کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں۔ انکی تعظیم کرنا ضروری ہے جیسے کہ بعض مہینے بعض دن و مقامات۔ بعض اوقات وغیرہ اس لئے صفا و مروہ، کعبہ معظمہ، ماہ رمضان، شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اور ذکر ولادت بھی شعائر اللہ ہے لہٰذا اسکی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔

ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا۔ مگر مخالفین کے پاس خدا چاہے۔ تو ایک بھی دلیل حرمت نہیں۔ محض اپنی رائے سے حرام کہتے ہیں۔

باب نمبر 2

قیام میلاد پر اعتراض و جواب میں

اعتراض نمبر 1

چونکہ میلاد کا قیام اول تین زمانوں میں نہیں تھا۔ لہٰذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے۔ حضور کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو۔ اپنی ایجادات کو اس میں دخل نہ ہو۔ کیا ہم کو بمقابلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ حضور سے زیادہ محبت نہیں ہے؟ جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔

جواب

بدعت کا جواب تو بارہا دیا جا چکا ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں۔ رہا یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو، کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دیوبند کے لئے بھی یعنی عالم' کتاب' مدرسہ تمام چیزوں کی وہ ہی تعظیم ہونی چاہئے جو سنت سے ثابت ہے تو علماء دیوبند کی آمد پر سٹیشن پر جانا۔ ان کے گلوں میں ہار پھول ڈالنا۔ ان کے لئے جلوس نکالنا جھنڈیوں سے راستہ اور جلسہ گاہ کو سجانا۔ کرسیاں لگانا۔ وعظ کے وقت زندہ باد کے نعرے لگانا۔ مسند اور قالین بچھانا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی ایسی تعظیم کی ہو۔ نہیں پیش کر سکتے۔ تو فرمایئے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔ لہٰذا آپ کا یہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ بلکہ رکوع و سجدہ محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جذبہ دل جس طرف راہبری کرے وہ عبادت ہے۔ لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں۔ اور فارسی اور بعض جگہ اردو میں بھی مہتر بمعنی سردار بولا جاتا ہے جیسے کہ چترال کے نواب مہتر چترال کہلاتے ہیں۔ لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے۔ اور چترال میں اور فارسی میں نہیں۔ ہر ملکے ہر رسمے۔

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح
سندھیاں را اصطلاح سندھ قدح

مرقاۃ و اشعۃ اللمعات کے مقدمہ میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے احوال میں لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ لباس پہنتے۔ خوشبو لگاتے اور ہیبت و وقار سے بیٹھتے تھے۔ کہئے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں۔ مگر امام مالک کا جذبہ دل ہے عین ثواب ہے۔ تفسیر روح البیان زیر آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۴۰) ہے کہ ایاز کے فرزند کا نام محمد تھا۔ سلطان اس کا نام لے کر پکارتے تھے۔ ایک روز غسل خانہ میں جا کر فرمایا کہ اے ایاز کے بیٹے پانی لا۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور کیا قصور ہوا کہ غلام زادے کا نام نہ لیا۔ فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں لیا کرتے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

کہیئے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کہیئے کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہما اللہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

اعتراض نمبر 2

اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو۔ اور میلاد شریف میں اول سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔

جواب

یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر کسی کو اللہ توفیق دے اور ہر ذکر کھڑے ہو کر کیا کرے اور میلاد شریف از اول تا آخر کھڑے کھڑے پڑھا کرے تو ہم منع نہیں کریں گے۔ خواہ ہر وقت کھڑے ہو۔ یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھایا کرتے تھے۔ دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے انکا یہ فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ از اول یا آخر کھڑا ہونا عوام کو دشوار ہوگا۔ اس لئے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی اونگھ جاتے ہیں کھڑا کر کے صلوٰۃ و سلام پڑھ لو۔ تا کہ نیند جاتی رہے اسی لئے اس وقت عرق گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں۔ تا کہ پانی سے نیند اڑ جاوے کیوں صاحب! نماز میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو۔ اور بعض رکوع میں اور بعض سجدے میں اور بیٹھ کر۔ ہر ذکر کھڑے ہو کر ہی کیوں نہ کیا؟ نیز جب التحیات میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے اور ہزار ہا موقعوں پر آپ یہ ہی کلمہ پڑھتے ہو۔ انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صوفیائے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں۔ مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو کٓهٰیٰعٓصٓ اس طرح پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند کر دے کاف پر ہ پر ی پر وغیرہ۔ پھر حٰمٓ عٓسٓقٓ پڑھے ہر ایک پر ایک انگلی کھولے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تو جب تلاوت قرآن کے دوران یہ کلمے آتے ہیں تو یہ اشارہ کیوں نہیں۔ اور یہ اشارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے کہاں ثابت ہیں۔ حزب البحر وغیرہ پڑھنے والے حضرات بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقعوں پر کیوں نہیں کرتے۔ نیز طواف خانہ کعبہ میں پہلے طواف کے چار چکروں میں اضطباع بھی کرتے ہیں اور مل بھی بعد میں کیوں نہیں کرتے؟ اس قسم کے صدہا سوالات کئے جا سکتے ہیں۔ امام بخاری نے بعض احادیث کو اسناداً بیان کیا۔ بعض کو تعلیقاً۔ سب کو یکساں کیوں نہ بیان کیا۔ بھلا ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر 3

لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہٰذا قیام ناجائز ہے۔

جواب

یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں۔ نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے اور نہ تقریروں میں کہا۔ عوام بھی یہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کار ثواب ہے۔ پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں! اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا برا ہوگا نہ کہ اصل قیام حرام ہو جاوے۔ نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ضروری سمجھتے ہیں احناف غیر

واجب۔ تو ہمارے نزدیک ان کا یہ قول صحیح نہ ہوگا۔ نہ کہ یہ درود نماز ہی منع ہو جاوے اس کی تحقیق حاجی امداد اللہ صاحب نے (ہفت مسئلہ) میں خوب کی ہے رہا یہ کہ مسلمان اس کو پابندی سے کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں۔ یہ بالکل درست ہے۔ مشکوٰۃ باب القصد فی العمل میں ہے۔ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ اللہ کے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کہ ہمیشہ ہو۔ اگرچہ تھوڑا ہو۔ ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں۔ مدارس میں ہر رمضان و جمعہ میں چھٹی کرتے ہیں۔ ہر سال امتحان لیتے ہیں۔ مسلمان ہر رات کو سوتے ہیں۔ ہر دوپہر کو کھانا کھاتے ہیں۔ تو کیا ان کو واجب سمجھتے ہیں یا پابندی وجوب کی علامت ہے رہا قیام نہ کرنیوالوں کو وہابی سمجھنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ وہابیوں کی علامت ہوگئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں مختلف علامات رہی ہیں اور حسب زمانہ علامات کفار سے بچنا یہ علامت اہل ایما اختیار کرنا ضروری ہے۔ اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لیا جنتی ہو گیا (مشکوٰۃ کتاب الایمان) کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی۔ پھر جب کلمہ گویوں میں منافق پیدا ہوئے تو قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آ کر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں کہیئے بات تو سچی کہہ رہے ہیں۔ مگر ہیں جھوٹے پھر حدیث میں آیا کے ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوگی۔ مگر دین سے ایسے نکل جائے گی جیسے تیر شکار سے نیز حدیث میں آیا کہ خارجی کی پہچان سر منڈانا ہے (دیکھو دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب القصاص باب قتل اہل الردہ)۔

یہ تین امور تین زمانوں کے اعتبار سے ہی شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا حُبُّ الْخَتَنَيْنِ تَفْضِيْلُ الشَّيْخَيْنِ وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ دو داماموں یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کو تمام پر افضل جاننا اور چمڑے کے موزے پر مسح کرنا۔ تفسیرات احمدیہ میں سورہ انعام زیر آیت وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا ہے کہ سیدنا عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جس میں دس عادات ہوں وہ سنی ہے تَفْضِيْلُ الشَّيْخَيْنِ تَوْقِيْرُ الْخَتَنَيْنِ تَعْظِيْمُ الْقِبْلَتَيْنِ، الصَّلٰوةُ عَلَى الْجَنَازَتَيْنِ، الصَّلٰوةُ خَلْفَ الْاِمَامَيْنِ تَرْكُ الْخُرُجِ عَلَى الْاِمَامَيْنِ، الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ، وَالْقَوْلُ بِالتَّقْدِيْرَيْنِ، وَالْاِمْسَاكُ عَنِ الشَّهَادَتَيْنِ، وَاَدَاءُ الْفَرِيْضَتَيْنِ۔ مرقات شروع باب المسح علی الخفین میں۔ سُئِلَ اَنَسُ ابْنِ مَلِكٍ عَنْ عَلَامَةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَقَالَ اَنْ تُحِبَّ الشَّيْخَيْنِ وَلَا تَطْعَنِ الْخَتَنَيْنِ وَتَمْسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔ درمختار باب المیاہ میں ہے وَالتَّوَضُّؤُ مِنَ الْحَوْضِ اَفْضَلُ رَغْمًا لِلْمُعْتَزِلَةِ حوض سے وضو کرنا افضل ہے معتزلہ کو جلانے کے لئے اسی جگہ شامی میں ہے لِاَنَّ الْمُعْتَزِلَةَ لَا يُجِيْزُوْنَهٗ مِنَ الْحِيَاضِ فَنُرْغِمُهُمْ بِالْوُضُوْءِ مِنْهَا یعنی معتزلہ حوض سے وضو کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ لہٰذا ہم ان کو حوض سے وضو کر کے جلائیں گے۔ دیکھو حوض سے وضو کرنا۔ چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا وغیرہ واجبات میں سے نہیں لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس کے منکر پیدا ہو گئے تھے۔ لہٰذا انکو سنی کی پہچان قرار دیا۔ اسی طرح قیام میلاد، فاتحہ وغیرہ واجبات میں سے نہیں۔ مگر چونکہ اس کے منکر پیدا ہو گئے ہیں لہٰذا فی زمانہ یہ ہندوستان میں سنی ہونے کی علامت ہے۔ اور مجلس میلاد میں اکیلا بیٹھا رہنا علامت دیوبندی کی ہے۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔

لہٰذا اس سے بچنا چاہیئے۔ نیز شامی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز یا مستحب کام سے بلا وجہ لوگ روکیں تو اس کو ضرور کرے۔ آج

ہندوستان میں ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں خاص گائے کی قربانی واجب نہیں۔ مگر مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اس کو جاری رکھا۔ اسی طرح محفل میلاد و قیام وغیرہ ہے۔ فقہاء کے نزدیک زنار باندھنا اور ہندوؤں کی سی چوٹی سر پر رکھنا۔ قرآن پاک نجاست میں ڈالنا کفر ہے کیونکہ یہ کفار کی مذہبی علامت ہے

ضروری نوٹ

یہ سوال ۱۳ اکثر دیوبندی کیا کرتے ہیں کہ فاتحہ عرس و میلاد وغیرہ سب کو اس وجہ سے حرام بتاتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے خود سنی ہونیکی علامات ایجاد کر لی ہیں حدیث و قرآن میں یہ علامات نہیں ہیں سب کے لیے یہ ہی جواب دیا جاوے۔ بہت مفید ہوگا انشاء اللہ۔

اعتراض نمبر 4

کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا منع ہے مشکوٰۃ باب القیام میں ہے **وَكَانُوْا اِذَا رَاَ وْلَمْ يَقُوْمُوْا لَمَّا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَةٍ لِذٰلِكَ** صحابہ کرام رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو یہ ناپسند ہے۔ مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

''جن کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈے۔''

مشکوٰۃ باب القیام میں ہے

لَا تَقُوْمُوْا كَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ۔

''عجمی لوگوں کی طرح کھڑا نہ ہوا کرو۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا آدمی آ جاوے تو اسکی تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہو۔ میلاد شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں پھر تعظیمی قیام کیوں جائز ہو سکتا ہے؟

جواب

ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا۔ ورنہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث اور اقوال فقہاء نقل کئے ہیں اس کے خلاف ہو گا۔ بلکہ حسب ذیل امور سے ممانعت ہے اپنے لیے قیام چاہنا لوگوں کا دست بستہ سامنے کھڑا رہنا اور پیشوا کا درمیان میں بیٹھا رہنا۔ ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے دونوں قیام منع ہیں۔ پہلی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔ ''وحاصل آنکہ قیام و ترک قیام بحسب زمان و احوال و اشخاص مختلف گرود و ازیں جا است کہ گاہے کردند گاہے نہ کردند۔'' خلاصہ یہ ہے کہ قیام تعظیمی کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام کیا اور کبھی نہ کیا' معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کبھی حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور کبھی نہیں۔ نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہونیکا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ آپ کے قیام سے کراہت فرمانا تو اضعاً و انکساراً تھا۔ لہٰذا اس جگہ ہمیشہ کھڑے ہونے کی نفی ہے مطلقاً کی۔ دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے ''قیام مکرزہ بعینہ نیست بلکہ مکروہ محبت قیام است اگر دے محبت قیام نہ دارو قیام برائے دے کہ مکروہ نیست قاضی عیاض مالکی گفتہ کہ قیام منہی درحق کسی است کہ نشستہ باشد وایستادہ باشند پیش دے دور قیام تعظیم برائے اہل دنیا

بجہت دنیائے ایشاں وعید دار وشد ومکروہ است'' خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا ہو تو اس کے لیے مکروہ نہیں۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لیے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو۔ اور لوگ کھڑے ہوں اور دنیا داروں کیلئے قیام تعظیمی میں وعید آئی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح حاشیہ مشکوٰۃ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسرار زیر حدیث قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِ کُمْ میں ہے۔

قَالَ النَّوَوِيُّ فِيْهِ اِكْرَامُ اَهْلِ الْفَضْلِ وَ تَلَقِّيْهِمْ وَ الْقِيَامُ اِلَيْهِمْ وَ احْتَجَّ بِهِ الْجُمْهُوْرُ وَ قَالَ الْقَاضِيْ عِيَاضٌ لَيْسَ هٰذَا مِنَ الْقِيَامِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ وَ اِنَّمَا ذٰلِكَ فِيْمَنْ يَّقُوْمُوْنَ عَلَيْهِ وَ هُوَ جَالِسٌ وَ يُمَثِّلُوْنَ لَهٗ قِيَامًا طُوْلَ جُلُوْسِهٖ

''نووی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے ملنا۔ انکے لیے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ جمہور علماء نے اس سے دلیل پکڑی ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں سے نہیں ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو۔ اور لوگ اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں۔''

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور محفل میلاد کا قیام ان میں سے نہیں۔ نیز اگر تعظیمی قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ سروقد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ کیوں جائز ہے؟

بحث فاتحہ تیجہ‘ دسواں‘ چالیسواں کا بیان

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ

بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشنا جائز ہے اور پہنچتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن اور حدیث اور اقوال فقہاء سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے دعا کرنے کا حکم دیا۔ نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ مشکوٰۃ باب الفتن باب الملاحم فصل دوم ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی سے فرمایا مَنْ يَّضْمَنُ لِيْ مِنْكُمْ اَنْ يُّصَلِّيَ فِيْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ وَ يَقُوْلُ هٰذِهٖ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصال ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے دوسرے یہ کہ زبان سے ایصال ثواب کرنا خدایا اس کا ایصال ثواب فلاں کو دے بہت ہی بہتر ہے تیسرے یہ کہ برکت کی نیت سے بزرگان دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعث ثواب ہے۔ رہی عبادت مالی یا مالی و بدنی کا مجموعہ جیسے زکوٰۃ اور حج میں اگر کوئی شخص کسی سے کہہ دے تم میری طرف سے زکوٰۃ دے دو تو دے سکتا ہے اور اگر صاحب مال میں حج کرنے کی قوت نہ رہے تو دوسرے سے حج بدل کرا سکتا ہے۔ لیکن ثواب ہر عبادت کا ضرور پہنچتا ہے اگر میں کسی کو اپنا مال دے دوں تو وہ مالک ہو جاویگا۔ اسی طرح یہ بھی۔ ہاں فرق یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہو کر ملا لیکن ثواب اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پورا پورا ملا۔ اور خود بھی محروم نہ رہا۔ جیسے کسی کو قرآن پڑھایا تو سب کو پورا قرآن آ گیا اور پڑھانے والے کا جاتا نہ رہا۔

دیکھو شامی جلد اول بحث دفن میت اس لیے نابالغ بچے سے ہدیہ لینا منع ہے مگر ثواب لینا جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔ (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۸۶)

"ہر نفس کے لیے وہ ہی مفید و مضر ہے جو اس نے خود کرلیا۔"

نیز قرآن میں آیا ہے:

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۳ آیت ۳۹)

"انسان کے لیے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے۔"

جس سے معلوم ہوا کہ غیر کا کام اپنے لیے مفید نہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لیے قابل بھروسہ اور اپنی ملکیت اپنے ہی اعمال ہیں نہ معلوم کہ کوئی اور ایصال ثواب کرے یا نہ کرے اس بھروسہ پر اپنے عمل سے غافل نہ رہے (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) یا یہ حکم ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کا تھا نہ کہ اسلام کا۔ یہاں اس کی نقل ہے۔ یا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے۔ وَ اَتْبَعْتُهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۲ آیت ۲۱) یہی عبداللہ ابن عباس کا قول ہے اسی لیے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیل جنت میں جاویں گے۔ بغیر عمل درجات پائینگے دیکھو جمل و خازن یا یہ آیت بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کرتی ہے اسی لیے ان میں کسب و سعی کا ذکر ہے۔ نہ کہ ہبہ ثواب کا یا یہ ذکر عدل ہے اور وہ فضل غرضیکہ اس کی بہت توجیہات ہیں۔

فاتحہ، تیجہ، دسواں چالیسواں وغیرہ اسی ایصال ثواب کی شاخیں ہیں۔ فاتحہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے اور صدقہ یعنی مالی عبادت کا جمع کرکے ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

باب نمبر 1

فاتحہ کے ثبوت میں

تفسیر روح البیان نے پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ (پارہ ۸ سورۃ ۶ آیت ۱۵۵) میں ہے۔

وَعَنْ حَضْرَتِ الْاَعْرَجِ قَالَ مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ وَ خَتَمَهٗ ثُمَّ دَعَا اَمَّنَ عَلٰى دُعَائِهٖ اَرْبَعَةُ اٰلَافِ مَلَكٍ ثُمَّ لَا يَزَالُوْنَ يَدْعُوْنَ لَهٗ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ وَ يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ اِلَى الْمَسَاءِ اَوْ اِلَى الصَّبَاحِ

"حضرۃ اعرج سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرکے پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور مغفرت مانگتے رہتے ہیں شام یا صبح تک۔"

یہی مضمون نووی کی کتاب الاذکار کتاب تلاوت القرآن میں بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایصال ثواب بھی دعا ہے لہٰذا اس وقت ختم پڑھنا بہتر ہے۔ اشعۃ اللمعات باب زیارت القبور میں ہے "وتصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از

عالم تا ہفت روز'' میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جاوے۔ اسی طرح اشعۃ اللمعات میں اسی باب میں ہے۔ ''وبعض روایات آمدہ است کہ روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق کنند از دے یا نہ'' جمعہ کی رات کو میت کی روح اپ گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کی اسکی طرف سے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برابر روٹیاں خیرات کرتے ہیں اور ہمیشہ جمعرات کو فاتحہ کرتے ہی اسکی یہ اصل ہے۔ انوار ساطعہ صفحہ ۱۴۵ اور حاشیہ خزانۃ الروایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے تیسرے اور ساتو اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال بھر صدقہ دیا۔ یہ تیجہ' ششماہی اور برسی کی اصل ہے۔

نووی نے کتاب الاذکار باب تلاوت القرآن میں فرمایا کہ انس ابن مالک ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا مانگ۔ حکیم ابن عتبہ فرماتے ہیں کہ ایک مجمع کو مجاہد وعبدہ' ابن ابی لبابہ نے بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم کر رہے ہیں۔ اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے حضرت مجاہد سے بروایت صحیح منقول ہے کہ بزرگان دین ختم قرآن کے وقت مجمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔ (نووی کتاب الاذکار) لہٰذا تیجہ و چہلم کا اجتماع سنت سلف ہے۔ درمختار بحث قرأت للمیت باب الدفن میں ہے فِیْ الْحَدِیْثِ مَنْ قَرَءَ الْاِخْلَاصَ اَحَدَ عَشَرَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ اَجْرَهَا لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِیَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ حدیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو تمام مردوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے وَ یَقْرَءُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا تَیَسَّرَ لَهٗ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَ اَوَّلُ۔

> وَیَقْرَءُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا تَیَسَّرَ لَهٗ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَ اَوَّلِ الْبَقَرَةِ وَ اٰیَةِ الْکُرْسِیْ وَ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ وَ سُوْرَةِ یٰسٓ وَ تَبَارَکَ الْمُلْکِ وَ سُوْرَةِ التَّکَاثُرِ وَ الْاِخْلَاصِ اِثْنٰی عَشَرَ مَرَّةً اَوْ اِحْدٰی عَشَرَ اَوْ سَبْعًا اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَوْصِلْ ثَوَابَ مَاقَرَءْنَاهُ اِلٰی فُلَانٍ اَوْ اِلَیْهِمْ
>
> ''جو ممکن ہو قرآن پڑھے سورہ فاتحہ بقرہ کی اول آیات اور آیۃ الکرسی اور امن الرسول اور سورہ یٰسٓ اور ملک اور سورہ تکاثر اور سورہ اخلاص بارہ گیارہ یا سات یا تین دفع یا پھر کہے کہ یا اللہ جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا فلاں لوگوں کو پہنچا دے۔''

ان عبارات میں فاتحہ مروجہ کا پورا طریقہ بتایا گیا۔ یعنی مختلف جگہ قرآن پڑھنا پھر ایصال ثواب کی دعا کرنا اور دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت لہٰذا ہاتھ اٹھادے غرضیکہ فاتحہ مروجہ پوری پوری ثابت ہوئی۔ فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۷۵ میں ہے طعامیکہ ثواب آن نیاز حضرت امامین نمایند بر آں قل و فاتحہ و درود خواندن متبرک می شود خوردن بسیار خوب است'' جس کھانے میں حضرات حسنین کی نیاز کریں اس پر قل اور فاتحہ اور درود پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے اسی فتاوہ عزیزیہ صفحہ ۴۱ میں ہے'' اگر مالیدہ و شیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پختہ بخوراند جائز است مضائقہ نیست'' اگر دودھ مالیدہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ایصال ثواب کی نیت سے پکا کر کھلا دے تو جائز ہے کوئی مضائقہ نہیں۔

خالفین کے پیشوا شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا۔ چنانچہ اس کا تذکرہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے ملفوظات صفحہ ۸۰ میں اس طرح فرمایا''

روز سوم کثرت ہجوم مردم آں قدر بود کہ بیروں از حساب است ہشتاد و یک کلام اللہ بہ شمار آمدہ و زیادہ ہم شدہ باشد و کلمہ را حصر یست'' تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر ہے اکیاسی ختم کلام اللہ شمار آئے اور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے۔ کلمہ طیبہ کا تو اندازہ نہیں۔

اس سے تیجہ کا ہونا اور اس میں ختم کلام اللہ ثابت کرانا ثابت ہوا۔ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیو بند تحذیر الناس صفحہ ۲۴ میں فرماتے ہیں۔'' جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ پانچ ہزار مرتبہ کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایات میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے۔ آپ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ دی۔ بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ آپ نے اس پر فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی۔ اور حدیث کی تصحیح اسکے مکاشفہ سے ہو گئی۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ ایک لاکھ پانچ ہزار بخشنے سے مردے کی بخشش کی امید ہے اور تیجہ میں چنوں پر یہ ہی پڑھایا جاتا ہے۔

ان تمام عبارات سے فاتحہ اور تیجہ وغیرہ کے تمام مراسم کا جواز معلوم ہوا۔ فاتحہ میں پنج آیت پڑھنا پھر ایصال ثواب کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ تیجہ کے دن قرآن خوانی' کلمہ شریف کا ختم' کھانا پکا کر نیاز کرنا سب معلوم ہو گیا صرف ایک بات باقی ہے کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا۔ اس کے متعلق مختلف رواج ہیں کاٹھیاواڑ میں تو اولاً کھانا فقراء کو کھلا دیتے ہیں۔ پھر بعد میں ایصال ثواب کراتے ہیں اور یو پی و پنجاب اور عرب شریف میں کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب کراتے ہیں۔ پھر کھلاتے ہیں دونوں طرح جائز ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔ مشکوٰۃ میں بھی بہت سی روایات موجود ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کھانا ملاحظہ فرما کر صاحب طعام کے لیے دعا فرمائی۔ بلکہ حکم دیا کہ دعوت کھا کر میزبان کو دعا دو اسی طرح مشکوٰۃ باب آداب وطعام میں ہے کہ حضور علیہ السلام جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرُ مُكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًا عَنْهُ رَبَّنَا جس سے معلوم ہوا کھانے کے بعد دو چیزیں مسنون ہیں۔ حمد الٰہی کرنا اور صاحب طعام کے لیے دعا کرنا اور فاتحہ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ اور غالباً اس قدر کا انکار مخالفین بھی نہیں کرتے ہوں گے رہا کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ اس کی بہت سے احادیث آئی ہیں۔ مشکوٰۃ باب المعجزات فصل دوم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں کچھ خرمے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ اس کے لیے دعائے برکت فرمادیں۔

فَضَمَّهُنَّ ثُمَّ دَعَا لِيْ فِيْهِنَّ بِالْبَرَكَةِ

''آپ نے ان کو ملایا اور دعائے برکت دی۔''

مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اول میں ہے کہ غزوہ تبوک میں لشکر اسلام میں کھانے کی کمی ہو گئی حضور علیہ السلام نے تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کے پاس ہو لاؤ۔ سب حضرات کچھ نہ کچھ لائے دستر خوان بچھایا اس پر یہ سب رکھا فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِكُمْ پس اس پر دعا فرمائی اور فرمایا کہ اب ان کو برتنوں میں رکھ لو۔ اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے حضور علیہ السلام نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا حضرت ام سلیم نے کچھ کھانا بطور ولیمہ پکایا۔ لیکن بہت لوگوں کو بلایا گیا فَرَءَيْتُ

النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ یَدَهٗ عَلٰی تِلْكَ الْحَرِیْسَةِ وَ تَكَلَّمَ بِمَا شَآءَ اللّٰهُ اس کھانے پر دست مبارک رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ پڑھا۔

اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوہ خندق کے دن کچھ کھانا پکا کر حضور علیہ السلام کی دعوت کی۔ حضور علیہ السلام ان کے مکان میں تشریف لائے۔ فَاَخْرَجَتْ لَهٗ عَجِیْنًا فَبَصَقَ فِیْهِ وَ بَارَكَ آپکے سامنے گندھا ہوا آٹا پیش کیا گیا۔ تو اس میں لعاب شریف ڈالا اور دعائے برکت کی۔ اس قسم کی بہت سی روایات پیش کی جا سکتی ہیں مگر اتنے پر کفایت کرتا ہوں۔

اب فاتحہ کے تمام اجزاء بخوبی ثابت ہو گئے والحمد للہ۔ عقلاً بھی فاتحہ میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ جیسا پہلے مقدمہ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ فاتحہ دو عبادتوں کے مجموعہ کا نام ہے تلاوت قرآن اور صدقہ اور جب یہ دونوں کام علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو ان کو جمع کرنا کیوں حرام ہوگا۔ بریانی کھانا کہیں بھی ثابت نہیں مگر حلال ہے۔ کیوں اس لیے کہ بریانی' چاول گوشت' گھی وغیرہ کا مجموعہ ہے۔ اب یہ سارے اجزاء حلال تو بریانی بھی حلال۔ ہاں جہاں چند حلال چیزوں کا جمع کرنا حرام ہو جیسے کہ دو ہمشیرہ ایک نکاح میں یا چند حلال چیزوں کے ملنے سے کوئی حرام چیز بنیں یعنی مجموعہ میں نشہ پیدا ہو گیا تو یہ مجموعہ اس عارضہ کی وجہ سے حرام ہوگا یہاں قرآن پاک اور صدقہ جمع کرنا شریعت نے حرام نہ کیا اور ان کے اجتماع سے کوئی حرام چیز پیدا نہ ہوئی پھر یہ کام حرام کیوں ہوگا۔ دیکھو بکری مر رہی ہے۔ اگر ویسے ہی مر جائے تو مردار جہاں اللہ کا نام لے کر ذبح کیا حلال ہو گئی۔ قرآن کریم تو مسلمانوں کے لیے رحمت اور شفاء ہے۔ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۸۲) پھر اگر اس کی تلاوت کر دینے سے کھانا حرام ہو جاوے تو قرآن رحمت کہاں رہا؟ زحمت ہوا۔ مگر ہاں مومنین کے لیے رحمت ہے کفار کے لیے زحمت وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۸۲) اس سے ظالم تو نقصان میں رہتے ہیں کہ اس کے پڑھے جانے سے کھانے سے محروم ہو گئے۔ نیز جس کے لیے دعا کرنا ہو اس کے سامنے رکھ کر دعا کرنا چاہیئے۔ جنازے میں میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ کیونکہ اسی کے لیے دعا ہے اس کو سامنے رکھ لیا۔ اسی طرح سامنے کھانے کو رکھ کر دعا کی تو کون سی خرابی ہے۔ اس طرح قبر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر مذبوحہ جانور سامنے رکھ کر پڑھا۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ۔

''اے اللہ یہ قربانی میری امت کی طرف سے ہے۔''

حضرت خلیل اللہ نے کعبہ کی عمارت سامنے لے کر دعا کی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۲۷) الآیۃ اب بھی عقیقہ کی جانور سامنے رکھ کر ہی دعا پڑھی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر فاتحہ میں بھی کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب ہو تو کیا حرج ہے۔

بسم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں۔ اور بسم اللہ قرآن شریف کی آیت ہے۔ اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو۔ بسم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہیئے۔

مانعین کے پیشوا بھی فاتحہ مروجہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں ''پس دہ ۱۰ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند و حاجت از خدا سوال نمایند''۔ پھر دس بار درود

پڑھیں اور پورا ختم کریں اور تھوڑی شیرینی پر تمام خواجگان چشت کی فاتحہ دیں پھر خدا سے دعا کریں۔ شاہ ولی اللہ صاحب زبدۃ النصائح صفحہ ۱۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ”وشیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند و بخورند مضائقہ نیست واگر فاتحہ بنام بزرگے وادہ شود اغنیار اہم خوردن جائز است“ دودھ چاول پر کسی بزرگ کی فاتحہ دی ان کی روح کو ایصال ثواب پہنچانے کی نیت سے پکائیں اور کھائیں اور اگر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جاوے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے۔ مولانا اشرف علی ورشید احمد صاحبان کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں۔ نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص وتعین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب وفرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ مصلحت باعث تقلید ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ بمصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء محققین نے جائز رکھا ہے۔ جو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے۔ پھر فرماتے ہیں جیسے کہ نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے۔ مگر موافقت قلب وزبان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اگر یہاں بھی زبان سے کہہ لیا جاوے کہ یا اللہ کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ میں اسکا مَشَارٌ اِلَیْہِ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا۔ تو جمع بین العبادتین ہے۔“ پھر فرماتے ہیں اور گیارہویں حضرت غوث پاک کی، دسواں بیسواں، چہلم، ششماہی سالانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق اور برسینی حضرت شاہ بوعلی قلندر اور حلوا شب برأت ودیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔ پیر صاحب کے اس کلام نے بالکل فیصلہ فرما دیا۔ الحمد اللہ کہ مسئلہ فاتحہ دلائل عقلیہ نقلیہ اور اقوال مخالفین سے بخوبی واضح ہو گیا اللہ تعالیٰ قبول کی توفیق دے آمین۔

بَابْ نمبر 2

فاتحہ پر اعتراض وجوابات میں

اس مسئلہ فاتحہ پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات مشہور ہیں۔

اِعتراض نمبر 1

بہت سے فقہاء نے تیسرے اور ساتویں روز میت کے لیے کھانا پکانا منع کیا ہے (دیکھو شامی عالمگیری) بلکہ بزازیہ نے تو لکھا ہے۔ وَبَعْدَ الْاُسْبُوْعِ یعنی ہفتہ کے بعد بھی پکانا منع ہے اس میں برسی ششماہی چہلم سب شامل ہیں۔ نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی ”کہ بعد مردن من رسوم دنیاوی وہم وبستم وچہلم وششماہی وبرسینی ہیچ نہ کنند کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشتہ“ نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

جواب

فقہاء نے میت کے ایصال ثواب سے منع نہ کیا بلکہ حکم دیا جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں۔ جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز ہی

اور ہے وہ ہے میت کے نام پر برادری کی روٹی لینا۔ یعنی قوم کے طعنہ سے بچنے کے لیے جومیت کے تیجے' دسویں وغیرہ میں برادری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لیے کے یہ نام ونمود کے لیے ہے اور موت نام ونمود کا وقت نہیں ہے اگر فقراء کو بغرض ایصال ثواب فاتحہ کر کے کھانا کھلایا۔ تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی جلد اول کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَ یُکْرَہُ اِتِّخَاذُ الضِّیَافَۃِ مِنْ اَہْلِ الْمَیِّتِ لِاَنَّہٗ شُرِعَ فِی السُّرُوْرِ لَا فِی الشُّرُوْرِ۔

''یعنی میت والوں سے دعوت لینا مکروہ ہے کیونکہ یہ تو خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم پر۔''

دعوت لینے کے وہ ہی معنی ہیں کہ برادری مجبور کرے کہ روٹی کر۔ پھر فرماتے ہیں:

وَ ھٰذِہِ الْاَفْعَالُ کُلُّھَا لِلسَّمِعَۃِ وَالرِّیَاءِ فَیَحْتَرِزُ عَنْھَا لِاَنَّھُمْ لَا یُرِیْدُوْنَ بِھَا وَجْہِ اللّٰہِ۔

''یہ سارے کام محض دکھاوے کے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے بچے کیونکہ اس سے اللہ کی رضا نہیں چاہتے۔''

صاف معلوم ہوا کہ فخریہ طور پر برادری کی دعوت منع ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

وَاِنِ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ کَانَ حَسَنًا

''اگر اہل میت نے فقراء کے لیے کھانا پکایا تو اچھا ہے۔ یہ فاتحہ کا جواز ہے۔''

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا اپنے تیجہ دسویں سے منع فرمانا بالکل درست ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ رسوم دنیا کیا ہے عورتوں کا تیجہ وغیرہ کو جمع ہو کر رونا پیٹنا نوحہ کرنا واقعی حرام ہے۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ تعزیت جائز نہیں۔ اس جگہ ایصال ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں۔ جس کا مقصد یہ ہوا کہ تیجہ وغیرہ میں ماتم نہ کریں تمہارا یہ کہنا کے میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے ہم نے یہ حدیث کہیں نہیں دیکھی۔ اگر یہ حدیث ہو تو ان احادیث کا کیا مطلب ہو گا جن میں مردوں کی طرف سے خیرات کرنے کی رغبت دی گئی ہے۔ نیز تم بھی کہتے ہو کہ بغیر تاریخ مقرر کئے ہوئے مردے کے نام پر خیرات جائز ہے۔ اس خیرات کو کون کھائے گا؟ جو آدمی کھالے اس کا دل مردہ ہو جائے گا تو کیا اس کو ملائکہ کھائیں گے۔

مَسْئَلَۃٌ

میت کے فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا'' جلی الصوت النہی الدعوات عن الموت۔ بلکہ دیکھنے والے تو کہتے ہیں کہ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کسی اہل میت کے ہاں تعزیت کے لئے تشریف لے جاتے تو وہاں پان حقہ وغیرہ بھی نہ استعمال فرماتے اور خود وصایا شریف میں وصیت موجود ہے کہ ہماری فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے۔ نیز اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہے تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حصہ سے فاتحہ نہ کی جاوے یعنی اولاً مال میت تقسیم ہو جاوے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور خیر کرے۔ ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہو گا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا جائز نہیں۔ یہ ضرور خیال رہے۔

اعتراض نمبر 2

فاتحہ کے لیے تاریخ مقرر کرنا ناجائز ہے۔ گیارہویں تاریخ یا تیسرا، دسواں، بیسواں، چہلم اور برسی وغیرہ یہ دن کی تعین محض لغو ہے۔ قرآن فرماتا ہے ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۳ آیت ۳) مسلمان لغو کاموں سے بچتے ہیں۔ بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو ایصال ثواب کرو۔ تیسرے دن کا انتظار کیسا؟ نیز تیجہ کے لیے چنے مقرر کرنا اور وہ بھی بھنے ہوئے یہ محض لغو اور بیہودہ ہے اس لیے تیجہ وغیرہ کرنا منع ہے۔

جواب

مقرر کرنیکا جواب تو ہم قیام میلاد کی بحث میں دے چکے ہیں۔ کسی جائز کام کے لیے دن تاریخ مقرر کرنیکا محض یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقررہ دن پر لوگ جمع ہو جائیں گے اور ملکر یہ کام کریں گے۔ اگر کوئی وقت مقرر ہی نہ ہو تو بخوبی یہ کام نہیں ہوتے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے وعظ کے لیے جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا روزانہ وعظ فرمایا کیجئے۔ فرمایا کہ تم کو تنگی میں ڈالنا مجھ کو پسند نہیں۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب العلم) بخاری نے تو باری مقرر کرنے کا باب باندھا۔ یہ محض آسانی کے لیے ہوتا ہے آج بھی مدارس کے امتحان جلسے، تعطیلات کے مہینے اور تاریخیں مقرر ہوتی ہیں کہ لوگ ہر سال بغیر بلائے ان تاریخوں پر پہنچ جاویں۔ صرف یہی مقصد ان کا بھی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ تاریخیں مقرر کیوں کیں تو سنیئے، گیارہویں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ سلاطین اسلامیہ کے تمام محکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی اور ملازمین کا خیال یہ تھا کہ ہماری تنخواہ کا پہلا پیسہ حضور غوث پاک کی فاتحہ پر خرچ ہو۔ لہٰذا جو وہ شام کو دفتر سے گھر آتے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد نماز مغرب فاتحہ دیتے یہ شب گیارہویں شریف ہوتی تھی۔ یہ رواج ایسا پڑا کہ مسلمانوں میں اس فاتحہ کا نام گیارہویں شریف ہو گیا۔ اس کا نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔ یوپی اور کاٹھیاواڑ میں ماہ ربیع الآخر میں سارے ماہ فاتحہ ہوتی ہے مگر نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔

نیز بزرگوں کے بڑے بڑے واقعات دسویں تاریخ کو ہوئے جس کے بعد گیارہویں رات آتی ہے آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا توبہ قبول ہونا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کا ذبح سے نجات پانا۔ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا۔ یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے ملنا موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ ایوب علیہ السلام کا شفا پانا۔ امام حسین کا شہید ہونا اور سید الشہداء کا درجہ پانا سب دسویں تاریخ کو واقعہ ہوئے۔ اس کے بعد جو پہلی رات آئی وہ گیارہویں تھی۔ لہٰذا یہ رات متبرک ہے اسی لیے گیارہویں کی فاتحہ اکثر شب گیارہویں میں ہوتی ہے کیونکہ متبرک راتوں میں صدقہ وخیرات وغیرہ کرنا چاہیئے۔

یہ بات تجربہ سے ثابت ہے بلکہ خود میرا تجربہ ہے کہ اگر گیارہویں تاریخ کو کچھ مقرر پیسوں پر فاتحہ کی پابندی کی جاوے تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ اس کا بہت سختی سے پابند ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھتا ہوں۔ کتاب یازدہ مجلس میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارہویں یعنی بارہ تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے۔ ایک بار خواب میں سرکار نے فرمایا کہ عبدالقادر تم نے بارہویں سے ہم کو یاد کیا ہم تم کو گیارہویں دیتے ہیں۔ یعنی لوگ گیارہویں سے تم کو یاد کیا کریں گے۔ اسی لیے ربیع الاول میں عموماً میلاد مصطفیٰ علیہ السلام کی محفل ہوتی ہے۔ تو ربیع الثانی میں حضور غوث پاک کی گیارہویں چونکہ یہ سرکاری عطیہ تھا اس لیے تمام دنیا میں پھیل گیا۔ لوگ تو شرک وبدعت کہہ کر گھٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کی ترقی ہوتی گئی۔

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے گا
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

تیجہ کے لیے تیسرا دن مقرر کرنے میں بھی مصلحت ہے پہلے دن تو لوگ میت کی تجہیز و تکفین میں مشغول رہتے ہیں دوسرے دن آرام کرنے کے لیے خالی چھوڑا گیا۔ تیسرے دن عام طور پر جمع ہو کر فاتحہ قل وغیرہ پڑھتے ہیں۔ یہ تیسرا دن تعزیت کا آخری دن ہے اس کے بعد تعزیت منع ہے الا للغائب عالمگیری کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَوَقْتُهَا مِنْ حِيْنَ يَمُوْتُ اِلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَ يُكْرَهُ بَعْدَهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُعَزِّىْ اَوِ الْمُعَزّٰى اِلَيْهِ غَائِبًا

''اور ماتم پرسی کا وقت مرنے کے وقت سے تین دن تک ہے اس کے بعد مکروہ ہے۔ مگر یہ کہ تعزیت دینے والا یا لینے والا غائب ہو۔''

آج تک تو لوگ تعزیت کے لیے آتے رہے۔ اب نہ آئیں گے تو کچھ ایصال ثواب کر کے جاویں گے۔ نیز باہر کے پردیسی خویش واقربا بھی اس فاتحہ میں شرکت کر لیتے ہیں کہ تین دن میں مسافر بھی اپنے گھر پہنچ سکتا ہے

چہلم برسی وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا منشاء ہے کہ سال بھر تک میت کو وقتاً فوقتاً ثواب پہنچاتے رہیں۔ کیونکہ بعد مرنے کے اول اول مردے کا دل اپنے دوست اور احباب سے لگا رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ بالکل ادھر سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ لڑکی کا نکاح کر کے سسرال بھیجتے ہیں۔ تو اولاً جلد از جلد اس کو بلانا چلانا ہدیہ وغیرہ بھیجنا جاری رہتا ہے۔ پھر جس قدر زیادہ مدت گزری یہ کام بھی کم ہوتے گئے۔ کیونکہ شروع میں وہاں دلجمعی اس کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی اصل حدیث سے بھی ملتی ہے بعد دفن کچھ دیر قبر پر کھڑا ہو کر ایصال ثواب اور تلقین سے میت کی مدد کرنی چاہیئے۔ حضرت عمرا بن عاص رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی۔ کہ بعد دفن تھوڑی دیر میری قبر پر کھڑا رہنا تاکہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگ جاوے اور نکیرین کو جواب دے لوں چنانچہ مشکوٰۃ باب الدفن میں ان کے یہ الفاظ منقول ہیں۔ ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِىْ حَتّٰى اِسْتَاْنَسَ بِكُمْ اُجِيْبَ مَا ذَا رَاجِعُ رُسُلَ رَبِّىْ۔

اسی لیے جلد از جلد اس کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی پارہ عَمَّ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

''اول حالتے کہ بمجرد جدا شدن روح از بدن خواہد شد فی الجملہ اثر حیات سابقہ والفت تعلق بدن و دیگر معروفاں از ابناء جنس خود باقی است واں وقت گویا برزخ است کہ چیزے ازاں طرف و چیزے ازیں طرف مدد زندگاں بمردگان دریں حالت زودتر می رسد و مردگان منتظر لحوق مدد ازیں طرف مے باشند صدقات وادعیہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار ادمی آید وازیں است کہ طوائف بنی آدم تا یک سال و علی الخصوص یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند'' مردے کی پہلی حالت جو کہ فقط جسم سے روح نکلنے کا وقت ہے اس میں کچھ نہ کچھ پہلی زندگی کے اثر اور بدن اور اہل قرابت سے تعلق باقی ہوتا ہے۔ یہ وقت گویا برزخ ہے کچھ ادھر ادھر تعلق اور کچھ اس طرف اس حالت میں زندوں کی مدد مردوں کو بہت جلد پہنچتی ہے اور مردے اس مدد پہنچنے کے منتظر ہوتے ہیں۔ اس زمانہ میں صدقہ دعائیں فاتحہ اس کے بہت ہی کام آتی ہیں۔ اس وجہ سے تمام لوگ ایک سال تک خاص کر موت کے بعد چالیس روز تک اس قسم کی مدد پہنچانے میں بہت کوشش کرتے ہیں یہ ہی حال زندوں کا بھی ہوتا ہے کہ اول اول بہت غم پھر جس قدر وقت گزرتا گیا رنج کم ہوتا گیا۔ تو منشاء یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر آدھے پر صدقہ کریں سال پر برسی اس کے نصف پر ششماہی اس کے نصف پر سہ ماہی کی فاتحہ اس کے بعد نصف یعنی ۴۵ دن فاتحہ ہونی چاہیئے تھی مگر چونکہ

چالیس کا عدد روحانی اور جسمانی ترقی کا ہے اس لیے چہلم مقرر کیا گیا پھر اس کا آدھا بیسواں پھر اس کا آدھا دسواں۔

چالیس میں کیا ترقی ہے ملاحظہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال تک ایک حالت میں رہا۔ پھر چالیس سال میں وہ خشک ہوا۔ ماں کے پیٹ میں بچہ چالیس روز تک نطفہ پھر چالیس روز تک جما ہوا خون پھر چالیس روز تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر) پیدا ہونے کے بعد چالیس روز تک ماں کو نفاس آ سکتا ہے پھر چالیس سال کی عمر میں پہنچ کر عقل پختہ ہوتی ہے۔ اسی لیے اکثر انبیائے کرام رضی اللہ عنہ کو چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت دی گئی۔ صوفیائے کرام وظیفوں کے لیے چلے یعنی چالیس چالیس روز مشقیں کرتے ہیں تو ان کو روحانی ترقی ہوتی ہے موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم ہوا کہ کوہ طور پر آ کر چالیس روز اعتکاف کرو تب توریت دی گئی وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۵۱) انوار ساطعہ نے بیہقی کی روایت سیدنا انس سے بیان کی۔ بحث چہلم کہ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَا يُتْرَكُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً وَلٰكِنْ هُمْ يُصَلُّوْنَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ حَتّٰى يُنْفَخَ فِي الصُّوْرِ اس حدیث کے معنی زرقانی شرح مواہب نے یوں بیان کیے کہ انبیاء کرام کی روح کا تعلق اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے۔ بعد ازاں وہ روح قرب الٰہی میں عبادت کرتی ہے اور جسم کی شکل میں ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے عوام میں تو یہ بھی مشہور ہے کہ چالیس دن تک میت کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے۔ ممکن ہے اس کی اصل کچھ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ چالیس کے عدد میں تغیر و تبدل ہے لہٰذا مناسب ہوا کہ چالیس دن پر فاتحہ کی جاوے اور اسکی ممانعت نہیں ہے۔

تیجہ کے متعلق مختلف رواج ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں علی العموم تیسرے دن صرف قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں۔ پنجاب میں عام طور پر تیسرے دن دودھ اور کچھ پھل پر فاتحہ کرتے ہیں۔ یوپی میں تیسرے دن قرآن خوانی بھی کرتے ہیں اور بھنے ہوئے چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں۔ ہم پہلے باب میں مولوی محمد قاسم صاحب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کو ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھ کر بخشنے سے اس کی مغفرت ہوتی ہے اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ تو ایک لاکھ کلمہ طیبہ پڑھوانے کے لیے ساڑھے بارہ سیر چنے منتخب کیے گئے ہیں۔ کیونکہ اتنے چنے ایک لاکھ ہو جاتے ہیں یہ محض شمار کے لیے ہے اگر اتنی تسبیحیں یا اس قدر گٹھلیاں یا کنکریاں جمع کی جائیں تو اس میں دقت ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے یہاں موت پر ایک لاکھ کنکریاں جمع کرتا پھرے اس لیے چنے اختیار کر لیے کہ اس میں کلمہ کا شمار بھی ہے اور بعد میں صدقہ بھی' بھنے ہوئے اس لیے تجویز ہوئے کہ کچے چنے لوگ پھینک دیں گے یا گھوڑوں کا دانہ بنا دیں گے۔ اس میں بے حرمتی ہے۔ بھنے ہوئے چنے صرف کھانے ہی کے کام آ جاویں گے۔

اعتراض نمبر 3

فاتحہ وغیرہ میں ہنود سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیرہویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے لہٰذا یہ فاتحہ منع ہے۔

جواب

کفار سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ بری باتوں میں مشابہت منع ہے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی علامت بن چکا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر کا آدمی سمجھیں جیسے کے دھوتی' چوٹی' زنار' ہیٹ وغیرہ ورنہ ہم بھی آب زم زم مکہ سے لاتے ہیں

ہندو بھی گنگا سے گنگا جل لاتے ہیں ہم بھی منہ سے کھاتے ہیں اور پاؤں سے چلتے ہیں اور کفار بھی۔ حضور علیہ السلام نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ اس میں مشابہت یہود تھی۔ پھر فرمایا کہ اچھا ہم دو روزے رکھیں گے۔ کچھ فرق کر دیا مگر اس کو بند نہ کیا۔ اسی طرح ہمارے یہاں کلمہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں یہ نہیں ہوتا۔ پھر مشابہت کہاں رہی؟ اس کی بحث شامی باب مکروہات الصلوٰۃ میں دیکھو ہاں جو کام مشابہت کفار کی نیت سے کئے جاویں وہ منع ہیں فاتحہ کی پوری بحث انوار ساطعہ میں دیکھو۔

اِعتراض نمبر 4

اگر فاتحہ میں بدنی و مالی عبادت کا اجتماع ہے تو چاہیئے کہ نجس چیز خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھ لیا کرو لہٰذا اوپلہ (گوبر) وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کرو۔ جب چوہڑا پاخانہ اٹھائے تو تم فاتحہ پڑھ کر اسے گھر سے باہر جانے دو۔ (دیوبندی تہذیب)

جواب

نجس چیز پر اور نجس جگہ تلاوت قرآن حرام ہے لہٰذا ان کی خیرات پر تلاوت نہیں کر سکتے ڈکار پر الحمدللہ پڑھتے ہیں نہ کہ ریح نکلنے پر کہ وہ نجس و ناقص عضو ہے اسی طرح چھینک پر الحمدللہ کہتے ہیں نہ کہ نکسیر پر۔

بحث دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب اس دعا کے ثبوت میں اور دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں

بَابْ نَمبَر 1

دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں

مسلمان کے مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نماز جنازہ سے پہلے، نماز جنازہ کے بعد، دفن سے پہلے دفن کے بعد۔ ان تینوں حالتوں میں میت کے لیے دعا کرنا، ایصال ثواب کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ ہاں میت کے غسل سے پہلے اگر اس کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا ہو تو اس کو ڈھک دیں کیونکہ ابھی وہ ناپاک ہے۔ جب غسل دے دیا پھر ہر طرح قرآن وغیرہ پڑھیں۔ مخالفین نماز سے پہلے اور دفن کے بعد تو دعا وغیرہ کرنا جائز مانتے ہیں۔ مگر بعد نماز دفن سے پہلے دعا کو ناجائز، حرام، بدعت، شرک نامعلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اسی کی اس جگہ تحقیق ہے۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔ مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازہ فصل ثانی میں ہے۔

اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ۔

''جب تم میت پر نماز پڑھو۔ تو اس کے لیے خالص دعا مانگو۔''

ف سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جاوے بلا تاخیر۔ جو لوگ اس کے معنے کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لیے دعا مانگو وہ ف کے معنی سے غفلت کرتے ہیں۔ صلیتم شرط ہے۔ اور **فاخلصوا** اس کی جزا۔ شرط اور جزا میں تغیر چاہیئے نہ یہ کہ اسمیں داخل ہو۔ پھر صلیتم

ماضی ہے اور فاخلصوا ہے امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔ جیسے فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۵۳) میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان۔ اور اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۶) میں نماز کے لیے اٹھنا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ الٰی سے معلوم ہوا۔ لہٰذا یہاں بھی وضو ارادہ نماز کے بعد ہی ہوا اور ف سے تاخیر ہی معلوم ہوئی۔ حقیقی معنی کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے۔

قَرَءَ عَلَی الْجَنَازَۃِ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔

”حضور علیہ السلام نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔“

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے ”واحتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ آلان متعارف است“، ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورہ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لیے پڑھی ہو جیسا کہ آج کل رواج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی رواج تھا کہ نماز جنازہ کے آگے اور بعد سورہ فاتحہ وغیرہ برکت کے لیے پڑھتے تھے۔ اور حضرت شیخ نے اس کو منع نہ فرمایا بلکہ حدیث پر اس کو محمول کیا۔

فتح القدیر کتاب الجنائز فصل صلوٰۃ الجنازہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوہ موتہ کی خبر دی اور اسی اثناء میں جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی فَصَلَّ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ دَعَا لَهٗ وَ قَالَ اسْتَغْفِرُوْا لَهٗ پس اس پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ دعا کے واؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی۔ مواہب الدنیہ جلد دوم القسم الثانی فِیْمَا اَخْبَرَ مِنَ الْغُیُوْبِ میں یہ ہی واقعہ نقل فرما کر کہا ثُمَّ قَالَ اسْتَغْفِرُوْا اَسْتَغْفِرُوْلَهٗ اسی طرح عبداللہ ابن رواحہ پر بعد نماز دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ دعائے مغفرت جائز ہے منتخب کنز العمال کتاب الجنائز میں ابراہیم ہجری کی روایت ہے۔

قَالَ رَءَیْتُ اِبْنَ اَبِیْ اَوْفٰی وَ کَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الشَّجَرَۃِ مَاتَتْ اِبْنَتُهٗ اِلٰی اَنْ قَالَ ثُمَّ کَبَّرَ عَلَیْهَا اَرْبَعًا ثُمَّ قَامَ بَعْدَ ذٰلِكَ قَدْرَ مَا بَیْنَ التَّکْبِیْرَتَیْنِ وَ قَالَ رَءَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَصْنَعُ هٰکَذَا۔

”میں نے ابن ابی اوفی کو دیکھا یہ بیعت الرضوان والے صحابی ہیں کہ ان کی دختر کا انتقال ہوا پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کی بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔“

بیہقی میں ہے:

وَ عَنِ الْمُسْتَظِلِّ ابْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ عَلِیًّا صَلّٰی عَلٰی جَنَازَۃٍ بَعْدَ مَا صَلّٰی عَلَیْهِ۔

”مستظل ابن حصین سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعا مانگی۔“

مدونۃ الکبریٰ میں ہے:

یَقُوْلُ هٰکَذَا کُلَّمَا کَبَّرَ وَ اِذَا کَانَ التَّکْبِیْرُ الْاٰخِرُ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔

''ہر تکبیر اسی طرح کہے کہ جب آخری تکبیر ہو تو اسی طرح کہے پھر کہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ درود شریف پڑھے۔ کشف العطا میں ہے۔ ''فاتحہ ودعا برائے میت پیش از دفن درست است وہمیں است روایت معمولہ کذا فی خلاصۃ الفتح'' میت کے لئے فاتحہ اور دعا مانگنا دفن سے پہلے درست ہے اسی روایت پر عمل ہے اسی طرح خلاصۃ الفتح میں ہے۔

مبسوط شمس الائمہ سرخسی جلد دوم صفحہ ٦٧ باب غسل المیت میں روایت ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا۔

اِنْ سَبَقْتُمُوْنِیْ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَاءِ۔

''اگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعا میں تو مجھ سے آگے نہ بڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ ملکر دعا کرلو۔''

اسی مبسوط میں اسی جگہ یعنی باب غسل المیت میں ابن عمر وعبداللہ ابن عباس وعبداللہ ابن سلام علیہم السلام سے ثابت کیا کہ ان حضرات نے دعا بعد نماز جنازہ کی اور فَلَا تَسْبِقُوْا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا عمل تھا۔ مفتاح الصلوٰۃ صفحہ ۱۱۲ مصنفہ مولانا فتح محمد صاحب برہان پوری میں ہے۔ ''چوں از نماز فارغ شوند مستحب است کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ بقر تا مفلحون طرف سر جنازہ وخاتمہ بقر امن الرسول طرف پائیں بخواند کہ در حدیث وارد است ودر بعض حدیث بعد از دفن واقعہ شدہ ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز است'' جب نماز جنازہ سے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی اور صالح آدمی سورہ بقر کا شروع کا رکوع مفلحون تک جنازے کے سرہانے اور سورہ بقر کی آخری آیات اٰمَنَ الرَّسُوْلُ میت کی پاؤں کی طرف پڑھے کہ حدیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں دفن کے بعد واقعہ ہوا میسر ہو تو دونوں وقت پڑھے جائز ہے زاد الآخرت میں نہر فائق شرح کنز الدقائق اور بحر ذخار سے نقل فرمایا۔

بعد از سلام بخواند اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَا بَعْدَہٗ وَاغْفِرْلَنَا وَلَہٗ۔

''سلام کے بعد پڑھے کہ اے اللہ ہم کو اسکے اجر سے محروم نہ کر اور اسکے بعد فتنہ میں مبتلا نہ کر اور ہماری اور اسکی مغفرت فرما۔''

طحطاوی میں ہے:

وَاِنَّ اَبَا حَنِیْفَۃَ لَمَّا مَاتَ فَخُتِمَ عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفًا قَبْلَ الدَّفْنِ۔

''جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان پر دفن سے پہلے ستر ہزار ختم قرآن ہوئے۔''

کشف الغمہ 'فتاوی عالمگیری' شامی باب الدفن بحث میں تعزیت میں ہے۔ وَھِیَ بَعْدَ الدَّفْنِ اَوْلٰی مِنْھَا قَبْلَہٗ تعزیت کرنا دفن کے بعد دفن سے پہلے تعزیت کرنے سے بہتر ہے۔ اسی جگہ شامی اور عالمگیری نے یہ بھی فرمایا۔

وَھٰذَا اِذَا لَمْ یُرَ مِنْھُمْ جَزْعٌ شَدِیْدٌ وَّ اِلَّا قُدِّمَتْ یہ جب ہے جبکہ ان ورثا میں سخت گھبراہٹ نہ ہو ورنہ تعزیت دفن سے پہلے کی جاوے۔ حسن ظہیریہ میں ہے۔

وَھِیَ بَعْدَ الدَّفْنِ اَوْلٰی مِنْھَا قَبْلَہٗ۔

''دفن کے بعد تعزیت کرنا دفن سے پہلے تعزیت سے افضل ہے۔''

میزان کبریٰ مصنفہ امام شعرانی میں ہے۔

قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ وَالثَّوْرِیُ اَنَّ التَّعْزِیَةَ سُنَّةٌ قَبْلَ الدَّفْنِ لَا بَعْدَهٗ لِاَنَّ شِدَّةَ الْحُزْنِ تَكُوْنُ قَبْلَ الدَّفْنِ فَیُعَزِّیْ وَیَدْعُوْا لَهٗ۔

”امام ابوحنیفہ اور امام ثوری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تعزیت کرنا دفن سے پہلے سنت ہے نہ کہ بعد کیونکہ زیادتی رنج دفن سے پہلے ہوتی ہے پس تعزیت کرے اور اس کے لیے دعا کرے۔“

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ دفن سے پہلے خواہ نماز سے پہلے ہو یا نماز کے بعد تعزیت کرنا جائز بلکہ مسنون ہے اور تعزیت میں میت و پسماندگان کے لیے دعائے اجر و صبر ہی تو ہوتی ہے۔ عقل کا بھی تقاضا ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا جائز ہو۔ کیونکہ نماز جنازہ ایک حیثیت سے تو دعا ہے کہ میت کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اور اسمیں رکوع سجدہ التحیات وغیرہ نہیں ہے اور ایک حیثیت سے نماز ہے۔ اسی لیے اس میں غسل و وضو ستر عورت قبلہ کو منہ ہونا جگہ اور کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اور جماعت مسنون۔ اگر یہ محض دعا ہوتی تو نماز کی طرح یہ شرائط اس میں کیوں ہوتیں اور دعاؤں کیطرح یہ بھی ہر طرح ادا ہو جایا کرتی۔ ماننا پڑے گا ایک حیثیت سے یہ نماز بھی ہے ہر نماز کے بعد دعا مسنون ہے اور زیادہ قابل قبول۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَ دُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ۔

”حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ فرمایا کہ آخر رات کے درمیانی حصہ میں اور فرض نمازوں کے پیچھے۔“

اور نماز جنازہ بھی فرض نماز ہے پھر اس کے بعد کیوں دعا نہ کی جاوے؟ نیز دعا مانگنے کی ہر وقت اجازت دی گئی ہے اور بہت تاکید فرمائی گئی۔ مشکوٰۃ کتاب الدعوات میں ہے کہ اَلدُّعَاءُ هُوَالْعِبَادَةُ اسی جگہ یہ بھی ہے اَلدُّعَاءَ مُخُّ الْعِبَادَةِ دعا عبادت بھی ہے یا دعا اصل عبادت ہے دعا مانگنے کے لیے کوئی وقت وغیرہ کی پابندی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے تو دعا جائز اور دفن کے بعد بھی جائز مگر نماز کے بعد اور دفن سے پہلے حرام؟ کیوں نماز جنازہ بھی کوئی جادو ہے کہ اس کے پڑھتے ہی دعا کرنا' ایصال ثواب کرنا سب حرام اور دفن میت اس جادو کا اتار ہے کہ دفن ہوا اور سب جائز ہو گیا لہٰذا ہر وقت دعا اور ایصال ثواب جائز ہے کسی وقت کی پابندی نہیں۔

باب نمبر 2

اس دعا پر اعتراضات و جوابات

اس پر صرف چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اسکے سوا کوئی اور اعتراض نہیں۔

اِعتَراض نمبر 1

وہ ہی پرانا یاد کیا ہوا سبق کہ یہ دعا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہٰذا یہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

جواب

یہ دعا بدعت نہیں اسکا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول وفعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا اس پر عمل رہا۔ فقہاء نے اس کی اجازت دے دی۔ جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت ہو تو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں دیکھو ہماری بدعت کی بحث۔

اعتراض نمبر 2

نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے پہلی دعا کافی ہو چکی۔

جواب

یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز پنجگانہ میں دعا ہے۔ نماز استخارہ۔ نماز کسوف۔ اور نماز استسقاء سب دعا کے لیے ہیں مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں ہے اَکْثِرُ وْ الدُّعَآ ءَ دعا زیادہ مانگو۔ دعا کے بعد دعا مانگنا زیادہ دعا ہے تیسرے اس لیے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے اگر میت کے ولی نے نماز نہ پڑھی اوروں نے پڑھ لی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کا وصال مبارک دوشنبہ کو ہوا اور دفن شریف چہار شنبہ کو (شامی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت) اور ان دو روز میں لوگ جماعت جماعت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کیونکہ اب تک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو کہ ولی تھے نہ پڑھی تھی۔ پھر جب آخر دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھ لی۔ اب تا قیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ حضور علیہ السلام کی نماز جنازہ پڑھے۔ (دیکھو شامی باب صلوٰۃ الجنازہ بحث ومن احق بالامامت) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی وہ ادا ہوگئی یہ دوبارہ نمازیں کیسی ہو رہی ہیں؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ کھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے پانی ہی سے پکا ہے۔

اعتراض نمبر 3

چونکہ دعا مانگنے کی وجہ سے دفن میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہٰذا یہ دعا بھی حرام ہے۔

جواب

یہ اعتراض بھی محض لغو ہے۔ اولاً تو اس لیے کہ آپ تو اس دعا کو بہر حال منع کرتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع ورنہ نہیں۔ تو بتاؤ کہ اگر ابھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہو گئی۔ اب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں کیونکہ یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ تیاری قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لیے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ مشکل سے خرچ ہوتے ہیں اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو راستے میں آہستہ لے جانے اور غسل کا کام آہستہ آہستہ انجام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں لگ جاتی ہے۔ اگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل وکفن دینے والے نہایت بدحواسی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھودنے والے مشین کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو لے جانے والے انجن کی رفتار سے بھاگتے ہوئے جاویں اور فوراً پھینک کر آ جاویں۔ تیسرے اس لئے کہ ہم پہلے باب میں حوالے دے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کی تعزیت کرنا انکو تسلی وتشفی

دینا جائز بلکہ سنت ہے خواہ بعد نماز کرے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں دیر لگے گی یا کہ نہیں؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کام کے لیے جائز ہے۔ چوتھے اس لیے کہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ حضور عَلَیْہِ السَّلَام کی وفات شریف دوشنبہ کو اور دفن چہار شنبہ کو ہوا علامہ شامی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وَ هٰذِهِ السُّنَّةُ بَاقِيَةٌ اِلَى الْاٰنَ لَمْ يُدْفَنْ خَلِيْفَةٌ حَتّٰى يُوَلّٰى غَيْرُهٗ۔

''یہ سنت اب تک باقی ہے کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرا خلیفہ نہ بن جائے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدرے جائز ہے کہ خلیفہ بنانا دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں دیر کر دی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے اگر کوئی نمازی آخر میں ملے تو وہ دعا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ لیکن نماز کے فوراً بعد نعش اٹھا لی جائے تو یہ شخص دعا پوری نہ کر سکے گا کہ اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا دعا بعد جنازہ میں مسبوق نمازیوں کو بھی رعایت ہے اگر اس کے لیے ایک غیر محسوس سی تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچواں اس لیے کہ دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن میت کا انتقال ہو گیا تو نماز جمعہ کا انتظار نہ کرے بلکہ ممکن ہو تو قبل جمعہ ہی دفن کر لے یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شرک ہے۔ کفر ہے معاذ اللہ۔

اِعتراض نمبر 4

نماز جنازہ کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں چنانچہ جامع الرموز میں ہے

لَا يَقُوْمُ دَاعِيًا لَّهٗ۔

''نماز کے بعد دعا کے لیے نہ کھڑا رہے۔''

ذخیرہ کبریٰ اور محیط میں ہے:

لَايَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ۔

''نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے کھڑا نہ رہے۔''

عالمگیری میں ہے:

لَا يَدْعُوْا بَعْدَهٗ فِيْ ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ۔

''اس کے بعد دعا نہ کرے ظاہر مذہب میں۔''

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

وَلَا يَدْعُوْا لِلْمَيِّتِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ فِيْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ

''نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کرنے کے مشابہ ہے۔''

کشف الغطاء میں ہے کہ قائم نہ شود بعد از نماز برائے دعا ''نماز کے بعد دعا کے لیے کھڑا نہ رہے'' جامع الرموز میں ہے۔

وَلَا يَقُوْمُ بِالدُّعَآءِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ۔

''نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ کھڑا رہے کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔''

ابن حامد سے مروی ہے:

اِنَّ الدُّعَآءَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ مَكْرُوْهٌ۔

''نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔''

ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔

جوابؔ

اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرا تفصیلی اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ اسی لیے نماز جنازہ جمعہ کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔ تیسرے یہ کہ اسی طرح صف بستہ بحیثیت نماز دعا کیجاوے کہ دیکھنے والا سمجھے نماز ہو رہی ہے۔ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہٰذا اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے یہ وجوہ اس لیے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ اقوال احادیث مذکورہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے قول و عمل کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف العطاء کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے۔ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ یہ زیادتی کے مشابہ ہے یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں زیادتی کا دھوکا ہو وہ یہ ہی ہے کہ صف بستہ کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صف توڑ دی یا بیٹھ گئے تو حرج نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوں کو توڑ کر سنتیں پڑھیں تاکہ کسی کو دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے (دیکھو شامی اور مشکوٰۃ شریف باب السنن) تو اس سے یہ لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

وَلَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ۔

''چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں۔''

یعنی نماز جنازہ میں پہلے تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جاوے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں چنانچہ بدائع کفایہ عنایہ میں ہے لَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَآءٌ ابوبکر ابن حامد کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قنیہ کی عبارت ہے مگر قنیہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ مقدمہ شامی بحث رسم المفتی میں ہے کہ صاحب قنیہ ضعیف روایات بھی لیتا ہے اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں وہ فرماتے ہیں اَوْ لِنَقْلِ الْاَقْوَالِ الضَّعِيْفَةِ فِيْهَا كَالْقُنْيَةِ لِلزَّاهِدِيْ فَلَا يَجُوْزُ

الْاِفْتَاءُ مِنْ هٰذِهٖ اعلیٰ حضرت قدس سرہ، نے بذل الجوائز میں فرمایا کہ قنیہ والا معتزلی بدمذہب ہے اور اگر قنیہ کی یہ عبارت صحیح مان بھی لی جائے تو خود مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہے تو بعد دفن بھی دعا ناجائز ہونا چاہیئے کہ یہ وقت بھی تو نماز کے بعد ہی ہے غرضیکہ کوئی بھی عبارت آپکے موافق نہیں۔ دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ سنت ہے۔

بحث مزارات اولیاء اللہ پر گنبد بنانا

مسلمان دو طرح کے ہیں ایک تو عام مومنین۔ دوسرے علماء و مشائخ اولیاء اللہ جن کی تعظیم و توقیر در حقیقت اسلام کی تعظیم ہے۔ عامۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا ان پر قبہ وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لیے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تا کہ اس کا نشان نہ مٹ جائے فاتحہ وغیرہ پڑھی جاسکے جائز ہے۔ ایسے علماء مشائخ عظام اولیاء اللہ جن کے مزارات پر خلقت کا ہجوم رہتا ہے لوگ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی و فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کی آسائش اور صاحب قبر کی اظہار عظمت کے لیے اس کے آس پاس سایہ کے لیے قبہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ سنت صحابہ سے ثابت ہے اور جن عام مومنین کی قبریں پختہ بنانا اور اس پر قبہ بنانا منع ہے اگر انکی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو ان کو گرانا حرام ہے پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے آخر کے دو مسئلوں میں اختلاف اس لیے ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

باب نمبر 1

مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ تین امور ہیں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا دوسرے قبر ولی کو قدر سنت یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا۔ تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنا دینا۔ پھر قبر کو پختہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت سے ملا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ اوپر نظر آتا ہے اسکو پختہ کرنا۔

قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ اینٹ سے پختہ کرنا وہاں لکڑی لگانا منع ہے اگر وہاں پتھر یا سیمنٹ لگایا جاوے تو جائز ہے کیونکہ لکڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامۃ المسلمین کے لیے منع ہے اور خاص علماء و مشائخ کے لیے جائز ہے۔

قبر کا تعویز ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے اور اگر آس پاس چبوترہ اونچا کر کے اس پر تعویز بقدر ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے۔

قبر کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عامۃ المسلمین کی قبروں پر تو منع ہے۔ اور فقہا و علماء کی قبروں پر جائز۔ دلائل سب حسب ذیل ہیں۔

① مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب الدفن میں بروایت ابوداؤد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان ابن مظعون کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا۔ اور فرمایا کہ اَعْلَمُ بِهَا قَبْرَ اَخِیْ وَاَدْفِنُ اِلَیْهِ مَنْ مَّاتَ مِنْ اَهْلِیْ ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔

② بخاری کتاب الجنائز باب الجرید القبر میں تعلیقاً ہے حضرت خارجہ فرماتے ہیں ہم زمانہ عثمان رضی اللہ عنہ میں تھے۔

اَنَّ اَشَدَّنَا وَ ثْبَۃً الَّذِیْ یَثِبُ قَبْرَ عُثْمَانَ ابْنِ مَظْعُوْنِ حَتّٰی یُجَاوِزَہٗ

''ہم میں بڑا کودنے والا وہ تھا جو عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔''

مشکٰوۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان رضی اللہ عنہ کا تعویز اس پتھر کا تھا اور دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ مشکٰوۃ میں جو آیا کہ قبر کے سرہانے پر پتھر لگایا اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر علیحدہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کیطرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر سرہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے لیے قبر کچھ اونچی کر دی جاوے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے اس سے پہلے دو مسئلے حل ہو گئے نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی زمین نرم ہو اور لوہے یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا پڑے تو اس کے اندرونی حصہ میں چاروں طرف مٹی سے کہگل کر دو (دیکھو شامی اور عالمگیری وغیرہ باب دفن المیت) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کچا ہونا چاہیے۔ دو مسائل ثابت ہوئے۔

③ مشائخ کرام اولیاء عظام علماء کرام کی مزارات کے اردگرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے۔ اسکا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عامۃ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔ قرآن کریم میں اصحاب کہف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہا۔ قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِھِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْھِمْ مَّسْجِدًا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۸ آیت ۲۱) وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے۔ روح البیان میں اس آیت میں بُنْیَانًا کی تفسیر میں فرمایا۔ دیوارے کہ از چشم مردم پوشیدہ شوند یعنی لَا یَعْلَمُ اَحَدٌ تُرْبَتَھُمْ وَ تَکُوْنُ مَحْفُوْظَۃً مِنْ تَطَرُّقِ النَّاسِ کَمَا حُفِظَتْ تُرْبَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ بِالْحَظِیْرَۃِ یعنی انہوں نے کہا کہ اصحاب کہف پر ایسی دیوار بناؤ جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جاویں۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے۔ مگر یہ بات نامنظور ہوئی تب مسجد بنائی گئی۔ مَسْجِدًا کی تفسیر روح البیان میں ہے یُصَلِّی فِیْہِ الْمُسْلِمُوْنَ وَ یَتَبَرَّکُوْنَ بِمَکَانِھِمْ لوگ اس میں نماز پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کہف کے گرد قبہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی بات کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے کہ شرائع قَبْلِنَا یَلْزِمُنَا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیقہ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو گرا دیتے پھر دفن کرتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے گرد کچی اینٹوں کی گول دیوار کھچا دی۔ پھر ولید ابن عبد الملک کہ زمانہ میں سیدنا عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس عمارت کو نہایت مضبوط بنایا اور اس میں پتھر لگوائے چنانچہ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفٰی مصنفہ سید سمہودی دسویں فصل فیما یتعلق بالحجرۃ المنیفۃ ۱۹۶ میں ہے۔ عَنْ عُمَرَ وَ ابْنِ دِیْنَارٍ وَعُبَیْدِ اللّٰہِ ابْنِ اَبِیْ زَیْدٍ قَالَا لَمْ یَکُنْ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَائِطٌ فَکَانَ اَوَّلُ مَنْ بَنٰی عَلَیْہِ

جِدَارًا عُمَرَ ابْنَ الْخِطَابِ۔ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ زَيْدٍ كَانَ جِدَارُهٗ قَصِيْرًا ثُمَّ بَنَاهُ عَبْدُاللّٰهِ اِبْنُ الزُّبَيْرِ الخ وَ قَالَ الْحَسَنُ الْبَصَرِیُّ كُنْتُ اَدْخُلُ بُيُوْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا غُلَامٌ مُرَاهِقٌ اذَا نَالُ السَّقَفِ بِيَدِیْ وَ كَانَ لِكُلِّ بَيْتٍ حُجْرَةٌ وَ كَانَتْ حُجْرَةً مِنَ الْكُعْسَتِهٖ مِنْ سَعِيْرٍ مَرْبُوْطَتِهٖ فِیْ خُشُبِ عَرْعَرَةٍ ترجمہ وہ ہی جواوپر بیان ہو چکا بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب مَاجَآءَ فِیْ قَبْرِ النَّبِیِّ وَ اَبِیْ بَكْرَ وَ عُمَرَ میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دیوار گر گئی تو اَخَذُوْا فِیْ بِنَائِهٖ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے بنانے میں مشغول ہوئے۔

فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ فَفَزِعُوْا وَ ظَنُّوْا اَنَّهَا قَدَمُ النَّبِیِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى قَالَ لَهُمْ عُرْوَةُ لَا وَاللّٰهِ مَا هِیَ قَدَمُ النَّبِیِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا هِیَ اِلَّا قَدَمُ عُمَرَ

''ایک قدم ظاہر ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ حضور ح کا قدم پاک ہے۔ حضرت عروہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ حضور ح کا قدم نہیں ہے یہ حضرت فاروق کا قدم ہے''

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ ۵۵۰ھ میں جمال الدین اصفہانی نے علماء کرام کی موجودگی میں صندل کی لکڑی کی جالی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور ۵۵۷ھ میں بعض عیسائی عابدیوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور سرنگ لگا کر نعش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے تین بار بادشاہ کو خواب میں فرمایا۔ لہٰذا بادشاہ نے انکو قتل کرایا اور روضہ کے آس پاس پانی تک بنیاد کھود کر سیسہ لگا کر اسکو بھر دیا پھر ۶۷۸ھ میں سلطان قلاوٗں صالحی نے یہ گنبد سبز جواب تک موجود ہے بنوایا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ روضہ مطہرہ صحابہ کرام نے بنوایا تھا اگر کوئی کہے کہ یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو کہا جاویگا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق و فاروق بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہٰذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز اور مشکوٰۃ باب البکا علی المیت میں ہے کہ حضرت امام حسن ابن حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

ضَرَبَتْ اَمْرَاتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَنَةً۔

''تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا''

یہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا نیز ان کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں۔ پھر واپس آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

یہاں تک تو قرآن و حدیث سے ثابت ہوا۔ اب فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

روح البیان جلد ۳ پارہ ۱۰ زیر آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۱۸) میں ہے۔

فَبِنَاءُ قُبَابٍ عَلٰى قُبُوْرِ الْعُلَمَآءِ وَ الْاَوْلِيَآءِ وَ الصُّلَحَآءِ اَمْرٌ جَائِزٌ اِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذٰلِكَ التَّعْظِيْمُ فِیْ اَعْيُنِ الْعَامَّةِ حَتّٰى لَا يَحْتَقِرُوْا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ۔

''علماء اور اولیاء صالحین کی قبروں پر عمارات بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود ہو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تا کہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔''

مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت میں ہے۔

قَدْ اَبَاحَ السَّلَفُ الْبِنَاءَ عَلٰے قُبُوْرِ الْمَشَائِخِ وَ الْعُلَمَاءِ الْمَشْهُوْرِيْنَ لِيَزُوْرَهُمُ النَّاسُ وَيَسْتَرِيْحُوْا بِالْجُلُوْسِ۔

''پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا تا کہ ان کی لوگ زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔''

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

''در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء دیدہ چیز ہا افزودند تا آنچہ ہیبت و شوکت اہل اسلام و اہل صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہند کہ اعدائے دین از ہنود کفار بسیار اند و ترویج و اعلاء شان ایں مقامات باعث رعب و انقیاد ایشاں است و بسیار اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ اند در آخر زمان از مستحسنات گشتہ''

''آخر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بین رہ گئے۔ لہٰذا مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کردی تا کہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو خاص کر ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنان دین ہیں ان مقامات کی اعلان شان کفار کے رعب اور اطاعت کا ذریعہ اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے۔''

شامی جلد اول باب الدفن میں ہے۔

وَ قِيْلَ لَا يُكْرَهُ الْبِنَاءُ اِذَا كَانَ الْمَيِّتُ مِنَ الْمَشَائِخِ وَ الْعُلَمَاءِ وَ السَّادَاتِ۔

''کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔''

درمختار میں اسی باب الدفن میں ہے۔ لَا يُرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَ قِيْلَ لَا بَاسَ بِهٖ وَ هُوَا الْمُخْتَارُ قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ ہی قول پسندیدہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور درمختار نے عمارت کے جواز کو قیل سے بیان کیا۔ اس لیے یہ قول ضعیف ہے لیکن یہ صحیح نہیں فقہ میں قیل علامت ضعف نہیں۔ اور بعض جگہ ایک مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں اور دونوں قیل سے ہاں منطق میں قیل علامت ضعف ہے۔ قیل کی مکمل بحث اذان قبر کے بیان میں دیکھو۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۳۵ میں ہے۔

وَ قَدِ اعْتَادَ اَهْلِ الْمِصْرِ وَ ضَعَ الْاَحْجَارَ حِفْظًا لِلْقُبُوْرِ عَنِ الْاَنْدَرَاسِ وَ النَّبْشِ وَ لَابَاسَ بِهٖ وَ فِی الدُّرَرِ وَ لَا يُجَصَّصُ وَ لَا يُطِيْنُ وَ لَا يُرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَ قِيْلَ لَا بَاسَ بِهٖ هُوَ الْمُخْتَارُ۔

''مصر کے لوگ قبروں پر پتھر پھینکنے کے عادی ہیں۔ تا کہ وہ مٹنے اکھڑنے سے محفوظ رہیں اور قبر کو گچ نہ کیا وے نہ کھگل کی،

جاوے نہ اس پر عمارت بنائی جاوے اگر کہا گیا کہ جائز ہے اور یہ ہی مختار ہے۔"

میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنائز میں امام شعرانی میں فرماتے ہیں۔

وَ مِنْ ذٰلِكَ قَوْلُ الْاَئِمَّةِ اَنَّ الْقَبْرَ لَا يُبْنٰى وَلَا يُجَصَّصُ مَعَ قَوْلِ اَبِى حَنِيْفَةَ يَجُوْزُ ذٰلِكَ قَالَ الْاَوَّلَ مُشَدَّدٌ وَ الثَّانِىْ مُخَفَّفٌ۔

"اسی سے ہے دیگر اماموں کا یہ کہنا کہ قبر پر نہ عمارت بنائی جاوے اور نہ اسکو گچ کی جائے باوجودیکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی۔"

اب تو رجسٹری ہوگئی کہ خود امام مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔

الحمدللہ کہ قرآن وحدیث اور فقہی عبارات بلکہ خود امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان پاک سے ثابت ہوگیا کہ اولیاء علماء کی قبور پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ عقل بھی یہ ہی چاہتی ہے کہ یہ جائز ہو چند وجوہ سے اولاً تو یہ دیکھا گیا ہے کہ عام کچی قبر کا عوام کی نگاہ میں نہ ادب ہوتا ہے نہ احترام نہ فاتحہ خوانی نہ کچھ اہتمام بلکہ لوگ پیروں سے اس کو روندتے ہیں اور اگر کسی قبر کو پختہ دیکھتے ہیں غلاف وغیرہ پڑا ہوا پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے اس سے بچ کر نکلتے ہیں اور خود فاتحہ کو ہاتھ اٹھ جاتا ہے اور مشکوٰۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمان کا زندگی اور بعد موت یکساں ادب چاہیئے۔ اسی طرح عالمگیری کتاب الکراہیت اور اشعۃ اللمعات باب الدفن میں ہے کہ والدین کی قبروں کو چومنا جائز ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دور بیٹھے جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی میں اس سے بیٹھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ تو زندگی میں واجب التعظیم تھے۔ لہٰذا بعد الموت بھی اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا ذریعہ ہے لہٰذا کم از کم مستحب ہے۔ دوسرے اس لیے کہ جس طرح تمام عمارات میں سرکاری عمارتیں یا کہ مساجد ممتاز رہتی ہیں کہ ان کو پہچان کر لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں علماء کو چاہیئے کہ اپنی وضع قطع لباس صورت اہل علم کا سا رکھیں تا کہ لوگ ان کو پہچان کر مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہیئے کہ علماء ومشائخ کی قبور عام قبروں سے ممتاز رہیں تا کہ لوگ پہچان کر ان سے فیض لیں۔ تیسرے اس لیے کہ مقابر اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں اور شعائر اللہ کا ادب ضروری ہے قرآن سے ثابت ہے لہٰذا قبروں کا ادب چاہیئے۔ ادب کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں علیحدہ طریقے ہوتے ہیں۔ جو طریقہ بھی ادب کا خلاف اسلام نہ ہو جائز ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں قرآن پاک ہڈیوں اور چمڑے پر لکھا تھا۔ مسجد نبوی کچی تھی اور چھت میں کھجور کے پتے تھے۔ جو بارش میں ٹپکتی تھی۔ مگر بعد کے زمانہ میں مسجد نبوی نہایت شاندار روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت اہتمام سے بنائے گئے اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھاپا گیا۔

درمختار کتاب الکراہیت فصل فی البیع میں ہے۔ وَ جَازَ تَحْلِيَتُهُ الْمُصْحَفَ لِمَّا فِيْهِ مِنْ تَعْظِيْمِهٖ كَمَا فِىْ نُقُشِ الْمَسْجِدِ اس کے ماتحت شامی میں ہے اَىْ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ یعنی قرآن کریم رضی اللہ عنہ کو چاندی سونے سے آراستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ مسجد کو نقشین کرنا۔ اسی طرح صحابہ کرام کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن کو آیات اور رکوع اور اعراب سے خالی رکھو۔ لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت درپیش ہوئی۔ یہ تمام کام جائز بلکہ ضروری ہوگئے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَ مَا رُوِیَ عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ جَرِّدُوا الْقُرْاٰنَ كَانَ فِیْ زَمَنِهِمْ وَكَمْ مِّنْ شَیْئٍ یَخْتَلِفُ بِاِخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ۔

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کو اعراب وغیرہ سے خالی رکھو یہ اس زمانہ میں تھا۔ اور بہت سی چیزیں زمانہ اور جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔''

اسی مقام پر شامی میں ہے کہ قرآن کو چھوٹا کر کے نہ چھاپو یعنی حمائل نہ بناؤ بلکہ اس کا قلم موٹا ہو۔ حرف کشادہ ہوں تقطیع بڑی ہو یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لیے اسی طرح یہ بھی ہے اول زمانہ میں تعظیم قرآن واذان واقامت پر اجرت لینا حرام تھا حدیث وفقہ میں موجود ہے مگر بعد کو ضرورتاً جائز کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خود زندہ لوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے پختہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب نہ دیا جب اس کو گرادیا تب جواب سلام دیا (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ثانی) اسی مشکوٰۃ کتاب الرقاق میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا اِذَا لَمْ یُبَارَكْ لِلْعَبْدِ فِیْ مَالِهٖ جَعَلَهٗ فِی الْمَآءِ وَالطِّیْنِ جب بندے کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے تو اس کو اینٹ گارے میں خرچ کرتا ہے لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں پختہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرات اولیاء اللہ کی قبروں کے پختہ کرنے یا ان پر قبہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کو عمدہ اور پختہ بناتے ہیں۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۸۵) کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے اور بعض کا انکار۔ اللہ سمجھ دے۔ چوتھے اس لیے کہ اولیاء اللہ کے مقابر کا پختہ ہونا۔ ان پر عمارات قائم ہونا۔ تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے اجمیر شریف وغیرہ میں دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندوؤں اور رافضیوں کو میں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

ہندوستان میں اب کفار مسلمانوں کے اوقاف پر قبضہ کر رہے ہیں جن میں کوئی علامت نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں، خانقاہیں، قبرستان بے نشان ہو کر ان کے قبضے میں پہنچ گئے اگر قبرستان کی ساری قبریں کچی ہوں تو کچھ دن میں گر کر برابر ہو جاتی ہے اور سادہ زمین پر کفار قبضہ جما لیتے ہیں لہٰذا اب سخت ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں پختہ ہوں۔ تاکہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ ان کی حدود معلوم رہیں۔

میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بجز دو تین قبروں کے باقی ساری قبریں کچی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصہ میں پختہ قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے دونوں قبرستان خفیہ طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پہلا قبرستان تو سوائے پختہ قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ کیونکہ حکام نے اسے سفید زمین مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصہ جہاں تک پختہ قبریں تھیں۔ مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصہ جس میں ساری قبریں کچی تھیں اور مٹ چکی تھیں کفار کے پاس پہنچ گئے۔ کیونکہ اس قبرستان کے حدود پختہ قبروں کی حد سے قائم کئے گئے باقی بیعنامہ درست مانا گیا اس سے مجھے پتہ لگا کہ اب ہندوستان میں کچھ قبریں پختہ ضرور بنوانی چاہئیں کیونکہ یہ بقاء وقف کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے لیے مینارے۔

ماہ جولائی ۱۹۶۰ء کے اخبارات میں مسلسل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے پیر سید احمد صاحب بریلوی کی قبر جو بالاکوٹ

میں واقع ہے شکستہ حالت میں ہے اسکی مرمت کی جاوے گی اور اس پر گنبد وغیرہ تعمیر کیا جاویگا۔ سبحان اللہ سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈھائیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے گا۔ ۲۹ جولائی ۱۹۶۰ء کو صدر پاکستان ایوب خان نے قائداعظم کی قبر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس میں ایک لاکھ مسلمان شریک تھے اس عمارت پر ۷۵ لاکھ روپے خرچ ہوگا اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق نے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریر راولپنڈی کے جنگ ۱۲ اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو کہ بانی انقلاب آج بانی پاکستان کی قبر پر سنگ بنیاد رکھ رہا ہے اب تک پاکستان کی حکومتوں نے اس مبارک کام میں بہت سستی کی تھی۔ مسلمانو! یہ ہیں وہ دیوبندی جو اب تک مسلمانوں کی قبریں اکھڑواتے تھے جنہوں نے نجدی حکومت کو مبارکباد کے تار دیئے تھے کہ اس نے صحابہ واہل بیت کی قبریں اکھیڑ دیں آج قائداعظم کی قبر پر گنبد وغیرہ تعمیر ہونے پر مبارکباد دے رہے ہیں۔ ان کا کتابی مذہب اور ہے زبانی مذہب اور عملی مذہب کچھ اور چلوتم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔ بہر حال مزار گنبد کے دیوبندی بھی قائل ہوگئے۔

بَابْ نمبر 2

عمارت قبور پر اعتراضات کے جوابات میں

اِعتراض نمبر 1

مخالفین کے اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض ہیں۔ اول تو یہ کہ مشکوٰۃ باب الدفن میں بروایت مسلم ہے۔

نُھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُجَصَّصُ الْقُبُوْرَ وَ اَنْ یُّبْنٰی عَلَیْہِ وَ اَنْ یَّقْعَدَ عَلَیْہِ

”حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر گچ کی جاوے اور اس سے کہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور اس سے کہ اس پر بیٹھا جاوے۔“

نیز عام فقہاء فرماتے ہیں کہ یُکْرَہُ الْبِنَاءِ عَلَی الْقُبُوْرِ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین کام حرام ہیں۔ قبروں کو پختہ بنانا۔ قبر پر عمارت بنانا اور قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا۔

جواب

قبر کو پختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کیا جاوے۔ اس لیے حدیث میں فرمایا گیا اَنْ یَّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ یہ نہ فرمایا گیا عَلَی الْقُبُوْرِ دوسرے یہ کہ عامۃ المسلمین کی قبور پختہ کی جاویں کیونکہ یہ بے فائدہ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ہر قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کو سجاوٹ، تکلف، یا فخر کے لیے پختہ کیا۔ یہ تینوں صورتیں منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لیے کسی ولی اللہ کی قبر پختہ کی جاوے تو جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کی قبر پختہ پتھر کی بنائی۔ جیسا کہ پہلے باب میں عرض کیا گیا لمعات میں اسی اَنْ یُّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ کے ماتحت ہے لِمَافِیْہِ مِنَ الزِّیْنَۃِ وَ التَّکَلُّفِکی ونکہ اس میں محض سجاوٹ اور تکلف ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس لیے نہ ہو تو جائز ہے۔ اَنْ یُبْنٰی عَلَیْہِ یعنی قبر پر

عمارت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی ہیں اولاً تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جاوے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔ چنانچہ شامی باب الدفن میں ہے۔

وَتُكْرَهُ الزِيَادَةُ عَلَيْهِ لِمَا فِي الْمُسْلِمِ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ يُجَصَّصَ الْقُبُوْرَ اَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ۔

”قبر کو ایک ہاتھ سے اونچا کرنا منع ہے کیونکہ مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر کچھ بنانے سے منع فرمایا۔“

درمختار اسی بات میں ہے وَتُكْرَهُ الزِّيَادَةِ عَلَيْهِ مِنَ التُّرَابِ لِاَنَّهٗ بِمَنْزِلَةِ الْبِنَاءِ قبر پر مٹی زیادہ کرنا منع ہے کیونکہ یہ عمارت بنانے کے درجہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار میں آ جاوے اور گنبد بنانا یہ حول القبر یعنی قبر کے اردگرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم عامۃ المسلمین کے لیے قبروں کے لیے ہے۔ تیسرے یہ کہ اس بنانے کی تفسیر خود دوسری حدیث نے کر دی جو مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثْنًا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَى قَوْمِ نِ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسٰجِدَ۔

”اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جاوے اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر عمارت بنا کر اس طرف نماز پڑھنا حرام ہے یہ ہی اس حدیث سے مراد ہے۔ قبروں پر کیا نہ بناؤ۔ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ یا کم از کم اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف سجدہ کیا جاوے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

قَالَ الْبِيْضَاوِي لَمَّا كَانَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى يَسْجُدُوْنَ لِقُبُوْرِالْاَنْبِيَاءِ تَعْظِيْمًا لِشَانِهِمْ وَ يَجْعَلُوْنَهَا قِبْلَةً يَتَوَجَّهُوْنَ فِي الصَّلٰوةِ نَحْوُهَا وَ اتَّخَذُوْهَا اَوْثَانًا لَعَنَهُمْ وَ مَنِعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَنْ مِثْلِ ذٰلِكَ۔

”بیضاوی نے فرمایا کہ جبکہ دو یہود و نصاریٰ پیغمبروں کی قبروں کو تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبور کو انہوں نے بت بنا کر رکھا تھا لہٰذا اس پر حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔“

یہ حدیث معترض کی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہوگئی۔ معلوم ہو گیا کہ قبہ بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہ ممانعت حکم شرعی نہیں بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے جیسے کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ رہنے کے مکانات کو پختہ کرنے سے بھی روکا گیا بلکہ گرا دیئے گئے پانچویں یہ کہ جب بنانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا فائدہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ غلط خیال ہے اور اگر زائرین کی آسائش کے لیے عمارت بنائی جاوے تو جائز ہے۔

ہم نے یہ توجیہیں اس لیے کہیں کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے خاص خاص قبروں پر عمارات بنائی ہیں یہ فعل سنت صحابہ رضی اللہ عنہ ہے چنانچہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور کے گرد عمارت بنائی۔ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی۔

حسن کی بیوی نے اپنے شوہر کی قبر پر قبہ ڈالا جس کو ہم بحوالہ مشکوٰۃ باب البکاء سے نقل کر چکے ہیں۔ زوجہ حسن کے اس فعل کے ماتحت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ باب البکاء میں فرماتے ہیں۔

اَلظَّاھِرُ اَنَّہٗ لِاِ جْتِمَاعِ الْاَحْبَابِ لِلذِّکْرِوَ الْقِرَاَئَۃِوَحُضُوْرِ الْاَصْحٰبِ بِالْمَغْفِرَۃِاَمَّا حَمْلُ فِعْلِھَا عَلَی الْعَبْثِ الْمَکْرُوْہِ فَغَیْرُلَائِقٍ لِصَنِیْعِ اَھْلِ الْبَیْتِ۔

”ظاہر یہ ہے کہ یہ قبہ دوستوں اور صحابہ کے جمع ہونے کے لیے تھا تا کہ ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریں اور دعائے مغفرت کریں لیکن ان بی بی کے اس کام کو محض بے فائدہ بنانا جو کہ مکروہ ہے یہ اہل بیت کی شان کے خلاف ہے۔“

صاف معلوم ہوا کہ بلا فائدہ عمارت بنانا منع اور زائرین کے آرام کے لیے جائز ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی قبر پر قبہ بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر اور حضرت محمد ابن حنیفہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قبر پر قبہ بنایا۔ مصفیٰ شرح موطاء امام مالک میں ابو سلیمان علیہ رحمۃ فرماتے ہیں۔

وَضَرَبَہٗ عُمَرُ عَلٰی قَبْرِ زَیْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَ ضَرَبَتْہُ عَائِشَۃُ عَلٰی قَبْرِ اَخِیْھَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ وَ ضَرَبَہٗ مُحَمَّدُ ابْنِ الْحَنْفِیَۃَ عَلٰی قَبْرِ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَاِنَّمَا کَرِھَہٗ لِمَنْ ضَرَبَہٗ عَلٰی وَجْہِ السُّمْعَۃِ وَ الْمُبَاھَاتِ۔

”حضرت عمر نے زینب جحش کی قبر پر قبہ بنایا حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر قبہ بنایا محمد ابن حنیفہ (ابن حضرت علی) نے ابن عباس کی قبر پر قبہ بنایار اور جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لیے کہا ہے جو کہ اس فخر دریا کے لیے وفبنائے۔“

بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۲۰ میں ہے۔

رُوِیَ اَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمَّا مَاتَ بِالطَّائِفِ صَلّٰے عَلَیْہِ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِیَۃِ وَ جَعَلَ قَبْرَہٗ مُسَنَّمًا وَ ضَرَبَ عَلَیْہِ فُسْطَاطًا۔

”جبکہ طائف میں ابن عباس ذ کا انتقال ہوا تو ان پر محمد ابن حنیفہ نے نماز پڑھی اور ان کی قبر ڈھلوان بنائی اور قبر پر قبہ بنایا۔“

عینی شرح بخاری میں ہے ضَرَبَہٗ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِیَۃِ عَلٰی قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ ان صحابہ کرام نے یہ فعل کئے اور ساری امت روضہ رسول علیہ السلام پر جاتی رہی کسی محدث کسی فقیہ کسی عالم نے اس روضہ پر اعتراض نہ کیا لہٰذا اس حدیث کی وہ ہی توجیہیں کی جاویں جو کہ ہم نے کیں۔ قبر پر بیٹھنے کے معنے ہیں قبر پر چڑھ کر یہ منع ہے نہ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اسی کو تو کہتے ہیں جو قبر کا انتظام رکھے کھولنے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، حضرت عائشہ صدیقہ مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی منتظمہ اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو زیارت کرنی ہوتی تو ان سے ہی کھلوا کر زیارت کرتے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الدفن آج تک روضہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مجاور رہتے ہیں کسی نے ان کو ناجائز نہ کہا۔

اِعتراض نمبر 2

مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے۔

وَعَنْ اَبِی هَیَّاجِ نِ الْاَسَدِیِّ قَالَ قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنْ لَّا تَدَعُ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرَفًا اِلَّا سَوَّیْتَهٗ۔

''ابو ہیاج اسدی سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر مٹادو اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کردو۔''

بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں ہے۔

وَرَاٰی اِبْنُ عُمَرَ فُسْطَاطًا عَلٰی قَبْرِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ فَقَالَ اِنْزَعْهُ یَا غُلَامُ فَاِنَّمَا یُظِلُّهٗ عَمَلُهٗ۔

''ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمٰن کی قبر پر قبہ خیمہ دیکھا پس آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے اسکو علیحدہ کردو کیونکہ ان پر انکے عمل سایہ کررہے ہیں۔''

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا قبر اونچی ہو تو اس کو گرادینا چاہیئے۔

ضروری نوٹ

اس حدیث کو آڑ بنا کر نجدی وہابیوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے مزارات کو گرا کر زمین کے ہموار کردیا۔

جواب

جن قبروں کو گرادینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں نہ کہ مسلمین کی۔ اس کی چند وجہیں ہیں۔ اولاً تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لیے بھیجتا ہوں۔ جس کے لیے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جب قبروں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گرایا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہوسکتیں۔

کیونکہ ہر صحابی رضی اللہ عنہ کے دفن میں حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کوئی کام بھی حضور علیہ السلام کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے۔ لہٰذا اس وقت جس قدر قبور مسلمین بنیں۔ وہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یا آپ کی اجازت سے تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ ناجائز بن گئیں اور ان کو مٹانا پڑا۔ ہاں عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں۔ بخاری شریف صفحہ ۶۱ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر کے بیان میں ہے

اَمَرَ النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلَامُ بِقُبُوْرِ الْمُشْرِكِیْنَ فَنُبِشَتْ۔

''حضور علیہ السلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا پس اکھیڑ دیں گئیں۔''

بخاری شریف جلد اول صفحہ ۶۱ میں ایک باب باندھا باب هَلْ یُنْبَشُ قُبُوْرُ مُشْرِكِیْ الْجَاهِلِیَّةِ کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں اکھیڑ دی جاویں اسی کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۲۶ میں فرماتے ہیں۔

اَیْ دُوْنَ غَیْرِھَا مِنْ قُبُوْرِ الْاَنْبِیَآءِ وَ اَتْبَاعِھِمْ لِمَا فِیْ ذٰلِكَ اِھَانَةٌ لَّھُمْ۔

"یعنی ماسواء انبیا اوران کے متبعین کے کیونکہ ان کی قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وَفِی الْحَدِیْثِ جَوَازُ تَصَرُّفٍ فِی الْمَقْبَرَةِ الْمَمْلُوْكَةِ وَ جَوَازُ نَبْشِ قُبُوْرِ الدَّارِسَةِ اِذَا لَمْ یَكُنْ مُحَرَّمَةً۔

"اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو قبرستان ملک میں آ گیا اس میں تصرف کرنا جائز ہے اور پرانی قبریں اکھاڑ دی جاویں بشرطیکہ محترمہ نہ ہوں۔"

اس حدیث اور اس کی شرح نے مخالف کی پیش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کر دی کہ مشرک کی قبریں گرائی جاویں۔ دوسرے اس لیے کہ اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا ذکر کیوں ہے۔ مسلمانوں کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں کیونکہ ان کی قبروں پر میت کا فوٹو بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اس لیے کہ یہ فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو اور مسلمانوں کی قبر کے لیے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچا رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار تھیں ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو اونچی قبریں اکھڑوائیں اور ان کے فرزند محمد ابن حنیفہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن بھی گئی۔ تب بھی اس کو اکھیڑ نہیں سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے اولاً اونچی نہ بناؤ مگر جب بن جائے تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا سائز چھاپنا منع ہے۔ دیکھو شامی کتاب الکراہیت مگر جب چھپ گیا تو اس کو پھینکو نہ جلاؤ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے احادیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا وہاں پاخانہ کرنا وہاں جوتوں سے چلنا ویسے بھی اس پر چلنا پھرنا منع ہے مگر افسوس کہ نجدی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات گرائے اور معلوم ہوا ہے کہ اب جدہ میں انگریز عیسائیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَقْتُلُوْنَ اَھْلَ الْاِسْلَامِ وَ یَتْرُكُوْنَ اَھْلَ الْاَصْنَامِ ہر ایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے سند لانا محض بے جا ہے وہ تو خود فرما رہے ہیں کہ میت پر اعمال کا سایہ کافی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر میت پر سایہ کرنے کے لیے قبہ بنایا تو جائز ہے عینی شرح بخاری اسی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَھِیَ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ ضَرْبَ الْفُسْطَاطِ لِغَرْضٍ صَحِیْحٍ كَالتَّسَتُّرِ مِنَ الشَّمْسِ مِثْلَ الْاَحْیَآءِ لَا لِاِظْلَالِ الْمَیِّتِ جَازَ۔

"ادھر اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لیے خیمہ لگانا جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لیے نہ کہ میت کو سایہ کرنے کے لیے جائز ہے۔"

اس کا تجربہ خود مجھ کو اس طرح ہوا کہ میں ایک دفعہ دوپہر کے وقت ایک گھنٹہ کے لیے سیالکوٹ گیا۔ بہت شوق تھا کہ ملا عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے حواشی دیکھنے کا اکثر مشغلہ رہا وہاں پہنچا۔ قبر پر کوئی سائبان نہ تھا زمین گرم تھی دھوپ تیز تھی بمشکل تمام چند آیات پڑھ کر فوراً وہاں سے ہٹنا پڑا جذبہ دل دل ہی میں رہ گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات پر عمارات بہت

فائدہ مند ہیں۔ تفسیر روح البیان اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۱۸) ہے کہ بعض مغرور لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آجکل لوگ اولیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں لہٰذا ہم ان قبروں کو گرائیں گے تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ اولیاء اللہ میں کوئی قدرت نہیں ہے ورنہ وہ اپنی قبروں کو گرنے سے بچالیتے۔

فَاعْلَمْ اَنَّ هٰذَا الصَّنِیْعَ كُفْرٌ صَرِیْحٌ مَاخُوْذٌ مِنْ قَوْلِ فِرْعَوْنَ ذَرُوْنِیْ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ۔

”تو جان لو کہ یہ کام خالص کفر ہے فرعون کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ چھوڑ دو مجھ کو میں موسیٰ کو قتل کردوں وہ اپنے خدا کو بلا لے میں خوف کرتا ہوں کہ تمہارا دین بدل دے گا یا زمین میں فساد پھیلا دے گا۔“

مجھ سے ایک بار کسی نے کہا اگر اولیاء اللہ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں کچھ طاقت تھی تو نجدی وہابیوں سے اپنی قبروں کو کیوں نہ بچایا؟ معلوم ہوا کہ یہ محض مردے ہیں پھر ان کی تعظیم و توقیر کیسی؟ میں نے کہا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظّمہ میں تین سو ساٹھ بت تھے اور احادیث میں ہے کہ قریب قیامت ایک شخص کعبہ کو گرادے گا۔ آج لاہور میں مسجد شہید گنج سکھوں کو گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مساجد ہیں جو کہ برباد کردی گئیں تو اگر ہندو کہیں کہ اگر خدا میں طاقت تھی تو اس نے اپنا گھر ہمارے ہاتھوں سے کیوں نہ بچالیا۔ اولیاء اللہ یا ان کے مقابر کی تعظیم ان کی محبوبیت کی وجہ سے کی ہے۔ نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مساجد اور کعبہ معظّمہ کی تعظیم، ابن سعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرادیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال کوہ صفا پر وغیرہ وغیرہ۔

بحث مزارات پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا چراغاں کرنا

اس بحث میں تین مسائل ہیں قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا علمائے اہل سنت کا فرمان ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر مومن کی قبر پر جائز ہے خواہ ولی اللہ ہو یا گنہگار اور چادریں ڈالنا اولیاء اللہ علماء صلحاء کی قبور پر جائز عام مسلمین کی قبور پر ناجائز کیونکہ یہ بے فائدہ ہے قبر پر چراغ جلانا اس میں تفصیل ہے عام مسلمانوں کی قبر پر تو بلاضرورت ناجائز ہے اور ضرورتاً جائز اور اولیاء اللہ کی قبور پر صاحب مزار کی عظمت شان کے اظہار کے لیے بھی جائز ہے ضرورتیں تین ہیں یا تو رات میں مردے کو دفن کرنا ہے روشنی کی ضرورت ہے جائز ہے قبر راستہ کے کنارے پر ہے تو اس پر اس ملیے چراغ جلا دینا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے یا کوئی خبر پا کر فاتحہ پڑھے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں کچھ قرآن وغیرہ دیکھ کر پڑھنا چاہتا ہے روشنی کرے جائز ہے اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو چراغ جلانا فضول خرچی اور اسراف ہے لہٰذا منع۔ مزارات اولیاء اللہ پر اگر ان میں سے کوئی ضرورت بھی نہ ہو تب بھی تعظیم ولی کے لیے جائز ہے خواہ ایک چراغ جلائے یا چند ان تینوں باتوں کا مخالفین انکار کرتے ہیں اس لیے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں ان کا ثبوت اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

بابُ نمبر 1

انکے ثبوت میں

ہم اس سے پہلی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ اور ان کے مزارات شعائر اللہ ہیں اور شعائر اللہ یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآنی حکم ہے وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۲ آیت ۳۲) اس تعظیم میں کوئی قید نہیں ہر ملکے ہر رسے جس ملک میں اور جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مروج ہے وہ کرنا جائز ہے ان کی قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا سب ان کی تعظیم ہے لہٰذا جائز ہے تر پھول میں چونکہ زندگی ہے اس لیے وہ تسبیح وتہلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے زائرین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے لہٰذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے اگر مردے کو عذاب ہو رہا ہے تو اس کی تسبیح کی برکت سے کم ہوگا اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوۃ باب آداب الخلاء فصل اول میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام کا دو قبروں پر گزر ہوا فرمایا کہ دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے ان میں ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔

ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَۃً رُطْبَۃً فَشَقَّہَا نِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَۃٍ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَا صَنَعْتَ ھٰذَا فَقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْہُمَا مَا لَمْ یَیْبِسَا۔

”لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا جب تک یہ خشک نہ ہوں اس کے عذاب میں کمی رہے گی۔“

اس کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں:

وَقِیْلَ اِنَّہُمَا یُسَبِّحٰنِ مَادَامَ رُطْبَتَیْنِ وَ اسْتَحَبَّ الْعُلَمَآءُ قِرْءَ ۃَ الْقُرْاٰنِ عِنْدَ الْقَبْرِ لِھٰذَا الْحَدِیْثِ اِذْ تِلَاوَتُ الْقُرْاٰنِ اَوْلٰی بِالتَّخْفِیْفِ مِنْ تَسْبِیْحِ الْجَرِیْدِ۔

”کہا گیا ہے کہ اس لیے عذاب کم ہوگا کہ جب تک تر رہے گی تسبیح پڑھیں گی اس حدیث سے علما نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو مستحب فرمایا۔ کیونکہ تلاوت قرآن شاخ کی تسبیح سے زیادہ اس کی حقدار ہے کہ اس سے عذاب کم ہو۔“

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے تمسک کنند جماعت بہ ایں حدیث در انداختن سبزہ وگل ریحان برقبور۔ اس حدیث سے ایک جماعت دلیل پکڑتی ہے قبروں پر سبزی پھول اور خوشبو ڈالنے کے جواز میں۔ مرقات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے وَمِنْ ثَمَّ اَفْتٰی بَعْضُ الْاَئِمَّۃِ مِنْ مُتَاخِرِیْ اَصْحَابِنَا بِاَنَّ مَااعْتِیْدَ مِنْ وَّضْعِ الرَّیْحَانِ وَ الْجَرِیْدَ سُنَّۃٌ لِھٰذَا الْحَدِیْثِ وَ قَدْذَکَرَالْبُخَارِیُّ اَنْ یُّرِیْدَ الْخَضِیْبُ الصَّحَابِیْ اَوْصٰی اَنْ یُّجْعَلَ فِیْ قَبْرِہٖ جَرِیْدَ تَانِ معلوم ہوا کہ مزاروں پر تر پھول ڈالنا سنت ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۶۴ میں ہے۔

قَدْ اَفْتٰی بَعْضَ الْاَئِمَۃِ مِنْ مُتَاخِرِیْ اَصْحَابِنَا بِاَنَّ مَا اعْتِیْدَ مِنْ وَضَعِ الرَّیْحَانِ وَالْجَرِیْدِ سُنَّۃٌ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ

”ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول چڑھانے کی جو عادت ہے وہ سنت

ہے۔"

ان عبارتوں میں جو فرمایا کہ بعض نے فتویٰ دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے سنت مانا ہے جائز تو سب ہی کہتے ہیں سنت ہونے میں اختلاف ہے عالمگیری کتاب الکراہت جلد پنجم باب زیارت القبور میں ہے وَضْعُ الْوُرُوْدِ وَالرِّیَاحِیْنَ عَلَی الْقُبُوْرِ حَسَنٌ قبروں پر پھول اور خوشبو رکھنا اچھا ہے۔ شامی جلد اول بحث زیارت القبور میں ہے۔

وَ یُؤْخَذُ مِنْ ذٰلِكَ وَ مِنَ الْحَدِیْثِ نُدُبُ وَضْعِ ذٰلِكَ لِلْاِتْبَاعِ وَ یُقَاسُ عَلَیْهِ مَا اعْتِیْدَ فِیْ زَمَانِنَا مِنْ وَّضْعِ اَغْصَانِ الْاٰسِ وَ نَحْوِهٖ

"اس سے بھی اور حدیث سے بھی ان چیزوں کے قبروں پر رکھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قبروں پر آس کی شاخیں وغیرہ چڑھانے کو بھی قیاس کیا جاوے گا جس کا ہمارے زمانہ میں رواج ہے۔"

شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَ تَعْلِیْلُهٗ بِالتَّخْفِیْفِ عَنْهُمَا مَا لَمْ یَیْبِسَا اَیْ یُخَفَّفُ عَنْهُمَا بِبَرْکَةِ تَسْبِیْحِهَا اِذْهُوَا اَکْمَلُ مِنْ تَسْبِیْحِ الْیَابِسِ لِمَّا فِی الْاَخْضَرِ نَوْعُ حَیَاةٍ۔

"کمی عذاب کی علت ہے انکا خشک نہ ہونا یعنی ان کی تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں کمی ہوگی کیونکہ ہری شاخ کی تسبیح خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے کیونکہ اس میں ایک قسم کی زندگی ہے۔"

اس حدیث اور محدثین وفقہاء کی عبارات سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ ہر سبز چیز کا رکھنا ہر مسلمان کی قبر پر جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان قبروں پر شاخیں رکھیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور دوسرے یہ کہ عذاب کی کمی سبزے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے اگر محض دعا کی کمی ہوتی تو حدیث میں خشک ہونے کی کیوں قید لگائی جاتی؟ لہٰذا اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی انشاء اللہ میت کو فائدہ ہوگا۔ بلکہ عام مسلمانوں کی قبروں کو کچا رکھنے میں یہی مصلحت ہے کہ بارش میں اس پر سبز گھاس جمے اور اس کی تسبیح سے میت کے عذاب میں کمی ہو۔ ثابت ہوا کہ پھول وغیرہ ہر چیز قبر مومن پر جائز ہے مولوی اشرف علی صاحب نے اصلاح الرسوم میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسقوں، فاجروں کی قبروں پر ڈالنا چاہیئے۔ نہ کہ قبور اولیاء پر ان کے مزارات میں عذاب ہے ہی نہیں جس کی پھول وغیرہ سے تخفیف کی جائے مگر خیال رہے کہ جو اعمال گناہگار کے لیے دفع مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لیے بلندی درجات کا فائدہ دیتے ہیں دیکھو مسجد کی طرف چلنا ہمارے گناہ معاف کراتا ہے مگر صالحین کے درجات بڑھاتا ہے ایسے ہی بعض دعائیں مجرموں کے گناہوں کو مٹاتی ہیں اور صالحین کے مراتب بڑھاتی ہیں اس قاعدہ سے لازم آتا ہے کہ صالحین نہ مسجد میں آئیں نہ استغفار پڑھیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ جناب ان پھولوں کی تسبیح سے ان قبروں میں رحمت الٰہی اور بھی زیادہ ہوگی جیسے وہاں تلاوت قرآن سے۔

(۲) اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عام زائرین کی نگاہ میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے شامی جلد ۵ کتاب الکراہیت باب اللبس میں ہے۔

قَالَ فِیْ فَتَاوٰی الْحُجَّةِ وَ تُکْرَہُ السُّتُوْرُ عَلَی الْقُبُوْرِ وَلٰکِنْ نَحْنُ نَقُوْلُ الْاٰنَ اِذَا قُصِدَ بِهٖ التَّعْظِیْمُ فِیْ عُیُوْنِ الْعَامَّةِ لَا یَحْتَقِرُوْا اصَاحِبَ الْقَبْرِ بَلْ جَلْبُ الْخُشُوْعِ وَ الْاَدَبِ لِلْغٰفِلِیْنَ وَ الزَّائِرِیْنَ فَهُوَ جَائِزٌ لِاَنَّ الْاَعْمَالَ بِالنِّیَّاتِ۔

”یعنی فتاویٰ حجۃ میں ہے کہ قبروں پر غلاف پردے مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحب قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب اور خشوع حاصل ہو تو جائز ہے کیونکہ عمل نیت سے ہے۔“

شامی کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ جو جائز کام اولیاء اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ہو۔ وہ جائز ہے اور چادر کی اصل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر غلاف تھا۔ اس کو منع نہ فرمایا۔ صدیوں سے حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر غلاف سبز ریشمی چڑھا ہوا ہے جو نہایت قیمتی ہے آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اس پر بھی غلاف چڑھا ہوا ہے اور عمارت بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی شان کہ نجدی وہابیوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ ان پر غلاف کیوں چڑھائے؟ ان چیزوں کی عظمت کے لئے احترام اولیاء کے لئے ان قبور پر بھی غلاف وغیرہ ڈالنا مستحب ہے۔ تفسیر روح البیان اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۱۸) ہے۔

فَبِنَاءُ الْقُبَّاتِ عَلٰی قُبُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ وَ الصُّلَحَاءِ وَوَضْعِ السُّتُوْرِ وَالْعَمَائِمِ وَالثِّیَابِ عَلٰی قُبُوْرِهِمْ اَمْرٌ جَائِزٌ اِذَا کَانَ الْقَصْدُ بِذَا التَّعْظِیْمِ فِیْ اَعْیُنِ الْعَامَّةِ حَتّٰی لَا یَحْتَقِرُوْا اصَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ۔

”علماء اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلاف اور عمامہ اور کپڑے چڑھانا جائز کام ہیں جبکہ اس سے مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان کہ عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔“

(۳) عام مسلمانوں کی قبر پر ضرورۃً اولیاء اللہ کی مزارات پر اظہار عظمت کے لئے چراغ روشن کرنا جائز ہے چنانچہ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مصری جلد دوم صفحہ ۴۲۹ میں ہے۔

اِخْرَاجُ الشُّمُوْعِ اِلَی الْقُبُوْرِ بِدْعَةٌ وَاِتْلَافُ مَالٍ کَذَا فِی الْبَزَّازِیَّةِ وَهٰذَا کُلُّهٗ اِذَا خَلَا عَنْ فَائِدَةٍ وَ اَمَّا اِذَا کَانَ مَوْضِعُ الْقُبُوْرِ مَسْجِدًا اَوْ عَلٰی طَرِیْقٍ اَوْ کَانَ هُنَاكَ اَحَدٌ جَالِسًا اَوْ کَانَ قَبْرُ وَلِیٍّ مِّنَ الْاَوْلِیَاءِ اَوْ عَالِمٍ مِّنَ الْمُحَقِّقِیْنَ تَعْظِیْمًا لِرُوْحِهٖ اِعْلَامًا لِّلنَّاسِ اَنَّهٗ وَلِیٌّ لِیَتَبَرَّکُوْا بِهٖ وَیَدْعُوا اللّٰهَ تَعَالٰی عِنْدَهٗ فَیُسْتَجَابَ لَهُمْ فَهُوَ اَمْرٌ جَائِزٌ۔

”قبروں پر چراغ لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح بزازیہ میں ہے تمام حکم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کہ جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا کسی محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کو تعظیم کرنے اور لوگوں کو بتانے کے لئے کہ یہ ولی کی قبر ہے تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کر لیں اور وہاں اللہ سے دعائیں کر لیں تو چراغ

جلانا جائز ہے۔"

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ میں ہے۔

وَكَذَا اِيْقَادُ الْقَنَادِيْلِ وَالشَّمْعِ عِنْدَ قُبُوْرِ الْاَوْلِيَآءِ وَالصُّلَحَآءِ وَالْاِجْلَالُ لِلْاَوْلِيَاءِ فَالْمَقْصَدُ فِيْهَا مَقْصَدٌ حَسَنٌ وَنَذْرُ الزَّيْتِ وَالشَّمَعِ لِلْاَوْلِيَآءِ يُوْقَدُ عِنْدَ قُبُوْرِهِمْ تَعْظِيْمًا لَّهُمْ وَمُحَبَّةً فِيْهِمْ جَائِزٌ لَا يَنْبَغِيْ النَّهْىُ عَنْهُ۔

"اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قندیل اور موم بتیاں جلانا انکی عظمت کے لئے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے لہٰذا جائز ہے اور اولیاء کے لئے تیل اور موم بتی کی نذر ماننا تا کہ ان کی عزت کے لئے ان کی قبور کے پاس جلائی جاویں جائز ہے۔ اس سے منع نہ کرنا چاہیئے۔"

علامہ نابلسی علیہ الرحمتہ نے اپنے رسالہ کشف النور عن اصحاب القبور میں بھی بالکل یہ ہی مضمون تحریر فرمایا اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ یہ امور جائز ہوں جیسا کہ ہم گنبد کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ ان مزارات اولیاء اللہ کی رونق سے اسلام کی رونق ہے عالم واعظ کو چاہیئے اچھا لباس پہنے عید کے دن سنت ہے کہ ہر مسلمان عمدہ لباس پہنے اور خوشبو وغیرہ لگائے کیوں؟ اس لئے کہ اس سے لوگ ملنا گوارا کریں معلوم ہوا کہ جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو اس کو اچھی طرح رہنا چاہیئے۔ اور مزارات اولیاء تو زیارت گاہ خلائق ہیں ان پر اہتمام وغیرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ میں نجدی وہابیوں کی حکومت میں حج کو گیا وہاں جا کر دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گرد گول دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی قمقمے جلتے تھے اور حطیم شریف کی دیوار پر بھی روشنی تھی۔ خاص دروازۂ کعبہ پر شمع کافوری چار چار جلائی جاتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ حاضری نصیب ہوئی تو یہاں روضہ رسول علیہ السلام پر کعبہ معظمہ سے کہیں بڑھ کر روشنی پائی۔ یہاں کے بلب تیز اور زیادہ تھے اور بہت رونق تھی ایک صاحب نے کہا کہ کعبہ بیت اللہ ہے اور حضور علیہ السلام نور اللہ اور ظاہر ہے کہ گھر میں روشنی نور ہی کی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ زمانہ ترکی میں اس سے کہیں زیادہ روشنی ہوتی تھی۔ یہ تمام اہتمام کیوں ہیں؟ لوگوں کی نگاہ میں عظمت پیدا کرنے کے لئے تو مقابر اولیاء پر بھی تو وہاں ہی کی تجلی ہے۔ پھر اگر یہاں روشنی کا اہتمام ہو تو کیا برائی ہے؟ آج ہم اپنے گھر میں شادی بیاہ کے موقعہ پر چراغاں کرتے ہیں یا بجائے چراغ یا لالٹین کے گیس جلاتے ہیں۔ جس میں تیل بہت خرچ ہوتا ہے مدراس کے جلسوں میں بیسیوں روپیہ روشنی پر خرچ ہو جاتا ہے۔ ابھی چند سال گزرے کہ مراد آباد میں دیوبندیوں نے جمعیتہ العلماء کا جلسہ کیا۔ جس میں برقی روشنی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ میرے خیال میں تین شب میں کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ محض روشنی پر خرچ ہوا ہوگا یہ محض مجمع کو خوش کرنے کے لئے تھا اسی طرح دینی جلسوں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ واعظین کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں نہ یہ اسراف ہے اور نہ حرام یہ مجالس عرس دینی جلسے ہیں ان میں بھی یہ امور جائز ہیں۔

باب نمبر 2

اس پر اعتراضات و جوابات میں

ان تین مسائل پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں جن کو وہ مختلف طرح بیان کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر 1

حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَامُرْنَا اَنْ نَکْسُوَالْحِجَارَۃَ وَالطِّیْنَ رب نے ہمیں حکم نہ دیا کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں (مشکوٰۃ باب التصاویر) اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا غلاف ڈالنا حرام ہے کہ وہاں بھی پتھر مٹی ہی ہے۔

جواب

اس سے مکانات کی دیواروں پر بلاضرورت تکلفاً پردے ڈالنا مراد ہیں اور یہ بھی تقویٰ اور زہد کا بیان ہے یعنی مکانات کی زینت خلاف زہد ہے اسی حدیث میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے دیوار پر غلاف ڈالا تھا۔

اسے پھاڑ کر یہ فرمایا قبور اولیاء کی چادر کو اس سے کوئی تعلق نہیں کعبہ معظمہ پر قیمتی سیاہ غلاف ہے اور روضہ رسول اللہ ﷺ پر سبز اور غلاف کعبہ زمانہ نبوی میں تھا۔ بتاؤ وہ جائز تو قبور کی چادر بھی جائز ہے۔

اعتراض نمبر 2

قبروں پر پھول یا چادر ڈالنا روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچ ہے لہٰذا منع ہے اولیاء اللہ کی قبروں پر بہت سے پھول اور چراغ ہوتے ہیں۔ ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک پھول یا ایک چراغ بھی کافی ہے۔

جواب

اسراف کے معنی ہیں بے فائدہ مال خرچ کرنا۔ چونکہ ان پھولوں اور چراغوں اور چادروں میں وہ فوائد ہیں جو کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں لہٰذا یہ اسراف نہیں رہا۔ رہا کام چلنے کا عذر اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم کرتہ اس پر واسکٹ اس پر اچکن پہنتے ہیں۔ پھر وہ بھی قیمتی کپڑے کی حالانکہ کام تو صرف ایک کرتے میں بھی چل سکتا ہے اور معمولی کپڑا کفایت کرسکتا ہے۔ بتاؤ یہ اسراف ہوا یا نہیں۔ اسی طرح عمارت اور لذیذ خوراک، سواریاں اور دیگر دنیاوی آرائشی سامان کہ ان سب میں خوب وسعت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے کم اور ان سے ادنیٰ چیزوں سے بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن اسراف نہیں جس کو شریعت نے حلال کیا وہ مطلقاً ہی حلال ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ لِلنَّاسِ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۳۲)

اعتراض نمبر 3

مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسْجِدَ وَالسُّرُجَ۔

’’یعنی حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبور پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ قبور پر چراغ جلانا لعنت کا سبب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اِخْرَاجُ الشُّمُوْعِ اِلَى الْمَقَابِرِ بِدْعَةٌ لَا اَصْلَ لَہٗ‘‘۔ اسی طرح فتاویٰ بزازیہ میں بھی ہے۔ یعنی قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ شامی جلد دوم کتاب الصوم میں ہے۔

اَمَّا لَوْ نَذَرَ زَيْتًا لِاِيْقَادِ قِنْدِيْلٍ فَوْقَ ضَرِيْحِ الشَّيْخِ اَوْفِي الْمَنَارَةِ كَمَا تَفْعَلُ النِّسَآءُ مِنْ نَذْرِ الزَّيْتِ لِسَيِّدِيْ عَبْدِ الْقَادِرِ وَيُوْقَدُ فِي الْمَنَارَةِ جِهَةَ الشَّرْقِ فَهُوَ بَاطِلٌ۔

’’لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا مینارہ میں چراغ جلانے کے لئے تیل کی نذر مانی جیسی کہ عورتیں حضور غوث پاک کے لئے تیل کی نذر مانتی ہیں اور اس کو مشرقی مینارہ میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے۔‘‘

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ارشاد الطالبین میں لکھا۔ ’’کہ چراغاں کردن بدعت است پیغمبر خدا بر شمع افروزاں نزد قبر وسجدہ کنندگان لعنت گفتہ۔ چراغاں کرنا بدعت ہے حضور علیہ السلام نے قبر کے پاس چراغاں کرنے اور سجدہ کرنیوالوں پر لعنت فرمائی شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں صفحہ ۱۴۱ پر ہے۔ داما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغہا وملبوس ساختن قبور بدعت شنیعہ اند۔‘‘ لیکن عرسوں میں حرام کام کرنا جیسے کہ چراغاں کرنا ان قبروں کو غلاف پہنانا یہ سب بدعت سیئہ ہیں۔

ان عبارات سے صاف معلوم ہوا کہ چراغاں بر مزارات محض حرام ہے۔ رہا یہ کہ حرمین شریفین میں چراغاں ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی حجت نہیں کیونکہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہوا جسکا اعتبار نہیں ترکی سلطنت نے ایجاد کیا ہے۔

جوابؔ

یہ اعتراض حقیقت میں چھ اعتراضوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان ہی کے بل بوتے پر مخالفین بہت شور مچاتے ہیں۔ جوابات ملاحظہ ہوں۔ ہم اس بحث کے پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی قبر پر بے فائدہ چراغ جلانا منع ہے یہ فضول خرچی ہے اور اگر کسی فائدے سے ہو تو جائز ہے فوائد کل چار بیان کئے۔ تین تو عام مومنین کی قبروں کے لئے اور چوتھا یعنی تعظیم روح ولی مشائخ وعلماء کی قبور کے لئے۔ اس حدیث میں جو قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے وہ اسی کی ہے جو کہ بیفائدہ ہو۔ چنانچہ حاشیہ مشکوۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

وَالنَّهْيُ عَنْ اِتِّخَاذِ السُّرُجِ لِمَا فِيْهِ مِنْ تَضْيِيْعِ الْمَالِ۔

’’قبروں پر چراغ جلانے سے اسلئے ممانعت ہے کہ اس میں مال برباد کرنا ہے۔‘‘

اسی طرح مرقاۃ شرح مشکوۃ وغیرہ نے تصریح فرمائی۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۴۲۹ مصری میں اسی حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

اَیْ الَّذِیْنَ یُوْقِدُوْنَ السُّرُجَ عَلَی الْقُبُوْرِ عَبَثًا مِنْ غَیْرِ فَائِدَۃٍ۔

"ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں پر بے فائدہ عبث چراغ جلاتے ہیں۔"

مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ لَیْلًا فَاُسْرِجَ لَہٗ بِسِرَاجٍ۔

"نبی کریم ایک شب دفن میت کیلئے قبرستان میں تشریف لے گئے تو آپ کے لئے چراغ جلایا گیا۔"

دوم یہ کہ حدیث میں ہے۔ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسْجِدَ وَالسُّرُجَ حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی جو قبروں پر مسجدیں بنائیں اور چراغ جلائیں۔ ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ودیگر شارحین اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خود قبر پر مسجد بنانا کہ قبر کی طرف سجدہ ہو یا قبر فرض مسجد میں آجائے یہ منع ہے لیکن اگر قبر کے پاس مسجد ہو برکت کیلئے تو جائز ہے یعنی اس جگہ انہوں نے اعلیٰ کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا۔ جس سے لازم آیا کہ خود تعویذ قبر پر چراغ جلانا منع ہے۔ لیکن اگر قبر کے اردگرد ہو تو وہ قبر پر نہیں۔ لہٰذا جائز ہے جیسے کہ ہم گنبد کی بحث میں لکھ چکے ہیں۔ نیز حدیقہ ندیہ میں علامہ نابلسی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ اَلْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا اَیْ عَلَی الْقُبُوْرِ یَعْنِیْ فَوْقَھَا یعنی خاص قبروں کے اوپر اور وجہ اسکی یہ ہے کہ چراغ آگ ہے اور آگ کا قبر پر رکھنا برا ہے اسی لئے خاص قبر میں لکڑی کے تختے لگانے کو فقہاء منع فرماتے ہیں کہ اس میں آگ کا اثر ہے لیکن اگر لکڑی قبر کے پاس پڑی ہو وہ منع نہیں تو چراغ کے ممانعت ہونیکی وجہ سے ہے نہ کہ تعظیم قبر کے لئے نیز یہاں ایک ہی علیٰ اور ذکر ہے مسجد کا اور چراغ کا۔ مسجد کیلئے تو آپ علیٰ کے حقیقی معنی مراد لیں یعنی خاص قبر کے اوپر اور چراغ کیلئے مجازی یعنی قبر کے قریب۔ تو حقیقت اور مجاز کا اجتماع لازم ہوگا اور یہ منع ہے لہٰذا دونوں جگہ علیٰ کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں۔ مرقات میں ملا علی قاری اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰہِ مَسَاجِدَ اللّٰہِ۔

"اوپر کی قید لگائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر کے برابر مسجد بنانے میں حرج نہیں۔"

لفظ علیٰ سے ثابت کیا کہ قبر کے برابر مسجد جائز۔ اسی طرح لفظ علیٰ سے یہ بھی نکلا کہ قبر کے برابر چراغ جائز تیسرے یہ کہ ہم گنبد کی بحث میں شامی اور دیگر کتب کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ بہت سی باتیں زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں منع تھیں مگر اب مستحب۔ روح البیان میں اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۱۸) ہے۔

وَفِی الْاِحْیَاءِ اَکْثَرُ مَعْرُوْفَاتِ ھٰذِہِ الْاٰثَارِ مُنْکَرَاتٌ فِیْ عَصْرِ الصَّحَابَۃِ

"یعنی احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس زمانہ کے بہت سے مستحبات صحابہ کرام ذ کے زمانہ میں ناجائز تھے۔"

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ماعلی الولاۃ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ کوئی مسلمان حاکم خچر پر سوار نہ ہو اور چپاتی روٹی نہ کھائے اور باریک کپڑا نہ پہنے اور اپنے دروازہ کو اہل حاجت سے بند نہ کرے اور فرماتے ہیں۔

فَاِنْ فَعَلْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمُ الْعُقُوْبَةُ۔

''اگر تم نے ان میں سے کچھ بھی کیا تو تمکو سزا دی جاوے گی۔''

اسی مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے مَااُمِرْتُ بِتَشْبِيْدِ الْمَسٰجِدِ مجھ کو مسجدیں اونچی بنانے کا حکم نہ دیا گیا۔ اسکے حاشیہ میں ہے۔ اَیْ بِاِعْلَاءِ بِنَاءِ هَاوَتَزْيِيْنِهَا یعنی مسجدیں اونچی بنانے اور ان کو آراستہ کرنیکا حکم نہیں۔ اسی مشکوٰۃ میں ہے۔

لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ۔

''عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔''

قرآن میں زکوۃ کے مصرف آٹھ ہیں یعنی مولفتہ القلوب بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن عہد فاروقی سے صرف سات مصرف رہ گئے۔ مولفتہ القلوب کو علیحدہ کر دیا گیا۔ (دیکھو ہدایہ وغیرہ) کہئے اب بھی ان پر عمل ہے؟ اب حکام اگر معمولی حالت میں رہیں۔ ان کا رعایا پر رعب نہیں ہو سکتا اگر کفار کے مکانات اور ان کے مندر تو اونچے ہوں مگر اللہ کا گھر مسجد نیچی اور کچی اور معمولی ہو تو اس میں اسلام کی توہین ہے اگر عورتیں مسجد میں جاویں تو صدہا خطرات ہیں کسی کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ یہ احکام کیوں بدلے؟ اس لئے کہ انکی علتیں بدل گئیں۔ اس وقت بغیر ظاہری زیب و زینت کے مسلمانوں کے دلوں میں اولیاء اللہ اور مقابر کی عزت و حرمت تھی۔ لہٰذا زندگی موت ہر کام میں سادگی تھی اب دنیا کہ آنکھیں ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھتی ہیں لہٰذا اس کو جائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ پہلے حکم تھا کہ مزارات پر روشنی نہ کرو۔ اب جائز قرار پایا۔ تفسیر البیان میں زیر آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۱۸) ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے مینارہ پر ایسی روشنی کی تھی کہ بارہ میل مروع میں عورتیں اس کی روشنی میں چرخہ کاتتی تھیں اور بہت ہی سونے چاندی سے اس کو آراستہ کیا تھا۔ عالمگیری کی عبارت غلط کی اصل عبارت یہ ہے

اِخْرَاجُ الشُّمُوْعِ اِلَى رَاسِ الْقُبُوْرِ فِي اللَّيَالِي الْاُوَّلِ بِدْعَةٌ۔

''شروع راتوں میں قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔''

اس میں دو کلمے قابل غور ہیں ایک تو خراج دوسرے فی اللیالی الاول۔ ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے نئے مردوں کی قبروں پر چراغ لے جا کر جلا آتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ اس سے مردہ قبر میں نہ گھبرائے گا۔ جیسا کہ آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مُردے کی جگہ چراغ جلاتی ہیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ روزانہ مردے کی روح آتی ہے اور اندھیرا پاکر لوٹ جاتی ہے لہٰذا روشنی کر دو یہ حرام ہے کیونکہ تیل بلاضرورت خرچ ہے اور بدعقیدگی بھی ہے اسی کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ عرس کے چراغات نہ تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ شروع راتوں میں اگر یہ مطلب نہ ہو تو شروع راتوں کی قید کیوں ہے؟ شامی کی عبارت تو بالکل صاف ہے وہ بھی عرس کے چراغوں کو منع نہیں کر رہے ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ چراغ جلانیکی نذر ماننا جس میں اولیاء اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو وہ حرام ہے کیونکہ شامی کی عبارت اور درمختار کی اس عبارت کے ماتحت ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ النَّذْرَ الَّذِیْ يَقَعُ لِلْاَمْوَاتِ مِنْ اَكْثَرِ الْعَوَامِ وَمَايُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا اِلَى

ضَرَائِحِ الْاَوْلِيَاءِ تَقَرُّبًا اِلَيْهِمْ بِالْاِجْمَاعِ بَاطِلٌ۔

”جاننا چاہئیے کہ عوام جو مردوں کی نذریں مانتے ہیں اور ان سے جو پیسہ یا موم یا تیل وغیرہ قبروں پر جلانے کے لئے لیا جاتا ہے اور اولیاء سے قرب حاصل کرنے کے لئے وہ بالاجماع باطل ہے۔“

اور خود شامی کی عبارت بھی ہے۔ لو نذر اگر اسکی منت مانی۔ پھر شامی کی عبارت میں ہے فَوْقَ ضَرِيْحِ الشَّيْخِ شیخ کی قبر کے اوپر چراغ جلانا، ضریح کہتے ہیں خالص تعویذ قبر کو منتخب اللغات میں ہے۔ ”ضریح گور یا مغاکے کہ درمیان گور سازند اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ خود قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا منع ہے۔ اسی طرح اگر قبر تو نہ ہو یوں ہی کسی بزرگ کے نام پر چراغ کسی جگہ رکھ کر جلادے جیسے کہ بعض جہلاء بعض درختوں یا بعض طاق میں کسی کے نام کے رکھ کر جلادے یہ بھی حرام ہے اسکو فرما رہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چراغ کسی مشرقی منارہ میں جلانا باطل ہے۔ غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے۔ اور ان کے چراغ جلے شام کے منارہ میں یہ بھی منع ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شامی نے تین چیزوں کو منع فرمایا۔ چراغ جلانے کی منت ماننا وہ بھی ولی اللہ کی قربت حاصل کرنیکی نیت سے۔ خاص قبر پر چراغ جلانا، بغیر قبر کسی کے نام کے چراغ جلانا۔ عرس کے چراغوں میں یہ تینوں باتیں نہیں۔

مَسْئَلَہ

بعض جہلاء کسی درخت یا کسی جگہ کی یہ سمجھ کر زیارت کرتے اور وہاں چراغاں کرتے ہیں کہ وہاں فلاں بزرگ کا چلہ ہے یعنی وہاں وہ آیا کرتے ہیں یہ محض باطل ہے ہاں اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھے ہوں یا وہاں انہوں نے عبادت کی ہو تو وہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ متبرک ہے جائز بلکہ سنت ہے۔ بخاری جلد اول کتاب الصلوٰۃ بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا بَابُ الْمَسٰجِدِ الَّتِيْ طَرِيْقُ الْمَدِيْنَةِ اس میں بیان فرمایا کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ راستہ میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے ہیں جہاں کہ حضور علیہ السلام نے کبھی نماز پڑھی تھی حتی کہ بعض جگہ مسجدیں بنادی گئی تھیں۔ مگر وہ غلطی سے کچھ علیحدہ بن گئیں تو سیدنا ابن عمر اس مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ وہاں ہی پڑھتے تھے جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی۔ فَلَمْ يَكُنْ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ فِيْ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ كَانَ يَتْرُكُهٗ عَنْ يَّسَارِهٖ یہ کیا تھا محض برکت حاصل کرنا آج بھی بعض حاجی غار حرا میں جہاں حضور علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی نمازیں پڑھتے ہیں۔ لہٰذا خواجہ اجمیری وغیرہ رحمہم اللہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنی' ان کی زیارت کرنی۔ ان کو متبرک سمجھنا سنت صحابہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

مَسْئَلَہ

اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں۔ نذر لغوی ہے۔ جس کے معنی ہیں نذرانہ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے اور فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے اسی لئے فرماتے ہیں تَقَرُّبًا اِلَيْهِمْ نذر شرعی عبادت ہے وہ غیر اللہ کے لئے ماننا یقیناً کفر ہے کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرا مریض اچھا ہو گیا تو آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدا ہیں اس بیمار کے اچھے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کرونگا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے میں پلاؤ کا صدقہ کرونگا۔ اللہ کے لئے اس پر جو ثواب ملے گا۔ آپکو بخشوں گا جیسے کوئی شخص کسی طبیب سے کہے کہ اگر بیمار اچھا ہو گیا۔ تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کروں گا اس میں کیا گناہ ہے اسی کو شامی نے کتاب الصوم بحث اموات میں اس

طرح بیان فرمایا۔

بِاَنْ تَكُوْنَ صِيغَةُ النَّذْرِ لِلّٰهِ تَعَالٰى لِلتَّقَرُّبِ اِلَيْهِ وَيَكُوْنَ ذِكْرُ الشَّيْخِ مُرَادًابِهٖ فُقَرَاءُهٗ۔

''صیغہ نذر کا اللہ کی عبادت کے لئے ہو اور شیخ کی قبر پر رہنے والے فقراء اس کا مصرف ہوں۔''

یہ محض جائز ہے تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لئے اس کے ثواب کا ہدیہ روح شیخ کے لئے اس صدقہ کا مصرف مزار بزرگ کے خدام فقراء جیسے کہ حضرت مریم عَلَیْہَا السَّلَام کی والدہ نے مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے لئے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور مصرف بیت المقدس کا اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَافِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۵) دیکھو غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی ﷺ نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں۔ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ۔ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ (پارہ ۳۰ سورۃ ۹۵ آیت ۱، ۲) وغیرہ اور حضور عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا اَفْلَحَ وَاَبِیْهِ اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہوگیا۔ مطلب یہ ہی ہے کہ شرعی قسم جس پر احکام قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جاوے۔ مگر لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لئے ہو وہ جائز یہ ہی نذر کا حال ہے ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں چراغ کے لئے تیل بھیجوں گا۔ حضور عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔ مشکوٰۃ باب النذور میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بوانہ مقام میں اونٹ ذبح کروں گا۔ تو فرمایا گیا کہ اگر کوئی وہاں بت وغیرہ نہ ہو تو نذر پوری کرو۔ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھ لو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ وخیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جماعت فقراء کی قید لگا دینا جائز ہے اسی طرح یہ بھی ہے فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحت صفحہ ۵۴ میں ہے اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے جو نذر بمعنی تقریب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔'' (رشید احمد)

مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور عَلَیْہِ السَّلَام جنگ احد سے بخیریت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی یہ نذر بھی عرفی تھی نہ کہ شرعی یعنی حضور کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ۔ غرضکہ لفظ نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی سے نذر بزرگان دین کے لئے جائز ہے بمعنی نذرانہ جیسے طواف کے دو معنی ہیں لغوی بمعنی آس پاس گھومنا اور شرعی رب تعالیٰ فرماتا ہے وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۲ آیت ۲۹) پرانے گھر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنی میں ہے اور فرماتا ہے يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۴۴) یہاں طواف بمعنی لغوی ہے آنا جانا گھومنا۔

(۴) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وقاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہما اللہ بے شک بزرگ ہستیاں ہیں۔ لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تاکہ کراہت تحریمی وحرمت فقط ان کے قول سے ثابت ہو۔ اس کیلئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے ایک عالم کے قول سے استحباب با جواز ثابت ہوسکتا ہے۔ مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کو علماء مستحب جانیں، مگر کراہت وحرمت میں خاص دلیل کی ضرورت ہے نیز شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر روح البیان اور صاحب حدیقہ ندیہ چراغاں کو جائز بلکہ مستحب فرماتے ہیں یقیناً ان کا قول زیادہ لائق قبول ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز وقاضی صاحبان علیہما الرحمتہ والرضوان کے قول پر لازم ہے کہ حرمین شریفین خصوصاً روضہ مطہرہ سرور عالم ﷺ بدعتوں اور حرام کاموں کا مرکز ہے۔ کیونکہ وہاں غلاف بھی چڑھتے ہیں اور چراغاں بھی ہے اور آج تک کسی عالم یا فقیہہ نے اس پر انکار نہ کیا تو وہ

تمام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوئے۔ ان دو صاحبوں کا وہ فتویٰ کس طرح مانا جائے۔ جس میں یہ سخت قباحت لازم آوے۔ شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذور میں فرماتے ہیں کہ نذر یکہ ایں جا مستعمل میشود بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان می برند نذرو نیاز گویند۔

(۵) حرمین شریفین کے علماء کا کسی شئی کو اچھا سمجھنا بیشک اس کے استحباب کی دلیل ہے یہ زمین پاک وہ ہے کہ جہاں کبھی بھی شرک نہیں ہوسکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان مایوس ہو چکا کہ اہل عرب اس کی پرستش کریں اور مدینہ پاک کی زمین اسلام کی جائے پناہ اور کفار و مشرکین سے محفوظ رہنے والی ہے۔ مشکوۃ باب حرم المدینہ میں ہے کہ مدینہ پاک برے لوگوں کو اس طرح نکال پھینکتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو خواہ فوراً نکالے یا کچھ عرصہ بعد یا کہ بعد موت۔ جذب القلوب میں حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ ’’ مراد نفی وابعاد اہل شر و فساد است از ساخت عزت ایں بلدہ طیبہ و خاصیت مذکورہ دردے در جمیع زمان ہویدا است‘‘ اس سے مراد یہ ہے کہ مدینہ پاک کی زمین پاک تمام شریر و مفسدین کو نکال دیتی ہے اور یہ خاصیت اس میں ہمیشہ باقی ہے لہٰذا علمائے مدینہ کی عبادات کو بے دھڑک شرک و بدعت کہہ دینا سخت غلطی ہے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ چراغاں سلطنت ترکیہ کی ایجاد ہے۔ امام اجل سید نور الدین سمہودی اور جلال الدین سیوطی علیہما الرحمۃ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی اور امام نور الدین سمہودی نے کتاب خلاصۃ الوفا شریف ۸۹۳ھ میں تصنیف فرمائی وہ اس کتاب کے چوتھے باب کی سولہویں فصل میں مدینہ پاک کے چراغاں کا ذکر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

وَ اَمَّا مَعَالِیْقُ الْحُجْرَةِ الشَّرِیْفَةِ الَّتِیْ تُعَلَّقُ حَوْلَهَا مِنْ قَنَادِیْلِ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ نَحْوِ هِمَا فَلَمْ اَقِفْ عَلٰی اِبْتِدَآءِ حُدُوْ ثِهِمَا۔

’’لیکن جو سونے چاندی کی قندیلیں روضہ مطہرہ کے اردگرد لٹکی ہوئی ہیں۔ مجھے خبر نہیں کہ کب سے شروع ہوئیں۔‘‘

اسی مقام پر فرماتے ہیں:

وَقَدْ اَلَّفَ السُّبْکِیُّ تَاْلِیْفًا سَمَّاهُ تَنَزُّلَ السَّکِیْنَةِ عَلٰی قَنَادِیْلِ الْمَدِیْنَةِ وَ ذَهَبَ فِیْهِ اِلٰی جَوَازِ هَا وَ صِحَّةِ وَ قَفِهَا وَ عَدَمِ جَوَازِ صَرْفِ شَیْئٍ مِنْهَا لِعِمَارَةِ الْمَسْجِدِ۔

’’امام سبکی نے ایک کتاب لکھی جسکا نام رکھا تنزل السکینہ علی قنادیل المدینہ وہ فرماتے ہیں کہ روضہ مطہرہ کی یہ قندیلیں جائز ہیں ان کا وقف درست ہے ان میں سے کوئی چیز مسجد پر خرچ نہیں ہوسکتی۔‘‘

الحمد للہ کہ مخالفین کے تمام سوالات کا مکمل جواب ہوگیا۔

بحث خاتمہ

پنجاب اور یو پی و کاٹھیا واڑ میں عام رواج ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تراویح کی شب میں مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ بعض دیوبندی اس کو بھی شرک و حرام کہتے ہیں۔ یہ محض ان کی بے دینی ہے مساجد کی زینت ایمان کی علامت ہے تفسیر روح البیان میں زیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۱۸) ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ۱۷ سو قندیلیں بیت المقدس میں روشن کرنے کا حکم

دیا۔ اور مسجد نبوی شریف میں اولاً کھجور کی لکڑیاں وغیرہ جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ پھر تمیم داری کچھ قندیلیں اور رسیاں اور تیل لائے اور ان کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں لٹکا کر جلایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ نَوَّرْتَ مَسْجِدَ نَا نَوَّرَ اللّٰهُ عَلَيْكَ تم نے ہماری مسجد کو روشن کر دیا اللہ تعالیٰ تم کو نورانی رکھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چراغاں کیا اور قندیلیں لٹکائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

نَوَّرْتَ مَسْجِدَ نَا نَوَّرَ اللّٰهُ قَبْرَكَ يَا اِبْنَ الْخَطَّابِ۔

اے عمر تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تمہاری قبر کو روشن کرے۔

تفسیر کبیر میں آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کی تفسیر میں ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْرَجَ فِيْ مَسْجِدٍ سِرَاجًا لَمْ تَنَزَّلِ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ اِلَّا يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهٗ مَادَامَ فِي الْمَسْجِدِ ضُوْءُهٗ۔

''یعنی جو کوئی مسجد میں چراغ جلائے تو جب تک مسجد میں اسکی روشنی ہے فرشتے اور حاملین عرش اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔''

فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم کتاب الحظر والاباحت صفحہ ۱۱۲ میں یہ مانا ہے کہ عہد فاروقی میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بیت المقدس سے وہاں کی روشنی دیکھ کر آئے اور مسجد نبوی میں متعدد چراغ جلائے گئے پھر مامون رشید بادشاہ نے عام حکم دیا تھا کہ مسجدوں میں بکثرت چراغ جلائے جائیں۔ غرضیکہ مسجد کی روشنی سنت انبیاء و سنت صحابہ رضی اللہ عنہم اور سنت عامۃ المسلمین ہے۔

بحث قبر پر اذان دینے کی تحقیق

مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ جس کے بہت سے دلائل ہیں۔ مگر وہابی دیوبندی اس بدعت کو حرام شرک اور نا معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اس لیے اس بحث کے دو باب کیے جاتے ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت دوسرے میں اس پر اعتراضات و جواب۔ بعون اللہ تعالیٰ و کرمہ۔

باب نمبر 1

اذان قبر کے ثبوت میں

قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے اور احادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز باب مایقال عند من حضرت الموت میں ہے۔ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اپنے مردوں کو سکھاؤ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ دنیاوی زندگی ختم ہونے پر انسان کے لیے دو بڑے خطرناک وقت ہیں ایک تو جان کنی کا دوسرا سوالات قبر کا اگر جان کنی کے وقت خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہوا تو عمر بھر کا کرا دھرا سب برباد گیا۔ اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی برباد ہوئی۔ دنیا میں تو اگر ایک سال امتحان میں فیل ہو گئی تو سال آئندہ

دے لو۔ مگر وہاں یہ بھی نہیں۔ اس لیے زندوں کو چاہیئے کہ ان دونوں وقتوں میں مرنے والے کی امداد کریں کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ پڑھ کر سنائیں اور بعد دفن اس تک کلمہ کی آواز پہنچائیں کہ اس وقت تو وہ کلمہ پڑھ کر دنیا سے جائے اور اب اس امتحان میں کامیاب ہو۔ لہٰذا اس حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جو مر رہا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ۔ دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ پہلے معنی مجازی ہیں اور دوسرے حقیقی اور بلاضرورت مجازی لینا ٹھیک نہیں۔ لہٰذا حدیث کا یہ ہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ۔ اور یہ وقت دفن کے بعد کا ہے۔ چنانچہ شامی جلد اول باب الدفن بحث تلقین بعد الموت میں ہے۔

اَمَّا عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِفَا لْحَدِيْثُ لَقِنُوْا اَمْوَاتَكُمْ مَحْمُوْلٌ عَلٰى حَقِيْقَتِهٖ وَ قَدْرُوِىَ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ اَمَرَ بِالتَّلْقِيْنِ بَعْدَ الدَّفْنِ فَيَقُوْلُ يَا فَلَانَ ابْنُ فَلَانٍ اُذْكُرْ دِيْنَكَ الَّذِىْ كُنْتَ عَلَيْهَا

''اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث لقنوا اموتکم اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور حضورؐ سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا پس قبر پر یہ کہے کہ اے فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دنیا کو یاد کر جس پر تھا۔''

شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَ اِنَّمَا لَا يَنْهٰى عَنِ التَّلْقِيْنِ بَعْدَ الدَّفْنِ لِاَنَّهٗ لَاضَرَ رَفِيْهِ بَلْ فِيْهِ نَفْعٌ فَاِنَّ الْمَيِّتَ يَسْتَا نِسُ بِالذِّكْرِ عَلٰى مَاوَرَ دَفِى الْاٰثَا رِ۔

''دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے نہیں بلکہ اسمیں نفع ہی نفع ہے کیونکہ میت ذکر الٰہی سے انس حاصل کرتی ہے۔''

جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اس حدیث اور ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دفن میت کے بعد اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین مستحب ہے تاکہ مردہ نکیرین کے سوالات میں کامیاب ہو۔ چونکہ اذان میں کلمہ بھی ہے۔ اس لیے اذان بھی تلقین میت ہے اور مستحب ہے بلکہ اذان میں پوری تلقین ہے کیونکہ نکیرین میت سے تین سوال کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری جالی والے سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہوا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دوسرے کا جواب ہوا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ یعنی میرا دین وہ ہے جس پر پانچ نمازیں فرض ہیں (سوائے اسلام کے کسی دین میں پانچ نمازیں نہ تھیں) تیسرے کا جواب ہوا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلَ اللّٰهِ درمختار جلد اول باب الاذان میں ہے کہ دس جگہ اذان کہنا سنت ہے جس کو اشعار میں یوں فرمایا۔

فَرْضُ الصَّلٰوةِ وَ فِیْ اُذُنِ الصَّغِیْرِ وَ فِیْ   وَقْتِ الْحَرِیْقِ وَالْحَرْبِ الَّذِیْ وَقَعَا
خَلْفِ الْمُسَافِرِ وَ الْغِیْلَانِ اِنْ ظَهِرَتْ   فَا حْفِظْ لِسِتٍّ مَنِ لَّذِیْ قَدْ شَرَعَا
وَ زِیْدَ اَرْبَعٌ ذُوْ هَمٍّ وَ ذُوْ غَضَبٍ   مُسَافِرٌ ضَلَّ فِیْ فَقْرٍ وَ مَنْ صَرَعَا

نماز پنجگانہ کے لیے بچہ کے کان میں' آگ لگنے کے وقت' جبکہ جنگ واقع ہو' مسافر کے پیچھے اور جنات کے ظاہر ہونے پر' غصہ والے پر' جو مسافر کہ راستہ بھول جاوے اور مرگی والے کے لیے شامی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَدْ يُسَنَّ الْاَذَانُ بِغَيْرِ الصَّلٰوةِ كَمَا فِيْ اَذَانِ الْمَوْلُوْدِ وَ الْمَهْمُوْمِ وَ الْمَصْرُوْعِ وَالْغَضْبَانِ وَمَنْ سَاءَ خُلُقِهٖ مِنْ اِنْسَانٍ اَوْ بَهِيْمَةٍ وَ عِنْدَ مُزْدَهِمِ الْجَيْشِ وَ عِنْدَ الْحَرِيْقِ وَ قِيْلَ عِنْدَ اِنْزَالِ الْمَيِّتِ الْقَبْرِ قِيَاسًا عَلٰى اَوَّلِ خُرُوْجِهٖ لِلدُّنْيَا لٰكِنْ رَدَّهٗ اِبْنُ حَجَرٍ فِيْ شَرْحِ الْعُبَابِ وَ عِنْدَ تَغَوُّلِ الْغِيْلَانِ اَيْ تَمَرُّدِ الْجِنِّ۔

''نماز کے علاوہ چند جگہ اذان دینا سنت ہے بچہ کے کان میں' غمزدہ کے' مرگی والے کے' غصہ والے کے کان میں' جس جانور یا آدمی کی عادت خراب ہو اس کے سامنے' لشکروں کی جنگ کے وقت' میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے لیکن اس میں اذان سنت ہونے کا ابن حجر علیہ الرحمتہ نے انکار کیا ہے جنات کی سرکشی کے وقت۔''

علامہ ابن حجر کے انکار کا جواب دوسرے باب میں دیا جاوے گا۔ انشاء اللہ۔

مشکوٰۃ باب فصل الاذان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بلال کی اذان سے رمضان کی سحری ختم نہ کردو۔ وہ تو لوگوں کو جگانے کے لیے اذان دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں سحری کے وقت بجائے نوبت یا گولے کے اذان دی جاتی تھی لہٰذا سوتے کو جگانے کے لیے اذان دینا سنت سے ثابت ہے۔

اذان کے سات فائدے ہیں جن کا پتہ احادیث اور فقہاء کے اقوال سے چلتا ہے۔ ہم وہ فائدے عرض کیے دیتے ہیں۔ خود معلوم ہو جائے گا کہ میت کو ان میں سے کون کون سے فائدے حاصل ہوں گے۔ اولاً تو یہ کہ میت کو تلقین جوابات سے ہے جیسا کہ بیان کیا جاچکا۔ دوسرے یہ کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے۔

اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّيْطٰنُ لَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰى لَا يَسْمَعُ التَّاذِيْنَ۔

''جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز لگاتا ہوا بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا۔''

اور جس طرح بوقت موت شیطان مرنے والے کو ورغلاتا ہے تاکہ ایمان چھین لے اسی طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور بہکاتا ہے کہ تو مجھے خدا کہہ دے تاکہ میت آخری امتحان میں فیل ہو جاوے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ چنانچہ نوادر الوصول میں امام محمد ابن علی ترمذی فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْمَيِّتَ اِذَا سُئِلَ مِنْ رَّبُّكَ يُرٰى لَهُ الشَّيْطٰنُ فَيُشِيْرُ اِلٰى نَفْسِهٖ اِنِّيْ اَنَا رَبُّكَ فَلِهٰذَا وَ رَدَ سُوَالُ التَّثَبُّتَ لَهٗ حِيْنَ سُئِلَ۔

''یعنی جبکہ میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو شیطان اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں اسی لیے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے میت کے سوالات کے وقت اسکے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کی۔''

اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گیا اور بہکانے والا گیا۔

تیسرے یہ کہ اذان دل کی وحشت کو دور کرتی ہے ابو نعیم اور ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی۔ نَزَلَ اٰدَمُ بِالْهِنْدِ وَ اسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ فَنَادٰى بِالْاَذَانِ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل علیہ السلام آئے اور اذان دی۔ اسی طرح مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۶۲ باب سوم درمیاں آیات شرف میں ہے۔ اور میت بھی اس وقت عزیز

واقارب سے چھوٹ کر تیرہ و تاریک مکان میں اکیلی پہنچتی ہے سخت وحشت ہے اور وحشت میں حواس باختہ ہو کر امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے۔ اذان سے دل کو اطمینان ہوگا۔ جواب درست دے گی" چوتھے یہ کہ اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

رَاٰنِیْ النَّبِیَّ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَزِیْنًا فَقَالَ یَا اِبْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اِنِّیْ اَرَاکَ حَزِیْنًا فَمُرْ بَعْضَ اَھْلِکَ یُؤَ ذِّنُ فِیْ اُذُنِکَ فَاِنَّہٗ دَرْءُ الْھَمِّ۔

"مجھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رنجیدہ دیکھا تو فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ تم کو رنجیدہ پاتا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ تمہارے کان میں اذان کہہ دے کیونکہ اذان غم کو دور کرنے والی ہے۔"

بزرگان دین حتیٰ کے ابن الحجر علیہ الرحمۃ بھی فرماتے ہیں کہ جَرَّبْتُہٗ فَوَجَدْتُّہٗ کَذٰلِکَ فِیْ الْمِرْقَاتِ مرقات شروع باب الاذان میں ہے یعنی میں نے اس کو آزمایا مفید پایا۔ اب مردے کے دل پر اس وقت جو صدمہ ہے اذان کی برکت سے دور ہوگا اور سرور حاصل ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اذان کی برکت سے لگی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ ابو یعلیٰ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

یُطْفِئُوْ الْحَرِیْقَ بِالتَّکْبِیْرِ وَ اِذَا رَءَیْتُمُ الْحَرِیْقَ فَکَبِّرُوْ افَاِنَّہٗ یُطْفِئُی النَّارَ۔

"لگی ہوئی آگ کو تکبیر سے بجھاؤ اور جبکہ تم آگ لگی ہوئی دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ یہ آگ کو بجھاتی ہے۔"

اور اذان میں تکبیر تو ہے اللہ اکبر لہٰذا اگر قبر میت میں آگ لگی ہو تو امید ہے کہ خدائے پاک اسکی برکت سے بجھا دے۔

چھٹے یہ کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے تنگی قبر سے نجات ملتی ہے امام احمد و طبرانی و بیہقی نے جابر رضی اللہ عنہ سے سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کے دفن کا واقعہ نقل کر کے روایت کی سَبَّحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ کَبَّرَ وَ کَبَّرَ النَّاسُ قَالُوْ ا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ سَبَّحْتَ قَالَ لَقَدْ تَضَایَقَ عَلٰی ھٰذَاالرَّجُلِ الصَّلِحِ قَبْرُ ہٗ حَتّٰے فَرَّجَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بعد دفن حضور علیہ السلام نے سبحان اللہ فرمایا۔ پھر اللہ اکبر حضور نے فرمایا اور دیگر حضرات نے بھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ تسبیح و تکبیر کیوں پڑھی ارشاد فرمایا کہ اس صالح بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔ اسکی شرح میں علامہ طیبی فرماتے ہیں۔

اَیْ مَا زِلْتُ مُکَبِّرًا وَ تُکَبِّرُوْنَ وَ اُسَبِّحُ وَ تُسَبِّحُوْنَ حَتّٰی فَرَّجَہُ اللّٰہُ۔

یعنی ہم اور تم لوگ تسبیح و تکبیر کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے قبر کو کشادہ فرمادیا۔

ساتویں یہ کہ اذان میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے امام سفلین ابن عینیہ فرماتے ہیں ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنْزِیْلُ الرَّحْمَۃِ اور میت کو اس وقت رحمت کی سخت ضرورت ہے غرضیکہ ہماری تھوڑی سی جنبش زبان سے اگر میت کو اتنے بڑے بڑے سات فائدے پہنچ جاویں تو کیا حرج ہے؟

ثابت ہوا کہ قبر پر اذان دینا باعث ثواب ہے شامی باب سنن الوضو میں ہے اَلْاَ صْلُ فِیْ الْاَشْیَآءِ الْاِبَاحَۃُ تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں یعنی جس کو شریعت مطہرہ منع نہ کرے وہ مباح ہے اور جو مباح کام نیت خیر سے کیا جاوے وہ مستحب ہے۔ شرح مشکوٰۃ

میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ شامی بحث سنن الوضو میں ہے۔

اِنَّ الْفَرْقَ بَیْنَ الْعَادَةِ وَ الْعِبَادَةِ وَ هُوَ النِّیَةُ الْمُتَضَمِّنَةُ لِلْاِخْلَاصِ۔

عادت اور عبادت میں فرق نیت اخلاص سے ہے یعنی جو کام بھی اخلاص سے کیا جاوے وہ عبادت ہے اور جو کام بغیر اخلاص کے ہو وہ عادت ہے درمختار بحث مستحبات الوضو میں ہے

وَ مُسْتَحَبُّهٗ هُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَرَّةً وَ تَرَکَهٗ اُخْرٰی وَ مَا حَبَّهُ السَّلَفُ۔

''مستحب وہ کام ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا اور کبھی نہ کیا اور وہ بھی ہے جس کو گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہیں۔''

شامی بحث دفن زیر عبارات والا تخصص ہے وَ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ جس کو مسلمان اچھا سمجھے وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے ان عبارات سے ثابت ہوا کہ چونکہ اذان قبر شریعت میں منع نہیں لہٰذا جائز ہے اور چونکہ اس کو بہ نیت اخلاص مسلمان بھائی نفع کے لیے کیا جاتا ہے لہٰذا یہ مستحب ہے۔ اور چونکہ مسلمان اسکو اچھا سمجھتے ہیں لہٰذا یہ عنداللہ اچھی ہے۔ خود دیو بندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۴۱ میں فرماتے ہیں۔ ''کسی نے سوال کیا ہے کہ تلقین کے بعد دفن ثابت ہے یا نہیں تو جواب دیا یہ مسئلہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہ سے مختلف فیہا ہے اسکا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن اس پر مبنی ہے جس پر عمل کر لے درست ہے۔ رشید احمد۔

باب نمبر 2

اذان قبر پر اعتراضات اور جوابات میں

اس مسئلہ میں مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس کے علاوہ اور نہ ملیں گے۔

اِعتَراض نمبر 1

قبر پر اذان دینا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہٰذا یہ بھی حرام حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں۔ وہ ہی پرانا سبق۔

جواب

ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ بعد دفن ذکر اللہ تسبیح و تکبیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے اس پر زیادتی کرنا منع نہیں ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ حج میں تلبیہ کے جو الفاظ احادیث سے منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے اگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے (ہدایہ وغیرہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی لہٰذا یہ سنت سے ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو تو حسنہ ہے جیسے کہ ہم بحث بدعات میں عرض کر چکے ہیں فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۸۹ پر ہے کہ کسی نے دیو بندی کے سردار رشید احمد صاحب سے پوچھا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرون ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب: ۔ قرون ثلثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اسکی اصل شرع سے ثابت ہے۔ بدعت نہیں۔ رشید احمد عفی۔

اسی کتاب میں صفحہ ۸۸ پر ہے کہ ’’کھانا تاریخ معین پر کھلانا بدعت ہے اگرچہ ثواب پہنچے گا‘‘ رشید احمد۔

کہیئے جناب یہ ختم بخاری اور برسی کی فاتحہ پر ثواب کیوں ہو رہا ہے؟ یہ تو بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے حرام پر ثواب کیسا۔

ضروری نوٹ

مدرسہ دیوبند میں مصیبت کے وقت ختم بخاری وہاں کے طلبا سے کرایا جاتا ہے اہل حاجت کو شیرینی دیتے ہیں اور روپیہ نفع میں رہا۔ کم از کم پندرہ روپیہ وصول کیے جاتے ہیں شاید بدعت اس لیے جائز ہو کہ مدرسہ کو روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حصول زر کا ذریعہ ہے۔ لیکن اب قبر مومن پر اذان کیوں حرام ہے؟

اِعتَراض نَمبَر 2

شامی باب الاذان میں جہاں اذان کے موقعہ شمار کیے ہیں وہاں اذان قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا لٰکِنْ رَدَّہٗ اِبْنُ حَجَرٍ فِیْ شَرْحِ الْعُبَابِ اس اذان کی ابن حجر نے شرح عباب میں تردید کر دی معلوم ہوا کہ اذان قبر مردود ہے۔

جوابْ

اولاً تو ابن حجر شافعی مذہب ہیں۔ بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اذان قبر سنت ہے اور امام ابن حجر شافعی اسکی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ حنفیوں کو مسئلہ جمہور پر عمل کرنا ہوگا کہ قول شافعی پر؟ دوم امام ابن حجر نے بھی اذان قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سنت ہونیکا انکار کیا۔ یعنی سنت نہیں اگر میں کہوں کہ بخاری چھاپنا سنت نہیں' بالکل درست ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ بخاری تھی نہ پریس۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جائز بھی نہیں۔ شامی نے اس موقعہ پر فرمایا وَ قَدْ یُسَنُّ الْاَذَانُ ان موقعوں پر اذان سنت ہے آگے فرمایا۔ ردہ اس کی ابن حجر نے تردید کی تو کس چیز کی تردید ہوئی؟ سنت کی شامی سمجھنے کے لیے عقل وایمان کی ضرورت ہے ۔ تیسرے یہ کہ اگر مان بھی لو کہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمتہ نے خود اذان کی تردید کی تو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں بلکہ اس کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت ہے' بلا دلیل شرعی کراہت تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتی۔ شامی بحث مستحباب الوضو میں ہے۔

وَلَا یَلْزَمُ مِنْ تَرْکِ الْمُسْتَحَبِّ ثُبُوْتُ الْکَرَاھَۃِ اِذْ لَا بُدَّلَہٗ مِنْ دَلِیْلٍ خَاصٍ۔

ترک مستحب سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ کراہت کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔

شامی جلد اول بحث مکروہات الصلوٰۃ بیان المستحب والسنتہ والمندوب میں ہے۔

تَرْکَ الْمُسْتَحَبِّ لَا یَلْزَمُ مِنْہُ اَنْ یَّکُوْنَ مَکْرُوْھًا اِلَّا بِنَھْیٍ خَاصٍ لِاَنَّ الْکَرَاھَۃَ حُکْمٌ شَرْعِیٌّ فَلَا بُدَّلَہٗ مِنْ دَلِیْلٍ خَاصٍ۔

''مستحب کے ترک سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو جائے بغیر خاص ممانعت کے کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اس کے لیے خاص دلیل کی ضرورت ہے''۔

آپ تو اذان قبر حرام فرماتے ہیں۔ فقہاء بغیر خاص ممانعت کے کسی شئے کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں مانتے۔ اگر کہا جاوے کہ شامی نے اذان قبر کو قِیل سے بیان کیا اور قِیل ضعف کی علامت ہے تو جواب یہ ہے کہ فقہ میں قِیل ضعف کے لیے لازم نہیں شامی کتاب الصوم فصل کفارہ میں ہے فَتَعْبِیْرُ الْمُصَنِّفِ قِیْلَ لَیْسَ یَلْزَمُ الضُّعْفُ اسی طرح شامی بحث دفن میت میں ذکر مع الجنازہ کے لیے فرمایا۔ قِیْلَ تَحْرِیْمًا وَ قِیْلَ تَنْزِیْھًا دیکھو یہاں دو قول تھے اور دونوں قِیل سے نقل کئے۔ عالمگیری کتاب الوقف بحث مسجد میں ہے وَ قِیْلَ ھُوَ مَسْجِدٌ اَبَدًا وَ ھُوَا الْاَصَحُّ۔ یہاں صحیح قول قِیل سے بیان کیا معلوم ہوا کہ قِیل دلیل ضعف نہیں۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے تو بھی اس اذان کو سنت کہنا ضعیف ہوگا نہ کہ جائز کہنا کیونکہ یہ سنت ہی کا قول ہے ہم بھی اذان قبر سنت نہیں کہتے صرف جائز و مستحب کہتے ہیں۔

اِعتراض نمبر 3

فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر پر جا کر فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ کرے اور اذان قبر فاتحہ کے علاوہ ہے لہٰذا حرام ہے چنانچہ بحر الرائق میں ہے۔

وَ یُکْرَہُ عِنْدَ الْقَبْرِ کُلُّ مَا لَمْ یُعْھَدْ مِنَ السُّنَّۃِ الْمَعْھُوْدِ مِنْھَا لَیْسَ اِلَّا زِیَارَتُھَا وَ الدُّعَاءُ عِنْدَھَا قَائِمًا۔

شامی کتاب الجنائز میں ہے:

لَایُسَنُّ الْاَذَانُ عِنْدَ اِدْخَالِ الْمَیِّتِ فِیْ قَبْرِہٖ کَمَا ھُوَا الْمُعْتَادُ الْاٰنَ وَ قَدْ صَرَّحَ اِبْنُ حَجَرٍ بِاَنَّہٗ بِدْعَۃٌ وَ قَالَ مَنْ ظَنَّ اَنَّہٗ سُنَّۃٌفَلَمْ یُصِبْ۔

''یعنی میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا سنت نہیں ہے جیسا کہ آجکل مروج ہے اور ابن حجر نے تصریح فرما دی کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جانے وہ درست نہیں کہتا''۔

درالبحار میں ہے:

مِنَ الْبِدَعِ الَّتِیْ شَاعَتْ فِیْ بِلَادِ الْھِنْدِ الْاَذَانُ عَلَی الْقَبْرِ بَعْدَ الدَّفْنِ۔

''جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہو گئیں۔ ان میں سے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔''

توشیخ شرح تنقیح میں محمود بلخی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اَلْاَذَانُ عَلَی الْقَبْرِ لَیْسَ بِشَیْئٍ قبر پر اذان دینا کچھ نہیں۔ مولوی اسحاق صاحب مائۃ مسائل میں فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہوتا ہے۔

جواب

بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست ہے وہ زیارت قبور کے وقت فرماتے ہیں۔ یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے تو قبر کو چومنا اور سجدہ وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت یہ زیارت کا وقت نہیں اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے تو پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا' تختہ دینا' مٹی ڈالنا' اور بعد دفن تلقین کرنا جس کو فتاویٰ رشیدیہ

میں بھی ہے جائز کہا ہے سب منع ہے بس مردے کو جنگل میں رکھ کر فاتحہ پڑھ کر بھاگ آنا چاہیئے اور زیارت قبر کے وقت ممنوع کام کرنا منع ہے۔ یہ ہی عبارت بحرالرائق کا مقصود ہے ورنہ مردوں کو سلام کرنا یا ان کے قبور پر سبزہ یا پھول ڈالنا بالاتفاق جائز ہے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور بحرالرائق میں فرمار ہے ہیں کہ وہاں بجز زیارت اور کھڑے ہو کر دعا کرنے کے کچھ بھی نہ کرے مولوی اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان میں ایک سوال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کشف قبور کا طریقہ بیان فرماتے ہیں" وبعد ہفت کرہ طواف کند ودراں تکبیر بخواندو اغاز از راست کند وبعدہ طرف پایاں رخسار نہد" یعنی اس کے بعد قبر کا سات چکر طواف کرے اس میں تکبیر کہے اور داہنی طرف سے شروع کرے اور قبر کے پاؤں کیطرف اپنا رخسار رکھے تو کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے؟ اسکا جواب حفظ الایمان صفحہ ۶ پر دیتے ہیں۔ یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو کہ تعظیم وتقریب کے لیے کیا جاتا ہے اور جس کی ممانعت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ طواف لغوی ہے یعنی محض اس کے اردگرد پھرنا واسطے پیدا کرنے مناسبت وحی کے صاحب قبر کے ساتھ اور لینے فیوض کے اس کی نظیر حضرت جابر کے قصے میں وارد ہوتی ہے جبکہ ان کے والد مقروض ہو کر وفات پا گئے اور قرض خواہوں نے حضرت جابر کو تنگ کیا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ باغ میں تشریف لاکر رعایت کرا دیجئے۔ حضور علیہ السلام باغ میں رونق افروز ہوئے اور چھوہاروں کے انبار لگوا کر بڑے انبار کے گرد تین بار پھرے۔ طَافَ حَوْلَ اَعْظَمِ هَا بِيَدَارًا حضور کا یہ پھرنا کوئی طواف نہ تھا۔ بلکہ اس میں اثر پہنچانے کے لیے اس کے چاروں طرف پھر گئے اسی طرح کشف القبور کے عمل میں ہے۔ کہیئے اگر اذان قبر اس لیے منع ہے کہ قبر پر بجز زیارت ودعا کوئی کام جائز نہیں تو قبر کا طواف اور اس سے فیض لینا کیوں جائز ہے؟ لہٰذا بحرالرائق کی ظاہری عبارت آپ کے بھی موافق نہیں۔ پر لطف کی بات یہ ہے کہ حفظ الایمان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض ملتا ہے اور فیض لینے کے لیے وہاں جانا اور طواف کرنا' قبر پر رخسار رکھنا جائز اسی کو تقویۃ الایمان میں شرک کہا ہے شامی وتوشیخ وغیرہ کی عبارتوں کا جواب سوال نمبر ا کے ماتحت گزر گیا کہ اس میں سنیت کا انکار ہے نہ کہ جواز تو شیخ کا فرمانا لَيْسَ بِشَیْءٍ اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت محض جائز اور مستحب ہے اور اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط ہے جو فقہاء کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت جائز یا کہ بدعت مستحبہ فرماتے ہیں نہ کہ بدعت مکروہہ کیونکہ بلا دلیل کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ مولوی اسحاق صاحب دیوبندیوں کے پیشوا ہیں ان کا قول حجت نہیں۔ اور نہ یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہے ورنہ قرآن کے سیپارے اور اعراب اور بخاری بھی مکروہ ہوگئی کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں درمختار باب الصلوٰۃ العیدین مطلب فی تکبیر التشریق میں ہے۔ وَوُقُوْفُ النَّاسِ يَوْمَ عَرْفَتِهٖ فِيْ غَيْرِ هَا تَشْبِيْهًا بِالْوَاقِفِيْنَ لَيْسَ بِشَيْئٍ۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے وَ هُوَ نكِرَةٌ فِيْ مَوْضِعِ النَّفِيْ فَيَعُمَّ اَنْوَاعُ الْعِبَادَةِ مِنْ فَرْضٍ وَّ وَاجِبٍ وَّ مُسْتَحَبّ فَبَقِيَتِ الْاِ بَاحَةُ قِيْلَ يُسْتَحَبُّ ہدایہ کے حاشیہ میں لیس بشئی کے ماتحت فرماتے ہیں اَیْ لَيْسَ بِشَيْئٍ يَتَعَلَّقُ بِهِ الثَّوَابُ وَهُوَ يَصْدِقُ عَلَى الْاُبَاحَةِ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ لیس شئی مباح کو بھی کہا جاتا ہے۔

اِعتراض نمبر 4

اذان تو نماز کی اطلاع کے لیے ہے دفن کے وقت کونسی نماز ہو رہی ہے جس کی اطلاع دینا منظور ہے چونکہ یہ اذان لغو ہے پس ناجائز ہے۔

جواب

یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نماز کی اطلاع کیلئے ہے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ اذان کتنی جگہ کہنی چاہئے آخر بچہ کے کان میں اذان دی جاتی ہے وہاں کونسی نماز کا وقت ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رمضان کی شب دو اذانیں ہوتی تھیں ایک تو سحری کے لیے بیدار کرنے کو دوسری نماز فجر کے لیے۔

لطیفہ

کاٹھیاواڑ میں رواج ہے کہ بعد نماز فجر مصافحہ کرتے ہیں اور، یو۔ پی میں ہے کہ بعد نماز عید معانقہ (گلے ملنا) کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ معانقہ یا مصافحہ اول ملاقات کے وقت چاہیئے نماز کے بعد تو لوگ رخصت ہو رہے ہیں پھر اس وقت یہ کیوں ہوتا ہے یہ مصافحہ اور معانقہ بدعت ہے لہٰذا حرام ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ معانقہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الادب میں ایک باب ہی اسکا باندھا باب المصافحۃ والمعانقہ اور وہاں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا۔ حدیث کی روش بتاتی ہے کہ معانقہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لئے اظہار خوشی میں معانقہ کرتے ہیں۔ نیز درمختار جلد پنجم باب الکراہیۃ باب الاستبراء میں ہے۔

اَیْ کَمَا تَجُوْزُ الْمُصَافَحَۃُ وَلَوْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَ قَوْلِھِمْ اَنَّہٗ بِدْعَۃٌ اَیْ مُبَاحَۃٌ حَسَنَۃٌ کَمَا اَفَادَہُ النَّوَوِیُّ فِیْ اَذْکَارِہٖ

''مصافحہ جائز ہے اگر چہ نماز عصر کے بعد ہو اور فقہا کا فرمانا کہ مصافحہ نماز عصر بدعت ہے یعنی بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا''۔

اسی کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ الْمُصَافَحَۃَ مُسْتَحَبَّۃٌ عِنْدَ کُلِّ لِقَاءٍ وَ اَمَّامَااعْتَادَہُ النَّاسُ مِنَ الْمُصَافَحَۃِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ فَلَا اَصْلَ لَہٗ فِی الشَّرْعِ عَلٰی ھٰذَا الْوَجْہِ وَلٰکِنْ لَّا بَاسَ بِہٖ وَتَقْیِیْدُہٗ بِمَا بَعْدَ الصُّبْحِ وَ الْعَصْرِ عَلٰی عَادَۃٍ کَانَتْ فِیْ زَمَنِہٖ وَاِلَّا فَعَقْبَ الصَّلٰوَاتِ کُلِّھَا کَذٰلِكَ۔

''ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے اور فجر کے بعد مصافحہ کا جو رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں حرج بھی نہیں اور صبح یا عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بناء پر ہے ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ بہر حال جائز ہے لیکن اس کی تسلی نہ ہوئی یہی کہتا رہا کہ مصافحہ معانقہ ملاقات کے وقت چاہئے ہم نے کہا اچھا بتاؤ۔ اول ملاقات کسے کہتے ہیں؟ بولا غائب ہونیکے بعد جب ملیں۔ تو یہ اول ملاقات ہے ہم نے کہا۔ غائب ہونیکی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ جسماً غائب ہوں۔ دوسرے یہ کہ دلی طور پر غائب ہوں نماز کی حالت میں اگر چہ بظاہر تمام مقتدی اور امام ایک جگہ ہی رہے مگر حکمی لحاظ سے سب ایک دوسرے سے غائب تھے کہ نہ کسی سے کلام کر سکیں نہ ایک دوسرے کی مدد۔ بلکہ یہ تمام لوگ دنیا ہی سے غائب ہیں کہ کھانا' پینا' چلنا پھرنا' تمام دنیاوی کام حرام ہیں اور اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ کا نقشہ نظر آ رہا ہے دنیا سے تعلق منقطع ہے اور واصل الی

اللہ ہیں جب سلام پھیرا۔ اب دنیا میں آ گئے تمام دنیاوی کام حلال ہوگئے ۔ یہ وقت غائب ہونیکے بعد ملنے کا ہے۔ لہٰذا مصافحہ سنت ہے وہ کہنے لگا کہ یہ منطق سے سمجھا دیا اس کو شریعت نے تو ملاقات کا وقت نہیں مانا۔ ہم نے کہا مانا ہے اس وقت سلام کس کو کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟ امام کو چاہیئے کہ سلام میں مقتدیوں اور ملائکہ کو سلام کرنیکی نیت کرے اور مقتدی لوگ امام کو اور ملائکہ کو اور تنہا نمازی صرف ملائکہ کی نیت کرے اور سلام یا تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یا رخصت کے وقت ۔ بتاؤ یہ سلام کیسا کیا یہ لوگ کہیں سے آ رہے ہیں یا جا رہے ہیں؟ جا تو نہیں رہے ہیں کہ ابھی دعا مانگیں گے وظیفہ پڑھیں گے بعض لوگ اشراق پڑھ کر اٹھیں گے ۔ معلوم ہوا کہ عالم بالا کی سیر کر کے آ رہے ہیں اور سلام کر رہے ہیں لہٰذا مصافحہ بھی کریں تو کیا حرج ہے؟ کہنے لگا کہ پھر تو ہر نماز کے بعد چاہیئے ۔ ہم نے کہا ہاں اگر ہر نماز کے بعد کرے تب بھی منع نہیں ۔ الحمد للہ کہ اس کی تسکین ہوگئی ۔ اسی طرح یہ مسئلہ اذان ہے ۔

بحث عرس بزرگان

اس بحث کے دو باب ہیں ۔ پہلا باب عرس کے ثبوت میں، دوسرا باب مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں ۔

باب نمبر 1

ثبوت عرس میں

عرس کے لغوی معنی ہیں شادی ۔ اس لیے دلہا اور دلہن کو عروس کہتے ہیں بزرگان دین کی تاریخ وفات کو اس لیے عرس کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ جب نکیرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ الَّتِیْ لَا يُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ تو اس دلہن کی طرح سو جا جسکو سوائے اسکے پیارے کے کوئی نہیں اٹھا سکتا تو چونکہ اس دن نکیرین نے ان کو عروس کہا ۔ اس لیے وہ دن روز عرس کہلایا ۔ یا اس لیے کہ وہ جمال مصطفیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کا دن ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دولہا ہیں ۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی بہار ہے اور وصال محبوب کا دن عرس کا دن ہے لہٰذا یہ دن عرس کہلایا عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و صدقات کا ثواب پہنچانا اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور اقوال فقہاء سے ہے ۔ شامی جلد اول باب زیارت القبور میں ہے ۔

رَوٰی اِبْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْتِیْ قُبُوْرَ الشُّهَدَآءِ بِاُحُدٍ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ حَوْلٍ ۔

''ابن ابی شیبہؓ نے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے''۔

تفسیر کبیر اور تفسیر درمنثور میں ہے ۔

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ كَانَ يَاْتِیْ قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُوْلُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ وَ الْخُلَفَاءِ الْاَرْبَعَةُ هٰكَذَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۔

> ''حضور علیہ السلام سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہدا کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے''۔

شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۴۵ میں فرماتے ہیں۔ ''دوم آنکہ بہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ فاتحہ بر شیرینی و طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضراں کنند ایں قسم معموم در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نہ بود اگر کسے ایں طور کنند باک نیست بلکہ فائدہ احیاء اموات را حاصل میشود'' دوسرے یہ کہ بہت لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کر کے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروج نہ تھی لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ زندوں کو مردوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح میں شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی علیہما الرحمتہ والرضوان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''ایں طعن مبنی است بر جہل بہ احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ راہیچ کس فرض نمی داند آرے تبرک بقبور و امداد ایشاں بایصال ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آں است کہ آں روز ذکر انتقال وایشاں می باشد از دار العمل بدار الثوب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است'' یہ طعن لوگوں کے حالات سے خبردار نہ ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کوئی فرض نہیں جانتا ہاں صالحین کی قبروں سے برکت لینا اور ایصال ثواب اور تلاوت قرآن اور تقسیم شیرینی و طعام سے ان کی مدد کرنا اجماع علماء سے اچھا ہے عرس کا دن ان کی وفات کی یاد دلاتا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے اچھا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مکتوب ۱۸۲ میں مولانا جلال الدین کو لکھتے ہیں۔ ''اعراس پیراں برسنت پیراں بسماع و صفائی جاری وارند''۔ پیروں کا عرس پیروں کے طریقہ سے قوالی اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں۔ مولوی رشید احمد و اشرف علی صاحبان کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب اپنے فیصلے ہفت مسئلہ میں عرس کے جواز پر بہت زور دیتے ہیں خود اپنا عمل یوں بیان فرماتے ہیں ''فقیر کا مشرب اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک پر ایصال ثواب کرتا ہوں اول قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔

مولوی رشید احمد صاحب بھی اصل عرس کو جائز مانتے ہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں۔ ''بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع ہوگئیں۔ مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے اہل عرب سے معلوم ہوا کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاص کر علماء مدینہ منورہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا عرس کرتے رہے۔ جن کا مزار مقدس احد پہاڑ پر ہے۔ غرض کہ دنیا بھر کے مسلمان علماء و صالحین خصوصاً اہل مدینہ عرس پر کاربند ہیں اور جن کو مسلمان اچھا جانیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے'' عقل بھی چاہتی ہے کہ عرس بزرگان عمدہ چیز ہو اولاً تو اس لیے کہ عرس زیارت قبور اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے زیارت قبور بھی سنت' صدقہ بھی سنت۔ تو دو سنتوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ہم نے تم کو زیارت قبور سے منع فرمایا تھا اَلَا فَزُوْرُوْهَا اب ضرور زیارت کیا کرو۔ اس سے ہر طرح زیارت قبور کا جواز معلوم ہوا خواہ یہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی جاوے یا کہ جمع ہو کر اب اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ مجمع کے ساتھ

زیارت کرنا منع ہے سال کے بعد مقرر کر کے زیارت کرنا منع ہے اور محض لغو ہے معین کر کے ہو یا بغیر معین کیے ہر طرح جائز ہے۔ دوم اس لیے کہ عرس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کے جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی کلمہ طیبہ درود پاک وغیرہ پڑھتے ہیں۔ بہت سی برکات جمع ہو جاتی ہیں۔ تیسرے اس لیے کہ ایک پیر کے مریدین اس تاریخ میں اپنے پیر بھائیوں سے بلا تکلف مل لیتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت ہوتی ہے اور آپس میں محبت بڑھتی ہے چوتھے یہ کہ طالبان کو پیر تلاش کرنے میں آسانی ہے اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگان دین جمع ہوتے ہیں علماء وصوفیاء کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اس سے بیعت کر لے۔ آخر حج اور زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقررہ میں ہی ہوتے ہیں اس میں بھی گذشتہ فوائد ملحوظ ہیں ہم نے دیوبندی اکابر کی قبریں دیکھی ہیں نہ وہاں رونق نہ کوئی فاتحہ خواں نہ ان کو ایصال ثواب نہ کسی کو ان سے نہ کسی سے ان کو فیض امور خیر بند کرنے کی یہ برکات ہیں۔

باب نمبر 2

مسئلہ عرس پر اعتراضات وجوابات میں

اعتراض نمبر 1

جس کو تم بعد موت ولی سمجھتے ہو اس کا عرس کرتے ہو تم کو کیا معلوم کہ یہ ولی ہے کسی کے خاتمہ پر یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مسلمان مرا یا بے دین مرا۔ پھر کسی مردے کی ولایت کیونکر معلوم ہو سکتی ہے۔ بڑے بڑے صالح کافر ہو کر مرتے ہیں۔

جواب

زندگی کے ظاہری احکام بعد موت جاری ہوتے ہیں۔ جو زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز جنازہ، کفن دفن، میراث تقسیم وغیرہ کی جاوے گی۔ اور جو زندگی میں کافر تھا بعد موت نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی نہ گور وکفن، نہ تقسیم میراث، شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے فقط احتمال معتبر نہیں۔ اسی طرح جو زندگی میں ولی ہو وہ بعد وفات بھی ولی ہے اگر محض احتمال پر احکام جاری ہوں تو کفار کی نماز جنازہ پڑھ لیا کرو شاید مسلمان ہو کر مرا ہو۔ اور مسلمان کو بے جنازہ پڑھے آگ میں جلا دیا کرو کہ شاید کافر ہو کر مرا ہو۔ نیز مشکوٰۃ کتاب الجنائز المشی بالجنازہ میں بروایت مسلم و بخاری ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک جنازہ گزرا جس کی لوگوں نے تعریف کی فرمایا وَجَبَتْ واجب ہو گئی دوسرا جنازہ گزرا جسکی لوگوں نے برائی کی فرمایا وجبت واجب ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا واجب ہوئی۔ فرمایا پہلے کے لیے جنت اور دوسرے کے لیے دوزخ پھر فرمایا۔ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ عامۃ المسلمین جس کو ولی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ولی ہے مسلمانوں کے منہ سے وہ ہی بات نکلتی ہے جو اللہ کے یہاں ہوتی ہے اسی طرح جس کو مسلمان ثواب جانیں، حلال جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی باعث ثواب اور حلال ہے کیونکہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں اسی کی حدیث نے تصریح فرمائی۔ مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ قرآن فرماتا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًالِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ (پارہ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۴۳)

ہم نے تم کو امت عادلہ بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔

مسلمان قیامت میں بھی گواہ اور دنیا میں بھی۔ رب تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن سلام و دیگر بزرگوں کی گواہی پیش فرمائی کہ فرمایا وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ م بَنِیْ اِسْرَآءِ یْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ۔ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۶ آیت ۱۰) اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس پر گواہی دے چکا۔ جب صالح مومنین کی گواہی سے نبوت ثابت کی جا سکتی ہے تو ولایت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوسکتی ہے اور جب اس گواہی سے سارے قرآن پاک کا ثبوت ہوسکتا ہے تو کسی شرعی مسئلہ کا ثبوت بدرجہ اولیٰ ہوگا؟

ضروری نوٹ

یہ سوال مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے نجدی امام نے کیا تھا ایک مجمع کے سامنے اس کا میں نے یہ ہی جواب دیا تھا۔ جس پر اس نے کہا کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے لیے تھا کہ وہ جس کے متعلق جو گواہی دیں ویسا ہی ہو جائے کیونکہ وہاں فرمایا اَنْتُمْ ہم اس خطاب میں داخل نہیں۔ کیونکہ ہم اس وقت موجود نہ تھے۔ میں نے کہا کہ اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے وَ فِیْ رِوَایَتِ الْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ ایک روایت میں ہے کہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں زمین میں۔ اس میں انتم نہیں۔ نیز قرآن میں سارے احکام خطاب کے صیغہ سے آئے اَقِیْمُوْا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوْ الزَّكٰوةَ وغیرہ اور ہم قرآن کے نزول کے وقت نہ تھے لہٰذا ہم ان کے احکام سے بری ہیں۔ یہ سب امور صرف صحابہ کرام کے لیے تھے قرآن و حدیث کے خطابات قیامت تک کے مسلمانوں کو شامل ہوتے ہیں الحمدللہ کہ امام صاحب کو اس جواب پر غصہ تو آ گیا مگر جواب نہ آیا۔

اعتراض نمبر 2

حدیث شریف میں ہے لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر پر لوگوں کا اجتماع کرنا میلہ لگانا منع ہے کیونکہ عید سے مراد میلا د ہے اور عرس میں اجتماع ہوتا ہے میلہ لگتا ہے لہٰذا حرام ہے۔

جواب

یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہونا اور حدیث کے معنی ہیں کہ میری قبر پر جمع نہ ہو تنہا آیا کرو۔ عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں مکانات کی زینت و آراستگی ہوتی ہے کھیل کود بھی ہوتے ہیں یہ ہی اس جگہ مراد ہے یعنی ہماری قبر انور پر حاضر ہو تو باادب آؤ۔ یہاں آ کر شور نہ مچاؤ۔ کھیل کود نہ کرو اگر قبر پر جمع ہونا منع ہے تو آج مدینہ منورہ کی طرف قافلے بھی جاتے ہیں اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بعد نماز پنجگانہ لوگ جمع ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ حاجی امداداللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں بحث عرس میں فرماتے ہیں۔ لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا۔ اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا اور خوشیاں اور زینت و آراستگی دھوم دھام کا اہتمام یہ ممنوع ہے اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا واسطے زیارت روضہ اقدس کے بھی منع ہوتا وَهٰذَا بَاطِلٌ پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفراداً و اجتماعاً۔ دونوں طرح جائز ہے یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم ہماری قبر پر جلد جلد آیا کرو مثل عید کے سال بھر کے بعد ہی نہ آیا کرو۔

اعتراض نمبر 3

عام عرسوں میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، ناچ رنگ ہوتے ہیں، قوالی گائی جاتی ہے غرضیکہ عرس بزرگان صدہا محرمات کا مجموعہ ہے اس لیے یہ حرام ہے؟

جواب

اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا بلکہ حرام تو حرام رہتا ہے۔ اور حلال حلال۔ شامی بحث زیارت قبور کتاب الجنائز میں ہے۔

> وَلَا تُتْرَكُ لِمَا يَحْصُلُ عِنْدَهَا مِنْ مُنْكِرَاتٍ وَ مُفَاسِدَ كَاِخْتِلَاطِ الرِّجَالِ بِالنِّسَآءِ وَ غَيْرِ هَا لِاَنَّ الْقُرُبَاتِ لَا تُتْرَكُ لِمِثْلِ ذٰلِكَ بَلْ عَلَى الْاِنْسَانِ فِعْلُهَا وَ اِنْكَارُ الْبِدْعِ قُلْتُ وَ يُؤَيِّدُهٗ مَامَرَّ مِنْ عَدَمِ تَرْكِ اِتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَ اِنْ كَانَ مَعَهَا نِسَآءٌ نَائِحَاتٌ۔
>
> ”زیارت قبور اس لیے نہ چھوڑ دے کہ وہاں ناجائز کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا خلط کیونکہ ان جیسی ناجائز باتوں سے مستحبات نہیں چھوڑے جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارات قبور کرے اور بدعت کو روکے اسکی تائید وہ گذشتہ مسئلہ کرتا ہے کہ جنازے کیساتھ جانا نہ چھوڑے اگرچہ اس کے ساتھ نوحہ کرنے والیاں ہوں۔“

فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں بت تھے اور کوہ صفا و مروہ پر بھی بت تھے۔ لیکن بتوں کی وجہ سے مسلمانوں نے نہ تو طواف چھوڑا نہ عمرہ، ہاں اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹا دیا، آج بازاروں میں ریل کے سفروں میں اور دنیاوی جلسوں میں عورتوں مردوں کا اختلاط ہوتا ہے خود حاجیوں کے جہازوں میں بعض وقت طواف منٰی مزدلفہ میں اختلاط مرد و زن ہو جاتا ہے مگر ان کی وجہ سے اصل شئی کو کوئی منع نہیں کرتا دینی مدارس میں بھی اکثر اوقات بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے نفس مدرسہ حرام نہیں۔ اسی طرح عرس ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا حرام ہے ناچ رنگ حرام ہے۔ لیکن انکی وجہ سے اصل عرس کیوں حرام ہو۔ بلکہ وہاں جا کر ان جیسی ناجائز رسموں کو روکو۔ لوگوں کو سمجھاؤ۔ دیکھو جب ابن قیس منافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمایئے کہ روم و شام کی عورتیں خوبصورت ہیں اور میں عورتوں کا شیدائی ہوں۔ مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے مگر قرآن کریم نے اس عذر کی تردید یوں فرمائی کہ اَ لَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْاؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۴۹) اس عذر کو رب نے کفر اور ذریعہ جہنم بتایا۔ دیکھو تفسیر کبیر روح البیان۔ یہ ہی عذر آج کل دیوبندی محض روکنے کے لیے کرتے ہیں۔

آج بیاہ شادی میں صدہا حرام رسمیں ہوتی ہیں جن سے مسلمان تباہ بھی ہوتے ہیں اور گنہگار بھی۔ لیکن ان رسوم کی وجہ سے کوئی نکاح کو حرام کہہ کر بند نہیں کرتا۔

قوالی جو آج کل عام طور پر مروج ہے۔ جس میں گندے مضامین کے اشعار گائے جاتے ہیں اور فاسق اور امردوں کا اجتماع ہوتا ہے اور محض آواز پر رقص ہوتا ہے۔ یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جگہ تمام شرائط سے قوالی ہو گانے والے اور سننے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں

کہہ سکتے۔ بڑے بڑے صوفیائے کرام نے خاص قوالی کو اہل کے لیے جائز فرمایا اور نا اہل کو حرام۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ کتاب المناقب عمر میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے لونڈی دف بجا رہی تھی صدیق اکبر آئے تو وہ بجاتی رہی عثمان غنی آئے بجاتی رہی مگر جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آئے رضی اللہ عنہم تو دف کو اپنے نیچے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! تم سے شیطان خوف کرتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ دف بجانا شیطانی کام تھا یا کہ نہیں۔ اگر تھا تو کیا حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر و عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے شیطان نے خوف نہ کیا اور اس میں خود حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں؟ جواب وہ ہی ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے آنے سے قبل یہ ہی کام شیطانی نہ تھا ہوتا رہا۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آتے ہی شیطانی بن گیا بند ہو گیا۔ اس لیے صوفیائے کرام نے اس پر چھ شرطیں لگائی ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ مجلس میں کوئی غیر اہل نہ ہو۔ ورنہ شیطان کی اس میں شرکت ہوگی۔ جیسے کہ مجلس طعام میں اگر کوئی شخص بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کر دے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے اس سے لازم یہ نہیں کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا درجہ کچھ کم ہے بلکہ صحابہ کرام کے مشرب علیحدہ علیحدہ ہیں بعض پر اتباع غالب بعض پر جذبہ محبت غالب اس لیے اثرات مختلف تھے اگر کوئی غوث یا قطب بغیر بسم اللہ کھانے میں شرکت کریں تو ان میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس سے اس غوث کی توہین نہیں ہوتی۔

شامی جلد پنجم کتاب الکراہیت فصل فی اللبس سے کچھ قبل ہے **اَللّٰھْوُ لَیْسَتْ بِحُرْمَۃِ لِعَیْنِھَا بَلْ بِقَصْدِ اللَّھْوِ مِنْھَا اَلَاتَرٰی اَنَّ ضَرْبَ تِلْکَ الْاٰ لَتِہٖ بِعَیْنِھَا اُحِلَّ تَارَۃً وَ حُرِّمَ اُخْرٰی وَفِیْہِ دَلِیْلٌ لِسَادَاتِنَا الصُّوْفِیَۃِ الَّذِیْنَ یَقْصِدُوْنَ بِسَمَاعِھَا اُمُوْرًا ھُمْ اَعْلَمُ بِھَا فَلَا یُبَادِرُ الْمُعْتَرِضُ بِالْاِ نْکَارِ کِیْ لَا یَحْرُمَ بَرْکَتُھُمْ فَاِنَّھُمُ السَّادَۃُ الْاَخْیَارُ** ۔ تفسیرات احمدیہ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَا الْحَدِیْثِ** ۔ (پارہ ۲۱ سورہ ۳۱ آیت ۶) میں اس قوالی کی بہت تحقیق فرمائی۔ آخر فیصلہ یہ فرمایا کہ قوالی اہل کے لیے حلال ہے اور نا اہل کو حرام۔ پھر فرماتے ہیں **وَبِہٖ نَا خُذُ لَا نَّا شَھِدْنَا اَنَّہٗ نَشَآءُ مِنْ قَوْمٍ کَانُوْا عَارِفِیْنَ وَمُحِبِّیْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ وَکَانُوْا مَعْذُوْرِ یْنَ لِغَلْبَۃِ الْحَالِ وَیَسْتَکْثِرُوْنَ السِّمَاعَ لِلْغَنَاءِ وَکَانُوْایَحْسِبُوْنَ ذٰلِکَ عِبَادَۃً اَعْظَمَ وَجِھَادًا اَکْبَرَفَیُحِلُّ لَھُمْ خَاصَۃً اَنْتَھٰی مُلَخْصًا** ۔ حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں بحث عرس قوالی کے متعلق فرماتے ہیں۔ محققین کا قول یہ ہے کہ اگر شرائط جواز جمع ہوں اور عوارض مانع مرتفع ہو جاویں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ مولوی رشید احمد صاحب فتاویٰ رشیدیہ جلد کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۶۱ پر فرماتے ہیں۔ بلا مزامیر راگ کا سننا جائز ہے۔ اگر گانے والا محل فساد نہ ہو اور مضمون کا خلاف شرع نہ ہو اور موافق موسیقی کے ہونا کچھ حرج نہیں خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قوالی اہل کے لیے شرائط کے ساتھ جائز ہے اور بلا شرائط اور نا اہل کے لیے حرام ہے۔ قوالی کی شرائط علامہ شامی نے اسی کتاب الکراہیۃ میں چھ بیان فرمائی ہیں۔ مجلس میں کوئی امرد بے داڑھی کا لڑکا نہ ہو۔ اور ساری جماعت اہل کی ہو اس میں کوئی نا اہل نہ ہو قوال کی نیت خالص ہو اجرت لینے کی نہ ہو۔ اور لوگ بھی کھانے اور لذت لینے کی نیت سے جمع نہ ہوں۔ بغیر غلبہ کا وجد میں کھڑے نہ ہوں۔ اشعار خلاف شرع نہ ہوں۔ اور قوالی کا اہل وہ ہے کہ اس کو وجد کی حالت میں اگر کوئی تلوار مارے تو خبر نہ ہو بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اہل وہ ہے کہ اگر سات روز تک اس کو کھانا نہ دیا جاوے۔ پھر ایک طرف کھانا ہو اور دوسری طرف گانا تو وہ کھانا چھوڑ کر گانا اختیار کرے۔ ہماری اس گفتگو کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آج کی عام قوالیاں حلال ہیں یا عام لوگ قوالی سنیں بلکہ ہم نے بہت سے مخالفین کو سنا کہ وہ اکابر صوفیائے عظام کو محض قوالی کی بنا پر گالیاں دیتے ہیں اور قوالی کو مثل زنا کے حرام کہتے ہیں۔ اسی لیے عرض کرنا پڑا کہ

خود تو قوالی نہ سنو مگر اولیاء اللہ جن سے سماع ثابت ہے ان کو برا نہ کہو۔ قوالی ایک درد کی دوا ہے جسکو درد ہو وہ پیئے جسکو نہ ہو وہ بچے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”کہ نہ ایں کار می کنم و نہ انکار می کنم“۔ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حدیث میں کیونکہ گانے کی برائیاں آ گئیں لہٰذا اس کے مقابل خواجہ اجمیری و امام غزالی کے قول کا اعتبار نہیں یہ سب فاسق تھے۔ معاذ اللہ ان کلمات سے دکھ پہنچا مختصر یہ مسئلہ لکھ دیا۔

اعتراض نمبر 4

اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جانے سے حلال حرام نہیں بن جاتا تو تعزیہ داری بت پرستوں کے میلے‘ کھیل تماشے‘ سینما‘ تھیٹر وغیرہ سب جائز ہوئے کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام جائز بھی ہوتا ہی ہے وہاں بھی یہ ہی کہو کہ یہ مجمع حرام نہیں بلکہ ان میں جو برے کام ہیں وہ حرام ہیں جو جائز ہیں وہ حلال نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ جس ولیمہ میں ناچ رنگ دستر خوان پر ہو وہاں جانا منع ہے حالانکہ قبول دعوت سنت مگر حرام کام ملنے سے حرام ہو گئی اسی طرح عرس بھی ہے مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب

ایک تو ہے حرام کا فعل حلال میں شامل ہونا ایک ہے اس میں داخل ہونا جہاں فعل حرام اس کا جز بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہو اور اگر ہوتا ہو تو اس کا یہ نام نہ ہو اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کر دے گا اگر فعل حرام اس طرح ہو کر جز میں داخل نہ ہو گیا ہو بلکہ کبھی اس میں ہوتا ہو اور کبھی نہیں جس کو خلط کہتے ہیں تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کر دے گا جیسے کہ پیشاب کپڑے پر لگ گیا اور پانی میں پڑ گیا کپڑے کا جز نہ بنا۔ پانی کا جز بن گیا۔ تو احکام میں بہت فرق پڑ گیا‘ نکاح‘ سفر‘ بازار وغیرہ میں محرمات شامل ہو جاتے ہیں؟ مگر ان کا جز نہیں سمجھے جاتے کہ ان کے بغیر اس کو نکاح ہی نہ کہا جاوے گا اور تعزیہ داری میں اسراف باجے ناجائز میلے اس طرح جز بن کر داخل ہوئے کہ کوئی تعزیہ داری وغیرہ اس سے خالی نہیں ہوتی اور اگر خالی ہو تو اس کو تعزیہ داری نہیں کہتے کہ اگر کوئی شخص کربلا معلّٰی کا نقشہ بنا کر گھر میں رکھ لے نہ تو زمین میں دفن کرے نہ یہ محرمات ہوں تو جائز ہے کیونکہ غیر جاندار کی تصویر بنانا مباح ہے۔ الحمد للہ عرس میں ناچ گانا وغیرہ داخل نہیں ہوا بہت سے عرس ان محرمات سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو عرس ہی کہا جاتا ہے۔ سرہند شریف میں مجدد الف ثانی صاحب کا عرس بالکل محرمات سے خالی ہوتا ہے عام طور پر لوگ حضرت آمنہ خاتون‘ سیدنا عبد اللہ‘ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کا عرس کرتے ہیں۔ صرف مجلس وعظ اور تقسیم طعام شیرینی ہوتی ہے۔ نیز دعوت قبول کرنا سنت نہیں‘ نابالغ بچے کی دعوت‘ اہل میت کی مروجہ دعوت اغنیاء کی جن کے یہاں صرف حرام کا ہی مال ہو ان کی دعوت قبول کرنا ناجائز ہے۔ اسی طرح جس ولیمہ میں ناچ و رنگ خاص دستر خوان پر ہو اس کا قبول کرنا منع ہے۔ بخلاف زیارت قبور کے وہ بہر حال سنت ہے لہٰذا حرام کام کے اختلاط سے دعوت تو سنت ہی نہ بنی اور زیارت قبور چونکہ سنت تھی وہ حرام نہ ہوئی جیسے کہ شرکت دفن بہر حال سنت ہے تو اگر وہاں محرمات ہوں تو اس سے یہ سنت حرام نہ ہو گی۔ بہت باریک فرق ہے‘ خیال رکھنا چاہیئے۔

بحث زیارت قبور کے لیے سفر کرنا

عرس بزرگان اور زیارت قبور کے لیے سفر کرنا جائز اور باعث ثواب ہے۔ دیوبندی وغیرہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اس لیے اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے ہیں پہلے باب میں جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

باب نمبر 1

سفر عرس کے بارے میں

سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے یعنی حرام کام کے لیے سفر کرنا حرام۔ جائز کے لیے جائز اور سنت کے لیے سنت۔ فرض کے لیے فرض۔ حج فرض کے لیے سفر بھی فرض ہے۔ کبھی جہاد وتجارت کے لیے سفر سنت ہے۔ کیونکہ یہ کام خود سنت ہے۔ روضہ مصطفیٰ علیہ السلام کی زیارت کے یے سفر واجب ہے کیونکہ یہ زیارت واجب دوستوں سے ملاقات۔ شادی ختنہ میں اہل قرابت کی شرکت۔ اطباء سے علاج کرانے کے لیے سفر کرنا جائز کیونکہ یہ چیزیں خود جائز ہیں چوری ڈکیتی کے لیے سفر حرام ہے' کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں غرض کہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس کے مقصد کا حکم دیکھ لو۔ عرس خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سنت ہے لہٰذا اس کے لیے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ م بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط

(پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۰۰)

جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کے لیے اللہ اور رسول کی طرف نکل گیا پھر اسکو موت آ گئی تو اس کا اجر عند اللہ ثابت ہو گیا۔

سفر ہجرت ثابت ہوا لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ (پارہ ۳۰ سورۃ ۱۰۶ آیت ۲) اس لیے قریش کو میل دلایا ان کے جاڑے اور گرمی کے دونوں سفروں میں۔ سفر تجارت ثابت ہوا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۸ آیت ۶۰)

''اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہ رہوں گا جب تک کہ وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملتے ہیں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لیے گئے۔ مشائخ کی ملاقات کے لیے سفر کرنا ثابت ہوا۔

يٰبَنِىَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ط (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۸۷)

''اے میرے بیٹو جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو''

یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاش یوسف کے لیے حکم دیا۔ اور تلاش محبوب کے لیے سفر ثابت ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ يَاْتِ بَصِيْرًا ج (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۹۳)

میرا یہ کرتہ لے جاؤ میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

علاج کے لیے سفر ثابت ہوا۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۶۹)

"پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔"

ملاقات فرزند کے لیے سفر ثابت ہوا۔ فرزندان یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا۔

فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَکْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۶۳)

ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ ہم غلہ لائیں گے اور ان کی ضرور حفاظت کریں گے۔

روزی حاصل کرنے کے لیے سفر ثابت ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی (پارہ ۳۰ سورۃ ۷۹ آیت ۱۷)

"فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔"

تبلیغ کے لیے سفر ثابت ہوا۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں ہے۔

مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

"جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے"۔

حدیث میں ہے اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ۔ علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔ کریما میں ہے

طلب کردن علم شد بر تو فرض دگر واجب است از پیش قطع ارض

علم کا طلب کرنا تم پر فرض ہے اس کے لیے سفر بھی ضروری ہے طلب علم کے لیے سفر ثابت ہوا۔ گلستان میں ہے۔

برو اندر جہاں تفرج کن! پیش ازاں روز کز جہاں بردی

جاؤ دنیا کی سیر کرو مرنے سے پہلے سیر کے لیے سفر ثابت ہوا قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۱۱)

"کفار سے فرما دو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا کیا انجام ہوا۔"

جن ملکوں پر عذاب الٰہی آیا ان کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لیے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزارات اولیاء کی زیارت کے لیے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا یہ حضرات طبیب روحانی ہیں اور ان کے فیوض مختلف۔ ان کے مزارات پر پہنچنے سے شان الٰہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعد وفات بھی دنیا پر راج کرتے ہیں اس سے ذوق عبادت پیدا ہوتا ہے ان کے مزارات پر دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

شامی جلد اول بحث زیارت قبور میں ہے۔

وَهَلْ تُنْدَبُ الرِّحْلَةُ لَهَا كَمَا اعْتِيْدَ مِنَ الرِّحْلَةِ اِلٰى زِيَارَةِ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ وَ زِيَارَةِ السَّيِّدِ الْبَدْوِيِّ لَمْ اَرَ مَنْ صَرَّحَ بِهٖ مِنْ اَئِمَّتِنَا وَ مَنَعَ مِنْهُ بَعْضُ الْاَئِمَّةِ الشَّافِعِيَّةِ قِيَاسًا عَلٰى مَنْعِ الرِّحْلَةِ بِغَيْرِ الْمَسٰجِدِ الثَّلٰثِ وَرَدَّهٗ الْغَزَالِيْ بِوُضُوْحِ الْفَرْقِ۔

''اور آیا زیارت قبور کے لیے سفر کرنا مستحب ہے جیسے کہ آج کل خلیل الرحمٰن اور سید بدوی علیہ الرحمۃ کی زیارت کے لیے سفر کرنے کا رواج ہے میں نے اپنے آئمہ میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی۔ بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے مسجدوں کے سفر پر قیاس کر کے لیکن امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس منع کی تردید کردی فرق واضح فرمادیا۔''

شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَاَمَّا الْاَوْلِيَآءُ فَاِنَّهُمْ مُتَفَاوِتُوْنَ فِي الْقُرْبِ اِلَى اللّٰهِ وَ نَفْعِ الزَّائِرِيْنَ بِحَسْبِ مَعَارِفِهِمْ وَ اِسْرَارِهِمْ۔

''لیکن اولیاء اللہ تقرب الی اللہ وزائرین کو نفع پہنچانے میں مختلف ہیں بقدر اپنے معروف واسرار کے۔''

مقدر شامی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔

اِنِّيْ لَاَتَبَرَّكُ بِاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ اَجِيْءُ اِلٰى قَبْرِهٖ فَاِذَا عَرَضَتْ لِيْ حَاجَةٌ صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَ سَاَلْتُ اللّٰهَ عِنْدَ قَبْرِهٖ فَتُقْضٰى سَرِيْعًا۔

''میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں اور اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جا کر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے''۔

اس سے چند امور ثابت ہوئے زیارت قبور کے لیے سفر کرنا۔ کیونکہ امام شافعی اپنے وطن فلسطین سے بغداد آتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے لیے صاحب قبر سے برکت لینا ان کی قبروں کے پاس جا کر دعا کرنا۔ صاحب قبر کو ذریعہ حاجت روائی جاننا۔ نیز زیارات روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سفر کرنا ضروری ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۵۹ میں ہے ''زیارت بزرگان کے لیے سفر کر کے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں اور بعض ناجائز دونوں اہل سنت کے علماء ہیں۔ مسئلہ مختلفہ ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں میں محال ہے'' رشید احمد عفی عنہ۔

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عرس سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرما سکتے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو۔ اس لیے کہ ہم عرض کر چکے سفر کی حلت وحرمت اسکے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت قبر۔ اور یہ منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی اجازت مطلقاً ہے۔ اَلَا فَزُوْرُوْهَا تو سفر کیوں حرام ہوگا۔ نیز دینی و دنیاوی کاروبار کے لیے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دینی کام کے لیے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو؟

باب نمبر 2

سفرِ عرس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض نمبر 1

مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

لَا تَشُدُّ الرِّحَالَ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثِ مَسٰجِدَ مَسْجِدَ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدُ الْاَقْصٰے وَ مَسْجِدِیْ ھٰذَا۔

”تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی طرف کا سفر نہ کیا جاوے۔ مسجد بیت اللہ مسجد بیت المقدس اور میری یہ مسجد“
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت قبور بھی ان تینوں کے سواء ہے۔

جواب

اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے چنانچہ مسجد بیت الحرام میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر۔ بیت المقدس، اور مدینہ پاک کی مسجد میں ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر۔ لہٰذا ان مساجد میں یہ نیت کر کے دور سے آنا چونکہ فائدہ مند ہے جائز ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کے کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے محض لغو ہے اور نا جائز کیونکہ ہر جگہ کی مسجد میں ثواب یکساں ہے جیسے بعض لوگ دہلی کی جامعہ مسجد میں جمعۃ الوداع پڑھنے کے لیے سفر کر کے جاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر کے وہاں ثواب زیادہ ہوتا ہے یہ نا جائز ہے تو سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور پھر زیادتی ثواب کی نیت سے یہ منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ نہ کی جاوے تو ہم پہلے باب میں بہت سے سفر قرآن سے ثابت کر چکے ہیں وہ سب حرام ہوں گے۔ آج تجارت کے لیے، علم دین کے لیے، دنیاوی کاموں کے لیے صد ہا قسم کے سفر کرتے ہیں۔ وہ سب حرام ٹھہریں گے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے ”وبعضے از علماء گفتہ اند کہ سخن در مساجد است یعنی در مسجدے دیگر جز ایں مساجد سفر جائز نہ باشد واما مواضع دیگر جز مساجد خارج از مفہوم ایں کلام است۔
بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں کلام مسجدوں کے بارے میں ہے یعنی ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں مسجد کے علاوہ اور مقامات وہ اس کلام کے مفہوم سے خارج ہیں۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فِیْ الشَّرْحِ الْمُسْلِمِ لِلنَّوَوِیْ قَالَ اَبُوْ مُحَمَّدٍ یُحَرِّمُ شَدَّ الرِّحَالِ اِلٰی غَیْرِ الثَّلٰثَةِ وَ ھُوَ غَلَطٌ وَ فِیْ الْاَحْیَاءِ ذَھَبَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ اِلَی الْاِسْتِدْلَالِ عَلَی الْمَنْعِ مِنَ الرِّحْلَةِ لِزِیَارَةِ الْمَشَاھِدِ وَ قُبُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ مَا تَبَیَّنَ اِلَی اَنَّ الْاَمْرَ لَیْسَ کَذٰالِكَ بَلِ الزِّیَارَةُ مَامُوْرٌ بِھَا لِخَبَرِ اَلَا فَزُوْرُوْھَا اِنَّمَا وَرَدَنَھْیًا عَنِ الشَّدِّ بِغَیْرِ الثَّلٰثَةِ مِنَ الْمَسْجِدِ لِتَمَاثُلِھَا وَ اَمَّا الْمُشَاھِدُ فَلَا تُسَاوِیْ بَلْ بَرَکَةُ زِیَارَتِھَا عَلٰی قَدْرِ دَرَجَاتِھِمْ عِنْدَ اللّٰهِ ھَلْ یَمْنَعُ ذٰلِكَ الْقَائِلُ عَنْ شَدِّ الرِّجَالِ بِقُبُوْرِ الْاَنْبِیَاءِ کَاِبْرَاھِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ یَحْیٰی وَالْمَنْعُ مِنْ ذٰلِكَ فِیْ غَایَةِ الْاِحَالَةِ

وَ الْاَوْلِیَاءِ فِیْ مَعْنَاهُمْ فَلَا یَبْعُدُ اَنْ یَّکُوْنَ ذٰلِكَ مِنْ اَغْرَاضِ الرِّحْلَةِ کَمَا اَنَّ زِیَارَةَ الْعُلَمَاءِ فِی الْحَیٰوةِ۔

’’نووی کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سواء ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء العلوم میں ہے کہ بعض علماء متبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو مجھ کو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قبور کا حکم ہے اس حدیث کی وجہ سے الافزوردہا ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس لیے منع فرمایا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات متبرکہ یہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات ہیں کیا یہ مانع انبیائے کرام کی قبور کے سفر سے بھی منع کرے گا جیسے حضرت ابراہیم وموسیٰ ویحییٰ داس سے منع کرنا سخت دشوار ہے اور اولیاء اللہ بھی انبیاء کے حکم میں ہیں پس کیا بعید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے میں بھی کوئی خاص غرض ہو۔ جیسا کہ علماء کی زندگی میں ان کی زیارت کرنا۔‘‘

اسی مشکوٰۃ کتاب الجہاد فی فضائلہ میں ہے۔

لَا تَرْکَبُ الْبَحْرَ اِلَّا حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِیًا فَاِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا وَّ تَحْتَ النَّارِ بَحْرًا۔

’’دریا میں سوار نہ ہو مگر حاجی یا غازی یا عمرہ کرنے والا کہیئے کیا سوائے ان تینوں کے اوروں کو سفر دریا حرام ہے۔‘‘

غرضیکہ حدیث کا وہی مطلب ہے جو کہ ہم نے عرض کر دیا ورنہ دنیا کی زندگی مشکل ہو جاوے گی۔

اِعتراض نمبر 1

اللہ ہر جگہ ہے اس کی رحمت ہر جگہ پھر کسی چیز کو ڈھونڈنے کے لیے اولیاء کے مزاروں پر سفر کر کے جاتے ہیں دینے والا رب ہے وہ ہر جگہ ہے۔

جواب

اولیاء اللہ رحمت رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں سے ہی ملتی ہے۔ ریل اپنی پوری لائن سے گزرتی ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے لیے اسٹیشن پر جانا ہوتا ہے اگر اور جگہ لائن پر کھڑے ہو گئے تو ریل گزر یگی تو سہی مگر تم کو نہ ملے گی۔ آج دنیاوی مقاصد، نوکری، تجارت وغیرہ کے لیے سفر کرتے ہو۔ خدا رازق ہے وہ ہر جگہ دے گا۔ طبیب کے پاس بیمار سفر کر کے کیوں آتے ہیں خدا شافی الامراض ہے اور وہ تو ہر جگہ ہے آب و ہوا بدلنے کے لیے پہاڑ اور کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو وہاں کی آب و ہوا تو تندرستی کو مفید ہے۔ لیکن اولیاء کے مقامات کی آب و ہوا ایمان کو مفید نہ ہو۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا؟ وہ سب کچھ ان کو یہاں ہی دے سکتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے هُنَالِكَ دَعَا ذَكَرِيَّا رَبَّهٗ معلوم ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس کھڑے ہو کر بچے کے لیے دعا کی یعنی ولیہ کے پاس دعا کرنا باعث قبول ہے۔ معلوم ہوا کہ قبور اولیاء اللہ کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

اِعتراض نمبر 3

جس درخت کے نیچے بیت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اس کو زیارت گاہ بنا لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوا دیا تو قبور

اولیاء کو زیارت گاہ بنانا فعل عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔

جواب

یہ محض غلط ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو ہرگز نہیں کٹوایا' بلکہ وہ اصل درخت قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا تھا۔ اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کر دی تھی۔ اس غلطی سے بچانے کے لیے فاروق اعظم نے اس دوسرے درخت کو کٹوایا۔ اگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عنہ تبرکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور علیہ السلام کے بال مبارک' تہبند شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں ان کو کیوں باقی رہنے دیا۔ مسلم جلد دوم کتاب الامارت باب بیان بیعت الرضوان۔ بخاری جلد دوم باب غزوہ الحدیبیہ میں ابن میسب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ اَبِىْ مِمَّنْ بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فِىْ قَابِلٍ حَاجِّيْنَ فَخَفِىَ عَلَيْنَا مَكَانُهَا

"میرے والد بھی ان میں سے ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخت کے پاس بیعت کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم سال آئندہ حج کے لیے گئے تو اس کی جگہ ہم پر مخفی ہو گئی۔"

بخاری میں ہے۔

فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ نَسِيْنَاهَا فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهَا

"پس جب ہم آئندہ سال گئے تو اس کو بھول گئے اور اس کو پا نہ سکے۔"

پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اصل درخت کٹوا دیا۔

بحث کفنی یا الفی لکھنے کا بیان

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اولاً تو قبر میں شجرہ یا غلاف کعبہ یا عہد نامہ یا دیگر تبرکات کا رکھنا۔ دوم مردے کے کفن یا پیشانی پر انگلی یا مٹی یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ یہ دونوں کام جائز اور احادیث صحیحہ اقوال فقہا سے ثابت ہیں۔ مخالفین اس کے منکر ہیں۔ لہٰذا اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

باب نمبر 1

کفنی یا الفی لکھنے کے ثبوت میں

قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہے قرآن فرماتا ہے وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۳۵) اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى

وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۹۳) میری قمیض لے جا کر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشتا ہے۔ کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی قمیض تھی۔ تو امید ہے کہ بزرگوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آ جائیں۔

مشکوٰۃ باب غسل المیت میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم زینب بنت رسول علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل رکھ دو۔ اس کے ماتحت لمعات میں ہے

هٰذَا الْحَدِیْثُ اَصْلٌ فِیْ التَّبَرُّكِ بِاٰثَارِ الصّٰلِحِیْنَ وَ لِبَاسِهِمْ كَمَا یَفْعَلُهٗ بَعْضُ مُرِیْدِیْ الْمَشَائِخِ مِنَ لُبْسِ اَقْمِصِهِمْ فِیْ الْقَبْرِ۔

یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور انکے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض مریدین قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں۔

اسی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات شریف میں ہے "دریں جا استحباب تبرک است بلباس صالحین و اثار ایشاں بعد از موت در قبر چنانچہ قبل از موت نیز ہمچنیں بودہ۔" اس سے ثابت ہوا کہ صالحین کے لباس اور ان کے تبرکات سے بعد موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھا یہ ہی شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاخیار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے احوال میں فرماتے ہیں۔ "چوں وقت رحلت قریب تر آمد فرمودند کہ بعض ابیات و کلمات کہ مناسب معنی عفو و اشعار اور کلمات جو کہ عفو و بخشش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔ "شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است لیکن ایں را دو طریق است اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بالاء کفن گذارند ایں طریق را فقہاء منع مے کنند و طریق دوم ایں است کہ جانت سر مردہ اندروں قبر طاقچہ بگزارمد دوران کاغذ شجرہ را نہند"۔ قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں طاقچہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ مشکوٰۃ باب غسل المیت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبداللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔ اس کو نکلوایا۔ اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اپنی قمیض مبارک اس کو پہنائی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب مَنْ اَعَدَّ الْكَفَنَ میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہنے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہبند شریف حضور سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اسے کہا کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رد کرنا عادت کریمہ نہیں تم نے کیوں مانگ لیا۔ انہوں نے کہا۔

وَاللهِ مَا سَئَلْتُ لِاَ لْبِسَهَا اِنَّمَا سَئَلْتُ لِتَكُوْنَ كَفَنِیْ قَالَ سَهْلٌ فَكَانَتْ كَفَنَهٗ۔

"اللہ کی قسم میں نے پہننے کے لیے نہیں لیا میں نے تو اس لیے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سہل فرماتے ہیں کہ وہی اس کا کفن ہوا"

ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ

بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیض میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹے پھر ان کو دفن کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

اِنِّي اَلْبَسْتُهَا لِتَلْبَسَ مِنْ ثِيَابِ الْجَنَّةِ وَ اَضْطَجَعْتُ مَعَهَا فِيْ قَبْرِ هَا لَاخَفَّفَ عَنْهَا ضَغْطَةُ الْقَبْرِ۔

”قمیض تو اس لیے پہنائی کہ انکو جنت کا لباس ملے اور انکی قبر میں آرام اس لیے فرمایا کہ ان سے تنگی قبر دور ہو۔“

ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لیے رکھ چھوڑا ہے اس قمیض پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

وَ خُذْ ذٰلِكَ الشَّعْرَ وَ الْاَظْفَارَ فَاجْعَلْهُ فِيْ فَمِيْ وَ عَلٰى عَيْنِيْ وَ مَوَاضِعِ السُّجُوْدِ مِنِّيْ۔

- ”اور ان کے مبارک بالوں اور ناخنوں کو لو۔ انکو میرے منہ میں اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضاء سجدہ پر رکھ دینا“۔

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبدالرحمٰن روامی سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیقات منظور ہوں تو الحرف الحسن مصنفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مطالعہ کریں۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے خواہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنْ كَتَبَ هٰذَا الدُّعَاءَ وَجَعَلَهُ بَيْنَ صَدْرِ الْمَيِّتِ وَ كَفَنِهٖ فِيْ رُقْعَةٍ لَمْ يَنَلْهُ عَذَابُ الْقَبْرِ وَ لَا يَرٰى مُنْكِرًا وَّ نَكِيْرًا

”جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ پر لکھ کر رکھے اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔“

فتاویٰ کبریٰ اللمکی میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا۔

اَنَّ هٰذَا الدُّعَاءَ لَهُ اَصْلٌ وَ اَنَّ الْفَقِيْهَ ابْنِ عَجِيْلٍ كَانَ يَامُرُ بِهٖ ثُمَّ اَفْتٰى بِجَوَازِ كِتَابَتِهٖ قِيَاسًا عَلٰى كِتَابَةِ اللّٰهِ فِيْ نَعَمِ الزَّكٰوةِ۔

”اس دعا کی اصل ہے کہ فقیہ ابن عجیل اسکا حکم دیتے تھے اور اس کے لکھنے کا جواز کا فتویٰ دیتے تھے اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔“

وہ دعا یہ ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا للّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ حْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۔ (الحرف الحسن) میں ترمذی سے نقل کیا کہ اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتہ اسے مہر لگا کر قیامت کے لیے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائیں جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لا کر نداء کرے گا کہ عہد والے کہاں ہیں؟ ان کو یہ عہد نامہ دیا جاوے گا امام ترمذی نے فرمایا کہ وَ عَنْ طَاوُسٍ اَنَّهٗ اَمَرَ بِهٰذَا الْكَلِمٰتِ فَكُتِبَ فِيْ

کَفْنِہٖ (الحرف الحسن) حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے۔

ذَکَرَ الْاِمَامُ الصَّفَّارُ لَوْ کَتَبَ عَلٰے جَبْھَۃِ الْمَیِّتِ اَوْ عَلٰی عَمَامَتِہٖ اَوْ کَفْنِہٖ عَھْدَ نَامَہٗ یُرْجٰی اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ تَعَالٰے لِلْمَیِّتِ وَ یَجْعَلَہٗ اٰمِنًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

''امام صفار نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا میت کی بخشش فرمادے اور عذاب قبر سے امن دے''

درمختار جلد اول باب الشہید سے کچھ قبل ہے۔

کَتَبَ عَلٰے جَبْھَۃِ الْمَیِّتِ اَوْ عِمَامَتِہٖ اَوْ کَفْنِہٖ عَھْدَ نَامَہٗ یُرْجٰی اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لِلْمَیِّتِ۔

''میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے۔''

درمختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دی جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گزری اس نے کہا کہ بعد دفن ملائکہ عذاب آئے مگر انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ عذاب الٰہی سے بچ گیا۔ فتاوی بزازیہ میں کتاب الجنایات سے کچھ قبل ہے۔

وَذَکَرَ الْاِمَامُ الصَّفَّارُ لَوْ کَتَبَ عَلٰے جَبْھَۃِ الْمَیِّتِ اَوْ عَلٰی عِمَامَتِہٖ اَوْ کَفْنِہٖ عَھْدَ نَامَۃٍ یُرْجٰی اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِلْمَیِّتِ وَ یَجْعَلَہٗ اٰمِنًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ نَصِیْرٌ ھٰذِہٖ رِوَایَۃٌ فِیْ تَجْوِیْزِ ذٰلِکَ وَ قَدْ رُوِیَ اَنَّہٗ کَانَ مَکْتُوْبًا عَلٰی اَفْخَاذِ اَفْرَاسٍ فِیْ اَصْطَبَلِ الْفَارُوْقِ حُبِسَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

''اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کردے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے اور مروی ہے کہ فاروق اعظم کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا حُبِسَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔''

ان کے علاوہ بہت سی روایات فقہیہ پیش کی جاسکتی ہیں مگر ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں زیادہ تحقیق کے لیے الحرف الحسن یا فتاوی رضویہ شریف کا مطالعہ کرو۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر سبز گھاس و پھول کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہے اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟ دوم اس لیے کہ قبر کے باہر میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچ جاوے تاکہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہ اللہ ہی کا نام لکھا ہوا دیکھ کر بھی مردے کو جواب نکیرین یاد آنے کی امید ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث لَقِّنُوْا اَمْوَاتَکُمْ میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر۔ تیسرے یہ کہ اللہ والوں کے نام کی برکت سے مصیبت ٹلتی ہے۔ جلی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ گھبرایا ہوا دل قرار پاتا ہے۔۔ رب فرماتا ہے ا

لَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۳ آیت ۲۸) اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں۔ تفسیر نیشا پوری و روح البیان سورہ کہف زیر آیت مَا یَعْلَمُھُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ اور تفسیر صاوی شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنی جگہ کام آتے ہیں کہ گمی ہوئی چیز تلاش کرنا۔ جنگ کے وقت بھاگتے ہو وقت آگ بجھانے کے لیے ایک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو۔ بچہ کے رونے کے وقت لکھ کر گہوارے میں بچہ کے سر کے نیچے رکھ دیئے جاویں۔ اور کھیتی کے لیے اگر کسی کاغذ پر لکھ کر لکڑی میں لگا کر درمیان کھیت میں کھڑی کر دی جاوے۔ بخار، درد سر کے لیے حاکم کے پاس جانے کے وقت سیدھی ران پر لکھ کر باندھے مال کی حفاظت کے لیے دریا میں سوار ہوتے وقت اور قتل سے بچنے کے لیے (از الحروف الحسن و تفسیر خزائن العرفان و جمل) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں۔ یملیخا، مکشلینا، مشلینا، مرنوش، دبرنوش، شاذنوش، مرطوش۔ (روح البیان سورہ کہف آیت مَا یَعْلَمُھُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۸ آیت ۲۲) محدثین بھی اسناد صحیح نقل کر کے فرما دیتے ہیں۔ لَوْ قُرِءَتْ ھٰذِہِ الْاَسْنَادُ عَلٰی مَجْنُوْنٍ لَبَرءَ مِنْ جُنَّتِہٖ۔ اگر یہ اسناد کسی دیوانے پر پڑھی جائیں تو اس کو آرام ہو جائے گا اسناد میں کیا ہے بزرگان دین، راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں۔ اصحاب بدر کے نام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔ تو زندگی میں تو ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں۔ اور بعد موت بیکار ہوں یہ نہیں ہو سکتا ضرور ان سے فائدہ ہوگا۔ لہٰذا میت کے لیے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جائے۔

باب نمبر 2

کفنی لکھنے پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

اعتراض نمبر 1

وہی پرانا سبق کے کفنی (الفی) لکھنا بدعت ہے لہٰذا حرام ہے۔

جواب

ہماری گذشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو تو ہر بدعت حرام نہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق۔

اعتراض نمبر 2

کفنی کو تلقین سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مردہ ان پڑھ ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا۔

جواب

بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔ جہالت اس عالم میں ہو سکتی ہے وہاں نہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے۔ (دیکھو شامی کتاب الکراہیت) حالانکہ بہت سے جنتی دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مردے سے عربی میں ملائکہ سوال

کرتے ہیں۔ اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے۔ رب تعالیٰ نے میثاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہد و پیمان لیا تو کیا مرنے کے بعد میت کو کس سے مدرسہ میں عربی پڑھائی جاتی ہے۔ نہیں بلکہ خود بخود آ جاتی ہے۔ قیامت کے دن سب کو نامہ اعمال لکھے ہوئے دیئے جائیں گے۔ او جاہل و عالم سب ہی پڑھیں گے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے۔ لہٰذا یہ تحریر اس کے لیے مفید ہے۔

اعتراض نمبر 3

علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التشہد کے کچھ عرصہ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیز میں اس کو منع فرمایا کیونکہ جب میت پھولے پھٹے گی تو اس کے پیپ و خون میں یہ حروف خراب ہوں گے اور ان کی بے ادبی ہوگی لہٰ ناجائز ہے (مخالفین عام طور پر یہی سوال کرتے ہیں)۔

جواب

ان کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلو ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر قبر میں رکھنا منع ہے اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا یا کہ عہد نامہ قبر میں طاقچہ میں رکھ دیا ت جائز۔ اس میں حرفوں کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہٰذا یہ اعتراض آپ کے لیے کافی نہیں۔ دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔ اسی مقام پر خود فرماتے ہیں۔

نَعَمْ نُقِلَ عَنْ بَعْضِ الْمُحَشِّيْنَ عَنْ فَوَائِدِ الشَّرْجِيِّ اَنْ مِمَّا يُكْتَبُ عَلٰى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ بِغَيْرِ مِدَادٍ بِالْاِصْبَعِ الْمُسَبِّحَةِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ عَلَى الصَّدْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ ذٰلِكَ بَعْدَ الْغُسْلِ قَبْلَ التَّكْفِيْنِ۔

''بعض محققین نے فوائد الشرجی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سینے پر لکھ دیا جاوے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو۔''

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ بزازیہ سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا ابن حجر شافعی ہیں۔ تو کیا احناف کے حکم کے مقابل شوافع کے فتویٰ پر عمل ہوگا۔ ہرگز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ ابن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھٹتیں۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو فائدہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے افعال نقل کئے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنی لخت جگر زینب بنت رسول اللہ کے کفن میں رکھوایا۔ حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہیئے کیا یہاں خون و پیپ میں لتھڑنے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظم نہ تھیں چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ متبرک چیزوں کا نجاست میں ڈالنا

حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرور تار کھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہیں ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں آب زمزم نہایت متبرک پانی ہے اس سے استنجا کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز ہے۔ آیت قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا مباح۔ حضور اقدس ﷺ کا پس خوردہ مبارک کھانا پینا جائز حلال۔ حالانکہ یہ پیٹ میں پہنچ کر مثانہ میں جاتے ہیں اور وہاں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے کہ فاروق اعظم کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا حُبِسَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حالانکہ وہاں لکھنے میں پیشاب کی چھینٹیں پڑنے کا احتمال قوی ہے گھوڑے نجس زمین پر لوٹتے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں۔ رہا شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر امتیاز کے لیے تھی لہٰذا اس کا حکم اور ہو گیا ہے صحیح نہیں کیونکہ کسی مقصد کے لیے ہو حروف تو وہ ہی ہیں نیت کے فرق سے حروف کا حکم نہیں بدلتا۔

غرضیکہ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال آئمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی المذہب کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت پیش کرو۔ اور وہ تو نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے مگر کراہیت کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان اقوال میں قول استحباب قبول ہے نہ کہ یہ قول کراہت کیونکہ بلا دلیل ہے۔

اِعتَراض نمبَر 4

عہد نامہ یا شجرہ قبر میں رکھنا اسراف ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو آویگا نہیں برباد ہو جاوے گا اور اسراف حرام ہے۔

جوَابْ

چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدے ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہٰذا بیکار نہیں تو اسراف بھی نہیں۔

اِعتَراض نمبَر 5

حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق کو مرنے کے بعد اپنی قمیض پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا مگر اسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بیکار ہے۔ نیز پتہ لگا کہ حضور کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو اپنا لعاب دہن ولباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن دوزخ میں جا سکتے ہیں۔ کیونکہ عبداللہ ابن ابی منافق دوزخی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب۔ لہٰذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا۔

جوَابْ

اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیونکہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیص بطور کفنی ہی پہنائی تھی وہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات فائدہ مند نہیں۔ ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ مومن میت کو کفنی مفید ہے نہ کہ کافر کو۔ حضور علیہ السلام کو عبداللہ ابن ابی کا منافق ہونا معلوم تھا کہ آپ ہی کے بتائے جانے سے ہم نے جانا ہے۔ یہ بھی خبر تھی کہ ایمان کے بغیر تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے۔ جن کا علم نبی کو ضروری ہے۔ جب کسان بنجر و قابل پیداوار زمین کو پہچانتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی انسانی دلوں کو کیوں نہ جانیں۔ تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دیئے ایک تو اس کا بیٹا مخلص مومن تھا جس کی دلجوئی منظور تھی۔ دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی

قمیص پہنائی تھی۔ آپ ﷺ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے تیسرے اپنے رحمت عالم ہونے کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو ہر ایک پر کرم فرمانے کو تیار ہیں کوئی فیض لے یا نہ لے۔ بادل ہر زمین پر برستا ہے مگر نالی وغیرہ گندی زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی۔ نبی کے اجزائے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ میں نہیں جاسکتے۔ ملائکہ نے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا ہوگا کنعان ابن نوح کا دوزخ میں جانا شکل انسانی میں ہے یعنی وہ نطفہ جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور کے فصد کا خون پیا تو فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔

بحث بلند آواز سے ذکر کرنا

پنجاب وغیرہ میں قاعدہ ہے کہ بعد نماز فجر وعشاء بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں مخالفین اس کو حرام کہتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کو روکنا چاہتے ہیں ایک حیلہ یہ ہے کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اصول حنفیہ کے خلاف ہے۔ اس سے نمازی لوگ نماز بھول جاتے ہیں لہٰذا یہ حرام ہے ذکر بالجہر جائز بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے لہٰذا اس بحث کے دو باب کیے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات۔

باب نمبر 1

ذکر بالجہر کے ثبوت میں

ذکر بالجہر جائز ہے اور قرآن وحدیث واقوال علماء سے ثابت ہے قرآن فرماتا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۲۰۰) اللہ کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادوں کا کرتے ہو بلکہ اس سے زیادہ' کفار مکہ حج سے فارغ ہو کر مجمعوں میں اپنی قومی خوبیاں اور نسبی عظمتیں بیان کیا کرتے تھے اس کو منع فرمایا۔ اور اسکی جگہ ذکر اللہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بالجہر ہی ہوگا۔ اسی لیے تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے خاص کر جماعتوں کے ملنے کے وقت۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۲۰۴)

''جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔''

معلوم ہوا کہ بلند آواز سے تلاوت جائز ہے۔ ذکر بالجہر ہی سنا جاسکتا ہے نہ کہ ذکر خفی (تفسیر کبیر یہی آیت) مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلٰوةٍ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْاَعْلٰى لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔

''حضور جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز میں فرماتے تھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ''

مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کُنْتُ اَعْرِفُ اِنْقِضَاءَ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالتَّکْبِیْرِ۔

عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کی آواز سے حضور علیہ السلام کی نماز کا اختتام معلوم کرتا تھا۔

یعنی عبداللہ ابن عباس علیہ السلام بوجہ صغرسنی کے بعض جماعت نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد مسلمان اس قدر بلند آواز میں تکبیر کہتے تھے کہ ہم گھروں کے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اب نماز ختم ہوئی لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ کَانَ لَمْ یَحْضُرِ الْجَمَاعَۃَ لِاَنَّہٗ کَانَ صَغِیْرًا مِمَّنْ لَا یُوَاظِبُ عَلٰی ذٰلِکَ۔

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بچے تھے اس لیے جماعت میں پابندی سے نہ آتے تھے۔''

مسلم جلد اول باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ان ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔ اِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ حِیْنَ یَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَکْتُوْبَۃِ کَانَ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی فرائض سے فارغ ہو کر بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مروج تھا۔ مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ۔

''جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے نفس میں یاد کرتے ہیں اور جو مجمع میں ہمارا ذکر کرے تو ہم بھی اس سے بہتر مجمع میں اسکا ذکر فرماتے ہیں'' (یعنی مجمع ملائکہ میں)

جامع صغیر میں ہے:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثِرُوْا فِی الْجَنَازَۃِ قَوْلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہِ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہِ زیادہ کہا کرو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے آواز سے ہو یا خفیہ رسالہ اذکار مطبوعہ دہلی مصنفہ شیخ محمد تھانوی مولوی رشید احمد صاحب کے استاد حدیث صفحہ ۷۹ میں ہے۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْھَرُ مَعَ الصَّحَابَۃِ بِالْاَذْکَارِ وَالتَّھْلِیْلِ وَالتَّسْبِیْحِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ

''حضور علیہ السلام نماز کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ تسبیح و تہلیل بلند آواز سے پڑھتے تھے۔''

تفسیر روح البیان رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۹۱) ہے۔

اَلذِّکْرُ بِرَفْعِ الصَّوْتِ جَائِزٌ بَلْ مُسْتَحَبٌّ اِذَا لَمْ یَکُنْ عَنْ رِیَاءٍ لِیَغْتَنِمَ النَّاسُ بِاِظْھَارِ الدِّیْنِ وَوُصُوْلِ بَرَکَۃِ الذِّکْرِ اِلَی السَّامِعِیْنَ فِی الدُّوْرِ وَالْبُیُوْتِ وَیُوَافِقُ الذِّکْرَ مَنْ سَمِعَ صَوْتَہٗ وَیَشْھَدُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ کُلُّ

رَطْبٍ وَ یَابِسٍ سَمِعَ صَوْتِہٖ۔

''بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ ریا سے نہ ہوتا کہ دین کا اظہار ہو۔ ذکر کی برکت گھروں میں سامعین تک پہنچے اور جو کوئی اس کی آواز سنے ذکر میں مشغول ہو جاوے اور قیامت کے دن ہر خشک وتر ذاکر کے ایمان کی گواہی دے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں بہت سے دینی فائدے ہیں۔ تفسیر خازن روح البیان پارہ ۶ میں زیر آیت وَ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ایک روایت نقل کی کہ حضور علیہ السلام نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری قرات سنی تم کو تو داؤدی آواز دی گئی ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فَقُلْتُ اَمَا وَاللّٰہِ لَوْ عَلِمْتُ اِنَّکَ تَسْمَعُ لَحَبَّرْتُہٗ حَبِیْرًا اَلتَّحْبِیْرُ حُسْنُ الصَّوْتِ۔

میں نے عرض کیا کہ رب کی قسم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب قرآن سن رہے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو میں اور بھی آواز بنا کر پڑھتا۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اولاً یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ باہر آواز آتی تھی دوسرے یہ کہ ذکر اللہ تلاوت قرآن عبادت الٰہی ہے اور عین عبادت میں حضور علیہ السلام کو خوش کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی تمنا تھی۔

حَمَامَۃُ جَرْعٰی حَوْمَۃَ الْجُنْدِلِ اسْجَعِیْ فَاَنْتِ بِمَرْاٰی مِنْ سُعَادٍ وَ مُسْمَعِیْ!

مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ الیل میں روایت ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام اپنے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا امتحان لینے کے لیے تشریف لے گئے کہ ان کی رات کے مشاغل کو ملاحظہ فرمادیں۔ ملاحظہ فرمایا کہ صدیق اکبر تو پست آواز میں قرآن پڑھ رہے ہیں اور فاروق اعظم خوب بلند آواز میں صبح کو ان صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی تو صدیق نے عرض کیا کہ اَسْمَعْتُ مَنْ فَاجَیْتُ مِنْہُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ جس کو سنانا منظور تھا اس کو میں نے سنا دیا۔ یعنی رب کو فاروق اعظم نے عرض کیا کہ اُوْ قِظُ الْوَسْنَانَ وَ اَطْرُدُ الشَّیْطٰنِ سوتوں کو جگا رہا تھا شیطان کو بھگا رہا تھا سبحان اللہ دونوں جواب مبارک ہیں کسی پر ناراضگی نہ فرمائی بلکہ فرمایا صدیق تم اپنی آواز کچھ بلند کرو اور فاروق تم کچھ پست کرو۔ صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

مشکوٰۃ کتاب السماء اللہ تعالیٰ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام کے ہمراہ عشاء کے وقت مسجد میں گیا دیکھا کہ ایک شخص بلند آواز میں قرآن پڑھ رہا ہے میں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ یہ ریا کار ہے فرمایا بَلْ مُؤْمِنٌ مُنِیْبٌ نہیں بلکہ توبہ کرنے والا مومن ہے عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب چہارم فی الصلوٰۃ والتسبیح وقرءۃ القرآن میں ہے۔ قَاضٍ عِنْدَہٗ جَمْعٌ عَظِیْمٌ یَرْ فَعُوْنَ اَصْوَاتَھُمْ بِالتَّسْبِیْحِ وَ التَّھْلِیْلِ جُمْلَۃً لَا بَأْسَ بِہٖ قاضی کے پاس بہت بڑی جماعت ہو وہ سب مل کر بلند آواز میں سُبْحَانَ اللّٰہِ یا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہیں تو اس میں حرج نہیں۔

عالمگیری میں اسی جگہ ہے۔

اَلْاَفْضَلُ فِیْ قِرْءَۃِ الْقُرْاٰنِ خَارِجُ الصَّلٰوۃِ الْجَھْرُ۔

''نماز کے علاوہ بہتر ہے کہ قرآن بلند آواز میں پڑھے۔''

عالمگیری یہ ہی مقام اَمَّا التَّسْبِیْحُ وَ التَّھْلِیْلُ لَا بَاسَ بِذَالِكَ وَ اِنْ رَفَعَ صَوْتَهٗ سبحان اللہ یالا الہ الا اللہ کہنے میں حرج نہیں اگر چہ بلند آواز میں کہے۔ شامی جلد اول مطلب فی احکام المسجد سے متصل ہے۔

اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلَفًاوَ خَلَفًاعَلٰے اسْتِحْبَابِ ذِكْرِ الْجَمَاعَةِ فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنْ تُشَوِّشَ جَهْرُ هُمْ عَلٰی نَائِمٍ اَوْ مُصَلٍّ اَوْقَارِیٍ۔

''مقتدین اور متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہ انکے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی نہ ہو۔''

شامی میں اسی جگہ ہے:

فَقَالَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اِنَّ الْجَهْرَ اَفْضَلُ لِاَ نَّهٗ اَكْثَرُ عَمَلًا وَلِتَعَدِّیْ فَائِدَتِهٖ اِلَی السَّامِعِیْنَ وَیُوْقِظُ قَلْبَ الْغَافِلِیْنَ فَیَجْمَعُ هَمَّهٗ اِلَی الذِّكْرِ وَیَصْرِفُ سَمْعَهٗ اِلَیْهِ وَیُطْرِدُ النَّوْمَ وَیَزِیْدُ النِّشَاطَ۔

''بعض اہل علم نے فرمایا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں کام زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ غافلوں کے دل کو بیدار کرتا ہے انکے خیالات اور انکے کانوں کو ذکر الٰہی کی طرف کھینچتا ہے نیند کو بھگاتا ہے خوشی بڑھاتا ہے۔''

درمختار باب صلوٰۃ العیدین بحث تکبیر تشریق میں ہے۔

وَلَا یُمْنَعُ الْعَامَّةُ مِنَ التَّكْبِیْرِ فِی الْاَسْوَاقِ فِی الْاَیَّامِ الْعَشْرِ وَ بِهٖ نَاْخُذُ۔

''بقر عید کے دس دنوں میں عام مسلمانوں کو بازاروں میں نعرہ تکبیر کہنے سے نہ روکو۔ اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔''

غالباً اس زمانہ میں عوام عید کے دنوں میں بازاروں میں نعرہ تکبیر لگاتے ہوں گے یہ اگر چہ بدعت ہے مگر فرمایا کہ اس کو منع نہ کرو اسی عبارت کے ماتحت شامی میں ہے۔

قِیْلَ لِاَ بِیْ حَنِیْفَةَ یَنْبَغِیْ لِاَ هْلِ الْكُوْفَةِ وَ غَیْرِ هَا اَنْ یُّكَبِّرُ وْ اَیَّامَ الْعَشْرِ فِی الْاَسْوَاقِ وَ الْمَسْجِدِ قَالَ نَعَمْ قَالَ الْفَقِیْهُ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَالَّذِیْ عِنْدِیْ اَنَّهٗ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ تُمْنَعَ الْعَامَّةُ عَنْهُ لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِی الْخَیْرِ وَ بِهٖ نَا خُذُ فَافَا دَاَنَّ فِعْلَهٗ اَوْلٰے۔

''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوفہ وغیرہ کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں اور مسجدوں میں تکبیر کہیں فرمایا کہ ہاں امام ابوجعفر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ عوام کو اس تکبیر سے نہ روکا جاوے کیونکہ وہ پہلے ہی کار خیر میں کم رغبت رکھتے ہیں اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بازاروں کی تکبیریں مستحب ہیں۔

کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی کتاب الصلوٰۃ علی النبی میں ہے یُسْتَحَبُّ لِقَارِیِ الْحَدِیْثِ وَ غَیْرِهٖ مِمَّنْ فِیْ مَعْنَاهُ اِذَا ذَكَرَ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَرْفَعَ صَوْتَهٗ بِالصَّلٰوةِ عَلَیْهِ وَ التَّسْلِیْمِ بِهٖ وَ قَدْ نَصَّ الْعُلَمَآءِ مِنَ اَصْحَابِنَا وَ غَیْ هِمْ عَلٰی اَنَّهٗ یُسْتَحَبُّ اَنَّ یَرْ فِعَ صَوْتَهٗ بِالصَّلٰوةِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ التَّلْبِیَةِ یعنی حدیث شریف پڑھنے والوں وغیرہم کو چاہیے کے جب حضور کا ذکر ہو تو بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھیں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ تلبیہ میں حضور بلند آواز سے درود پڑھے۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث وفقہی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر کفایت کی جاتی ہے بحمد اللہ تعالیٰ مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی اس میں ہم سے متفق ہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم کتاب الحظر باحہ صفحہ۱۰۴ میں ایک سوال وجواب ہے سوال ہے کہ ذکر بالجہر اور دعا بالجہر اور درود بالجہر خواہ خفیف ہو یا شدید جائز ہے یا نہیں؟ الجواب:۔ ذکر جہر خواہ کوئی ذکر ہو امام ابوحنیفہ کے نزد سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نص سے ہے وہاں مکروہ ہے صاحبین ودیگر فقہاء محدثین جائز کہتے ہیں۔ اور مشرب ہمارے مشائخ اختیار مذہب صاحبین ہے۔ والسلام ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۲ء رشید احمد۔

مدعی لاکھ پر بھار ہے گواہی تیری

اب تو کسی دیوبندی وہابی کو حق نہیں کسی سنی مسلمان کو بلند آواز ذکر سے روکے کیونکہ اس کے بلا کراہت جواز پر رجسٹری ہوچکی۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہو چند وجوہ سے اولاً تو اس لیے کہ قاعدہ شریعت ہے کہ ثواب بقدر محنت ملتا ہے اسی لیے سردی میں وضو کرنا اندھیری رات میں مسجدوں میں جماعت کے لیے آنا۔ دور سے مسجد میں آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے (دیکھو مشکوٰۃ وغیرہ) اور ذکر بالجہر میں بمقابلہ خفی کے مشقت زیادہ ہے لہٰذا یہ افضل ہے دوسرے اس لیے کہ مشکوٰۃ کتاب الاذان میں ہے کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے وہاں تک کے تمام درخت پتے گھاس جن وانس قیامت میں اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ تو ذکر بالجہر سے بھی فائدے کی امید ہے۔ تیسرے اس لیے کہ خفی ذکر کا فائدہ صرف ذاکر کو ہے مگر ذکر بالجہر کا فائدہ ذاکر کو بھی کہ کلمہ وغیرہ کی ضرب سے دل بیدار ہوتا ہے اور سامعین کو بھی کہ ممکن ہے کہ وہ بھی سن کر ذکر کریں۔ اگر نہ بھی کریں تو بھی سننا ثواب ہے اور لازم سے متعدی اچھا ہے۔ چوتھے اس لیے کہ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب نقل کیا جاچکا ہے کہ انہوں نے عرض کیا تھا اَطْرُدُ الشَّیْطٰنِ جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر سے نیند اور کسل وسستی دور ہوتی ہے ذکر خفی میں اکثر نیند بھی آجاتی ہے مگر یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ جب ریا کاری کے لیے نہ ہو اگر ریا کے لیے ہے تو ریا کی نیت سے مراقبہ کرنا، نماز پڑھنا بھی گناہ کا موجب ہے۔ حضرات نقشبندیہ قدست اسرار کا مشغلہ ذکر خفی ہے وہ تو اس پر عامل ہیں۔

دل میں ہو یاد تیری گوشۂ تنہائی ہو
پھر خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

باقی سلاسل کے اولیاء ذکر بالجہر میں مشغول رہتے ہیں ان کا اس پر عمل ہے۔

سارا عالم ہو مگر دیدۂ دل دیکھے تمہیں
انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو

ہر دو حضرات خدا کے پیارے ہیں۔ نقشبندی حضرات تو خلوت میں جلوت کرتے ہیں اور باقی حضرات جلوت میں خلوت مگر کُلًّا وَّ عَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ط (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۹۵) اللہ تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرمالیا مگر ان کے یہ اختلاف حلت وحرمت میں نہیں۔

اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔ نہ تو خفی والے جہر والوں کو طعن کریں نہ جہر والے خفی والوں کو یہ ساری گفتگو دیو بندیوں وغیرہ سے ہے جو کہ جہر پر فتویٰ حرمت لگاتے ہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہٗ کے اس فرمان کے قربان کہ نہ ایں کا میکنم ونہ انکار میکنم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن۔

بَابْ نمبر 2

ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر مخالفین دو طرح کے اعتراض کرتے ہیں نقلی اور عقلی ہم اولاً نقلی اعتراضات پر مع جوابات عرض کرتے ہیں۔

اِعتراض نمبر 1

(۱) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ۔

(پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۲۰۵)

”اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بغیر آواز نکلے صبح و شام۔“

اس کا مطلب ہوا کہ ذکر الٰہی دل ہی میں چاہیئے بلند آواز سے منع ہے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں ذکر بحالت نماز مراد ہے یعنی اخفا کی نمازوں میں قرأت یا مقتدی ہر نماز میں یا التحیات وغیرہ دل میں پڑھے یا امام قدر ضرورت زیادہ آواز نہ نکالے تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَمَنْ اَمَّ فِیْ صَلٰوةِ الْجَهْرِ یَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ لَّا یَجْهَرَ جَهْرًا شَدِیْدًا بَلْ یَقْتَصِرُ عَلٰی قَدْرِ مَا یَسْمَعُهٗ مَنْ خَلْفَهٗ قَالَ فِی الْكَشْفِ لَا یَجْهَرُ فَوْقَ حَاجَةِ النَّاسِ وَاِلَّا فَهُوَ مُسِیْئٌ۔

”جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ بہت آواز سے قرءت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں۔ کشف میں فرمایا کہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ چیخے ورنہ گنہگار ہوگا۔“

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے وَ الْمُرَادُ مِنْهُ اَنْ یَّقَعَ ذٰلِكَ الذِّكْرُ حَیْثُ یَكُوْنُ مُتَوَسِّطًا بَیْنَ الْجَهْرِ وَ الْمَخَافَةِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ لَا تَجْهَرْ یعنی مراد یہ ہے کہ جہر و اخفاء کے درمیان ذکر اللہ چاہیئے۔ تفسیر خازن اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَعْنِیْ بِالذِّكْرِ الْقُرْاٰنِ فِی الصَّلٰوةِ یُرِیْدُ اِقْرَءْ سِرًّا فِیْ نَفْسِكَ۔

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز میں تلاوت قرآن یہ ہے۔“

مقصد یہ ہے کہ دل میں قرءت کرو خود قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی یوں تفسیر فرمائی۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا۔ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۱۱۰)

''اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ ان دونوں کے بیچ میں راستہ ڈھونڈو۔''

اور ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالقرآن سب پر مقدم ہے دوسرے یہ کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ذکر محض قولی نہ ہو بلکہ قول کے ساتھ قلب بھی شامل ہو کہ اسکے بغیر ذکر بیکار ہے خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقِيۡلَ الۡمُرَادُ بِالذِّكۡرِ فِي النَّفۡسِ اَنۡ يَّسۡتَحۡضِرَ فِيۡ قَلۡبِهٖ عَظۡمَةَ الۡمَذۡكُوۡرِ جَلَّ جَلَالُهٗ۔

''کہا گیا کہ دل میں ذکر کرنے سے مراد ہے کہ قلب میں خدائے قدوس کی عظمت موجود ہو۔''

اسی خازن میں ہے

وَ اِذَا كَانَ الذِّكۡرُ بِاللِّسَانِ عَارِيًا عَنۡ ذِكۡرِ الۡقَلۡبِ كَانَ عَدِيۡمَ الۡفَائِدَةِ لِاَنَّ فَائِدَةَ الذِّكۡرِ حُضُوۡرُ الۡقَلۡبِ وَاسۡتِشۡعَارُهٗ عَظۡمَةَ الۡمَذۡكُوۡرِ جَلَّ جَلَالُهٗ۔

''یعنی جبکہ زبانی ذکر قلبی ذکر سے خالی ہو تو بے فائدہ ہے کیونکہ ذکر کا فائدہ تو دل کا حاضر کرنا اور خدائے تعالیٰ کی عظمت کا دل میں لانا ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر قلبی ذکر بالجہر سے بہتر ہے یعنی یہ امر استحبابی ہے اور استحباب بھی ہر وقت اور ہر حیثیت سے نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہے۔ اسی لیے یہ آیت اس آیت کے بعد ہے کہ وَ اِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۲۰۴) تو دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی کبھی بالجہر چاہیئے اور کبھی آہستہ۔ جب بالجہر ہو تو خاموشی سے سنو اور جب آہستہ ہو تو اس میں غور و فکر کرو۔ اگر جہر میں خوف ریا ہے تو سکوت بہتر اور اگر یہ مقصود ہو کہ شیطان دفع ہو قلب بیدار ہو اور سونے والے جاگ جاویں اور تمام چیزیں قیامت کے دن ذاکر کے ایمان کی گواہی دیں تو جہر بہتر ہے۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ فِيۡ نَفۡسِكَ وَ هُوَ الذِّكۡرُ بِالۡكَلَامِ الۡخَفِيِّ فَاِنَّ الۡاِخۡفَاءَ اَدۡخَلُ فِي الۡاِخۡلَاصِ وَ اَقۡرَبُ مِنَ الۡاِجَابَةِ وَ هٰذَا الذِّكۡرُ يَعُمُّ الۡاَذۡكَارَ كُلَّهَا مِنَ الۡقِرَاءَةِ وَ الدُّعَاءِ وَغَيۡرِهَا

''اس سے مراد ہے ذکر خفی کیونکہ اخفا کو اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور یہ قبولیت سے زیادہ قریب ہے اور یہ ذکر تمام ذکروں اور قرأت اور دعاؤں میں شامل ہے۔''

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

بِاَنَّ الۡاِخۡفَاءَ اَفۡضَلُ حَيۡثُ خَافَ الرِّيَاءَ اَوۡ تَاَذَّى الۡمُصَلُّوۡنَ اَوِ النَّائِمُوۡنَ وَ الۡجَهۡرُ اَفۡضَلُ فِيۡ غَيۡرِ ذٰلِكَ لِاَنَّ الۡعَمَلَ فِيۡهِ اَكۡثَرُ وَ لِاَنَّ فَائِدَتَهٗ تَتَعَدّٰى اِلَى السَّامِعِيۡنَ وَ لِاَنَّهٗ يُوۡقِظُ قَلۡبَ الذَّاكِرِ وَ يَجۡمَعُ هَمَّهٗ وَ يَصۡرِفُ سَمۡعَهٗ اِلَيۡهِ

''آہستہ ذکر وہاں افضل ہے جہاں کہ ریا کا خوف ہو یا نمازیوں یا سونے والوں کو ایذا ہو اور اس کے علاوہ دیگر مقام میں ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اسکا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور اس لیے کہ یہ ذاکر کے دل کو بیدار کرتا

ہے۔ خیالات کو جمع کرتا ہے اور ذاکر کیطرف کانوں کو متوجہ کرتا ہے۔"

اِعتراض نمبر 2

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً ط اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۵۵)

"اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ دعا کرو بے شک حد سے بڑھنے والے اس کو پسند نہیں۔"

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر خدا کو ناپسند ہے۔

جواب

اس کے بھی چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الٰہی کا اور واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تا کہ اخلاص تام ہو۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اَیْ مُتَضَرِّعِیْنَ مُتَذَلِّلِیْنَ مُخْفِیِیْنَ الدُّعَاءَ لِیَکُوْنَ اَقْرَبُ اِلَی الْاِجَابَۃِ لِکَوْنِ الْاِخْفَاءِ دَلِیْلَ الْاِخْلَاصِ وَ الْاِحْتِرَازِ عَنِ الرِّیَاءِ۔

"یعنی زاری اور عاجزی کرتے ہوئے دعا کو خفیہ کرتے ہوئے دعا کرو تا کہ قبولیت سے قریب ہو کیونکہ چپکے چپکے دعا کرنا اخلاص کی اور ریا سے دور ہونیکی دلیل ہے۔"

تفسیر خازن یہ ہی آیت:

وَ قِیْلَ الْمُرَادُبِہٖ حَقِیْقَۃُ الدُّعَآءِ وَ ھُوَالصَّحِیْحُ لِاَنَّ الدُّعَآءَ ھُوَاالسُّوَالُ وَ الطَّلْبُ وَ ھُوَ نَوْعٌ مِّنَ الْعِبَادَۃِ۔

"کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حقیقتاً دعا ہے اور یہ ہی صحیح ہے کیونکہ دعا سوال اور طلب ہے اور یہ ایک قسم کی عبادت ہے۔"

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَ الْاَدْبُ فِی ا لدُّعَآءِ اَنْ یَّکُوْنَ خَفِیًّا لِھٰذِہِ الْاٰیَۃِ قَالَ الْحَسَنُ دَعْوَۃُ السِّرِّ وَ دَعْوَۃُ الْعَلَانِیَۃِ سَبْعُوْنَ ضِعْفًا۔

"دعا کا طریقہ یہ ہے کہ خفیہ ہو۔ اسی آیت کی وجہ سے حسن نے فرمایا کہ خفیہ ایک دعا اور علانیہ ستر دعائیں برابر ہیں۔"

یا یہ مراد ہے کہ بعض حالات میں ذکر الٰہی خفیہ طور پر بہتر ہے یعنی ادعوا سے مراد ہر ذکر الٰہی ہے اور یہ امر استحبابی ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَذَھَبَ بَعْضُھُمْ اِلٰی اَنَّ اِخْفَاءَ الطَّاعَاتِ وَ الْعِبَادَاتِ اَفْضَلُ مِنْ اِظْھَارِ ھَا لِھٰذَا الْاٰیَۃِ وَ لِکَوْنِھَا اَبْعَدُ مِنَ الرِّیَاءِ وَ ذَھَبَ بَعْضُھُمْ اِلٰی اَنَّ اِظْھَارَ ھَا اَفْضَلُ لِیَقْتَدِیْ بِہِ الْغَیْرُ فَیَعْمَلُ مِثْلَ عَمَلِہٖ وَذَھَبَ بَعْضُھُمْ اِلٰی اَنَّ اِظْھَارَ الْعِبَادَاتِ الْمَفْرُوْضَۃِ اَفْضَلُ مِنْ اِخْفَاءِ ھَا۔

"بعض مفسرین ادھر گئے ہیں کہ عبادتوں کو خفیہ کرنا ظاہر کرنے سے بہتر ہے اسی آیت کی وجہ سے اور اس لیے کہ یہ ریا سے

زیادہ دور ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ اظہار افضل ہے تاکہ دوسرے بھی اسی کی پیروی کر کے عبادت کریں اور بعض فرماتے ہیں کہ فرضی عبادات کا اظہار اخفا سے بہتر ہے۔“

اِعتراض نمبر 3

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔

(پارہ۲سورۃ۲آیت۱۸۶)

”اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنیوالے کی پکار جب مجھے پکارے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہم سے قریب ہے دل کے خیالات اور آہستہ بات کو سنتا ہے پھر بلند آواز سے پکارنا بے کار ہے۔

جواب

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خیال کو باطل فرمایا گیا جو ذکر بالجہر یہ سمجھ کر کریں کہ خدا ہم سے دور ہے بغیر بلند آواز کے وہ ہماری سنتا نہیں یہ خیال محض جہالت ہے ذکر بالجہر تو غافل قالب کو جگانے کے لیے ہوتا ہے۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَ سَبَبُ نُزُوْلِهٖ مَارُوِیَ اَنَّ اَعْرَابِیًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقَرِیْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِیْهِ اَمْ بَعِیْدٌ فَنُنَادِیْهِ فَقَالَ تَعَالٰے۔

”اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بدوی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ قریب ہے تاکہ اس سے مناجات کریں یا دور ہے کہ اس کو پکاریں اس پر رب نے فرمایا“

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو دور سمجھ کر پکارنا برا ہے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوہ خیبر کے موقع پر اتری جبکہ لوگ نعرہ تکبیر لگانا چاہتے تھے اور حضور علیہ السلام کا منشاء تھا کہ ہم خفیہ طور پر وہاں پر پہنچ جاویں کہ کفار کو خبر نہ ہو چنانچہ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیْ لَمَّا تَوَجَّهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِلٰی خَیْبَرَ اَشْرَفَ النَّاسُ عَلٰی وَادٍفَرَفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّکْبِیْرِ فَقَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَ لَا غَائِبًا

”جبکہ حضور علیہ السلام خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ کسی اونچے جنگل پر چڑھے تو انہوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو تم کسی بہرے یا کسی غائب کو نہیں پکارتے ہو۔“

روح البیان یہ ہی آیت:

هٰذَا بِاِعْتِبَارِ الْمَشَارِبِ وَ الْمَقَامَاتِ وَ اللَّائِقُ بِحَالِ الْغَفَلَاتِ الْجَهَرِ بِقَلْعِ الْخَوَاطِرِ۔

”یہ موقع اور محل کے اعتبار سے ہے اور غافل لوگوں کے حال کے لائق ذکر بالجہر ہے برے خیالات کو دفع کرنے کے لیے۔“

اعتراض نمبر 4

مشکوٰۃ کتاب الاسماء باب ثواب التسبیح والتحمید میں ہے۔

فَجَعَلَ النَّاسُ یَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِیْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا وَ هُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِیْ تَدْعُوْنَهٗ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ

’’ باواز بلند تکبیر کہنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو تم نہ تو بہرے کو پکارتے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع وبصیر کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے بمقابلہ تمہاری سواریوں کی گردنوں کے زیادہ قریب ہے۔ ‘‘

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر منع ہے اور حضور علیہ السلام کی ناخوشی کا باعث ہے۔

جواب

اس کا جواب ضمناً سوال نمبر۲ کے ماتحت گزر چکا ہے کہ یہ حدیث ایک سفر جہاد کے موقعہ کی ہے اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمان کا لشکر بغیر اطلاع خیبر میں داخل ہو جاوے تاکہ کفار خیبر جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔ بعض لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی چونکہ موقع کے خلاف تھا لہٰذا روک دیا گیا۔ اسی حدیث کی ابتدا اسی طرح ہے کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَجْهَرُوْنَ الخ ہم ایک سفر میں تھے کہ لوگ باواز بلند تکبیر کہنے لگے یا یہ کہ مسلمانوں پر آسانی کے لیے بطور مشورہ یہ فرمایا گیا کہ تم سفر کی مشقت میں ہو پھر چیخنے کی مشقت بھی اٹھاتے ہو اس کی کیا ضرورت ہے لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فِیْهِ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ الْمَنْعَ مِنَ الْجَهْرِ لِلتَّیْسِیْرِ وَ الْاِرْفَاقِ لَا لِكَوْنِ الْجَهْرِ غَیْرَ مَشْرُوْعٍ۔

’’اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہر سے ممانعت محض آسانی کے لیے ہے نہ کہ اس لیے کہ جہر منع ہے۔‘‘

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے دریں اشارات است منع از جہر برائے آسانی ونرمی است نہ از جہت نامشروعیت ذکر جہر و حق آنست ذکر جہر مشروع است بے شبہ مگر بعارض ایں را در رسالہ اوراد اثبات نمودیم‘‘ اس حدیث میں ادھر اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت نرمی اور آسانی کے لیے ہے نہ اس لیے کہ جہر منع ہے اور حق یہ ہے کہ ذکر جہر بلاشبہ مشروع ہے لیکن کسی وجہ سے اور ہم نے اسکا ثبوت رسالہ اوراد میں دیا ہے۔

اعتراض نمبر 5

ہدایہ جلد اول فصل فی تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَ اَخَذَ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَخْذًا بِالْاَقَلِّ لِاَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِیْرِ بِدْعَةٌ

’’امام ابوحنیفہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول لیا کہ کم کو لینے کے لیے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔‘‘

اور بدعت میں کمی بہتر ہے ابو حنیفہ علیہ الرحمتہ کے نزدیک نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک ہر نماز فرض کے تکبیر تشریق کہنا چاہیئے اور صاحبین کے نزدیک نویں کی فجر سے دسویں کی عصر تک امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیر بالجہر بدعت ہے اور بدعت میں کمی بہتر ہے۔ اس لیے صرف دو دن تکبیر کہو جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اس ہدایہ میں اسی فصل تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَلِاَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيْرِ خِلَافُ السُّنَّةِ وَالشَّرْعِ وَ رَدَّبِهٖ عِنْدَ اسْتِجْمَاعِ هٰذِهِ الشَّرَائِطِ۔

”اور اس لیے کہ تکبیر بالجہر خلاف سنت ہے اور اسکا حکم ان شرائط کے جمع ہونے کی صورت میں ہے۔“

جوَابْ

امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس تکبیر تشریق کے وجوب میں ہے نہ کہ جواز میں یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں۔ اور صاحبین پانچ دن امام صاحب اس کو بدعت یا خلاف سنت کہہ کر وجوب کا انکار فرماتے ہیں ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کوفہ کو بازاروں میں نعرہ تکبیر کی اجازت دی کہیئے کہ اس بدعت کی اجازت کیوں دی؟ شامی باب صلوٰۃ العیدین میں عید الفطر کی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَالْخِلَافُ فِیْ الْاَفْضَلِیَّةِ اَمَّا الْكَرَاهَةُ فَمُنْتَفِيَةٌ عَنِ الطَّرْفَيْنِ۔

”یعنی اختلاف محض افضلیت میں ہے۔ لیکن کراہت وہ کسی طرف نہیں ہے۔“

اسی شامی میں اسی جگہ ہے:

اَلتَّكْبِيْرُ بِالْجَهْرِ فِیْ غَيْرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ لَا يُسَنُّ اِلَّا بِاِزَاءِ الْعَدُوِّ اَوِ للُّصُوْصِ وَقَاسَ عَلَيْهِ بَعْضُهُمُ الْحَرِيْقَ وَ الْمَخَاوِفَ كُلَّهَازَا دَالْقُهُسْتَانِیُ اَوْ عَلَا شَرَفًا۔

”ایام تشریق کے علاوہ اور دنوں میں نعرہ تکبیر سنت نہیں۔ مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض لوگوں نے قیاس کیا ہے کہ آگ لگنے اور تمام خوفناک چیزوں اور قہستانی نے زیادہ کیا ہے کہ بلندی پر چڑھنے کے وقت۔“

درمختار باب العیدین میں ہے۔

وَ هٰذَا لِلْخَوَاصِ اَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يُمْنَعُوْنَ عَنْ تَكْبِيْرٍ وَ لَا تَنَفُّلٍ اَصْلًا۔

یہ احکام خواص کے لیے ہیں عوام کو نہ تو تکبیر سے روکو نہ نفل سے۔

شامی میں اسی بحث میں ہے۔ لَا فِیْ الْبَيْتِ اَیْ لَا يُسَنُّ وَ اِلَّا فَهُوَذِكْرٌ مَّشْرُوْعٌ غرضکہ ثابت ہوا کہ ہدایہ کی یہ تمام گفتگو سنت ہونے میں ہے نہ کہ جائز ہونے میں نیز تکبیر تشریق میں یہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ یہی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے۔ اور اگر ان آیات و احادیث کی یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو مخالفین کے بھی یہ خلاف ہیں کیونکہ بعض ذکر اللہ وہ بھی بلند آواز سے کرتے ہیں جیسے اذان، بقر عید کے موقعہ پر تکبیر تشریق، حج میں تلبیہ، جلسوں کے موقعوں پر نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد وغیرہ کیونکہ ان کے یہ دلائل تو ذکر بالجہر کو مطلقاً منع کر رہے ہیں اور حدیث احاد کی وجہ سے قرآنی آیات میں قید

لگانا جائز نہیں لہٰذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ ان موقعوں پر ذکر بالجہر حدیث میں آ گیا لہٰذا جائز ہے کیونکہ قرآنی آیات میں حدیث سے پابندی لگانا کہاں جائز ہے۔

اعتراض نمبر 6

فتاویٰ بزازیہ صفحہ ۳۷۸ میں ہے۔

عَنْ فَتَاوٰی الْقَاضِی اَنَّهٗ حَرَامٌ لَمَّا صَحَّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ اَخْرَجَ جَمَاعَةً عَنِ الْمَسْجِدِ يُهَلِّلُوْنَ وَ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهْرًا وَ قَالَ لَهُمْ مَا اَرَاكُمْ اِلَّا مُبْتَدِعِيْنَ۔

''قاضی صاحب کے فتاویٰ سے نقل کیا کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہو چکا کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اسی لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور بلند آواز سے آنحضرت پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔''

دیکھو بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر ذکر اللہ اور درود شریف پڑھنا حرام ہے اور حضرت ابن مسعود نے ان ذاکرین اور درود خوانوں کو بدعتی فرمایا بلکہ انہیں مسجد سے نکال دیا افسوس کہ آج ذکر بالجہر نہ کرنے والوں کو وہابی کہا جاتا ہے یہ ہے انقلاب زمانہ ایمان کفر بن گیا اور کفر ایمان (راہ سنت)۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی بدعتی ہوئے اور حرام کے مرتکب کیونکہ تمہارے دینی سیاسی جلسے ہوئے تقریروں کے دوران نعرۂ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد دن رات مسجدوں میں ہوتے ہیں نہ تم ان بالجہر ذکروں پر فتوے لگاتے ہو نہ انہیں روکتے ہو کیا مسجد میں صرف درود شریف آواز سے پڑھنا حرام ہے باقی تمہارے جلسے نعرے سب جائز ہیں جواب تحقیقی یہ ہے جو یہاں اسی جگہ فتاویٰ بزازیہ اور فتاویٰ شامی نے دیا ہے جسے آپ نے نقل نہ فرمایا اگر آپ پوری عبارت نقل کر لیتے تو اس کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا سنو اسی جگہ شامی میں ہے۔

وَاَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ فَجَائِزٌ كَمَا فِي الْاَذَانِ وَالْخُطْبَةِ وَ الْجُمْعَةِ وَ الْحَجِّ وَ قَدْ حُرِّرَتِ الْمَسْئَلَةُ فِي الْخَيْرِيَّةِ وَ حُمِلَ مَا فِي فَتَاوٰى الْقَاضِي عَلَى جَهْرِ الْمُضِرِّ۔

''بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ اذان خطبہ جمعہ اور حج میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ فتاویٰ خیریہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور جو فتاویٰ قاضی میں ہے اس سے مراد نقصان دہ جہر ہے۔''

معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو بدعتی فرمایا جو جماعت اول کے وقت جبکہ لوگ نماز جماعت سے ادا کرتے تھے، یہ ذکر بالجہر کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کی نماز میں حرج واقع ہوتا تھا یا کوئی اور دینی ضرر تھا۔ خلاصہ یہ کہ نقصان دہ جہر ممنوع ہے۔ اب ذرا فتاویٰ بزازیہ کو بھی دیکھ لو اسی حدیث ابن مسعود کو نقل فرما کر ایک اعتراض مع جواب فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ فتاویٰ تو یہ ہے کہ ذکر بالجہر

سے کسی کو نہ روکو اگر چہ وہ مسجد ہی میں کرتے ہوں تا کہ اسی آیت کے خلاف نہ ہو جاوے مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْکَرَ الخ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۱۴) حضرت ابن مسعود کا یہ عمل تمہارے ان فتاویٰ کے خلاف ہے اس کے جواب میں عبارت فرماتے ہیں۔ جس میں یہ بھی ہے۔

> اَلْاِخْرَاجُ عَنِ الْمَسْجِدِ یَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ اِعْتِقَادُ هُمُ الْعِبَادَةَ فِیْهِ وَلِیُعَلِّمُ النَّاسَ بِاَنَّهٗ بِدْعَةٌ وَ الْفِعْلُ جَائِزٌ وَ الْجَائِزُ یَّجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ غَیْرُ جَائِزٍ لِعَرْضٍ یَّلْحَقُهٗ
>
> ''آپ کا انہیں مسجد سے نکالنا ممکن ہے اس لیے ہو کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جہر بھی عبادت ہے اور لوگوں کو یہ بتانا ہو کہ یہ عقیدہ بدعت ہے اور جائز کام کبھی کسی عارضی وجہ سے نا جائز ہو جاتا ہے۔''

اسی فتاویٰ میں اسی جگہ ہے وَ اَمَّا رَفَعَ الصَّوْتُ بِالذِّکْرِ فَجَآئِزٍ کَمَافِیْ الْاَذَانِ وَالْخُطْبَةِ وَالْحَجِّ مخالفین کے عقلی اعتراضات صرف تین ہیں اولاً تو یہ کہ خدا قریب ہے پھر زور سے چیخنا کیوں جواب گزر چکا کہ یہ آواز بلند کرنا خدا تعالیٰ کے سنانے کے لیے نہیں بلکہ دیگر فوائد کے لیے ہے۔ جیسے اذان وغیرہ زور سے دی جاتی ہے دوم یہ کہ درود صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ وَسَلَّمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حدیث سے ثابت نہیں لہٰذا نا جائز ہے۔ اسکا جواب اسی کتاب میں اور مقام پر گزر گیا کہ دوا غذا دعا میں نقل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو نا جائز کی حد میں نہ آوے وہ جائز ہے اور اس کی پوری تحقیق کہ کون سا درود پاک افضل ہے ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ کرو۔ تیسرے یہ کہ بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں ان سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھولتے ہیں لہٰذا نا جائز ہے۔

جوَابْ

اس کے چند جواب ہیں پہلا یہ کہ یہ اعتراض دعویٰ کے مطابق نہیں کیونکہ تم کہتے ہو ذکر بالجہر بالکل منع ہے اور اس سے یہ ثابت ہوا کسی نمازی کو اس سے تکلیف ہو تو منع ورنہ جائز تو اگر کسی وقت کوئی نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ تب جائز ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ یہاں پنجاب میں دیکھا جاتا ہے کہ بعد نماز فجر کچھ توقف کر کے اور عشاء کی سنتوں اور وتر سے فارغ ہو کر یہ درود پڑھا جاتا ہے اور اس وقت سب لوگ نماز سے فارغ ہو چکتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم اسی باب کے پہلے باب میں احادیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ نیز آج بھی بعض مسجدوں میں قرآن کے مدرسے ہیں جہاں کہ طلباء بعد نماز ظہر و عشاء چیخ کر قرآن یاد کرتے ہیں۔ کبھی مسجدوں میں بعد نماز عشاء دینی جلسے ہوتے ہیں جن میں نعرے بھی لگتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ بقر عید کے زمانہ میں جماعت فرض کے بعد فوراً ہی سب لوگ با آواز بلند تین بار تکبیر تشریق کہتے ہیں۔ کہیئے ان ذکروں سے نمازی کا دھیان بٹتا ہے یا نہیں۔ اور یہ جائز ہیں یا منع؟ فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجہر کر رہا ہو یہ منع ہے نہ یہ کہ نماز بھی ہو چکی لوگ فارغ ہو کر اب ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے اب کوئی شخص تارک الجماعت بعد میں آیا تو اپنی نماز کے حیلے سے سب کو خاموش کرتا پھرے کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہٰذا اے نمازیو! قرآن یاد کرنیوالو واعظو تم سب خاموش ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اول کا ہوتا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلے متفرع ہیں۔ مکہ معظمہ میں صرف جماعت اولیٰ کے لیے طواف بند ہوتا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا اور

طواف دعاؤں کا اس قدر شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کہیے وہاں اس ذکر بالجہر کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازوں کے خلل کی وجہ سے طواف بند کرواؤ گے۔

بحث اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

بعض لوگ جو کہ فاتحہ گیارہویں یا کہ میلاد شریف کے پابند ہیں وہ اس کے لیے کچھ عرصہ پہلے بکرے مرغے وغیرہ پالتے ہیں۔ اور ان کو فربہ کرتے ہیں۔ تاریخ فاتحہ پر ان کو بسم اللہ پر ذبح کر کے کھانا پکا کر فاتحہ کرتے ہیں اور فقراء وصلحاء کو کھلاتے ہیں۔ چونکہ وہ جانور اس کی نیت سے پالا گیا ہے اس لیے کہہ دیتے ہیں گیارہویں کا بکرا یا غوث پاک کی گائے وغیرہ یہ شرعاً حلال ہے۔ جیسے کہ ولیمہ کا جانور مگر مخالفین اس کام کو حرام۔ اس گوشت کو مردار اور فاعل کو مرتد و مشرک کہتے ہیں اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں اسکے جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات اور جوابات۔

باب نمبر 1

اس کے جواز کے ثبوت میں

جس حلال جانور کو مسلمان یا اہل کتاب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے وہ حلال ہے اور جس حلال جانور کو مشرک یا مرتد ذبح کرے وہ مردار ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان دیدہ دانستہ بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے یا خدا کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کرے (مثلاً بجائے بسم اللہ اکبر کے کہدے یا غوث اور ذبح کر دے) تو حرام ہے خیال رہے کہ اس حلت و حرمت میں ذبح کرنیوالے کا اعتبار ہے نہ کہ مالک کا۔ اگر مسلمان کا جانور مشرک نے ذبح کر دیا مردار ہو گیا۔ اگر مشرک نے بت کے نام پر جانور پالا مگر اس کو مسلمان بسم اللہ سے ذبح کر دیا حلال ہے۔ اسی طرح ذبح کے وقت نام لینے کا اعتبار ہے نہ کہ آگے پیچھے زندگی میں جانور بت کے نام کا تھا مگر ذبح اللہ کے نام پر ہوا ہے حلال ہے اور زندگی میں جانور قربانی کا تھا مگر ذبح کے وقت اور نام لیا گیا وہ مردار اسی کو قرآن نے فرمایا وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۔ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۷۳) وہ جانور بھی حرام ہے جو کہ غیر خدا کے نام پر پکارا گیا۔ یہاں پکارنے سے مراد بوقت ذبح پکارنا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

> اَیْ رَفْعُ الصَّوْتِ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ کَقَوْلِهِمْ بِاسْمِ اللَّاتِ وَ الْعُزّٰی عِنْدَ ذِبْحِهٖ۔
>
> ”یعنی اس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو جیسے کفار ذبح کے وقت کہتے تھے۔ اللات والعزیٰ“

تفسیر جلالین میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ بان ذبح علی اسم غیرہ اس طرح کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

> یَعْنِیْ مَا ذُکِرَ عَلٰی ذِبْحِهٖ غَیْرُ اسْمِ اللّٰهِ وَ ذٰلِكَ اَنَّ الْعَرَبَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ کَانُوْا یَذْکُرُوْنَ اَسْمَآءَ اَصْنَامِهِمْ

عِنْدَ الذِّبْحِ فَحَرَّمَ اللّٰهُ ذٰلِكَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ وَ بِقَوْلِهٖ وَ لَا تَاْ كُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْ كَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

''یعنی وہ جانور حرام ہے جس کے ذبح پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور یہ اس لئے ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ذبح کے وقت بتوں کا نام لیتے تھے پس خدا نے اسکو اس آیت سے اور آیت و لاتا کلوا سے حرام فرمایا۔''

تفسیر کبیر یہ ہی آیت:

وَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ عِنْدَ الذِّبْحِ بِاِسْمِ اللَّاتِ وَ الْعُزّٰى فَحَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ۔

''اہل عرب ذبح کے وقت کہتے تھے۔ بسم اللات والعزی اللہ تعالیٰ نے اسکو حرام فرمایا۔''

تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَعْنَاهُ مَا ذُبِحَ بِهٖ لِاِسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ مِثْلُ اللَّاتِ وَ الْعُزّٰى وَاَسْمَاءِ الْاَنْبِيَآءِ۔

''آیت کے معنی یہ ہیں کہ اسکو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور وہ ہے جو بتوں کے لیے ذبح کیا جاتا تھا۔''

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے:

اَیْ ذُبِحَ لِلْاَصْنَامِ فَذُكِرَ عَلَيْهِ غَيْرُ اِسْمِ اللّٰهِ اَیْ رَفَعَ بِهِ الصَّوْتُ لِلصَّنَمِ وَ ذٰلِكَ قَوْلُ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ بِاِسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى۔

''یعنی وہ جانور حرام ہے جو کہ بتون کے لیے ذبحہ کیا جاوے پس اس پر غیر اللہ کا نام لیا جاوے یعنی اس پر بت کی آواز دی گئی ہو اور یہ جاہلیت والوں کا یہ کہنا تھا کہ بسم اللات والعزی۔''

تفسیر لباب التاویل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ يَعْنِىْ مَا ذُبِحَ لِلْاَصْنَامِ وَالطَّوَاغِيْتِ وَ اَصْلُ الْاِهْلَالِ رَفْعُ الصَّوْتِ وَ ذٰلِكَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَرْ فَعُوْنَ اَصْوَاتَهُمْ بِذِكْرِ اٰلِهَتِهِمْ اِذَا ذَ بَحُوْهَا تفسیر علامہ ابوسعود میں ہے اَیْ رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ ذِبْحِهٖ لِلصَّنَمِ تفسیر حسینی میں اسی آیت کے ماتحت ہے' وآنچہ آوابراوردہ شود بغیر اللہ از برائے غیر خدا بداں در وقت ذبحہ آں یعنی بنام بتاں بکشند۔

ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ آس آیت مَا اُهِلَّ میں اُهِلَّ سے مراد ہے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارنا لہٰذا جانور کی زندگی میں کسی طرف نسبت کرنے کا اعتبار نہیں۔ اب ہم فقہاء کی عبارت بھی پیش کرتے ہیں تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت وَ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے ماتحت ہے۔

وَ مِنْ هٰهُنَا عُلِمَ اَنَّ الْبَقَرَةَ الْمَنْذُوْرَةَ لِلْاَوْلِيَآءِ كَمَا هُوَ الرَّسْمُ فِیْ زَمَانِنَا حَلَالٌ طَيِّبٌ لِاَنَّهٗ لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ وَقْتَ الذَّبْحِ وَ اِنْ كَانُوْا يَنْذِ رُوْ نَهَا۔

''اس سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی اولیاء اللہ کے لیے نذر مانی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہے یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کے نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس گائے کی نذر مانتے ہیں۔''

اس میں تو گیارہویں شریف کے بکرے کا خاص فیصلہ فرما دیا نام لیکر اور اس کتاب کے مصنف مولانا احمد جیون علیہ الرحمۃ وہ بزرگ ہیں جو

کہ عرب وعجم کے علماء کے استاذ ہیں اور تمام دیوبندی بھی ان کو مانتے ہیں شامی باب الذبحہ میں ہے۔

اِعلَمْ اَنَّ الْمَدَارَ عَلَی الْقَصْدِ عِنْدَ اِبْتِدَآءِ الذِّبْحِ۔

''جاننا چاہئے کہ حلت وحرمت کا دارومدار ذبح کے وقت نیت کا ہے۔''

صاف معلوم ہوا کہ ذبح سے پہلے کی نیت یا نام بالکل معتبر نہیں عالمگیری باب الذبح میں ہے مُسْلِمٌ ذَبَحَ شَاۃَ الْمُجُوْسِیْ لِبَیْتِ نَارِھِمْ رَاَوْبِکَافِرٍ لِاٰ لِھَتِھِمْ تُؤْکَلُ لِاَنَّہٗ سَمّٰی اللّٰہُ تَعَالٰی وَ یُکْرَ ہُ لِلْمُسْلِمِ کَذَا فِیْ التَّتَارْ خَانِیَۃْ نَا قِلًا عَنْ جَامِعِ الْفَتَاوٰی۔ مسلمان نے مجوسی کی وہ بکری جوان کے آتشکدہ کے لیے یا کافر کی ان بتوں کے لیے تھی ذبح کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے مگر یہ کام مسلمان کے لیے مکروہ ہے اسی طرح تتارخانیہ میں جامع الفتاویٰ سے نقل کیا۔ دیکھئے جانور پالنے والا کافر ہے اور ذبح بھی کرتا ہے بت یا آگ کی عبادت کی نیت سے' گویا مالک کا پالنا' ذبح کرانا دونوں فاسد۔ مگر چونکہ بوقت ذبح مسلمان نے بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا ہے لہٰذا جانور حلال ہے کہیے گیارہویں یا میلاد کا بکرا اس بت پرست کے بکرے سے بھی گیا گذرا ہے؟ کہ وہ تو حلال مگر یہ حرام الحمدللہ بخوبی ثابت ہوا کہ یہ گیارہویں وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل باعث ثواب ہے۔

بَابْ نُمبَر 2

اولیاء اللہ کے جانور کے متعلق اعتراضات وجوابات

اِعتَراض نمَبَر 1

اس آیت میں مَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۷۳) میں کلمہ اُھِلَّ اِھْلَالٌ سے مشتق ہے اور اھلال کے معنی لغت میں ذبح کے نہیں بلکہ مطلقاً پکارنے کے ہیں۔ لہٰذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا خواہ اس کی زندگی میں یا بوقت ذبح وہ مردار ہے تو غوث پاک کا بکرا شیخ سدو کی گائے اگرچہ خدا کے نام پر ذبح ہو حرام ہو

نوٹ

یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ کا ہے وہ مسئلہ میں سخت غلطی فرما گئے۔

جوَاب

اھلال کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً پکارنا۔ مگر عرفی معنی ہیں بوقت ذبح پکارنا اور یہ عرفی معنی ہی اس جگہ مراد ہیں صلوٰۃ کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً دعا۔ مگر عرفی معنی ہیں نماز تو اَقِیْمُوْ الصَّلٰوۃَ سے نماز فرض ہوگی نہ کہ عام دعا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت مَآ اُھِلَّ کے ماتحت ہے۔

اَلْاِھْلَالُ رَفَعَ الصَّوْتِ ھٰذَا مَعْنٰے الْاِھْلَالِ فِیْ اللُّغَۃِ ثُمَّ قِیْلَ لِلْمُحَرَّمِ۔

''اہلال کے معنی ہیں آواز بلند کرنا (پکارنا) یہ معنی لغوی ہیں پھر محرم کو کہا گیا۔ الخ''

اسی طرح حاشیہ بیضاوی للشہاب میں اسی آیت مااہل کے ماتحت ہے۔

اَیْ رُفِعَ بِہِ الصَّوْتُ الخ ھٰذَا اَصْلُہٗ ثُمَّ جَعَلَ عِبَارَۃً عَمَّا ذُبِحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ۔

یعنی اسکو پکارا گیا ہو کہ یہ اہلا کے لغوی معنی ہیں پھر اس اہل سے مراد لی گئی ہے کہ وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے اگر یہاں اھلال کے لغوی معنی مراد ہوں تو چند خرابیاں لازم ہونگی۔ اولاً تو یہ کہ یہ تفسیر اجماع مفسرین اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ مفسرین کے اقوال تو ہم پہلے باب میں عرض کر چکے۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ وغیرہم کے اقوال ملاحظہ ہوں۔ تفسیر درمنشور میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَخْرَجَ اِبْنُ الْمُنْذَرِ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَ مَا اُھِلَّ الْاٰیَۃِ قَالَ ذُبِحَ وَ اَخْرَجَ اِبْنُ جَرِیْرٍ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَ مَا اُھِلَّ یَعْنِیْ مَا اُھِلَّ لِلطَّوَاغِیْتِ وَ اَخْرَجَ اِبْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ مُجَاھِدٍ وَ مَا اُھِلَّ قَالَ مَا ذُبِحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ اَخْرَجَ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ اَبِی الْعَالِیَۃِ وَ مَا اُھِلَّ یَقُوْلُ مَا ذُکِرَ عَلَیْہِ اِسْمِ غَیْرِ اللّٰہِ تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت۔ قَالَ الرَّبِیْعُ ابْنُ اَنَسٍ یَعْنِیْ مَاذُکِرَ عِنْدَ ذِبْحِہٖ اِسْمُ غَیْرِ اللّٰہِ معلوم ہوا کہ اس قدر صحابہ کرام و تابعین کا یہ ہی فیصلہ ہے کہ اس آیت سے مراد ہے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔

جوابؔ

دوم یہ ہے کہ تمہارے بتائے ہوئے یہ معنی خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں قرآن فرماتا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ م بَحِیْرَۃٍ وَّ لَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیْلَۃٍ وَّ لَا حَامٍ وَّلٰکِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ط

(پارہ ۷ سورۃ ۵ آیت ۱۰۳)

''اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام نہیں مقرر کئے۔ لیکن کفار اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔''

یہ چار جانور بحیرہ وغیرہ وہ تھے جن کو کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس حرام کو سمجھنے کی تردید فرمادی۔ حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا۔ اور ان کے کھانے کا حکم دیا کہ فرمایا۔

کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ۔ (پارہ ۸ سورۃ ٦ آیت ۱۴۲)

''کھاؤ اس کو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔''

تفسیر فتح البیان میں زیر آیت مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ م بَحِیْرَۃٍ اور نووی شرح مسلم کِتَابَ الْجَنَّۃِ وَ نَعِیْمًا بَابُ الصِّفَۃِ الَّتِیْ یُعْرَفُ بِھَافِی الدُّنْیَا اَھْلُ الْجَنَّۃِ صفحہ ۳۸۵ میں ہے۔

اَلْمُرَادُ اِنْکَارُ مَا حَرَّمُوْا عَلٰے اَنْفُسِھِمْ مِنَ السَّائِبَۃِ وَالْبَحِیْرَۃِ وَّالْحَامِ وَّ اِنَّھَا لَمْ تَصِرْ حَرَامًا بِتَحْرِیْمِہٖ

''یعنی اس آیت سے ان جانوروں کی حرمت کا انکار کرنا مقصود ہے جن کو کفار حرام سمجھتے تھے۔ بحریہ وغیرہ کہ یہ جانور ان کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو گئے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جو سانڈ ہندو لوگ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا اگر مسلمان بسم اللہ کہہ کر ذبح کر لے تو حلال ہے ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے وَ قَالُوْا ھٰذِہٖٓ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ق صلے لَّا یَطْعَمُھَآ اِلَّا مَنْ

نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ (پارہ ۸ سورۃ ٦ آیت ۱۳۸) اور کفار بولے کہ یہ جانور اور کھیتی روکی ہوئی ہے نہ اس کو وہ ہی کھائے۔ جس کو ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال میں۔ نیز فرماتا ہے وَ قَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰى اَزْوَاجِنَا (پارہ ۸ سورۃ ٦ آیت ۱۳۹) کفار بولے جو ان جانوروں کے شکم میں بچہ ہے وہ ہمارے مردوں کے لیے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام۔ یہ ہی وہ کھیتیاں اور جانور تھے جو بتوں کے نام پر وقف تھے اور کفار ان کی حلت میں پابندیاں لگاتے تھے اس پابندی کی تردید فرمادی گئی۔ تو جب بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانور حرام نہ ہوئے تو اہل اللہ کی فاتحہ کی نیت سے پالے ہوئے جانور کیوں حرام ہو گئے۔ تیسرے یہ کہ اہل کے یہ معنی فقہاء کی تصریح کے بھی خلاف ہیں ہم اس بحث کے پہلے باب میں عالمگیری کی عبارت پیش کر چکے ہیں کہ مشرک یا آتش پرست نے بت یا آگ کے چڑھاوے کے لیے جانور مسلمان سے ذبح کروایا۔ مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کیا وہ حلال ہے اسی طرح تفسیرات احمدیہ کی عبارت بھی پیش کر دی گئی کہ اولیا اللہ کی نذر کا پالا ہوا جانور حلال ہے چوتھے یہ کہ یہ معنی عقل کے بھی خلاف ہے اس لیے کہ جب اہل کے لغوی معنی مراد ہوئے یعنی جانور پر اسکی زندگی میں یا بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارنا' جانور کو حرام کر دیتا ہے تو لازم آیا کہ جانور کے سوا دوسری اشیاء بھی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جاویں۔ کیونکہ قرآن میں آتا ہے مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اور ہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جاوے (ما) میں عمر قید نہیں پھر خواہ تقرب کی نیت سے پکارا یا کسی اور نیت سے بہر حال حرمت آنی چاہیئے۔ تو زید کا بکر، عمر کی بھینس، زید کے آم، بکر کے باغ کے پھل' فلاں کی بیوی' ام سعد کا کنواں فلاں کی مسجد، میرا گھر، دیوبند کا مدرسہ' امام بخاری کی کتاب سب ہی نسبتیں ناجائز ہو گئیں اور ان کا استعمال حرام اور بخاری ترمذی تو خاص شرک ہوا کہ انکی نسبت بخارا اور ترمذ کی طرف ہوئی جو کہ غیر اللہ ہیں۔ جناب جس وقت تک کہ عورت صرف اللہ ہی کی بندی کہلائی سب کو حرام رہی۔ جب اس پر غیر خدا کا نام آیا اور فلاں کی زوجہ کہی گئی تب فلاں کو حلال ہوئی۔ کبھی غیر اللہ کی نسبت سے چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ حیدر آباد میں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا دستی لکھا ہوا قرآن شریف تھا انگریز اس کے دو لاکھ روپے دیتے تھے مگر نہ دیا گیا امیر عبدالرحمٰن خان کا استعمال شدہ قالین پچاس ہزار میں امریکہ والوں نے خریدا۔ پرانے ٹکٹ بھی قیمتی ہوئے (سرکار علی پوری) غرض کہ اھل کے یہ معنی ایسے فاسد ہیں کہ عقل و نقل سب ہی کے خلاف پانچویں یہ کہ اگر کسی نے جانور بت کے نام پر پالا بعد میں اس سے تائب ہو گیا اور خالص نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بالاتفاق حلال ہے حالانکہ اُهِلَّ میں تو یہ بھی داخل ہوا اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا مَآ اُهِلَّ کی حد میں آ گیا اب ماننا ہی پڑا کہ وقت ذبح اللہ کا نام پکارنا معتبر ہے نہ کہ قبل کا۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے پھر گوشت میں اللہ کی نیت کرے بالکل غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اگر زندگی کا پکارنا معتبر ہوتا تو جو آدمی جانور کی زندگی میں غیر اللہ کا نام پکار کے پھر توبہ کر کے اللہ کے نام پر ذبح کرتا تو بھی حرام ہوتا۔ چھٹے یہ کہ اگر اھل کے معنی لغوی مراد لئے جاویں جب بھی بہٖ کی وجہ سے پکارنے میں تخصیص ہو گی۔ اسی طرح کہ ب فی کے معنی میں ہو گا اور مضاف پوشیدہ یعنی فی ذبح ورنہ پھر بہٖ سے کیا فائدہ بغیر بہٖ کہ بھی یہ معنی حاصل تھے۔ جیسا کہ سلیمان جمل نے آیت مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تفسیر میں لکھا ہے تو بھی مطلب وہ ہی بنا کہ جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے بہر حال یہ ترجمہ محض فاسد ہے۔

اِعتراض نمبر 2

فقہی مسئلہ ہے کہ جس جانور کو بسم اللہ سے ذبح کیا جاوے مگر ذبح کی نیت غیر خدا سے تقرب حاصل کرنا ہو تو وہ حرام ہے چونکہ گیارہویں

کرنے والے کی نیت حضور غوث پاک کو راضی کرنا ہے لہٰذا اس ذبح میں غیر اللہ کی طرف تقرب ہوا۔ تو اگرچہ جانور ذبح تو بسم اللہ سے ہوا مگر اس قاعدے سے حرام ہو گیا۔ اس قاعدے کی تحقیق سوال نمبر ۳ میں آتی ہے۔

جواب

ذبح کی چار قسمیں ہیں۔ اولاً یہ کہ ذبح سے مقصود محض خون بہانا ہو اور گوشت محض تابع ہو اور یہ خون بہانا رب کو راضی کرنے کے لیے ہو۔ جیسے کہ قربانی، ہدی، عقیقہ اور نذر کا جانور یہ ذبح عبادۃً ہے مگر اس میں وقت یا جگہ کی قید ہے کہ قربانی خاص تاریخوں میں عبادت ہے آگے پیچھے نہیں۔ ہدی حرم میں عبادت ہے اور جگہ نہیں دوسرے چھری کی دھار کی آزمائش کے لیے ذبح کرنا یہ نہ عبادت ہے نہ گناہ۔ اگر بسم اللہ سے ہوا تو جانور حلال ورنہ حرام تیسرے گوشت کھانے کے لئے ذبح کرنا جیسے کہ شادی ولیمہ کی دعوت یا گوشت کی تجارت کیلئے ذ کرنا۔ اسی طرح فاتحہ بزرگان کیلئے ذبح کرنا کہ ان سب ذبح سے مقصود گوشت ہے ذبح گوشت کیلئے ہے یہ بھی اگر بسم اللہ سے ہو تو حلال ورنہ حرام۔ چوتھے غیر خدا کو راضی کرنے کے لیے صرف خون بہانے کی نیت سے ذبح کرنا اس میں گوشت مقصود نہ ہو جیسے کہ ہندو لوگ بتوں یا دیوی پر جانور کی بھینٹ چڑھاتے ہیں کہ اسکا خون دے کر بتوں کو راضی کرنا مقصود ہے یہ جانور اگر بسم اللہ کہہ کر بھی ذبح کیا جاوے، جب بھی حرام ہے بشرطیکہ ذبح کرنیوالے کی نیت بھینٹ کی ہو نہ کہ ذبح کرانیوالے کی۔ ان فقہی عبارات سے یہ ہی مراد ہے قرآن فرماتا ہے وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۳) اور حرام ہے وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے اس آیت کی تفسیر میں سلیمان جمل فرماتے ہیں۔

> اَىْ مَا قُصِدَ بِذَبْحِهٖ النُّصُبَ وَلَمْ يُذْكَرِ اسْمُهَا عِنْدَ ذِبْحِهٖ بَلْ قُصِدَ تَعْظِيْمُهَا بِذِبْحِهٖ فَعَلٰى بِمَعْنَى اللَّامِ فَلَيْسَ هٰذَا مُكَرَّرًا مَعَ مَا سَبَقَ اِذْ ذَاكَ فِيْمَا ذُكِرَ عِنْدَ ذِبْحِهٖ اِسْمُ الصَّنَمِ وَ هٰذَا فِيْمَا قُصِدَ بِذَبْحِهٖ تَعْظِيْمُ الصَّنَمِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرِهٖ۔

> ”یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کے ذبح سے بت مقصود ہوں اور ان کے ذبح کے وقت بت کا نام نہ لیا گیا ہو یا کہ بت کی تعظیم کے لیے کیا گیا ہو پس اعلیٰ بمعنی لام ہے لہٰذا یہ آیت گذشتہ سے مکرر نہیں کیونکہ وہاں ما اھل میں تو وہ مراد تھے جن پر بتوں کا نام لیا جاوے اور اس سے وہ جانور مراد ہیں جن کے ذبح سے بت کی تعظیم مقصود ہو اور اس کا نام نہ لیا گیا ہو۔“

سبحان اللہ کیا عمدہ فیصلہ کیا جو بت کے نام پر ذبح ہو وہ تو ما اھل میں داخل ہے اور جس ذبح سے تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۳) میں داخل۔ بعض فقہاء نے ان دونوں صورتوں کو ما اھل سے ثابت کیا ہے بمعنی مَا ذُبِحَ لِتَعْظِيْمِ غَيْرِ اللّٰهِ اسی پر درمختار کی عبارت ہے غرض کہ جانوروں کی حرمت میں دو چیزوں کو دخل ہے ایک تو بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا۔ دوسرے غیر اللہ کو راضی کرنے کے لیے جانوروں کا خون بہانا بایں معنی کہ گوشت مقصود بالذات نہ ہو۔ تقرب بغیر اللہ ہے اسی کو فقہاء حرام فرماتے ہیں چونکہ گیارہویں اور فاتحہ کا جانور تیسری قسم میں داخل ہے نہ کہ چوتھی میں۔ اسی لیے حرام نہیں کیونکہ گیارہویں کرنیوالے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس جانور کے گوشت کا کھانا پکا کر فاتحہ کر کے فقراء پر تقسیم کیا جاوے گا۔ لہٰذا اس سے گوشت مقصود ہوا یہ فرق ضرور خیال میں رہے بعض

دیوبندی کہتے ہیں کہ گیارہویں والے کا گوشت مقصود نہیں ہوتا کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اگر اس کو اتنا زیادہ گوشت دیا جاوے یا دوسرا جانور کہ تو اس پر فاتحہ کردے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا اگر گوشت منظور ہوتا تو تبادلہ کر لیتا معلوم ہوا کہ غوث پاک کے نام پر خون بہانا منظور ہے۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے نیت کا حال تو نیت والا ہی جان سکتا ہے بلا دلیل مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے رہا جانور کا نہ بدلنا۔ اسکی وجہ محض اہتمام ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس طرح ہم نے پرورش کر کے اس کو اچھا کیا ہے دوسرا گوشت ایسا نہ ملے گا۔ بعض لوگ ولیمہ کے لیے جانور پالتے ہیں وہ بھی دوسرے گوشت سے تبادلہ گوارا نہیں کرتے بعض لوگ فاتحہ کے لیے نئے برتن استعمال کرتے ہیں اور ان برتنوں کا تبادلہ گوارا نہیں کرتے بعض کا خیال ہوتا ہے کہ جس جانور پر فاتحہ کا وعدہ ہو گیا اس کو بدلنا جائز نہیں' جیسے کہ قربانی کا جانور۔ یہ غلط خیال ہے۔ مگر غلط خیال سے ذبیحہ کیوں حرام ہو گیا۔ غرضیکہ اہتمام اور ہے بھینٹ اور خلاصہ یہ ہوا کہ اگر نفس ذبح سے غیر اللہ کو راضی کرنا مقصود ہو تو حرام ہے اور اگر ذبح دعوت یا فاتحہ کے لیے ہو اور فاتحہ یا دعوت کسی کو راضی کرنے کے لیے ہو تو حلال ہے کسی اللہ کے بندے کو راضی کرنا اسکی عبادت نہیں۔

اِعتَراض نَمبَر 3

درمختار عالمگیری باب الذبح میں ہے اور نووی شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ

ذُبِحَ لِقُدُوْمِ الْاَمِیْرِ وَ نَحْوِهٖ كَوَاحِدٍ مِنَ الْعُظَمَاءِ یَحْرُمُ لِاَنَّهٗ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ وَلَوْ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ۔

''بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کیا تو وہ حرام ہے اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگرچہ بسم اللہ ہی سے ذبح ہو لہٰذا گیارہویں کا جانور بہرحال حرام ہے کہ حضور غوث پاک کی رضا کے لیے ہے اگرچہ ذبح بسم اللہ سے ہو۔

جَوَاب

اس کا مکمل جواب سوال نمبر۲ کے جواب میں گذر گیا کہ اگر سلطان یا کسی کی بھینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو جانور حرام۔ بھینٹ کے معنی بیان کئے جا چکے کہ خون بہانے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہو گوشت تابع ہو اور اگر سلطان وغیرہ کی دعوت کے لیے جانور ذبح ہو تو اگرچہ دعوت سے رضائے سلطان مقصود ہو مگر جانور حلال ہے۔ درمختار کتاب الذبائح میں اسی جگہ فرماتے ہیں

وَلَوْ لِلضَّیْفِ لَا یُحَرَّمُ لِاَنَّهٗ سُنَّةُ الْخَلِیْلِ وَاِكْرَامُ الضَّیْفِ اِكْرَامُ اللّٰهِ وَ الْفَارِقُ اَنَّهٗ اِنْ قَدَّمَهَا لِیَاكُلَ مِنْهَا
كَانَ الذَّبْحُ لِلّٰهِ وَ الْمَنْفَعَةُ لِلضَّیْفِ اَوْ لِلْوَلِیْمَةِ اَوْ لِلرِّبْحِ وَ اِنْ لَّمْ یُقَدِّمْهَا لِیَاكُلَ مِنْهَا بَلْ یَدْفَعُهَا لِغَیْرِهٖ
كَانَ لِتَعْظِیْمِ غَیْرِ اللّٰهِ فَتَحَرَّمَ۔

''اور اگر ذبح مہمان کے لیے ہو تو حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت خلیل کا طریقہ ہے اور مہمان کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اسکا گوشت مہمان کے آگے رکھا تا کہ اس میں سے کھائے تو ذبح اللہ کے لیے ہو گا اور نفع مہمان کے لیے یا ولیمہ یا

تجارت کے لیے اور اگر مہمان کے آگے نہ رکھا بلکہ یونہی کسی کو دے دیا تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لیے ہے لہٰذا حرام ہے۔"

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گوشت کا مقصود ہونا عبادت و غیر عبادت میں فرق ہے اسی جگہ درمختار میں ہے۔

وَفِیْ صَیْدِ الْمُنْیَۃِ اَنَّہٗ یُکْرَہُ وَلَا یُکْفَرُ لِاَنَّا لَانُسِیْئُ الظَّنَّ بِالْمُسْلِمِ اَنَّہٗ یَتَقَرَّبُ اِلَی الْاٰدَمِیِّ بِھٰذَا النَّحْرِ۔

"ایسا کرنا مکروہ ہے اس سے ذابح کافر نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کی عبادت کرتا ہے۔"

معلوم ہوا کہ مسلمان پر بدگمانی کرنا جرم ہے اس کے حاشیہ ردالمختار میں اس کو زیادہ واضح کر دیا گیا ہے مگر جس قدر بیان کر دیا گیا اس میں کفایت ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ ۱۱ زیر آیت۔

وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰھِ مَا یُذْبَحُ عِنْدَ اَسْتِقْبَالِ السُّلْطٰنِ تَقَرُّبًا اِلَیْہِ اَفْتٰی اَھْلُ الْبُخَارٰی بِتَحْرِیْمِہٖ وَقَالَ الرَّافِعِیُّ ھٰذَا غَیْرُ مُحَرَّمٍ لِاَنَّھُمْ اِنَّمَا یَذْبَحُوْنَہٗ اِسْتِبْشَارًا بِقُدُوْمِہٖ فَھُوَ کَذَبْحِ الْعَقِیْقَۃِ لِوِلَادَۃِ الْمَوْلُوْدِ مِثْلُ ھٰذَا لَا یُوْجِبُ التَّحْرِیْمَ کَذَا فِیْ شَرْحِ الْمَشَارِقِ۔

"یعنی جو جانور سلطان کے آنے پر ذبح کیا جائے اس سے قرب حاصل کرنے کے لیے اہل بخاری نے اسکی حرمت کا فتویٰ دیا اور امام رافعی نے فرمایا کہ جانور حرام نہیں کیونکہ وہ لوگ سلطان کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسے کہ بچہ کا عقیقہ بچہ کی پیدائش کی خوشی میں اور اس جیسا کام جانور کو حرام نہیں کر دیتا اسی طرح شرح مشارق میں ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ رواج ہوگا کہ بادشاہ کی آمد پر گھر گھر جانور ذبح ہوتے ہوں گے آج کل یہ رسم نہیں تو جو بادشاہ کی عبادت کی نیت سے ذبح کرتے ہوں وہ حرام ہے اور جو اظہار خوشی کے لیے لوگوں کی دعوت کرتے ہوں وہ حلال یہ فتاویٰ اختلاف رسوم کے اختلاف زمانہ کی وجہ سے ہے۔ غرضیکہ گیارہویں کے جانور کو ذبیحہ قدوم سلطان سے کوئی نسبت نہیں۔

اعتراض نمبر 4

گیارہویں کی نیت سے بکرا پالنے والا مرتد ہے کیونکہ غیر خدا کی نذر ماننا کفر ہے اور کافر و مرتد کا ذبیحہ حرام ہے لہٰذا گیارہویں ماننے والے کا ذبیحہ حرام ہے شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں ہے وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوْقِ لَا یَجُوْزُ لِاَنَّہٗ عِبَادَۃٌ وَالْعِبَادَۃُ لَا تَکُوْنُ لِمَخْلُوْقٍ

جواب

اس کا مکمل جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ نذر شرعی نہیں یہ نذر عرفی ہے بمعنی ہدیہ و نذرانہ یا یہ نذر اللہ کے لیے ہے اور اس کا تصرف یہ ہے اور ان میں سے کوئی بھی شرک نہیں۔ استاذ سے کہتے ہیں کہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذرانہ و ہدیہ۔

بحث ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

اولیاء اللہ کے ہاتھ پاؤں چومنا اور اسی طرح ان کے بعد ان کے تبرکات بال ولباس وغیرہ کو بوسہ دینا۔ ان کی تعظیم کرنا مستحب ہے احادیث اور عمل صحابہ کرام سے ثابت ہے لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لیے ہم اس بحث کے بھی دو باب کرتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں دوسرا باب اس پر اعتراضات وجوابات میں۔

باب نمبر 1

بوسہ تبرکات کے ثبوت میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوۡلُوۡا حِطَّۃٌ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۵۸) یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرام گاہ ہے اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانیکا حکم دیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے مشکوۃ باب المصافحہ والمعانقہ فصل ثانی میں ہے۔

وَعَنۡ ذِرَاعٍ وَّ كَانَ فِيۡ وَفۡدِ عَبۡدِالۡقَيۡسِ قَالَ لَمَّا قَدِمۡنَا الۡمَدِيۡنَةَ فَجَعَلۡنَا نَتَبَادَرُ مِنۡ رَّوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَ رِجۡلَهٗ۔

”حضرت ذراع سے مروی ہے اور یہ وفد عبدالقیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔“

مشکوۃ باب الکبائر وعلامات النفاق میں ہے حضرت صفوان ابن عسال سے روایت ہے فَيُقَبِّلُ يَدَيۡهِ وَ رِجۡلَهٗ پس انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔ مشکوۃ شریف بَابُ مَا يُقَالُ عِنۡدَ مَنۡ حَضَّرَهُ الۡمَوۡتُ بروایت ابوداؤد میں ہے۔

عَنۡ عَائِشَةَ قَالَتۡ قَبَّلَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عُثۡمَانَ ابۡنَ مَظۡعُوۡنٍ وَهُوَ مَيِّتٌ شفا شریف میں ھے كَانَ ابۡنُ عُمَرَ يَضَعُ يَدَهٗ عَلَى الۡمِنۡبَرِ الَّذِيۡ يَجۡلِسُ عَلَيۡهِ رَسُوۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ السَّلَامُ فِي الۡخُطۡبَةِ ثُمَّ يَضَعُهَا عَلَى وَجۡهِهٖ۔ اِسۡتَنۡبَطَ بَعۡضُهُمۡ مِنۡ مَّشۡرُوۡعِيَةِ تَقۡبِيۡلِ الۡاَرۡكَانِ جَوَازَ تَقۡبِيۡلِ كُلِّ مَنۡ يَّسۡتَحِقُّ الۡعَظۡمَةَ مِنۡ اٰدَمِيٍّ وَّ غَيۡرِهٖ نُقِلَ عَنِ الۡاِمَامِ اَحۡمَدَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنۡ تَقۡبِيۡلِ مِنۡبَرِ النَّبِيِّ عَلَيۡهِ السَّلَامُ وَ تَقۡبِيۡلِ قَبۡرِهٖ قَالَ فَلَمۡ يُرَ بِهٖ بَاسًا وَّ نُقِلَ عَنِ ابۡنِ اَبِي الصِّنۡفِ الۡيَمَانِيۡ اَحَدِ عُلَمَاءِ مِلَّةٍ مِنَ الشَّافِعِيَةِ جَوَازُ تَقۡبِيۡلِ الۡمُصۡحَفِ وَ اَجۡزَاءِ الۡحَدِيۡثِ وَ قُبُوۡرِ الصّٰلِحِيۡنَ مُلَخَّصًا

''حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ جس منبر پر حضور علیہ السلام خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (چومتے تھے) شرح بخاری لابن حجر پارہ ششم صفحہ ۱۵ میں ہے ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کا منبر یا قبر انور چومنا کیسا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابی الصنف یمانی سے جو کہ مکہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں منقول ہے قرآن کریم اور حدیث کے اوراق بزرگان دین کی قبریں چومنا جائز ہے۔''

توشیح میں علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اِسْتَنْبَطَ بَعْضُ الْعَارِفِيْنَ مِنْ تَقْبِيْلِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ تَقْبِيْلَ قُبُوْرِ الصّٰلِحِيْنَ۔

''حجر اسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔''

ان احادیث و محدثین و علماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں اور انکے لباس نعلین' بال غرضیکہ سارے تبرکات اسی طرح کعبہ معظمہ' قرآن شریف' کتب احادیث کے اوراق کا چومنا جائز اور باعث برکت ہے' بلکہ بعض بزرگان دین کے بال ولباس و جمیع تبرکات کی تعظیم کرنا' ان سے لڑائی وغیرہ مصائب میں امداد حاصل کرنا قرآن کریم سے ثابت ہے قرآن فرماتا ہے قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۲۴۸) بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے فرمایا کہ طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آویگا۔ جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی کہ اٹھائے ہوں گے اس کو فرشتے اس آیت کی تفسیر میں تفسیر خازن وروح البیان وتفسیر مدارک اور جلالین وغیرہم نے لکھا ہے کہ' تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر (یہ تصاویر کسی انسان نے نہ بنائی تھیں بلکہ قدرتی تھیں) ان کے مکانات شریفہ کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء ان کے کپڑے اور آپ کے نعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لیے اس کو سامنے رکھتے جب خدا سے دعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے بخوبی ثابت ہوا کہ بزگان دین کے تبرکات سے فیض لینا ان کی عظمت کرنا طریقہ انبیاء ہے تفسیر خازن و مدارک وروح البیان وکبیر فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۱۵) کہ جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے ساتھ بھیجا تو انکے گلے میں ابراہیم علیہ السلام کی قمیض تعویذ بنا کر ڈال دی تا کہ محفوظ رہیں۔

سارے پانی رب نے پیدا کئے ہیں مگر آب زمزم کی تعظیم اسلئے ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہوا۔ مقام ابراہیم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہوئی تو اسکی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۲۵) سب کے سر ادھر جھکا دیئے مکہ معظمہ کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔ تو رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ (پارہ ۳۰ سورۃ ۹۰ آیت ۱،۲) نیز فرمایا وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ (پارہ ۳۰ سورۃ ۹۵ آیت ۳) ایوب علیہ السلام سے فرمایا اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۸ آیت ۴۲) ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے

جو پانی پیدا ہوا وہ شفا بنا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفاء ہے مشکوٰۃ شروع کتاب اللباس میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس حضور علیہ السلام کا جبہ (اچکن) شریف تھا۔ اور مدینہ طیبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پلاتی تھیں۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب الاشربہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت کبشہ رضی اللہ عنہما کے مکان پر تشریف فرما ہوئے اور انکے مشکیزے سے منہ مبارک لگا کر پانی پیا۔ انہوں نے برکت کے لیے مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب المساجد فصل ثانی میں ہے کہ ایک جماعت حضور علیہ السلام کے دست اقدس پر مشرف بہ اسلام ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں بیعہ (یہودیوں کا عبادت خانہ) ہے ہم چاہتے ہیں کہ اسکو توڑ کر مسجد بنالیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک برتن میں پانی لے کر اس میں کلی فرمادی اور فرمایا کہ اس بیعہ کو توڑ دو اور اس پانی کو یہاں زمین پر چھڑک دو اور اس کو مسجد بنالو اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب شریف کفر کی گندگی کو دور فرماتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی شریف میں حضور علیہ السلام کا ایک بال شریف رکھتے تھے اور جنگ میں وہ ٹوپی ضرور آپ کے سر مبارک پر ہوتی تھی۔ مشکوٰۃ باب السترۃ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا تو حضرت بلال نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضرت بلال کی طرف دوڑے جس کو اس غسالہ شریف کی تری مل گئی اس نے اپنے منہ پر مل لی اور جسے نہ ملی۔ اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری لے کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کی استعمال چیزوں سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

اِنْ قَبَّلَ يَدَ عَالِمٍ اَوْسُلْطٰنٍ عَادِلٍ بِعِلْمِهٖ وَ عَدَلِهٖ لَا بَاسَ بِهٖ۔

"اگر عالم یا عادل بادشاہ کے ہاتھ چومے ان کے علم وعدل کی وجہ سے تو اس میں حرج نہیں"۔

اسی عالمگیری کتاب الکراہیت باب زیارۃ القبور میں ہے

لَا بَاسَ بِتَقْبِيْلِ قَبْرِ وَالِدَيْهِ كَذَا فِي الْغَرَائِبِ۔

"اپنے ماں باپ کی قبروں کو چومنے میں حرج نہیں"

اسی عالمگیری کتاب الکراہیت باب ملاقات الملوک میں ہے۔

اِنَّ التَّقْبِيْلَ عَلٰى خَمْسَةِ اَوْجُهٍ قُبْلَةُ الرَّحْمَةِ كَقُبْلَةِ الْوَالِدِ وَلَدَهٗ وَ قُبْلَةِ التَّحِيَّةِ كَقُبْلَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ وَ قُبْلَةِ الشَّفَقَةِ كَقُبْلَةِ الْوَلَدِ بِوَالِدَيْهِ وَ قُبْلَةِ الْمَوَدَّةِ كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ اَخَاهُ وَقُبْلَةِ الشَّهْوَةِ كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ اِمْرَاَتَهٗ وَ زَادَ بَعْضُهُمْ قُبْلَةَ الدِّيَانَةِ وَ هِيَ قُبْلَةُ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ

"بوسہ لینا پانچ طرح کا ہے رحمت کا بوسہ جیسے کہ باپ اپنے فرزند کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں۔ شفقت کا بوسہ جیسے کہ فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے دوستی کا بوسہ جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو بوسہ دے شہوت کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ لے۔ بعض نے زیادہ کیا دین داری کا بوسہ اور سنگ اسود کا چومنا ہے۔"

درمختار جلد پنجم کتاب الکراہیت آخر باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے

وَلَابَاْسَ بِتَقْبِيْلِ يَدِ الْعَالِمِ وَ السُّلْطٰنِ الْعَادِلِ۔

"عالم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں حرج نہیں"

اس جگہ شامی نے حاکم کی ایک حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے۔

قَالَ ثُمَّ اَذِنَ لَهٗ فَقَبَّلَ رَاْسَهٗ وَرِجْلَيْهِ وَ قَالَ لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَ قَالَ صَحِيْحُ الْاَسْنَادِ۔

"حضور علیہ السلام نے اس شخص کو اجازت دی اس نے آپ کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ہم کسی کو سجدے کا حکم دیتے تو عورت کو حکم دیتے کہ شوہر کا سجدہ کرے۔"

درمختار نے اسی جگہ بوسہ پانچ قسم کا بیان کیا مثل عالمگیری کے اتنا اور زیادہ کیا۔

قُبْلَةُ الدِّيَانَةِ لِلْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَ تَقْبِيْلُ عَتَبَةِ الْكَعْبَةِ تَقْبِيْلُ الْمُصْحَفِ قِيْلَ بِدْعَةٌ لٰكِنْ رُوِىَ عَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَاخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَ يُقَبِّلُهٗ وَ اَمَّا تَقْبِيْلُ الْخُبْزِ فَيَجُوْزُ الشَّافِعِيَةُ اَنَّهٗ بِدْعَةٌ مُبَاحَةٌ وَّ قِيْلَ حَسَنَةٌ مُلَخَّصًا۔

"ایک بوسہ دینداری کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ کعبہ شریف کی چوکھٹ کا بوسہ قرآن پاک کو چومنا بعض لوگوں نے بدعت کہا مگر عمر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ ہر صبح کو قرآن پاک ہاتھ میں لیکر چومتے تھے اور روٹی کا چومنا اسکو شافعی نے جائز فرمایا کہ یہ بدعت جائز ہے بعض نے کہا کہ بدعت حسنہ ہے۔"

نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۲۵) مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل (علیہ السلام) نے کعبہ کی تعمیر کی۔ ان کے قدم پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہوا کہ دنیا بھر کے حاجی اسکی طرف سر جھکانے لگے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بوسے چند طرح کے ہیں اور متبرک چیزوں کو بوسہ دینا دینداری کی علامت ہے۔ یہاں تک تو اقوال موافقین کا ذکر ہوا۔ مخالفین کے سردار جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاوٰی رشیدیہ جلد کتاب الحظر والاباحہ صفحہ ۵۲ پر فرماتے ہیں"

تعظیم دیندار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ۔

اس کے متعلق اور بھی احادیث اور فقہی عبارات پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اسقدر پر کفایت کی جاتی ہے۔

باب نمبر 2

اس پر اعتراضات اور جوابات میں

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے اور تبرکات کی تعظیم پر مخالفین کے پاس حسب ذیل اعتراضات ہیں انشاء اللہ ان کے سوا اور نہ مل سکیں گے۔

اعتراض نمبر 1

فقہاء فرماتے ہیں کہ علماء کے سامنے زمین چومنا حرام ہے نیز جھک کر تعظیم کرنا حرام ہے کیونکہ یہ رکوع کے مشابہ ہے اور جس طرح تعظیمی سجدہ حرام ہوگیا۔ تعظیمی رکوع بھی حرام ہوگیا اور جبکہ کسی کے پاؤں چومنے کے لیے اسکے قدم پر منہ رکھا تو یہ رکوع تو کیا سجدہ ہوگیا لہٰذا حرام ہے درمختار کتاب الکراہیت باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

وَ تَقْبِيْلُ الْاَرْضِ بَيْنَ يَدِىِ الْعُلَمَاۤءِ وَ الْعُظَمَاۤءِ فَحَرَامٌ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ عِبَادَةَ الْوَثْنِ

''علماء اور بڑے بزرگوں کے سامنے زمین چومنا یہ حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔''

اسی کے ماتحت شامی میں ہے

اَلْاِيْمَاۤءُ فِى الْاِسْلَامِ اِلٰى قَرِيْبِ الرُّكُوْعِ كَالسُّجُوْدِ وَ فِى الْمُحِيْطِ اَنَّهٗ يُكْرَهُ الْاِنْحِنَاۤءُ لِلسُّلْطٰنِ وَغَيْرِهٖ وَ ظَاهِرُ كَلَامِهِمْ عَلٰى اِطْلَاقِ السُّجُوْدِ عَلٰى هٰذَا التَّقْبِيْلُ۔

''اسلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے اور فقہاء کا ظاہری کلام یہ ہے کہ وہ اس چومنے کو سجدہ ہی کہتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ کسی انسان کے آگے جھکنا سجدہ کرنا شرک ہے لہٰذا کسی کے پاؤں چومنا شرک ہے حضور مجدد صاحب کو دربار اکبری میں بلایا گیا اور داخل ہونے کا دروازہ چھوٹا رکھا گیا تاکہ اس بہانہ سے آپ اکبر کے سامنے جھک جاویں۔ مگر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اولاً دروازے میں پاؤں داخل کیے تاکہ جھکنا نہ لازم آجاوے (یہ اعتراض انتہائی ہے اور عام دیوبندی وہابی اسی کو پیش کرتے ہیں)۔

جواب

ہم اولاً سجدہ کی تعریف کریں۔ پھر سجدہ کے احکام۔ پھر یہ عرض کریں کہ کسی کے سامنے جھکنے کے کیا احکام ہیں اس سے یہ اعتراض خود بخود ہی رفع ہو جاویگا۔ شریعت میں سجدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عضو لگیں دونوں پنجے' دونوں گھٹنے' دونوں ہاتھ' اور ناک و پیشانی۔ پھر اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو عام کتب فقہ کتاب الصلوٰۃ بحث سجدہ اگر بغیر سجدے کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اوندھا لیٹ گیا تو سجدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض لوگ بیماری یا سردی سے چارپائی پر اوندھے پڑ جاتے ہیں۔ سجدہ دو طرح کا ہوتا ہے سجدہ تحیۃ اور سجدہ عبادت۔ سجدہ تحیۃ تو کسی ملاقات کے وقت سجدہ کرنا اور سجدہ عبادت کسی کو خدا یا خدا کی طرح جان کر کرنا۔ سجدہ عبادت غیر اللہ کو کرنا شرک ہے کسی نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ ہر نبی توحید لائے شرک کسی نے نہیں پھیلایا سجدہ تحیۃ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک تک جائز رہا فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادران حضرت یوسف نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ تفسیر روح البیان پارہ ۱۲ سورہ ہود زیر آیت وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۴۴) میں حضرت ابوالعالیہ سے ایک روایت نقل کی کہ زمانہ نوح علیہ السلام میں شیطان نے توبہ کرنی چاہی تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ شیطان سے کہو کہ حضرت آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔ شیطان بولا کہ جب میں نے آدم علیہ السلام کو زندگی میں سجدہ نہ کیا تو اس کی قبر کو کیا سجدہ کروں گا۔ پھر اسلام نے سجدہ تحیۃ کو حرام فرمایا۔ لہٰذا اگر

کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدہ تحیۃ کرے تو گنہگار ہے، مجرم ہے حرام کا مرتکب ہے، مگر مشرک یا کافر نہیں۔ معترض نے جو درمختار کی عبارت پیش کی اسی جگہ درمختار میں ہے

اِنْ كَانَ عَلَى وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَ التَّعْظِيْمِ كُفْرٌ وَ اِنْ كَانَ عَلَىْ وَجْهِ التَّحِيَّةِ لَا وَصَارَ اٰثِمًا مُرْتَكِبًا لِلْكَبِيْرَةِ

''اگر یہ زمین چومنا عبادت اور تعظیم کے لیے ہوتو کفر ہے اور اگر تحیۃ کیلئے ہوتو کفر نہیں ہاں گنہگار اور کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔''
اسی عبارت کے ماتحت شامی نے اسکو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ رہا غیر کے سامنے جھکنا اسکی دو نوعیت ہیں ایک یہ کہ جھکنا تعظیم کے لیے ہو جیسے کہ جھک کر سلام کرنا یا معظم شخص کے سامنے زمین چومنا یہ اگر حد رکوع ہے تو حرام ہے اسی کو فقہاء منع فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کسی اور کام کے لیے ہو اور وہ کام تعظیم کے لیے ہو جیسے کہ کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنا اس کے پاؤں چومنا کہ جھکنا اگرچہ اسمیں بھی ہے جوتا سیدھا کرنے یا پاؤں چومنے کے لیے ہے اور وہ کام تعظیم بزرگ کے لیے یہ حلال ہے اگر یہ توجیہہ نہ کیجائے تو ہماری پیش کرد احادیث اور فقہی عبارات کا کیا مطلب ہوگا۔ نیز یہ سوال دیوبندیوں کے بھی خلاف ہوگا کہ ان کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی ہاتھ پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کا یہ انتہائی تقویٰ تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ دربار اکبری میں اکبر بادشاہ کو سجدہ کرایا جاتا ہے اور اکبر اس غرض سے مجھ کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے اس لیے آپ نہ جھکے ورنہ اگر آپ جھک کر اس کھڑکی سے داخل ہوتے تو بھی آپ پر کچھ شرعی الزام نہ ہوتا کہ آپ کا مقصد اس جھکنے سے تعظیم اکبر نہ تھی۔

اِعتراض نمبر 2

احادیث میں ہے حضرت عمر نے حجر اسود کو بوسہ دے کر فرمایا۔

اِنِّیْ اَعْلَمُ اِنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَ لَا تَضُرُّ لَوْ لَا اِنِّی رَءَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا قَبَّلْتُكَ

''پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ کو نہ چومتا۔''
اس سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظم کو حجر اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نص میں آ گیا اس لیے مجبوراً چوم لیا اور چونکہ ان تبرکات کو چومنے کی نص نہیں آئی لہٰذا نہ چومنا ہی مناسب ہے۔

جوَابْ

مولوی عبدالحیٔ صاحب نے مقدمہ ہدایہ مذیلۃ الھدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث کو نقل فرما کر فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ اے امیر المومنین حجر اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ کاش کے آپ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوتی وَ اِذَا اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ وَذُرِّیَّتَهُمْ ۔ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۷۲) جب میثاق کے دن رب تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تو وہ عہد نامہ ایک ورق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ سنگ اسود قیامت کے دن آویگا اور اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مومنین کی گواہی دے گا۔ لہٰذا یہ اللہ کا امیر اور مسلمان کا گواہ ہے حضرت عمر فاروق نے فرمایا۔
اے علی جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے معلوم ہوا کہ حجر اسود نفع و نقصان پہنچانے والا ہے اور اس کی تعظیم دین کی تعظیم ہے۔ نیز حضرت فاروق کو حجر اسود کو یہ خطاب اس لیے نہ تھا کہ آپ اس بوسہ حجر اسود سے ناراض تھے۔ سنت سے ناراضی کفر ہے بلکہ محض اس لیے کہ اہل

عرب پہلے بت پرست تھے ایسانہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بتوں سے ہٹا کر ایک پتھر پر ہم کو متوجہ کر دیا اس فرمان سے لوگوں کو فرق معلوم ہو گیا کہ وہ تھا پتھروں کا پوجنا اور یہ ہے پتھر کا چومنا۔ پوجنا اور ہے اور چومنا اور۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کی تردید نہ کی بلکہ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ کے لفظ سے جو سامعین دھوکا کھاتے اسکو صاف فرمادیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ بالذات یہ پتھر نفع اور نقصان کا مالک نہیں۔ جیسا کہ اہل عرب بتوں کو سمجھتے تھے اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس پتھر میں بالکل نفع وضرر نہیں۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی لوگوں کو سمجھانے کے لیے تھا اور حضرت علی مرتضی کا بھی رضی اللہ عنہما ہماری تقریر سے روافض اور وہابیوں دونوں کے اعتراض اٹھ گئے۔

تعجب ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہاں تو سنگ اسود کے بوسہ کے بقول تمہارے خلاف ہیں لیکن خود ہی حضور علیہ السلام سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقام ابراہیم کو اپنا مصلّی بنالیتے کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور نفل پڑھتے ان ہی کی عرض پر یہ آیت آئی۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِمَ مُصَلًّى (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۲۵) مقام ابراہیم بھی تو ایک پتھر ہی ہے اس کے سامنے نفل پڑھنا اور سجدہ کرنا آپکو پسند ہے۔

اعتراض نمبر 3

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل جو تبرکات حضور علیہ السلام کیطرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا کہ اصلی چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لیے ان کا چومنا ان کی عظمت کرنا منع ہے ہندوستان میں صدہا جگہ بال مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ السلام کے بال ہیں؟

جواب

متبرکات کے ثبوت کے لیے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات ہیں کافی ہے اس کے لیے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا زنا کے ثبوت کے لیے چار متقی مسلمانوں کی شہادت درکار ہے۔ دیگر مالی معاملات کے ثبوت کے لیے دو کی گواہی اور رمضان کے چاند کے لیے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر' نکاح' نسب یادگاروں اور اوقاف کے ثبوت کے لیے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پردیسی کسی عورت کو ساتھ لے کر مثل زن وشوہر رہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لیے صرف شہرت معتبر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۰ آیت ۹)

''کیا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تا کہ دیکھیں ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔''

اس آیت میں کفار مکہ کو رغبت دی گئی ہے کہ گذشتہ کفار کی یادگاروں' ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ فلاں قوم آباد تھی۔ قرآن نے بھی اس کا پتہ نہ دیا اس کے لیے محض شہرت معتبر مانی۔ معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اعتبار فرمایا شفا شریف میں ہے وَمِنْ اَعْظَامِهٖ وَاِکْبَارِهٖ اَعْظَامُ جَمِیْعِ اَسْبَابِهٖ وَ اِکْرَامُ مُشَاهِدِهٖ وَ

اَمْکِنَتِہٖ وَ مَالَمَسَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَوْ عُرِفَ بِہٖ حضور علیہ السلام کی تعظیم وتوقیر میں سے یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کے اسباب ان کے مکانات اور جو کہ اس جسم پاک سے مس بھی ہو گیا ہو اور جس کے متعلق یہ مشہور ہو کہ یہ حضور علیہ السلام کی ہے ان سب کی تعظیم کرے۔ شرح شفا میں ملا علی قاری اسی عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں اِنَّ الْمُرَادَ جَمِیْعُ مَا نَسَبَ اِلَیْہِ وَ یَعْرِفُ بِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ اس سے مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اس کی تعظیم کرے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب نور الایمان میں یہ ہی عبارت شفا نقل فرما کر وَ یُعْرِفُ بِہٖ پر حاشیہ لکھا۔

اَیْ وَلَوْ کَانَ عَلَی وَجْہِ الْاِشْتِھَارِ مِنْ غَیْرِ ثُبُوْتِ اَخْبَارٍ فِیْ اٰثَارِہٖ کَذَا قَالَ عَلِیُّ نِ الْقَارِیْ۔

''اگر چہ یہ نسبت محض شہرت کی بنا پر ہوئی اور اس کا ثبوت احادیث سے نہ ہو۔ اسی طرح ملا علی قاری نے فرمایا''

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مسلک متقسط میں یہ ہی مضمون تحریر فرمایا اسی طرح علماء امت نے احکام حج میں تصانیف شائع کیں اور زائرین کو ہدایت کی کہ حرمین شریفین میں ہر اس مقام کی زیارت کریں جس کی لوگ عزت وحرمت کرتے ہوں۔ تعجب ہے کہ فقہاء کرام فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کو بھی معتبر مانیں اور یہ مہربان تبرکات کے ثبوت کے لیے حدیث بخاری کا مطالبہ کریں۔

عاشقاں راچہ کار با تحقیق
ہر کجا نام اوست قربانیم!

لطیفہ

ہم دھوراجی کاٹھیاواڑ کی نگینہ مسجد میں بارہویں ربیع الاول شریف کو وعظ کرنے گئے وہاں پر بال مبارک کی زیارت کی جارہی تھی۔ مسلمان زیارت کر رہے تھے درود پاک کا ورد کرتے تھے کوئی روتا تھا۔ کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ غرضیکہ عجب پر کیف منظر تھا ایک صاحب کونہ میں منہ بنائے کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ کو لقوے نے مارا ہے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت آپ غصہ میں کیوں ہیں۔ فرمانے لگے کہ مسجدوں میں شرک ہو رہا ہے اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ بال حضور علیہ السلام کا ہے اور اگر ہو بھی تو اس تعظیم کا کیا ثبوت ہے؟ میں نے انکا جواب نہ دیا بلکہ ان سے پوچھا کہ آپ کا اسم شریف کیا ہے' فرمانے لگے عبدالرحمٰن۔ والد مہربان کا اسم گرامی کیا ہے؟ فرمایا کہ عبدالرحیم۔ ہم نے پوچھا کے اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبدالرحیم کے فرزند ہیں۔ اولاً تو نکاح کے گواہ نہیں اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف ان کے ہی قطرے سے ہے تڑپ کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ ہم نے کہا جب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ کا بال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے، شرمندہ ہو گئے کہنے لگے یہ اور بات ہے پوچھا کہ جناب کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں بولے دیوبند کے۔ ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ تو رجسٹری شدہ ہیں۔ مولانا قطب الدین برہمچاری قدس سرہٗ سے ایک دیوبندی صاحب فرمانے لگے کہ حضور علیہ السلام کو حضور کہنا بدعت ہے نام لینا چاہیئے۔ کیونکہ حضور کہنا کہیں ثابت نہیں۔ انہوں نے جواب دیا چپ رہ اُلو بولے یہ کیا؟ فرمایا کہ آپ کو جناب یا آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ دیوبندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی جبکہ حضور علیہ السلام مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے اور آپ کی شان تمام عالم پر ظاہر ہوگی اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

اعتراض نمبر 4

نقشہ نعلین اصل نعلین شریف نہیں یہ تو تمہاری روشنائی تمہاری قلم سے بنایا ہوا فوٹو ہے پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو؟

جواب

یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل اور اس کی حکایت ہے حکایت کی بھی تعظیم چاہیئے لاہور کا چھپا ہوا قرآن شریف' اسکا کاغذ اور روشنائی آسمان سے نہیں اتری ہماری بنائی ہوئی ہے مگر واجب التعظیم ہے کہ اس اصل کی نقل ہے۔ ہر ماہ ربیع الاول ہر دوشنبہ معظم ہے کہ اصل کی حاکی ہے۔

بحث عبدالنبی عبدالرسول نام رکھنا

عبدالنبی عبدالرسول عبدالمصطفی عبدالعلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام کا بندہ کہنا جائز ہے قرآن و حدیث واقوال فقہاء سے ثابت ہے مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اس لیے اس بحث کے بھی دو باب کرتے ہیں۔ باب اول میں اس کا ثبوت دوسرے میں اس پر اعتراض و جواب۔

باب نمبر 1

اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ط۔ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۴ آیت ۳۲)

''اور نکاح کرو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔''

اس عبارت میں عِبَادِ کو کُمْ کی طرف مضاف کیا گیا۔ یعنی تمہارے بندے

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط۔ (پارہ ۲۴ سورۃ ۳۹ آیت ۵۳)

''اے محبوب فرمادو کہ میرے وہ بندے جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔''

اس یا عبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرمادو اے مرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے یعنی حضور علیہ السلام کے غلام اور امتی' دوسرے معنی کو بھی بہت سے بزرگان دین نے اختیار فرمایا۔ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں

بندہ خود خواند احمد در رشاد
جملہ رانجواں قل یا عباد

حضور علیہ السلام نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں پڑھ لو قُلْ يَا عِبَادِ۔ حاجی امداد اللہ صاحب رسالہ فخہ مکیہ ترجمہ شمائم امدادیہ صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ الآیہ مرجع ضمیر متکلم کا آنحضرت

ﷺ ہیں۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ الآیۃ آپ کہہ دو کہ میرے بندو۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی ال
صاحب بحوالہ الریاض النضرۃ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر خطبہ میں فرمایا۔

قَدْ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ عَبْدَهٗ وَخَادِمَهٗ۔

''میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پس میں آپکا بندہ اور خادم تھا۔''

مثنوی شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔ جبکہ صدیق اکبر حضرت بلال کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لائے (رضی اللہ عنہما) تو عرض کیا

گفت ما دو بندگان کوئے تو　　کردمش آزاد ہم بر روئے تو

عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں میں ان کو آپ کے سامنے آزاد کرتا ہوں۔

صاحب درمختار خطبہ درمختار میں اپنا شجرہ علمی بیان فرماتے ہیں

فَاِنِّيْ اَرْوِيْهِ عَنْ شَيْخِنَا الشَّيْخِ عَبْدِالنَّبِيِّ الْخَلِيْلِيْ۔

''میں اسکو اپنے شیخ عبدالنبی خلیلی سے روایت کرتا ہوں۔''

معلوم ہوا کہ صاحب درمختار کے استاد کا نام عبدالنبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں　　عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں غرض یہ کہ عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف قرآن وحدیث واقول فقہاء اور اقوال مخالفین سے ثابت ہے عرب والے عام طور پر کہتے ہیں عبدی حو شاعر کہتا ہے

اَلْوَاهِبُ الْمَاءِ تَتِهِ الْهِجَانِ وَ عَبْدِهَا

لطیفہ

تقویۃ الایمان میں علی بخش، پیر بخش، غلام علی مدار بخش، عبدالنبی نام رکھنے کو شرک کہا مگر تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۳ میں رشید صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے مولانا رشید احمد ابن مولانا ہدایت احمد ابن قاضی پیر بخش ابن غلام حسن ابن غلام علی۔ اور ماں کیطرف سے نسب نامہ یوں لکھا ہے رشید احمد ابن کریم النساء بنت فرید بخش ابن غلام قادر ابن محمد صالح ابن غلام محمد۔ دیوبندی بتائیں کہ مولوی رشید احمد صاحب کے خاندانی بزرگ مشرک مرتد تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر تھے تو مرتد کی اولاد حلالی ہے یا حرامی۔

باب نمبر 2

اس پر اعتراضات اور جوابات میں

اعتراض نمبر 1

عبد کے معنی ہیں عابد عبادت کرنے والا تو عبدالنبی کے معنی ہوں گے نبی کی عبادت کرنے والا اور یہ معنی صریحی شرکیہ ہیں لہٰذا ایسے نام منع ہیں

جواب

عبد کے معنی عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جاوے گا تو اس کے معنی عابد ہوں گے اور جب غیر اللہ کی نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم غلام لہٰذا عبدالنبی کے معنی ہوئے نبی کا غلام۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب تسمیۃ الاولاد میں ہے

وَالتَّسْمِيَةُ بِاسْمٍ يُّوْجَدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰے جَائِزَةٌ كَالْعَلِيِّ وَ الرَّشِيْدِ وَ الْبَدِيْعِ لَانَّهٗ مِنَ الْاَسْمَاءِ الْمُشْتَرِكَهِ وَ يُرَادُ فِيْ حَقِّ الْعِبَادِ مَالَا يُرَادُ فِيْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰے كَذَا فِي السَّرَاجِيَةِ۔

''جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں ان سے نام رکھنا جائز ہے جیسے کہ علی یا رشید اور بدیع کیونکہ یہ اسماء مشترکہ میں سے ہیں اور بندے کے لیے ان کے وہ معنی مراد ہوں گے جو کہ اللہ کے لیے مراد نہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام بھی علی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی علی ہے۔ اسی طرح خدا کا نام بھی رشید بدیع وغیرہ ہیں اور بندوں کے بھی یہ نام ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے نام میں ان الفاظ کے معنی اور ہیں اور بندوں کے لیے دوسرے معنی اسی طرح عبداللہ کے معنی اللہ کا عابد عبدالنبی کے معنی نبی کا غلام اگر یہ توجیہ نہ ہو تو قرآن کی اس آیت کے کیا معنی ہوں گے۔ مِنْ عِبَادِكُمْ ۔ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۴ آیت ۳۲)

اعتراض نمبر 2

مشکوٰۃ باب الادب الاسامی اور مسلم جلد دوم کتاب الفاظ من الادب وغیرہ میں ہے۔

لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَ اَمَتِيْ كُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ وَ كُلُّ نِسَاءِكُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِيْ وَ جَارِيَتِيْ۔

''تم میں سے کوئی نہ کہے عبدی امتی (میرا بندہ وغیرہ) تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں لیکن یہ کہے کہ غلامی وجاریتی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا خلاف احادیث ہے لہٰذا حرام ہے اور عبدالنبی میں بھی یہ بات موجود ہے لہٰذا منع ہے۔

جواب

یہ ممانعت کراہت تنزیہی کے طور پر ہے کہ عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولیٰ ہے اسی حدیث کے ماتحت نووی شرح مسلم میں ہے

فَاِنْ قِيْلَ قَدْ قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ اِشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا فَالْجَوَابُ مِنْ وَّجْهَيْنِ اَحَدُهُمَا اَنَّ الْحَدِيْثَ الثَّانِيْ لِبَيَانِ الْجَوَازِ وَ اَنَّ النَّهْيَ فِي الْاَوَّلِ لِلْاَدَبِ وَ كَرَاهَةِ التَّنْزِيْهِ لَا لِلتَّحْرِيْمِ ۔

''اگر کہا جاوے کہ حضور علیہ السلام نے علامات قیامت میں فرمایا کہ لونڈی اپنے رب کو جنے گی (یعنی بندے کو رب فرمایا) اسکا جواب دو طرح ہے ایک یہ کہ دوسری حدیث بیان جواز کے لیے ہے اور پہلی حدیث ممانعت ادب کے لیے ہے اور کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔''

مسلم میں اسی جگہ ہے لَا یَقُولَنَّ اَحَدُ کُمْ لِلْعَنَبِ الْکَرْمَ فَاِنَّ الْکَرْمَ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ اسی جگہ یہ بھی ہے لَا تُسَمُّوْ الْعِنَبَ الْکَرْمَ فَاِنَّ الْکَرْمَ الْمُسْلِمُ انگور کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم تو مسلمان ہے مشکوۃ کتاب الادب باب الاسامی میں ہے۔:

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَکَمُ وَ اِلَیْہِ الْحُکْمُ فَلِمَا تُکْنِّیْ اَبَا الْحَکَمِ

’’حکم تو اللہ ہے اسی کا حکم ہے تو تیرا نام ابوالحکم کیوں ہے‘‘

مشکوۃ میں اسی جگہ ہے۔

لَا تُسَمِّیَنَّ غُلَامَکَ یَسَارًا وَّلَا رِبَاحًا وَّ لَا نَجِیْحًا وَّلَا اَفْلَحَ

اپنے غلام کا نام یسار اور رباح اور نجیح اور افلح نہ رکھو۔

ان تمام احادیث میں ان ناموں سے جو ممانعت ہے کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے ورنہ قرآن اور حدیث بلکہ خود احادیث میں سخت تعارض ہوگا دیکھو رب خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی رب فرماتا ہے کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۲۴)۔ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۵۰) اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مربی یا رب کہے تو مشرک نہ ہوگا یا اس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں۔ لیکن اگر اس زمانہ میں دیوبندیوں وہابیوں کو چڑانے کے لیے یہ نام رکھے تو بہت باعث ثواب ہے جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق فاتحہ کی بحث میں کر چکے ہیں کہ مستحب کام کو اعدائے دین روکنے کی کوشش کریں تو اسے ضرور کرنا چاہیئے۔

بحث اسقاط کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرنی ہیں اسقاط کے معنی۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ۔ اسقاط کا ثبوت مگر چونکہ بعض لوگ اسقاط کے بالکل منکر ہیں وہ قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں اس لیے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں مذکورہ تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال وجواب۔

باب نمبر 1

اسقاط کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اسقاط کے کیا معنی ہیں۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے اسقاط کرنے سے فائدہ کیا ہے اسقاط کا ثبوت کیا ہے (اسقاط کے لغوی معنی ہیں گرادینا) اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ میت کے ذمہ جو احکام شرعیہ رہ گئے ہوں ان کے اس کے ذمہ سے دور کرنا چنانچہ وجیز الصراط میں ہے اسقاط آں چیز است کہ دور کردہ شود از ذمہ میت بہ ایں کہ میسر شود‘‘ اسقاط کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام عمداً سہواً خطاءً رہ جاتے ہیں۔ جسکو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کرسکا اور بعد موت ان کی سزا میں گرفتار ہے اب نہ تو ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سبیل۔ شریعت مطہرہ نے اس بے کسی کی حالت میں اہل میت کی دستگیری

کرنے کے لیے کچھ طریقے تجویز فرما دیئے کہ اگر ولی میت وہ طریقہ میت کی طرف سے کر دے تو بیچارہ مردہ چھوٹ جاوے اس طریقے کا نام اسقاط ہے حقیقت میں یہ میت کی ایک طرح کی مدد ہے۔ وہابی دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے دشمن ہیں اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ میت کی عمر معلوم کی جاوے اس میں سے نو سال عورت کے لیے اور بارہ سال مرد کے لیے نابالغی کے نکال دو اب جتنے سال بچے اس میں حساب لگاؤ کتنی مدت تک وہ بے نمازی یا بے روزہ رہا۔ یا نمازی ہونیکے زمانہ میں کس قدر نمازیں اس کی باقی رہ گئیں ہیں کہ نہ وہ پڑھیں اور نہ قضا کیں اس لیے زیادہ سے زیادہ اندازہ لگالو جتنی نمازیں حاصل ہوں اس کا فی نماز ۱۷۵روپے اٹھنی بھر گیہوں خیرات کر دو۔ یعنی جو فطرانہ کی مقدار ہے یہی ایک نماز کا فدیہ کی۔ یہی ایک روزے کی تو ایک دن کی چھ نمازیں' پانچ فرض اور ایک وتر واجب ان کا فدیہ تقریباً بارہ سیر گندم ہوئے اور ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من گندم تقریباً اور ایک سال کی نمازوں کا ۱۰۸من گندم ہوتا ہے اب اگر کسی کے ذمہ دس بیس سال کی نمازیں ہوں تو صدہا من غلہ خیرات کرنا ہوگا شاید کوئی دیندار مالدار ہو تو یہ کر سکے مگر غرباء سے یہ ناممکن ان کے لیے یہ طریقہ ہے کہ ولی میت بقدر طاقت گندم یا اس کی قیمت لے مثلاً ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من تھا تو ۹ من گندم یا اس کی قیمت لے اور کسی مسکین کو اس کا مالک کر دے اور مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور ہبہ دے وہ پھر اس فقیر کو صدقہ دے ہر بار کے صدقہ میں ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سال کا فدیہ ادا ہوا اسی طرح چند بار گھمانے میں فوراً فدیہ ادا ہو جائے گا۔ نمازوں کے فدیہ سے فارغ ہو کر اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کا فدیہ ادا کر دیں رحمت الٰہی سے امید ہے کہ میت کی مغفرت فرما دے۔ اسقاط کا یہ طریقہ صحیح ہے پنجاب میں جو عام طور پر مروج ہے کہ مسجد سے قرآن پاک کا نسخہ منگایا۔ اس میں ایک روپیہ رکھا اور چند لوگوں نے اس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں واپس کر دیا اس سے نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوگا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ لہٰذا جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کر دیا تو سب نمازوں کا فدیہ ادا ہو گیا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ' لکھائی چھپائی کا ہے اگر دو روپیہ کا یہ نسخہ ہے تو دو روپیہ کی خیرات کا ثواب ملے گا۔ ورنہ پھر وہ مالدار جن پر ہزار روپیہ سالانہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں اتنا خرچ کریں صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کر دیا کریں غرض کہ یہ طریقہ صحیح نہیں طریقہ صحیح نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس سے اسقاط کا مقصد حاصل نہ ہوگا کہ حرام ہے بلا دلیل کسی شئے کو صرف اپنی رائے سے حرام کہنا تو فضلائے دیوبندی کا کام ہے بقدر خیرات ثواب مل جاوے گا۔

نوٹ

ہم نے فدیہ کا جو وزن بیان کیا کہ چھ نمازوں کا بارہ سیر یہ ہر جگہ کے لیے نہیں ہے ایک نماز کا فدیہ ۱۷۵ روپیہ اٹھنی بھر گندم ہوتے ہیں۔ ہر صوبے کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے سیر کا حساب لگائیں۔

اسقاط کے ثبوت میں تین بحثیں کرنا ہیں ایک تو یہ کہ حرام سے بچنے ثواب حاصل کرنے یا شرعی ضرورت پوری کرنے کے لیے شرعی حیلے جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ نمازوں کا فدیہ مال سے ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔

فصل نمبر 1

حیلہ شرعی کے جواز میں

شرعی حیلے کرنا ضرورت کے وقت جائز ہیں قرآن کریم احادیث صحیحہ اقوال فقہا سے اس کا ثبوت ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی کو سو لکڑیاں ماروں گا رب تعالیٰ نے ان کو تعلیم فرمایا کہ تم ایک جھاڑو لے کر ان کو مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ قرآن مجید نے اسی قصہ کو نقل فرمایا وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۸ آیت ۴۴) تم اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر مار دو اور قسم نہ توڑو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بنیامین کو اپنے پاس رکھیں اور راز ظاہر نہ ہو۔ اس کے لیے بھی ایک حیلہ ہی فرمایا جسکا مفصل ذ سورہ یوسف میں ہے ایک بار حضرت سارا علیہا السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا کوئی عضو قطع کروں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ انکی آپس میں صلح کرادو۔ حضرت سارا علیہا السلام نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو تو ان کو تعلیم دی گئی کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے کان چھید دیں۔ مشکوۃ کتاب البیوع باب الربوا میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ خرمے لائے۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ ردی خرمے تھے میں نے دو صاع ردی خرمے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرمے لے لئے فرمایا کہ یہ سود ہو گیا۔ آئندہ ایسا کرو کہ ردی خرمے پیسوں کے عوض فروخت کرو اور ان پیسوں کے اچھے خرمے لے لو۔ دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔ عالمگیری نے حیلوں کا مستقل باب لکھا جس کا نام ہے کتاب الحلیل اسی طرح الاشباہ والنظائر میں کتاب الحیل وضع فرمائی چنانچہ عالمگیری کتاب الحیل اور ذخیرہ میں ہے

كُلُّ حِيلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِاِبْطَالِ حَقِّ الْغَيْرِ اَوْلِاِدْخَالِ شُبْهَةٍ فِيْهِ اَوْلِتَمْوِيْهِ بَاطِلٍ فَهِيَ مَكْرُوْهَةٌ وَ كُلُّ حِيلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِيَتَخَلَّصَ بِهَا عَنْ حَرَامٍ اَوْلِيَتَوَصَّلَ بِهَا اِلٰى حَلَالٍ فَهِيَ حَسَنَةٌ وَ الْاَصْلُ فِيْ جَوَازِ هٰذَا النَّوْعِ (الخ)۔

''جو حیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شبہ پیدا کرنے یا باطل سے فریب دینے کے لیے کیا جاوے وہ مکروہ ہے اور جو حیلہ اس لیے کیا جاوے کہ اس سے آدمی حرام سے بچ جائے یا حلال کو پالے وہ اچھا ہے اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونیکی دلیل۔''

رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ کہ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مارو یہ حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم بچنے کی تعلیم تھی اور عام مشائخ اس پر ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہ ہی صحیح مذہب ہے حموی شرح اشباہ اور تتارخانیہ میں جواز حیلہ کی بہت نفیس تقریر فرمائی چنانچہ بحث کے دوران فرماتے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ وَقَعَتْ وَحْشَةٌ بَيْنَ هَاجِرَةٍ وَ سَارَةٍ فَحَلَفَتْ سَارَةُ اِنْ ظَفِرَتْ بِهَا قَطَعَتْ عُضْوًا مِنْهَا فَاَرْسَلَ اللّٰهُ جِبْرِيْلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ يُّصْلِحَ بَيْنَهُمَا فَقَالَتْ سَارَةُ مَاحِيْلَةُ يَمِيْنِيْ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ يَّامُرَ سَارَةَ اَنْ تَثْقُبَ اُذُنَيْ هَاجَرَ فَمِنْ ثَمَّ ثُقُوْبُ الْاُذُنِ۔

''ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایکبار حضرت سارہ علیہا السلام و ہاجرہ رضی اللہ عنہما میں کچھ جھگڑا ہو گیا حضرت سارہ علیہا السلام نے قسم کھائی کے اگر موقعہ ملا تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا کوئی عضو کاٹونگی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا کہ ان میں صلح کرادیں حضرت سارہ علیہا السلام نے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حیلہ ہو گا پس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ حضرت سارہ علیہا السلام کو حکم دو کہ وہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے کان چھید دیں۔ اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدے گئے۔''

ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور فقہی عبارات سے حیلہ شرعی کا جواز معلوم ہوا۔

فَصل نمبر 2

روزے نماز کے فدیہ کے بیان میں

روزے کا فدیہ تو قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ط (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۸۴) اور جن کو اس روزے کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجبور بوڑھا یا مرض الموت کا مریض جب روزے کے قابل نہ رہے تو ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور نماز بمقابلہ روزے زیادہ مہتم بالشان ہے اس لیے نماز کو روزے کے حکم میں رکھا گیا۔ چنانچہ اسی آیت کے ماتحت تفسیرات احمدیہ شریف میں ملا احمد جیون قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

وَالصَّلٰوةُ نَظِيْرُ الصَّوْمِ بَلْ اَهَمُّ فِيْهِ فَاَمَرْنَاهُ بِالْفِدْيَةِ اِحْتِيَاطًا وَ رَجَوْنَا الْقُبُوْلَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَضْلًا۔

منار میں ہے وَ وُجُوْبُ الْفِدْيَةِ فِى الصَّلٰوةِ لِلْاِحْتِيَاطِ۔

''نماز روزے کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی اہم لہٰذا ہم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاطاً حکم دیا اور رب تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے۔ نماز میں فدیہ کا واجب ہونا احتیاطاً ہے۔''

شرح وقایہ میں ہے۔

وَ فِدْيَةُ كُلِّ صَلٰوةٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ وَ هُوَالصَّحِيْحُ۔

''ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح ہے اور وہ ہی صحیح ہے۔''

شرح الیاس میں ہے۔

وَ يُعْتَبَرُ فِدْيَةُ كُلِّ صَلٰوةٍ فَائِتَةٍ كَصَوْمِ يَوْمٍ اَىْ كَفِدْيَةِ يَوْمٍ۔

''ہر فوت شدہ نماز کے فدیہ کا اعتبار ایک دن روزے پر ہے یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے۔''

فتح القدیر میں ہے۔

مَنْ مَّاتَ وَ عَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَاَوْصٰى بِهٖ اَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ لِكُلِّ يَوْمٍ مِّسْكِيْنًا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ صَا

عًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ لِاَنَّهٗ عَجَزَ عَنِ الْاَدَاءِ وَ كَذَالِكَ اِذَا اَوْصٰى بِالْاِطْعَامِ عَنِ الصَّلٰوةِ۔

"جو شخص مرجاوے اور اس پر رمضان کی قضاء ہے پس اس نے وصیت کی تو اس کی طرف سے اس کا ولی ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع خرمے یا جو دیدے کیونکہ میت اب ادا سے مجبور ہو گیا اور اسی طرح جبکہ اس نے نماز کی بدلے میں کھانا دینے کی وصیت کی ہو۔"

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے اِعْلَمْ اَنَّهٗ قَدْوَرَدَالنَّصُّ فِى الصَّوْمِ بِاِسْقَاطِهٖ بِالْفِدْيَةِ اِتَّفَقَتْ كَلِمَةُ الْمَشَائِخِ عَلٰى اِنَّ الصَّلٰوةَ كَالصَّوْمِ اسْتِحْسَانًا وَ اِذَا عَلِمْتَ ذٰلِكَ تَعْلَمُ جَهْلَ مَنْ يَقُوْلُ اِنَّ اِسْقَاطَ الصَّلٰوةِ لَا اَصْلَ لَهٗ اِبْطَالٌ لِلْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ مِنَ الْمَذْهَبِ۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز و روزے کا فدیہ دینا جائز ہے اور قبول کی امید ہے بلکہ احادیث بھی اسکی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ نسائی نے اپنے سنن کبریٰ اور عبدالرزاق نے کتاب الوصایا میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے نقل فرمایا۔

لَا يُصَلِّىْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَ لَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَ لٰكِنْ يُّطْعِمُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدَّيْنِ مِنْ حِنْطَةٍ

"کوئی کسی کی طرف نہ نماز پڑھے نہ روزے رکھے اسکی طرف سے ہر دن کے عوض دو مد گندم (آدھا صاع) خیرات کر دے"

مشکوٰۃ باب الصوم باب القضاء میں ہے۔

قَالَ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ مِسْكِيْنٌ۔

"جو مر جائے اور اس کے ذمہ ماہ رمضان کے روزے ہوں تو چاہئے کہ اس کی طرف سے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا دیا جاوے۔"

غرضیکہ نماز و روزے کا فدیہ مال سے دینا شریعت میں وارد ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

فصل نمبر 3

مسئلہ اسقاط کے ثبوت میں

اسقاط کا طریقہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس کا ثبوت تقریباً ہر فقہی کتاب میں ہے۔ چنانچہ نور الایضاح میں اسی مسئلہ اسقاط کے لیے خاص فصل مقرر کی فَصْلٌ فِىْ اِسْقَاطِ الصَّوْمِ وَ الصَّلٰوةِ یعنی یہ فصل نماز و روزے کے اسقاط میں ہے اس میں فرماتے ہیں وَ لَا يَصِحُّ اَنْ يَصُوْمَ وَ لَا اَنْ يُّصَلِّىَ عَنْهُ وَ اِنْ لَّمْ يَفِ مَا اَوْصٰى بِهٖ عَمَّا عَلَيْهِ يُدْفَعُ ذٰلِكَ الْمِقْدَارُ لِلْفَقِيْرِ فَيَسْقُطُ عَنِ الْمَيِّتِ بِقَدْرِهٖ ثُمَّ يَهَبُهُ الْفَقِيْرُ وَ هٰكَذَا حَتّٰى يَسْقُطَ مَا كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ مِنْ صِيَامٍ وَّ صَلٰوةٍ وَ يَجُوْزُ اَعْطَاءُ فِدْيَةِ صَلٰوتٍ لِوَاحِدٍ جُمْلَةً بِخِلَافِ كَفَّارَةِ الْيَمِيْنِ ترجمہ وہی ہے جو ہم نے طریقہ اسقاط میں بیان کیا۔ در مختار باب قضاء الفوایت میں ہے وَلَوْ لَمْ يَتْرُكْ مَا لَايَسْتَقْرِضُ وَارِثُهٗ نِصْفَ صَاعٍ مَثَلًا وَّ يَدْفَعُهٗ لِفَقِيْرٍ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْفَقِيْرُ لِلْوَارِثِ ثُمَّ وَ ثُمَّ حَتّٰى يَتِمَّ اس کا ترجمہ وہ

ہی ہے جو طریقہ اسقاط میں بیان ہوا۔ اسکی شرح میں شامی میں اس اسقاط کی اور زیادہ وضاحت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَا لَاقْرَبُ اَنْ يُّحْسَبَ عَلَى الْمَيِّتِ وَ يَسْتَقْرِضَ بِقَدْرِهٖ بِاَنْ يُّقَدَّرَ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ اَوْسَنَةٍ اَوْ بِحَسْبِ مُدَّةِ عُمْرِهٖ بَعْدَ اِسْقَاطِ اِثْنَى عَشَرَ سَنَةً لِلذَّكَرِ وَ تِسْعَ سِنِيْنَ لِلْاُنْثٰى لِاَنَّهَا اَقَلُّ مُدَّةِ بُلُوْغِهِمَا فَيَجِبُ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ نِصْفُ عَزَارَةٍ فَتْحُ الْقَدِيْرِ بِالْمُدِّالدِّ مِشْقِيِّ مُدِّ زَمَانِنَا وَ لِكُلِّ سَنَةٍ شَمْسِيَّةٍ سِتُّ عَزَائِرَ فَيَسْتَقْرِضُ قِيْمَتَهَا وَ يَدْ فَعُهَا لِفَقِيْرٍ ثُمَّ يَسْتَوْهِبُهَا مِنْهُ وَ يَتَسَلَّمُهَامِنْهُ لِتَتِمَّ الْهِبَةُ ثُمَّ يَدْ فَعُهَا لِذٰلِكَ الْفَقِيْرِ اَوْ لِفَقِيْرٍ اٰخَرَوَ هٰكَذَا فَيَسْقُطُ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ كَفَّارَةُ سَنَةٍ بَعْدَ ذٰلِكَ يُعِيْدُ الدَّوْرَ لِلْكَفَّارَةِ الصِّيَامِ ثُمَّ الْاُضْحِيَّةِ ثُمَّ الْاِيْمَانِ لٰكِنْ لَا بُدَّفِي كَفَّارَةِ الْاِيْمَانِ مِنْ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ بِخَلَافِ فِدْيَةِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهٗ يَجُوْزُ اِعْطَاءُ فِدْيَةِ صَلٰوتٍ لِلْوَاحِدِ۔

”یعنی اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حساب کرے کہ میت پر کتنی نمازیں اور روزے وغیرہ ہیں اور اس اندازے سے قرض لے اسطرح کہ ایک ایک مہینہ یا ایک ایک سال کے اندازے سے لے یا میت کی کل عمر کا اندازہ کرے اور پوری عمر میں سے بلوغ کی کم از کم مدت جو مرد کے لیے بارہ سال ہے اور عورت کے لیے نو سال ہے وضع کر دے پھر حساب کر لے تو ہر مہینہ کی نمازوں کا فدیہ نصف عزارہ ہوگا (فتح القدیر و مشقی مد سے) اور ہر شمسی سال کا کفارہ چھ عزارہ ہوا پس وارث پر اسکی قیمت قرض لے اور فقیر کو اسقاط کے لیے دے دے پھر فقیر اسکو دیدے اور وارث ہبہ قبول کر کے موہوب پر قبضہ کر لے پھر وہ ہی قیمت اسی فقیر کو یا دوسرے کو فدیہ میں دے اسی طرح دورہ کرتا رہے تو ہر دفعہ میں ایک سال کا کفارہ ادا ہوگا اور اسکے بعد روزہ اور قربانی کے کفارہ کے لیے پھر قسم کے لیے لیکن کفارہ قسم میں دس مسکینوں کا ہونا ضروری ہے بخلاف فدیہ نمازوں کے کہ اس میں چند نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو دے سکتا ہے۔“

یہ بالکل وہ ہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے اَرَادَ الْفِدْيَةَ عَنْ صَوْمِ اَبِيْهِ اَوْ صَلٰوتِهٖ وَهُوَ فَقِيْرٌ يُعْطِيْ مَنَوَيْنِ مِنَ الْحِنْطَةِ فَقِيْرًا ثُمَّ يَسْتَوْهِبُهٗ ثُمَّ يُعْطِيْهِ وَ هٰكَذَا اِلٰى اَنْ يَّتِمَّ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے۔ فَحِيْلَتُهٗ لِاِبْرَاءِ ذِمَّةِ الْمَيِّتِ عَنْ جَمِيْعِ مَا عَلَيْهِ اَنْ يَّدْفَعَ ذٰلِكَ الْمِقْدَارَ الْيَسِيْرَ بَعْدَ تَقْدِيْرِهٖ بِشَيْئٍ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَلٰوةٍ اَوْ نَحْوِهٖ وَ يُعْطِيْهِ لِلْفَقِيْرِ بِقَصْدِاِسْقَاطِ مَا يُرِدُّ عَنِ الْمَيِّتِ ثُمَّ بَعْدَ قَبْضِهٖ يَهَبُهُ الْفَقِيْرُ لِلْوَلِّيِّ اَوْلِلْاَجْنَبِيِّ وَ يَقْبِضُهٗ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْمَوْهُوْبُ لَهٗ لِلْفَقِيْرِ كَجِهَةِ الْاِسْقَاطِ مُتَبَرِّءٌ بِهٖ عَنِ الْمَيِّتِ ثُمَّ يَهَبُهُ الْفَقِيْرِ لِلْوَلِيِّ (الیٰ ان قال) وَهٰذَا هُوَالْمُخْلِصُ اِنْ شَآءَ اللّٰهِ تَعَالٰى ترجمہ وہ ہی ہے جو اوپر گزرا۔ عالمگیری میں ہے وَ اِنْ لَّمْ يَتْرُكْ مَا لَا يَسْتَقْرِضُ وَرَثَةٌ نِصْفَ صَاعٍ وَ يَدْ فَعُ اِلٰى مِسْكِيْنٍ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ مِسْكِيْنٌ عَلٰى بَعْضِ وَرَثَتِهٖ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ حَتّٰى يَتِمَّ الْكُلُّ كَذَا فِي الْخَلَاصَةِ اسی طرح بحرالرائق۔ عینی کنزالدقائق۔ جامع الرموز۔ معتمد ظهیریہ شرح مختصر النقایہ فتاوی قاضی خان۔ قرائد۔ جواہر القول المختصر وغیرہ کتب فقہ میں ہے مگر طوالت کے خوف سے تمام کی عبارات کی نقل نہیں کیں منصف کے لیے اسی قدر میں کفایت ہے اب مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب

گنگوہی کا فتوٰی ملاحظہ ہو۔ فتاوٰی رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۱۰۳ میں ہے ”حیلہ اسقاط کا مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیلہ تحصیل چند فلسوس کا ملانوں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے وہاں یہ حیلہ کارگر نہیں مفلس کے واسطے بشرط صحت نیت ورثہ کیا عجب ہے کہ مفید ہو ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دنیاویہ کا ہے۔“ فقط رشید احمد عفی عنہ۔

اگرچہ اس میں بہت ہیر پھیر کی مگر جائز مان لیا۔ لہٰذا اب کسی دیوبندی کو تو حیلہ اسقاط پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔ مفلس کی قید مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ ہم فقہی عبارات پیش کر چکے ہیں۔ جس میں مفلس کی قید نہیں۔ مالدار آدمی بھی اگر پورا فدیہ ادا کرے تو اس کا تمام ترکہ اسی میں چلا جاویگا۔ ورثہ کو کیا بچے گا۔ اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو کہ میرا فدیہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں۔ اگر تہائی مال سے تمام عمر کی نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوا تو حیلہ کرنے میں کیا حرج ہے؟ رہا حیلہ کا حیلہ کرنا یہ محض لغو ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرسہ دیوبند مولویوں کا تنخواہ لینے کا حیلہ ہے۔

باب نمبر 2

حیلہ اسقاط پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر قادیانی اور دیوبندی جماعتوں کے کچھ اعتراضات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو کوئی معقول اعتراض نہیں مل سکا۔ محض لفاظی سے کام لیتے ہیں چونکہ بعض سیدھے مسلمان شبہات میں پڑ جاتے ہیں اس لیے ہم ان کے جواب دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر 1

(۱) حیلہ کرنا خدا اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

”یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ“ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۹)

”یہ منافقین اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور سمجھتے نہیں۔“

یہ کیونکر ممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی نمازیں معاف ہو جاویں۔

جواب

حیلہ کو دھوکا کہنا جہالت ہے حیلہ سے مراد ہے ضرورت شرعیہ پورا کرنیکی شرعی تدبیر اردو میں بولتے ہیں ”حیلہ رزق بہانہ موت“ اور شرعی حیلہ تو رب نے سکھایا اور حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمایا۔ جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے اور عالمگیری کا حوالہ گذر گیا کہ کسی کو فریب دینے کے لیے حیلہ کرنا گناہ ہے لیکن شرعی ضرورت کو پورا کرنے یا حرام سے بچنے کی تدبیر کرنا عین ثواب۔ کسی جگہ مسجد بن رہی ہے روپیہ کی ضرورت ہے زکوٰۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا۔ کسی فقیر کو زکوٰۃ دی اس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے اس پر خرچ کر دیا۔ اس میں کس کو فریب دیا۔ کس کا مال مارا محض ضرورت شرعی کو پورا کیا۔ لینے کا حیلہ کرنا برا اور دینے کا حیلہ کرنا اچھا ہوتا ہے۔ اس میں فقراء کو دینے کا حیلہ ہے خدائے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں۔

رحمت حق بہانہ می طلبد رحمت حق بہانمی طلبد

خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی۔ خدا کی رحمت بہانہ چاہتی ہے یہ آیت یخدعون منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو کہ کلمہ ایمانی کو اپنے لیے آڑ بناتے تھے۔ اور دل میں کافر تھے۔ مسلمانوں کے عمدہ اور شرعی اعمال پر اسکو چسپاں کرنا سخت جرم ہے۔ اسقاط کے مال کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی بلکہ زمانہ زندگی میں نماز نہ پڑھنے کا جو قصور میت سے ہو چکا ہے اور اب اس کا بدلہ میت سے ناممکن ہے اور میت اس میں گرفتار ہے اس کے قصور معاف کرانے کا یہ حیلہ ہے کیونکہ صدقہ غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ **اَلصَّدَقَةُ يُطْفِىٔ غَضَبَ الرَّبِّ** مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے کہ جس سے نماز جمعہ چھوٹ جاوے وہ ایک دینار خیرات کرے۔ اسی مشکوٰۃ باب الحیض میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کرے تو ایک دینار یا نصف دینار خیرات کرے۔ یہ خیرات کیا ہے اس گناہ کا کفارہ ہے جس کا بدلہ ناممکن ہو گیا۔ اگر ہم یہ کہتے کہ انسان زندگی میں ہی آئندہ نمازوں کا فدیہ مال دے دیا کرے اور نماز نہ پڑھا کرے تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ مال سے نمازیں معاف کرا دیں۔

اعتراض نمبر 2

نماز و روزہ عبادت بدنی ہے اور فدیہ مال ہے اور مال بدنی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا یہ حیلہ محض باطل ہے۔

جواب

یہ قیاس قرآنی آیت کے مقابل ہے کہ قرآن تو فرما رہا ہے **وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ط** (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۸۴) جو اس روزے کی طاقت نہیں رکھتے ان پر فدیہ ہے کہ ایک مسکین کا کھانا اور حکم الٰہی کے مقابل اپنا قیاس کرنا شیطان کا کام ہے کہ اس کو حکم الٰہی ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر۔ اس نے اس حکم کے مقابل اپنا قیاس دوڑایا مردود ہوا۔ پھر بدنی محنت کے مقابل مال ہونا عقل کے مطابق ہے کہ ہم کسی سے کام کراتے ہیں۔ اس کے معاوضہ میں مال دیتے ہیں۔ بعض صورتوں میں جان کا بدلہ بھی مال ہوتا ہے اور شریعت میں بعض کفارے خلاف قیاس بھی ہوتے ہیں۔ کوئی نمازی پہلی التحیات بھول گیا تو سجدہ سہو کرے کسی نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تو اس کے کفارہ میں ۶۰ روزے رکھے۔ حاجی نے بحالت احرام شکار کر لیا۔ اگر پیسہ ہے تو اس شکار کی قیمت خیرات کرے ورنہ روزے رکھے۔ یہ تمام کفارے خلاف قیاس ہیں۔ مگر شریعت نے مقرر فرما دیا بسر و چشم منظور ہے۔

اعتراض نمبر 3

حیلہ اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جاویں گے کیونکہ جب انکو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارا کریں گے؟ اس لیے یہ بند ہونا چاہیئے۔

جواب

یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ زکوۃ سے مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہوتی ہے اور مسئلہ توبہ سے آدمی گناہ میں دلیر ہوتا ہے کیونکہ جب غریب کو معلوم ہے کہ مجھے زکوۃ کا مال بغیر محنت ملے گا تو کیوں محنت کرے۔ اسی طرح جبکہ آدمی کو معلوم ہو گیا کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراض محض لغو ہے اسی طرح یہ بھی جو شخص کہ فدیہ نماز پر دلیر ہو کر نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہو گیا اور یہ مال نماز کا فدیہ ہے نہ کہ کفر کا نیز اگر کوئی شخص مسئلہ صحیح کو غلط استعمال کرے تو غلطی اس استعمال

کرنیوالے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی نیز یہ مسئلہ اسقاط صدہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہم کو تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بنا پر نماز سے بے پرواہ ہو گیا ہو۔

اعتراض نمبر 4

کچھ بنی اسرائیلیوں نے حیلہ کر کے مچھلی کا شکار کیا تھا۔ جس سے ان پر عذاب الٰہی آ گیا وہ بندر بنا دیئے گئے کُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ (پارہ ا سورۃ ۲ آیت ۶۵) معلوم ہوا کہ حیلہ سخت گناہ ہے اور عذاب الٰہی کا باعث۔

جواب

حیلہ کا حرام ہونا بھی بنی اسرائیل پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت ان پر حرام تھے ایسے ہی یہ بھی اس امت پر جائز حیلوں کا حلال۔ رب کی رحمت ہے نیز انہوں نے حرام کو حلال کرنے کا حیلہ کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار ان پر حرام تھا۔ ایسا حیلہ اب بھی منع ہیں۔

اعتراض نمبر 5

قرآن فرماتا ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۳ آیت ۳۹) نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہ جو خود کما لے اور فدیہ اسقاط میں یہ ہے کہ میت نماز نہ پڑھے اور اس کی اولاد مال خرچ کر کے اس کو اس جرم سے آزاد کرے جس سے معلوم ہوا کہ یہ حیلہ خلاف قرآن ہے۔

جواب

اس کا جواب فاتحہ کی بحث میں گزر گیا کہ اس آیت کی چند توجیہیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں وہ کرے یا نہ کرے اس لیے غیر کی سخاوت پر پھول کر اپنی محنت کو بھول جانا خلاف عقل ہے

بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے
فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے!

یا یہ کہ یہ آیت کریمہ عبادت بدنیہ کے بارے میں آئی ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھ دے یا روزے رکھ دے تو اس کے ذمہ اس کے فرائض نماز روزہ ادا نہ ہوں گے وغیرہ۔ اگر یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث کی مخالفت لازم آوے گی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مومنین اور اپنے ماں باپ کے لیے دعا کریں نماز جنازہ بھی میت کے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا ہی ہے احادیث نے میت کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیا ہے اسکی پوری تحقیق ہمارے فتاوٰی میں دیکھو۔

ہدایت ضروریہ

بعض جگہ رواج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال جمعہ کے علاوہ کسی اور دن ہو تو میت کے ورثا اسکی قبر پر حافظ بٹھا کر جمعہ تک قرآن خوانی کراتے ہیں بعض دیوبندی اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ لیکن یہ حرام کہنا محض غلط ہے اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا بہت باعث ثواب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مشکوٰۃ کتاب عذاب القبر میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھ دی جاتی ہے وَ تَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحٰبُہٗ اَتَاہُ مَلَکَانِ اور لوگ دفن کر کے لوٹ آتے ہیں تب منکر نکیر فرشتے سوالات کے لیے آتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوال قبر نہیں ہوتا اور پھر شامی جلد اول باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے کہ آٹھ شخصوں سے سوال قبر نہیں ہوتا۔ شہید، جہاد کی تیاری کرنیوالے،

طاعون سے مرنے والے زمانہ طاعون میں کسی بیماری سے مرنیوالا (بشرطیکہ یہ دونوں صابر ہوں) صدیق۔ نابالغ بچہ۔ جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات مرنے والا۔ ہر رات سورۃ ملک پڑھنے والا یا مرض موت میں روزانہ سورہ اخلاص پڑھنے والا (بعض نے فرمایا کہ نبی بھی) اس سے معلوم ہوا کہ جو جمعہ کو مرے اس سے سوال قبر نہیں ہوتے تو اگر کسی کا انتقال اتوار کو ہوا اور بعد دفن سے ہی آدمی موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا اور جب جمعہ آ گیا۔ سوال قبر کا وقت نکل چکا۔ اب قیامت تک نہیں ہوگا۔ گویا عذاب الٰہی سے میت کو بچانے کی تدبیر ہے۔ اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرمادے۔ اب جبکہ آدمی وہاں بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا بیٹھا کیا کرے قرآن پاک کی تلاوت کرے جس سے میت کو بھی فائدہ اور قاری کو بھی۔ کتاب الاذکار مصنفہ امام نودی باب مایقول بعد الدفن میں ہے قَالَ الشَّافِعِيْ يُسْتَحَبُّ اَنْ يَقْرَؤُاعِنْدَهٗ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْاٰنِ قَالُوْ ا فَاِنْ خَتَمُوْا الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ كَانَ حَسَنًا ۔ یعنی قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے اور اگر پورا قرآن پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔

ہم اذان قبر کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ قبر پر جو سبزہ اگ جاتا ہے اور اس کی تسبیح کی برکت سے میت کو فائدہ ہوتا ہے تو انسان کی تلاوت قرآن ضرور نافع ہوگی۔ انشاء اللہ مگر چاہیئے یہ کہ کسی وقت بھی قبر آدمی سے خالی نہ رہے اگرچہ لوگ باری باری سے بیٹھیں۔

ضروری نوٹ

بعض جگہ مسلمان رمضان کے جمعۃ الوداع کے دن کچھ نوافل قضاء عمری پڑھتے ہیں بعض لوگ اس کو حرام اور بدعت کہتے ہیں اور لوگوں کو روکتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے۔ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ معلوم ہوا کہ کسی نمازی کو نماز سے روکنا سخت جرم ہے قضاء عمری بھی نماز ہے اس لیے روکنا جائز نہیں قضاء عمری کی اصل یہ ہے کہ تفسیر روح البیان پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت وَ لِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ (پارہ ۷ سورۃ ٦ آیت ۵۵) اور اس لئے کہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے۔ ایک حدیث نقل کی۔

> اَيُّمَا عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ تَرَكَ صَلٰوتَهٗ فِيْ جَهَالَتِهٖ لَوْتَابَ وَ نَدِمَ عَلَى تَرْكِهَا فَلْيُصَلِّ يَوْمَ الْجُمْعَةِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ اِثْنَتٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يَقْرَءُ فِيْ كُلِّ مِّنْهَا الْفَاتِحَةَ وَ اٰيَةَ الْكُرْسِيّ وَ الْاِخْلَاصَ وَ الْمَعَوَّذَتَيْنِ مَرَّةً لَا يُحَاسِبُهٗ اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَكَرَهٗ فِيْ مُخْتَصَرِ الْاَحْيَاءِ۔

> ’’جو مرد یا عورت نادانی سے نماز چھوڑ بیٹھے پھر توبہ کرے اور شرمندہ ہو اسکے چھوٹ جانے کی وجہ سے تو جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعتیں نفل پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور قل ہو اللہ اور فلق و سورہ ناس ایک ایک بار پڑھے تو خدا تعالیٰ اس سے قیامت کے دن حساب نہ لے گا۔ اس حدیث کا مختصر الاحیاء میں ذکر کیا۔‘‘

صاحب روح البیان اس حدیث کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ توبہ کرنے اور نادم ہونیکا یہ مطلب ہے کہ وہ تارک الصلوۃ بندہ شرمندہ ہو کر تمام نمازیں قضاء پڑھ لے کیونکہ توبہ کہتے ہی اس کو ہیں پھر قضاء کرنے کا جو گناہ ہوا تھا وہ اس نماز قضاء عمری کی وجہ سے معاف ہو جائے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازیں قضاء نہ پڑھو صرف یہ نماز پڑھ لو سب ادا ہو گئیں تو روافض بھی نہیں کہتے کہ ان کے یہاں چند روز کی نمازیں ایک

وقت میں پڑھنا جائز ہے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ سال بھر تک نماز نہ پڑھو۔ پھر جمعۃ الوداع کو یہ بارہ رکعتیں پڑھ لو سب معاف ہوگئیں۔ مطلب وہی ہے جو صاحب روح البیان نے بیان فرمایا اور مسلمان اسی نیت سے پڑھتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشکوٰۃ کتاب الحج باب الوقوف بعرفہ میں ایک حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ میں حاجیوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ بارگاہ الٰہی سے جواب آیا ہم نے مغفرت فرمادی سوائے مظالم (حقوق العباد) کے حضور علیہ السلام نے پھر مزدلفہ میں دعا فرمائی تو مظالم یعنی حقوق العباد بھی معاف فرما دیئے گئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کا قرض مارلو کسی کو قتل کردو کسی کی چوری کرلو اور حج کر آؤ۔ سب معاف ہوگئے۔ نہیں بلکہ ادائے قرض میں جو خلاف وعدہ تاخیر ہوگئی وہ معاف کردی گئی حقوق العباد بہرحال ادا کرنے ہوں گے۔ اگر مسلمان اس قضاء عمری کے پڑھنے یا سمجھنے میں غلطی کرے تو اس کو سمجھا دو۔ نماز سے کیوں روکتے ہو۔ اللہ توفیق خیر دے اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو جب بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔

بحث اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

اس بحث کے لکھنے کا ہمارا ارادہ نہ تھا مگر ماہ رمضان میں ہم نے خواب دیکھا کہ کوئی بزرگ فرما رہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل ابہامین کا مسئلہ بھی لکھ دو تاکہ کتاب مکمل ہوجاوے لہٰذا اس کو بھی داخل کتاب کرتے ہیں رب العالمین قبول فرماوے۔ آمین۔

اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت۔ دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

باب نمبر 1

انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں

جب مؤذن کہے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو اس کو سن کر اپنے دونوں انگوٹھے یا کلمے کی انگلی چوم کر آنکھوں سے لگانا مستحب ہے اس میں دنیاوی و دینی بہت سے فائدے ہیں۔ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ عامۃ المسلمین ہر جگہ اس کو مستحب جان کر کرتے ہیں۔ صلوٰۃ مسعودی جلد دوم باب بستم بانگ نماز میں ہے۔

رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ سَمِعَ اِسْمِیْ فِی الْاَذَانِ وَ وَضَعَ اِبْهَامَیْهِ عَلٰی عَیْنَیْهِ فَاَنَا طَالِبُهٗ فِیْ صُفُوْفِ الْقِیٰمَةِ وَ قَائِدُهٗ اِلَی الْجَنَّةِ۔

”حضور علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام اذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو ہم اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائیں گے اور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔“

تفسیر روح البیان پارہ ٦ سورہ مائدہ زیر آیت وَ اِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ (پارہ ٦ سورۃ ٥ آیت ٥٨) لآیۃ ہے۔

وَ ضَعُفَ تَقْبِیْلُ ظُفْرَیْ اِبْهَامَیْهِ مَعَ مُسَبِّحَتَیْهِ وَالْمَسْحُ عَلٰی عَیْنَیْهِ عِنْدَ قَوْلِهٖ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لِاَنَّهٗ لَمْ

يَثْبُتُ فِي الْحَدِيْثِ الْمَرْفُوْعِ لٰكِنَّ الْمُحَدِّثِيْنَ اِتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّ الْحَدِيْثَ الضَّعِيْفَ يَجُوْزُ الْعَمَلُ بِهٖ فِي التَّرْغِيْبِ وَ التَّرْهِيْبِ۔

''محمد رسول اللہ کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخنوں کو مع کلمے کی انگلیوں کے چومنا ضعیف ہے کیونکہ یہ حدیث مرفوع سے ثابت نہیں لیکن محدثین اس پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا رغبت دینے اور ڈرانے کے متعلق جائز ہے۔''

شامی جلد اول باب الاذان میں ہے۔

يُسْتَحَبُّ اَنْ يُّقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاُوْلٰى مِنَ الشَّهَادَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَ الْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَيِ الْاِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَاِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُوْنُ قَائِدًا لَّهٗ اِلَى الْجَنَّةِ كَذَا فِيْ كَنْزِ الْعُبَّادِ قُهُسْتَانِيْ وَ نَحْوُهٗ فِي الْفَتَاوٰى الصُّوْفِيَّةِ وَ فِيْ كِتَابِ الْفِرْدَوْسِ مَنْ قَبَّلَ ظُفْرَيْ اِبْهَامَيْهِ عِنْدَ سَمَاعِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فِي الْاَذَانِ اَنَا قَائِدُهٗ وَ مُدْخِلُهٗ فِيْ صُفُوْفِ الْجَنَّةِ وَ تَمَامُهٗ فِيْ حَوَاشِي الْبَحْرِ لِلرَّمْلِيِّ۔

''اذان کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت یہ کہے قرۃ عینی بک یا رسول اللہ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تو حضور علیہ السلام اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے اسی طرح کنز العباد میں ہے اسی کے مثل فتاوی صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے اذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ سن کر تو میں اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کرونگا۔ اس کی پوری بحث بحر الرائق کے حواشی رملی میں ہے۔''

اس عبارت سے چھ کتابوں کا حوالہ معلوم ہوئے شامی، کنز العباد، فتاوی صوفیہ، کتاب الفردوس قہستانی، بحر الرائق کا حاشیہ۔ ان تمام میں اس کو مستحب فرمایا۔ مقاصد حسنہ فی الاحادیث الادئرہ علی السنہ میں امام سخاوی نے فرمایا۔

ذَكَرَهُ الدَّيْلَمِيُّ فِي الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ هٰذَا وَ قَبَّلَ بَاطِنَ الْاَنَامِلَتَيْنِ السَّبَّابَتَيْنِ وَ مَسَحَ عَيْنَيْهِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيْلِيْ فَقَدْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ وَ لَمْ يَصِحَّ۔

''دیلمی نے فردوس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ان سرکار نے جب مؤذن کا قول اشہد ان محمداً رسول اللہ سنا تو یہ ہی فرمایا اور اپنے کلمے کی انگلی کے باطنی حصوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

یہ حدیث پایہ صحت تک نہ پہنچی اسی مقاصد حسنہ میں موجبات رحمت مصنفہ ابو العباس احمد مکر روار سے نقل کیا:

عَنِ الْخِضَرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مَرْحَبًا بِحَبِيْبِىْ وَ قُرَّةُ عَيْنِىْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ ثُمَّ يُقَبِّلُ اِبْهَامَيْهِ وَ يَجْعَلُهُمَا عَلٰى عَيْنَيْهِ لَمْ يَرْمُدْ اَبَدًا۔

''حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص موذن کو یہ کہتے ہوئے سنے اشہدان محمد رسول اللہ تو کہے مرحبا یا حبیبی وقرۃ عینی محمد اابن عبداللہ پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے اور اپنی آنکھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔''

پھر فرماتے ہیں کہ محمد ابن بابا نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار تیز ہوا چلی جس سے آنکھ میں کنکری جا پڑی اور نکل نہ سکی ۔سخت درد تھا۔

وَ اِنَّهٗ لَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ ذٰلِكَ فَخَرَجَتِ الْحَصَاةُ مِنْ نُوْرِهٖ

''جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا اشہدان محمد أرسول اللہ تو یہ ہی کہہ لیا فوراً کنکری آنکھ سے نکل گئی۔''

اسی مقاصد حسنہ میں شمس محمد ابن صالح مدنی سے روایت کیا۔ انہوں نے امام امجد کو فرماتے ہوئے سنا (امام امجد متقدمین علمائے مصر میں سے ہیں) فرماتے تھے کہ جو شخص اذان میں حضور علیہ السلام کا نام پاک سنے تو اپنے کلمے کی انگلی اور انگوٹھا جمع کرے۔

وَ قَبَّلَهُمَا وَ مَسَحَ بِهِمَا عَيْنَيْهِ لَمْ يَرْمُدْ اَبَدًا۔

''اور دونوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو کبھی آنکھ نہ دکھے گی۔''

پھر فرمایا کہ بعض مشائخ عراق وعجم نے فرمایا کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی۔

وَقَالَ لِىْ كُلٌّ مِّنْهُمَا مُنْذُ فَعَلْتُهٗ لَمْ تَرْمُدْ عَيْنِىْ۔

''انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے یہ عمل کیا ہے میری بھی آنکھیں نہ دکھیں۔''

اسی مقاصد حسنہ میں کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ صَالِحٍ وَ اَنَا مُنْذُ سَمِعْتُهٗ اِسْتَعْمَلْتُهٗ فَلَا تَرْمُدْ عَيْنِىْ وَ اَرْجُوْا اَنَّ عَافِيَتَهُمَا تَدُوْمُ وَ اِنِّىْ اَسْلَمُ مِنَ الْعَمٰى اِنْشَاءَ اللّٰهِ۔

''ابن صالح نے فرمایا کہ میں نے جب سے یہ سنا ہے اس پر عمل کیا میری آنکھیں نہ دکھیں اور میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہے گا اور میں اندھا ہونے سے محفوظ رہوں گا۔''

پھر فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اشہدان محمد أرسول اللہ سن کر یہ کہے مَرْحَبًا يَا حَبِيْبِىْ وَ قُرَّةُ عَيْنِىْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور اپنے انگوٹھے چوم لے اور آنکھوں سے لگائے لَمْ يَعْمَ وَ لَمْ يَرْمُدْ کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی اس کی آنکھیں دکھیں گی۔ غرض کہ اسی مقاصد حسنہ میں بہت سے آئمہ دین سے یہ عمل ثابت کیا شرح نقایہ میں ہے۔

وَ اعْلَمْ اَنَّهٗ يُسْتَحَبُّ اَنْ يُّقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاُوْلٰى مِنَ الشَّهَادَةِ الثَّانِيَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرَّةُ عَيْنِىْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَ وَضَعِ ظُفْرَىْ اِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَاِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُوْنُ

لَہٗ قَائِدًا اِلَی الْجَنَّۃِ کَذَا فِیْ کَنْزُ الْعِبَادِ۔

''جاننا چاہیئے کہ مستحب یہ ہے کہ دوسری شہادت کے پہلے کلمہ سن کر یہ کہے قرۃ عینی بک یارسول اللہ اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھے تو حضور علیہ السلام اس کو جنت میں اپنے پیچھے پیچھے لے جائیں گے۔ اسی طرح کنز العباد میں ہے۔''

مولانا جمال ابن عبداللہ ابن عمر مکی قدس سرہٗ اپنی فتاوٰی میں فرماتے ہیں۔

تَقْبِیْلُ الْاِبْھَامَیْنِ وَوَضْعِھِمَا عَلَی الْعُیُنَیْنِ عِنْدَ ذِکْرِ اِسْمِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ الْاَذَانِ جَائِزٌ بَلْ مُسْتَحَبٌ صَرَّحَ بِہٖ مَشَائِخُنَا۔

''اذان میں حضور علیہ السلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور انکو آنکھوں سے لگانا جائز بلکہ مستحب ہے اسکی ہمارے مشائخ نے تصریح فرمائی ہے۔''

علامہ محمد طاہر علیہ الرحمۃ تکملہ مجمع بحار الانوار میں اسی حدیث کو لَایَصِحُّ فرما کر فرماتے ہیں۔

وَرُوِیَ تَجْرِبَۃُ عَنْ کَثِیْرِیْنَ۔

اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئی ہیں۔

اس کے علاوہ اور عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر قناعت کرتا ہوں حضرت صدر الافاضل مولائی مرشدی استاذی مولانا الحاج سید نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی دام ظلہم فرماتے ہیں کہ ولایت سے انجیل کا بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا جس کا نام (انجیل برنباس) آجکل وہ عام طور پر شائع ہے اور ہر زبان میں اس کے ترجمے کئے گئے ہیں اس کے اکثر احکام اسلامی احکام سے ملتے جلتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس (نور مصطفوی) کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نوران کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ روح القدس کا ترجمہ ہم نے نور مصطفوی کیوں کیا اس کی وجہ ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو جہاں بتایا گیا ہے کہ زمانہ عیسوی میں روح القدس ہی کے نام سے حضور علیہ السلام مشہور تھے۔ علمائے احناف کے علاوہ علمائے شافعی و علمائے مذہب مالکی نے بھی انگوٹھے چومنے کے استحباب پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتاب اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین مصر صفحہ ۲۴۷ میں ہے۔

ثُمَّ یُقَبِّلُ اِبْھَامَیْہِ وَیَجْعَلُھُمَا عَلٰے عَیْنَیْہِ لَمْ یَعْمَ وَلَمْ یَرْمُدْ اَبَدًا۔

''پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے آنکھوں سے لگائے تو کبھی بھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔''

مذہب مالکی کی مشہور کتاب ''کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی'' مصری جلد اول صفحہ ۱۶۹ میں اسکے متعلق بہت کچھ تحریر فرماتے ہیں پھر فرماتے ہیں۔

عَیْنَیْہِ لَمْ یَعْمَ وَلَمْ یَرْمُدْ اَبَدًا۔

''اندھا ہوا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں۔''

اس کی شرح میں علامہ شیخ علی الصیعدی عدوی صفحہ ۱۷۷ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يُبَيِّنْ مَوْضِعَ التَّقْبِيْلِ مِنْ اِبْهَامَيْنِ اِلَّا اَنَّهٗ نُقِلَ عَنِ الشَّيْخِ الْعَالِمِ الْمُفَسِّرِ نُوْرِ الدِّيْنِ الْخُرَاسَانِيْ قَالَ بَعْضُهُمْ لَقِيْتُهٗ وَقْتَ الْاَذَانِ فَلَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَبَّلَ اِبْهَامَيْ نَفْسِهٖ وَ مَسَحَ بِالظُّفْرَيْنِ اَجْفَانَ عَيْنَيْهِ مِنَ الْمَاقِ اِلَى نَاحِيَةِ الصُّدْغِ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ عِنْدَ كُلِّ تَشَهُّدٍ مَرَّةً فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ كُنْتُ اَفْعَلُهٗ ثُمَّ تَرَكْتُهٗ فَمَرِضَتْ عَيْنَايَ فَرَءَيْتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَامًا فَقَالَ لِمَا تَرَكْتَ مَسَحَ عَيْنَيْكَ عِنْدَ الْاَذَانِ اِنْ اَرَدْتَّ اَنْ تَبْرَءَ عَيْنَاكَ فَعُدْ فِي الْمَسَحِ فَاسْتَيْقَظْتُ وَ مَسَحْتُ فَبَرَءْتُ وَ لَمْ يُعَاوِدْ فِيْ مَرَضِهَا اِلَى الْاٰنِ۔

”مصنف نے انگوٹھے چومنے کی جگہ نہ بیان کی لیکن شیخ علامہ مفسر نورالدین خراسانی سے منقول ہے کہ بعض لوگ انکو اذان کے وقت ملے جب انہوں نے موذن کو اشہد ان محمداً رسول اللہ کہتے ہوئے سنا تو انہوں نے اپنے انگوٹھے چومے اور ناخنوں کو اپنی آنکھوں کی پلکوں پر آنکھوں کے کونے سے لگایا اور کنپٹی کے کونے تک پہنچایا پھر ہر شہادت کے وقت ایک ایک بار کیا میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگے کہ میں پہلے انگوٹھے چوما کرتا تھا۔ پھر چھوڑ دیا پس میری آنکھیں بیماز ہو گئیں۔ پس میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ تم نے اذان کے وقت انگوٹھے آنکھوں سے لگانا کیوں چھوڑ دیئے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری یہ آنکھیں اچھی ہو جائیں تو پھر یہ انگوٹھے آنکھوں سے لگانا شروع کر دو۔ پس بیدار ہوا اور یہ مسح شروع کیا مجھ کو آرام ہو گیا اور پھر اب تک وہ مرض نہ لوٹا“

(ماخوذ از نہج الاسلامہ)

اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اذان وغیرہ میں انگوٹھے چومنا آنکھوں سے لگانا مستحب ہے حضرت آدم علیہ السلام اور صدیق اکبر و امام حسن رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ فقہاء محدثین و مفسرین اس کے استحباب پر متفق ہیں آئمہ شافعیہ و مالکیہ نے بھی اس کے استحباب کی تصریح فرمائی اور ہر زمانہ اور ہر ایک مسلمان اس کو مستحب جانتے رہے اور جانتے ہیں اس میں حسب ذیل فائدے ہیں یہ عمل کرنے والا آنکھ دکھنے سے محفوظ رہے گا اور انشاء اللہ کبھی اندھا نہ ہوگا اگر آنکھ میں کسی قسم کی تکلیف ہو اس کے لیے یہ انگوٹھے چومنے کا عمل بہترین علاج ہے بارہا تجربہ ہے اس کے عامل کو حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہوگی اور اسکو حضور علیہ السلام قیامت کی صفوں میں تلاش فرما کر اپنے پیچھے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

اس کو حرام کہنا محض جہالت ہے جب تک کہ ممانعت کی صریح دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے استحباب کے لیے مسلمانوں کا مستحب جاننا ہی کافی ہے مگر کراہت کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم بدعت کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں۔

نوٹ

اذان کے متعلق تو صاف و صریح روایات اور احادیث موجود ہیں جو پیش کی جا چکیں تکبیر بھی مثل اذان کے ہے احادیث میں تکبیر کو اذان

فرمایا گیا ہے۔

دواذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی اذان وتکبیر کے درمیان۔ لہٰذا تکبیر اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر انگوٹھے چومنا نافع وباعث برکت ہے اور اذان وتکبیر کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص حضور علیہ السلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ نیت خیر سے ہو تو باعث ثواب ہے بلا دلیل ممانعت منع نہیں کر سکتے۔ جس طرح بھی حضور علیہ السلام کی تعظیم کی جاوے باعث ثواب ہے۔

بَابْ نمبر 2

انگوٹھے چومنے پر اعتراضات وجوابات

اعتراض نمبر 1

انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دیکھو مقاصد حسنہ میں فرمایا لَا یَصِحُّ فِی الْمَرْفُوْعِ مِنْ کُلِّ هٰذَا شَیْئٌ ان سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا کُلُّ مَا یُرْوٰی فِیْ هٰذَا فَلَا یَصِحُّ رَفْعُهٗ یعنی اس مسئلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں سے کسی کا رفع صحیح نہیں۔ خود علامہ شامی نے اسی بحث میں اسی جگہ فرمایا لَمْ یَصِحَّ مِنَ الْمَرْفُوْعِ مِنْ هٰذَا شَیْئٌ ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ صاحب روح البیان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا۔ پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بے کار ہے۔

جواب

اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں اسی عبارت کے منقولہ کے بعد فرماتے ہیں۔

> قُلْتُ وَ اِذَا ثَبَتَ رَفْعُهٗ اِلَی الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَیَکْفِیْ لِلْعَمَلِ بِهٖ لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةِ وَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ۔
>
> ”یعنی میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لیے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت۔“

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث موقوف کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام علماء نے فرمایا لَمْ یَصِحَّ یہ تمام احادیث حضور تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں اور صحیح نہ ہونے سے ضعیف نہ ہونا لازم نہیں کیونکہ صحیح کے بعد درجہ حسن باقی ہے لہٰذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے۔ تیسرے یہ کہ اصول حدیث وفقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہو جاوے تو حسن بن جاتی ہے چنانچہ در مختار جلد اول باب مستحاب الوضو میں اعضاء وضو کی دعاؤں کے متعلق فرماتے ہیں وَ قَدْ رَوَاهُ ابْنُ حَبَّانَ وَغَیْرِهٖ عَنْهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنْ طُرُقٍ اس حدیث کو ابن حبان وغیرہ نے چند اسناد سے روایت کیا۔ اس کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں اَیْ یُقَوِّیْ بَعْضُهَا بَعْضًا

فَارْتَقٰی اِلٰی مَرْتَبَةِ الْحَسْنِ یعنی بعض اسناد بعض کو قوت دیتی ہیں لہٰذا یہ حدیث درجہ حسن کو پہنچ گئی۔ اور ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ یہ حدیث بہت طریق سے روایت ہے لہٰذا حسن ہے چوتھے یہ کہ اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ ہی علامہ شامی اسی ردالمختار جلد اول باب اذان میں اذان کے مواقع کی بحث میں فرماتے ہیں عَلٰی اَنَّهٗ فِیْ فَضَائِلِ الْاَعْمَالِ یَجُوْزُ الْعَمَلُ بِالْحَدِیْثِ الضَّعِیْفِ کَمَا مَرَّ فِیْ اَوَّلِ کِتَابِ الطَّهَارَةِ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے یہاں بھی واجب وحرام ہونے کے مسائل نہیں ہیں صرف یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے میں یہ فضیلت ہے لہٰذا اس میں حدیث ضعیف بھی قابل عمل ہے نیز مسلمانوں کا عمل ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی تلقین میت کی بحث میں ہے۔

وَ قَدْرَ وَیْنَا فِیْهِ حَدِیْثًامِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ اُمَامَتِهٖ لَیْسَ بِالْقَائِمِ اَسْنَادُهٗ وَلٰکِنِ اعْتَضَدَ بِشَوَاهِدَ وَ بِعَمَلِ اَهْلِ الشَّامِ۔

”یعنی تلقین میت کی حدیث قوی الاسناد نہیں مگر اہل شام کے عمل و دیگر شواہد سے قوی ہو گئی انگوٹھے چومنے پر بھی امت کا عمل ہے لہٰذا یہ حدیث قوی ہوئی۔“

اس سے زیادہ تحقیق نور الانوار اور توضیح وغیرہ میں دیکھو۔ پانچویں یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی بھی حدیث نہ ملتی تب بھی امت مصطفیٰ علیہ السلام کا مستحب ماننا ہی کافی تھا کہ حدیث میں آیا ہے مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَعِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ کام اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ چھٹے یہ کہ انگوٹھے چومنا آنکھ کی بیماریوں سے بچنے کا عمل ہے اور عمل میں صرف صوفیائے کرام کا تجربہ کافی ہوتا ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ہوامعہ میں ہوامعہ مقدمہ کے دسویں ہامعہ میں فرماتے ہیں اجتہاد را اور اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطباء نسخہاء قرابا دین را“ تصریفی اعمال میں اجتہاد کا راستہ کھلا ہوا ہے جیسے کہ طبیب لوگ حکمت کے نسخے ایجاد کرتے ہیں خود شاہ ولی صاحب نے اپنی کتاب القول الجمیل وغیرہ میں صدہا عمل تعویذ گنڈے جنات کو دفع کرنے‘ جنات سے محفوظ رہنے‘ حمل محفوظ رکھنے کے تجویز فرمائے ہیں کہ فلاں دعا ہرن کی کھال پر لکھ کر عورت کے گلے میں مثل ہار ڈال دو اسقاط نہ ہوگا پشم کا رنگا ہوا ڈورا عورت کے جسم سے ناپ کر نو گرہ لگا کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا دردزہ کو مفید ہے وغیرہ وغیرہ بتاؤ کہ ان اعمال کے متعلق کون سی احادیث آئی ہیں؟ خود علامہ شامی نے جادو سے بچنے‘ گمی ہوئی چیزوں کو تلاش کرنے کے بہت سے طریقے شامی میں بیان فرمائے بتاؤ کہ ان کی احادیث کہاں ہیں؟ جبکہ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ عمل درد چشم کے لئے مجرب ہے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟ ساتھ میں یہ کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے کہ شامی اور شرح نقایہ اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے چومنے کو مستحب فرمایا۔ اس استحباب پر کوئی جرح قدح نہ کی بلکہ حدیث مرفوع کی صحت کا انکار کیا جس سے معلوم ہوا کہ حکم استحباب تو بالکل صحیح ہے گفتگو ثبوت حدیث میں ہے۔ یہ استحباب حدیث کی صحت پر موقوف نہیں۔ آٹھویں یہ کہ اچھا اگر مان لیں کہ استحباب کا ثبوت حدیث ضعیف سے نہیں ہوسکتا تو کراہت کے ثبوت کی کونسی حدیث ہے جس میں یہ ہو کہ انگوٹھے چومنا مکروہ ہے یا نہ چومو وغیرہ انشاء اللہ کراہت کے لیے صحیح حدیث تو کیا ضعیف بھی نہ ملے گی صرف یاروں کا اجتہاد اور عداوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

الحمد للہ کہ اس اعتراض کے پرخچے اڑ گئے اور حق واضح ہو گیا۔

اعتراض نمبر 2

حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نور مصطفیٰ علیہ السلام انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کو چوما تھا تو تم کون سا نور دیکھتے ہو جو چومتے ہو۔ چومنے کی جو وجہ وہاں تھی وہ یہاں نہیں۔

جواب

حضرت ہاجرہ جب اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ کے جنگل میں تشریف لائیں تو تلاش پانی کے لیے صفا و مروہ کے پہاڑ کے درمیان دوڑیں۔ آج تم حج میں وہاں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہے؟ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے قربانی کے لیے جاتے ہوئے راستے میں تین جگہ شیطان کو کنکر مارے آج تم وہاں کیوں کنکر مارتے ہو؟ وہاں اب کونسا شیطان آپ کو دھوکا دے رہا ہے؟ حضور علیہ السلام نے ایک خاص ضرورت کی وجہ سے کفار مکہ کو دکھانے کے لیے طواف میں رمل کرا کر اپنی طاقت دکھائی۔ بتاؤ کہ اب طواف قدوم میں رمل کیوں کرتے ہو؟ اب وہاں کفار کہاں دیکھ رہے ہیں جناب انبیائے کرام کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار باقی رکھی جاتی ہے اگرچہ وہ ضرورت باقی نہ رہے اسی طرح یہ عمل بھی ہے۔

اعتراض نمبر 3

کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چومتے ہو کوئی اور چیز کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کپڑے وغیرہ چومنا؟

جواب

چونکہ روایت میں ناخن ہی کا ثبوت ہے۔ اس لیے اسی کو چومتے ہیں منصوصات میں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اگر اسکا نکتہ ہی معلوم کرنا ہے تو یہ ہے کہ تفسیر خازن و روح البیان وغیرہ نے بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۲) میں بیان فرمایا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا یعنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا۔ جب ان پر عتاب الٰہی ہوا وہ کپڑا اتار لیا گیا۔ مگر انگلیوں کی پوروں میں بطور یادگار باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جنتی لباس ہیں اور اب جنت تو ہم کو حضور علیہ السلام کے طفیل سے ملے گی لہٰذا ان کے نام پر جنتی لباس چوم لیتے ہیں جیسے کہ کعبہ معظمہ میں سنگ اسود جنتی پتھر ہے اس کو چومتے ہیں باقی کعبہ شریف کو نہیں چومتے کیونکہ وہ اسی جنتی گھر کی یادگار ہے جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے زمین پر آیا تھا اور طوفان نوح میں اٹھا لیا گیا۔ اور یہ پتھر اس کی یادگار رہا۔ اسی طرح ناخن بھی اس جنتی لباس کی یادگار ہے۔

بحث جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ یا نعت پڑھنا

بعض جگہ رسم ہے کہ جب میت کو قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے آگے باآواز بلند کلمہ طیبہ سب مل کر پڑھتے ہیں یا نعت شریف پڑھتے ہیں مجھ کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ اس کو بھی کوئی منع کرتا ہو گا مگر پنجاب میں آ کر معلوم ہوا کہ دیوبندی اس کو بھی بدعت و حرام کہتے ہیں۔ اس قدر

ظاہر مسئلہ پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر بعض احباب نے مجبور فرمایا۔ تو کچھ بطور اختصار عرض کرنا پڑا اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے ہیں پہلا باب اس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات وجوابات میں وَ مَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

بَابُ نمبر 1

جنازہ کے آگے کلمہ طیبہ اور نعت خوانی کا ثبوت

جنازے کے آگے کلمہ طیبہ یا تسبیح وتہلیل یا درود شریف یا نعت شریف آہستہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت وحاضرین کو مفید۔ اس پر قرآنی آیات واحادیث صحیحہ واقوال فقہاء شاہد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۹۱)

"وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے یا بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔"

اس کی شرح تفسیر روح البیان میں ہے۔

اَیْ یَذْکُرُوْنَ دَائِمًا عَلَی الْحَالَاتِ کُلِّھَا قَائِمِیْنَ وَ قَائِدِیْنَ وَ مُضْطَجِعِیْنَ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ لَا یَخْلُوْ عَنْ ھٰذِہِ الْھَیْئَاتِ غَالِبًا۔

"آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکر الٰہی کرتے ہیں کیونکہ انسان اکثر ان حالات سے خالی نہیں ہوتا۔"

تفسیر ابوالسعود میں اسی کے ماتحت ہے وَالْمُرَادُ تَعْمِیْمُ الذِّکْرِ لِلْاَوْقَاتِ وَ تَخْصِیْصِ الْاَحْوَالِ الْمَذْکُوْرَۃِ لَیْسَ لِتَخْصِیْصِ الذِّکْرِ بِھَا بَلْ لِاَنَّھَا الْاَحْوَالُ الْمَعْھُوْدَۃُ الَّتِیْ لَایَخْلُوْا عَنْھَا الْاِنْسَانُ۔ ترجمہ قریب قریب وہی ہے جو اوپر کیا گیا۔ تفسیر کبیر اسی آیت کے ماتحت ہے اَلْمُرَادُ کَوْنُ الْاِنْسَانِ دَائِمَ الذِّکْرِ لِرَبِّہٖ فَاِنَّ الْاَحْوَالَ لَیْسَتْ اِلَّا ھٰذِہِ الثَّلٰثَۃَ ثُمَّ لَمَّا وَصَفَھُمْ بِکَوْنِھِمْ ذٰکِرِیْنَ فِیْھَا کَانَ ذٰلِکَ دَلِیْلًا عَلٰی کَوْنِھِمْ مَوَاظِبِیْنَ عَلَے الذِّکْرِ غَیْرِ فَاتِرِیْنَ عَنْہُ اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گذر چکا ہے۔ ابن عدی نے کامل میں اور امام زیلعی نے نصب الرایہ التخریج احادیث الہدایہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲ میں مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل میں لکھا ہے عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ یَکُنْ یُسْمَعُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ ھُوَ یَمْشِیْ خَلْفَ الْجَنَازَۃِ اِلَّاقَوْلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہِ مُبْدِیًا وَ رَاجِعًا۔ اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔ تحذیر المختار علی رد المختار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۳ پر ہے وَلٰکِنْ قَدِاعْتَادَ النَّاسُ کَثْرَۃَ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ رَفَعَ اَصْوَاتَھُمْ بِذٰلِکَ وَ ھُمْ اِنْ مُنِعُوْا ابْتَ نُفُوْسُھُمْ عَنِ السُّکُوْتِ وَالتَّفَکُّرِ فَیَقَعُوْنَ فِیْ کَلَامِ دُنْیَوِیْ وَ رُبَمَا وَ قَعُوْا فِیْ عَیْبِہٖ وَ اِنْکَارِ الْمُنْکَرِ اِذَا قَضٰی اِلٰی مَاھُوَ اَعْظَمُ مُنْکَرًا کَانَ تَرْکُہٗ اَحَبَّ لِاَنَّہٗ اِرْتِکَابٌ بِاَخَفِ الْمَضَرَّتَیْنِ کَمَاھُوَ الْقَاعِدَۃُ الشَّرْعِیَۃُ اس آیت اور ان تفاسیر کی عبارات واحادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ ہر حال میں ذکر الٰہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے ہو یا آہستہ کرنے کی اجازت

ہے۔ اب کسی موقعہ پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لیے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جا سکتا فقہاء تو بحالت جنابت و بحالت حیض بھی تلاوت قرآن کے علاوہ تمام ذکروں کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ میت کو قبرستان لے جا رہے ہیں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الٰہی جائز ہوا قرآن فرماتا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۳ آیت ۲۸)

خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں

اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

فَالْمُؤْمِنُوْنَ یَسْتَانِسُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ وَ ذِکْرِ اللّٰہِ الَّذِیْ ھُوَالْاِسْمُ الْاَعْظَمُ وَ یُحِبُّوْنَ اسْتِمَاعَھَا وَ الْکُفَّارُ یَفْرَحُوْنَ بِالدُّنْیَا وَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِذِکْرِ غَیْرِ اللّٰہِ

پس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ اسم اعظم ہے) مسلمان انس لیتے ہیں اور اس کو سننا چاہتے ہیں اور کفار دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکر غیر اللہ سے سرور پاتے۔

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی و فرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں بحمد اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل و عیال چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہٰذا ہر طرح جائز ہوا محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے منتخب کنز العمال جلد ہشتم صفحہ ۹۹ میں بروایت حضرت انس ہے اَکْثِرُوْا فِی الْجَنَازَۃِ قَوْلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہِ مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ میں ہے۔

اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰٓئِکَۃً یَطُوْفُوْنَ فِی الطُّرُقِ یَلْتَمِسُوْنَ اَھْلَ الذِّکْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ تَنَادَوْا ھَلُمُّوْا اِلٰی حَاجَتِکُمْ قَالَ فَیَحُفُّوْنَھُمْ بِاَجْنِحَتِھِمْ۔

"اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جب کسی قوم کو ذکر الٰہی کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھر ان ذاکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں الخ۔"

لہٰذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں تو ملائکہ راستہ میں ہی ملیں گے اور ان سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جاویگا۔ خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے۔ مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا وَ مَا رِیَاضُ الْجَنَّۃِ قَالَ حِلَقُ الذِّکْرِ

"حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گذرو تو کچھ کھالیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کے باغ

کیا ہیں؟ فرمایا ذکر کے حلقے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الٰہی ہوتا ہوا جاوے تو میت جنت کے باغ میں قبرستان تک جاوے گا خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مشکوٰۃ میں اسی باب میں ہے کہ

اَلشَّیْطٰنُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ اِبْنِ آدَمَ فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ۔

"شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے۔"

معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ کیا جاوے گا تو شیطان سے میت کو امن رہے گا یہاں بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجہر کو دلالۃً ثابت کیا گیا۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں جن میں اس کی تصریح ملتی ہے حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر باجہر کو منع فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے یا کراہت تحریمی کی بنا پر پھر فرماتے ہیں۔

لٰکِنَّ بَعْضَ الْمَشَائِخِ جَوَّزُوا الذِّکْرَ الْجَھْرِیَّ وَ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالتَّعْظِیْمِ قُدَّامَ الْجَنَازَۃِ وَ خَلْفَھَا لِتَلْقِیْنِ الْمَیِّتِ وَ الْاَمْوَاتِ وَ الْاَحْیَاءِ وَ تَنْبِیْہِ الْغَفْلَۃِ وَ الظَّلْمَۃِ وَ اِزَالَۃِ صَدَاءِ الْقُلُوْبِ وَ قَسْوَتِھَا بِحُبِّ الدُّنْیَا وَ رِیَاسَتِھَا۔

"یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تا کہ اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں کے دلوں سے غفلت اور سختی دنیا کی محبت دور ہو۔"

لواقع الانوار القدسیہ فی بیان العہو دالمحمد یہ میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں۔

وَ کَانَ سَیِّدِیْ عَلَی الْخَوَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ اِذَا عُلِمَ مِنَ الْمَاشِیْنَ مَعَ الْجَنَازَۃِ اَنَّھُمْ لَا یَتْرُکُوْنَ اللَّغْوَ فِی الْجَنَازَۃِ وَ یَشْتَغِلُوْنَ بِاَحْوَالِ الدُّنْیَا فَیَنْبَغِیْ اَنْ تَامُرَ ھُمْ بِقَوْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَاِنَّ ذٰلِکَ اَفْضَلُ مِنْ تَرْکِہٖ وَلَا یَنْبَغِیْ لِلْفَقِیْہِ اَنْ یُّنْکِرَ ذٰلِکَ اِلَّا بِنَصٍّ اَوْ اِجْمَاعٍ فَاِنَّ لِلْمُسْلِمِیْنَ الْاِذْنَ الْعَامَ مِنَ الشَّارِعِ بِقَوْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کُلَّ وَقْتٍ شَاءُوْا وَلِلّٰہِ الْعَجَبُ مِنْ عَمٰی قَلْبِ مَنْ یُّنْکِرُ مِثْلَ ھٰذَا۔

"حضرت علی الخوص رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ جب معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے بیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حالات میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ انکو کلمہ پڑھنے کا حکم دیں کیونکہ یہ کلمہ نہ پڑھنے سے افضل ہے اور فقیہ عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے اس لیے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اذن عام ہے جسوقت بھی چاہیں۔ اور سخت تعجب ہے اس اندھے دل سے جو اس کا انکار کرے۔"

امام شعرانی اپنی کتاب عہو دالمشائخ میں فرماتے ہیں:

وَلَا نُمَکِّنُ اَحَدًا مِنْ اِخْوَانِنَا یُنْکِرُ شَیْئًا اِبْتَدَعَھَا الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی جِھَۃِ الْقُرْبَۃِ وَ رَاہُ حَسَنًا لَا سِیَّمَا مَا کَانَ

مُتَعَلِّقًا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ كَقَوْلِ النَّاسِ اَمَامَ الْجَنَازَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْ لَ اللّٰهِ اَوْ قِرَأَةِ اَحَدِ الْقُرْاٰنَ اَمَامَهَا وَنَحْوَذٰلِكَ فَمَنْ حَرَّمَ ذٰلِكَ فَهُوَ قَاصِرٌ عَنْ فَهْمِ الشَّرْعِيَّةِ پھر فرماتے ہیں وَ كَلِمَةُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَكْبَرُ الْحَسَنَاتِ فَكَيْفَ يُمْنَعُ مِنْهَا وَ تَاَمَّلْ اَحْوَالَ غَالِبِ الْخَلْقِ الْاٰنِ فِىْ الْجَنَازَةِ تَجِدُهُمْ مَشْغُوْلِيْنَ بِحَكَايَاتِ الدُّنْيَا لَمْ يَعْتَبِرُوْا بِالْمَيِّتِ وَ قَلْبُهُمْ غَافِلٌ عَنْ جَمِيْعِ مَا وَقَعَ لَهٗ بَلْ رَءَيْتُ مِنْهُمْ مَنْ يَّضْحَكُ وَ اِذَا تَعَارَضَ عِنْدَنَا مِثْلُ ذٰلِكَ وَ كَوْنُ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَّمْنَا ذِكْرَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بَلْ كُلُّ حَدِيْثٍ لَغْوٍ اَوْلٰى مِنْ حَدِيْثِ اَبْنَاءِ الدُّنْيَا فِي الْجَنَازَةِ فَلَوْ صَاحَ كُلُّ مَنْ فِي الْجَنَازَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَلَا اِعْتِرَاضَ۔

''ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصاً وہ جو اللہ تعالیٰ و رسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے کہ لوگوں کا جنازے کے آگے کلمہ طیبہ پڑھنا یا جنازے کے آگے کسی کا قرآن وغیرہ پڑھنا جو شخص اس کو حرام قرار دے وہ شریعت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ یعنی کلمہ **لا الہ اللہ محمد رسول اللہ** تمام نیکیوں میں بہتر نیکی ہے پس اس سے کیوں منع کیا جاسکتا ہے اگر تم آجکل کے لوگوں کی غالب حالت میں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پاؤ گے ان کے دل میت سے عبرت نہیں پکڑتے اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو بہت سے لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پر عمل کر کے کہ یہ کلمہ پہلے زمانہ میں میت کے ساتھ پکار کر نہیں پڑھا جاتا تھا۔ اسکے ناجائز ہونے کا حکم دینا درست نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیئے بلکہ دنیاداروں کی باتوں سے ہر بات جنازے میں بہتر ہے پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازے کے ہمراہ **لا الہ الا اللہ** پڑھیں تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔''

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ ہنستے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الٰہی میں مشغول کر دیا جاوے کہ ذکر الٰہی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

باب نمبر 2

اس پر اعتراضات اور جوابات میں

اس پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں ان شاء اللہ اس سے زیادہ نہ ملیں گے۔

اِعتَراض نمبر 1

جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو فقہاء منع فرماتے ہیں چنانچہ عالمگیری جلد اول کتاب الجنائز فضل فی حمل الجنازہ میں ہے

وَ عَلَی مُتَّبِعِیْ الْجَنَازَةِ الصَّمْتُ وَ یُکْرَہُ لَهُمْ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ وَ قِرَآْءَةُ الْقُرْاٰنِ فَاِنْ اَرَادَاَنْ یَّذْکُرَ اللّٰهَ یَذْکُرُہٗ فِیْ نَفْسِہٖ کَذَا فِیْ فَتَاوٰی قَاضِیْ خَانَ۔

”جنازے کے ساتھ جانے والوں کو خاموش رہنا واجب ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں کریں۔“

فتاوٰی سراجیہ باب حمل الجنازہ میں ہے۔

وَ یُکْرَہُ النِّیَاحُ وَالصَّوْتُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَ فِیْ مَنْزِلِ الْمَیِّتِ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ وَ قِرَآْءَةُ الْقُرْاٰنِ وَ قَوْلُهُمْ کُلُّ حَیٍّ یَّمُوْتُ وَ نَحْوِ ذٰلِكَ خَلْفَ الْجَنَازَةِ بِدْعَةٌ۔

”جنازے کے پیچھے اور میت کے گھر میں نوحہ کرنا آواز نکالنا اور بلند آواز سے ذکر کرنا قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے پیچھے یہ کہتے ہوئے جانا کہ ہر زندہ مرے گا بدعت ہے۔“

درمختار جلد اول کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت میں ہے کَمَا کُرِہَ فِیْهَا رَفْعُ صَوْتَ بِذِکْرٍ اَوْ قِرَآْءَةَ جیسے کہ جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرأت کرنا مکروہ ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے قُلْتُ وَ اِذَا کَانَ هٰذَا فِیْ الدُّعَاءِ فَمَا ظَنُّكَ بِالْغِنَاءِ الْحَادِثِ فِیْ هٰذَا الزَّمَانِ جبکہ دعا میں اس قدر سختی ہے تو اب اس گانے کا کیا حال ہے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گیا ہے ابن منذر نے اشراف میں نقل کیا کہ قَالَ قَیْسُ ابْنُ عِبَادَةِ کَانَ اَصْحٰبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَکْرَهُوْنَ رَفْعَ الصَّوْتِ عِنْدَ ثَلٰثٍ عِنْدَ الْقِتَالِ وَ فِیْ الْجَنَازَةِ وَ فِیْ الذِّکْرِ یعنی صحابہ کرام جہاد، جنازہ، ذکر میں بلند آواز کو ناپسند کرتے تھے۔ ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ میت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا منع ہے خصوصاً وہ گانا جس کو آج کل نعت خوانی کہتے ہیں وہ تو بہت ہی برا ہے۔ (مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے)

جوَابْ

فقہاء کی ان عبارات میں چند طرح گفتگو ہے اولاً یہ کہ انہوں نے جو میت کے ساتھ بالجہر کو مکروہ لکھا اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے یا تحریمی، کراہت تنزیہی جائز میں داخل ہے یعنی اس کا کرنا تو جائز ہے مگر نہ کرنا بہتر، دوسرے یہ کہ یہ حکم اس زمانے کے لیے تھا یا کہ ہر زمانہ کے لیے تیسرے یہ کہ مطلقاً بولنا منع ہے۔ یا کہ خاص ذکر بالجہر یا کہ نوحہ وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ بلند آواز سے ذکر کرنا ہر شخص کو منع ہے یا کہ خاص اشخاص کو۔ جب یہ چار باتیں طے ہو جاویں تو مسئلہ بالکل واضح ہو جاویگا۔ حق یہ ہے کہ جن فقہاء نے میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ فرمایا۔ ان سے مراد مکروہ تنزیہی ہے چنانچہ شامی نے اسی منقولہ عبارت کے ساتھ ساتھ فرمایا۔

قِیْلَ تَحْرِیْمًا وَ قِیْلَ تَنْزِیْهًا کَمَا فِیْ الْبَحْرِ عَنِ الْغَایَتِ وَ فِیْهِ عَنْهَا وَ یَنْبَغِیْ لِمَنْ تَبِعَ الْجَنَازَةَ اَنْ یُّطِیْلَ

الصُّمْتَ۔

''کہا گیا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اور کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی جیسا کہ بحرالرائق میں غایت سے نقل کیا اسی بحر میں بروایت غایت ہے کہ جو شخص جنازے کے ساتھ جاوے اس کو بہتر ہے کہ خاموش رہے۔''

جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنا بہتر ہے اور خاموش نہ رہنا بلکہ ذکر بالجہر کرنا بہتر نہیں جائز ہے۔ نیز کراہت تنزیہی اور تحریمی کی پہچان خود علامہ شامی کی مکروہات کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرمائی فرماتے ہیں۔ شامی جلد اول کتاب الطہارت مطلب تعریف المکروہ۔

فَحِيْنَئِذٍ اِذَا ذَكَرُوْا مَكْرُوْهًا فَلَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ فِيْ دَلِيْلِهٖ فَاِنْ كَانَ نَهْيًا ظَنِّيًا يَحْكُمُ بِكَرَاهَةِ التَّحْرِيْمِ اِلَّا بِصَارِفِ النَّهْيِ عَنِ التَّحْرِيْمِ اِلَى النَّدْبِ فَاِنْ لَمْ يَكُنِ الدَّلِيْلُ نَهْيًا بَلْ كَانَ مُفِيْدُ التَّرْكِ الْغَيْرِ الْجَازِمِ فَهِيَ تَنْزِيْهِيَةٌ۔

''جب فقہا مکروہ فرمادیں تو ضروری ہے کہ کراہت کی دیل میں نظر کی جاوے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو تو مکروہ تحریمی ہے سوائے کسی مانع اور اگر دلیل ممانعت نہ ہو بلکہ غیر ضروری ترک کا فائدہ دے تو کراہت تنزیہی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اگر فقہاء کراہت کی دلیل میں کوئی شرعی ممانعت پیش فرمادیں تو کراہت تحریمی ورنہ کراہت تنزیہی۔ اور جن فقہاء نے بھی ذکر بالجہر کو منع کیا ہے کوئی ممانعت کی حدیث یا آیت پیش نہیں کی۔ صرف شامی نے یہ دلیل بیان فرمائی کے رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۵۵) اللہ حد سے بڑھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ جس کا ترجمہ فرمایا اَیْ الْمُجَاهِرِ يْنَ بِالدُّعَاءِ یعنی بلند آواز سے دعا کرنے والوں کو معلوم ہوا کہ اس کی ممانعت کی کوئی صاف حدیث نہیں ملی۔ لہٰذا یہ مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔ نیز امام شعرانی نے عہود مشائخ میں اسی ذکر مع الجنازہ کے لیے فرمایا۔ وَ قَدْرَجَّحَ النُّوْوِيُّ اَنَّ الْكَلَامَ خِلَافُ الْاَوْلٰى امام نووی نے اس کو ترجیح دی کہ جنازے کے ساتھ کلام کرنا بہتر نہیں شرح محمد یہ نے بیان فرمایا وَ هُوَ يُكْرَهُ عَلٰى مَعْنٰى اَنَّهٗ تَارِكُ الْاَوْلٰى جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے بایں معنی کہ خلاف اولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں۔ بہر حال ماننا پڑے گا کہ جن فقہاء نے اس کو مکروہ کہا ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے دوسرے یہ کہ یہ ممانعت اس زمانے کے لیے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے یہ حکم کراہت بھی بدل گیا کیوں کہ اس زمانہ میں جو بھی جنازے کے ساتھ جاتا تھا خاموش رہتا تھا اور اس سے عبرت پکڑتا تھا اہل میت کے ساتھ رنج وغم میں شرکت کرتا تھا اور شرعی مدعیٰ بھی یہ ہے کہ میت کے جلوس میں لوگ عبرت حاصل کریں سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

وَ اِذَا حَمَلْتَ اِلَى الْقُبُوْرِ جَنَازَةً
فَاسْلَمْ بِاَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے جاؤ تو خیال رکھو کہ ایک دن تم کو بھی اسی طرح لے جایا جائیگا اس حال میں کچھ بھی بات کرنا خلاف حکمت تھا کہ بات کرنے میں دھیان بٹے گا اور دل اور طرف متوجہ ہو جائے گا۔ لہٰذا فقہاء نے فرمایا کہ اس حالت میں سکوت کرو کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی باب مایقول الماشی مع الجنازہ میں ہے۔ وَالْحِكْمَةُ فِيْهِ ظَاهِرَةٌ وَ هِيَ اَنَّهٗ اَسْكَنُ لِخَاطِرِهٖ وَ اَجْمَعُ لِفِكْرِهٖ فِيْمَا يَتَعَلَّقُ بِالْجَنَازَةِ وَهُوَالْمَطْلُوْبُ فِيْ هٰذَا الْحَالِ مشکوٰۃ باب دفن المیت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم

قبرستان میں میت دفن کرنے لے گئے وَ جَلَسْنَا مَعَہٗ كَاَنَّ عَلٰى رُءُوْسِنَا الطَّيْرُ تیاری قبر میں دیر تھی تو ہم اس طرح خاموش بیٹھ گئے جیسے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں (پرندوں کا شکاری جب جال لگا کر بیٹھتا ہے تو بالکل خاموش رہتا ہے تاکہ آواز سے پرندے نہ اڑ جاویں۔ اب وہ زمانہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانیوالے دنیاوی باتیں ہنسی مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں اگر قبرستان میں کچھ دیر بیٹھنا پڑے تو خوش گپیاں اڑاتے ہیں میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھیل کا مشغلہ کر کے دل بہلاتے ہیں تو ان کو ذکر الٰہی میں مشغول کر دینا ان بے ہودہ باتوں سے بہتر ہے لہٰذا اب یہ بھی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جاویں۔ حالات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو مفتی اپنے اہل زمانہ کی حالت سے بے خبر ہے وہ جاہل ہے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عہود مشائخ میں فرماتے ہیں۔

وَ اِنَّمَا لَمْ يَكُنِ الْكَلَامُ وَالْقِرَاءَةُ وَ الذِّكْرُ اَمَامَ الْجَنَازَةِ فِيْ عَهْدِ السَّلَفِ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا مَاتَ لَهُمْ مَيِّتٌ اِشْتَرَكُوْا كُلُّهُمْ فِي الْحُزْنِ عَلَيْهِ حَتّٰى كَانَ لَا يُعْرَفُ قَرَابَةُ الْمَيِّتِ مِنْ غَيْرِهٖ فَكَانُوْا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلَى النُّطْقِ الْكَثِيْرِ لِمَا هُمْ عَلَيْهِ مِنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ بَلْ خَرِسَتْ اَلْسِنَتُهُمْ عَنْ كُلِّ كَلَامٍ فَاِذَا وَجَدْنَا جَمَاعَةً بِهٰذَا الصِّفَةِ فَلَكَ يَا اَخِيْ عَلَيْنَا اَنْ لَّا تَاْمُرُهُمْ بِقِرَاْءَةٍ وَ لَا ذِكْرٍ۔

"گذشتہ زمانہ میں جنازہ کے آگے بات کرنا قرآن پڑھنا ذکر کرنا اس لیے نہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا تھا تو سارے شرکاء رنج و غم میں شریک ہو جاتے تھے یہاں تک کہ میت کے اہل قرابت اور غیروں میں فرق نہ رہتا تھا اور اس قدر موت کا دھیان کرتے تھے کہ بولنے پر ان کو قدرت نہ رہتی تھی اور ان کی زبانیں گونگی ہو جاتی تھیں اگر ہم آج اس صفت کے لوگ پالیں تو ہم انکو قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے کا حکم نہ دیں گے۔"

سبحان اللہ! کیا نفیس فیصلہ فرمایا کہیئے کیا آجکل لوگوں کا یہ حال ہے۔ حضرت شیخ عثمان بجیری شرح اقناع کے حاشیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں (قَوْلُهٗ وَ كُرِهَ لَغَطٌ فِي الْجَنَازَةِ) قَوْلُهٗ لَغَطٌ اَيْ رَفْعُ صَوْتٍ وَ لَوْ بِقُرْاٰنٍ اَوْ ذِكْرٍ اَوْ صَلٰوةٍ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ یعنی جنازے کے ساتھ شور کرنا مکروہ ہے خواہ یہ شور قرآن خوانی ہو یا ذکر اللہ سے یا درود خوانی سے۔ یہ حکم اس حالت کے لحاظ سے ہے جو کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں کی تھی۔

وَ هٰذَا بِاعْتِبَارِ مَا كَانَ فِي الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَ اِلَّا فَالْاٰنَ لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ لِاَنَّهٗ شِعَارُ الْمَيِّتِ لِاَنَّ تَرْكَهٗ مُزْرِيَةٌ بِهٖ وَلَوْ قِيْلَ بِوُجُوْبِهٖ لَمْ يُبْعَدْ كَمَا نَقَلَهُ الْمَدَابِغِيُّ۔

"ورنہ اس زمانہ میں اب اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ذکر بالجہر میت کی علامت ہے اس کے چھوڑنے میں میت کی توہین ہے لہٰذا اس کو اگر ضروری بھی کیا جاوے تو بھی بعید نہیں۔ جیسا کہ مدابغی علیہ الرحمۃ سے نقل فرمایا۔"

امام شعرانی نے عہود مشائخ میں فرمایا۔

فَمِمَّا اَحْدَثَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَ اسْتَحْسَنُوْهُ قَوْلُهُمْ اِمَامَ الْجَنَازَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَوْ وَ سِيْلَتُنَا يَوْمَ

الْعُرْضُ عَلَى اللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

’’مسلمانوں نے جس کام کو اچھا سمجھ کر ایجاد کیا وہ یہ ہے کہ جنازے کے آگے کہتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن ہمارا وسیلہ یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا اسی طرح اور ذکر۔‘‘

وَ نَحْوُ ذٰلِكَ فَمِثْلُ هٰذَا لَايَجِبُ اِنْكَارُهٗ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ لِاَنَّهُمْ اِنْ لَمْ يَشْتَغِلُوْا بِذَالِكَ اِشْتَغَلُوْا بِحَدِيْثِ الدُّنْيَا وَ ذَالِكَ لِاَنَّ قَلْبَهُمْ فَارِغٌ مِنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ بَلْ رَءَيْتُ بَعْضَهُمْ يَضْحَكُ اَمَامَ الْجَنَازَةِ وَ يَمْزَحُ۔

’’اس زمانہ میں اس سے منع کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ اگر وہ لوگ اس ذکر میں مشغول نہ ہوئے تو دنیاوی باتیں کریں گے کیونکہ ان کے دل موت کی یاد سے خالی ہیں۔ بلکہ ہم نے بعض لوگوں کو جنازے کے آگے ہنستے ہوئے مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔‘‘

امام شعرانی قدس سرہٗ نے جو اپنے زمانہ کا حال بیان فرمایا اس سے بدتر حال آج ہے میں نے بعض جگہ دیکھا کہ قبر میں دیر تھی۔ لوگ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن کر بیٹھ گئے اور باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بازار لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچ کر کنکروں سے کھیلنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تجہیز و تکفین کے احکام بتائے اس سے یہ ہی بہتر تھا۔

لطیفہ

مخالفین جنازہ کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کو بدعت و حرام کہتے ہیں۔ مگر باتیں کرنا، کبھی مسائل بیان کرنا، کبھی شرک و بدعت کے فتویٰ سنانا، لوگوں کے آپس میں ہنسی مذاق کرنے کو نہیں منع کرتے ہیں نہ اس کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء بالکل خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس اعتراض میں نقل کی ہوئی عبارات سے معلوم ہوا۔ یہ الٹی گنگا کیوں بہ رہی ہے کہ کلام، سلام، ہنسی، مذاق، وعظ و فتاویٰ تو سب جائز۔ حرام ہے تو ذکر اللہ۔ خدا سمجھ دے۔

ضروری نوٹ

شائد کوئی کہے کہ اسلامی احکام تو کبھی بدلتے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسی؟ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں جو کہ احکام کسی علت کے بدلنے سے بدل جائیں۔ جیسے کہ اول زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت لینا حرام تھا۔ اب جائز ہے۔ اسی طرح مقابر اولیاء اللہ پر چادریں ڈالنا اب ضرورتاً زمانہ کے لحاظ سے جائز ہیں اسی طرح ماہ رمضان میں ختم قرآن پر دعائیں مانگنا جائز قرار دی گئیں۔ قرآن پاک میں آیات اور رکوع اور سورتوں کے نام لکھنا سلف زمانہ میں نہ تھا لیکن اب عوام کے فائدے کا لحاظ کر کے جائز قرار دیا گیا۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب آداب المصحف میں ہے

لَا بَاْسَ لِكِتَابَةِ اَسَامِي السُّوَرِ وَ عَدِّ الْاٰيِ وَ هُوَ وَ اِنْ كَانَ اِحْدَاثًا فَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ وَ كَمْ مِّنْ شَيْئٍ كَانَ اِحْدَاثًا وَهُوَ حَسَنٌ وَّ كَمْ مِّنْ شَيْئٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَ الْمَكَانِ۔

''سورتوں کے نام آیتوں کی تعداد لکھنے میں حرج نہیں۔ یہ اگرچہ بدعت ہیں لیکن بدعت حسنہ ہے بہت سی چیزیں بدعت ہیں۔ لیکن اچھی ہیں اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔''

اس کی بہت تفصیل ہم پہلی بحثوں میں کر چکے ہیں تیسرے یہ کہ کاٹھیاواڑ وغیرہ میں میت کے آگے نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جان لیتے ہیں کہ کسی کا جنازہ جا رہا ہے لہٰذا گھروں میں جو ہوتے ہیں وہ بھی نماز جنازہ کے لیے نکل آتے ہیں۔ تو یہ نعت خوانی میت کا اعلان بھی ہوا اور جنازے کا اعلان بھی اس نیت سے کہ لوگ نماز جنازے یا دفن میں شرکت کر لیں جائز ہے۔ چنانچہ درمختار دفن میت کی بحث میں ہے۔

وَلَا بَاسَ بِنَقْلِهٖ قَبْلَ دَفْنِهٖ وَ بِالْاِعْلَامِ بِمَوْتِهٖ وَبِاِرْثَائِهٖ بِشِعْرٍ اَوْ غَيْرِهٖ۔

''یعنی میت کو دفن کرنے سے پہلے اس کو منتقل کرنا اس کے جنازے کا اعلان کرنا' میت کا مرثیہ پڑھنا خواہ اشعار میں ہو یا اسکے سوا جائز ہے۔''

اسکی شرح شامی میں ہے۔

اَیْ اِعْلَامِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا لِیَقْضُوْا حَقَّهٗ وَ کُرِهَ بَعْضُهُمْ اَنْ یُّنَادِیَ عَلَیْهِ فِی الْاَقَّةِ وَ الْاَسْوَاقِ وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ لَا یُکْرَهُ اِذَا لَمْ یَکُنْ مَّعَهٗ تَنْوِیْهٌ بِذِکْرِهٖ۔

''یعنی جائز ہے کہ بعض لوگ بعض کو خبر دیں تا کہ لوگ اس میت کے حق کو ادا کریں اور بعض لوگوں نے مکروہ جانا ہے یہ کہ گلی کوچوں اور بازاروں میں اس کا اعلان کیا جاوے اور صحیح یہ ہے کہ یہ اعلان مکروہ نہیں ہے جبکہ اس اعلان میں میت کی زیادہ تعریف نہ ہو۔''

جبکہ اعلان جنازہ کے لیے میت کا مرثیہ یا میت کے نام کا اعلان جائز ہے تو اعلان جنازہ کی نیت سے نعت شریف یا کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا کیوں حرام ہے؟ کہ اس میں جنازے کا اعلان بھی ہے اور حضور علیہ السلام کی نعت بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس جہر کو فقہاء منع فرماتے ہیں وہ ذکر بلا فائدہ ہے جبکہ اس سے کوئی فائدہ خاص ہو تو جائز ہے۔ اسی لیے علامہ شامی نے اسی بحث میں تاتارخانیہ سے نقل کیا۔

وَ اَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ الْجَنَائِزِ فَیَحْتَمِلُ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ النَّوْحُ اَوِ الدُّعَآءُ لِلْمَیِّتِ بَعْدَ مَا افْتَتَحَ النَّاسُ الصَّلٰوةَ وَ الْاِفْرَاطُ فِیْ مَدْحِهٖ کَعَادَةِ الْجَاهِلِیَّةِ بِمَا هُوَ یُشْبِهُ الْمُحَالَ وَ اَمَّا اَصْلُ الثَّنَاءِ عَلَیْهِ فَغَیْرُ مَکْرُوْهٍ

''لیکن جنازوں کے پاس بلند آواز کرنا اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد نوحہ کرنا یا میت کے لیے نماز شروع ہو چکنے کے بعد دعا کرنا یا اس کی تعریف میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی لیکن میت کی تعریف کرنا یہ مکروہ نہیں۔''

حاصل یہ ہوا کہ بے فائدہ بلند آواز کرنا منع ہے اور با فائدہ ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے فی زمانہ اس میں بہت سے وہ فائدے ہیں جو کہ عرض کر دیئے گئے۔ چوتھے یہ کہ اس ذکر سے ممانعت خاص اہل علم کو ہے اگر عوام مسلمین ذکر کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عوام کو ذکر الٰہی سے نہ روکو کیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکر الٰہی سے بے رغبت میں۔ اب جس قدر ذکر کریں کرنے دو۔ درمختار

باب صلوۃ العیدین میں ہے۔

وَلَا یُکَبِّرُ فِیْ طَرِیْقِهَا وَلَا یَتَنَفَّلَ قَبْلَهَا مُطْلَقًا وَ کَذَا لَا یَتَنَفَّلُ بَعْدَ هَا فِیْ مُصَلَّا هَا فَاِنَّهٗ مَکْرُوْهٌ عِنْدَ الْعَامَّةِ

”عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ عید سے پہلے نفل پڑھے اور نماز عید کے بعد بھی عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ عام فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔“

پھر فرماتے ہیں۔

هٰذَا لِلْخَوَاص اَمَّا الْعَوَّامُ فَلَا یُمْنَعُوْنَ مِنْ تَکْبِیْرٍ وَلَا تَنَفُّلٍ اَصْلًا لِقِلَّةِ رَغْبَتِهِمْ فِی الْخَیْرَاتِ۔

”یہ حکم خاص لوگوں کے لیے ہے لیکن عوام کو اس سے منع نہ کیا جاوے نہ تکبیر کہنے سے اور نہ نفل پڑھنے سے کیونکہ ان کی رغبت کار خیر میں کم ہے۔“

اس کے ماتحت شامی میں ہے اَیْ لَا سِرًّا وَّلَا جَهْرًا فِی التَّکْبِیْرِ یعنی ان کو آہستہ اور بلند آواز سے تکبیر کہنے سے نہ روکا جاوے۔ نیز ہم ذکر بالجہر کے بحث میں بحوالہ شامی باب العیدین ذکر کر چکے ہیں کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ بازاروں میں بلند آواز سے تکبیریں کہتے ہیں کیا ان کو منع کیا جاوے فرمایا کہ نہیں۔ ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض موقعوں پر خواص کو کسی خاص ذکر سے منع کیا جاتا ہے لیکن عوام کو روکنے کا حکم نہیں اس لیے فقہاء نے یہ تو فرمادیا کہ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کرو لیکن یہ نہ فرمایا کہ ذکر کرنے والوں کو اس سے روک بھی دو۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً تو یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے دوم یہ کہ پہلے زمانے کے لیے تھی اب یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ علت حکم بدل گئی۔ تیسرے یہ کہ چونکہ اس ذکر سے جنازہ کا اعلان ہے لہٰذا فائدے مند ہے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حکم خاص لوگوں کے لیے ہے عامۃ المسلمین اگر ذکر الٰہی کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے

اعتراض نمبر 2

جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے کیونکہ وہ چیختے جاتے ہیں ”رام رام ست ہے“ اور تم بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو اور کفار سے مشابہت ناجائز ہے لہٰذا اس سے منع ہے۔

جواب

کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں۔ ہم خدائے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی۔ کفار بت کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں ہم خدا کے نام پر۔ کفار گنگا سے گنگا کا پانی لاتے ہیں ہم مکہ معظمہ سے آب زمزم لاتے ہیں یہ مشابہت نہ ہوئی نیز جو کام کفار کے قومی یا مذہبی نشان بن گئے ہوں ان میں مشابہت کرنا منع ہے نہ کہ ہر کام میں اگر کافر بھی اپنے جنازوں کے آگے کلمہ پڑھنے لگیں تو شوق سے پڑھیں یہ اچھا کام ہے اور اچھے کام میں مشابہت بری نہیں ہوتی۔

اِعتراض نمبر 3

راستہ میں کلمہ طیبہ پڑھنا بے ادبی ہے کیونکہ گندگی وغیرہ ہوتی ہے لہٰذا یہ منع ہے۔

جواب

یہ اعتراض محض لغو ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ راستوں میں چلتے ہوئے ذکر جائز ہے۔ ہاں جو جگہ نجاست ڈالنے کے لیے بنائی گئی ہو وہاں ذکر بالجہر منع ہے جیسے کہ پاخانہ یا کوڑا (روڑی) شامی بحث قرأت عندالمیت میں ہے وَفِی الْقُنْیَۃِ لَا بَاسَ بِالْقِرَاۃِ رَاکِبًا اَوْ مَاشِیًا اِذَا لَمْ یَکُنْ ذٰلِکَ الْمَوْضِعُ مُعَدًّا لِلنَّجَاسَۃِ سوار یا پیدل چلتے ہوئے قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ جگہ نجاست کے لیے نہ بنائی گئی ہو۔ قرآن بغل میں لے کر راستہ سے گزرنا جائز ہے اور پاخانہ میں لے جانا منع ہے۔ نیز بقرعید کے دن حکم ہے کہ عیدگاہ کے راستے میں بلند آواز سے تکبیر تشریق کہتا ہوا جاوے۔ درمختار (باب الصلوٰۃ العیدین میں ہے وَیُکَبِّرُ جَهْرًا اِتِّفَاقًا فِی الطَّرِیْقِ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہے۔ حالانکہ راستے میں نجاست وغیرہ ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے جائز ہے۔ حالانکہ وہاں اکثر گندگی ہوتی ہے عالمگیری کتاب الکراہیت باب الصلوٰۃ والتسبیح میں اور عمدۃ الابرار مجموع النوازل، خانیہ، سراجیہ، ملتقط، تجنیس وغیرہ میں ہے وَاَمَّا التَّسْبِیْحُ وَالتَّهْلِیْلُ لَا بَاسَ بِذٰلِکَ وَاِنْ رَفَعَ صَوْتَہٗ یعنی حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے بھی جائز ہے۔

اِعتراض نمبر 4

جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنے میں گھر کی عورتیں اور بچے ڈر جاتے ہیں کیونکہ ان کو موت یاد آ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں لہٰذا بقاعدہ طبی بھی یہ منع ہونا چاہیئے۔

جواب

قرآن فرماتا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۳ آیت ۲۸) اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں مسلمانوں کو تو اس سے چین اور راحت ہوتا ہے۔ ہاں کفار ڈرتے ہوں گے۔ انکو ڈرنے دو کفار تو اذان سے بھی ڈرتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے اذان بند کی جاوے گی۔ ہاں اگر کسی حاذق طبیب نے لکھا ہو کہ کلمہ طیبہ کی آواز وبا کے اسباب میں ہے تو پیش کیا جاوے لیکن وہ طبیب مسلمان اور حاذق ہو۔ کوئی دیوبندی یا کہ وہمی طبیب نہ ہو وہمی باتوں کا اعتبار نہیں۔ ثابت ہوا کہ میت کے آگے بلند آواز سے ذکر بہت بہتر اور باعث برکت ہے۔ مخالفین کے پاس بجز غلط فہمی کے اور کوئی اعتراض قوی نہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ

خاتمہ کتاب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تک جس قدر مسائل میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں ان کی تحقیق کر دی گئی۔ لیکن ان مسائل مذکورہ میں بہت سے مسائل وہ ہیں جن پر ایمان کا دارومدار نہیں صرف کراہت اور استحباب میں ہی اختلاف ہے جن مسائل کی بناء پر عرب و عجم کے علماء نے دیوبندیوں کو کافر کہا وہ ان کے خلاف اسلامی عقائد ہیں ہم مسلمانوں کی واقفیت کے لیے ان عقائد کی فہرست پیش کرتے ہیں۔ اور ہر ایک

کے مقابل اسلامی عقیدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس فہرست میں ان کا جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ ان کی کتابوں میں چھپا ہوا موجود ہے اگر کوئی صاحب غلط ثابت کریں تو وہ انعام کے مستحق ہیں بعض صاحبوں کا اصرار تھا کہ ان عقائد باطلہ کی تردید بھی کردی جاوے مگر اس وقت کاغذ دستیاب نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم انشاء اللہ اس کتاب کی دوسری جلد تیار کریں گے جس میں ان عقائد ہی سے بحث ہوگی۔ فی الحال صرف فہرست پیش کرتے ہیں۔

دیوبندی عقائد	اسلامی عقائد
(۱) خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (مسئلہ امکان کذب) براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی جہد المقل مصنفہ محمود حسن صاحب	جھوٹ بولنا عیب ہے جیسے کہ چوری یا زنا کرنا وغیرہ اور رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۸۷) (قرآن کریم) نیز خدا کی صفات واجب ہیں نہ کہ ممکن لہٰذا خدا کے لیے سکنا کہنا بے دینی ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب چاہے غیب دریافت کرلے کسی ولی نبی جن فرشتے بھوت کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی)	خدائے پاک ہر وقت عالم الغیب ہے اس کا علم اسکی صفت ہے اور واجب ہے جب چاہے تب معلوم کرنیکا مطلب یہ ہوا کہ نہ چاہے تو جاہل رہے یہ کفر ہے خدا کی صفات خدا کے اختیار میں وہ واجب ہیں نیز رب نے اپنے محبوبوں کو بھی علوم غیبیہ عطا کئے (قرآن کریم)
(۳) خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور ماہیت سے پاک ماننا بدعت ہے ایضاح الحق مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی	خدائے قدوس جگہ اور زمانہ اور ترکیب و ماہیت سے پاک ہے نہ وہ کسی جگہ رہتا ہے نہ اس کی عمر ہے نہ وہ اجزاء سے بنا ہے اس کو دیوبندیوں نے بھی بے خبری میں کفر لکھ دیا (کتب علم کلام)
(۴) خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی جب بندے اچھے یا برے کام کر لیتے ہیں تب اس کو معلوم ہوتا ہے۔ بلغتہ الحیران صفحہ ۵۷ زیر آیت اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ط كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۶) مصنفہ مولوی حسین علی صاحب شاگرد مولوی رشید احمد صاحب	خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے اس کا علم واجب اور قدیم ہے جو ایک آن کے لیے کسی چیز سے اس کو بے علم مانے بے دین ہے۔ (عام کتب عقائد) دیوبندی خدا کے علم غیب کے بھی منکر ہیں تو اگر حضور علیہ السلام کے علم غیر کا انکار کریں تو کیا تعجب ہے؟

(۵) خاتم النبیین کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ آپ اصلی نبی ہیں باقی عارضی لہٰذا اگر حضور علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آ جاویں تو بھی خاتمیت میں فرق نہ آوے گا (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)	خاتم النبیین کے یہ ہی معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ ظہور میں یا بعد میں کسی اصلی، بروزی، مراقی، مذاقی کا نبی بننا محال بالذات ہے۔ اسی معنی پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ ہی معنی حدیث نے بیان فرمائے جو اس کا انکار کرے وہ مرتد ہے (جیسے کے قادیانی اور دیوبندی)
(۶) اعمال میں بظاہر امتی نبی کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)	کوئی غیر نبی خواہ ولی ہو یا غوث یا صحابی کسی کمال علمی و عملی میں نبی کے برابر نہیں ہو سکتا بلکہ غیر صحابی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ صحابی کا کچھ جو خیرات کرنا ہمارے صدہا من سونا خیرات کرنے سے بدرجہا بہتر ہے (حدیث)
(۷) حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر ممکن ہے (یکروزی مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی مطبوعہ فاروقی صفحہ ۱۴۴)	رب تعالیٰ بے مثل خالق ہے اور اس کے محبوب بے مثل بندے ہیں وہ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ہیں ان اوصاف کی وجہ سے آپ کا مثل محال بالذات ہے (دیکھو رسالہ امتناع النظیر مصنفہ مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی)
(۸) حضور علیہ السلام کو بھائی کہنا جائز ہے کیونکہ آپ بھی انسان ہیں (براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب و تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی)	حضور علیہ السلام کو الفاظ عام سے پکارنا حرام ہے اور اگر بہ نیت حقارت ہو تو کفر ہے (قرآن کریم) یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہنا ضروری ہے۔

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی است

(۹) شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے (براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب)	جو شخص کسی مخلوق کو حضور علیہ السلام سے زیادہ عالم مانے وہ کافر ہے (دیکھو شفا شریف) حضور علیہ السلام تمام مخلوق الٰہی میں بڑے عالم ہیں
(۱۰) حضور علیہ السلام کا علم بچوں، پاگلوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر ہے (حفظ الایمان مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب)	حضور علیہ السلام کے کسی وصف پاک کو ادنی چیزوں سے تشبیہ دینا یا ان کے برابر بتانا صریح توہین ہے اور یہ کفر ہے۔

(۱۱) حضور علیہ السلام کو اردو بولنا مدرسہ دیوبند سے آ گیا (براہین قاطعہ مولوی خلیل احمد صاحب)	رب تعالیٰ نے ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائیں اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو جو کہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ زبان فلاں مدرسہ سے آئی وہ بے دینی ہے۔
(۱۲) ہر چھوٹا بڑا مخلوق (نبی غیر نبی) اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب)	رب تعالیٰ فرماتا ہے وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۶۹) پھر فرماتا ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۳ آیت ۸) جو نبی کو خدا کے سامنے ذلیل جانے وہ خود چمار ہے ذلیل ہے۔
(۱۳) نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال لانا اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے (صراط مستقیم مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی)	جس نماز میں حضور پاک کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی نامقبول ہے اسی لیے التحیات میں حضور علیہ السلام کو سلام کرتے ہیں وہ بھی کوئی نماز ہے یارنہ ہو نماز ہو (دیکھو بحث حاضر و ناظر)
(۱۴) میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ پل صراط پر لے گئے اور کچھ آگے جا کر دیکھا کہ حضور گرے جا رہے ہیں تو میں نے حضور کو گرنے سے روکا (بلغۃ الحیران، مبشرات مصنفہ مولوی حسین علی صاحب شاگرد مولوی رشید احمد صاحب)	حضور علیہ السلام کے بعض غلام پل صراط سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ اور پل صراط پر پھسلنے والے لوگ حضور علیہ السلام کی مدد سے سنبھل سکیں گے آپ دعا فرمائیں گے۔ رَبِّ سَلِّمْ (حدیث) جو کہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کو پل صراط پر گرنے سے بچایا وہ بے ایمان ہے
(۱۵) مولوی اشرف علی صاحب نے بڑھاپے میں ایک کمسن شاگردنی سے نکاح کیا۔ اس سے پہلے ان کے کسی مرید نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اشرف علی کے گھر حضرت عائشہ صدیقہ آنے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی اشرف علی صاحب نے یہ کی کہ کوئی کمسن عورت میرے ہاتھ آوے گی کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح جب حضور علیہ السلام سے ہوا تو آپ کی عمر سات سال تھی وہ ہی نسبت یہاں ہے کہ میں بڈھا ہوں اور بیوی لڑکی ہے (رسالہ الامداد مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب ماہ صفر ۱۳۳۵ھ	حضور علیہ السلام کی ساری یاں مسلمانوں کی مائیں ہیں (قرآن کریم) خصوصاً صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وہ شان ہے کہ دنیا بھر کی مائیں ان کے قدم پاک پر قربان ہوں کوئی کمینہ آدمی بھی ماں کو خواب میں دیکھ کر جورو سے تعبیر نہ دے گا۔ یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سخت توہین بلکہ اس جناب کے حق میں صریح گالی ہے اس سے زیادہ اور کیا بے ایمانی اور بے غیرتی ہو سکتی ہے کہ ماں کو جورو سے تعبیر دی جاوے۔

عقائد دیو بندیہ کا یہ ایک نمونہ ہے اگر تمام عقائد بیان کیے جاویں تو اس کے لیے دفتر چاہیئے حق یہ ہے کہ رافضیوں اور خارجیوں نے تو ص
کرام یا اہل بیت عظام ہی پر تبراء کیا مگر دیو بندیوں کے قلم سے نہ خدا کی ذات بچی نہ رسول علیہ السلام اور نہ صحابہ کرام کی نہ ازواج مطہرا
سب کی اہانت کی گئی اگر کوئی شخص کسی شریف آدمی سے کہے کہ میں نے تمہاری والدہ کو خواب میں دیکھا اور اس کو بیوی سے تعبیر کیا تو وہ
کو برداشت نہیں کر سکتا ہم ان کے غلامان غلام اپنی صدیقہ ماں کے لیے یہ باتیں کس طرح برداشت کریں۔ صرف قلم ہاتھ میں ہے
لیے مسلمانوں کو مطلع کر دیتے ہیں تا کہ مسلمان ان سے علیحدہ رہیں یا وہ لوگ ان عقائد سے توبہ کریں۔

میرے شاگرد صاحبزادہ بلند اقبال عزیزی مولوی سید محمد شاہ صاحب سلمہٗ کا اصرار تھا کہ امکان کذب' امکان نظیر' دیو بندیوں کی عبارات
توضیحوں پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملتا اس لیے دیو بندیوں کے صرف عقائد پیش کر دیئے اور انشاء اللہ اسی کتا
کی دوسری جلد میں ان مذکورہ مسائل کی معرکتہ لآ را تحقیق کریں گے جس سے علمائے دیو بند کی منطق دانی کا بھی انشاء اللہ پتہ چل جا
گا۔ اور مولوی حسین احمد صاحب اور مولوی مرتضٰی حسن صاحب نے جو کچھ توجیہات عبارات کی ہیں ان کی حقیقت بھی معلوم ہو جاو
انشاء اللہ ہم اہل سنت پر الزام ہے کہ ہم لوگ پیر پرست ہیں۔ نبی علیہ السلام کو اور اپنے پیروں کو خدا سے ملا دیتے ہیں۔ لہٰذا مشرک ہیں
دکھاتے ہیں کہ خود دیو بندی کس درجہ کے پیر پرست ہیں۔ اور یہ حضرات اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی محمود الحسن صاحب نے ا
شیخ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے۔

تمہاری تربت انور کو دے کر طور سے تشبیہ   کہوں میں بار بار ارنی مری دیکھی بھی نادانی

مولوی رشید احمد صاحب کی قبر تو طور ہوئی اور مولوی محمود حسن صاحب ارنی فرمانے والے موسیٰ ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب رب
ہوں گے؟ اس میں تو اپنے شیخ کو رب بتایا۔ اسی مرثیہ میں فرماتے ہیں۔

زبان پر اہل اہوا کی ہے کیوں اُعل ھُبل شاید   اٹھا دنیا سے کوئی بانی اسلام کا ثانی

اس میں مولوی رشید احمد صاحب کو بانی اسلام محمد رسول اللہ ﷺ کا ثانی کہا گیا پھر فرماتے ہیں۔

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کہیئے عجب کیا   شہادت نے تہجد مین قدم بوسی کی گر ٹھانی

اس میں ان کو صدیق اور فاروق بھی بنایا۔ پھر فرماتے ہیں۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں   عبید اسود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے ماشاء اللہ ایسے حسین ہیں کہ ان کو یوسف ثانی کا لقب دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ از خ
تا فاروق کونسا درجہ باقی رہا جو کہ رشید احمد صاحب کو نہ دیا گیا۔ تمام مرثیہ ہی قابل دید ہے اس میں یہ شعر بھی ہے۔

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا   اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم!

اس شعر میں مولوی صاحب نے روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مرشد سے مقابلہ کا چیلنج دیا ہے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام آپ نے تو ایک کام ہی
یعنی مردوں کو زندہ کرنا۔ مگر میرے رشید احمد نے دو کام کیے مردوں کو زندہ کیا اور زندہ کو مرنے نہ دیا۔ یعنی اس میں مولوی رشید احمد صاح
کو عیسیٰ سے افضل بتایا۔

مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید نے مولوی صاحب موصوف کو لکھا کہ میں نے خواب کی حالت میں اس طرح کلمہ پڑھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْرَفُ عَلِي رَسُوْلُ اللّٰهِ چاہتا تھا کہ کلمہ صحیح پڑھوں مگر یہ ہی نکلتا تھا پھر بیدار ہو گیا تو درود شریف پڑھا تو یوں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا وَ مَوْلٰنَا اَشْرَفْ عَلِیْ۔ بیدار ہوں مگر دل بے اختیار ہے۔

اس کا جواب مولوی اشرف علی صاحب نے یہ دیا کہ اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔ ۲۴ شوال ۱۳۳۵ھ ماخوذ از رسالہ الامداد باب ماہ صفر ۱۳۳۶ھ صفحہ ۳۵ غور کرنا چاہیئے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا کلمہ پڑھ لو اور ان پر درود پڑھو مگر بے اختیاری زبان کا بہانہ کر دو۔ سب جائز ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور کہے کہ بے اختیار زبان سے نکل گیا طلاق ہو جاتی ہے یہ بہانا کافی نہ مانا گیا۔ اور اس کو پیر کے متبع سنت ہونے کی دلیل قرار دیا گیا۔

تذکرۃ الرشید صفحہ ۴۶ میں ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی بھاوج اپنے مہمانوں کا کھانا پکا رہی ہے کہ جناب رسول مقبول ﷺ تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اٹھ تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکاوے۔ اس کے مہمان علماء (یہی دیوبندی) ہیں اسکے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا (چشم بد دور)

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم کے آخر میں اپنے مرشد سید احمد صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے انکا داہنا ہاتھ خاص اپنے دست قدرت میں پکڑ کر امور قدسیہ سے بہت بلند اور نادر چیزیں ان کے سامنے پیش کیں اور پھر فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا سید احمد صاحب کو حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا اگر چہ وہ لکھو لکھا ہی کیوں نہ ہو ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے۔ اسی صراط مستقیم میں اولیاء کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں اور ان کو انبیاء کے ساتھ وہ ہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے کیونکہ ان کے درمیان میں من وجہ نبوت کا علاقہ ہے اور من وجہ اخوت کا یعنی اولیاء اللہ میں نبوت موجود ہے معاذ اللہ کہیئے آج تک کسی مرید نے اپنے پیر و مرشد کے لیے ایسی تعلیاں نہ کی ہوں گی۔ مگر ان حضرات پر فتویٰ شرک ہے نہ حکم کفر نہ یہ قبر پرست کہلائیں گے۔ جو کچھ عرض کیا گیا نہ تو اس سے اپنی علمی لیاقت کا اظہار منظور ہے نہ اپنی قابلیت دکھانا مقصود ہے میں کیا اور میری لیاقت کیا اور قابلیت کیا۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مرشدی و استاذی قبلہ عالم حامی دین، ناصر مسلمین مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی دام ظلہم الاقدس کے در کا صدقہ ہے مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے دوست و دشمن کو پہچانیں دولت ایمان کو دینی راہزنوں سے محفوظ رکھیں اور کوشش کریں کہ دنیا سے ایمان سلامت لے جاویں اور جو بھی اس سے فائدہ اٹھائے اس فقیر بے نوا کے لیے دعائے حسن خاتمہ کرے۔ مولیٰ تعالیٰ اسلام کا بول بالا فرمادے۔ مسلمانوں کو راہ مستقیم پر قائم رکھے اور اس فقیر حقیر کے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو قبول فرمادے آمین یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بِجَاہِ حَبِیْبِکَ الرَّؤُفِ الرَّحِیْمِ الْکَرِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَ نُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِہٖ وَ ھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

ناچیز **احمد یار خان نعیمی** اشرفی اوجھانوی بدایونی

سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان

۶ ذیقعدہ روز ایمان افروز دوشنبہ مبارکہ ۱۳۶۱ھ۔

اس کتاب کو لکھ چکنے کے بعد حضور امیر ملت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلہم کا گرامی نامہ تشریف لا کر باعث عزت افزائی ہوا۔ جس میں ایک ایمان افروز نہایت باریک علمی نکتہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور مجھے حکم ملا کہ وہ کتاب لکھ دوں۔ میں نہایت فخر سے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ جو لوگ حضور علیہ السلام کو اپنی طرح بشر کہتے ہیں وہ نور ایمانی سے بے بہرہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی شان تو بیان سے بالاتر ہے جس چیز کو اس ذات گرامی سے نسبت ہو جاوے اس کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا وہ بے مثل ہے قرآن فرماتا ہے۔ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۳۲) اے نبی کی بیویو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ معلوم ہوا کہ امت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے مثل امت ہے۔ مدینہ منورہ بے مثل شہر۔ قبر انور کی زمین بے مثل زمین۔ جو پانی سرکار علیہ السلام کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا وہ بے مثل پانی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسینہ مبارک بے مثل پسینہ غرض کہ جس کو ذات کریم سے نسبت ہوگئی وہ بے مثل و بے نظیر تو کیا وجہ ہے کہ منسوب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن کی یہ ساری بہار ہے وہ بے مثل نہ ہوں ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز   از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمتہ للعلمین   آں امام اولین و آخرین
بانوئے آں تاجدار ھل اتی   مرتضٰی مشکل کشا شیر خدا
مادر آں مرکز پرکار عشق   مادر آں قافلہ سالار عشق!
رشتہ آئین حق زنجیر پاست   پاس فرمان جناب مصطفیٰ است
ورنہ گرد تربتش گردیدمے   سجدہا بر خاک دے پاشیدمے

فاطمہ زہرا اس لیے افضل ہیں کہ نبی کی لاڈلی' ولی کی بیوی' شہیدوں کی ماں ہیں رضی اللہ عنہا سبحان اللہ کیا طرز استدلال ہے اعلیحضرت قدس سرہٗ نے خوب فرمایا۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ!   ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن بتاتا ہے کہ ایمان ہیں یہ   ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

احمد یار خان اوجھانوی عفی عنہ

ضمیمہ جاء الحق

قہر کبریا بر منکرین عصمتِ انبیاء

دیوبندیوں کی دریدہ دہنی اور توہین انبیاء نے لوگوں کو بارگاہ انبیاء میں بے ادبی کرنے پر دلیر کر دیا ہندوستان میں ایک فرقہ وہ بھی پیدا ہو گیا جو انبیائے کرام کو معاذ اللہ گنہگار بلکہ مشرک کافر بھی کہتا ہے کہ وہ سب حضرات خاکش بدہن پہلے مشرک و کفار تھے۔ اور گناہ کبائر کے مرتکب بھی۔ پھر توبہ کر کے نبی ہوئے میرے پاس صرف چوب قلم ہے اور کچھ اوراق جس سے ان عقائد باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور ناز کرتا ہوں کہ میری عزت وآبرو وزبان وقلم عظمت انبیاء کے لیے ڈھال بنے سیدنا حسان نے کیا خوب فرمایا

فَاِنَّ اَبِیْ وَوَالِدَتِیْ وَ عَرْضِیْ لِعَرْض مُحَمَّدٍ مِنْکُمْ وِ قَآءٗ

یہ رسالہ بہت دن ہوئے الفقیہ میں قسط وار شائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جاء الحق کے دوسرے ایڈیشن میں بطور ضمیمہ درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر نافع خلائق بنائے اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ

گناہ چند طرح کے ہیں۔ شرک، کفر، کبائر، صغائر، پھر صغائر دو قسم کے بعض وہ جو دنائت اور ذلت طبع پر دلالت کرتے ہیں، جیسے چوری، کم تولنا وغیرہ۔ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعیتیں ہیں عمداً اور سہواً۔ نیز انبیائے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے نبوت کے بعد۔ انبیائے کرام شرک، کفر، بدعقیدگی گمراہی اور ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلہٖ تعالیٰ معصوم ہیں کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمداً سہواً ایک آن کے لیے بھی بدعقیدہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں۔ مدارج اور مواہب میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس سے آدم علیہ السلام کا پیدائشی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر استاذ پڑھا لکھا ہونا بھی کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا۔

اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ قف ط اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۳۰)

”میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔“

نیز فرمایا:

وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا وَّبَرًّا م بِوَالِدَتِیْ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۳۱، ۳۲)

”یعنی مجھے تاحین حیات، نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا اور میں اپنی والدہ سے سلوک کرنے والا بھی ہوں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی حکمت نظری یعنی رب کی ربوبیت، اپنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے تھے اور

حکمت عملی، تہذیب اخلاق وتدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن شریف میں ہی اپنی کافر قوم پر توحید کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سبحان اللہ آفتاب وچاند تاروں کے ڈوبنے اوران کے حالات بدلنے کوان کی مخلوقیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا هٰذَا رَبِّیْ اے کافرو! کیا یہ میرا رب ہوسکتا ہے؟ اور ڈوبتا دیکھ کر فرمایا لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ بچپن شریف کی اس ساری گفتگو پاک پر بوعلی سینا اور فارابی کی ساری منطق قربان۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں۔ اَلْعَالَمُ مُتَغَیِّرٌ وَ کُلُّ مُتَغَیِّرٍ حَادِثٌ لِهٰذَا الْعَالَمُ حَادِثٌ پھر یوں کہتے ہیں کہ اَلْعَالَمُ حَادِثٌ وَ لَا شَیْئَ مِنَ الْحَادِثِ بِمَعْبُوْدٍ فَالْعَالَمَ لَیْسَ بِمَعْبُوْدٍ اس طرز استدلال کو رب نے پسندیدگی کی سند بخش کر فرمایا۔ وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ حضور سید الانبیاء ﷺ نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کرامت کی شفاعت فرمائی (مدارج ومواہب) معلوم ہوا کہ رب کواپنے کواپنے مراتب کواور اپنے درجات کو نیز امت مرحومہ کو جانتے پہچانتے پیدا ہوئے ہیں۔ بچپن میں بچوں نے کھیل کی رغبت دی۔ توانہیں وہ جواب دیا کہ جس پر ارسطو وافلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہ ہی ایک جواب انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے فرمایا مَا خُلِقْنَا لِهٰذَا ہم اس لیے پیدا نہیں ہوئے رب نے اس کی تائید یوں فرمائی کہ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۱ آیت ۵۶) خود فرماتے ہیں ﷺ كُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَ الطِّیْنِ ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب وگل میں جلوہ گر تھے۔ تفسیرات احمدیہ میں لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۲۴) کی تفسیر فرماتے ہیں اِنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْیِ وَ بَعْدَهٗ بِاِجْمَاعٍ انبیاء کرام وحی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اس مختصر گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں ان کا دامن عصمت گمراہی سے کبھی بھی داغدار نہیں ہوسکتا رہے گناہ ان کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام ارادۃً گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بعد۔ ہاں نسیاناً خطاً صادر ہوسکتے ہیں مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طرف سے انہیں متوجہ کردیا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے علیحدہ ہوجاتے ہیں گناہ صغائر میں سے ذلیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں جو دنائت اور چھچھورے پن پر دلالت کریں اور وہ صغائر جو ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہوسکتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں۔ رہے احکام تبلیغیہ ان میں کمی بیشی کرنے یا چھپانے سے پہلے ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہ تو جان بوجھ کر صادر ہو نہ خطاءً یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیائے کرام کے لیے ہے کہ ان سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہوسکتے ہیں مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ آپ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا۔ یعنی ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ نے کوئی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ عمداً نہیں کیا چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں آیت لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے لَاخِلَافَ لِاَحَدٍ فِیْ اَنَّ نَبِیَّنَا عَلَیْهِ السَّلَامُ لَمْ یَرْتَكِبْ صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً طُرْفَةَ عَیْنٍ قَبْلَ الْوَحْیِ وَ بَعْدَهٗ كَمَا ذَكَرَ اَبُوْحَنِیْفَةَ فِی الْفِقْهِ الْاَكْبَرِ تفسیر روح البیان آیت مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ کی تفسیر میں ہے۔

یَدُلُّ عَلَیْهِ اَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ قِیْلَ لَهٗ هَلْ عَبَدْتَّ وَ ثَنًا قَطُّ قَالَ لَا قِیْلَ هَلْ شَرِبْتَ خَمْرًا قَطُّ قَالَ لَا فَمَا زِلْتُ اَعْرِفُ اَنَّ الَّذِیْ هُمْ عَلَیْهِ كُفْرٌ۔

''یعنی حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔''

باب نمبر 1

عصمت انبیاء کا ثبوت

عصمت انبیاء قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اجماع امت دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار وہ ہی کرے گا۔ جس کے پاس دل و دماغ کی آنکھیں نہ ہوں۔

قرآنی آیات

(۱) رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت ۴۲)

اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں

(۲) شیطان نے خود بھی اقرار کیا تھا کہ

لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت ۳۹، ۴۰)

''کہ اے مولیٰ میں ان سب کو گمراہ کردوں گا سوا تیرے خاص بندوں کے''

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام تک شیطان کی پہنچ نہیں اور وہ انہیں نہ تو گمراہ کر سکے اور نہ بے راہ چلا سکے پھر ان سے گناہ کیونکر سرزد ہوں تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر ان کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانہ کے بے دین ان حضرات کو مجرم مانیں۔ یقیناً یہ شیطان سے بدتر ہیں

(۳) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا:

مَا کَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ

''ہم گروہ انبیاء کے لیے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شرک کریں۔''

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَآ اَنْهٰکُمْ عَنْهُ ط (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۸۸)

میں اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کروں خود کرنے لگوں۔

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام شرک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے یہ ہی عصمت کی حقیقت ہے

(۵) یوسف علیہ السلام نے فرمایا

وَ مَا اُبَرِّیُٔ نَفْسِیْ ج اِنَّ النَّفْسَ لَاَ مَّارَةٌ م بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ ط (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۵۳)

یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو برائی کا حکم کرتے ہیں سوائے ان نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس انبیاء ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کہ نفوس انہیں فریب دیتے ہی نہیں

(۶) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۳)

جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام سارے جہان سے افضل ہیں اور جہان میں تو ملائکہ معصومین بھی داخل ہیں۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۶ آیت ۶) وہ کبھی نافرمانی کرتے ہی نہیں۔ اگر انبیاء گنہگار ہوں تو ملائکہ ان سے بڑھ جائیں۔

(۷) رب تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ہمارا عہد نبوت ظالمین یعنی فاسقین کو نہ ملے گا معلوم ہوا کہ فسق و نبوت جمع ہو سکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیائے کرام کے اقوال کو نقل فرمایا

لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۶۱)

"اے میری قوم! مجھ پر بالکل گمراہی نہیں لیکن میں رب العلمین کا رسول ہوں۔"

لٰكِنِّیْ سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی نور و ظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث

(۱) مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا لہٰذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

(۲) اسی مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت ولادت شیطان مارتا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کو پیدائش میں چھو بھی نہ سکا معلوم ہوا کہ یہ دو پیغمبر شیطانی وسوسہ سے محفوظ ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ کتاب الغسل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوتا کہ اس میں شیطانی اثر ہے بلکہ ان کی بیبیاں بھی احتلام سے پاک ہیں۔

(۴) انبیائے کرام کو جمائی نہیں آتی کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے اس لیے اس وقت لاحول پڑھتے ہیں۔

(۵) مشکوٰۃ شریف باب علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک چاک کر کے اس میں ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نفس قدسیہ شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اسے ماء زمزم سے دھویا گیا۔

(۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گزرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جن پر پیغمبر کی نظر کرم ہو جائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھنا۔

اقوال علماء امت

ہمیشہ سے امت مصطفیٰ ﷺ کا عصمت انبیاء پر اجماع رہا سوا فرقہ ملعونہ حشویہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا چنانچہ شرح عقائد نسفی شرح فقہ اکبر، تفسیرات احمدیہ، تفسیر روح البیان، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، شفا شریف، نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ تفسیر روح البیان آیت مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۲) نہ تم کتاب جانتے تھے۔ کی تفسیر میں ہے فَاِنَّ اَهْلَ الْوُصُوْلِ اِجْتَمَعُوْعَلٰی اَنَّ الرُّسُلَ عَلَيْهِمِ السَّلَامُ۔

> كَانُوْ ا مُؤْمِنِيْنَ قَبْلَ الْوَحِیْ مَعْصُوْمِيْنَ مِنَ الْكَبَائِرِ وَ مِنَ الصَّغَائِرِ الْمُوْجِبَةِ لِنَفْرَةِ النَّاسِ عَنْهُمْ قَبْلَ الْبِعْثَتِ وَ بَعْدَ هَا فَضْلًا عَنِ الْكُفْرِ۔
>
> یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام وحی سے پہلے مومن تھے اور گناہ کبیرہ نیز ان صغائر سے جو نفرت کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے اور بعد بھی چہ جائیکہ کفر۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے۔

> اِنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحِیْ وَ بَعْدَهٗ بِالْاِجْمَاعِ وَ كَذَا عَنْ تَعَمُّدِ الْكَبَائِرِ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ۔
>
> ''انبیاء کرام کفر سے قبل وحی اور بعدہ بالاتفاق معصوم ہیں ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیدہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔''

غرض کہ امت مرحومہ کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اس کے لیے زیادہ عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

عقلی دلائل

عقل بھی یہ ہی چاہتی ہے کہ انبیائے کرام کفر و فسق سے ہمیشہ معصوم ہوں چند وجوہ سے

(۱) کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا شیطان کے اغوا سے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں نیز ان کے نفوس پاک ہیں اور وہ شیطانی اثر سے محفوظ ہیں۔ جب یہ تینوں وجہیں نہیں تو اب ان سے کفر اور فسق کیونکر سرزد ہو۔

(۲) فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں۔

(۳) فاسق کی مخالفت ضروری ہے اور نبی کی اطاعت فرض کہ بہر حال انکی فرمانبرداری کی جائے اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہے اور مخالفت بھی اور یہ اجتماع ضدین ہے۔

(۴) فاسق کی بات بلا تحقیق نہ ماننی چاہیئے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۶) اور نبی کی ہر طرح بات ماننی فرض ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ

یَکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۳۶) اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی بات بلاتحقیق ماننا بھی ضروری اور نا ماننا بھی۔ یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(۵) گنہگار سے شیطان راضی ہے اسی لیے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے اور نیک کار سے رحمان خوش اسی لیے وہ حزب اللہ میں سے ہے اگر پیغمبر ایک آن کے لیے بھی گنہگار ہوں تو معاذ اللہ وہ شیطانی گروہ میں سے ہوں گے اور یہ ناممکن ہے۔

(۶) فاسق سے متقی افضل رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۸ آیت ۲۸) اگر نبی کسی وقت گناہ کریں اور اس وقت اس کا امتی نیکی کر رہا ہو تو لازم آوے گا کہ امتی اس گھڑی نبی سے افضل ہو اور یہ باطل ہے کہ کوئی امتی ایک آن کے لیے بھی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔

(۷) بدعقیدہ کی تعظیم حرام ہے حدیث میں ہے

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ۔

''جس نے بدعقیدہ کی تعظیم کی اس نے اسلام ڈھانے پر مدد دی۔''

اور نبی کی تعظیم واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَ تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۹) اگر نبی ایک آن کے لیے بے دین ہوں تو ان کی تعظیم واجب بھی ہو اور حرام بھی۔

(۸) گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیلہ سے ہے رب فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۶۴) اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہو کر ان کے وسیلہ سے استغفار کرنے کی دعوت دی گئی۔ اگر خاکش بدہن آپ کا دامن عفت گناہوں سے آلودہ ہو تو بتاؤ پھر آپکا وسیلہ کون ہوگا؟ اور کس کے ذریعہ آپکی معافی ہوگی۔ جو سب مجرموں کا وسیلہ مغفرت ہو ضروری ہے کہ وہ جرموں سے پاک ہو اگر وہ بھی گنہگار ہو تو پھر ترجیح بلامرجح کا سوال پیدا ہوگا اور دور یا تسلسل لازم ہوگا۔

(۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے موتی کا ڈبہ بھی قیمتی ہوتا ہے اور سنہری زیورات کا بکس بھی قیمتی دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ دودھ خراب نہ ہو جائے کارخانہ قدرت میں نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے بہا نعمت ہے تو چاہیئے کہ اس کا ظرف یعنی انبیاء کے دل کفر و فسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک و صاف ہوں اسی لیے رب نے فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (پارہ ۸ سورۃ ۶ آیت ۱۲۴) اللہ ہی ان نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

(۱۰) فاسق اور فاجر کی خبر بغیر گواہی قابل اعتماد نہیں۔ اگر انبیائے کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صدہا گواہیوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابوخزیمہ انصاری نے اونٹ کے متعلق یہ ہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت، جنت و دوزخ، حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ان پر ایمان لائے تو اس زبان سے سنکر یہ کیوں نہ مان لیں کہ واقعی آپ نے اونٹ لیا ہے۔ جس کے انعام میں حضور نے ان ایک کی گواہی دو کے برابر کردی۔

بَابْ نمبر 2

عصمت انبیاء پر اعتراضات وجوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ اجمالی جواب عرض کیے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خودبخود اٹھ جائیں گے وہ یہ کہ عصمت انبیاء قطعی و اجماعی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور احاد ہیں وہ سب مردود کوئی بھی قابل اعتبار نہیں اگرچہ صحیح ہوں۔ تفسیر کبیر سورہ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ جو احادیث خلاف انبیاء ہوں وہ قبول نہیں راوی کو جھوٹا ماننا۔ پیغمبروں کو گنہگار ماننے سے آسان ہے اور وہ قرآنی آیات اور متواتر روایات جن سے ان حضرات کا جھوٹ یا کوئی اور گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب التاویل ہیں۔ کہ ان کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں گے یا کہا جائیگا کہ یہ واقعات عطائے نبوت سے پہلے کے تھے تفسیرات احمدیہ آیت لَا یَنَالُ عَھْدِیْ الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے وَ اِذَا تَقَرَّرَ ھٰذَا فَمَانُقِلَ عَنِ الْاَنْبِیَاءِ مِمَّا یَشْعُرُ بِکِذْبٍ اَوْ مَعْصِیَۃٍ فَمَا کَانَ مَنْقُوْلًا بِطَرِیْقِ الْاٰحَادِ فَمَرْدُوْدٌ وَ مَا کَانَ مَنْقُوْلًا بِطَرِیْقِ التَّوَاتِرِ فَمُصْرَفٌ عَنْ ظَاھِرِہٖ اِنْ اَمْکَنَ وَ اِلَّا فَمَحْمُوْلٌ عَلَی تَرْکِ الْاَوْلٰی اَوْ کَوْنِہٖ قَبْلَ الْبِعْثَتِ بلکہ مدارج النبوۃ شریف جلد اول باب چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آئتیں متشابہات کی مثل ہیں۔ جن میں خاموشی لازم دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس، غنی، علیم، قادر مطلق بلکہ تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہونا قطعی اجمالی ہے مگر بعض آئتیں ظاہری معنی کے لحاظ سے انکے بالکل خلاف ہیں رب فرماتا ہے یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۴۲) وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں رب انہیں اور فرماتا ہے مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہِ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے اور فرماتا ہے فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰہِ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۱۵) جدھر تم منہ کرو ادھر ہی رب کا منہ ہے فرماتا ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۱۰) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے فرماتا ہے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۳ آیت ۲) پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابری مکر اور دھوکہ سے پاک اور منزہ ہے اور ان آیتوں میں بظاہر یہ ہی ثابت ہو رہا ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ ان میں تاویل کی جائے بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کیے جائیں جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار مانے وہ بے ایمان ہے ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنی کر کے انبیائے کرام کو فاسق یا مشرک جانے وہ بے دین ہے ایک جواب ہی انشاء اللہ تمام اعتراضات کو جڑ سے کاٹ دے گا مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کیے دیتے ہیں۔

اِعتَراض نمبر 1

ابلیس نے بھی سجدہ نہ کر کے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام نے بھی گندم کھا کر یہ ہی جرم کیا۔ دونوں کو سزا بھی یکساں دی گئی کہ انہیں فرشتوں کی جماعت سے اور انہیں جنت سے خارج کر دیا گیا۔ جرم و سزا میں دونوں برابر ہوئے بعد میں آدم علیہ السلام نے توبہ کر کے معافی حاصل کی۔ ابلیس نے یہ نہ کیا معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہ تھے (ملحد شحنہ شریعت کانپور)

جواب

شیطان سجدہ نہ کرنے میں مجرم تھا اور سزایاب بھی ہوا۔ آدم علیہ السلام گندم کھانے میں نہ گنہگار تھے اور نہ ہی انہیں سزا دی گئی کیونکہ شیطان نے

دیدہ دانستہ سجدہ سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب کو غلط سمجھ کر اسکے بالمقابل گفتگو کرنے کی ہمت کی کہ بولا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۸ آیت ۷۶) جس کی سزا میں فرمایا گیا کہ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۸ آیت ۷۷، ۷۸) گویا زمین اس کے لیے کالے پانی کیطرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل وخوار اور لاحول کے کوڑے کھاتا پھرے۔ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا۔ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (پارہ ۱۶ سورۃ ۲۰ آیت ۱۱۵) کہیں فرمایا فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۳۶) کہیں فرمایا فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۰) غرض کہ اس واقعہ کا ذمہ دار تو شیطان کو بنایا اور ان کے متعلق فرمایا کہ دھوکہ کھ گئے ان سے خطا ہوگئی دھوکہ یہ ہوا کہ ان سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جانے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جائیے میں لا دیتا ہوں آپ کھا لیجیے گا۔ جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے۔ اور میں آپ کا خیر خواہ ہوں آپ سمجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ لَا تَقْرَبَا ممانعت تنزیہی سمجھے اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو۔ یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رہا زمین پر آنا۔ رب تعالیٰ نے انہیں زمین ہی کی خلافت کے لیے پیدا کیا تھا کہ فرمایا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۳۰) جنت میں تو کچھ روز اس لیے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر اسی طرح زمین کو آباد کریں گویا وہ جگہ ان کی ٹریننگ کی تھی کسی کو ٹریننگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ ان کو رلا کر اس لیے بھیجا گیا کہ تمام فرشتوں نے سوائے گریہ وزاری ساری عبادتیں کی تھیں اور درد دل ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ملائکہ سے افضل ہوا جنت کا بہانہ تھا درحقیقت اپنے عشق میں رلانا تھا۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ اطاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں
اے خیال یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا تو تو پردہ میں رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا۔

یہ راز وہ سمجھے جو لذت عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا۔ اُخْرُجْ مِنْهَا اور یہاں فرمایا گیا اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۳۸) جس میں بتایا گیا کہ تم کچھ عرصہ کے لیے زمین میں بھیجے جا رہے ہو۔ پھر اپنی کروڑ ہا اولاد کیساتھ واپس یہیں آؤ گے یعنی دو جا رہے ہو اور کروڑوں کو ساتھ لاؤ گے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہم کو جنت سے نہ نکالا۔ بلکہ ہم نے انہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیوں کہ ان کی پشت شریف میں کفار فساق سب ہی کی روحیں تھی جو کہ جنت کے قابل نہ تھے حکم ہوا کہ اے آدم نیچے جا کر خبثا کو چھوڑ آؤ۔ پھر آپ کی جگہ یہ ہی ہے (مرقات باب الایمان بالقدر وروح البیان آیت فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۳۶)

(۲) شیطان کا زمین پر آنا پردیس میں آنا ہے مگر آدم علیہ السلام کا یہاں آنا پردیس میں آنا نہیں کیونکہ آدم جسم اور روح کے مجموعے کا نام ہے۔ اور ان کا جسم کیونکہ زمین پر اور مٹی سے بنا ہے لہٰذا زمین ان کا وطن جسم ہوئے اور عالم ارواح گویا وطن روح۔ وطن روح سے وطن جسم کی طرف آئے جو انسان مر کر جنت میں گیا۔ وہ پردیس میں نہیں بلکہ وطن جسم سے وطن روح میں گیا۔ مگر شیطان کی پیدائش آگ سے ہوئی لہٰذا زمین اس کے لیے پردیس ہوا (۳) اگر آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا عذاب ہوتا تو یہاں انہیں خلیفہ نہ بنایا جاتا۔ ان کے سر پر تاج نبوت نہ رکھا جاتا ان کی اولاد میں انبیاء واولیاء۔ خصوصاً سید الانبیاء ﷺ پیدا نہ فرمائے جاتے ملزم کو معافی دے کر قید سے نکالتے ہیں۔

شاہی محل میں لاکر پھراس پر انعامات کی بارش کرتے ہیں نہ کہ جیل خانہ میں ہی رکھ کر۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی ظاہری خطا چھوٹوں کے لیے عطا ہوتی ہے دنیا اور یہاں کی ساری نعمتیں اس خطائے اول کا ہی صدقہ ہیں لطف یہ ہے کہ آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے لیے دانہ گندم خطا قرار دیا گیا۔ اوران کی اولاد کے لیے یہ ہی غذا تجویز ہوئی۔

اِعتراض نمبر 2

حضرت آدم وحوا نے اپنے ایک بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ حارث شیطان کا نام ہے اسکو قرآن کریم نے فرمایا۔ فَلَمَّآ اٰتٰھُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۹۰) جس سے معلوم ہوا کہ آدم عَلَیْہِ السَّلَام کا یہ کام بھی شرک تھا۔ ثابت ہوا کہ پیغمبر شرک بھی کر لیتے ہیں۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم وحوا مراد ہیں۔

جوَابْ

آدم عَلَیْہِ السَّلَام اس قسم کے عیب سے پاک ہیں معترض نے اس آیت میں دھوکا دیا ہے بہت سے مفسرین فرماتے ہیں کہ جَعَلَا کا فاعل قصی اوراسکی بیوی ہے کیونکہ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ جَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۸۹) کے معنی یہ ہیں کہ اے قریش رب نے تمہیں ایک جان یعنی قصی سے پیدا فرمایا۔ اوراس قصی کی بیوی اس کی جنس سے بنائی۔ قصی نے یہ غضب کیا کہ اپنے رب سے دعائیں کر کے بیٹا مانگا تھا۔ اوراس کا نام عبدالحارث رکھ دیا (تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں اور بعض نے فرمایا جَعَلَا میں مضاف پوشیدہ ہے اوراس کا فاعل اولاد آدم وحوا ہی ہیں یعنی آدم وحوا کی بعض اولاد نے شرک شروع کر دیا (دیکھو روح البیان ومدارک وغیرہ) اسی لیے آگے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۹۰) اگر یہ فعل حضرت آدم وحوا کا ہوتا تو یشرکان تثنیہ کا صیغہ ارشاد ہوتا۔ نیز ایک معمولی سی خطا یعنی گندم کھا لینے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہیئے تھا کہ شرک کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا لیکن بالکل نہ ہوا۔ حاکم کی یہ روایات بالکل معتبر نہیں کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور عصمت پیغمبر یقینی وقطعی ہے۔

اِعتراض نمبر 3

رب تعالیٰ فرماتا ہے وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی (پارہ ۱۶ سورۃ ۲۰ آیت ۱۲۱) آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے رب کی نافرمانی کی پس گمراہ ہو گئے اس سے آدم عَلَیْہِ السَّلَام کا گناہ اور گمراہی دونوں معلوم ہوئے۔

جوَابْ

یہاں مجازاً خطا کو عصیان فرمایا گیا اور غوٰی کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود پانا ہیں یعنی حیات دائمی کے لیے گندم کھایا تھا وہ ان کو حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ گندم سے بجائے نفع کے نقصان ہوا یعنی اپنے مقصد کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہ ہی آیت۔ جب رب نے ان کے بھول جانیکا بار بار اعلان فرمایا تو عصیٰ سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں تعارض پیدا کرنا ہے۔

اِعتراض نمبر 4

ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا ھٰذَا رَبِّیْ اور یہ صریحی شرک ہے معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ

کی۔

جواب

اس کا جواب مقدمہ میں گزرا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی ارشاد کیا کہ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۷۶) کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا وَ کَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۷۵) پھر ستارے دیکھنے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۸۳) اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عالم دیکھنے کے بعد ستاروں کا واقعہ اور رب نے اس کلام کی تعریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تعریف فرمانا کیسا پھر تو سخت عتاب ہونا چاہیئے تھا۔

اِعتراض نمبر 5

ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا اِنِّیْ سَقِیْمٌ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۷ آیت ۸۹) میں بیمار ہوں۔ خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھے پر فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ ق صلے كَبِیْرُهُمْ هٰذَا (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۶۳) اس بڑے بت نے یہ کام کیا اپنی بیوی سارہ کو فرمایا هٰذِهٖ اُخْتِیْ یہ میری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہیں۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بحالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں منہ سے کفر نکال دینے کی اجازت ہے اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۶ آیت ۱۰۶) جن موقعوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے وہاں یا تو خطرہ جان تھا یا خطرہ عصمت تھا وہ ظالم بادشاہ آپ سے حضرت سارہ کو جبراً چھیننا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کو خطرہ جان تھا اس لیے یہ فرمایا (روح البیان آیت بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ) لہٰذا یہ فعل گناہ نہ ہوا دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اس میں بعید معنی مراد لیے گئے ہیں جسے توریہ کہتے ہیں توریہ ضرورتاً جائز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائیگی دیکھو ایک شخص نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ ایک صحابی کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکوۃ باب المزاح) حضرت سارہ کو بہن کہنے سے دینی بہن مراد تھی نہ کہ نسبی جیسے کہ داوٗد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے بشکل مدعی مدعیٰ علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ هٰذَاۤ اَخِیْ قف لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۸ آیت ۲۳) یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں یہاں بھائی اور بکریوں کے مجازی معنی مراد ہیں ایسے ہی آپکا فرمانا کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ اس کے معنی ہیں کہ میں بیمار ہونے والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار جیسے کہ اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۹ آیت ۳۰) یا سَقِیْمٌ سے دلی بیماری یعنی ناراضی و رنج مراد ہے یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے اسی طرح بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ میں کبیر سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور هٰذَا سے اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹے معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا سمجھتے ہوئے نبی کا کام رب کا ہی کام ہے وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یا فَعَلَهٗ شک کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے کیا ہوگا

اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ سچ کا احتمال نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب نے یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند عطا فرمائی۔ چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا وَ لَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۵۱) الآیۃ معلوم ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد و ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں ارشاد فرمایا اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۷ آیت ۸۴، ۸۵) (الآیۃ) جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامت طبیعت پر دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

اعتراض نمبر 6

داؤد علیہ السلام نے پرائی عورت یعنی اوریا کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورہ ص میں ہے اور یہ فعل یقیناً جرم ہے۔

جواب

مؤرخین نے داؤد علیہ السلام کے قصہ میں کچھ زیادتی کر دی ہے اور جو کچھ احادیث احاد میں ہے وہ بھی نامقبول۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی داؤد علیہ السلام کا قصہ قصے کہانیوں کی طرح بیان کریگا اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤں گا یعنی تہمت کی سزا ۸۰ کوڑے ہیں اس کو دگنے لگیں گے۔ روح البیان سورہ ص قصہ داؤد' واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد علیہ السلام نے بھی اسے پیغام پر پیغام دے دیا۔ اس نے آپ کے ساتھ نکاح کر لیا اور یہ شخص نکاح نہ کر سکا چنانچہ تفسیرات احمدیہ آیت لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے وَ عَنْ دَاوٗدَ بِکَوْنِهٖ اِقْدَامًا عَلَی الْفِعْلِ الْمَشْرُوْعِ وَ هُوَ نِکَاحُ الْمَخْطُوْبَةِ لَا دِرِیَا لَا نَظْرُ ةُ مَنْکُوْحَةٍ چونکہ اس جائز کام سے بھی نبوت کی شان بلند و بالا ہے اس لیے رب تعالیٰ نے ان کے احترام کو زیادہ فرماتے ہوئے دو فرشتوں کو فرضی مقدمہ لے کر بھیجا اور انہوں نے اپنی طرف نسبت کر کے آپ سے فیصلہ کرا کر اشارتاً سمجھا دیا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے اور انبیاء کا رب تعالیٰ کے ہاں کتنا احترام ہے کہ نہایت عمدہ طریقے سے انہیں معاملہ سمجھایا گیا۔ رب تو ان کی عظمت فرمائے اور یہ بے دین ان حضرات پر نظر بد کا اتہام لگائے۔ خدا کی پناہ۔

اعتراض نمبر 7

یوسف علیہ السلام نے عزیز کی بیوی زلیخا سے گناہ کا ارادہ کیا جسے رب فرما رہا ہے وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۲۴) یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا ارادہ کر لیا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ دیکھو کتنا بڑا گناہ تھا جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہوا۔

جواب

یوسف علیہ السلام ارادہ گناہ تو کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہے کہ انہوں نے اسکا ارادہ کر لیا وہ کافر ہے روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے فَمَنْ نَسَبَ اِلَی الْاَنْبِیَآءِ الْفَوَاحِشَ کَالْعَزْمِ عَلَی الزِّنَاءِ وَنَحْوِهٖ الَّذِیْ یَقُوْلُهُ الْحَشْوِیَّةُ کَفَرَ لِاَنَّهٗ شَتْمٌ لَّهُمْ کَذَا فِی الْقُنْیَةِ رہا تمہارا اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ پر وقف کر دو اور هَمَّ بِهَا سے علیحدہ آیت شروع۔ معنی یہ ہوئے کہ بے شک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کر لیا اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ

دیکھتے۔ اب کوئی اعتراض نہ رہا یہ معنی نقلاً و عقلاً ہر طرح صحیح ہیں خازن نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے وَ لَوْ لَا اَنْ رَّءَا بُرْهَانَ رَبِّهٖ لَهَمَّ بِهَا مدارک شریک میں ہے کہ وَمِنْ حَقِّ الْقَارِیْ اِذَا قَدَرَ خُرُوْجَهٗ مِنْ حُكْمِ الْقَسَمِ وَ جَعَلَهٗ كَلَامًا بِرَاسِهٖ اَنْ يَّقِفَ عَلٰى بِهٖ وَ يَبْتَدِیْ بِقَوْلِهٖ وَهَمَّ بِهَا قاری کو چاہیئے کہ بِهٖ پر وقف کرے اور هَمَّ بِهَا سے آیت شریع کرے اور یہ ہی بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس مقام پر زلیخا کی تو تیاریاں بیان فرمائیں وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ ط (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۲۳) کہ اس نے آپکو ہر طرح راغب کرنے کی کوشش بھی کی اور بلایا بھی دروازہ بھی بند کرلیا۔ مگر یوسف علیہ السلام کی بیزاری و نفرت و عصمت کا ہی ذکر فرمایا۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ط اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۲۳)

”خدا کی پناہ وہ میرا مربی ہے اس کے مجھ پر احسانات ہیں ایسی حرکت ظلم ہے اور ظالم کامیاب نہیں۔“

اور پھر فرمایا كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۲۴) فحشاء سے زنا اور سوء سے ارادہ زنا مراد ہے معلوم ہوا کہ رب نے ارادہ زنا سے بھی ان کو محفوظ رکھا آخر کار زلیخا نے بھی یہ ہی کہا کہ

الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ز اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۵۱)

”کہ میں نے ہی انہیں رغبت دینے کی کوشش کی تھی۔“

وہ تو سچے ہیں بلکہ شیر خوار بچے سے بھی ان کی پاکدامنی اور زلیخا کی خطا کاری کی گواہی دلوادی کہ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۲۶) عزیز مصر نے بھی یہی کہا يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا سکتہ وَ اسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۲۹) اے زلیخا تم اپنے گناہ سے توبہ کرو تم ہی خطا کار ہو دیکھو شیر خوار بچے عزیز مصر خود زلیخا بلکہ خود رب تعالیٰ نے ان کے بے گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔ اگر زلیخا کی طرح وہ بھی ارادہ گناہ کرلیتے تو آپ بھی ملزم ہوتے اور یہ گواہیاں غلط ہو جاتیں اور وہاں صرف یہ ہوتا کہ زلیخا نے جرم کی ابتداء کی۔ مگر بعد میں آپ بھی اس میں شریک ہوئے نیز اگر یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کیا ہوتا تو ان کی توبہ اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔ تفسیر مدارک میں ہے وَلِاَنَّهٗ لَوْ وُجِدَ مِنْهُ ذٰلِكَ لَذُكِرَتْ تَوْبَتُهٗ وَ اِسْتِغْفَارُهٗ غرض کہ اس آیت کے یہ معنی کرنا بہت بہتر ہیں کہ وہ بھی ارادہ کرلیتے اگر رب کی برہان نہ دیکھتے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا لَوْ لَا کا جواب اس پر مقدم بھی ہو سکتا ہے جیسے آیت میں ہے اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۸ آیت ۱۰)۔ تفسیر کبیر آیت وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۲۴) دوسری تفسیر یہ ہے کہ بہ پر وقف نہ کرو بلکہ بِهَا تک ایک ہی جملہ مانو اور آیت کے معنی یہ ہوں کہ بے شک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا هَمّ کرلیا۔ لیکن اب ان دونوں ھموں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ هَمَّتْ بِهٖ میں ھم کے معنی ارادہ زنا ہیں هَمَّتْ بِهَا میں اس کے معنی ہیں قلب کی غیر اختیاری رغبت جس کے ساتھ قصد نہیں ہوتا یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور ان کے دل میں رغبت غیر اختیاری پیدا ہوئی جو نہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روزہ میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس طرف دل راغب تو ہوتا ہے مگر اسکے پی لینے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا صرف ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے اگر دونوں هَمُّوْں کے ایک ہی معنے ہوتے تو دو جگہ یہ لفظ نہ بولا جاتا بلکہ وَلَقَدْ هَمَّا تثنیہ سے کہہ دینا کافی تھا یعنی ان دونوں نے قصد کرلیا دیکھو مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهِ (پارہ ۳ سورۃ ۳

آیت۵۴) کہ یہاں پہلے مکر کے معنی ہی اور ہیں اور دوسرے مکر کا مقصد ہی کچھ اور اور تفسیر خازن میں ہے قَالَ الْاِمَامُ فَخْرُ الدِّیْنِ اِنَّ یُوْسُفَ عَلَیْهِ السَّلَامُ کَانَ بَرِیْئًا مِنَ الْعَمَلِ الْبَاطِلِ وَ الْهَمِّ الْمُحَرَّمِ خیال رہے کہ زلیخا نے دروازہ پر عزیز مصر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام کو زنا کی تہمت نہ لگائی بلکہ ارادہ زنا کی کہ کہا قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ (پارہ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت۲۵) جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اسکی سزا جیل کے سوا اور کیا ہے۔ اسی کی تردید یوسف علیہ السلام نے فرمائی کہ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ (پارہ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۲۶) بدکاری کا ارادہ اسی نے کیا تھا۔ اس کی تردید شیر خوار بچے نے بھی کی اور اس کی تردید خود عزیز مصر نے قمیض مبارک پھٹی ہوئی دیکھ کر کی کہ کہا اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ (پارہ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۲۸) اور اس کی تردید مصری عورتوں نے بھی کی اور اس کی تردید آخر کار خود زلیخا نے بھی کر کے اپنا جرم قبول کر لیا اور اگر هَمَّ بِهَا کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے زلیخا کی تائید کی اور ان سب حضرات کی تردید اور یہ کلام کے مقصد کے خلاف ہے یہ تقریر بہت خیال رہے انشاءاللہ کام آئے گی۔

اِعتَراض نمبر 8

موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو جان سے مار دیا اور فرمایا هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ط (پارہ۲۰ سورۃ ۲۸ آیت ۱۵) کہ یہ شیطانی کام ہے معلوم ہوا کہ آپ نے ظلماً قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔

جواب

آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا بلکہ قبطی ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑانا تھا جب قبطی نے نہ چھوڑا آپ نے ہٹانے کے لیے چپت لگا دی۔ وہ طاقت نبی کی نہ برداشت کر سکا مر گیا تو یہ قتل خطا ہوا اور انبیاء سے خطا ہو سکتی ہے نیز یہ واقعہ عطائے نبوت سے پہلے کا ہے روح البیان میں ہے کَانَ هٰذَا قَبْلَ النُّبُوَّةِ نیز وہ قبطی کافر حربی تھا جس کا قتل جرم نہیں آپ نے تو ایک ہی قبطی کو مارا۔ کچھ دنوں کے بعد تو سارے ہی قبطی غرق کر دیئے گئے۔ رہا فعل کو عمل شیطان فرمانا۔ یہ آپ کی انتہائی کسر نفسی اور عاجزی کا اظہار ہے کہ خلاف اولیٰ کام کو بھی اپنی خطا سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا جب قبطیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا فَغَفَرَ لَهٗ اور اپنی خطا سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا جب قبطیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا فَغَفَرَ لَهٗ اور ظَلَمْتُ نَفْسِیْ سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خطا پر بھی بولے جاتے ہیں یا ہذا سے قبطی کا ظلم مراد ہے یعنی یہ ظلم شیطانی کام ہے۔

اِعتَراض نمبر 8

رب تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی (پارہ۳۰ سورۃ ۹۳ آیت ۷) معلوم ہوا کہ آپ بھی پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی۔

جواب

یہاں جو کوئی بھی ضال کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَ مَا غَوٰی (پارہ ۲۷ سورہ ۵۳ آیت ۲)

''تمہارے محبوب ﷺ نہ کبھی گمراہ ہوئے نہ بہکے۔''

یہاں ضال کے معنی وارفتہ محبت الٰہی ہیں اور ہدایت سے مراد درجہ سلوک ہے یعنی رب نے آپکو اپنی محبت میں سرشار اور وارفتہ پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا۔ برادران یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۹۵) یا اِنَّکَ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ یہاں ضلال بمعنی وارفتگی محبت ہیں۔ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوۃ جلد اول باب پنجم میں فرمایا کہ عربی میں ضال وہ اونچا درخت ہے جس سے لگے ہوئے لوگ ہدایت پائیں یعنی اے محبوب ہدایت دینے والا بلند و بالا درخت رب نے تمہیں کو یہ کہ جو عرش فرش ہر جگہ نظر آئے لہٰذا تمہارے ذریعہ خلقت کو ہدایت دے دی یعنی ہدٰی کا مفعول عام لوگ ہیں نہ کہ نبی ﷺ اور بھی اس کے بہت سے معنی کئے گئے ہیں۔

اِعتراض نمبر 10

رب فرماتا ہے لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۲) یعنی رب تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے۔ معلوم ہوا کہ آپ گنہگار تھے۔ حضور علیہ السلام بھی ہمیشہ اپنے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے اگر گنہگار نہ تھے تو استغفار کیسی؟

جواب

اس کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ مغفرت سے مراد عصمت اور حفاظت ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ گناہوں سے محفوظ رکھے۔ روح البیان اَلْمُرَادُ بِالْمَغْفِرَةِ الْحِفْظُ وَ الْعِصْمَةُ اَزْلًا وَ اَبَدًا فَیَکُوْنُ الْمَعْنِیْ یَحْفِظُكَ وَ یَعْصِمُكَ مِنَ الذَّنْبِ الْمُتَقَدَّمِ وَ الْمُتَاَخَّرِ دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے کی خطائیں مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ ذنبك میں ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی آپ کی امت کے گناہ جیسے کہ لك فرمانے سے معلوم ہوا۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری امت کے گناہ معاف کرے اگر آپ کے گناہ مراد ہوتے تو لك سے کیا فائدہ ہوتا (روح البیان و خازن) اس آیت کی تفسیر دوسری آیت ہے وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۶۴) کبھی گناہ کی نسبت گناہ گار کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف جیسے مقدمہ کبھی مجرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کی طرف کہ وکیل کہتا ہے کہ یہ میرا مقدمہ ہے جس کا میں ذمہ دار ہوں یہاں نسبت دوسری طرح کی ہے یعنی آپ کے ذمہ والے گناہ جن کی شفاعت کے آپ ذمہ دار ہیں۔

اِعتراض نمبر 11

حضور علیہ السلام سے رب نے فرمایا وَلَوْ لَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۴) اگر ہم آپ کو نہ ثابت قدم رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کفار کی طرف کچھ مائل ہو چلے تھے، مگر رب نے روکا۔ اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس میں شرط و جزا ہے یعنی یہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں دونوں مقدموں کو ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۳ آیت ۸۱)، اگر رب کے بیٹا ہوتا تو اس کا پہلا پجاری میں ہوتا۔ نہ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نہ آپ کا انکی طرف مائل ہونا ممکن۔ دوسرے یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ کو پہلے ہی سے معصوم اور ثابت قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ ان کی طرف کسی قدر جھکنے کے قریب ہو جاتے کیونکہ ان کے مکر و فریب بہت سخت خطرناک تھے یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہٰذا آپ کفار کی طرف نہ جھکے بلکہ جھکنے کے قریب بھی نہ ہوئے۔ اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوئی۔ دیکھو خازن، مدارک، روح البیان، تیسرے یہ کہ ایک تو حضور علیہ السلام کی طبیعت مبارکہ ہے دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الٰہی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت و عصمت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی آپ کی فطرت پاک عیب اور گناہوں سے ایسی پاک ہے جس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کیونکہ اپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے۔ یعنی اگر ہم آپ کو معصوم نہ بھی بناتے تب بھی آپ کفار سے ملتے نہیں، ان کی طرف جھکتے نہیں بلکہ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے اب جبکہ فطرت سلیمہ پر رب کا یہ کرم ہوا کہ آپ کو معصوم بھی بنایا، سر مبارک پر نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ کسی قصور کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کی تفسیر روح البیان میں ہے اِنَّمَا سَمَّاهُ قَلِيْلًا لِاَنَّ رُوْحَانِيَةَ النَّبِيِّ كَانَتْ فِيْ اَصْلِ الْخِلْقَتِ غَالِبًا عَلَى الْبَشَرِيَّةِ اِذْلَمْ يَكُنْ حِيْنَئِذٍ لِرُوْحِهٖ شَیْءٌ يَحْجُبُهٗ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَالْمَعْنٰى لَوْلَا التَّثَبُّتُ وَ قُوَّةُ النُّبُوَّةِ وَ نُوْرِ الْهِدَايَةِ وَ اَثَرُ نَظَرِ الْعِنَايَةِ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنَ۔

اِعتراض نمبر 12

رب تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ (پارہ ۳۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۲) اے نبی علیہ السلام آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام پیدائشی عاف باللہ نہیں اپ کو تو ایمان کی خبر بھی نہ تھی۔

جواب

اس کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت یعنی اٹکل اور قیاس سے جاننے کی نفی ہے پوری آیت یہ ہے وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۲) یعنی ہم نے آپ پر اپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ خود بخود نہیں جانتے تھے یعنی اس علم کا ذریعہ وحی الٰہی ہے نہ کہ محض اٹل و قیاس۔ دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں بیان ہو رہا بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح اور سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا پھر اس پر علوم کے نقش و نگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم ارواح میں ہی نبی تھے خود فرماتے ہیں کہ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَ الطِّيْنِ ہم اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گر تھے۔ تیسرے یہ کہ اس سے ایمان اور قرآن کے تفصیلی احکام مراد ہیں۔ یعنی آپ وحی سے پہلے احکام اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے۔ اَیِ الْاِیْمَانُ بِتَفَاصِيْلِ مَا فِیْ تَضَاعِيْفِ الْكُتُبِ پھر فرماتے ہیں لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَفْضَلُ مِنْ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ قَدْ اُوْتِیَ كُلَّ الْحِكْمَةِ وَ الْعِلْمِ صَبِيًّا یعنی نبی علیہ السلام یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور انہیں تو علم و حکمت بچپن ہی میں عطاء ہوگئی تھی۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ بچپن

شریف میں علم سے خالی رہے ہوں۔

اِعتراض نمبر 13

رب فرماتا ہے فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۳۶) آدم وحوا علیہما السلام کو شیطان نے پھسلا دیا۔ معلوم ہوا کہ شیطان کا داؤ انبیاء پر چل جاتا ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ شیطان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

جواب

ہم نے یہ کہا ہے کہ شیطان انہیں گمراہ نہیں کرسکتا اور نہ ان سے عمداً گناہ کبیرہ کرا سکتا ہے اس نے خود کہا تھا لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت ۳۹، ۴۰) اور یہاں ہے فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ گمراہی اور چیز ہے اور پھسلانا اور چیز ہے

اِعتراض نمبر 14

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بہت سے لوگوں نے پیغمبر مانا ہے حالانکہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کیے۔ بے قصور بھائی کو ستانا آزاد بھائی کو بیچ کر اس کی قیمت کھانا اپنے والد سے جھوٹ بول کر انہیں چالیس سال رلانا غرضیکہ جرموں کی انتہاء کردی اور پھر بھی نبی ہوئے معلوم ہوا نبی کا معصوم ہونا شرط نہیں۔

جواب

جمہور علماء نے انہیں پیغمبر نہ مانا۔ ہاں ایک جماعت نے کچھ ضعیف دلائل سے ان کی نبوت کا وہم کیا ہے اسی لئے ہم نے مقدمہ میں عرض کیا کہ انبیاء کرام کا نبوت سے پہلے بدعقیدگی سے پاک ہونا اجماعی مسئلہ ہے اور گناہ کبیرہ سے پاک ہونا جمہور کا قول ہے اور بعد نبوت گناہ کبیرہ سے پاک ہونے پر بھی اجماع ہے ان حضرات کی نبوت کسی صریحی آیت یا قول یا حدیث یا قول صحابی سے ثابت نہیں۔ رب نے یہ فرمایا ہے وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَعَلٰۤی اٰلِ یَعْقُوْبَ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۶) یہاں نعمت سے نبوت مراد نہیں اور نہ آل یعقوب سے انکی صلبی ساری اولاد مراد ہے۔ رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ (پارہ ۶ سورۃ ۵ آیت ۳) بعضوں نے کہا کہ رب فرماتا ہے وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۳۶) یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی سب صاحب وحی تھے۔ مگر یہ بھی کمزور سی بات ہے کیونکہ نہ تو انزل میں بلاواسطہ وحی آنیکا بیان ہے اور نہ اس کی کوئی دلیل ہے کہ اسباط ان کے بیٹوں کا ہی لقب ہے رب فرماتا ہے قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۸۴) یہاں اُنْزِلَ عَلَیْنَا کا مطلب یہ نہیں کہ ہم سب پر وحی آئی اور ہم سب پیغمبر ہیں اور اسباط بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا لقب ہے اور واقعی ان میں انبیاء آتے رہے رب فرماتا ہے وَ قَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا تفسیر روح المعانی میں اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۵) کی تفسیر میں ہے فَالَّذِیْ عَلَیْهِ الْاَكْثَرُوْنَ سَلَفًا وَ خَلَفًا اَنَّهُمْ لَمْ یَكُوْنُوْا اَنْبِیَاءَ اَصْلًا فَلَمْ یَنْقُلْ مِنَ الصَّحَابَةِ اَنَّهٗ قَالَ بِنُبُوَّتِهِمْ اسی طرح تفسیر روح البیان وغیرہ نے بھی ان کی نبوت کی بہت تردید کی ہے۔ ہاں وہ سب حضرات توبہ کے بعد اولیاء اللہ بلکہ پیغمبر کے صحابی ہوئے انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں تاروں کی شکل میں دیکھا کیونکہ وہ صحابی نبی تھے حضور فرماتے ہیں اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ نیز ان کے یہ سارے گناہ یعقوب علیہ السلام کی محبت

حاصل کرنے کے لیے تھے۔ پھر انہوں نے ان سے بھی اور یوسف علیہ السلام سے بھی معافی حاصل کر لی اور ان دونوں حضرات نے ان کے لیے دعائے مغفرت کی لہٰذا یہ مغفور ہوئے۔ ان کی شان میں گستاخی سخت محرومی کی علامت ہے، قابیل نے ایک عورت کی محبت میں گناہ کیا اور پھر آدم علیہ السلام سے معافی بھی حاصل نہ کر سکا لہٰذا وہ بے ایمان رہا اور یہ ایماندار ہوئے۔

اعتراض نمبر 15

قرآن کریم سے ثابت ہے کہ زلیخا نے پہلے ارادہ زنا کیا جو کہ سخت جرم ہے اور تم کہہ چکے ہو کہ نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوتی تو زلیخا یوسف علیہ السلام کی بیوی کیونکر ہو سکتی ہے۔ وہ فاحشہ بدکار تھی لہٰذا یا تو مانو کہ ان کا نکاح نہ ہوا یا یہ قاعدہ غلط ہے۔

نوٹ

گجرات کے بعض جاہل دیوبندیوں نے حضرت زلیخا کے زوجہ یوسف علیہ السلام ہونیکا انکار کیا اور ان کی شان میں سخت گندے الفاظ بکے۔ انہیں کا یہ اعتراض ہے۔

جواب

حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی زوجہ اور قابل احترام بیوی ہیں ان کا یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آنا مسلم و بخاری کی حدیث اور عام تفاسیر سے ثابت ہے انہیں سے یوسف علیہ السلام کے فرزند پیدا ہوئے افرائیم اور میشا۔ تفسیر خازن، تفسیر مدارک، مدارک معالم التنزیل وغیرہ میں اس کی تصریح ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ اور اپنی دوسری ازواج پاک سے فرمایا اِنَّکُنَّ لَاَنْتُنَّ کَصَوَاحِبِ یُوْسُفَ تم تو یوسف علیہ السلام کی بیوی کی طرح ہو گئیں یعنی زلیخا کی۔ صواحب صاحب کی جمع ہے صاحبہ بیوی کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے وَلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۱۰۱) آپ نہ تو فاحشہ تھیں نہ آپ سے زنا جیسا گناہ کبھی صادر ہوا بیوی زلیخا سے ارادہ جماع بے خودی، عشق کی حالت میں ہو گیا، جمال یوسف نے انہیں وارفتہ و دیوانہ بنا دیا۔ اس والہانہ حالت میں یہ ارادہ کر بیٹھیں، جب مصری عورتوں نے اسی جمال سے بیخود ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو اگر حضرت زلیخا نے اس حسن پر فریفتہ ہو کر دامن صبر چاک کر دیا تو کیا تعجب ہے؟ پھر ان تمام خطاؤں سے توبہ کر لی، یہ بھی خیال رہے کہ زلیخا نے صرف یوسف علیہ السلام سے ہی رغبت کی نہ کسی دوسرے سے۔ رب نے انہیں ہر طرح محفوظ رکھا۔ ہم نے انبیاء کی بیویوں کو زنا اور فحش سے محفوظ مانا ہے نہ کہ معصوم۔ حضرت زلیخا نے یہ گناہ کر کے توبہ کر لی کہ عرض کیا اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۵۱) زلیخا نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اقرار جرم توبہ ہے اسی لیے رب نے زلیخا کی خطا کا ذکر تو فرما دیا لیکن اس پر عتاب یا عذاب کا ذکر نہ کیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان کے گناہ کی معافی ہو چکی۔ اب ان کی خطاؤں کا بے ادبی کے طور پر ذکر کرنا سخت برا ہے ان سے زنا یا فحش کبھی صادر نہ ہوا۔ نہ معلوم دیوبندیوں کے کس شیطان نے عقل ماردی کہ ان کا حملہ ہمیشہ انبیائے کرام کی عزت و آبرو پر ہوتا ہے۔ حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی اہل بیت ہیں ان کی توہین اس باکمال پیغمبر کی توہین ہے رب تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔

خاتمہ

خیال رہے کہ رب تعالیٰ انبیائے کرام کا رب ہے اور وہ حضرات اس کے پیارے بندے رب جس طرح چاہے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے اپنی نیازمندی اور بندگی کا اظہار کریں ہمیں کسی طرح حق نہیں کہ ان کی لغزشوں کا بیان کرتے پھریں یا گستاخیاں کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرلیں۔ رب تعالیٰ نے ہم کو ان کی تعظیم وتوقیر کا حکم دیا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام چونکہ مصر میں بظاہر فروخت ہوئے تھے۔ اہل مصر سمجھے تھے کہ یہ عزیز مصر کے زرخرید ہیں۔ رب تعالیٰ نے اسی داغ کو ان کے دامن سے مٹانے کے لیے سات سال کی عام قحط سالی بھیجی پہلے سال میں سب نے آپ کو روپیہ پیسہ دیکر غلہ خریدا دوسرے سال زیور وجواہرات دے کر تیسرے سال جانور اور چوپائے دے کر چوتھے سال اپنے غلام باندیاں دے کر پانچویں سال اپنے مکانات وزمین دے کر چھٹے سال اپنی اولاد دے کر ساتویں سال مصر والوں نے اپنے کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے لونڈی غلام بنتے ہیں۔ ہمیں غلہ دو۔ تب آپ نے ان پر احسان فرمایا (مدارک وروح البیان) یہ کیوں ہوا۔ صرف اس لیے کہ سارے مصر والے آپ کے غلام بن گئے تو اب انہیں غلام کون کہے۔ پتہ چلا کہ ایک پیغمبر کی عظمت برقرار رکھنے کے لیے سارے جہان کو مصیبت میں ڈالا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ سورہ عبس پڑھتا تھا۔ آپ کو پتہ لگا تو اسے قتل کرا دیا دیکھو روح البیان تفسیر سورہ عبس اس سورۃ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی نعت ہے رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔ انہوں نے انبیاء کرام پر بکواس بکنے کی جرات پیدا کر دی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَ نُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

لمعات المصابیح علی رکعات التراویح

باب نمبر 1

بیس رکعت نماز تراویح کا ثبوت

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ثبوت قرآن پاک کی ترتیب واحادیث صحیحہ واقوال علماء اور عقلی دلائل سے دیتے ہیں (۱) قرآن پاک میں سورتیں بھی ہیں آیتیں بھی اور رکوع بھی۔ وہ مضمون جس کا کوئی نام رکھ دیا گیا ہو وہ سورت کہلاتا ہے اور قرآن مجید کا وہ جملہ جس کا علیحدہ نام نہ ہو آیت کہلاتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں کیونکہ سورت کے معنی احاطہ کرنے والی چیز ہے اور آیت کے معنی ہیں نشانی۔ سورۃ چونکہ ایک مضمون کو گھیرے ہوتی ہے جیسے شہر پناہ (سورۃ البلد) اور آیت قدرت الٰہی کی نشانی ہے اس لیے ان کے یہ نام ہوئے۔ مگر رکوع کے معنی ہیں جھکنا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآنی رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں۔ کتب قرأۃ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے اس حصہ کا نام رکوع رکھا

گیا یعنی ان حضرات کے رکوع کرنے کے مقام اتنا پڑھ کر رکوع ہوا اور چونکہ تراویح بیس رکوع پڑھی جاتی تھیں اور ستائیسویں رمضان کو ختم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کے کل ۵۴۰ رکوع ہونے چاہئیں۔ لیکن ختم کے بعد بعض رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھ لی جاتی تھیں اس لیے قرآن کریم کے ۵۵۷ رکوع ہوئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو رکوع ۲۱۶ ہونے چاہیے تھے قرآنی رکوعات کی تعداد بتا رہی ہے کہ تراویح بیس رکعت ہونی چاہئیں کیا وہابی آٹھ رکعت تراویح مان کر رکوعات قرآنی کی وجہ بتا سکیں گے۔ (۲) تراویح جمع ترویحہ کی ہے جس کے معنی ہیں جسم کو راحت دینا۔ چونکہ ان میں ہر چار رکعت پر کسی قدر راحت کے لیے بیٹھتے ہیں اس بیٹھنے کا نام ترویحہ ہے اس لیے اس نماز کو تراویح کہا جاتا ہے یعنی راحتوں کو مجموعہ اور تراویح کا جمع ہے۔ جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتی تو اس کے درمیان میں ایک ترویحہ آتا پھر اس کا نام تراویح نہ ہوتا۔ تین ترویحوں کے لیے کم از کم سولہ رکعت تراویح چاہیئے جن میں ہر چار رکعت کے بعد ایک ترویحہ ہو اور وتر سے پہلے کوئی ترویحہ نہیں ہوتا۔ تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی تردید کرتا ہے (۳) ہر دن میں بیس رکعت نماز ضروری ہے سترہ فرض اور تین وتر، دو فرض فجر میں، چار ظہر میں، چار عصر میں، تین مغرب میں اور چار عشاء میں رمضان شریف میں رب تعالیٰ نے ان بیس رکعات کی تکمیل کے لیے بیس رکعت تراویح اور مقرر فرما دیں جس کی ہر رکعت ان کی ہر رکعت کی تکمیل کرے غیر مقلد شاید نماز پنجگانہ بھی آٹھ رکعت ہی پڑھتے ہوں گے۔ ورنہ آٹھ تراویح کو ان بیس رکعت سے کیا نسبت۔ خیال رہے کہ حضور نبی کریم نے نماز تراویح با جماعت پابندی سے ادا نہ فرمائی۔ صرف دو دن ادا کیں اور بعد میں فرمادیا کہ اگر اس پر پابندی کی گئی تو فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ جس سے میری امت کو دشواری ہو گی۔ لہٰذا تم لوگ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کرو۔ بعض لوگ تو کہتے ہیں کے نماز تہجد ہی تھی جو ماہ رمضان میں اہتمام سے ادا کرائی گئی اسی لیے صحابہ سحری کے آخری وقت اس سے فارغ ہوتے۔ زمانہ صدیقی میں بھی اس کا با قاعدہ انتظام نہ فرمایا گیا۔ بعض لوگ متفرق طور پر پڑھ لیتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اہتمام فرمایا اور بیس رکعت تراویح مقرر فرمائیں اور با قاعدہ جماعت کا انتظام کیا لہٰذا صحیح یہ ہے کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ ہے مگر اس کی پابندی جماعت سنت فاروقی ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صراحتاً کہیں ثابت نہیں ہوا لہٰذا صحابہ کرام کا بیس پر اتفاق کرنا سنت کی مخالفت نہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّتِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ لہٰذا اب ہم صحابہ کرام کا عمل پیش کرتے ہیں غیر مقلدوں کو چاہیئے کہ کوئی حدیث مرفوع ایسی پیش کریں جس سے تراویح کی آٹھ رکعت صراحتاً ثابت ہوں۔ انشاء اللہ نہ کر سکیں گے ہماری احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح کی با قاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہو۔ موطا امام مالک میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قَالَ کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِیْنَ رَكْعَةً رَوَاهُ الْبَیْهَقِیْ فِی الْمَعْرِفَةِ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ (۲) ابن منیع نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی فَصَلّٰی بِهِمْ عِشْرِیْنَ رَكْعَةً بیہقی میں ہے عَنْ اَبِی الْحَسْنَاءِ اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَمَرَ رَجُلًا یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَكْعَةً (۳) ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر میں اور بیہقی و عبد ابن حمید و بغوی نے روایت کی عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَكْعَةً سِوَی الْوِتْرِ اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

(۵) بیہقی میں ہے وَ عَنْ شَکْلٍ وَ کَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِیٍّ اَنَّہٗ کَانَ یَؤُمُّھُمْ فِیْ رَمْضَانَ فَیُصَلِّی خَمْسَ تَرْ وِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَاتٍ (۶) اسی بیہقی میں ہے وَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السَّلَمِّی اَنَّ عَلِیًّا رَعٰی الْقُرَّآءَ فِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ رَجُلًا یُصَلِّی النَّاسَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَ کَانَ عَلَی یُوْتِرُ بِھِمْ (۷) اسی بیہقی نے باسناد صحیح نقل فرمایا۔ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ یَزِیْدٍ قَالَ کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَھْدِ عُمَرَ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانِ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃٍ اس کی تحقیق کے لیے صحیح البہاری باب لَمْ یَقْرَا فِی التَّرَاوِیْحِ دیکھو۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور عہد فاروقی میں تو اس بیس رکعات پر عمل جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس علی ابی بن کعب و عمر سائب ابن یزید وغیرہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ ہی معمول تھا۔

اقوال علماء امت

(۱) ترمذی شریف ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شہر رمضان میں ہے وَ اَکْثَرُ اَھْلِ الْعِلْمِ عَلٰی مَارُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَ عُمَرَ وَ غَیْرِ ھِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَ ھُوَ قَوْلُ سُفْیَانَ الثَّوْرِیْ وَ اِبْنِ الْمُبَارَکِ وَ الشَّافِعِیْ وَ قَالَ الشَّافِعِیْ ھٰکَذَا اَدْرَکْتُ بِبَلَدِ مَکَّۃَ یَصَلُّوْنَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً ۔ یعنی اہل علم کا عمل اس پر ہے جو حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی بیس رکعت یہ ہے فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہ ہی عمل پایا کہ مسلمان بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں (۲) فتح الملہم شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے رَوٰی مُحَمَّدُ ابْنَ نَصْرٍ مِنْ طَرِیْقِ عَطَاءٍ قَالَ اَدْرَکْتُھُمْ یُصَلُّوْنَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَ ثَلٰثَ رَکْعَاتِ الْوِتْرِ وَ فِی الْبَابِ اٰثَارٌ کَثِیْرَۃٌ اَخْرَجَھَا اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَغَیْرُہٗ وَ قَالَ اِبْنُ قُدَامَۃَ وَ ھٰذَا کَالْاِجْمَاعِ اس سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت پر گویا مسلمانوں کا اجماع ہوا (۳) عمدۃ القاری شرح بخاری میں جلد پنجم صفحہ ۳۰۷ میں ہے۔ وَ رَوٰی الْحَارِثُ ابْنُ عُبَیْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ زُبَابٍ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ یَزِیْدٍ قَالَ کَانَ الْقِیَامُ عَلٰی عَھْدِ عُمَرَ بَثَلٰثٍ وَّ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً قَالَ اِبْنُ عَبْدُاللّٰہِ ھٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلٰی اَنَّ الثَّلٰثَ لِلْوِتْرِ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پر عمل تھا (۴) اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے کَانَ عَبْدُاللّٰہِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ یُّصَلِّے بِنَا فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ فَیَنْصَرِفُ وَعَلَیْہِ لَیْلٌ قَالَ الْاَعْمَشُ کَانَ یُصَلِّے عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً (۵) اسی عمدۃ القاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ہے قَالَ اِبْنُ عَبْدُالْبَرِّ وَ ھُوَ قَوْلُ جَمْھُوْرِ الْعُلَمَاءِ بِہٖ قَالَ الْکُوْفِیُوْنَ وَالشَّافِعِیُ وَ اَکْثَرُ الْفُقَھَاءِ وَ ھُوَالصَّحِیْحُ عَنْ کَعْبٍ مِنْ غَیْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَہِ یعنی ابن عبدالبر نے فرمایا کہ بیس رکعت تراویح عام علماء کا قول ہے اسی کے اہل کوفہ اور امام شافعی اور اکثر فقہاء قائل ہیں اور یہ ہی حضرت ابی ابن کعب سے مروی ہے اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں (۶) ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا فَصَارَ اِجْمَاعًا لِمَارَوٰی الْبَیْھِقِیُ بِاِ سْنَادٍ صَحِیْحٍ اَنَّھُمْ کَانُوْا یُصَلُّوْنَ عَلٰی عَھْدِ عُمَرَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَ عَلٰی عَھْدِ عُثْمَانَ وَ عَلِیٍّ صحابہ کرام حضرات عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس تراویح پڑھتے تھے لہٰذا اس پر اجماع ہوا (۷) مولوی عبدالحیٔ نے اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ ۱۸۲ میں علامہ ابن حجر مکی ہیتمی کا قول نقل فرمایا اِجْمَاعُ الصَّحَابَۃِ عَلٰی اَنَّ التَّرَاوِیْحَ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃٌ یعنی صحابہ کرام کا بیس تراویح پر اجماع ہے (۸) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۲۵۷ میں ہے وَاَمَامِ الْقَائِلُوْنَ بِہٖ مِنَ التَّابِعِیْنَ فَشَبْرُ ابْنُ شَکْلٍ وَ اِبْنُ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ وَالْحَارِثُ الْھَمَدَانِیِ وَ عَطَاءُ ابْنُ اَبِیْ رِبَاحٍ وَ اَبُوْ الْبُخْتَرِیْ وَ سَعِیْدُ ابْنُ اَبِی الْحَسَنِ

الْبَصْرِیِّ اَخُوْالْحَسَنِ وَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ ابْنُ اَبِیْ بَکْرٍ وَ عِمْرَانُ الْعَبَدِیُّ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین وفقہا محدثین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے کسی نے آٹھ تراویح پڑھیں نہ اسکا حکم دیا۔

لطیفہ

غیر مقلد دراصل اپنی خواہش نفس کے مقلد ہیں اس لیے انہیں اہل ہوا یعنی ہوا پرست کہا جاتا ہے جس میں نفس کو آرام ملے وہ ہی ان کا مذہب۔ ہم ان کے آرام دہ مسائل دکھاتے ہیں مسلمان دیکھیں اور عبرت پکڑیں (۱) دو مٹکے پانی کبھی گندا نہیں ہوتا لہٰذا کنواں کتنا ہی پلید ہو جائے اس کا پانی پیئے جاؤ (۲) سفر میں چند نمازیں ایک وقت میں پڑھ لو روافض کی طرح کون بار بار اترے اور پڑھے ریل میں بہت بھیڑ ہوتی ہے (۳) عورتوں کے زیورات میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہاں جناب کیوں ہو اس میں خرچ جو ہوتا ہے (۴) تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر آرام کرو ہاں صاحب نماز نفس پر گراں ہے۔ (۵) وتر صرف ایک رکعت پڑھ کر سو رہو کیوں نہ ہو جلد نماز سے چھٹکارا اچھا (۶) ایک بار تین طلاقیں دے دو صرف ایک ہی واقع ہوگی۔ دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے کیوں نہ ہو اس میں آسانی ہے۔ غرض کہ جس میں آرام وہ یاروں کا دین ایمان۔

لطیفہ

مسلم شریف کتاب الطلاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی ہوتی تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ لوگوں نے اس میں جلدی پیدا کر دی لہٰذا اب اس سے تین طلاق ہی واقع ہونی چاہئیں۔ آرام طلب غیر مقلدین لے اڑے کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے ان اللہ کے بندوں نے یہ نہ سوچا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ خلاف سنت حکم کر سکتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ آپ نے یہ قانون بنا دیا اور کسی صحابی نے مخالفت نہ کی۔ بات صرف یہ تھی کہ زمانہ نبوی میں بعض لوگ یوں کہہ دیتے تھے۔ تجھے طلاق ہے طلاق طلاق۔ اور آخر میں دو طلاقوں سے پہلی تاکید کرتے تھے جیسے کوئی کہے میں کل جاؤں گا کل کل۔ میں روٹی کھاؤں گا روٹی روٹی۔ اب بھی کوئی اس نیت سے یہ الفاظ لے تو عند اللہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ زمانہ فاروقی میں لوگ تین طلاقیں ہی دینے لگے۔ چونکہ عمل بدل گیا حکم بھی بدل گیا تب آپ نے یہ حکم نافذ فرمایا۔ اس مسئلہ کی نہایت نفیس تحقیق ہماری تفسیر جلد دوم آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۲۲۹) کی تفسیر میں دیکھو جہاں بہت سی احادیث سے ثابت کیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

باب نمبر 2

بیس تراویح پر اعتراضات وجوابات

اعتراض نمبر 1

مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں ثابت ہوا کہ آٹھ رکعت تراویح ہے باقی وتر۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں اولاً یہ کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور مضطرب سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کیونکہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں موطا میں تو ان سے گیارہ کی روایت ہے اور محمد ابن نصر مروزی نے انہی محمد ابن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ کی روایت کی اور محدث عبدالرزاق نے انہی محمد ابن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لیے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیر یہ مصر۔ ایک ہی راوی کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے اس کو اضطراب کہتے ہیں لہٰذا یہ تمام روایات غیر معتبر ہیں اس سے استدلال غلط ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے تو اس سے تراویح آٹھ رکعت ثابت ہوئیں مگر وتر تین کہے آپ وتر ایک کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کے قول پر تو ۹ رکعتیں ہونی چاہئیں کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول آدھا غیر مقبول۔ تیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اولاً آٹھ تراویح کا حکم دیا گیا۔ پھر بارہ کا، پھر آخر میں بیس قرار ہوا۔ کیونکہ مشکوٰۃ باب قیام رمضان میں اسی حدیث کے بعد ہے وَ کَانَ الْقَارِیْ یَقْرَاءُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِیْ ثَمَانِ رَکْعَاتٍ وَ اِذَا قَامَ بِهَا فِیْ ثِنْتِیَ عَشَرَةَ رَکْعَةً رَاَی النَّاسَ اَنَّهٗ قَدْ خُفِّفَ یعنی قاری آٹھ رکعت میں سورۃ بقر پڑھتا تھا اور جب بارہ رکعت میں یہ سورۃ پڑھتا تھا تو لوگوں کو ہلکا پن محسوس ہوتا۔ اس حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے نَعَمْ ثَبَتَ الْعِشْرُوْنُ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ وَفِی الْمُوْطَا رِوَایَةِ بِاِحْدٰی عَشَرَةَ وَ جَمَعَ بَیْنَهُمَا اَنَّهٗ وَقَعَ اَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلَی الْعِشْرِیْنَ فَاِنَّهُ الْمُتَوَارِثُ یعنی ان روایات کو یوں جمع کیا گیا کہ اولاً تو آٹھ رکعت کا حکم ہوا پھر بیس پر قرار رہا یہ بیس رکعت ہی منقول ہیں چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی۔ ہمیشہ پڑھنا۔ باقاعدہ جماعت سے پڑھنا بیس رکعت پڑھنا۔ حضور علیہ السلام نے بیس رکعت ہمیشہ نہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا۔ اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا اور اگر بیس رکعت پڑھی جائیں تو سب پر عمل ہوگیا۔ کیونکہ بیس میں آٹھ آجاتی ہیں۔ اور آٹھ میں بیس نہیں آتیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرو۔ تم بھی تراویح ہمیشہ اور باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں حضور سے ثابت نہیں سنت فاروقی ہیں لہٰذا بیس رکعت پڑھا کرو۔

اِعتراض نمبر 2

بخاری شریف میں ہے ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت پڑھتے آپ نے جواب دیا مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَ فِیْ غَیْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَ رَکْعَاتٍ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھیں اور باقی وتر بیس رکعت پڑھنا بدعت سیۂ ہے۔

جواب

اس کے بھی چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس سے نماز تہجد مراد ہے نہ کہ تراویح کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ ہی نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح

کہ وہ صرف رمضان میں ہوتی ہے۔ نیز ترمذی میں اسی حدیث کے لیے باب باندھا بَابُ مَا جَآءَ فِیْ وَصْفِ صَلٰوۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاللَّیْلِ معلوم ہوا کہ یہ صلٰوۃ اللیل یعنی نماز تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح۔ نیز اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں ہمارا دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں سو کر اٹھکر ادا فرماتے تھے۔ اور وتر بھی اس کے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ آپ نے ہم کو تو وتر پڑھ کر سونے کا حکم دیا ہے اور خود سو کر مع تہجد وتر پڑھتے ہیں۔ جواب دیا کہ چونکہ ہمیں جاگنے پر پورا بھروسہ ہے۔ جسے بھروسہ نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سونے کے بعد مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۴۰۰ میں ہے تحقیق آنست کہ صلوۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز معتاد بود یازدہ رکعت کہ دائم در تہجد مے گزارد' دوسرے یہ کہ اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے تو حضرت عمر و دیگر صحابہ کرام نے کیوں اختیار فرمائی اور خود حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی۔ ان پر کیا فتویٰ لگاؤ گے نیز آج سارے غیر مقلد پورے رمضان میں باجماعت تراویح پڑھتے ہیں بتاؤ ان کی یہ ہیشگی بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟

اگر حضور علیہ السلام نے آٹھ تراویح پڑھیں تو صرف تین روز پڑھیں تم اس کی ہمیشگی کر کے کون ہوئے؟ اگر پورے متبع حدیث ہو تو سارے ماہ رمضان میں صرف تین دن تراویح پڑھا کرو۔

نیز ترمذی شریف روایت سے ثابت ہوا کہ مکہ والوں کا بیس تراویح پر اتفاق ہے اور مدینہ والوں کا اکتالیس پر ان میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت کا عامل نہیں۔

بتاؤ یہ سارے لوگ بدعتی اور فاسق ہوئے یا نہیں؟ اگر ہوئے تو ان سے حدیث لینا کیسا؟ فاسق کی روایت معتبر نہیں۔ نیز بتاؤ کہ کیا کسی ملک میں مسلمانوں نے آٹھ رکعات تراویح پڑھیں۔ تیسرے یہ کہ اسی حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئی۔ تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ رکعت ثابت ہوں گی۔ پھر وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو؟ آرام کے لیے، حق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کہیں نہیں ملتی کیونکہ جہاں قیام رمضان کا ذکر ہے وہاں تعداد رکعت سے خاموشی ہے اور جن حدیث میں گیارہ کا ذکر ہے وہاں تراویح کی تصریح نہیں بلکہ اس سے تہجد مراد ہے ایسی روایت پیش کرو جس میں آٹھ تراویح کی تصریح ہو۔ ایسی انشاء اللہ نہ ملے گی۔ چونکہ سلطنت مصطفیٰ ﷺ کا ہم نے مستقل رسالہ لکھ دیا اس لیے ضمیمہ میں یہ مضمون شامل نہ کیا گیا

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَ نُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِہٖ وَ ھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ طلاق الاولہ فی حکم الطلاق الثلثہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اگر چہ اس نے برا کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقعہ ہوں گی نہ کہ ایک اور یہ عورت بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ چونکہ زمانہ موجود کے غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہیں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہوگا اس لیے اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب لکھے جاتے ہیں پہلے باب میں مسئلہ کے دلائل اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

مقدمہ

بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر عورت کو بحالت حیض طلاق دے دے۔ یا تینوں طلاقیں ایک دم دے دے تو اگر چہ اس نے برا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہ ہی واقع ہوگی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں (۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور خلوت نہ ہوئی ہو ایک دم تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آخری دو واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح سے خارج ہوگئی اور اس پر عدت بھی واجب نہ ہوئی۔ اور طلاق کے لیے نکاح یا عدت چاہیئے۔ ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑ جائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (عامہ کتب) (۲) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہو اسطرح طلاقیں دے کہ تجھے طلاق ہے، طلاق طلاق۔ اور اخیری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی نیت کرے۔ نہ کہ علیحدہ طلاقوں کی تب بھی دیانۃً طلاق ایک ہی ہوگی۔ (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو۔ پانی پانی۔ کھانا کھالو کھانا کھانا۔ میں کل گیا تھا کل کل۔ ان سب صورتوں میں پچھلے دو لفظوں سے پہلے لفظ کی تاکید ہے (۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جس سے خلوت ہو چکی ہے۔ بیک وقت تین طلاقیں دے خواہ یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں یا یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے۔ بہر حال طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی اور یہ عورت اب بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ اس پر امام ابو حنیفہ و شافعی و مالک و احمد و سلفاً خلفاً جمہور علماء کا اتفاق ہے ہاں بعض ظاہر بین مولوی اس آخری صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر صاوی پارہ دوم زیر آیت **فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ** (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۲۳۰) ہے **وَالْمَعْنٰى فَإِنْ ثَبَتَ طَلَاقُهَا ثَلَاثًا فِيْ مَرَّةٍ اَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ (الآیہ) كَمَا اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا اَوِ الْبَتَّةَ وَ هٰذَا هُوَا الْمُجْمَعُ عَلَيْهِ** یعنی علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو تین طلاقیں الگ الگ دے یا ایک دم۔ عورت بہر حال حرام ہو جائے گی۔ نیز نووی شرح مسلم جلد اول باب الطلاق الثلث میں ہے **وَ قَدْ اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِيْ مَنْ قَالَ لِاِمْرَاءَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا فَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَ مَالِكٌ وَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَ اَحْمَدُ وَ جَمَاهِيْرُ الْعُلَمَآءِ مِنَ السَّلْفِ وَ الْخَلْفِ يَقَعُ الثَّلٰثُ وَ قَالَ طَاءُوْسٌ بَعْضُ اَهْلِ الظَّاهِرِ يَقُوْلُ لَا يَقَعُ بِذٰلِكَ اِلَّا وَاحِدَةٌ**

یعنی جوکوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو چاروں امام وسلف وخلف کے عام علماء فرماتے ہیں کہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ہاں بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ ایک ہی واقع ہوگی۔ بلکہ حجاج ابن ارطات اور ابن مقاتل اور محمد ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق بھی نہ پڑے گی۔ دیکھو نووی یہ ہی مقام۔ چونکہ موجودہ زمانہ کے غیر مقلد ہر جگہ نفس کا آرام ڈھونڈتے ہیں جس چیز میں نفس امارہ کو راحت ملے خواہ وہ باطل سے باطل اور ضعیف قول ہو وہ ہی ان کا دین ایمان ہے اس لیے انہوں نے ابن تیمیہ کی اتباع کرتے ہوئے یہ ہی عقیدہ رکھا ہے کہ ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہوگی۔

تفسیر صاوی پارہ دوم زیر آیت **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ**(الآیہ) ہے **وَ اَمَّا الْقَوْلُ بِاَنَّ الطَّلَاقِ الثَّلٰثَ فِیْ مَرَّةٍ وَاحِدَةٍ لَا یَقَعُ اِلَّا طَلَقَةً لَا یَعْرِفُ اِلَّا لِاِبْنَ تَیْمِیه وَرَدَ عَلَیْهِ اَئِمَّتُهٗ مَذْهَبَهٗ حَتّٰی قَالَ الْعُلَمَآءُ اَنَّهٗ الضَّالُ الْمُضِلُّ وَ نِسْبَتُهَا اِلَی الْاِمَامِ الْاَشْهَبِ مِنَ الْاَئِمَّةِ الْمَالِکِیَةِ بَاطِلَةٌ** یعنی یہ کہنا کہ ایک دم دی ہوئی تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہوتی ہے یہ سوا ابن تیمیہ حنبلی کے اور کسی نے بھی نہیں کہا ہے اور ابن تیمیہ کی خود اس کے مذہب کے اماموں نے تردید کردی علماء کرام تو فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے اور اس مسئلہ کی نسبت امام اشہب مالکی کی طرف غلط ہے بہر حال پتہ یہ لگا کہ موجودہ غیر مقلد محض نفسانی آسانی کے لیے یہ باطل عقیدہ لئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی نفیس تحقیق اپنی تفسیر نعیمی جلد دوم زیر آیت **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ** الایہ میں کردی ہے مگر چونکہ آجکل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لیے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کئے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے امید قبول ہے اور ناظرین سے امید انصاف۔ بیان کا یہ ہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دو بابوں میں بیان کیا جائے گا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

بَابُ نمبر 1

اس کے ثبوت میں

بہتر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے زیادہ دے ہی نہیں اور اگر تین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق دے تین طہر میں تین طلاق۔ ایک دم چند طلاقیں دینا سخت برا ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگر چہ برا ہے مگر تینوں واقع ہو جائیں گی جیسے کہ طلاق بحالت حیض کہ اگر چہ برا ہے لیکن طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاكٌ م بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ م بِاِحْسَانٍ ط** (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۲۲۹) پھر فرماتا ہے **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ** (الآیہ) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے تین میں نہیں اور مرتان کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہ ہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے **فَاِنْ طَلَّقَهَا اِلٰی طَلَقَةٍ ثَالِثَةٍ سَوَآءٌ وَقَعَ الاِثْنَتَانِ فِیْ مَرَّةٍ اَوْ مَرَّتَیْنِ وَ الْمَعْنٰی فَاِنْ ثَبَتَ طَلَاقُهَا ثَلٰثًا فِیْ مَرَّةٍ اَوْمَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ** یعنی اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دے تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا

الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی آگے فرماتے ہیں كَمَا اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا اَوْ اَلْبَتَّةَ وَ هٰذَا هُوَ الْمَجْمَعُ عَلَيْهِ یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اور اس پر امت حضرت محمد ﷺ کا اتفاق ہے اسی طرح اور تفاسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۵ آیت ۱) یعنی جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے کہ ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اگر تین طلاقیں ایک دم دے گا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی واقع نہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گیا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک ہی واقع ہوتی تو یہ ظالم کیسے ہوتا؟ نو شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں ہے وَاحْتَجَّ الْجَمْهُوْرُ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَ مَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسِهٖ الخ قَالُوْا مَعْنَاهُ اَنَّ الْمُطْلَقَ قَدْ يُحْدِثُ لَهٗ نَدَمٌ فَلَا يُمْكِنُهٗ تَدَارُكُهٗ لِوَقُوْعِ لُبِيْنُوْنَةِ فَلَوْ كَانَتِ الثَّلٰثُ لَمْ تَقَعْ طَلَاقُهٗ هٰذَا اِلَّا رَجْعِيًّا فَلَا يَنْدَمُ ترجمہ وہ ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

(۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید ابن غفلتہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خشعمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ حضرت حسن کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ بھی رو پڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دے دے تو وہ عورت بغیر حلالہ اسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں لَوْ لَا اِنِّیْ سَمِعْتُ جَدِّيْ وَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ اَنَّهٗ سَمِعَ جَدِّيْ يَقُوْلُ اَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاءَ تَهٗ ثَلٰثًا عِنْدَ الْاِقْرَاءِ اَوْ ثَلٰثًا مُبْهَمَةً لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ (سنن کبریٰ اللبیہقی جلد نمبر ۷ صفحہ ۳۳۶)

(۴) اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى عَلِّيٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ طَلَّقْتُ اِمْرَاءَ تِيْ اَلْفًا قَالَ ثَلٰثٌ تُحَرِّمُهَا عَلَيْكَ وَ اَقْسِمْ سَائِرَ هُنَّ بَيْنَ نِسَائَكَ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۵) یعنی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے دی ہیں۔ فرمایا کہ تین طلاقوں نے اسے تجھ پر حرام کر دیا۔ باقی طلاقیں اپنی اور بیویوں میں بانٹ دے یعنی وہ لغو ہیں ظاہر ہے کہ اس سائل نے یہ ہزار طلاقیں ہزار مہینوں میں تو نہ دی ہوں گی ورنہ ۸۲ سال ۲ مہینے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے تینوں جائز رکھیں

(۵) بیہقی میں ہے عَنْ جَعْفَرِ ابْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَلِيِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَا تُحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۵) یعنی امام جعفر صادق اپنے جد امجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے تو بیوی بغیر حلالہ حلال نہیں۔ اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر ابی یعلیٰ سے مروی ہے کہ عَنْ عَلِيٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْمَنْ طَلَّقَ اِمْرَءَتِهٖ ثَلٰثًا قَبْلَ اَنْ يَدْ خُلَ بِهَا قَالَ لَا تُحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ

(۶) بیہقی نے محمد ابن ایاز ابن کبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے خلوت سے پہلے ایک دم تین طلاقیں دے دیں پھر اس کا

خیال ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان دونوں صحابیوں نے فرمایا کہ ہم اس نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے وہ بولا کہ حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ کچھ جو تیرے قبضے میں بچا کچھا تھا تو نے اکٹھا ہی دے دیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں فَسَئَلَ اَبَا هُرَيْرَةَ وَ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَانَرٰى اَنْ تَنْكِحَهَا حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ قَالَ اِنَّمَا كَانَ طَلَاقِىْ اِيَّا هَا وَاحِدَةً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّكَ اُرْسَلْتَ مِنْ يَدِكَ مَا كَانَ لَكَ مِنْ فَضْلٍ (سنن کبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۳۵)

(۷) اسی بیہقی میں عبدالحمید ابن رافع سے بروایت عطا ہے کہ کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں۔ فرمایا تین لے لو اور ستانوے چھوڑ دو یہ ہے اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِاَبْنِ عَبَّاسٍ طَلَقْتُ اِمْرَ اَتِىْ مَائَةً قَالَ تَا خُذُ ثَلٰثًا وَدَعْ سَبْعًاوَّ تِسْعِيْنَ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷) (۸) بیہقی میں سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین لے لو اور نو سو ستانوے چھوڑ دو۔ عبارت یہ ہے اِنَّ رَجُلًا جَآءَ اِلٰى اِبْنِ عَبَّاسٍ وَ قَالَ طَلَّقْتُ اِمْرَاتِىْ اَلْفًا فَقَالَ تَاخُذُ ثَلٰثًا وَدَعْ تِسْعَ مَائِةٍ وَ سَبْعَةً وَ تِسْعِيْنَ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷) (۹) بیہقی میں بروایت سعید ابن جبیر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے اس شخص سے فرمایا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دی تھیں کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہوگئی۔ عبارت یہ ہے کہ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ لِرَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاءَ تَهٗ ثَلٰثًا حُرِّمَتْ عَلَيْكَ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷) (۱۰) بیہقی میں بروایت عمرو ابن دینار ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہہ دو کہ تجھے برج جوزہ کا سر ہی کافی ہے۔ خیال رہے کہ برج جوزہ کے سر پر تین ستارے ہیں۔ عبارت یہ ہے کہ عَنْ عُمَرَ ابْنِ دِيْنَارِ اَنَّ اِبْنَ عَبَّاسٍ سَئَلَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَا ءَ تَهٗ عَدَدَ النُّجُوْمِ فَقَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ رَاسُ الْجَوْزَ اءِ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷) (۱۱) ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق باب مِنْ طَلَّقَ ثَلٰثًا فِىْ مَجْلِسَ وَاحِدٍ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں ایک دم دے دیں۔ ان تینوں کو حضور ﷺ نے جائز رکھا عبارت یہ ہے قَالَتْ طَلَّقَنِىْ زَوْجِىْ ثَلٰثًا وَ هُوَخَارِجٌ اِلَى الْيَمْنِ فَاَ جَازَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(۱۲) حاکم ابن ماجہ ابوداؤد نے عبداللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے دادا رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک کی نیت کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک کی نیت ہی کی تھی عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی پس حضرت محمد ﷺ نے ان کی بیوی کو ان پر واپس فرمادیا چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے عَنْ عَبْدُاللّٰهِ ابْنِ عَلِّيٍ ابْنِ يَزِيْدِ ابْنِ رُكَانَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّهٗ طَلَّقَ اِمْرَا تَهٗ الْبَتَّةَ فَاتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَئَلَهٗ فَقَالَ مَا اَرَدَّتَ بِهَا قَالَ وَاحِدَةً قَالَ اَوَاللّٰهِ مَا اَرَدَّتَ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةً قَالَ اَوَ اللّٰهِ مَا اَرْدَّتَ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةً قَالَ فَرُدَّ هَا اِلَيْهِ (ابن ماجہ باب طلاق البتہ و ابوداؤد باب البتہ) اگر ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت رکانہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھا

اَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ اور آخری دو طلاقوں سے دو طلاقوں کی تاکید کی تھی۔ اس لیے اسے ایک قرار دیا گیا یہ روایت نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ مَا اَشْرَفُ هٰذَا الْحَدِيْثُ یہ حدیث کیا ہی شریف الاسناد ہے، ابوداؤد نے فرمایا هٰذَا اَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ اِبْنِ جُرَيْجٍ یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریج زیادہ صحیح ہے (۱۳) امام مالک وشافعی وابوداؤد وبیہقی میں بروایت معاویہ ابن ابی عباس ہے کہ کسی نے حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جوکوئی اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دے دے اس کا کیا حکم ہے حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کر دے گی اور تین حرام کہ بغیر حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔ عبداللہ ابن عباس نے اس کی تاکید فرمائی۔ عبارت یہ ہے عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ اِيَاسٍ اَنَّ اِبْنَ عَبَّاسٍ وَ اَبَا هُرَيْرَةَ وَ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ عُمَرَو ابْنَ الْعَاصِ سُئِلُوْا عَنِ الْبِكْرِ وَ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا ثَلٰثًا قَالَ لَا تُحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ وَ رَوٰى مَالِكٌ عَنْ يَحْيٰى ابْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُ ابْنِ اَشَجَّ عَنْ مَعَاوِيَةَ ابْنِ اَبِىْ عَيَّاشٍ اَنَّهٗ شَهِدَ هٰذَا الْقِصَّةَ (ابوداؤد باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیق الثلث) (۱۴) بیہقی نے بسام صریفی سے روایت کی کہ جعفر ابن محمد فرماتے ہیں کہ جوکوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دے دے وہ عورت اس پر حرام ہوجائے گی۔

(۱۵) اسی بیہقی نے مسلمہ ابن جعفر احمد سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جوکوئی ایک دم تین طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی؟ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی (تفسیر روح المعانی پارہ دوم)

(۱۶) مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی عبارت یہ ہے فَقَالَ عُمَرُ ابْنِ الْخِطَّابِ اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجِلُوْا فِىْ اَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيْهِ عَنَاةٌ فَلَوْ قَضَيْنَا هٗ عَلَيْهِمْ فَاَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ

(۱۷) اس حدیث کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع اس پر ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط پر اجماع نہیں کر سکتے۔

(۱۸) جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ دے تین اور پڑے ایک مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہیے۔

(۱۹) فعل حرام ہونے سے قانون نہیں بدل جاتا ایک دم تین طلاقیں دینا بے شک سخت منع ہے لیکن جب شوہر تین طلاقیں منہ سے بول رہا ہے تو واقع کیوں نہ ہوں دیکھو چوری کی چھری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی ذبح کرے تو ذبیحہ بے شک حلال ہے بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر کوئی دے دے تو واقع ہوجائے گی

(۲۰) اسقاط میں مسبب سبب سے وابستہ ہوتا ہے کہ سبب کے ہوتے ہی مسبب کا ہونا ضروری ہے ہدایہ کتاب الوکالت میں ہے لِاَنَّ الْحُكْمَ فِيْهَا لَا يَقْبِلُ الْفَصَلَ عَنِ السَّبَبِ لِاَنَّهٗ اِسْقَاطٌ فَيَتَلَاشِىْ یعنی اسقاط میں حکم اپنے سبب سے علیحدہ نہیں ہوسکتا طلاق بولنا سبب ہے، اور طلاق واقع ہونا اس کا حکم اور طلاق زوج کی ملکیت کا محض ساقط کرنا ہے لہٰذا ناممکن ہے کہ سبب پایا جائے اور حکم نہ پایا جائے کہ وہ بولے تین اور پڑے ایک۔

(۲۱) جمہور علماء خصوصاً چاروں امام ابوحنیفہ وشافعی ومالک واحمد یہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے کہ ایک دم طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوں

گی اس کی مخالفت امت مسلمہ کی مخالفت ہے جو گمراہی ہے، غرض یہ کہ مسئلہ قرآن وحدیث اجماع صحابہ رضی اللہ عنہ اقوال علماء محدثین ومفسرین دلائل عقلیہ ہی سے ثابت ہے اس کی مخالفت عقل ونقل کی مخالفت ہے۔

بَابُ نمبر 2

اس پر اعتراضات اور جوابات میں

غیر مقلدین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ ملیں گے بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اتنے بھی نہیں معلوم جو ہم انکی وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

اِعتَراض نمبر 1

رب تعالٰی فرماتا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّ تٰنِ ص فَاِ مْسَاكٌ م بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ م بِاِحْسَانٍ ط (پارہ۲ سورۃ ۲ آیت ۲۲۹) کچھ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ مَرَّ تٰنِ اور فَاِنْ کی ف سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ چاہئیں ایک دم تین طلاقیں الگ الگ کہاں ہوئیں۔ مرتان علیحدگی بتا رہا ہے۔

جَوابْ

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ الطلاق میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔ تو بغیر حلالہ اسے عورت حلال نہیں۔ تفسیر احمدی وصاوی وجلالین میں ہے اَلطَّلَاقُ اَیْ التَّطْلِيْقُ الَّذِیْ يُرَاجَعُ بَعْدَهٗ مَرَّ تٰنِ دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ مرتان سے تین طلاقوں کی علیحدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق اس میں بھی طلاقوں کی لفظاً علیحدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی علیحدگی کیونکہ علیحدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا فاصلہ ہونا شرط ہے رب تعالٰی فرماتا ہے فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّ تَيْنِ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۴) آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہینہ میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ بے شک ایک دم طلاقیں دینا سخت منع ہے الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم تین طلاقیں دے دے تو واقع بھی ہوں گی یا نہیں اس سے آیت ساکت ہے۔

اِعتَراض نمبر 2

مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہوں گی عبارت یہ ہے کہ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِیْ بَكْرٍ وَ ثِنْتَيْنِ مِنْ خِلَافَتِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةٌ نیز اسی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابوالصحباء نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں

عبارت یہ ہے کہ اِنَّ اَبَا الصَّحْبَآءِ قَالَ لِاَ بْنِ عَبَّاسٍ اَتَعْلَمُ اِنَّمَا كَانَتِ الثَّلٰثُ تُجْعَلُ وَاحِدَةً عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِیْ بَكْرٍ وَ ثَلٰثًا مِنْ اَمَارَةِ عُمَرَ فَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ ان حدیثوں سے صراحتاً معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہیں۔

نوٹ

غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کیخلاف ہو وہاں معلوم ہوگا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے، نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قانون بنا دینا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل در آمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اس پر اعتراض نہ کرنا با آواز بلند خبر دیتا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماول۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مراد ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایک دم اس طرح دے دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے تو اول ہی واقع ہوگی اور اخیر کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابوداؤد کتاب الطلاق بَابُ نَسْخِ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيْقَاتِ الثَّلٰثِ میں ہے کہ ابوصحبا نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھیں۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اس کی طلاق ایک پڑتی تھی۔ عبارت یہ ہے کہ قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ بَلٰی كَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ ثَلٰثًا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا جَعَلُوْهَا وَاحِدَةً اَلْخ اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت کا یہ ہی مطلب ہے اور یہ حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اسطرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق ہے طلاق طلاق۔ گویا پچھلی دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ اور زمانہ فاروقی میں لوگوں کا یہ حال بدل گیا کہ وہ تین طلاقیں ہی دینے لگے لہٰذا صورت مسئلہ بدلنے سے حکم بدل گیا۔ نووی شریف میں ہے۔ فَالْاَ صَحُّ اَنَّ مَعْنَاهُ اَنَّهٗ كَانَ فِی الْاَمْرِ الْاَوَّلِ اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ وَ لَمْ يَنْوِ تَاكِيْدًا وَ لَا اِسْتِيْنَافًا يَحْكُمُ بِوُقُوْعِ طَلْقَةٍ لِقِلَّةِ اِرَادَتِهِمْ اَلِاسْتِيْنَافَ بِذٰلِكَ مَحْوَّلٌ عَلَی الْغَالِبِ الَّذِیْ هُوَ اِرَادَةُ التَّاكِيْدِ فَلَمَّا كَانَ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ كَثُرَ اسْتِعْمَالُ النَّاسِ بِهٰذِهِ الصِّيْغَةِ وَ غَابَ مِنْهُمْ اِرَادَةُ الْاِسْتِيْنَافِ بِهَا حُمِلَتْ عَنْهُ الْاِطْلَاقُ عَلَی الثَّلٰثِ عَمَلًا بِالْغَالِبِ السَّابِقِ الْفَهْمُ مِنْهَا فِیْ ذٰلِكَ الْعَصْرِ۔ یعنی چونکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تین طلاقوں میں اول طلاق سے طلاق کی نیت کرتے اور پچھلی دو سے تاکید کرتے تھے اس لیے جو کوئی بغیر نیت کے بھی ایک دم تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی کہ اس وقت غالب حال یہ ہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تین طلاقوں سے تین ہی کی نیت کرنے لگے اس لیے تین جاری کر دی گئیں صورت مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا دیکھو قرآن

شریف میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ بیان ہوئے۔ مولفۃ القلوب (کفار مائل باسلام) کو بھی زکوٰۃ دینے کی اجازت دی گئی۔ مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا کہ مصرف زکوٰۃ صرف سات ہیں مئولفۃ القلوب خارج کیونکہ نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جماعت تھوڑی اور کمزور تھی اس لیے ایسے کافروں کو زکوٰۃ دے کر مائل کیا جاتا تھا۔ عہد فاروقی میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی نہ کمزوری لہٰذا ان کو زکوٰۃ دینا بند کردیا گیا۔ وجہ بدلنے سے حکم بدلا نسخ نہیں کیا گیا۔ اب تک زید فقیر تھا اسے زکوٰۃ لینے کا حکم دیا گیا۔ اب غنی ہوگیا تو زکوٰۃ دینے کا حکم ہوگیا کپڑا ناپاک تھا اس سے نماز ناجائز قرار دی اب پاک ہوگیا اس سے نماز جائز ہوگئی۔ ہندوستان میں آج کل کوئی طلاق کی تاکید جانتا ہی نہیں تین ہی کی نیت سے طلاقیں دیتے ہیں تو عجیب بات ہے کہ صورت مسئلہ کچھ اور حکم کچھ اور دیا جائے اللہ غیر مقلدوں کو عقل دے جس سے حدیث کا مقصد صحیح سمجھا کریں۔

اعتراض نمبر 3

ابوداؤد جلد اول اور درمنثور جلد اول ص ۲۷۹ و عبدالرزاق و بیہقی نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ عبد یزید ابورکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ طلاق سے رجوع کرلو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تین طلاقیں دی ہیں فرمایا کہ ہم جانتے ہیں مگر رجوع کرو اور یہ آیت تلاوت فرمائی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۵ آیت ۱) ابوداؤد وغیرہ کی عبارت یہ ہے طَلَّقَ عَبْدُ یَزِیْدَ اَبُوْرُکَانَۃَ اُمَّ رُکَانَۃَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ بِاَمْرَاتِکَ فَقَالَ اِنِّی طَلَّقْتُھَا ثَلٰثًا قَالَ قَدْعَلِمْتُ اَرْجِعْھَا وَ تَلَا یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ (الآیۃ) (بیہقی سنن کبریٰ جلد ۷ صفحہ ۳۳۹ و ابوداؤد باب نسخ المراجعۃ صفحہ ۲۹۹) اگر اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت درپیش آتی معلوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کردیا گیا حالانکہ خود ابورکانہ عرض کررہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر بھی ایک ہی مانی گئی۔

جواب

افسوس کے معترض نے ابوداؤد اور بیہقی کی آدھی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب وہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابوداؤد اور بیہقی میں ہے کہ نافع ابن عجیر اور عبداللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی۔ لہٰذا حضور نے ان کی بیوی کو ان کی طرف واپس کردیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اسکا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے حالات سے بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری دادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاقیں تین دیں۔ لامحالہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے وَ حَدِیْثُ نَافِعِ ابْنِ عَجِیْرٍ وَ عَبْدُاللّٰہِ ابْنِ عَلِی اِبْنِ یَزِیْدِ ابْنِ رَکَانَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اِنَّ رَکَانَۃَ طَلَّقَ اِمْرَاءَ تَہُ الْبَتَّۃَ وَ فَرَدَّھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَصَحُّ لِاَنَّھُمْ وَ لَدُ الرَّجُلِ وَ اَھْلُہٗ اَعْلَمُ بِہٖ اَنَّ رَکَانَۃَ اِنَّمَا طَلَّقَ اِمْرَاءَ تَہُ الْبَتَّۃَ وَ جَعَلَھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاحِدَۃً (سنن کبریٰ بیہقی وابوداؤد، یہ ہی مقام)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایات سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن عباس سے آٹھ روائتیں اس کے

خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتہ کی روایت ہے بتاؤ کہ تین طلاقوں والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نو روائتیں۔ بیہقی کی عبارت یہ ہے کہ وَ ھٰذَا الْاَسْنَادُ لَا تَقُوْمُ بِهِ الْحُجَّةُ مَعَ ثَمَانِيَةٍ وَ رَدَّ عَنْ عَبَّاسٍ فَافْتَاهُ بِخَلْفِ ذٰلِكَ وَ مَعَ رِوَايَتِ اَوْلَادِ رُكَانَةَ اَنَّ طَلَاقَ رُكَانَتِهٖ كَانَ وَاحِدَةً وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۹) ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ ابو رکانہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی ﷺ نے اس پر قسم بھی لی تھی تب انہیں رجوع کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابو رکانہ کی تین طلاقوں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شائد تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں اس لیے بجائے بتہ کے تین کی روایت بالمعنی کر گیا۔ جس میں اس نے سخت غلطی کی عبارت یہ ہے وَ اَمَّامِ مِنَ الرِّوَايَتِ الَّتِىْ رَوَاهَا الْمُخَالِفُوْنَ اَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَهَا ثَلٰثًا فَجَعَلَهَا وَا حِدَةً فَرِوَايَةٌ ضَعِيْفَةٌ عَنْ قَوْمٍ مَجْهُوْلِيْنَ وَ اِنَّمَا الصَّحِيْحُ مِنْهَا مَا قَدَّمْنَاهُ اَنَّهٗ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَ لَفْظُ الْبَتَّةَ مُحْتَمَلٌ لِلْوَاحِدَةِ وَ لِلثَّلٰثِ وَ لَعَلَّ صَاحِبَ ھٰذَا الرِّوَايَةِ الضَّعِيْفَةِ اِعْتَقَدَ اَنَّ لَفْظَ الْبَتَّةِ ثَلَاثٌ فَرَوَاهُ بِالْمَعْنٰى الَّذِىْ فَهِمَهٗ وَ غَلَطَ فِىْ ذَالِكَ۔

اِعتَراض نمبر 4

سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بحالت حیض تین طلاقیں اکٹھی دیں تھیں جنہیں حضور ﷺ نے ایک قرار دیا اور اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا اگر یہ طلاقیں تین ہی ہوتیں تو رجوع ناممکن ہوتا۔

جوابْ

یہ غلط ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا کیونکہ طلاق بحالت طہر ہونی چاہیئے۔ چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب التحریم الطلاق الحائض میں ہے عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهٗ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهٗ وَهِىَ حَائِضٌ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً فَاَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّرَاجِعَ ثُمَّ يُمْسِكُهَا حَتّٰى تَطْهَرَ نیز نووی شریف شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں فرمایا وَ اَمَّا حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ فَرِوَايَاتِ الصَّحِيْحَةِ الَّتِىْ ذَكَرَهَا مُسْلِمٌ وَّ غَيْرُهٗ اَنَّهٗ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً ان کے متعلق تین کی روایات بالکل ضعیف ہیں۔

اِعتَراض نمبر 5

تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۱۴۷ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کی تفسیر میں ہے مَعْنَاهُ اَنَّ تَطْلِيْقَ الشَّرْعِيَةِ يَجِبُ اَنْ يَّكُوْنَ تَطْلِيْقَةٌ عَلَى التَّفْرِيْقِ دُوْنَ الْجَمْعِ وَ الْاِرْسَالِ وَ ھٰذَا التَّفْسِيْرُ هُوَ قَوْلُ مَنْ قَالَ الْجَمْعُ بَيْنَ الثَّلٰثِ حَرَامٌ یعنی طلاق شرعی الگ الگ بغیر جمع کئے دینا واجب ہے یہ ہی ان لوگوں کی تفسیر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں شرعی طلاق نہیں۔

جواب

اس کا کون منکر ہے بیشک طلاقیں الگ الگ ہی دینا ضروری ہیں گفتگو اس میں ہے کہ اگر کوئی اپنی حماقت سے تین طلاقیں اکٹھی دے دے تو واقع بھی ہوں گی یا نہیں تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ تین واقع نہ ہوں گی صرف یہ ہے کہ یہ کام ناجائز ہے۔ کسی چیز کا حرام ہونا اور چیز ہے اور اس پر شرعی احکام کا مرتب ہونا کچھ اور۔ رمضان شریف میں دن میں کھانا پینا حرام ہے لیکن اگر کوئی کھا جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ زنا حرام ہے لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر غسل واجب ہو جائے گا۔ حرمت کا اثر اسباب کی سببیت پر نہیں پڑتا۔

اِعتراض نمبر 6

تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۴۷ میں ہے وَهُوَ اِخْتِيَارٌ كَثِيْرٌ مِنْ عُلَمَآءِ الدِّيْنِ اَنَّهٗ لَوْ طَلَّقَهَا اِثْنَتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا لَا يَقَعُ اِلَّا وَاحِدَةٌ۔ یعنی بہت علماء دین نے یہ بھی اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی اکٹھی دو یا تین طلاقیں دے دے تو اس سے ایک ہی واقع ہوگی۔ معلوم ہوا کہ عام علماء اسلام کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔

جواب

معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے اور ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اسکے وہابی پیروکار ہیں۔ انہیں کا یہ مذہب ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر صاوی کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں اور ابن تیمیہ اور اسکے متبعین کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ گر لکھا ہے۔ نیز معترض نے تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل نہ کی۔ اس عبارت کے آگے یہ ہے کہ وَالْقَوْلُ الثَّانِيْ وَ هُوَ قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ وَ اِنْ كَانَ مُحَرَّمًا اِلَّا اَنَّهٗ يَقَعُ۔ یعنی دوسرا قول امام ابوحنیفہ کا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اگرچہ منع ہیں لیکن واقع ہو جائیں گی۔ کچھ آگے جا کر تفسیر کبیر نے فرمایا کہ آئمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے کہ جسے تین طلاقیں دی جائیں وہ شوہر کے لیے حلال نہیں دیکھو تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۶۵۔

اِعتراض نمبر 7

عقل بھی چاہتی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی علیحدگی کا حکم ہے ان کو اکٹھا کر دینا ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً لعان میں الگ الگ چار قسمیں کھانا واجب ہے، اور حج میں جمروں پر الگ الگ سات کنکر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں میں سے ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں کنکر ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائیگی اور چھ کنکر اس کے علاوہ مارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ تو اس کا یہ درود ہزار نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائیگا لہٰذا چاہیئے کہ اگر کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقعہ ہو نہ کہ تین۔

جواب

الحمد اللہ آپ قیاس کے تو قائل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب لعان اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے، نہ کہ محض فعل لہٰذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام

ہے۔ جبکہ زنا میں گواہیاں چار ہیں تو لعان میں جو اس کا قائم مقام ہے یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہیئے۔ بیک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی ہوا۔ نیز رمی جمروں میں سات فعل چاہیئے ایک دم سات کنکر پھینک دینے میں مفعول سات ہوئے مگر فعل ایک۔ چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں اس کی پیروی چاہیئے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی منت اتنی محنت کی منت ہے اور ظاہر ہے کہ ایک بار الف مرۃ کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں کرنی پڑتی۔ لہٰذا ان کے احکام بھی مختلف، قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے۔ طلاق کونسا ثواب کا کام ہے۔ کہ اس میں زیادہ محنت کا ثواب ملے۔ غرض یہ کہ تمام اعتراضات مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی بنا تن آسانی اور نفس پروری ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر حلالہ رجوع کر لیا جائے تو عمر حرام کاری ہوگی۔ لہٰذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں۔ اس لیے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَ نُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔

احمد یار خاں غفرلہ ولابیہ ومرشدہ بدایونی مقیم گجرات پاکستان۔

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

الحمد للہ کہ کتاب لاجواب نافع شیخ و شاب مفید عاقل موقظ غافل

مسمٰی بہ

جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ

المعروف فیصلہ مسائل

اضافاتِ جدیدہ وضمیمہ عجیبہ کے ساتھ

جس میں موجودہ زمانے کے عام مختلف فیہ مسائل کا نہایت محققانہ مدلل فیصلہ کیا گیا ہے

مصنف حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

حصہ دوم

ناشر

مکتبہ اسلامیہ بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

فہرست جاء الحق وزہق الباطل

(حصہ دوم)

وجہ تصنیف کتاب 407

حدیث، صحیح، حسن، ضعیف 409

کن چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے 409

امام صاحب کی احادیث ضعیف نہیں 410

حدیث کا ضعف مقلد کو مضر نہیں مگر وہابی کے لیے موت ہے۔ 413

پہلا باب کانوں تو ہاتھ اٹھانا 413

دوسرا باب ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے 417

عجیب لطیفہ 420

تیسرا باب نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا 422

چوتھا باب امام کے پیچھے قرأت نہ کرو 426

قرأت خلف الامام کس آیت سے منسوخ ہے 426

عقل کا تقاضا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت منع ہے 430

تلاوت وتعلیم قرآن میں فرق 433

اسی صحابہ مقتدی کی قرأت کے مخالف ہیں 437

پانچواں باب آمین آہستہ کہو 439

اونچی آمین کی حدیث قرآن وعقل کے خلاف ہے 442

چھٹا باب رفع یدین نہ کرو 447

امام اعظم کا امام اوزاعی سے رفع یدین کے متعلق عجیب مناظرہ 451

نحر کے عجیب معنی 462

اذا ثبت الحدیث فہو مذہبی کی نفیس تحقیق 463

ساتواں باب وتر واجب ہیں اور وتر تین رکعت ہیں 464

شوافع اور وہابیوں کے احکام میں فرق 472

قنوت نازلہ منع ہے 473

حضور نے کن دشمنوں کو معافی دی اور کن کے لیے بددعا فرمائی 475

وتر میں دعائے قنوت ہمیشہ پڑھو 480

نواں باب التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت 482

دسواں باب بیس رکعت تراویح 488

وہابیوں سے سوالات 494

گیارہواں باب ختم قرآن پر روشنی کرنا 495

بارہواں باب شبینہ ثواب ہے 501

تیرہواں باب بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا 507

چودہواں باب نمازیں جمع کرنا منع ہے 514

ہمارے معنی کی تائید 518

پندرہواں باب سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے 522

سولہواں باب سفر میں سنت ونفل 527

سترہواں باب سفر میں قصر واجب ہے 534

عثمان غنی نے منٰی میں اتمام کیوں کیا 541

اٹھارہواں باب فجر میں اجالا کرے 542

انیسواں باب ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو 550

بیسواں باب اذان وتکبیر کے الفاظ 555

اکیسواں باب متنفل کے پیچھے نماز ناجائز ہے 563

بائیسواں باب قے وخون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے 568

پیشاب اور خون میں عجیب فرق 573

تیئسواں باب ناپاک کنواں پاک کرنا 574

چوبیسواں باب نماز جمعہ وعیدین گاؤں میں نہیں ہوتی 581

پچیسواں باب نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو 588

خاتمہ 592

امام ابوحنیفہ کے فضائل ومناقب 592

چاروں اماموں کے ولادت، وفات، عمر مزار 596

دوسرا مسئلہ تقلید کی اہمیت 597

صحابہ مقلد کیوں نہ تھے 598

قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کانمونہ 602

وہابی اور حدیث 605

سنت وحدیث کا فرق 606

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ
مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى وَعَلٰے اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اُوْلِى الصِّدْقِ وَالصَّفَا

جاننا چاہیئے کہ موجودہ دور بہت فتنہ وفساد کا زمانہ ہے۔ کفر والحاد بے دینی کی ہوش ربا آندھیاں چل رہی ہیں بد مذہبی، لا دینی نئی نئی صورتوں میں نمودار ہو رہی ہے مسلمانوں کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے وہ ہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول بارگاہ بندے کے دامن سے وابستہ ہے۔ ان فتنوں میں سے ایک زبردست فتنہ غیر مقلدیت کا ہے جو اتباع سنت کے پردہ میں نمودار ہوا ہے یہ لوگ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سوا سب کو مشرک سمجھتے ہیں۔ تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ حدیث کیا ہے اور سنت کیا ہے بلکہ جنہیں عربی عبارت پڑھنا نہیں آتی وہ آمین بالجہر و رفع یدین کی چار حدیثیں یاد کر کے اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ فقیر نے اپنی کتاب جاء الحق جلد اول میں مسئلہ تقلید اور ضمیمہ جاء الحق میں بیس رکعت تراویح اور تین طلاق پر معرکۃ الآرا بحث کی جاء الحق میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اس کا حصہ دوم بھی تحریر کریں گے۔ بہت عرصہ تک یہ وعدہ پورا کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ دوسرے حصہ میں غیر مقلد وہابیوں کی پر زور تردید کی جاوے اور احناف کے دلائل غیر مقلدوں کے دندان شکن جواب دیئے جاویں مگر اس حکم کی تعمیل میں دیر ہی ہوتی چلی گئی۔ نیز ہم نے ان مسائل پر اپنے ”فتاوٰی نعیمیہ“ اور حاشیہ بخاری نعیم الباری عربی میں مفصل گفتگو کی خیال تھا کہ اب علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں مگر بزرگوں کا اصرار ہوا کہ ان مسائل پر مستقل کتاب اردو زبان میں لکھی جاوے۔ تو کلا علی للّٰہ ادھر توجہ کی اس حصہ کا طریقہ وہ ہی ہوگا۔ جو جاء الحق حصہ اول کا ہے کہ ہر مسئلہ علیحدہ علیحد باب میں بیان ہوگا۔ اور ہر باب میں دو فصلیں ہوں گی۔ پہلی فصل میں حنفیوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے سوالات و جوابات غیر مقلدوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالف ہر حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں کسی نہ کسی نا معقول حوالہ کی آڑ لیتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک جرح مبہم معتبر نہیں نیز اگر جرح و تعدیل میں مقابلہ ہو تو تعدیل مقدم ہے۔ نیز کسی استاد کے ضعیف ہونے سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ نیز بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔ یہ تمام بحثیں انشاء اللہ مقدمہ میں کی جائیں گی۔ مگر انہیں ان سے کیا غرض۔ انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے ان کے اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے نے آج مسلمانوں میں

منکرین حدیث پیدا کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں صرف قرآن کو مانو۔

نیز مقام تعجب ہے کہ غیر مقلد امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کی تقلید کو شرک کہتے ہیں مگر ابن جوزی وغیرہ ناقدین حدیث کے ایسے مقلد ہیں کہ جس حدیث کو وہ ضعیف کہہ دیں۔ اسے بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں چونکہ اس وقت یہ فتنہ بڑھ رہا ہے اس لیے فقیر نے ان کے جواب میں قلم اٹھایا ہے۔ قلم تو اٹھا دیا۔ مگر مجھے اپنی بے بضاعتی و کم علمی کا اعتراف و اقرار ہے اپنے رب کریم کے کرم اور اس کے حبیب رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل پر بھروسہ ہے۔ رب تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرماوے۔ میرے لیے اسے کفارۂ سیئات و صدقہ جاریہ بنائے اس کا نام جاء الحق حصہ دوم رکھتا ہوں۔ جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ فقیر بے نوا کے حسن خاتمہ کی دعا کرے اللہ اسے جزائے خیر دے۔

وَ مَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ اِلَیْہِ اُنِیْبُ

احمد یار خاں نعیمی اشرفی بدایونی
خطیب جامع مسجد غوثیہ چوک پاکستان گجرات
یکم ماہ رمضان ۱۳۷۶ھ دوم اپریل ۵۷ء
دوشنبہ مبارکہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مقدمہ

اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد اچھی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرمالیں یہ قواعد بہت ہی کار آمد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱

اسناد کے لحاظ سے حدیث کی بہت قسمیں ہیں مگر ہم صرف تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں حدیث صحیح، حدیث حسن، حدیث ضعیف۔

صحیح

وہ حدیث ہے۔ جس میں چار خوبیاں ہوں (۱) اس کی اسناد متصل ہوں کہ حضور ﷺ سے لے کر مؤلف کتاب تک کوئی راوی کسی جگہ چھوٹا نہ ہو (۲) اس کے سارے راوی اول درجہ کے متقی پرہیز گار ہوں۔ کوئی فاسق یا مستور الحال نہ ہو۔ (۳) تمام راوی نہایت قوی الحافظہ ہوں کہ کسی کا حافظہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو۔ (۴) وہ حدیث شاذ یعنی احادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

حسن

وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ کی نہ ہوں۔ یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

ضعیف

وہ حدیث جس کا کوئی راوی متقی اور قوی الحافظہ نہ ہو۔ یعنی جو صفات حدیث صحیح میں معتبر تھیں ان میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲

پہلی دو قسمیں یعنی صحیح اور حسن احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں۔ لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں یعنی اس سے حلال وحرام ثابت نہ ہوں گے۔ ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت وفضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ

ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گھڑی ہوئی حدیث کو نہیں کہتے۔ جیسا کہ غیر مقلدوں نے عوام کو ذہن نشین کرا دیا ہے کہ لوگوں نے اسے کھا جانے والا ہوا سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی دو سے کچھ کم رکھا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳

اگر حدیث ضعیف کسی وجہ سے حسن بن جاوے تو وہ بھی مطلقاً معتبر ہے۔ اس سے احکام وفضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ٤

حسب ذیل چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ دو یا زیادہ سندوں سے روایت ہو جانا اگر چہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں۔ یعنی اگر ایک حدیث چند ضعیف روایتوں سے مروی ہو جاوے تو اب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی۔ (مرقات۔ موضوعات کبیر۔ شامی۔ مقدمہ۔ مشکوٰۃ شریف مولانا عبدالحق۔ رسالہ اصول حدیث للجرجانی اول ترمذی شریف وغیرہ۔

۲:۔علماء کاملین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ یعنی اگر حدیث ضعیف پر علماء دین عمل شروع کر دیں تو وہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہو جاوے گی اس ہی لیے امام ترمذی فرما دیتے ہیں۔

هٰذَا الْحَدِيْثُ غَرِيْبٌ ضَعِيْفٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ

''یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔''

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف نا قابل عمل مگر علماء امت نے بیوقوفی سے عمل کر لیا اور سب گمراہ ہو گئے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حدیث روایت کے لحاظ سے ضعیف تھی۔ مگر علماء امت کے عمل سے قوی ہو گئی۔

۳:۔علماء کے تجربہ اور اولیاء کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے شیخ محی الدین ابن عربی نے ایک حدیث سنی تھی کہ جو ستر مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھے۔ اسکی مغفرت ہو جاتی ہے ایک دفعہ ایک جوان نے کہا کہ میں اپنی مری ہوئی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ شیخ نے ستر ہزار بار کلمہ پڑھا ہوا تھا۔ اپنے دل میں اس کی ماں کو بخش دیا دیکھا کہ جوان ہنس پڑا اور بولا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس ولی کے کشف سے معلوم کی (صحیح البہاری) تحذیر الناس مصنفہ محمد قاسم میں یہ ہی واقعہ جنید رحمۃ اللہ کا نقل فرمایا۔

قاعدہ نمبر ۵

اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ لہٰذا یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک حدیث ایک اسناد میں ضعیف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تیسری میں صحیح اسی لیے امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرما دیتے ہیں۔

هٰذَا الْحَدِيْثُ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ

''یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے غریب بھی۔''

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد سے حسن ہے دوسری سے صحیح تیسری سے غریب

قاعدہ نمبر ۶

بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کے لیے مضر نہیں۔ لہٰذا اگر ایک حدیث امام بخاری یا ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی ہو کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف شامل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہی حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سند صحیح سے ملی ہو۔ آپ کے زمانہ تک وہ ضعیف، راوی اس کی اسناد میں شامل نہ ہوا۔ لہٰذا کسی وہابی کو یہ ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام اعظم کو ضعیف ہو کر ملی۔

لطیفہ

ایک دفعہ ایک وہابی غیر مقلد سے قراۃ خلف الامام پر ہماری معمولی گفتگو ہوئی ہم نے یہ حدیث پیش کی۔

قِرَاۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ

''امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے۔''

وہابی جی بولے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں جابر جہنی ہے۔ جو ضعیف ہے ہم نے پوچھا کہ جابر جہنی کب پیدا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ تڑپ کر بولے ۳۳۵ھ میں ہم نے کہا جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا تھا تب جابر اپنے باپ کی پشت میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ اور وفات ۱۵۰ھ میں لہٰذا اس وقت یہ حدیث بالکل صحیح تھی۔ بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر ملی وہابی صاحب سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ بغیر جواب دیئے فوت ہو گئے۔

لہٰذا حنفی علماء کو خیال رکھنا چاہیئے کہ وہابی کو ضعیف ضعیف کہنے سے روکیں۔ وجہ ضعیف پوچھیں پھر یہ تحقیق کریں کہ ضعف امام اعظم سے پہلے کا ہے یا بعد کا انشاء اللہ وہابی جی پانی مانگ جائیں گے اور ضعیف ضعیف کا سبق بھول جائیں گے۔ کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور علیہ السلام سے بہت قریب ہے۔ اس وقت حدیثیں بہت کم ضعیف تھیں۔ امام صاحب تابعی ہیں۔

قاعدہ نمبر۷

رح مبہم قابل قبول نہیں یعنی کسی ناقد حدیث خصوصاً ابن جوزی وغیرہ کا یہ کہہ دینا کہ فلاں حدیث یا راوی ضعیف ہے غیر معتبر ہے۔ جب تک یہ نہ بتائے کہ کیوں ضعیف ہے۔ اور اس راوی میں کیا ضعف ہے۔ کیونکہ وجہ ضعف میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تدلیس، ارسال، گھوڑے دوڑانا، مذاق، نوعمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب جانا مگر فیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں (نور الانوار بحث طعن علی الحدیث)

اعدہ نمبر۸

ر جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح یعنی ایک راوی کو محدث نے ضعیف کہا کسی نے اسے قوی فرمایا۔ بعض تواریخ لیے اس کا فسق ثابت ہوا بعض نے فرمایا کہ وہ متقی صالح تھا تو اسے متقی مانا جاوے گا۔ اور اس کی روایت ضعیف نہ ہوگی۔ کیونکہ مومن میں قویٰ اصل ہے۔

اعدہ نمبر۹

ی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اسکا ضعیف ہونا لازم نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی ہیں کہ ضعیف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ حدیث حسن ہو۔ صحیح و ضعیف کے درمیان بہت سے درجے ہیں۔

اعدہ نمبر۱۰

یح حدیث کا دارومدار مسلم بخاری یا صحاح ستہ پر نہیں صحاح ستہ کو صحیح کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ انکی ساری حدیثیں صحیح ہیں ان کے سوا دوسری تب کی ساری حدیثیں ضعیف بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ ان میں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں۔ ہمارا ایمان حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے۔ نہ کہ ض بخاری و مسلم وغیرہ پر حضور کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سر آنکھوں پر ہے بخاری میں ہو نہ ہو۔ تعجب ہے غیر مقلدوں پر کہ ایک م ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں مگر مسلم بخاری پر ایسا ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔

اعدہ نمبر۱۱

ی عالم فقیہ کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کر لینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی فقیہ عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فر

ماوے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہو جاوے گی۔ ولی الدین محمد ابن عبداللہ خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ خطبہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَ اِنِّی اِذَا اَسْنَدْتُ الْحَدِیْثَ اِلَیْهِمْ کَاَنِّیْ اَسْنَدْتُّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

''میں نے جب حدیث کو ان محدثین کی طرف منسوب کر دیا تو گویا حضور ﷺ کی طرف ہی منسوب کر دیا''

ان قواعد سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں کوئی ضعیف نہیں ہو سکتی کہ ان پ امت کا عمل ہے۔ ان علماء فقہاء نے قبول فرما لیا ہے ان میں سے ہر حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔ فقیر حقیر انشاء اللہ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا کہ جن سے کوئی حدیث ضعف نہ کہی جا سکے کیوں کہ اسنادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔ احمد یار خاں۔

قاعدہ نمبر ۱۲

اگر حدیث وقرآن میں تعارض نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنے چاہئیں جس سے دونوں میں موافقت ہو جاوے تعارض جاتا رہے ایسے ہی اگر حدیثیں آپس میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنے کرنے لازم ہیں کہ مخالف نہ رہے اور سب پر عمل ہو جاوے اس کی مثال یہ ہے رب فرماتا ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۴ آیت ۲۰)

جس قدر قرآن مجید آسان ہو نماز میں پڑھ لو۔

لیکن حدیث شریف میں ہے

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ۔

''جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

یہ حدیث اس آیت کی مخالف معلوم ہوتی ہے لہٰذا حدیث کے معنی یہ کرو کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ مطلقاً قرات نماز میں فرض ہے اور سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب۔ تعارض اٹھ گیا اور قرآن وحدیث دونوں پر عمل ہو گیا۔ نیز رب فرماتا ہے۔ (پارہ سورۃ آیت)

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا۔ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۲۰۴)

''جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو''

لیکن حدیث شریف میں ہے

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ۔

''جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور حدیث شریف مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہٰذا یہ مانو کہ قرآن کا حکم مطلق ہے اور حدیث شریف کا حکم اکیلے نمازی یا امام کے لیے ہے۔ مقتدی کے لیے امام کا پڑھ لینا کافی ہے ک یہ اس کی حکمی قرات ہے۔ غرض یہ کہ یہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی کے یا اپنی سے اوپر والی حدیث کے ایسے

مخالف ملے کہ کسی طرح مطابقت ہو ہی نہ سکے تو پھر قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح ہوگی اور یہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی۔ یہ حدیث منسوخ مانی جاوے گی۔ یا حضور کی خصوصیت میں سے شمار ہوگی اس کی بہت مثالیں ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۲

حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لیے قیامت ہے۔ کیونکہ انکے مذہب کا دارومدار ان روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا۔ مگر حنفیوں کے لیے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قول امام ہے۔ قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن و حدیث ہیں۔ مگر امام صاحب کو جب حدیثیں ملیں تو صحیح تھیں کہ انکی اسنادیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں دے دے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند کے دفعات۔ ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے غیر مقلدین رب کا عذاب۔

بابِ نمبر 1

کانوں تک ہاتھ اٹھانا

نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کو کانوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ مگر وہابی غیر مقلد عورتوں کی طرح کندھوں تک انگوٹھے چھو کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے حنفیوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

فصل نمبر 1

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۳...... بخاری، مسلم، طحاوی نے مالک ابن حویرث سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ اُذُنَيْهِ وَ فِيْ لَفْظٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ اُذُنَيْهِ

''حضور ﷺ جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانوں تک اٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانوں کی لو تک اٹھاتے۔''

حدیث نمبر ۴...... ابوداؤد شریف میں حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے

رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ اِلٰى قَرِيْبٍ مِّنْ اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ

''میں نے حضور کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے پھر رفع یدین نہ فرماتے''

حدیث نمبر ۵...... مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

اَنَّہٗ رَاَیْ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْہِ حِیْنَ دَخَلَ فِیْ الصَّلٰوۃِ کَبَّرَ قَالَ اَحَدُ الرُّوَاۃِ حِبَالَ اُذُنَیْہِ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِہٖ

"انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے کانوں کے مقابل پھر کپڑے میں ہاتھ چھپالئے۔"

حدیث نمبر۶ تا ۸...... بخاری، ابوداؤد، نسائی نے حضرت ابوقلابہ سے روایت کی۔

اَنَّ مَالِكَ ابْنَ حُوَیْرِثَ رَاَیْ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِذَاکَبَّرَ وَ اِذَا رَفَعَ رَاسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ حَتّٰی یَبْلُغَ فُرُوْعَ اُذُنَیْہِ

"مالک ابن حویرث نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھاتے تھے۔ جب تکبیر تحریمہ فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی لو تک پہنچ جاتے۔"

حدیث نمبر۹ تا ۱۲...... امام احمد، اسماۃ ابن راہویہ، دارقطنی، طحاوی نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی تَکُوْنَ اِبْھَامَاہُ حِذَاءَ اُذُنَیْہِ

"جب نبی ﷺ نماز پڑھتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کے مقابل ہوجاتے"

حدیث نمبر۱۳ تا ۱۵...... حاکم نے مستدرک میں دارقطنی اور بیہقی نے نہایت صحیح اسناد سے جو بشرط مسلم و بخاری ہے حضرت انس سے روایت کی۔

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَبَّرَ فَحَاذٰی بِاِبْھَامَیْہِ اُذُنَیْہِ

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر کہی اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کردیئے"

حدیث نمبر۱۶ تا ۱۷...... عبدالرزاق اور طحاوی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

کَانَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَاکَبَّرَ لِاِ فْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یَکُوْنَ اِبْھَامَاہُ قَرِیْبًا مِنْ شَحْمَۃِ اُذُنَیْہِ

"جب نبی ﷺ نماز شروع فرمانے کے لیے تکبیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی گدیہ کے مقابل ہوجاتے۔"

حدیث نمبر۱۸...... بوداؤد نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی کَانَتْ بِحِبَالِ مَنْکَبَیْہِ وَ حَاذٰی بِاِبْھَامَیْہِ اُذُنَیْہِ

"حضور ﷺ نے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ ہاتھ شریف کندھوں کے اور انگوٹھے کانوں کے مقابل ہوگئے۔"

حدیث نمبر ۱۹...... دارقطنی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

اَنَّہٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ اِفْتَتَحَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی حَاذٰی بِہِمَا اُذُنَیْہِ ثُمَّ لَمْ یَعُدْ اِلٰی شَیْئٍ مِّنْ ذٰلِکَ حَتّٰی فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ

"انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ انہیں کانوں کے مقابل فرمادیا۔ پھر نماز سے فراغت تک ہاتھ نہ اٹھائے۔"

حدیث نمبر ۲۰...... طحاوی شریف نے ابوحمید ساعدی سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ لِاَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ حِذَاءَ وَجْہِہٖ

"وہ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم سب سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کو میں جانتا ہوں آپ جب کھڑے ہوتے نماز میں تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ مبارک چہرے شریف کے مقابل تک اٹھاتے۔"

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی اور بہت سے احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتا ہوں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو کتب احادیث خصوصاً صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرو کہ اس جیسی کتاب حنفی مذہب کی تائید میں احادیث کی جامع آج تک نہ دیکھی گئی۔

عقلی دلائل

عقل بھی یہ ہی چاہتی ہے کہ نماز شروع کرتے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں کیونکہ نمازی نماز شروع کرتے وقت عبادت میں مشغول ہوتا ہے اور دنیاوی جھگڑوں سے بے زار و بے تعلق ہوتا ہے، کھانا پینا بولنا ادھر ادھر دیکھنا سب کو اپنے اوپر حرام کرلیتا ہے۔ گویا دنیا سے نکل کر عالم بالا کی سیر کرتا ہے اور عرف میں جب چیز کسی چیز سے توبہ یا بیزاری کراتے ہیں تو کانوں پر ہاتھ رکھواتے ہیں۔ کندھے نہیں پکڑواتے۔ گویا نمازی قول سے نماز شروع کرتا ہے اور عمل سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے بے زار ہو جاتا ہے۔ ایسے موقعہ پر کندھے پکڑنا بالکل ہی خلاف عقل ہے۔ جیسے سجدے میں مسلمان زبان سے تو رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتا ہے اور سر زمین پر رکھ کر اپنے عجز و نیاز کا اظہار ایسے ہی شروع نماز کے وقت ایک جز کا اقرار زبان سے ہے دوسری جز کا اظہار عمل سے۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ پر دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر 1

(۱) مسلم و بخاری نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں۔

اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَ یْهِ حِذَاءَ مَنْکَبَیْهِ

''حضور جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ شریف کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔''

انہی مسلم و بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کئے۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَ یْهِ حَذَاءَ مَنْکَبَیْهِ

''نبی ﷺ اپنے ہاتھ مبارک اپنے کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔''

یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنت۔

جواب

یہ احادیث حنفیوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانوں سے انگوٹھے لگنے میں ہاتھ کندھوں تک ہو جاویں گے۔ اور دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاوے گا۔ لیکن کندھوں تک انگوٹھے لگانے میں احادیث پر عمل نہ ہو سکے گا۔ جسمیں کانوں تک کا ذکر ہے۔ حنفی مذہب دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل کرتا ہے وہابی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہٰذا حنفی جامع ہیں۔

بلکہ حدیث نمبر ۱۸ میں اسکی تصریح گزر گئی کہ حضور انور ﷺ ہاتھ شریف ایسے اٹھاتے تھے کہ ہاتھ تو کاندھوں تک ہوتے تھے اور انگوٹھے کانوں تک۔ لہٰذا نہ احادیث متعارض ہیں نہ ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا مشکل صرف تمہاری سمجھ میں پھیر ہے۔

سارے غیر مقلدوں کا عام اعلان ہے کہ کوئی مرفوع حدیث ایسی دکھاؤ جس میں یہ ہو کہ حضور ﷺ اپنے انگوٹھے کاندھوں تک اٹھاتے تھے۔ جہاں کاندھوں کا ذکر ہے وہاں ہاتھ ارشاد ہوا اور جہاں کانوں کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا جس سے معلوم ہوا کہ کاندھوں تک ہاتھ اسی طرح اٹھتے تھے کہ انگوٹھے کانوں تک پہنچ جاتے تھے۔

اعتراض نمبر 2

کانوں تک جتنی احادیث آپ نے پیش کیں۔ وہ سب ضعیف ہیں لہٰذا قابل عمل نہیں۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ وہابی غیر مقلد اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ اپنے مخالف حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کہہ دیتے ہیں دوسرے یہ کہ ہم نے اسی سلسلہ میں مسلم و بخاری کی احادیث بھی پیش کی ہیں جن پر تمہارا پختہ ایمان ہے تیسرے یہ کہ ضعیف حدیث جب کئی اسنادوں سے منقول ہو تو قوی اور حسن بن جاتی ہے۔ کمزور تنکے مل کر مضبوط رسی بن جاتے ہیں۔ تو کمزور اسنادیں متن حدیث کو قوی کیسے نہ کریں گی۔ دیکھو اسی کتاب کا مقدمہ۔ چوتھے یہ کہ ان احادیث پر امت کے علماء، اولیاء و صالحین نے عمل کیا ہے۔ امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے پانچویں یہ کہ اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی امام اعظم ابوحنیفہ جیسی ہستی کا اسے قبول کرنا ہی قوی بنا دے گا۔ کیونکہ عالم صالح کا قبول کر لینا ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔ چھٹے یہ کہ آپ کا ان احادیث کو ضعیف کہہ دینا جرح مجہول ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں وجہ ضعف نہ بتائی گئی کہ کیوں ضعیف ہے۔ ساتویں یہ کہ اگر محدثین کو یہ احادیث ضعیف ہو کر ملیں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر نہ ہو سکتا کیونکہ ان کے وقت میں ضعیف راوی اسنادوں میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں وہابیوں کے اس مایہ ناز اعتراض کے ٹکڑے اڑ گئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

باب نمبر 2

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے

غیر مقلدین وہابی نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل۔ دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات و جوابات۔

فصل نمبر 1

نماز میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر۱......

عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ قَالَ رَاءَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى شِمَالِهٖ تَحْتَ السُّرَّةِ رَوَاهُ ابْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ بِمُسْنَدٍ صَحِيْحٍ وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ

”حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں“

حدیث نمبر۲......ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ثَلٰثٌ مِنْ اَخْلَاقِ النَّبُوَّةِ تَعْجِیْلُ الْاَفْطَارِ وَ تَاخِیْرُ السُّحُوْرِ وَ وَضْعُ الْکَفِّ عَلَی الْکَفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ

تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا، سحری میں دیر کرنا، نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

حدیث نمبر۳...... ابوداؤد شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ اَبُوْ وَائِلٍ اَخْذُ الْکَفِّ عَلَی الْکَفِّ فِی الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ

"ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیے۔"

حدیث نمبر۴ تا ۵...... دارقطنی اور عبداللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِی الصَّلٰوةِ وَضْعَ الْکَفِّ وَ فِیْ رِوَایَةٍ وَضْعَ الْیَمِیْنِ عَلَی الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ

"نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے۔"

حدیث نمبر۶ تا ۹...... ابوداؤد نسخہ ابن اعرابی، احمد، دارقطنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ قَالَ السُّنَّةُ وَضْعُ الْکَفِّ عَلَی الْکَفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ

"ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔"

حدیث نمبر۱۰...... رزین نے حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ عَلِیًّا قَالَ السُّنَّةُ وَضْعُ الْکَفِّ فِی الصَّلٰوةِ وَ یَضَعُهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ

"نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔"

حدیث نمبر۱۱...... امام محمد نے کتاب الآثار شریف میں ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یَضَعُ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی یَدِہِ الْیُسْرٰی تَحْتَ السُّرَّةِ

"آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔"

حدیث نمبر۱۲...... ابن ابی شیبہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی

قَالَ یَضَعُ یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ تَحْتَ السُّرَّةِ

"آپ نے فرمایا کہ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔"

حدیث نمبر۱۳...... ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ قَالَ مِنْ اِخْلَاقِ النُّبُوَّةِ وَضْعُ الْیَمِیْنِ عَلَی الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ

آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے

حدیث نمبر۱۴...... ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مُجْلَزٍ وَ سَأَلْتُهٗ قُلْتُهٗ كَيْفَ يَصْنَعُ قَالَ يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِيْنِهٖ عَلٰى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهٖ وَ يَجْعَلُهُمَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ اَسْنَادُهٗ جَيِّدٌ وَرُوَاتُهٗ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ

''میں نے ابومجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے اس کی اسناد بہت قوی ہیں اور سارے راوی ثقہ ہیں۔''

اس کے متعلق اور بہت سے حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف چودہ پر قناعت کرتا ہوں اس کی تحقیق دیکھو صحیح البہاری اور فتح القدیر میں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں انتہائی ادب ہے نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے لہٰذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیئے۔ غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے میں۔ نیاز مندی سے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے خم ٹھونک کر۔

اللہ کے بندو جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب التحیات میں ادب اور نیاز مندی کا لحاظ تو قیام میں اکڑ کر خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو۔ یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں۔ جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

فصل نمبر 2

اس پر اعتراضات اور جوابات میں

اعتراض نمبر 1

ابوداؤد شریف میں ابن جریر ضبی نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔

قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا يُمْسِكُ شِمَالَهٗ بِيَمِيْنِهٖ عَلَى الرُّسْغِ فَوْقَ السُّرَّةِ۔

''میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو دیکھا کہ آپ نے بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ سے کلائی پر پکڑا ناف کے اوپر''

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آپ نے ابوداؤد شریف کی یہ حدیث پوری نہیں لکھی اسکے بعد مفصل یہ ہے۔

قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ رُوِیَ عَنْهُ سَعِيْدُ ابْنُ اَبِیْ جُبَيْرٍ فَوْقَ السُّرَّةِ وَ قَالَ اَبُوْ جَلَادٍ تَحْتَ السُّرَّةِ وَ رُوِیَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَ لَيْسَ بِالْقَوِیِّ۔

''ابوداؤد نے فرمایا کہ سعید ابن جبیر سے ناف کے اوپر کی روایت ہے ابوجلاد نے ناف کے نیچے کی روایت کی ابی ہریرہ سے بھی یہ ہی روایت ہے مگر یہ کچھ قوی نہیں۔''

ضروری نوٹ

زیر ناف یا ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث مروجہ ابوداؤد کے نسخوں میں نہیں ابن اعرابی والے ابوداؤد کے نسخوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ ابوداؤد میں اسکی تصریح ہے اسی نسخے سے فتح القدیر اور صحیح البہاری نے روایات کیں۔

بہر حال آپ کی پیش کردہ ابوداؤد کی حدیث میں تعارض واقع ہو گیا اور ان تمام متعارضہ روایتوں کو خود ابوداؤد نے ضعیف فرمایا تعجب ہے کہ آپ ابوداؤد کی ضعیف حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب حدیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ زیر ناف والی احادیث قابل عمل ہوں کیوں کہ سجدہ رکوع، التحیات کی نشست سب میں ادب ملحوظ ہے تو چاہیئے کہ قیام میں بھی ادب کالحاظ رہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ادب ہے سینے پر ہاتھ رکھنا بے ادبی گویا کسی کو کشتی کی دعوت دینا ہے رب کو زور نہ دکھاؤ وہاں زاری کر

اعتراض نمبر 2

آپ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔

جواب

ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا آپ بزرگوں کی پرانی عادت ہے اس کے سات جواب ہم باب اول کی دوسری فصل میں دے چکے ہیں کہ جو روایت چند اسنادوں سے مروی ہو جاوے وہ ضعیف نہیں رہتی۔ ہم نے دس اسنادیں پیش کی ہیں نیز امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ نیز امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر امام کے قبول فرمالینے سے ان کا ضعف جاتا رہا۔ نیز ان میں اگر ضعف ہے تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد پیدا ہوا بعد کا ضعف امام اعظم کو مضر کیوں ہوگا۔ وغیرہ۔

لطیفہ

ہم نے چھ رمضان المبارک دوشنبہ کو حافظ الٰہی بخش صاحب سکنہ جمال پور گجرات کو فخر اہل حدیث مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب مقیم گجرات کی خدمت میں عریضہ دے کر بھیجا۔ جس میں ان سے درخواست کی کہ براہ مہربانی سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث مع حوالہ تحریر فرما کر ارسال فرمایئے۔ ہمارا خیال تھا کہ چونکہ حافظ مولانا عنایت اللہ صاحب اہل حدیث کے چوٹی کے مایہ ناز عالم ہیں وہ ضرور مسلم و بخاری یا صحاح ستہ سے اس کے متعلق بے شمار احادیث نقل فرما کر بھیجیں گے۔ جو کہ آج تک ہم نے دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ مگر مولانا موصوف کی طرف سے جو جواب آیا وہ سنیئے اور سر دھنیئے۔ ایک انچ پرچہ پر ایک سطر لکھی تھی جس میں یہ تھا

بلوغ المرام صفحہ ۲۱ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ

''وائل بن حجر سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر اپنے سینے پر رکھا۔''

اور مولانا موصوف نے زبانی یہ ارشاد کہلا بھیجا کہ تفسیر قادری اردو میں بھی لکھا ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (پارہ ۳۰ سورۃ ۱۰۸ آیت ۲)

کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور نحر یعنی سینے پر نماز میں ہاتھ رکھیں۔

یہ جواب دیکھ کر اور سن کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی ہمیں صرف یہ افسوس ہے کہ یہ اکابر جو ہم سے ہر مسئلہ میں مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ فرماتے ہیں اور صحاح ستہ سے باہر نہیں نکلنے دیتے اور جب اپنی باری آتی ہے تو ایسی روایت پر قناعت فرماتے ہیں جس کا سر نہ پاؤں نہ کوئی اس کی سند نہ کسی مستند کتاب کا حوالہ۔ حافظ الٰہی بخش صاحب نے ہمیں بتایا کہ بلوغ المرام کوئی تیس چالیس ورق کا رسالہ ہے جس میں سے یہ حدیث مولوی صاحب نے نقل فرمادی اگر کسی مسئلہ پر ہم ایسے رسالہ سے کوئی حدیث نقل کرتے تو قیامت آجاتی بخاری مسلم کا مطالبہ ہوتا۔

اول تو پتہ نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ضعیف ہے یا کیسی ہے۔ اگر مان لو کہ حدیث صحیح ہے تو حدیث میں یہ بھی ذکر نہیں کہ حضور نے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھا بلکہ فوضع کی ت عاطفہ تعقیبیہ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کسی حاجت سے سینے پر ہاتھ رکھے۔ رب فرماتا ہے

فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۵۳)

"جب تم کھانا کھاؤ تو چلے جاؤ۔"

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے دوران میں روٹی ہاتھ میں لئے چلے جاؤ۔ اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہوگی۔ پھر اس حدیث میں اسکا طریقہ مذکور نہ ہوا کہ آیا عورتوں کی طرح سینے پر ہاتھ رکھے یا پہلوانوں کی طرح لہٰذا حدیث مجمل ہے۔ قابل عمل نہیں آیت کریمہ کے متعلق صرف یہ گزارش ہے کہ وانحر کے یہ اچھوتے معنی نہ کسی مرفوع صحیح حدیث میں آئے نہ جمہور مفسرین نے بیان فرمائے۔ سب یہی معنی کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ اور حوالہ کیسی معتبر تفسیر کا دیا تفسیر قادری اردو جل جلالہ، اگر بفرض محال مان لو تو تمام اہل حدیث کو چاہیئے کہ اب سے نماز میں بجائے سینے کے گلے پر ہاتھ رکھا کریں کیونکہ نحر گلے کے آخری حصے کو کہتے ہیں جو سینے سے متصل اوپر کی جانب ہے قربانی کو نحر اس لیے کہتے ہیں اس میں ذبح کے وقت جانور کا گلا چیرا جاتا ہے نہ کہ سینا لہٰذا اب ان بزرگوں کو ترقی کر کے سینے سے اوپر گلا پکڑنا چاہیئے۔

بہر حال ہمیں مولانا موصوف کے اس جواب پر سخت افسوس ہوا۔ اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان بزرگوں کے پاس سینے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی حدیث مسلم بخاری یا صحاح ستہ کی موجود نہیں ان بچاروں کو صحاح ستہ کی حدیث صحیحہ کیا ملتی اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اتنا فرمایا۔

وَرَاٰی بَعْضُهُمْ اَنْ يَّضَعَهُمَا فَوْقَ السُّرَّةِ وَرَاٰی بَعْضُهُمْ اَنْ يَّضَعَهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ وَ كُلُّ ذَالِكَ وَاسِعٌ عِنْدَهُمْ

"بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر رکھے بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف نیچے رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے ان کے نزدیک"

اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور نقل فرماتے۔ صرف علماء کی رائے کا ذکر نہ فرماتے۔

باب نمبر 3

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا

سنت یہ ہے کہ نمازی سورۃ فاتحہ کے اول بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے۔ الحمد للہ سے قرات شروع کرے۔ مگر غیر مقلد وہابی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بسم اللہ آہستہ آہستہ پڑھنے کے متعلق بہت احادیث شریفہ ہیں جن میں سے یہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

حدیث نمبر ۱ تا ۳...... مسلم و بخاری و امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ خَلْفَ اَبِىْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ يَقْرَاُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"میں نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیق و عمر و عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوں۔"

حدیث نمبر ۴...... مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

وَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبَا بَكْرٍ وَ عُمَرَ كَانُوْ يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

"بے شک نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع فرماتے تھے۔"

حدیث نمبر ۵ تا ۷...... نسائی، ابن حبان، طحاوی شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِىْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ يَجْهَرُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"میں نے نبی ﷺ، ابوبکر و عمر و عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے نہ سنا۔ رضی اللہ عنہم۔"

حدیث نمبر ۸ تا ۱۱...... طبرانی نے معجم کبیر میں ابو نعیم نے حلیہ میں ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبَا بَكْرٍ وَ عُمَرَ كَانُوْا يُسِرُّوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"بے شک نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھا کرتے تھے۔"

حدیث نمبر ۱۲ تا ۱۴...... ابوداؤد۔ دارمی۔ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبَا بَکْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ کَانُوْ یَسْتَفْتِحُوْنَ الْقِرَاءَ ۃَ بِالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلِمِیْنَ

"یقیناً نبی ﷺ اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ رب العالمین سے قراۃ شروع فرماتے تھے"۔

حدیث نمبر ۱۵...... مسلم شریف نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبَا بَکْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ کَانُوْا یَسْتَفْتِحُوْنَ الْقِرَاءَ ۃَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا یَذْکُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِیْ اَوَّلِ الْقِرَاءَ ۃِ وَ لَا فِیْ اٰخِرِھَا

"یقیناً نبی ﷺ اور ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ سے قراۃ شروع فرماتے تھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ قراۃ کے شروع میں ذکر کرتے تھے نہ قراۃ کے آخر میں۔"

حدیث نمبر ۱۶...... ابن ابی شیبہ نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّہٗ کَانَ یَخْفِیْ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ الْاِسْتِعَاذَ ۃَ وَ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ

"عبداللہ ابن مسعود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اعوذ باللہ اور ربنا لک الحمد آہستہ پڑھا کرتے تھے۔"

حدیث نمبر ۱۷...... امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ اَرْبَعٌ یُخْفِیْھِنَّ الْاِمَامُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ التَّعَوُّذُ وَ اٰمِیْنَ۔

"آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے بسم اللہ، سبحانک اللھم، اعوذ باللہ اور آمین"

حدیث نمبر ۱۸ تا ۱۹...... مسلم ابوداؤد شریف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوۃَ بِالتَّکْبِیْرِ وَ الْقِرَاءَ ۃِ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

"فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز تکبیر سے شروع فرماتے تھے۔ اور قراۃ الحمد للہ سے"

حدیث نمبر ۲۰...... عبدالرزاق نے ابو فاختہ سے روایت کی۔

اِنَّ عَلِیًّا کَانَ لَا یَجْھَرُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ کَانَ یَجْھَرُ بِالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حضرت علی مرتضٰی بسم اللہ اونچی آواز سے نہ پڑھتے تھے الحمد للہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔

اس کے متعلق اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتے ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کریں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جاوے کیونکہ سورتوں کے اول میں جو بسم اللہ لکھی ہوئی ہے وہ ان سورتوں کا جز نہیں۔ فقط سورتوں میں فصل کرنے کے لیے لکھی گئی۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ جو اچھا کام بسم اللہ سے شروع نہ ہو وہ ناقص ہے تو جیسے برکت کے لیے نمازی قرات سے پہلے اعوذ باللہ پڑھتے ہیں۔ مگر آہستہ کیونکہ تعوذ سورۃ کا جز نہیں۔ ایسے ہی برکت کے لیے بسم اللہ

پڑھے۔ مگر آہستہ کیونکہ یہ بھی ہر سورۃ کا جز نہیں ہاں سورہ نمل شریف میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۃ کا جز ہے۔ امام وہاں بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ وہاں کی آیت ہے۔ غرض یہ کہ امام صرف قرآن کریم کی آواز سے پڑھے جو بسم اللہ سورۃ کے اول میں ہے وہ سورۃ کا جز نہیں لہٰذا آہستہ پڑھنی چاہیئے۔

فصل نمبر 2

اس پر اعتراضات اور جوابات میں

اِعتَراض نمبر 1

چونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورۃ کا جز ہے۔ اگر جز نہ ہوتی تو قرآن میں لکھی نہ جاتی۔ قرآن میں صرف آیات قرآنیہ لکھی گئیں۔ غیر قرآن نہ لکھا گیا۔ لہٰذا جیسے اور آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے ہی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھنی چاہیئے۔

جوَاب

اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جز و نہیں کیونکہ ہر سورۃ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ شروع بخاری شریف باب کیف کان بدء الوحی میں سب سے پہلے وحی کے متعلق روایت کی ہے کہ جبریل علیہ السلام امین نے حضور کی خدمت میں عرض کیا اقراء پڑھو۔ حضور نے فرمایا مَاَ اَ نَا بِقَارِئٍ میں پڑھنے والا نہیں۔ پھر عرض کیا اقراء حضور نے پھر وہ ہی جواب دیا۔ آخر میں عرض کیا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (پارہ ۳۰ سورۃ ۹۶ آیت ۱) الخ۔ غرض یہ کہ پہلی وحی یہ ہے جس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ شریف نازل نہیں ہوئی دوسرے یہ کہ اگر بسم اللہ ہر سورۃ کا جز و ہوتی تو سورۃ کے اوپر علیحدہ کر کے لمبے حروف سے نہ لکھی جاتی بلکہ جیسے اور آیتیں ملی ہوئی لکھی گئی ہیں ایسے ہی بسم اللہ تمام آیتوں کے ساتھ لکھی جاتی۔ دیکھو سورۃ نمل شریف میں بسم اللہ سورۃ کا جز ہے تو وہاں علیحدہ امتیازی شکل میں نہ لکھی گئی بلکہ تمام آیات کے ساتھ تحریر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ کا امتیازی شکل میں علیحدہ لکھنا فاصلہ کے لیے ہے۔

اِعتَراض نمبر 2

طحاوی شریف میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یُصَلِی فِیْ بَیْتِهَا فَیَقْرَاءُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ

"نبی ﷺ میرے گھر میں نماز پڑھتے تھے تو پڑھتے تھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ"

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نماز میں بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے۔ ورنہ ام سلمہ کیسے سن لیتیں۔

جوَاب

اس حدیث میں آواز کا ذکر نہیں۔ صرف بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ پڑھے ظاہر یہ ہی ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آہستہ ہی پڑھتے تھے۔ یہ نماز جو حضور ام سلمہ کے گھر پڑھتے تھے فرض نماز نہ تھی۔ نفل تھی۔ فرض تو مسجد میں جماعت سے پڑھتے تھے نفل میں قراۃ قرآن آہستہ ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں بسم اللہ بھی آہستہ تھی اور الحمد للہ بھی آہستہ۔ ام سلمہ اس موقعہ پر حضور ﷺ کے قریب ہوتی تھیں۔ اس لیے حضور ﷺ کی آہستہ آواز شریف سن لیتی تھیں آہستہ قراۃ میں بھی اتنی آواز چاہیئے کہ برابر والا سن لے ورنہ وہ قراۃ نہ ہوگی تفکر ہوگا لہٰذا اس حدیث سے آپ کا مدعی ہونا ثابت نہیں۔

اعتراض نمبر 3

ترمذی شریف میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلٰوةَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

''حضور ﷺ اپنی نماز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔''

جواب

اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ افسوس ہے کہ آپ نے ترمذی کا یہ مقام آگے نہ دیکھا فرماتے ہیں۔

مِنَ الْحَدِيْثِ لَيْسَ اَسْنَادُهٗ بِذَاكَ

''یہ ایسی حدیث ہے جس کی اسناد کچھ بھی نہیں۔''

افسوس یہ ہے کہ ہماری پیش کردہ حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کرکے رد کرتے ہو اور خود ایسی حدیث پیش کر رہے ہو جس کا سر نہ پتہ دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لو تو بھی اس میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ صرف یہ ہے کہ نماز بسم اللہ سے شروع فرماتے تھے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنی چاہیئے مگر آہستہ تیسرے یہ کہ ہوسکتا ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہوں کیونکہ صلوٰۃ فرمایا نہ کہ قرات۔

اعتراض نمبر 4

طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابزیٰ سے روایت کی۔

صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ فَجَهَرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ كَانَ يَجْهَرُ اَبِيْ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھی میرے والد بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔''

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

جواب

اس کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمام ان مشہور احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جن میں بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن سے بہت قوت ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت خلفاء راشدین الحمد للہ سے قرات شروع کرتے

تھے بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے لہٰذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے اندر سبحان پڑھنے کے بعد الحمد سے پہلے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ختم فرما کر دعا سے پہلے برکت کے لیے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے۔ پھر دعا فرماتے تھے اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کرنی چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ سورۃ سے پہلے بسم اللہ کا اونچی آواز سے پڑھنا اس لیے ہے کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جز ہے اور سورۃ کا جز ہونا قطعی یقینی حدیث سے ہو سکتا ہے نہ کہ حدیث واحد سے آپ کی پیش کردہ حدیث خبر واحد ہے جو یہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں افسوس یہ ہے کہ ہم آہستہ بسم اللہ کے لیے بخاری و مسلم کی روایات پیش کریں۔ اور آپ اس کے مقابل طحاوی شریف کی آڑ لیں۔ حالانکہ طحاوی شریف پر آپ کا اعتماد نہیں۔

باب نمبر 4

امام کے پیچھے مقتدی قراءت نہ کرے

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے۔ مگر غیر مقلد وہابی مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں۔ اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ۔ اقوال صحابہ کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں۔ لہٰذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

فصل نمبر 1

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتا ہے۔

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۲۰۴)

اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ رحم کیے جاؤ۔

خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قرات بھی کرتے تھے۔ بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۲۰۴)

"اور کھڑے رہو اللہ کیلئے اطاعت کرتے ہوئے خاموش۔"

چنانچہ مسلم نے باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری نے باب ما نہی من الکلام فی الصلوٰۃ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلٰوةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهٗ وَهُوَ اِلٰى جَنْبِهٖ فِي الصَّلٰوةِ حَتّٰى نَزَلَتْ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ فَاُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ وَ نُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ۔ (لفظ للمسلم)

''ہم لوگ نماز میں باتیں کرلیا کرتے تھے۔ ہرایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کرلیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری وقوموا اللہ الخ پس ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرمادیا گیا۔''

پھر نماز میں کلام تو منع ہوگیا۔ مگر تلاوت قرآن مقتدی کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہوگئی۔

وَاِذَا قُرِیْءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا الخ

''جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔''

چنانچہ تفسیر مدارک شریف میں اسی آیت وَاِذَاقُرِیَ کی تفسیر میں ہے۔

وَجُمْهُوْرُ الصَّحَابَةِ عَلٰی اَنَّهٗ فِیْ اسْتِمَاعِ الْمُؤْتَمِّ۔

''عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے قرات امام سننے کے متعلق ہے۔''

تفسیر خازن میں اسی آیت وَاِذَا قُرِیْءَ کی تفسیر میں ایک روایت یہ نقل فرمائی۔

وَعَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ نَاسًا یَقْرَءُوْنَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَمَّا اٰنَ لَكُمْ اَنْ تَفْقَهُوْا وَاِذَا قُرِیْءَ الْقُرْاٰنُ۔

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی تک یہ وقت نہ آیا کہ تم اس آیت کو سمجھو قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ الخ''

تنویر مقیاس من تفسیر ابن عباس شریف میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے

وَاِذَا قُرِیْءَ الْقُرْاٰنُ فِی الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِلٰی قِرَاءَتِهٖ وَاَنْصِتُوْا لِقِرَاءَتِهٖ

''جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی قرات کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھے جاتے وقت خاموش رہو'

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اول اسلام میں امام کے پیچھے مقتدی قرات کرتے تھے اس آیت مذکورہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قراۃ منسوخ ہوگئی اب احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر۱ ...... مسلم شریف باب سجود التلاوۃ میں عطاء ابن یسار سے مروی ہے۔

اَنَّهٗ سَاَلَ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَالَ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْاِمَامِ فِیْ شَیْءٍ

''انہوں نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی سے امام کے ساتھ قراۃ کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قراۃ جائز نہیں۔''

حدیث نمبر۲ ...... مسلم شریف باب التشہد میں ہے۔

فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ فَحَدِیْثُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فَقَالَ هُوَ صَحِیْحٌ یَعْنِیْ وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا

''ابوبکر نے سلمان سے پوچھا کہ ابو ہریرہ کی حدیث کیسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے یعنی یہ حدیث کہ جب امام

قرات کرے تو تم خاموش رہو بالکل صحیح ہے۔"

حدیث نمبر۳......ترمذی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ صَلّٰی رَکْعَةً لَمْ یَقْرَءْ فِیْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ یُصَلِّ اِلَّا اَنْ یَّكُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ

"جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو (یعنی تب نہ پڑھے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

حدیث نمبر۴......نسائی شریف میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا۔

"حضور نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اسکی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرات کرے تو تم خاموش رہو۔"

ہم حدیث نمبر۲ میں مسلم شریف کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث نمبر۵......اوی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ

"جس کا کوئی امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے۔"

حدیث نمبر۶ تا ۱۰......امام محمد نے موطاء شریف میں امام ابوحنیفہ عن موسیٰ ابن ابی عائشہ عن عبداللہ ابن شداد عن جابر ابن عبداللہ سے روایت کی ہے۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ قَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ مَنِيْعٍ وَابْنُ الْهُمَّامِ هٰذَا الْاَسْنَادُ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ

"حضور نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے محمد ابن منیع اور امام ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہے۔ اور مسلم بخاری کی شرط پر ہے۔"

یہ حدیث امام احمد، ابن ماجہ، دار قطنی، بیہقی نے بھی روایت کی (صحیح البہاری)۔

حدیث نمبر۱۱......طحاوی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَتَقْرَءُوْنَ وَالْاِمَامُ یَقْرَءُ فَسَكَتُوْا فَسَاَلَهُمْ ثَلٰثًا فَقَالُوْا اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا۔

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور ﷺ نے نماز پڑھائی پھر صحابہ پر متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ کیا امام کی قراءت کی حالت میں تم تلاوت کرتے ہو۔ صحابہ خاموش رہے حضور نے تین بار یہ سوال فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں فرمایا

کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔"

حدیث نمبر ۱۲......طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ قَرَءَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَلَیْسَ عَلٰی فِطْرَةٍ

"جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں"

حدیث نمبر ۱۳......دار قطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ اَوْ اُنْصِتُ قَالَ بَلْ اَنْصِتْ فَاِنَّہٗ یَکْفِیْکَ

"ایک شخص نے حضور سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے تلاوت کروں یا خاموش رہوں فرمایا خاموش رہو امام تیرے لیے کافی ہے۔"

حدیث نمبر ۱۴......دار قطنی نے حضرت شعبی سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْاِمَامِ۔

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے تلاوت جائز نہیں۔"

حدیث نمبر ۱۵......بیہقی نے قراۃ کی بحث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

"اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُّ صَلٰوةٍ لَمْ یُقْرَءْ فِیْھَا بِاُمِّ الْکِتَابِ فَھِیَ خِدَاجٌ اِلَّا صَلٰوةٌ خَلْفَ الْاِمَامِ"

"انہوں نے حضور سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جاوے وہ ناقص ہے ماسوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔"

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷......امام محمد موطا میں عبدالرزاق نے اپنی تصنیف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

"قَالَ لَیْتَ فِیْ فَمِ الَّذِیْ یَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ حَجَرٌ۔"

"جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو"

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۴......امام طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو غیر رضی اللہ عنہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مکمل اسنادوں سے روایات پیش کیں کہ یہ تمام حضرات امام کے پیچھے قرات کے سخت خلاف تھے ان میں سے کوئی صاحب فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں آگ ہو۔ کوئی فرماتے ہیں اس کے منہ میں پتھر ہو کوئی فرماتے ہیں کہ وہ فطرت کے خلاف ہے اگر ہم کو اس رسالہ کے بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ تمام روایات یہاں نقل کرتے ان کے علاوہ قراۃ خلف الامام کے خلاف بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں سے ہم نے صرف ۲۴ پر کفایت کی اگر کسی کو ان کے مطالعہ کا شوق ہو تو طحاوی شریف۔ موطا امام محمد۔ صحیح البہاری۔ ہمارا حاشیہ

بخاری نعیم البہاری وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرے چند وجوہ سے:

(۱) نماز میں جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ ایسے ہی سورۃ ملانی بھی ضروری ہے مسلم شریف میں ہے۔

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا

''اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور کچھ اور نہ پڑھے۔''

غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے تو چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۃ میں امام کی قرات کافی۔ ایسے ہی سورۃ فاتحہ میں بھی کافی ہے۔

(۲) جو کوئی رکوع میں امام کے ساتھ مل جاوے اسے رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی لازم ہوتی تو اسے رکعت نہ ملنی چاہیئے تھی۔ دیکھو اگر یہ شخص تکبیر تحریمہ نہ کہے یا تکبیر تحریمہ کے ساتھ ایک تسبیح کے بقدر قیام نہ کرے بلکہ سیدھا رکوع میں چلا جاوے تو اسے رکعت نہ ملے گی۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ اور قیام مقتدی پر فرض ہے تو ایسے ہی اگر اس پر سورۃ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر رکعت نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ امام کی قرات اسکے لیے کافی ہے جب اس مقتدی کے لیے قرات ساقط ہوگئی تو چاہیئے کہ دوسرے مقتدیوں سے بھی ساقط ہو۔

(۳) اگر مقتدی پر قرات فاتحہ بھی ہو اور آمین بھی تو بتاؤ کہ اگر امام مقتدی سے پہلے سورۃ فاتحہ سے فارغ ہو جاوے تو یہ مقتدی جو ابھی فاتحہ کے بیچ میں ہے آمین کہے یا نہ کہے اور اپنی فاتحہ ختم کر کے بھی آمین کہے یا نہ کہے جو بھی جواب دو حدیث دکھا کر دو۔ نہ دو آمین جائز ہیں۔ نہ فاتحہ کے بیچ میں آمین درست ہے۔

(۴) اگر مقتدی فاتحہ کے بیچ میں ہوں اور امام رکوع میں چلا جاوے تو بتاؤ یہ مقتدی آدھی فاتحہ چھوڑ دے یا رکوع چھوڑ دے۔ جو بھی جواب دو حدیث دکھاؤ اپنی عقل وقیاس سے جواب نہ دینا۔ مشرق ومغرب کے علماء اہل حدیث کو اعلان عام ہے کہ ان سوالات نمبر ۲، ۳، ۴ کے جوابات تمام حضرات مل کر مشورہ کر کے دیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ حدیث صریح سے دیں محض اپنی رائے شریف سے نہ دیں۔ انشاء اللہ نہ دے سکیں گے تو چاہیئے کہ ضد چھوڑیں اور احناف کی طرح حکم قرآن وحدیث پر عمل کریں کہ امام کے پیچھے قرات نہ کیا کریں۔

(۵) شاہی دربار میں جب کوئی وفد جاتا ہے تو دربار کے آداب سب بجالاتے ہیں۔ مگر عرض ومعروض سب نہ کریں گے۔ جو نمائندہ ہو گیا وہ ہی کرے گا۔ ایسے ہی باجماعت نمازی رب کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں تو تکبیر، تسبیح، تشہد وغیرہ سب پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے سب ادا کریں۔ مگر تلاوت قرآن جو عرض ومعروض ہے۔ صرف قوم کا نمائندہ کرے یعنی امام۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض وجواب میں

اس مسئلہ پر غیر مقلدین اب تک جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم بفضلہٖ تعالیٰ ہر ایک نقل کر کے سب کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتے

ہیں اور جس سلیقے سے ان کے سوالات ہم نقل کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ اس طریقہ سے وہ بھی نہ کر سکیں گے رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر 1

آیۃ کریمہ وَ اِذَا قُرِیءَ الْقُراٰنُ میں قرآن سے مراد جمعہ کا خطبہ ہے نہ کہ مقتدی کی نماز جیسا کہ بعض مفسرین نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا۔ لہٰذا خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ضروری ہے مگر مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا منع نہیں۔

جواب

یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مکیہ ہے۔ سورۃ اعراف کی آیت ہے اور جمعہ کی نماز وخطبہ مدینہ منورہ میں بعد ہجرت شروع ہوئے پھر اس آیت میں خطبہ مراد کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بفرض محال مان لو تب بھی چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں صرف قرأت قرآن کا ذکر ہے لہٰذا یہ حکم سب کو شامل ہے کیونکہ آیت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا۔ تیسرے یہ کہ جب خطبہ میں لوگوں کا بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں۔ تو امام کی پیچھے جبکہ سارا قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے۔ پھر خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی۔ تعجب ہے کہ آپ خطبہ جمعہ میں تو خاموشی ضروری کہتے ہیں اور امام کے پیچھے نہیں۔

اعتراض نمبر 2

آیت کریمہ وَاِذَا قُرِیءَ مشرکین مکہ سے خطاب ہے جو حضور ﷺ کی تلاوت کے وقت شور مچاتے تھے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت دنیاوی باتیں کر کے شور نہ کیا کرو۔ لہٰذا سورۃ فاتحہ پڑھنا اس میں داخل نہیں۔

جواب

یہ بھی غلط ہے۔ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں جب تک ایمان نہیں لائیں۔ قرآن سننا بھی عبادت ہے۔ یہ ان پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے آخر میں ہے **لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ** (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۲۰۴) تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے۔ کافر ایمان کے بغیر کوئی بھی نیکی کرے۔ رحمت کا مستحق نہیں رب فرماتا ہے۔

مِنْھُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ وَ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّۃً (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۲۵)

"یعنی بعض کفار آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے۔"

دیکھو کفار کا کان لگانا مفید نہ ہوا اور فرماتا ہے۔

وَ قَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۵ آیت ۲۳)

"اور جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک غبار کے ریزوں کی طرح بنا دیا۔"

اگر کافر سارا قرآن حفظ بھی کرے اور روزانہ تلاوت بھی کیا کرے۔ تب بھی ثواب کا مستحق نہیں بغیر وضو نماز درست نہیں۔ بغیر ایمان لائے کوئی عبادت قبول نہیں دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا وانصتوا خاموش رہو۔ خاموشی کے معنی یہ ہیں کہ نہ بات کرو نہ کچھ

پڑھو اگر سورۃ فاتحہ پڑھتے رہے تو خاموشی کہاں ہوئی غرض یہ کہ یہ آیت نہ تو کفار کے حق میں نازل ہوئی نہ خطبہ جمعہ کے لیے نمازیوں کو امام کے پیچھے قرات سے روکنے کے لیے نازل ہوئی چنانچہ بیہقی شریف میں حضرت مجاہد سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِي الصَّلٰوةِ فَسَمِعَ قِرَاءَةَ فَتًى مِنَ الْاَنْصَارِ فَنَزَلَ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الخ (بہاری)

"حضور ﷺ نماز میں قرات فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری جوان کی قرات سنی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی و اذا قری"

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ معاویہ ابن قرہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مغفل صحابی رسول سے آیت کے نزول کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔

قَالَ اِنَّمَا نَزَّلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الخ فِي الْقِرَائَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ اِذَا قَرَءَ الْاِمَامُ فَاسْتَمِعْ لَهٗ وَاَنْصِتْ

(بہاری)

"یہ آیت واذا قری الخ امام کے پیچھے قرات کرنے کے متعلق نازل ہوئی لہٰذا جب امام قرات کرے تو تم کان لگا کر سنو اور خاموش رہو"

اعتراض نمبر 3

اگر تلاوت قران کے وقت سب کو خاموش رہنے کا حکم ہے تو مصیبت آ جاوے گی۔ آج ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جو تمام ملک میں سنی جاتی ہے تو سب کو کاروبار کلام سلام حرام ہو جاوے گا۔ امام تراویح پڑھا رہا ہے ایک آدمی آیا جس نے ابھی فرض نہیں پڑھے اور وہ اسی مسجد میں فرض عشاء پڑھتا ہے جہاں قرات کی آواز آ رہی ہے یہ بھی حرام ہوگا۔ غرض یہ کہ یہ معنی امت کے لیے سخت تکلیف کا باعث ہیں۔ (موجودہ وہابی)۔

جواب

ساری امت کا اجماع ہے کہ تلاوت قرآن سننا فرض کفایہ ہے نہ کہ فرض عین اگر قاری کی قرات ایک مسلمان بھی سن رہا ہے تو کافی ہے جیسے نماز جنازہ کہ اگرچہ سب پر فرض ہے مگر ایک کہ ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو گئے امام کے پیچھے سب مقتدی ایک شخص کے حکم میں ہیں۔ جیسے نماز جنازہ کی جماعت لہٰذا مقتدیوں میں سے کوئی کلام سلام تلاوت نہیں کر سکتا۔ غیر مقتدی کے لیے ان مقتدیوں کا سن لینا کافی ہے۔ ہاں اگر سب لوگ کاروبار میں لگے ہوں کوئی نہ سن رہا ہو تو بلند آواز سے تلاوت منع ہے ایسے ہی ایک مجلس میں چند لوگوں کا بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا منع ہے یا تو ایک تلاوت کرے باقی سنیں یا سب خاموشی سے پڑھیں۔ اس کی تحقیق شامی وغیرہ کتب فقہ میں دیکھو۔ لہٰذا نہ کوئی آفت ہے نہ مصیبت۔

اِعتَراض نمَبر 4

اس سے لازم آتا ہے کہ مکتب میں چند بچے ایک ساتھ قرآن شریف بلند آواز سے یادنہیں کرسکتے پھر بھی مصیبت ہی رہی۔

جوَابْ

وہاں تعلیم قرآن ہے تلاوت قرآن نہیں۔ تلاوت کا سننا فرض ہے نہ کہ تعلیم قرآن کا اس لیے رب نے اِذَا قُرِئَ فرمایا اِذَا تَعَلَّمَ نہ فرمایا دیکھو رب فرماتا ہے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۶ آیت ۹۸)

”جب تم قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔“

تلاوت قرآن پر اعوذ پڑھنا چاہیئے۔ مگر جب شاگرد استاد کو قرآن سنائے تو اعوذ نہ پڑھے کہ یہ تلاوت قرآن نہیں تعلیم قرآن ہے۔ (شامی وغیرہ) ایسے ہی قرآن کریم خلاف ترتیب چھاپنا منع ہے۔ ترتیل و ترتیب چاہیئے۔ مگر بچوں کی تعلیم کے لیے آخری پارہ الٹا چھاپتے بھی ہیں اور انہیں الٹا پڑھاتے بھی ہیں۔ تعلیم و قرات کے احکام میں فرق ہوتا ہے قرآن نے بھی تلاوت و تعلیم میں فرق کیا رب فرماتا ہے۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۶۴) الخ وہ نبی مسلمانوں پر آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔ اگر تلاوت اور تعلیم میں فرق نہیں تو یہاں ان دونوں کا ذکر علیحدہ کیوں ہوا؟

اِعتَراض نمَبر 5

آپ کی پیش کردہ حدیث قِرَاءَ ةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَ ةٌ اور حدیث وَاِذَا قُرِءَ فَاَنْصِتُوْا میں لفظ قرء ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا تو ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو کیا پڑھے قرآن یا کچھ اور تو چاہیئے کہ امام کے پیچھے سبحان، التحیات، درود وغیرہ کچھ نہ پڑھا جاوے کیونکہ امام جو پڑھ رہا ہے۔ (موجودہ عقلمند وہابی)

جوَابْ

اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر ایسے ہی لفظوں کے لغوی معنی کیے گئے تو آپ کو مصیبت پڑ جاوے گی۔ آپ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کے معنی ہیں بات چیت یا قصہ کہانی رب فرماتا ہے۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۷ آیت ۵۰) اور فرماتا ہے فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ

”اس کے بعد کس بات پر ایمان لاؤ گے۔ ہم نے ان قوموں کو قصے کہانیاں بنا دیا۔“

تو اہل حدیث کے معنی یا تو ہوئے باتیں بنانے والا بکی یا قصے کہانیاں ناول پڑھنے سنانے والا جناب یہاں حدیث کے اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ فرمان رسول اللہ ﷺ۔ وحی کے لغوی معنی ہیں۔ اشارہ اسلام کے معنی ہیں فرماں برداری کلمے کے معنی ہیں لفظ ان تمام معنی میں یہ الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ کہو اب کہاں جاؤ گے سارا اسلام ہی ختم اور قرآن کے احکام ہی فنا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ نماز

کے ذکر میں جب بھی لفظ قرات بولا جاتا ہے تو اس سے تلاوت قرآن مراد ہوتی ہے ہم کہتے ہیں نماز کے چھ رکن ہیں تکبیر تحریمہ، قیام، قرات، رکوع، سجدہ، التحیات میں بیٹھنا تو یہاں قیام کے معنی ناچنے کے لیے کھڑا ہونا اور قرات کے معنی ناول پڑھنا نہیں ذرا سمجھ سے بات کیا کرو کیا اتنی سمجھ پر حدیث رسول سمجھنے کا دعویٰ ہے۔

گر ہمیں مکتب وہمیں ملا
کار طفلاں تمام خواہد شد

اِعتَراض نمبر 6

مسلم و بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْءُ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ

''اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔''

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز بالکل صحیح نہیں ہوتی۔ جیسے قیام ورکوع وغیرہ دوسرے یہ کہ سب پر فرض ہے۔ نمازی اکیلا ہو۔ یا امام یا مقتدی حدیث میں کوئی قید نہیں۔

جواب

اسکے تین جواب ہیں دو الزامی۔ پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ حدیث امام مسلم نے اس طرح نقل فرمائی۔

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا۔

''اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے''

اور مؤطا امام مالک میں یہ ہی حدیث اس طرح ہے۔

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَ السُّوْرَۃِ

''نماز نہیں ہوتی مگر سورۃ فاتحہ سے اور ایک اور سورۃ سے۔''

آپ کو چاہیئے کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ بھی فرض جانو اور سورۃ ملانا بھی کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے بعض کا انکار ہے۔

دوسرا جواب الزامی یہ ہے کہ تمہاری پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان حدیثوں کے بھی جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں بلکہ تمہارے بھی مخالف ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ ۔ (پارہ۲۹ سورۃ۷۳ آیت۲۰)

''جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لیا کرو۔''

پھر سورۃ فاتحہ پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے۔ نیز فرماتا ہے۔

وَ اِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا (پارہ۹ سورۃ۷ آیت۲۰۴)

''جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو''۔

پھر مقتدی امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس حکمِ ربانی کی مخالفت کیسے کرے ہم بہت احادیث بیان کر چکے ہیں۔ جن میں ارشاد ہوا کہ امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے۔ جب امام قرات کرے تو تم چپ رہو وغیرہ۔

تم بھی کہتے ہو کہ جو رکوع میں امام کے ساتھ مل گیا اسے رکعت مل گئی اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض تھی تو اسکے بغیر رکعت کیسے مل گئی۔ اس پر وضو وطہارت تکبیر تحریمہ۔ قیام فرض رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جاوے تو نماز نہ پائے گا۔ سورہ فاتحہ کیسے معاف ہوگئی وہ فرض تھی۔

جواب تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں جس میں قرآن وحدیث میں مخالفت نہ رہے احادیث آپس میں ٹکرا نہ جائیں کوئی اعتراض بھی نہ پڑے وہ یہ کہ لاصلوۃ میں لانفی جنس ہے جس کا اسم تو ہے صلوۃ جز پوشیدہ ہے یعنی ''کامل'' مطلب یہ ہوا کہ نماز بغیر سورۃ فاتحہ کامل نہیں ہوتی مطلق قرات بحکم قرآن فرض ہے اور سورہ فاتحہ بحکم حدیث واجب ہے جیسے

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ

''نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے۔''

لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ

''جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں''

ان دونوں حدیثوں میں لاصلوٰۃ سے کمال نماز کی نفی ہے نہ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں پھر لَمْ یَقْرَاْ میں قِرَاۃ حکمی وحقیقی دونوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نمازی پر حقیقۃً فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکماً کہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ ہماری پیش کردہ احادیث اس حدیث کی تفسیریں ہیں۔ یا یہ حدیث عام ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث اس کی تخصیص کرتی ہیں جنہوں نے مقتدی کو اس حکم سے خاص کر دیا۔

اِعتراض نمبر 7

ترمذی شریف میں حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ اِنِّیْ اَرَاکُمْ تَقْرَءُوْنَ وَرَاءَ اِمَامِکُمْ قَالَ قُلْنَا بَلٰی قَالَ لَا تَقْرَءُوْا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ

''حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قرات کرتے ہو ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو۔''

اس حدیث میں صراحۃً ارشاد ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے اور دوسری سورت نہ پڑھے یہ ہی ہم کہتے ہیں عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ابوداؤد، نسائی، بیہقی میں بھی ہے۔

جواب

اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے

سے رکعت مل جاتی ہے کیوں جناب جب مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے تو اس مقتدی کو یہ رکعت بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے کیسے مل گئی۔ اسکا جواب سوچو جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ صرف عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مرفوع نقل ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا حکم دیا لیکن اس کے خلاف حضرت جابر علقمہ رضی اللہ عنہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے بکثرت روایات منقول ہیں۔ جن میں سے کچھ روائتیں ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے اور طحاوی شریف صحیح البہاری شریف میں بہت زیادہ منقول ہیں تو حضرت عبادہ کی یہ روایت حدیث واحد ہے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی وہ روایات حدیث مشاہیر ہیں لہٰذا انہیں ترجیح ہے۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث عبادہ قرآن کے خلاف ہے قرآن نے تلاوت قرآن کے و خاموشی کا حکم دیا۔ ہماری پیش کردہ احادیث کی چونکہ قرآن تائید کر رہا ہے۔ لہٰذا انہیں ترجیح ہے۔ چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور ان احادیث میں جو ہم نے پیش کیں اس کی ممانعت ہے نصوص میں مقابلہ ہو تو ممانعت کی نص کو ترجیح ہوتی ہے دیکھو غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرشتوں کو اس کا حکم دیا گیا۔ بلکہ شیطان اس غیر اللہ کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود کر دیا گیا۔ مگر دوسری نصوص میں اس سجدے کی ممانعت کی گئی اب اس ممانعت پر ہی عمل ہے۔

پانچویں یہ کہ عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہ تو بخاری کی نقل کی نہ مسلم نے ممانعت کی۔ حدیث مسلم شریف میں موجود۔ نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کر کے اسے صحیح نہ فرمایا۔ بلکہ حسن کہا اور فرمایا کہ زیادہ صحیح کچھ اور ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ میں اسی تمہاری حدیث کے ساتھ ہے۔

قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی حَدِیْثُ عُبَادَۃَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَ رَوٰی ھٰذَا الْحَدِیْثُ الزُّھْرِیُ عَنْ مَحْمُوْدِ ابْنِ الرَّبِیْعِ عَنْ عُبَادَۃَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَ ھٰذَا اَصَحُّ

”ابو عیسیٰ کہتے ہیں کہ عبادہ کی یہ حدیث حسن ہے (صحیح نہیں) یہی حدیث زہری نے محمود ابن ربیع سے انہوں نے عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی یہ ہی روایت زیادہ صحیح ہے۔“

پتا لگا کہ زیادہ صحیح وہ الفاظ ہیں جن میں مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں۔ تعجب ہے کہ آپ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہے ہیں جو قرآن کے خلاف مشہور حدیثوں کے بھی خلاف اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح بھی نہیں۔ بلکہ حسن ہے۔ اور اس کے خلاف زیادہ صحیح ہے جو الزام حنفیوں پر دیا کرتے ہیں وہ خود بھی کر رہے ہیں۔

اعتراض نمبر 8

اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا عمل یہ ہی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرات کرتے تھے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلٰی ھٰذَا الْحَدِیْثِ فِی الْقِرَاءَۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ عِنْدَ اَکْثَرِ اَھْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ التَّابِعِيْنَ

"امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق اکثر صحابہ وتابعین کا اس حدیث عبادہ پر عمل ہے۔ جب اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس پر ہے تو فاتحہ ضروری پڑھنی چاہیئے۔"

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہاں اکثر فرمانا اضافی نہیں بلکہ حقیقی ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم صحابہ رضی اللہ عنہم نہ پڑھتے تھے بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے۔

وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ (آیت ۱۸ سورۃ حج ۲۲ پارہ ۱۷)

"اور بہت آدمی، اور بہت وہ ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا"

حق یہ ہے کہ زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم قرات خلف الامام کے سخت خلاف ہیں حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (صحیح البہاری) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں آگ سے بھر جاوے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں بدبو بھر جاوے۔ (ابن حوان حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قرات کرے اسکے منہ میں خاک (طحاوی شریف) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ فطرت پر نہیں (طحاوی) حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی (ابن جوزی فی العلل) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر (مؤطا امام محمد عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں انگارے ہوں (مؤطا امام محمد عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے۔ اور سختی سے منع بھی فرماتے تھے۔ کہتے کہ امام کی قرات کافی ہے (مؤطا امام محمد) یہ تمام روایات طحاوی شریف اور صحیح البہاری میں موجود ہیں یہ تو بطور نمونہ عرض کیا گیا۔ ورنہ انہی صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ وہ حضرات امام کے پیچھے قرات سے سخت منع فرماتے تھے۔ دیکھو شامی، فتح القدیر وغیرہ اگر بعض روایات میں آجاوے کہ ان میں سے بعض حضرات فاتحہ پڑھتے تھے تو یا تو ان کا پہلا فعل ہوگا جو بعد کو منسوخ ہو گیا۔ وہ روایات قابل ترک ہوں گی کیونکہ قرآن کے بھی خلاف ہیں۔

اعتراض نمبر 9

یہ تمام روایات ضعیف ہیں (وہ ہی پرانا سبق)

جواب

جی ہاں اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔ آپ کو ان کے ضعف کا الہام ہوا ہوگا ہم ضعیف کے متعلق اس سے پہلے بہت کچھ عرض کر چکے ہیں کہ جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز امام صاحب نے جب یہ احادیث لیں۔ اس وقت کوئی ضعیف نہ تھی بعد میں ضعف آیا۔ بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہیں چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو حسن بنا دیتی ہیں وغیرہ۔

اعتراض نمبر 10

اگر امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو جیسے ظہر و عصر میں یا مقتدی بہت دور ہو کہ وہاں تک امام کی تلاوت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو چاہیئے کہ وہ سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ اب فاتحہ پڑھنا قرآن سننے میں حارج نہیں۔

جواب

یہ اعتراض جب درست ہوتا۔ جبکہ خاموشی قرآن سننے کے لیے ہوتی حالانکہ خاموشی کا علیحدہ حکم ہے اور سننے کا علیحدہ حکم رب فرماتا ہے۔ فَاسْتَمِعُوْ الَہٗ وَاَنْصِتُوْ ا یہ ایسا ہی ہے جیسے ارشاد باری ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۴۳) جیسے زکوٰۃ کی فرضیت نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نماز سے علیحدہ مستقل فرض ہے ایسے ہی خاموشی مستقل ضروری چیز ہے۔ خفیہ نمازوں میں خاموشی ہے سما نہیں۔ جبری نماز میں خاموشی بھی ہے اور سننا بھی

اعتراض نمبر 11

جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے جیسے کہ تکبیر تحریمہ، قیام، رکوع وغیرہ تو تلاوت بھی نماز کا اہم رکن ہے، وہ بھی ادا کرے یہ کیا سب ارکان ادا کرے ایک چھوڑ دے۔

جواب

اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جمعہ کی نماز میں مسلمان وفد بن کر دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا نمائندہ امام ہوتا ہے۔ آداب شاہی قیام، رکوع، سجدہ، تحیۃ وثنا سب عرض کریں گے مگر عرض ومعروض یعنی تلاوت قرآن صرف ان کا نمائندہ ان سب کیطرف سے کرے گا۔ مقتدی پر اسی لیے تلاوت فرض نہیں۔ بلکہ منع ہے۔ اس پر ادب خاموش رہنا بحکم قرآن کریم فرض ہے۔

اعتراض نمبر 12

رکوع میں ملنے والے مقتدی پر سورۃ فاتحہ معاف ہے جیسا کہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت معاف ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

جواب

الحمد للہ آپ قریباً حنفی ہو گئے بس یہی ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسے چار مسافر پر دو رکعتیں فرض کی معاف ہیں۔ کیونکہ امام کی قرات اس کی قرات ہے۔ آپ نے مان لیا کہ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ والی حدیث اپنی ظاہری عموم پر نہیں۔ بعض نمازی اس سے مستثنٰی ہیں۔ بس ہم یہ ہی سننا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک خاص متقدی مستثنٰی ہیں۔ ہمارے نزدیک عام مقتدی۔ حدیث میں استثناء ماننے میں ہم اور آپ برابر ہوئے۔ صرف مقدار استثناء میں تھوڑی بحث رہ گئی۔ انشاء اللہ وہ بھی آپ مان جائیں گے۔ یہ جواب الزامی تھا جواب تحقیقی یہ ہے کہ شریعت میں نماز بعض صورتوں میں آدھی رہ جاتی ہے۔ جیسے سفر اور کبھی بالکل معاف ہو جاتی ہے جیسے دائمی جنون، عورت کی پلیدگی کی حالت۔ لیکن نماز کی شرائط و ارکان کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے البتہ بعض مجبوریوں

میں ان کا بدل کر دیا جاتا ہے۔ بالکل معاف کبھی نہیں ہوتیں وضو کا بدل تیمّم اور قیام کا بدل قعود کر دیا گیا۔ مگر بغیر وضو کسی مجبوری سے بھی جائز نہیں ہوئی۔ اگر مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہوتا تو اس کی چھوٹ جانے سے رکعت نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے لیے امام کی قرات بدل ہے۔ بس یہی ہم کہتے ہیں لہٰذا اس مسئلہ کو سفر کی نماز پر قیاس کرنا بالکل بے عقلی ہے دیکھو اگر نماز میں کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو واجب ہے کہ رکوع میں ہی عید کی تکبیریں کہے۔ نماز جنازہ میں جو کوئی آخری تکبیر ملے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی تکبیریں کہہ لے جب رکوع میں شامل ہونے والے پر تکبیرات عیدین معاف نہ ہوئیں اور آخر میں شامل ہونے والے پر نماز جنازہ کی تکبیریں معاف نہیں ہوتیں۔ تو اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض تھی تو رکوع میں شامل ہونے پر کیوں معاف ہوگئی۔

اعتراض نمبر 13

رکوع پانے والے پر اسی رکعت کا قیام معاف ہو گیا۔ جو فرض تھا۔ تو اگر سورۃ فاتحہ معاف ہو جاوے تو کیا حرج ہے۔

جواب

یہ غلط ہے اس پر قیام معاف نہیں ہوا ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر رکوع کرے ورنہ نماز نہ ملے گی۔

اعتراض نمبر 14

آیت کریمہ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الخ مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور سورۃ فاتحہ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تو سورۃ فاتحہ پڑھنا اس آیت سے کیسے منسوخ ہو سکتا ہے کیا مقدم آیت مؤخر آیت کی ناسخ ہو سکتی ہے (بعض نئے وہابی)۔

جواب

یہ محض آپ کی رائے ہے آپ نے کوئی حوالہ نہ دیا، جب سورۃ فاتحہ مکی ہے اور نماز بھی مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی۔ تو کیا وجہ ہے کہ سورۃ فاتحہ مکہ معظمہ میں فرض نہ ہو۔ کیا فرضیت طہارت و وضو بھی مدنی ہیں۔

باب نمبر 5

آمین آہستہ کہنی چاہئے

احناف کے نزدیک ہر نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا اور نماز جہری ہو یا سرّی آمین آہستہ کہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک جہری نماز میں امام و مقتدی بلند آواز سے چیخ کر آمین کہیں۔ اس لیے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں ہم دلائل، دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جواب۔

فصل نمبر 1

آہستہ آمین کہنا حکم خدا اور رسول کے موافق ہے چیخ کر آمین کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث وسنت کے بھی مخالف۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۵۵)

''اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور آہستہ''

آمین بھی دعا ہے لہٰذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیئے۔ رب فرماتا ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۸۶)

''اے محبوب جب لوگ آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ چیخ کر دعا اس سے کی جائے جو ہم سے دور ہو رب تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے پھر آمین چیخ کر کہنا عبث بلکہ خلاف تعلیم قرآنی ہے اس لئے کہ آمین دعا ہے۔

حدیث نمبر ۱ تا ۸...... بخاری، مسلم، احمد، مالک، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَ افَقَ تَامِيْنُهٗ تَامِيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

''فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کی معافی اس نمازی کے لیے ہے جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں۔ ہم نے ان کی آمین آج تک نہ سنی تو چاہیئے کہ ہماری آمین بھی آہستہ ہو تاکہ فرشتوں کو موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو۔ جو وہابی چیخ کر آمین کہتے ہیں۔ وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں۔ ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں کی معافی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ فرشتوں کی آمین کی مخالفت کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۹ تا ۱۳...... بخاری، شافعی، مالک، ابوداؤد، نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

''فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب امام کہے۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ تو تم کہو۔ آمین۔ کیونکہ جس کا یہ

آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے مطابق ہوگا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔"

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ہیں ایک یہ کہ مقتدی کہ پیچھے سورۃ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا تو حضور فرماتے کہ جب تم وَلَا الضَّالِّيْنَ کہو تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہو گے۔ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہنا امام کا کام ہے۔ رب فرماتا ہے۔

اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۰ آیت ۱۰)

"جب تمہارے پاس عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو"۔

دیکھو امتحان لینا صرف مومنوں کا کام ہے نہ کہ مومنہ عورتوں کا۔ کسی حدیث میں نہیں آیا کہ اِذَا قُلْتُمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا آمین جب تم وَلَا الضَّالِّيْنَ کہو تو آمین کہہ لو معلوم ہوا کہ مقتدی وَلَا الضَّالِّيْنَ کہے گا ہی نہیں۔ دوسرے یہ کہ آمین آہستہ ہونی چاہئے کیونکہ فرشتوں کی آمین آہستہ ہی ہوتی ہے۔ جو آج تک ہم نے نہیں سنی خیال رہے کہ یہاں فرشتوں کی آمین کی موافقت سے مراد وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادا میں موافقت ہے۔ فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہ ہی ہے۔ جب امام سورۃ فاتحہ ختم کرتا ہے۔ کیونکہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اسی وقت آمین کہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۸...... امام احمد، ابوداؤد طیالسی، ابویعلیٰ، موصلی طبرانی، دارقطنی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔ حاکم نے کہا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح ہے۔

عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ وَ اَخْفٰى بِهَا صَوْتَهٗ

"حضرت وائل ابن حجر نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور و لا الضالین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں آہستہ آواز رکھی۔

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا سنت رسول ہے۔ بلند آواز میں کہنا بالکل خلاف سنت ہے۔

حدیث نمبر ۱۹ تا ۲۱...... ابوداؤد، ترمذی، ابن ابی شیبہ، نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقَالَ اٰمِيْنَ وَ خَفَضَ بِهٖ صَوْتَهٗ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا کہ آپ نے پڑھا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ تو فرمایا آمین اور آواز مبارک کہ آہستہ رکھی۔"

حدیث نمبر ۲۲ تا ۲۳...... طبرانی نے تہذیب الآثار میں اور طحاوی نے حضرت وائل ابن حجرؓ سے روایت کی۔

قَالَ لَمْ يَكُنْ عُمَرُ وَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ لَا بِاٰمِيْنَ

"حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نہ تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔"

حدیث نمبر ۲۴...... عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابوعمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

"عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخِطَابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ يُخْفِي الْإِمَامُ أَرْبَعًا التَّعَوُّذُ وَ بِسْمِ اللّٰهِ وَ آمِيْنَ وَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدِ"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین اور ربنا لک الحمد

حدیث نمبر ۲۵...... بیہقی نے حضرت ابووائیل سے روایت کی عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ يُخْفِي الْإِمَامُ أَرْبَعًا بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَ التَّعَوُّذُ وَالتَّشَهُّدُ

"امام چار چیزیں آہستہ کہے بسم اللہ، ربنا لک الحمد، اعوذ اور التحیات"

حدیث نمبر ۲۶...... امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ أَرْبَعٌ يُخْفِيْهِنَّ الْإِمَامُ التَّعَوُّذُ وَ بِسْمِ اللّٰهِ وَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ آمِيْنَ رَوَاهُ مُحَمَّدٌ فِي الْآثَارِ وَ عَبْدُالرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ

"آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے اعوذ و بسم اللہ سبحانک اللہم اور آمین یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی۔"

عقل بھی یہ ہی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کہی جاوے۔ کیونکہ آمین قرآن کریم کی آیت یا کلمہ قرآن نہیں اسی لیے نہ جبریل امین اسے لائے۔ نہ قرآن کریم میں لکھی گئی۔ بلکہ دعا اور ذکر اللہ ہے تو جیسے کہ ثنا التحیات درود ابراہیمی۔ دعا ماثورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی آمین بھی آہستہ ہونی چاہیئے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ چیخ پڑے۔ یہ چیخنا قرآن کے بھی خلاف ہے احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی اور عقل سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ دوسرے اس لیے کہ اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا بھی فرض ہو اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے درمیان میں ہو اور امام ولا الضالین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنے کے خلاف ہوا اور اگر آمین کہہ اور چیخے تو آمین درمیان میں آوے گی قرآن میں غیر قرآن آوے گا۔ اور درمیان سورۃ فاتحہ شور مچے گا۔

فصل نمبر 2

اس پر اعتراضات اور جوابات میں

اب تک ہم نے غیر مقلدین کے جس قدر اعتراضات سنے ہیں تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر 1

آمین دعا نہیں ہے لہٰذا اگر یہ بلند آواز سے کہی جاوے تو کیا حرج ہے رب تعالیٰ نے دعا آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا۔

جَوَابْ

آمین دعا ہے۔ اس کا دعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا مانگی۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ

(پارہ ۱۱ سورۃ ۱۰ آیت ۸۸)

''اے رب ہمارے ان کے مال برباد کرے اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔''

رب نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا (پارہ ۱۱ سورۃ ۱۰ آیت ۸۹)

''رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو ثابت قدم رہو۔''

فرمایئے۔ دعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ یعنی تمہاری اور حضرت ہارون علیہ السلام کی۔ حضرت ہارون نے دعا کب مانگی تھی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آمین کہا تھا۔ رب نے آمین کو دعا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے اور دعا آہستہ ہونی چاہیئے۔ یہ مسائل قرآنیہ میں سے ہے۔

اِعتراض نمبر 2

ترمذی شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ وَ قَالَ اٰمِيْنَ وَ مَدَّبِهَا صَوْتَهٗ

''میں نے نبی ﷺ کو سنا کہ آپ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ پڑھا اور آمین فرمایا اپنی آواز کو اس پر بلند کیا۔''

معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

جَوَابْ

ناچاہیئے کہ مسجد گونج جا

آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ اس میں مدا استعما۔ رامد مِد سے بنا۔ اس کے معنے بلند نہیں بلکہ آواز کھینچنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آمین بروزن کریم قصر سے نہ فرائی۔ بلکہ بروزن قالین الف اور میم خوب کھینچ کر پڑھی۔۔ لہٰذا اس میں آپ کی کوئی دلیل نہیں۔ ترجمہ کی غلطی۔ خیال رہے کہ مد کا مقابل قصر ہے۔ خفاء کا مقابل جہر ہے۔ رفع کا مقابل خفض ہے۔ اگر یہاں جہر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔ جہر کسی روایت میں نہیں رب فرماتا ہے۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا يَخْفٰى (پارہ ۳۰ سورۃ ۸۷ آیت ۷)

''بے شک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست آواز کو۔''

دیکھو رب نے یہاں خفاء کا مقابل جہر فرمایا نہ کہ مد۔

اعتراض نمبر 3

ابوداؤد شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَرَءَ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ وَ رَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ۔

''نبی ﷺ جب فرماتے ولا الضالین تو فرماتے تھے آمین اور اس میں آواز شریف بلند فرماتے تھے۔''

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا۔ بلند کیا معلوم ہوا کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حضرت وائل ابن حجر کی اصل روایت میں مد ہے جیسے کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے معنی کھینچنے کے ہیں۔ نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں اسناد کے کسی راوی نے روایت بالمعنی کی مذکور رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہ ہی کھینچنا ہے نہ کہ بلند کرنا روایت بالمعنی کا عام دستور تھا دوسرے یہ کہ ترمذی اور ابوداؤد کی روایتوں میں نماز کا ذکر نہیں۔ صرف حضور کی قرأت کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ نماز کے علاوہ خارجی قرأت کا ذکر فرمایا ہو۔ مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان میں نماز کا صراحۃً ذکر ہے۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں اور یہ احادیث ہمارے خلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ آمین بالجہر اور آمین خفی کی احادیث میں تعارض ہے مگر جہر والی روایتیں قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ لہٰذا چھوڑنے کے لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں۔ لہٰذا واجب العمل ہیں۔ چوتھے یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قابل عمل ہیں۔ اس کے خلاف قابل ترک۔ قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں پانچویں یہ کہ آمین بالجہر والی حدیثیں قرآن شریف سے اور ان احادیث سے جو ہم پیش کر چکے ہیں منسوخ ہیں۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ آہستہ آمین کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے۔ اور زور سے آمین کہنے سے منع کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلی فصل میں ذکر کیا گیا اگر جہر کی حدیثیں منسوخ نہیں تھیں تو صحابہ رضی اللہ عنہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔

اعتراض نمبر 4

ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ر ان میں

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مل نمبر 2 ب عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ حَتّٰى يَسْمَعَهَا اَهْلُ الصَّفِّ الْاَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ۔

''حضور ﷺ جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فرماتے تو آمین فرماتے۔ یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تو مسجد گونج جاتی۔''

اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ یہاں تو مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ گونج بغیر شور پیدا نہیں ہوتی۔

جواب

اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش نہیں کی۔ اول عبارت چھوڑ دی وہ یہ ہے ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ تَرَکَ النَّاسُ التَّامِیْنَ وَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ الخ

"لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دی حالانکہ حضور ﷺ الخ۔"

اس جملہ سے معلوم ہوا ہے کہ عام صحابہ کرام نے بلند آواز سے آمین چھوڑ دی تھی۔ جس پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث کی نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے اور جو حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جبکہ تمام احادیث مشہورہ اور آیات قرآنیہ کے بھی خلاف ہو۔

کیونکہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گنبد والی مسجد میں گونج پیدا ہوتی ہے نہ کہ چھپر والی مسجد میں۔ حضور انور ﷺ کی مسجد شریف آپ کے زمانہ میں معمولی چھپر والی تھی۔ وہاں گونج پیدا ہو ہی کیسے سکتی تھی۔ آج کوئی غیر مقلد صاحب کسی چھپر والے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھا دیں انشاء اللہ چیختے چیختے مر جاویں گے مگر گونج نہ پیدا ہوگی۔ اس اعتراض کے باقی وہ جواب ہیں جو اعتراض نمبر ۳ کے ماتحت عرض کیے ہیں تیسرے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے رب فرماتا ہے لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۲) اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اگر صحابہ نے اتنی اونچی آمین کہی کہ مسجد گونج گئی تو ان سب کی آواز حضور کی آواز سے اونچی ہوگئی۔ قران کریم کی صریح مخالفت ہوئی جو حدیث مخالف قرآن ہو قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر 5

بخاری شریف میں ہے۔

فَقَالَ عَطَاءٌ اٰمِیْن دُعَاءٌ اَمَّنَ اِبْنُ الزُّبَیْرِ وَمَنْ وَرَاءَہٗ لَاحَتّٰی اَنَّ الْمَسْجِدَ لَجَّۃٌ

حضرت عطا فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے والوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہوگئی۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آمین اتنی چیخ کر کہنا چاہیئے کہ مسجد گونج جاوے۔

جواب

اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق ہے کہ آمین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا آہستہ مانگو دیکھو فصل۔ اور دوسرے یہ کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم خارج نماز یہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر یہ ہے کہ خارج نماز ہو گی۔ تا کہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں۔ تیسرے یہ کہ حدیث عقل و مشاہدے کے خلاف ہے۔ کیونکہ کچی اور چھپر والی مسجد میں گونج پیدا نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا واجب التاویل ہے۔ جناب اگر قرآن کی آیت بھی عقل شرعی اور مشاہدے کے خلاف ہو تو ماا،

تاویل واجب ہوتی ہے۔ ورنہ کفر لازم آ جاتا ہے۔ آیات صفات کو متشابہ مان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے لیے ظاہری معنی نہیں کرتے کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہیں جیسے

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۱۰)

انکے ہاتھوں اللہ کا ہاتھ

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۱۵)

''تم جدھر پھرو گے ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔''

خدا کے لیے ہاتھ منہ ہونا عقل کے خلاف ہے لہٰذا یہ آیت واجب التاویل ہیں رب فرماتا ہے۔

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۸ آیت ۸۶)

''ذوالقرنین نے سورج کو کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتے دیکھا''

سورج کا ڈوبتے وقت آسمان سے اترنا اور کیچڑ میں ڈوبنا خلاف عقل تھا۔ لہٰذا اس کی تاویل کی جاتی ہے۔ یہ تاویل ہمارے حاشیۃ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ جناب حدیث پڑھنا اور ہے۔ حدیث سمجھنا کچھ اور اور خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع نہیں ہے جس میں نماز میں آمین بالجہر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملی ہے نہ ملے گی۔ وہابیوں کو چاہیئے کہ ضد چھوڑ دیں اور صدق دل سے امام اعظم ابوحنیفہ کا دامن پکڑیں کہ یہ ہی حضور ﷺ کا راستہ ہے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیہ بخاری عربی میں ملاحظہ فرماؤ۔

اِعتراض نمبر 6

آہستہ آمین کے متعلق آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے (وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق) دیکھو وائل ابن حجر کی ترمذی والی روایت جو تم نے پیش کی ہے۔ اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔

حَدِيْثُ سُفْيَانَ اَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ شُعْبَةَ فِيْ هٰذَا اِلٰى وَقَالَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ وَاِنَّمَا هُوَ مَدَّبِهَا صَوْتَهٗ

''آمین کے بارے میں سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ یہاں کہتے ہیں۔ خفض یعنی حضور ﷺ نے پس آواز سے کہا حالانکہ یہاں مد ہے یعنی آواز کھینچ کر آمین فرمائی۔''

جواب

خدا کا شکر ہے آپ مقلد تو ہوئے امام ابوحنیفہ کے نہ سہی امام ترمذی کے سہی کہ ہر جرح آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ آپ کے خلاف ہے۔ اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان لیتے۔ آپ کے اس سوال کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ ہم نے آہستہ آمین کی چھبیس سندیں پیش کیا سب سندیں ضعیف ہیں اور سب میں شعبہ راوی آ رہے ہیں۔ اور شعبہ ہر جگہ غلطی کر رہے ہوں یا ناممکن ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ چھبیس اسنادیں ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں۔ جب بھی سب مل کر قوی ہو گئیں۔ جیسا کہ

ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں تیسرے یہ کہ یہ شعبہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوئے جن سے یہ حدیث ضعیف ہوئی۔ امام صاحب کو یہ ہی حدیث بالکل صحیح ملی تھی۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔ چوتھے یہ کہ اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی، جب بھی امام اعظم سراج امت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قبول فرمالینے سے قوی ہوگئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کرلیا ہے لہٰذا حدیث کا ضعف جاتا رہا اور حدیث قوی ہوگئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں چھٹے یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہٰذا آہستہ آمین کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہوگئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ ساتویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اوراور عقل شرعی کے خلاف ہے لہٰذا آہستہ آمین کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث نا قابل عمل غرض کہ آہستہ آمین کی حدیث بہت قوی ہے اس پر عمل چاہیئے۔

اعتراض نمبر 7

ابوداؤد شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔

قَالَ اٰمِیْنَ حَتّٰی یَسْمَعَ مَنْ یَلِیْهِ مِنَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ

"اس طرح آمین کہتے کہ صف اول میں جو آپ سے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔"

جواب

اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آپ کی روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اسمیں یہ آیا کہ صرف پیچھے والے ایک دو آدمی ہی سنتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسی حدیث کی اسناد میں بشر ابن رافع آرہا ہے۔ اسے ترمذی نے کتاب الجنائز میں حافظ ذہبی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا۔ احمد نے اسے منکر الحدیث کہا ابن معین نے اس کی روایہ کو موضوع قرار دیا۔ امام نسائی نے اسے قوی نہیں مانا (دیکھو آفتاب محمد) لہٰذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے قابل عمل نہیں۔

باب نمبر 6

رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دنوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلد ان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں۔ اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہٰذا ہم اس مسئلہ کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جواب رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

فصل نمبر 1

نماز میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر۱ تا ۴...... ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّی بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَصَلّٰی وَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً مَعَ تَکْبِیْرِ الْاِفْتِتَاحِ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَبِہٖ یَقُوْلُ غَیْرُ وَاحِدٍ مِّنْ اَہْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ وَالتَّابِعِیْنَ

''ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور ﷺ کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سوا تکبیر تحریمہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ وعلماء تابعین کا عمل ہے۔''

خیال رہے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے۔ ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں دوسرے یہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور ﷺ کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور ﷺ کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ وتابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔ چھٹے یہ کہ عام امت رسول کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے جیسا کہ ہم آئندہ عرض کرینگے۔ انشاء اللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث یہ تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر۵...... ابن شیبہ نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ ثُمَّ لَا یَرْفَعُہَا حَتّٰی یَفْرُغَ

''حضور ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے''

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء۔

حدیث نمبر۶...... ابوداؤد نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

''قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ رَفَعَ یَدَیْہِ حِیْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لَمْ یَرْفَعْہُمَا حَتّٰی انْصَرَفَ''

''میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ

اٹھاتے۔''

حدیث نمبر ۷...... طحاوی شریف نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اَوَّلَ تَکْبِیْرَۃٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ

''وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی نہ اٹھاتے تھے۔''

حدیث نمبر ۸ تا ۱۴...... حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم تُرْفَعُ اِلَّا یَدِیْ فِیْ سَبْعَ مَوَاطِنَ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ وَ اِسْتِقْبَالِ الْبَیْتِ وَ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃِ وَ الْمَوْقِفَیْنِ وَ الْجَمْرَتَیْنِ

''حضور ﷺ نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مروہ پہاڑ پر اور موقف منا و مزدلفہ ہیں اور دونوں جمروں کے سامنے۔''

یہ حدیث ۱۰ بزار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ابن ابی شیبہ ۱۱ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیہقی نے حضرت ۱۲ ابن عباس سے طبرانی ۱۳ نے اور بخاری ۱۴ نے کتاب المفرد میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵...... امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے حضور کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

اِنْ کَانَ وَائِلٌ رَاٰہُ مَرَّۃً یَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَدْ رَاٰہُ عَبْدَ اللّٰہِ خَمْسِیْنَ مَرَّۃٍ لَا یَفْعَلُ ذٰلِكَ

''اگر حضرت وائل نے حضور کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور کو پچاس دفعہ رفع یدین نہ کرتے دیکھا''

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی حدیث بہت قوی ہے۔ کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم ہیں۔ حضور ﷺ کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور سے قریب تک کھڑے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کے قریب وہ کھڑے ہوتے تھے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷...... طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی کہ

''قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ یَکُنْ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلَّا فِی التَّکْبِیْرَۃِ الْاُوْلٰی مِنَ الصَّلٰوۃِ''

''میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔''

حدیث نمبر ۱۸...... عینی شرح بخاری نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ رَاٰی رَجُلًا یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِی الصَّلٰوۃِ عِنْدَ الرُّکُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ رَاْسِہٖ مِنَ الرُّکُوْعِ فَقَالَ لَہٗ لَا تَفْعَلْ فَاِنَّہٗ شَیْءٌ

فَعَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ تَرَكَهٗ

"کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ وہ کام ہے جو حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے۔ جن صحابہ سے یا حضور ﷺ سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۱۹ تا ۲۰...... بیہقی وطحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ فِيْ شَيْءٍ مِّنْهَا

"کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے"۔

حدیث نمبر ۲۱...... طحاوی شریف نے حضرت سود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَاَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ وَقَالَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ

"میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔"

حدیث نمبر ۲۲...... ابوداؤد شریف نے حضرت سفیان سے روایت کی۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ اِسْنَادُهٗ بِهٰذَا قَالَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَرَّةً وَّاحِدَةً

"حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے پہلی بات ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھائے"

حدیث نمبر ۲۳...... دارقطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ ﷺ حِيْنَ اِفْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى حَاذٰى بِهِمَا اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَعُدْ اِلٰى شَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ

"کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب کہ حضور نے نماز شروع کی تو ہاتھ اتنے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے۔"

حدیث نمبر ۲۴...... امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم نخعی سے اس طرح روایت کی۔

"اَنَّهٗ قَالَ لَا تَرْفَعُ الْاَيْدِيْ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ صَلٰوتِكَ بَعْدَ الْمَرَّةِ الْاُوْلٰى"۔

"آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔"

حدیث نمبر ۲۵...... ابوداؤد نے براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ اِذَا اِفْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ اِلٰی قَرِیْبٍ مِّنْ اُذُنَیْہِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ

''بیشک حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر عود نہ کرتے۔''

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف پچیس روایتیں پیش کردیں اگر شوق ہو تو مؤطا امام محمد۔ طحاوی شریف۔ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم ابو حنیفہؓ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظّمہ میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الاسناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔

امام ابو محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عینیہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعیؒ کی مکہ معظّمہ کے دار الحناطیں میں ملاقات ہوگئی۔ تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی سنیئے اور ایمان تازہ کیجئے۔ یہ مناظرہ فتح القدیر اور مرقات شرح مشکوٰۃ شریف میں بڑی تفصیل سے مذکور ہے۔

امام اوزاعی:۔ آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہ:۔ اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور ﷺ سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی:۔ آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سناتا ہوں۔

حَدَّثَنِی الزُّهْرِیُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّہٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ وَ عِنْدَ الرَّکُوْعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْہُ

''مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔''

امام اعظم:۔ میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے۔

امام اوزاعی:۔ اچھا فوراً پیش فرمائیے۔

امام اعظم:۔ لیجئے سنیئے۔

حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَۃَ وَ الْاَسْوَدِ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ لَا یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ لِشَیْءٍ مِّنْ ذَالِكَ

''ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ نبی ﷺ صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔''

امام اوزاعی:۔ آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم: ۔ اس لئے کہ حماد۔ زہری سے زیادہ عالم فقیہ ہیں اور ابراہیم نخعی سالم سے بڑھ کر عالم وفقیہ ہیں۔ علقمہ سالم کے والد عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے علم میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑے متقی فقیہ وافضل ہیں عبداللہ ابن مسعود فقہ میں۔ قرات میں حضور ﷺ کی صحبت میں حضور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم وفضل میں زیادہ ہیں لہٰذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔

امام اوزاعی: ۔ خاموش

غیر مقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے ان کی حدیث کی اسناد۔ اللہ تعالیٰ حق قبول فرمانے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں۔ یہ لمبی لمبی اسنادیں اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں فرع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر اختلاف ہے دیکھنا چاہیئے کہ رکوع کی تکبیر تکبیر تحریمہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر۔ تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع وسجدے کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جاوے گی۔ تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے رکوع سجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے۔ رکوع سجدے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز۔ تکبیر تحریمہ نمازی پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلے ہی یہ حرمت آ چکی ہے تو جو رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوئی نہ کہ تکبیر تحریمہ کی طرح تو چاہیئے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہ ہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے۔ یعنی ہاتھ نہ اٹھانا۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے (از طحاوی شریف)

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ رفع یدین بوقت رکوع حضور ﷺ کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں صراحۃً مذکور ہے یا وہ سب مرجوع اور ناقابل عمل ہیں۔ ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔

یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون واطمینان چاہیئے۔ بلا وجہ حرکت وجنبش مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ اس ہی لئے نماز میں بلا ضرورت پاؤں ہلانا۔ انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یدین میں بلا ضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے

موافق۔ لہٰذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یدین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت متانت سے تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر 1

رفع یدین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی (وہی پرانا سبق)

جواب

جی ہاں۔ صرف اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں۔ آپ کے سر آنکھوں پر ہوتیں جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنا دیا واسطہ رب کا یہ عادت چھوڑ دو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات پچھلے بابوں میں عرض کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر 2

ابو داؤد کی براء ابن عازب رضی اللہ عنہ والی حدیث کے متعلق خود ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"ھٰذَا الْحَدِیْثُ لَیْسَ بِصَحِیْحٍ"

"یہ حدیث صحیح نہیں۔"

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر آپ نے اسے پیش کیوں فرمایا۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن بنفسہٖ حسن بغیرہٖ کا درجہ بھی ہے۔ ابو داؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔ دوسرے یہ کہ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے جرح مبہم معتبر نہیں۔ ہم ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد نہیں کہ ان کی ہر جرح آنکھ میچ کر مان لیں۔

اعتراض نمبر 3

ابو داؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۲۵ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید ابن ابی زیاد ہیں۔ جن کو آخر عمر میں بھول کی

بیماری ہوگئی تھی۔ انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا۔ ثم لا یعود ورنہ اصل حدیث میں یہ الفاظ موجود نہیں لیجئے جرح مفصل حاضر ہے اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے۔ جو قابل عمل نہیں۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یزید ابن ابی ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت میں ہیں مگر امام صاحب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا ضعف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مضر کیوں ہو گا۔ دوسرے یہ کہ رفع نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں ابن زیاد موجود نہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔ اور بہت صحابہ رضی اللہ عنہ کا اس پر عمل بیان کیا۔ آپ کی نظر ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے ضعف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ رضی اللہ عنہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں چوتھے یہ کہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کی قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں پانچویں یہ کہ عام علماء اولیاء جمہور ملت اسلامیہ کا رفع یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ سواء مٹھی بھر وہابیوں کے سب ہی اس پر عامل ہیں تعجب ہے کہ آپ کی ڈیڑھ آدمیوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں پچانوے فی صدی مسلمان حنفی المذہب ہیں پانچ فی صدی دیگر مذاہب۔ اس اندازہ کی صحت حرمین طیبین جا کر معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ بچارے وہابی تو کسی شمار میں نہیں۔ یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے۔ سرکار فرماتے ہیں۔

مَارَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ۔

"جسے عامۃ المومنین اچھا سمجھیں وس اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔"

اور فرماتے ہیں:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّار

"میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو جو بڑی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ جائیگا۔"

خیال رہے کہ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ حنفی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد سب کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد مٹھی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہیں۔ اعمال میں جداگانہ کہذا حنفیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں امت کے عمل سے قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

اعتراض نمبر 4

تمہاری پیش کردہ حدیث نمبر ا جو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا۔ صرف یہ فرمایا گیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھایا آگے کیا کیا یہ مذکور نہیں اور مجمل حدیث نا قابل عمل ہوتی

ہے (ڈیرہ غازی خاں کے ایک لائق وہابی)

جواب

جناب یہ حدیث مجمل نہیں۔ مطلق نہیں۔ عام نہیں۔ مشترک لفظی۔ یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس نے منع کیا اور مجمل بھی بعد بیان متکلم قابل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مجمل بیان متکلم کے بعد محکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان:۔ دنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو اعلان ہے کہ مطلق۔ عام۔ مجمل۔ مشترک معنوی۔ مشترک لفظی میں فرق بتائیں اور ان میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف کریں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اصول فقہ، منطق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

وہابیو تم حدیث کے غلط ترجمے کئے جاؤ۔ تمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق کسی حنفی عالم سے مجمل کا لفظ سن لیا ہوگا۔ تو دھونس جمانے کے لئے یہاں اعتراض جڑ دیا اور اس میں یہ سنا ہوا لفظ استعمال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے علوم کے دریا تو مقلدین کے سینوں میں بہائے ہیں۔

اعتراض نمبر 5

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ۔ دارمی ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوحمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی۔ جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے۔

ثُمَّ يُكَبِّرُ وَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ فَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ الخ

"پھر آپ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اتنے اٹھاتے کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے سمع اللہ لمن حمدہ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے"

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث پیش کی۔ جس میں بوقت رکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی معلوم ہوا کہ رفع یدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تصدیق و عمل لہٰذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہئیے (نوٹ یہ حدیث وہابی غیر مقلد کی انتہائی دلیل ہے جس پر انہیں بہت ناز ہے)۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں غور سے ملاحظہ کرو۔ ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی اسناد ابوداؤد وغیرہ میں یہ ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى وَهٰذَا حَدِيْثُ اَحْمَدَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْحَمِيْدِ يَعْنِىْ ابْنَ جَعْفَرَ اَخْبَرَنِىْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَمْرِ ابْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا حُمَيْدُ السَّاعِدِىْ فِىْ عَشْرَةٍ الخ

"ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں ہمیں یحییٰ نے حدیث سنائی۔ احمد نے فرمایا کہ ہمیں عبدالحمید ابن جعفر نے

وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد ابن عمرو ابن عطاء نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحمید ساعدی سے دس صحابہ کی جماعت میں سنا۔"

ان میں سے عبدالحمید ابن جعفر سخت مجروح وضعیف ہیں۔ دیکھو طحاوی رحمۃ اللہ علیہ۔ دوسرے محمد ابن عمرو ابن عطاء نے ابوحمید ساعدی سے ملاقات ہی نہیں کی۔ اور کہہ دیا میں نے ان سے سنا ہے لہٰذا یہ غلط ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مجہول ہے (طحاوی) ان دو نقصوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی نا قابل عمل مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لئے آپ کو مقبول ہے کچھ تو شرم کرو۔ دوسرے ۲ یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ بھی ہے۔

ثُمَّ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيْ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ

"پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا"

فرماؤ آپ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

تیسرے ۳ یہ کہ جب ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث صحابہ رضی اللہ عنہ کے مجمع میں پیش کی تو ان بزرگوں نے فرمایا جو ابوداؤد میں ہے۔

قَالُوْا فَلَمَّا فَوَاللّٰهِ مَا كُنْتَ بِاَكْثَرَ نَالَهٗ تَبْعَةً وَاَقْدَمَ مِنَالَهٗ صُحْبَةً قَالَ بَلٰى۔

"انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے کیسے واقف ہو گئے نہ تو تم ہم سے زیادہ حضور کیساتھ رہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو ابوحمید بولے بیشک ایسا ہی ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ابوحمید رضی اللہ عنہ نہ تو صحابہ رضی اللہ عنہ میں فقیہہ و عالم ہیں نہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ صحبت میسر ہوئی اور سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ عالم فقیہہ صحابی ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ وہ رفع یدین کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ تو یقیناً ابوحمید رضی اللہ عنہ کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت زیادہ معتبر ہے۔ جیسا کہ تعارض احادیث کا حکم ہے لہٰذا تمہاری یہ حدیث بالکل نا قابل عمل ہے۔ چوتھے ۴ یہ کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر حیات شریف تک رفع یدین کیا۔ صرف یہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے مگر کب تک اس سے خاموشی ہے۔ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہٰذا یہ اس منسوخ حدیث کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔ اب لائق عمل نہیں۔

پانچویں ۵ یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت قیاس کے مطابق لہٰذا وہ حدیث واجب العمل ہے اور تمہاری یہ روایت واجب الترک کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس کی بہت مثالیں موجود ہیں دیکھو ایک حدیث میں ہے۔

اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ۔

"آگ کی پکی چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے۔"

دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا ملاحظہ فرما کر بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے دن رات گرم پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب العمل ہوئی کہ قیاس کے

مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے ۶ یہ کہ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے معلوم ہوا کہ صحابہ کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں ۷ یہ کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں عبدالحمید ابن کعفر اور محمد ابن عمرو ابن عطاء ایسے غیر معتبر راوی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ امام ماروی نے جوہر نقی میں فرمایا کہ عبدالحمید منکر الحدیث ہے۔ یہ امام ماروی وہ ہیں جنہیں یحیٰی ابن سعید فرماتے ہیں۔ **هُوَ اِمَامُ النَّاسِ فِيْ هٰذَا الْبَابِ** حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد ابن عمر ایسا جھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی ملاقات ابوحمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے ان سے سنا۔ ایسے جھوٹے آدمی کی روایت موضوع یا کم سے کم اول درجہ کی مدلس ہے۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اناد بھی مضطرب ہے اور تن بھی۔ چنانچہ یطاف ابن خالد نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابوحمید ساعدی کے درمیان ایک مجہول الحال راوی بیان کیا لہٰذا یہ حدیث مجہول بھی ہے غرضیکہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں۔ یہ منکر بھی ہے مضطرب بھی مدلس یا موضوع بھی ہے۔ مجہول بھی ہے دیکھو حاشیہ ابوداؤد یہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

آٹھویں ۸ یہ کہ بخاری نے بھی ابوحمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے۔ مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے دیکھو مشکوٰۃ شریف باب صفۃ الصلوٰۃ اگر ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے۔ بہرحال تمہاری یہ حدیث کسی لحاظ سے بھی توجہ کے قابل نہیں۔

حنفی بھائیو! رفع یدین غیر مقلد وہابیوں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابوحمید ساعدی مایہ ناز دلیل ہے جو وہابیوں کے بچہ بچہ کو حفظ ہوتی ہے عام حنفی لوگ انکی لن ترانیاں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے خوب قوی ہیں الحمدللہ کہ اس دلیل کے پرخچے اڑ گئے اب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

خیال رہے کہ وہابیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہو جانا وہابیونکے لئے قیامت ہے کیونکہ انکے مذہب کی بنیاد صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہوگئی تو سمجھو کہ انکے مذہب کی آنکھ پھوٹ گئی کیونکہ ان بیچاروں کا سواء ان اسنادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ بے پیرے۔ بے مرشدے بے نورے اس آیت کے مصداق ہیں۔ رب فرماتا ہے

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۸ آیت ۱۷)

"جسے اللہ گمراہ کرے اسے نہ کوئی ولی ملے نہ پیر و مرشد۔"

نیز رب فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۵۲)

"جس پر خدا لعنت کرتا ہے اس کا کوئی مددگار نہیں۔"

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کے مجروح ہونے سے احناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقہیہ کا دارومدار ان اسنادوں پر

نہیں۔ بلکہ حضرت امام الآئمہ کاشف الغمہ سراج امہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان پاک پر ہے۔ وہ امام اعظم جوامت کا چراغ ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وعام محدثین کے استادوں کا استاد ہے۔ جس کے زیر دامن ہزار ہا اولیاء اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ ﷺ موجود ہے۔ ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں۔ امام اعظم حضور ﷺ سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مثال

دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں تقسیم میراث کا حکم ہے جو ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ چونکہ صدیق اکبرؓ نے خود براہ راست یہ حدیث سنی تھی بے دھڑک اس پر عمل کیا اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا مصیبتیں پیش آ جاتیں۔ اسناد پر ہزار ہا قسم کی جرح ہو جاتی مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں نے خاموش قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا۔ لیکن ان کے کانوں نے بولتے ہوئے قرآن ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس حکم سے انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں۔ جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حدیث جرح وقدح سے پاک ہے۔ ایسے ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح وقدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور ﷺ سے متصل ہے لہٰذا وہابیوں کے لئے یہ اسنادیں آفت ہیں ہم مقلدوں پر جن جرحوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی فصل میں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی سبحان اللہ کیسی پاکیزہ اسنا ہے کیا کسی وہابی میں ہمت ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔

اعتراض نمبر 6

بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَمَنْكَبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَاسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَالِكَ فِي السُّجُوْدِ

’’بیشک رسول اللہ ﷺ ہاتھ شریف کاندھوں تک اٹھاتے تھے۔ جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر فرماتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے۔ تب بھی ایسے ہی ہاتھ اٹھاتے تھے اور فرماتے تھے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اور سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔‘‘

یہ حدیث مسلم بخاری کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفع یدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے اور بعد رکوع بھی۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور ﷺ رفع یدین کرتے تھے۔ مگر یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور ﷺ کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفع یدین اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل

شریف کا ذکر ہے۔ اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رفع یدین کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفع یدین منسوخ ہے۔ چنانچہ دارقطنی میں صفحہ ۱۱۱ پر سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ اَبِیْ بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوْا اَيْدِيَهُمْ اِلَّا عِنْدَ التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى فِیْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ۔

”فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے سوا اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔“

فرماؤ جناب اگر رفع یدین سنت باقیہ ہے تو ان بزرگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کا خود اپنا علم اس کے خلاف کہ آپ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کر چکے اور جب راوی کا اپنا علم اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دکھا چکے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث کا نسخ ثابت کیا۔ چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری اسناد میں ابوقلابہ ہے جو خارجی المذہب تھا یعنی ناجی دیکھو تہذیب تیسری اسناد میں عبداللہ ہے یہ پکا رافضی تھا۔ چوتھی اسناد میں ضعیف ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجیہ مذہب کا تھا۔ غرضیکہ رفع یدین کی حدیثوں کے راوی روافض بھی ہیں کیونکہ یہ روافض کا عمل ہے وہ رفع یدین کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر 7

بخاری شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَ رَفَعَ ذَالِكَ ابْنُ عُمَرَ اِلَى النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

”حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس فعل کو آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف مرفوع کرتے تھے۔“

دیکھو سیدنا عبداللہ ابن عمر بوقت رکوع رفع یدین کرتے تھے رفع یدین سنت صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہے۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو رکعتوں سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو۔ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عم رضی اللہ عنہ کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا۔ اور نہ اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ نسخ کی خبر سے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے اور نسخ کی خبر کے بعد نہ اٹھاتے تھے کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب اور کس زمانہ میں اٹھاتے تھے۔ لہٰذا دونوں حدیثیں جمع گئیں۔ چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

فَقَدْ يَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ ابْنُ عُمَرَ فَعَلَ مَارَاٰهُ طَاوٗسْ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ الْحُجَّةُ عِنْدَهٗ بِنَسْخِهٖ ثُمَّ قَامَتِ الْحُجَّةُ عِنْدَهٗ بِنَسْخِهٖ وَتَرَكَهٗ وَ فَعَلَ مَا ذَكَرَهٗ عَنْهُ مُجَاهِدْ

”جائز ہے کہ سیدنا ابن عمر نے رفع یدین جو طاؤس نے دیکھا ثبوت نسخ سے پہلے کیا۔ پھر جب سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو رفع یدین کے نسخ کی تحقیق ہوگئی تو چھوڑ دیا اور وہ جو مجاہد نے دیکھا (رفع یدین نہ کرنا)“

بہر حال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں۔ مگر وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنا پڑتی ہے۔ کسی حدیث کو چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔

اعتراض نمبر 8

سلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ

”جب حضور ﷺ نے سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔“

س سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب

حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔ حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ صرف ایک بار ہاتھ اٹھانیکی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر رضی اللہ عنہ دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آدھ بار حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی انہیں نسخ احکام کی خبر بمشکل ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضور کے ساتھ رہتے تھے۔ بڑے عالم وفقیہہ صحابی تھے۔ نیز حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صف اول میں خاص حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور ﷺ کے پیچھے علماء فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے

ہوتے تھے خود سرکار نے حکم دیا تھا کہ۔

لِيَلِيَنِيْ مِنكُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى

"تم میں سے مجھ سے قریب وہ رہے جو علم وعقل والا ہو۔"

چنانچہ مسند امام اعظم میں ہے کہ کسی نے سیدنا ابراہیم نخعی سے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا۔ جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے تو حضرت ابراہیم نخعی نے نفیس جواب دیا۔

فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ لَا يَعْرِفُ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ وَلَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ اِلَّا صَلوٰةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِيْ مَنْ لَّااُحْصِيْ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ بَدْءِ الصَّلوٰةِ فَقَطْ وَحَكَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَبْدُاللّٰهِ عَالِمٌ بِشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ وَحُدُوْدِهٖ مُتَفَقِّدٌ اَحْوَالَ النَّبِيِّ ﷺ مُلَازِمٌ لَّهٗ فِيْ اِقَامَتِهٖ وَ اَسْفَارِهٖ وَقَدْ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مَالَا يُحْصٰى۔

"آپ نے فرمایا کہ وائل ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابتداء نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ حضور سے نقل فرماتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ احکام اسلام سے خبردار حضور ﷺ کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے۔ حضور ﷺ کے سفر وحضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔"

خلاصہ یہ کہ عالم وفقیہہ اور حضور ﷺ کے ساتھ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے لہٰذا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت قابل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سیدنا وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت نا قابل عمل انہوں نے رفع یدین کے نسخ سے پہلے کا فعل ملاحظہ کیا اور وہ ہی نقل فرمادیا۔

اعتراض نمبر 9

اگر تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہ کرنا چاہیئے تو آپ لوگ نماز عید اور نماز وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں۔ (بعض ڈیرہ غازی خانی وہابی)

جواب

اس سوال میں آپ کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے۔ احادیث میں تو آپ رہ گئے اب لگے۔ انکل پچو بہانہ بنانے۔ جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے۔ جسے آپ سنت نماز یا سنت رکوع سمجھے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین سنت رکوع نہیں بلکہ نماز عید اور دعا قنوت سنتیں ہیں۔ اسی لئے عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز عید میں خطبہ جماعت وغیرہ اور نماز وتر میں دعا قنوت تین رکعت وغیرہ خصوصی صفات ہیں۔ ایسے ہی چھ تکبیریں اور چھ دفعہ رفع

یدین نماز عید کی خصوصیت ہے اگر نماز پنجگانہ کو نماز عید یا نماز وتر پر قیاس کرتے ہو تو اسے وہابیو ہر رکوع پر تین دفعہ رفع یدین کیا کرو اور ہر نماز میں دعا قنوت پڑھا کرو۔

اعتراض نمبر 10

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ کوثر شریف نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل نحر کیا چیز ہے جس کا مجھے نماز کے ساتھ حکم دیا تو حضرت جبرئیل نے فرمایا اس نحر سے مراد قربانی نہیں بلکہ۔

اِذَاتَحَرَّمْتَ لِلصَّلٰوةِاَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ اِذَا كَبَّرْتَ وَاِذَا رَكَعْتَ وَاِذَا رَفَعْتَ رَاسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَاِنَّهَا صَلٰوتُنَا
وَصَلٰوةُ الْمَلٰٓئِكَةِ الَّذِيْنَ فِيْ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ

''جب آپ نماز کی تکبیر تحریمہ کہیں تو اپنے ہاتھ اٹھائیں اور جب رکوع کریں اور جب اپنا سر اٹھائیں کیونکہ یہ ہی نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو سات آسمانوں میں ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے جیسے نماز کا حکم دیا ہے۔ ویسے ہی رفع یدین کا بھی حکم دیا لہٰذا رفع یدین ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے نماز ضروری کہ رب نے فرمایا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (پارہ ۳۰ سورۃ ۱۰۸ آیت ۲) یہ بھی معلوم ہو کہ فرشتے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو جو لوگ رفع یدین نہ کریں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی مخالف ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی اور فرشتوں کے بھی۔ فرش و عرش پر رفع یدین ہوتا ہے تم لوگ ایک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی میں ان تمام مقدسین کی مخالفت نہ کرو۔

ضروری نوٹ

ڈیرہ غازی خاں کے وہابی غیر مقلدوں کی طرف سے رفع یدین کے متعلق ایک ٹریکٹ مفت تقسیم ہو مجھے بھی بھیجا گیا اس میں یہ اعتراض بہت جوش کے لب ولہجہ میں مذکور ہے اب تک پرانے وہابیوں کو نہ سوجھا تھا۔

جواب

وہابی جی تم نے یا تمہارے کسی ہمنوا نے جھوٹی حدیث گھڑ تو لی مگر گھڑنا نہ آئی جھوٹ بولنے کے لئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ تمہاری اس گھڑی ہوئی حدیث نے ہی تمہارے مذہب کا بیڑا غرق کر دیا۔ چونکہ تم نے اس کی اسناد بیان نہ کہ اس لئے اسناد پر بحث نہیں کی جا سکتی اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا گھڑنے والا کون ہے۔ البتہ متن حدیث پر چند طرح گفتگو ہے۔

ا:۔ یہ کہ آپ نے انحر کے معنی کئے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا یہ لغت کی کون سی کتاب سے ثابت ہیں۔ نحر کے معنی ہاتھ سے اٹھانا۔ رکوع سے پہلے اور بعد اتنے معنی کی پوٹلی ایک لفظ نحر میں کس نے بھر دی۔ کیا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو لغت عرب کی بھی خبر نہ تھی جو نحر کے معنی یہ بتا گئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت اطہار نے بھی نہ سوچا کہ اے جبریل علیہ السلام نحر کے یہ انوکھے معنی کہاں سے لئے گئے اور کیسے لیے گئے لغت کا حوالہ پیش کرو اگر قرآن و حدیث کے معنی ایسے ہونے شروع ہو گئے تو دین کا رب ہی حافظ ہے۔ صلوٰۃ کے معنی روٹی

کھانا۔ زکوٰۃ کے معنی پانی پینا حج کے معنی کپڑے پہننا۔ صوم کے معنی چارپائی پر سونا۔ جہاد کے معنی دوکانداری کرنا کرلو۔ چلو اسلام کے پانچوں ارکان ختم۔ ذرا شرم کرو اپنے نامہذب مذہب کو بنانے کے لئے کیوں ایسی حدیثیں گھڑتے ہو۔

۲:۔ یہ کہ یہاں نحر۔ صلوٰۃ پر معطوف ہے اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ تو چاہئیے کہ نحر سے مراد رفع یدین نہ ہو کہ یہ نماز کا جز ہے۔ نہ کہ نماز کا غیر۔

۳:۔ یہ کہ جب وانحر کے معنی ہوئے رفع یدین کرو اور یہ امر قرآن کریم میں نماز کے حکم کے ساتھ مذکور ہو تو چاہئیے کہ جیسے نماز فرض قطعی ہے کہ اس کا منکر دین سے خارج ہو جاتا ہے ایسے ہی رَفع یدین فرض قطعی ہو کہ اس کے سارے منکر کافر ہوں تو تم اور تمہاری ساری جماعت اسے فرض کیوں نہیں کہتے۔ صرف سنت کیوں کہتے ہو اور جب غیر مقلد حنفیوں میں پھنسیں تو رفع یدین چھوڑ کیوں دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ رفع یدین کرنا بھی سنت ہے اور نہ کرنا بھی جس پر چاہو عمل کرلو بتاؤ اس کی فرضیت کے منکر ہو کر تمام وہابی کون ہوئے۔

۴:۔ یہ کہ محدث نے رفع یدین کو فرض قطعی نہ کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا کہ اس پر بہت علماء صحابہ و تابعین کا عمل ہے۔ فرماؤ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور سارے محدثین رفع یدین کی فرضیت کی انکار کر کے تمہارے نزدیک اسلام کے دائرہ میں رہے ہیں یا نہیں اور اب ان کی کتب سے حدیث لینا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔

۵:۔ یہ کہ ہم پہلی فصل میں دلائل سے ثابت کر چکے کہ حضرت ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ علی المرتضی۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ ابن مسعود۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے سخت منع فرماتے تھے تو اتنا بڑا فریضہ قرآنی جو نماز کی طرف فرض ہو ان صحابہ پر مخفی رہا اور آج چودہ سو برس کے بعد ڈیرہ غازی خاں کے ایک مولوی کو معلوم ہوا۔ حیرت در حیرت کا باعث ہے یا نہیں۔

۶:۔ یہ کہ تم نے یہ گھڑی ہوئی حدیث حضرت امیر المومنین مولاء کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی تو حیرت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود یہ روایت بیان فرماتے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں فرماتے آخر خود کیوں عمل چھوڑ دیا۔

۷:۔ یہ کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کہ سے وانحر کے معنی پوچھے اور پھر خود اس پر عمل نہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں چاہئیے تو یہ تھا کہ رفع یدین کی ایسی ہی تبلیغ فرمائی جاتی۔ جیسے نماز کی فرضیت کی تبلیغ کی گئی۔ اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر ایسے ہی جہاد کیا جاتا۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہ زکوٰۃ کے منکروں پر فرمایا۔ ملاجی حدیث گھڑنے سے پہلے تمام اونچ نیچ سوچ سمجھ لینی چاہئے۔

مسلمانو! غور کرو یہ ہے ان لوگوں کی اتباع حدیث جو ہم سے ہر مسئلہ پر بخاری و مسلم کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے ایسی بے تکی حدیثیں گھڑ لینے میں خوف خدا نہیں کرتے۔ شاید اہل حدیث کے معنی ہیں حدیث بنانے والے۔ حدیث ڈھال لنے والے۔

اِعتراض نمبر 11

حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔

اِذَا ثَبَتَ حَدِیْثٌ فَھُوَ مَذْھَبِیْ۔

''جب حدیث ثابت ہو جاوے تو وہی میرا مذہب ہے۔''

چونکہ رفع یدین قرات خلف الامام کے متعلق ہم کو ثابت ہوگیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول حدیث کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم نے ان کا قول دیوار سے مار دیا اور حدیث رسول پر عمل کیا خود تحقیق کر کے حدیث پر عمل کرنا یہ ہی حنفیت ہے (عام وہابی)

جواب

جی ہاں اور خاص کر جبکہ حدیث کے محقق آپ جیسے محققین (حقہ پینے والے) ہوں جنہیں استنجا کرنے کی تمیز نہیں جو بخاری شریف کو بکھاری۔ مسلم کو مسلّم حدیث کو حدّیث فرمائیں۔ جناب حضرت امام نے آپ جیسے بزرگوں کو یہ کھلی اجازت نہیں دی۔ امام کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے۔

اِذَا ثَبَتَ حَدِیْثٌ فَهُوَ مَذْهَبِیْ۔

''جب حدیث ثابت ہوگئی تو وہ میرا مذہب ہوئی ہے۔''

یعنی اے مسلمانو! ہم نے ہر مسئلہ پر حدیث رسول تلاش کی۔ اور اس کے ہر پہلو پر ہر طرح غور و خوض و بحث تمحیص کی۔ اسناد اور متن پر خوب گرما گرم جرح وقدح کی جب ہر طرح ثابت ہوئی تو اسے اپنا مذہب بنایا گیا۔ یہ مذہب بہت پختہ اور تحقیقی ہے۔ لہٰذا تم خود حدیث کے سمندر میں نہ کودنا ایمان کھو بیٹھو گے۔ ہمارے نکالے ہوئے موتی استعمال کرنا۔ سمندر سے موتی نکالنا ہر ایک کا کام نہیں۔ صرف غواص کا کام ہے۔ اگر پنساری کی دکان کی دوائیں بیمار اپنی رائے سے استعمال کرے گا تو وہ ہلاک ہو جاوے گا۔ حکیم کی تجویز سے استعمال کرو۔ قرآن وحدیث روحانی دواؤں کا دواخانہ ہے۔ امام اعظم طبیب اعظم ہیں۔ قران وحدیث کی دوائیں ہوں۔ امام برحق مجتہد کی تجویز ہو۔ دیکھو پھر فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔

حضرت امام کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے شریعت کے سارے قوانین ومسائل بغیر سوچ سمجھے اٹکل پچو بیان کر دیئے ہیں۔ اے نا سمجھ نادانو تم حدیث کے غلط سلط ترجمے کرتے جانا اور مذہب میں فتنے پھیلاتے جانا جب ایک قابل طبیب بغیر تحقیق اور بغیر سوچ سمجھے ایک بیمار کے لئے نسخہ نہیں لکھتا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے حکیم ملت سراج امت نے آنکھیں بند کر کے بغیر قرآن وحدیث دیکھے روحانی نسخے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے کیسے لکھ دیئے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

باب نمبر 7

وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

وتر کے معنی ہیں طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہوسکیں۔ جیسے تین پانچ سات وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ شفع یعنی جفت عدد جو دو برابر حصوں پر تقسیم ہو جاوے اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نماز کو کہا جاتا ہے۔ جو بعد نماز عشاء خواہ تہجد میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

ہمارا مذہب ہی ہے کہ وتر جب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے۔ اس کی قضا لازم۔ اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ لیکن غیر مقلد

وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت غیر مؤکدہ ہیں یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے۔ مذہب حنفی حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض۔ ہم کو یہاں اصل بحث تو وتر کی تین رکعتوں پر کرنا اس سے پہلے ضمنی طور پر وتر کے وجوب پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

حدیث نمبر۱ تا ۳...... ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔

"حضور ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۔"

حدیث نمبر۴...... بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْوِتْرُ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔

"حضور نے فرمایا ہر مسلمان پر وتر واجب ہیں۔"

حدیث نمبر۵ تا ۶...... ابوداؤد و حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا

"میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر لازم ضروری ہیں۔ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔"

حدیث نمبر۷...... عبداللہ ابن احمد نے عبدالرحمٰن ابن رافع تنوخی سے روایت کی کہ حضرت معاذ ابن جبل جب شام میں تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں سستی کرتے ہیں۔ تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں نہیں پڑھتے۔

فَقَالَ مُعَاوِیَۃُ اَوَاجِبٌ ذٰلِکَ عَلَیْھِمْ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ زَادَنِیْ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ صَلٰوۃً ھِیَ الْوِتْرُ فِیْمَا بَیْنَ الْعِشَاءِ اِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِ۔

"تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر واجب ہیں معاذ ابن جبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب نے ایک نماز اور دی ہے جو وتر ہے عشاء اور فجر کے طلوع کے درمیان۔"

حدیث نمبر۸...... ترمذی نے حضرت زید ابن اسلم سے مرسلاً روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِہٖ فَلْیُصَلِّ اِذَا اَصْبَحَ۔

"جو وتر چھوڑ کر سو جائے وہ صبح کے وقت اس کی قضا پڑھ لے۔"

حدیث نمبر۹ تا ۱۴...... ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد۔ ابن حبان۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شرط شیخین پر ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْوِتْرُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب ہے۔ ہر مسلمان پر۔"

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں۔ بلکہ واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں وجوب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۴ روایتیں پیش کیں۔

وتر تین رکعت ہیں

حدیث نمبر ۱ تا ۴...... نسائی شریف۔ طحاوی۔ طبرانی نے صغیر میں۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مسلم و بخاری کی۔

قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُوْتِرُ بِثَلٰثٍ لَایُسَلِّمُ اِلَّا فِیْ اٰخِرِ ھِنَّ

"فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ سلام پھیرتے تھے مگر آخر میں"

حدیث نمبر ۵ تا ۶...... دار قطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وِتْرُ اللَّیْلِ ثَلٰثٌ کَوِتْرِ النَّھَارِ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ

"فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں۔ جیسے دن کے وتر نماز مغرب۔"

حدیث نمبر ۷...... طحاوی شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُوْتِرُ بِثَلٰثِ رَکْعَاتٍ۔

"بے شک نبی ﷺ وتر پڑھتے تھے تین رکعتیں۔"

حدیث نمبر ۸...... نسائی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شب میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا آپ رات کو بیدار ہوئے اور وضو فرمایا۔ مسواک کی۔ اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ پھر دو رکعتیں نفل پڑھیں۔

ثُمَّ عَادَ فَنَامَ حَتّٰی سَمِعْتُ نَفْخَۃً ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّاءَ وَاسْتَاکَ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ وَ اسْتَاکَ وَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَاَوْتَرَ بِثَلٰثٍ۔

"پھر آپ دوبارہ سو گئے یہاں تک کہ میں نے حضور ﷺ کے خراٹے سنے پھر اٹھے اور مسواک کی پھر دو رکعتیں پھر اٹھے اور وضو مع مسواک کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے۔"

حدیث نمبر ۹ تا ۱۳...... ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَقْرَءُ فِی الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَقُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ وَقُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ فِیْ

رَكْعَةٍ رَكْعَةٍ

''فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر میں سبح اسم ربک الاعلی۔ اور قل یا ایہا الکافرون اور قل ہواللہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت''

حدیث نمبر۱۳ تا ۱۸...... ترمذی شریف۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت عبدالعزیز بن ابن جریح۔ عبدالرحمٰن ابن ازی سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِاَيِّ شَيْئٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ كَانَ يَقْرَءُ فِيْ الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمِ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِيْ الثَّانِيَةِ بِقُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِيْ الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوَّذَتَيْنِ۔

''فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ وتر میں کیا پڑھا کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تیسری میں قل ہواللہ اور فلق وناس''

حدیث نمبر۱۹...... نسائی شریف نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَءُ فِيْ الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمِ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِيْ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَهِ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِيْ الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَلَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِيْ آخِرِهِنَّ۔

''بیشک نبی ﷺ وتر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعتہ میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ہواللہ پڑھا کرتے تھے اور سلام نہ پھیرتے تھے۔ مگران تینوں رکعتوں کے آخر میں۔''

حدیث نمبر۲۰...... ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى الْوِتْرِ ثَلٰثٌ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِيْ اُخْرٰهُنَّ

''اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں۔''

حدیث نمبر۲۱...... طحاوی شریف نے حضرت ابوخالد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَئَالْتُ اَبَا الْعَالِيَةِ عَنِ الْوِتْرِ فَقَالَ عَلَّمْنَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْوِتْرَ مِثْلُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ هٰذَا وِتْرُ اللَّيْلِ وَهٰذَا وِتْرُ النَّهَارِ۔

''میں نے حضرت ابوالعالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ رسول ﷺ تو یہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔ یہ رات کے وتر ہیں مغرب دن کے وتر۔''

یہ اکیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری ملاحظہ فرمایئے ان احادیث سے یہ پتہ لگا کہ حضور انور ﷺ کا عمل شریف تین رکعت وتر پر تھا۔ تمام صحابہ کا یہ ہی عمل رہا اور اس تین رکعت پر سارے مسلمان متفق رہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ تینوں رکعتیں ایک سلام سے پڑھے۔ مگر نفس امارہ پر چونکہ نماز گراں ہے اس

لئے ہوائے نفس والوں نے صرف ایک رکعت وتر پڑھ کر سورہنے کی عادت ڈالی۔ ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھ لیا کہ حضور ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں فلاں سوت تیسری میں فلاں وہابی حضرات بتائیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جاوینگی۔

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز تو فرض ہے نہ نفل۔ بلکہ واجب ہے اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھنے والا فاسق ہے۔ لیکن اس کے وجوب کا انکار کفر نہیں واجب کا یہ ہی حکم ہے اور ہر غیر فرض عبادت کی مثال فرض عبادت میں ضرور ہونی چاہیئے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل جداگانہ ہو کہ اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو زکوۃ حج وغیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو چاہیئے تھا کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوتی۔ حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں۔ فرض تو کیا کوئی نفل وسنت مؤکدہ وسنت غیر مؤکدہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا تو دو رکعت ہے۔ جیسے فجر یا چار رکعت ظہر۔ عصر۔ عشاء یا تین رکعت جیسے مغرب وتر نہ تو چار رکعت ہوسکتی ہیں۔ نہ دو کہ یہ عدد شفع ہیں۔ وتر نہیں تو لامحالہ تین ہی رکعت چاہئے ایک رکعت نماز اسلامی قانون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی۔ ایک رکعت نامکمل ہے ناقص ہے۔ بہتیرا ہے۔ غرضیکہ ایک رکعت وتر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی امت کا اجماع صحابہ کرام کا عمل۔ حضور ﷺ کا فرمان سب ہی اس کے خلاف ہے۔

فصل نمبر 2

اس پر اعتراضات اور جوابات میں

مسئلہ وتر پر اب تک جس قدر دلائل غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب نمبروار مع جواب عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

اعتراض نمبر 1

ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایۃ کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ الخ

"فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پھر بعد وتر دو نفل پڑھتے تھے۔"

معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت چاہیئے۔ حضور ﷺ نے یہ ہی پڑھی ہے۔

جواب

آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہوگئی جن میں تین رکعتوں کا ذکر ہے اور احادیث آپس میں متعارض ہوگئیں۔ حدیث کا ترجمہ ایسا کرنا چاہیئے۔ جس سے احادیث متفق ہوجاویں۔ اس حدیث شریف میں ب استعانۃ کی

ہے جیسے كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ میں نے قلم سے لکھا کیونکہ وتر باب افعال متعدی بنفسہ ہے تو حدیث کے معنے یہ ہوئے کہ حضور ﷺ نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا ایک رکعت کے ذریعہ سے اس طرح کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد جفت سے طاق بن گیا۔ مثلاً آٹھ رکعت تہجد ادا فرمائی یہ عدد جفت تھا پھر تین رکعۃ وتر پڑھی تو وتر کی تیسری رکعۃ کے سبب کل رکعتیں گیارہ ہو گئیں۔ جو طاق ہیں اس تمام نماز کو طاق بنانے والے وتر کی یہ ایک رکعت ہے۔ جو دو سے مل کر ادا ہوئی۔ اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ تمام احادیث کے موافق ہوگئی۔ میں غیر مقلدوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر تمہارے معنی کئے جاویں تو ان احادیث کا کیا جواب دوگے جن میں صراحۃً تین کا عدد مذکور ہے۔ یا جن میں وارد ہوا کہ حضور ﷺ پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے دوسری میں فلاں اور تیسری رکعت میں فلاں سورت جو پہلی فصل میں مذکور ہوئیں۔

اِعتراض نمبر 2

مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ﷺ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ اللَّیْلِ مَثْنٰی مَثْنٰی فَاِذَا خَشِیَ اَحَدُ کُمُ الصُّبْحَ صَلّٰی رَکْعَۃً وَاحِدَۃً تُوْتِرُ لَہٗ مَاقَدْ صَلّٰی۔

"فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ تہجد کی نماز دو دو رکعت ہیں جب تم میں سے کوئی صبح ہو جانے کا خوف کرے تو ایک رکعت پڑھ لے یہ رکعت گزشتہ نماز کو وتر بنا دے گی۔"

اس سے چار مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو دو رکعت نفل ادا کرنی چاہئیے دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں ہو صبح سے پہلے تیسرے یہ کہ وتر تہجد کی نماز کے بعد افضل ہے چوتھے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے۔ حنفی لوگ پہلے تین مسئلے تو مانتے ہیں۔ چوتھے کے انکاری ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے مانیں اگر صحیح نہیں تو چاروں نہ مانیں۔

جوَابْ

غیر مقلد وہابی تو اس حدیث کا ترجمہ یہ کرتے ہیں۔ جب صبح خوف ہو تو اکیلی ایک رکعت علیحدہ طور پر پڑھ لے۔ اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہوگئی جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ناممکن ہوگیا۔ حنفی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھ لے۔ جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ یعنی رکعۃً واحدۃً کے بعد مع الرکعتین پوشیدہ ہے۔ کیونکہ پہلے مثنیٰ مثنیٰ کا ذکر ہو چکا ہے اس صورت میں احادیث میں کوئی تعارض نہ رہا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہوگیا۔ جیسے رب فرماتا ہے۔

وَلَبِثُوْا فِیْ کَھْفِھِمْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۸ آیت ۲۵)

"اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے تو بڑھا لئے۔

اس آیۃ میں یہ نو سال تین سو سال سے علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے کہ تین سو نو سال قیام کیا۔ چونکہ تین سو سال

شمسی تھے اور تین سو نو سال قمری اس لئے رب تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ ایسے وتر کی یہ رکعت علیحدہ ان دو دو سے نہیں۔ بلکہ ان میں اس آخری ثنی یعنی دو کے ساتھ ہے لیکن چونکہ وہ دو۲ دو۲ رکعتیں تہجد کی تھیں اور نفل تھیں یہ تین رکعتیں وتر کی ہیں اور واجب ہیں اسی لئے اس اعلم الاولین والآخرین افصح الخلق ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ کہو وہابی جی حدیثوں کو لڑانا اچھا۔ یا احادیث میں موافقت پیدا کر کے سب پر عمل کرنا بہتر۔ کاش کہ آپ نے کسی مقلد سے حدیث پڑھی ہوتی۔

اعتراض نمبر 3

مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ

”وتر آخر رات میں ایک رکعت ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

جواب

اس کا جواب بھی دوسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہو گیا۔ کہ وہابی اس کے معنی کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ ایکی سب رکعتوں سے علیحدہ اس صورت میں یہ حدیث بہت احادیث کے مخالف ہو گی اور احادیث کا جمع ناممکن ہو گا۔ حنفی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ دو کے ساتھ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔ یا اس حدیث میں وتر بمعنی اسم فاعل ہے۔ یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنانے والی ایک رکعت ہے کہ یہ دو سے مل کر ساری نماز کو طاق بنا دیتی ہے کہ نمازی نے آٹھ رکعت تہجد پڑھی۔ پھر جب وتروں کی نیت باندھی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز جفت ہی رہی۔ جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملا دی تو طاق یعنی گیارہ رکعتیں بن گئیں۔ اس صورت میں یہ حدیث تمام دوسری حدیثوں سے موافق ہو گئی۔ احادیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر 4

ابوداؤد و نسائی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُ وِتْرٌ يُّحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ

”فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ وتر (بے جوڑ) ہے وتر کو پسند فرماتا ہے۔ پس وتر پڑھا کرو اے قرآن ماننے والو۔“

حنفی بتائیں اللہ ایک ہے یا تین، جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہئے نہ کہ تین حضور ﷺ نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثال دی ہے۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر وہابیوں کو چاہئے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں۔ نہ کہ تین۔ کیونکہ مغرب کے فرض دن کے وتر ہیں۔ اور یہ وتر رات کے وتر۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں۔ اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں آ گیا کہ حضور ﷺ مغرب کہ فرض تین پڑھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آ گیا۔ کہ حضور ﷺ نماز وتر بھی تین رکعت پڑھتے تھے۔ دیکھو پہلی فصل، تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کی محض وتریت یعنی طاق بے جوڑ ہونے میں مثال دی ہے نہ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے ایک بھی وتر تمثیل میں ادنیٰ مناسبت کافی ہوتی ہے ہر طرح مثل ہونا ضروری نہیں اس لئے حضور ﷺ نے وتر فرمایا واحد یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ایک رکعت کو پسند فرماتا ہے دیکھو رب فرماتا ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۴ آیت ۳۵)

"اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جسمیں چراغ ہے۔"

یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی مطلقاً نورانیت میں اب اگر کوئی کہے کہ چراغ میں تیل بتی ہوتی ہے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے نور میں بھی روغن ہو تو اس کی حماقت ہے ہم کہتے ہیں۔ فلاں شخص شیر ہے۔ مطلب ہوتا ہے کہ صرف طاقت میں کی طرح ہے یہ نہیں کہ اس کے دم اور پنجہ بھی ہے۔

اعتراض نمبر 5

بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی۔

أَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهٗ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ فَاَتٰى ابْنَ عَبَّاسٍ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ دَعْهُ فَإِنَّهٗ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

"سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی اس وقت ان کے پاس سیدنا ابن عباس کے غلام حاضر تھے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو وہ صحابی رسول ہیں۔"

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔

جواب

یہ حدیث تو احناف کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں کیونکہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک کعت وتر پڑھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کو حیرت ہوئی۔ جس کی شکایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کی۔ حیرت وتعجب اس کام پر ہوتا ہے۔ جو نرالا اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ کوئی صحابی ایک رکعت وتر نہ پڑھتے تھے۔ ورنہ نہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے

اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد فقیہہ صحابی ہیں۔ فقیہہ مجتہد کی غلطی وخطا پر اعتراض جائز نہیں۔ اس کا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيْلَ لَهٗ هَلْ لَّكَ فِيْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مُعَاوِيَةَ مَا اَوْتَرَ اِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ اَصَابَ اِنَّهٗ فَقِيْهٌ

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ کو حضرت امیر المومنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے ہوتو وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہد عالم فقیہہ ہیں۔''

صاف معلوم ہوا کہ وتر تمام صحابہ اور خود سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تین رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اس ہی لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھتے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ عالم ہیں مجتہد ہیں اور مجتہد فقیہہ کی خطا بھی درست ہوتی ہے۔ ان پر اعتراض نہ کرو۔ مہربان من یہ حدیث تو حنفیوں کی دلیل ہے آپ دھوکے سے اپنی دلیل سمجھ بیٹھے یہ تو آپ کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر 6

حنفیوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت وتر پڑھیں۔ تو اعتراض کرتے ہیں امیر معاویہؓ ایک رکعت وتر پڑھیں۔ تو ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم رفع یدین یا اونچی آمین کہیں تو ہم پر ملامت ہے۔ امام شافعی ہماری سی نماز پڑھیں۔ تو نہ انہیں وہابی کہا جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دورخی پالیسی کیسی اور یہ فرق کیوں ہے۔ (عالم وہابی)

جواب

جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عالم فقیہہ مجتہد کی خطا پر بھی ثواب ہے۔ مگر جاہل جب دیدہ دانستہ عالموں سے منہ موڑ کر غلطی کرے تو سزا کا مستحق ہے اگر سول سرجن سند یافتہ ملازم سرکاری کسی بیمار کو غلط دوا دے دے تو اس پر کوئی عتاب نہیں لیکن اگر کوئی جاہل آدمی یوں ہی انکل پچو کسی کو غلط دوا کھلا دے تو شرعاً وقانوناً مجرم ہے۔ جج حاکم کسی ملزم کو سزا دے حق ہے اگر چہ غلطی کرے مگر جوا یرے غیرے قانون ہاتھ میں لے کر خود یہ لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے جیل کا مستحق ہے۔

دیکھو حضرت علی رضی اللہ عنہ ومعاویہ رضی اللہ عنہ میں خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں یقیناً علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ برحق تھے اور امیر معاویہؓ خطا پر لیکن ان میں سے گنہگار کوئی نہیں۔ جس کو بھی برا کہا جاوے تو برا کہنے والا بے ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن کریم نے حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں کا ذکر فرمایا۔

اِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا

''جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے متعلق فیصلہ فرماتے تھے جب اس میں قوم کی بکریاں پھیل گئیں۔ ہم انکا فیصلہ مشاہدہ فرما رہے تھے پس ہم نے حضرت سلیمان کو وہ سمجھا دیا۔ اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو حکمت وعلم بخشا۔''

دیکھو کھیت کے اس مقدمہ میں داؤد سلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے علیحدہ علیحدہ فیصلہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ برحق تھا۔ جس کی

رب تعالیٰ نے تائید فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ خطا اجتہادی تھی۔ لیکن ان پر کسی قسم کا عتاب ہرگز نہیں۔ کیوں اس لئے کہ آپ مجتہد مطلق تھے اور مجتہد کی خطا پر عتاب نہیں۔ وہابیو اگر تم بھی رفع یدین یا اونچی آمین۔ شافعی بن کر کرو تو تمہیں وہابی نہ کہا جاوے گا۔ نہ تم سے یہ شکایت ہو تم خود بے علم ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لے لیتے ہو اور اپنی ذمہ داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتنہ واقع کرتے ہو اس پر تمہاری یہ درگت بنتی ہے۔

اعتراض نمبر 7

تین رکعت وتر کی جتنی حدیثیں ہیں وہ سب صغیف ہیں اور صغیف حدیثیں حجت نہیں۔

جواب

جی اس لئے صغیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔ یا اس لئے کہ ساری حدیثیں ساڑھے تیرہ سو برس کی پرانی ہو چکیں آدمی تو ساٹھ برس میں بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے تو قریباً چودہ سو برس کی حدیثیں ضعیف کیوں نہ ہوں۔ آپ کی اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے نے لوگوں کو حدیث کا منکر کر دیا۔ آپ کے اس اعتراض کے جوابات اس کتاب میں بارہا دے چکے ہیں۔

باب نمبر 8

قنوت نازلہ پڑھنا منع ہے

نماز وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت ہمیشہ سنت ہے اور فجر کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازل پڑھنا سخت مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ مگر غیر مقلدوں کا بچپن کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعا قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ رمضان کی بعض تاریخوں میں لیکن فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دیوبندی وہابی بھی جو دراصل درپردہ غیر مقلد ہیں۔ بہانہ بنا کر فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے لگتے ہیں۔ اس لئے اس بات کے بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

فصل نمبر 1

اس کے ثبوت میں

قنوت نازلہ کے معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کی دعا حضور سید عالم ﷺ نے ایک بار ایک خاص مصیبت پر چند روز یہ دعا قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیتہ قرآنی نے یہ دعا منسوخ فرمادی۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے پھر کبھی نہ پڑھی دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۲...... بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عاصم احول کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرًا اِنَّہٗ بَعَثَ اُنَاسًا یُقَالُ لَھُمُ الْقُرَّآءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِیْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ شَھْرًا یَدْعُوْ عَلَیْھِمْ۔

''حضور ﷺ نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی آپ نے ستر صحابہ کو جو قاری تھے ایک جگہ تبلیغ کے لئے بھیجا وہ شہید کر دیئے گئے تو حضور نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد ان کفار پر بددعا فرماتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔''

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا۔ عذر کی وجہ سے صرف ایک ماہ رہا پھر منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۳...... طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرًا یَدْعُوْ عَلٰی رَعْلٍ وَذَکْوَانَ فَلَمَّا طَھَرَ عَلَیْھِمْ تَرَکَ الْقُنُوْتَ

''حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی قبیلہ رعل وزکوان پر بددعا فرمائی جب حضور ﷺ ان پر غالب آ گئے تو چھوڑ دی۔''

اس حدیث میں چھوڑ دینے کا صراحۃً ذکر آ گیا۔

حدیث نمبر ۴ تا ۷...... ابو یعلی موصلی۔ ابوبکر بزار طبرانی نے کبیر میں بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرًا یَدْعُوْا عَلٰی عُصِیْبَۃٍ وَذَکْوَانَ شَھْرًا فَلَمَّا ظَھَرَ عَلَیْھِمْ تَرَکَ الْقُنُوْتَ وَقَالَ الْبَزَّارُ فِیْ رِوَایَتِہٖ لَمْ یَقْنُتِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا شَھْرًا وَاحِدًا لَمْ یَقْنُتْ قَبْلَہٗ وَلَابَعْدَہٗ

''حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی جس میں قبیلہ عصیہ وزکوان پر بددعا فرمائی جب ان پر غالب آ گئے تو چھوڑ دی بزار نے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ پڑھی۔''

حدیث نمبر ۸ تا ۹...... ابوداؤد و نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَھْرًا ثُمَّ تَرَکَہٗ

''یقیناً نبی ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔''

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۲...... ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت کی۔

قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ یَااَبَتِ اِنَّکَ قَدْ صَلَّیْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ ھٰھُنَا

بِالْکُوْنِہٖ نَحْوًامِنْ خَمْسِ سِنِیْنَ کَانُوْا یَقْنُتُوْنَ قَالَ یَابُنَیَّ مُحْدَثٌ

''فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ اباجان آپ نے حضور ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے کوفہ میں تقریباً پانچ سال نماز پڑھی کیا یہ حضرات قنوت نازلہ پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بچے یہ بدعت ہے۔''

یعنی ہمیشہ نازلہ پڑھنا بالکل سنت کے خلاف ہے اور بدعت سیئہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۴...... مسلم وبخاری نے حضرت ابوہریرہؓ سے ایک دراز حدیث نقل کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَکَانَ یَقُوْلُ فِیْ بَعْضِ صَلٰوتِہٖ اَللّٰھُمَّ لَعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا لِاَحْیَاءِ مِنَ الْعَرَبِ حَتّٰی اَنْزَلَ اللّٰہُ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ

''حضور انور ﷺ اپنی بعض نمازوں میں فرمایا کرتے تھے کہ خدایا فلاں فلاں (عرب کے بعض قبیلے) پر لعنت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ''لیس لک'' الخ۔''

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دعا قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے۔ دوسرے یہ حدیث شریف آیۃ قرآنی سے منسوخ ہوسکتی ہے کہ قنوت نازلہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن کریم سے ثابت۔ تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بددعا یا لعنت کرنا جائز ہے۔ جن لوگوں پر حضور ﷺ نے بددعا فرمائی وہ حضور کی ذات شریف کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے۔ جب ان پر جہاد کرسکتے ہیں تو بددعا بھی کرسکتے ہیں۔ ہاں حضور ﷺ نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافیاں دی ہیں۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

حدیث نمبر ۱۵...... حافظ طلحہ ابن محمد محدث نے اپنی سند میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کی۔

عَنِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ عَنْ اَبَانِ ابْنِ عَیَّاشٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بِنْ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ یَقْنُتْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْفَجْرِ اِلَّا شَھْرًا وَاحِدًا لِاَنَّہٗ حَارَبَ الْمُشْرِکِیْنَ فَقَنَتَ یَدْعُوْا عَلَیْھِمْ

''امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے نماز فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی سوا ایک مہینہ کے کیونکہ حضور نے مشرکین سے جنگ کی تھی تب ان پر ایک ماہ بددعا فرمائی تھی۔''

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷...... حافظ ابن خسرو نے اپنی مسند میں اور قصی عمر ابن حسن اشنانی نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا قَنَتَ اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرَ وَلَا عُثْمَانُ وَلَا عَلِیٌّ حَتّٰی حَارَبَ اَھْلَ الشَّامِ مَکَانَ یَقْنُتُ

''نہ حضرت ابوبکر وعمر نے نہ حضرت عثمان نے نہ علی مرتضی نے قنوت نازلہ پڑھی۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل

شام سے جنگ کی تو قنوت نازلہ پڑھی۔"

حدیث نمبر ۱۸...... ابو محمد بخاری نے امام اعظم ابو حنیفہ سے انہوں نے عطیہ عوفی سے انہوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ لَمْ یَقْنُتْ اِلَّا اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا یَدْعُوْا عَلٰی عُصَیَّۃَ وَ ذَکْوَانَ ثُمَّ لَمْ یَقْنُتْ اِلٰی اَنْ مَّاتَ

"انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے چالیس دن کے سواء قنوت نازلہ نہ پڑھی ان چالیس دن میں آپ نے عصیہ ذکوان پر بددعا فرمائی پھر وفات تک کبھی نہ پڑھی۔"

یہ اٹھارہ احادیث بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ قنوت نازلہ نہ پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث شریفہ موجود ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی شریف، صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا یہ ہے کہ قنوت نازلہ نماز میں نہ پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ پنجگانہ فرائض کی رکعتیں مختلف ہیں۔ فجر کی دو، ظہر، عصر، عشاء کی چار۔ مغرب کی تین۔ مگر کوئی فرض نماز ارکان نماز یا دعا وغیرہ میں دوسری نماز سے مختلف نہیں۔ سب کے ارکان و دعائیں وغیرہ یکساں ہیں۔ تو جب چاروں نمازوں میں قنوت نازلہ نہیں چاہیئے کہ فجر کے فرضوں میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ باجماعت فرائض میں دعائیں اور ذکر مختصر ہیں نوافل میں ان کی آزادی ہے۔ دیکھو رکوع سے اٹھتے وقت اکیلا نمازی سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ بھی کہتا ہے اور رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ بھی۔ مگر جب جماعت پڑھتا ہے۔ تو امام رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ نہیں کہتا صرف سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتا ہے اور مقتدی اس کے برعکس کہ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ تو کہتا ہے مگر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ نہیں کہتا۔ جب ان نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے تو فجر کے رکوع کے بعد اتنی دراز یعنی دعاء قنوت نازلہ پڑھنا مقصد شرح کے بالکل خلاف ہے تیسرے یہ کہ نماز خصوصاً فرائض پنجگانہ کے ارکان ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چاہئیں۔ قیام کے بعد فوراً سجدہ اور سجدہ کے بعد فوراً قیام یا جلسہ ان میں فاصلہ کرنا مقصد شرح کے خلاف ہے رکوع فجر کے بعد جو قومہ ہے۔ اس میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کے بقدر ٹھہرنا چاہیئے۔ اگر اس میں قنوت نازلہ پڑھی گئی تو سجدہ میں جو نماز کا اعلیٰ رکن ہے۔ دیر لگے گی۔ تاخیر فرض اگر بھول کر ہو تو سجدہ سہو واجب کرتی ہے اور اگر عمداً ہو تو نماز فاسد کر دیتی ہے لہٰذا اندرون نماز قنوت نازلہ نہ پڑھنا چاہیئے تاکہ نماز کے ارکان میں اتصال رہے۔

مسئلہ فقہی

مذہب حنفی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقعہ پر بہتر یہ ہی ہے کہ قنوت نازلہ خارج نماز پڑھے تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف سے بچا رہے کیونکہ بعض صحابہ آفات و جنگوں کے موقعہ پر قنوت نازلہ پڑھتے تھے بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرضوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھے تو اگرچہ اچھا نہ کیا۔ مگر جائز ہے۔ ضرورت کے وقت ممنوعات مباح ہو جاتے ہیں لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے۔ فجر کے سواء کسی اور نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جاوے گی۔ کیونکہ اس نے بلا

وجہ عمداً سجدہ میں تاخیر کر دی تاخیر فرض مفسد نماز ہے۔

ایک شبہ:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر ہر ہری نماز یعنی فجر مغرب عشاء میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں ہے۔

قَنَتَ الْاِمَامُ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَھْرِ وَھُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیْ وَاَحْمَدُ

''شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کر بن گیا ہے۔''

پنجاب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مغرب وعشاء فجر بلکہ نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر لوگوں کی نمازیں برباد کیں۔

شبہ کا ازالہ

شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر لکھ دیا ہے یعنی ف کو جیم بنا دیا ہے۔ چنانچہ اشباہ والنظائر میں اس جگہ بجائے صلوٰۃ الجہر کے صلوٰۃ الفجر ہے اور طحطاوی علی ور دالمختار اور علامہ ابن عابدین شامی نے منحۃ الخالق علی بحر الرائق میں فرمایا۔

قَنَتَ الْاِمَامُ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَھْرِ وَھُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیْ وَاَحْمَدُ

''شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کہ بن گیا ہے۔''

طحطاوی کی عبارت یوں ہے۔

وَالَّذِیْ یَظْھَرُلِیْ اَنَّ قَوْلَہٗ فِیْ الْبَحْرِ وَ اِنْ نَّزَلَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ نَازِلَۃٌ قَنَتَ الْاِمَامُ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَھْرِ تَحْرِیْفٌ مِنَ النَّسَّاخِ وَصَوَابُہٗ الْفَجْرُ

''بحر الرائق نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے تو امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے میرا خیال ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے صحیح یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔''

ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے اگر قنوت نازلہ کی زیادہ تحقیق کرنا ہو تو ہماری فتاویٰ نعیمیہ ملاحظہ فرماویں۔ چونکہ اب دیوبندی بھی بعض جگہ قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لئے وہاں اس مسئلہ پر کچھ جم کر بحث کر دی گئی ہے۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دیانتداری سے مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی نیا شبہ نظر سے گزرا تو انشاء اللہ اس کا جواب بھی عرض کر دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر 1

تم نے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ اور ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ (پرانا سبق)

جواب

اس کے جوابات ہم بارہا دے چکے ہیں۔ اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ہم یہ آیت و احادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں۔ احادیث یا آیات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں۔ ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ ان کی اسناد نہایت مختصر اور کھری ٹکسالی ہوتی ہے۔ جس میں دو تین را ہوتے ہیں۔ وہ بھی نہایت ثقہ اس باب کی پہلی فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۸ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ امام صاحب کی اسناد صرف دو راوی ہیں۔ عطیہ عوفی ابو سعید خدری اور حدیث نمبر ۱۵ میں صرف چار راوی ہیں۔ ابان ابن عیاش۔ ابراہیم نخعی۔ علقمہ ابن مسعود۔ بتاؤ ان میں کون ضعیف ہے۔ چونکہ امام صاحب کا زمانہ خیر القرون میں سے ہے۔ ان کی احادیث کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں۔ لہٰذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ضعف تدلیس وغیرہ بیماریاں بعد میں لگیں۔ ہاں تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے لئے قیامت ہے کہ یہ ہی روایتیں تمہاری دلیلیں ہیں۔ جن پر تمہارے مذہب کا دارومدار ہے۔ اور تمہارا زمانہ حضور ﷺ سے بہت دور تمہاری روایتوں کی اسنادیں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بیماریاں موجود ہیں۔ جو ہم پہلے بابوں میں عرض کر چکے ہیں۔ ہم نے ہر حدیث کی بفضلہٖ تعالیٰ اتنی اسنادیں پیش کی ہیں کہ وہ احادیث حسن ہو گئیں۔ ضعف جاتا رہا۔

اعتراض نمبر 2

ابن ماجہ نے روایت کی کہ کسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضور نے کب قنوت پڑھی تو جواب دیا۔

قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهٗ

''حضور نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی اور بعد بھی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس حدیث میں قنوت نازلہ کا ذکر نہیں اور صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث دعاء قنوت کی بحث میں لائے ہیں جو وتروں میں پڑھی جاتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعاء قنوت مراد ہے۔ لہٰذا آپ کا استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ پڑھی۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ نے قنوت نازلہ صرف ایک یا سوا ماہ پڑھی۔ پھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔ لہٰذا یہ حدیث منسوخ ہے اور منسوخ سے دلیل پکڑنا سخت جرم۔ تیسرے یہ کہ اگر اس حدیث میں قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو اس میں یہ فیصلہ نہ فرمایا گیا کہ رکوع سے پہلے پڑھی یا بعد میں۔ تو تم نے بعد رکوغ کا فیصلہ کیسے

کرلیا۔ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے اس کی اسناد مجروح ہے۔ اس ہی لئے اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ و بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نہ لیا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ و بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایتیں اس کے خلاف ہیں۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔ لہٰذا یہ حدیث مجروح ہے غرضیکہ یہ حدیث تمہارے لئے کسی طرح حجت نہیں۔

اِعتراض نمبر 3

طحاوی شریف نے بہت سی اسنادوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایۃ کی۔ اتنی اسنادوں والی روایت ضعیف نہیں ہوسکتی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حِيْنَ يَفْرُغُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنَ الْقِرَاءَةِ وَيُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ ابْنَ الْوَلِيْدِ۔ الخ

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر کی قراۃ سے فارغ ہوتے اور تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے۔ اور سمع اللہ لمن حمدہ فرماتے تو کھڑے ہوتے۔ یہ دعا پڑھتے اے اللہ ولید ابن ولید کو نجات دے۔ الخ''

طحاوی شریف حنفیوں کی کتاب ہے۔ اس سے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے۔

جواب

شاید آپ نے طحاوی شریف کے اس ہی صفحہ پر حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی اکبر کی یہ روایت نہ دیکھی۔ اور دیکھتے بھی کیسے یہ آپ کے خلاف تھی۔ ملاحظہ ہو۔ آخری الفاظ۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْئٌ فَمَا دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدُعَاءٍ عَلٰى اَحَدٍ

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ پس یہ آیت اتری ''لیس لک'' الخ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی پر نماز میں بددعا نہ فرمائی۔''

لہٰذا آپ کی پیش کردہ تمام احادیث اس آیت کریمہ سے منسوخ ہیں۔ اور منسوخ احادیث اپنی دلیل میں پیش کرنا آپ جیسے بزرگوں کا ہی کام ہے۔

اِعتراض نمبر 4

احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے زمانہ میں فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت نازلہ پڑھنا منقول ہے۔ ایسے جلیل القدر صحابہ کا قنوت نازلہ پڑھنا اسکے سنت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں الزامی اور تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ روایات تمہارے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ ان میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج یا بغاۃ کی جنگ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ امن کے زمانہ میں نہیں پڑھتے تھے مگر تم ہمیشہ پڑھتے ہو۔ تم نے آج تک کفار سے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک بنانے اور مسلمانوں سے

لڑنے کے سواء کون سے جہاد کئے۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قنوت نازلہ کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں اختلاف رہا۔ بعض صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے اور بدعت فرماتے ہیں۔ جیسے حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ جیسا کہ ہم بحوالہ نسائی و ابن ماجہ پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ جیسے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما اس لئے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں۔ کہ اب بھی بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں۔ لیکن ہمیشہ پڑھنا کسی صحابی کا قول نہیں ہماری ساری گفتگو ہمیشہ پڑھنے کے متعلق ہے۔ آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے۔ دلیل کچھ اور تمام وہابیوں کو اعلان عام ہے۔ کہ ایک حدیث مرفوع صحیح ایسی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنے کا حکم یا ذکر ہو انشاء اللہ قیامت تک نہ ملے گی۔ لہٰذا کیوں ضد کرتے ہیں مقلد بن کر صحیح نماز پڑھا کرو۔

تتمہ

وتر میں دعاء قنوت ہمیشہ پڑھو

چونکہ غیر مقلد وہابی وتروں میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ صرف آخری پندرہ رمضان میں دعا قنوت پڑھتے ہیں۔ ہم حنفی سال بھر تک پڑھتے ہیں۔ اس لئے بطور اختصار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں ہمیشہ دعاء قنوت وتر کے آخر رکعت میں قراۃ کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا سنت ہے۔ اس کے خلاف کرنا سخت برا ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۲...... امام محمد نے آثار میں اور حافظ ابن خسرو محدث نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ سے روایت کی۔

اِنَّہٗ کَانَ یَقْنُتُ السَّنَۃَ کُلَّھَا فِی الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّکُوْعِ

''کہ آپ وتروں میں تمام سال رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھتے تھے۔''

حدیث نمبر ۳ تا ۴...... دار قطنی اور بیہقی نے حضرت سوید ابن غفلہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیًّا یَقُوْلُوْنَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِی اٰخِرِ الْوِتْرِ وَکَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ذَالِکَ

''وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق عمر فاروق ذعثمان غنیذ۔ علی مرتضیٰ ذ سے سنا کہ وہ سب حضرت فرماتے تھے کہ حضورؐ وتر کی آخری رکعت میں دعاء قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہ ہی کرتے تھے۔''

حدیث نمبر ۵ تا ۸...... ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ نے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ اٰخِرِ وِتْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ الخ

''یقیناً حضور ﷺ اپنی آخری وتر میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللھم ان اعوذبك۔ الخ

یہ احادیث بطور نمونہ عرض کردیں۔ ورنہ اس بارے میں احادیث بہت ہیں۔ ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضرت نے یا صحابہ کرام نے صرف آخری نصف رمضان میں دعا قنوت پڑھی آگے پیچھے نہ پڑھی۔ بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صراحۃً منقول ہوا کہ آپ سارا سال دعا قنوت پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ سارا سال وتروں میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنا حضور کی بھی سنت ہے اور صحابہ کرام کی بھی۔

خیال رہے کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے۔ جو ابوداؤد نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کی الفاظ یہ ہیں۔

اَنَّ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى اَبِی اِبْنِ کَعْبَ فَکَانَ یُصَلِّی بِهِمْ عِشْرِیْنَ لَیْلَةً وَلَا یَقْنُتُ بِهِمْ اِلَّا فِی النِّصْفِ الْبَاقِیْ

''حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کر دیا وہ انہیں بیس رات تراویح پڑھاتے تھے اور قنوت نہ پڑھتے تھے مگر باقی آدھے رمضان میں۔''

غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اے وہابیو تمہارا پورا حدیث پر ایمان ہے یا آدھی پر۔ اگر آدھی پر ہے تو کیوں۔ اور اگر پوری پر ہے تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی ابن کعب تمام صحابہ کو بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ تم آٹھ تراویح ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو۔ صرف بیس رات کیوں نہیں پڑھتے اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۸۵)

''کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔''

اگر اس حدیث سے پندرہ دن دعا قنوت ثابت ہوتی ہے۔ تو بیس رکعت تراویح صرف بیس رات بھی ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعا قنوت کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دعا کوئی اور ہوگی جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا کی گئی ہو۔ چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہوتے تھے تو صحابہ کرام آخر رمضان میں جسمیں شب قدر بھی ہے۔ اعتکاف کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فتح کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ اگر اس سے دعاء قنوت مراد ہو تو یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہوگی جو ہم پیش کر چکے جن میں فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سارا سال دعا قنوت پڑھتے تھے۔ جہاں تک ہو سکے احادیث میں تعارض پیدا نہ ہونے دیا جاوے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی پندرہ دن دعا قنوت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے بیس رات تراویح

پڑھائیں۔ جن میں سے آخری نصف میں دعاء قنوت پڑھی تو حساب سے کل دس دن یعنی دسویں رمضان سے بیس رمضان تک دعاء قنوت ہوئی تم پندرھویں سے تیس تک کیوں پڑھتے ہو۔

ہمارا اعلان

ہم تمام دنیا کے وہابیوں کو اعلان کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح مسلم بخاری کی ایسی پیش کرو۔ جس میں پندرہ دن دعاء قنوت کا حکم ہو آگے پیچھے پڑھنے کی ممانعت ہو۔ قیامت تک نہ لاسکو گے۔ لہٰذا اپنے موجودہ عمل سے توبہ کرو اور ہمیشہ دعاء قنوت پڑھا کرو ہمیشہ رب سے دعا مانگنے سے شرم نہ کرو۔

باب نمبر 9

التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت

مرد کے لئے سنت یہ ہے دونوں التحیات میں داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور زمین پر بیٹھے وہابی غیر مقلد پہلی التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں۔ مگر دوسری میں عورتوں کی طرح یہ سنت کے خلاف ہے اور بہت برا۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

فصل نمبر 1

اس کے ثبوت میں

التحیات میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد داہنا پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سرا کعبہ کی طرف بایاں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھے اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱...... مسلم شریف نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کی آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَکَانَ یَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی وَیَنْصِبُ رِجْلَهُ الْیُمْنٰی

”آپ اپنا بایاں پاؤں شریف بچھاتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا فرماتے تھے۔“

حدیث نمبر ۲ تا ۳...... بخاری ونسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اِنَّمَا السُّنَّةُ فِی الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْیُمْنٰی وَتَثْنِیَ الْیُسْرٰی زَادَا لنسَائِیْ وَاسْتِقْبَالُهٗ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةِ

''سنت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے۔ اور بایاں پاؤں بچھائے نسائی میں یہ زائد ہے کہ داہنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرے۔''

حدیث نمبر۴ تا۷...... بخاری شریف۔ مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی نے سیدنا عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ كَانَ يَرَى عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلٰوةِ اِذَا جَلَسَ قَالَ فَعَلْتُهٗ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ فَنَهَانِيْ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ وَقَالَ سُنَّةُ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتُثْنِيَ رِجْلَكَ الْيُسْرٰى فَقُلْتُ لَهٗ اِنَّكَ تَفْعَلُ ذَالِكَ فَقَالَ اِنَّ رِجْلَيَّ لَا تَحْمِلَانِيْ

''کہ وہ اپنے والد عبداللہ ابن عمر کو دیکھتے تھے کہ آپ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا اس وقت میں نوعمر تھا تو مجھے حضرت عبداللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ تم داہنا پاؤں کھڑا کرو اور بایاں پاؤں بچھاؤ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں۔ یعنی چہار زانو بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ (یعنی معذوری ہے)۔''

حدیث نمبر۸ تا۹...... ترمذی شریف اور طبرانی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ قُلْتُ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰى صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا جَلَسَ يَعْنِيْ لِلتَّشَهُّدِ اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى

''فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دل میں کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھوں گا جب آپ نماز میں بیٹھے یعنی التحیات میں تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کر دیا۔''

حدیث نمبر۱۰ تا۱۳...... امام احمد، ابن حبان، طبرانی نے کبیر میں حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَاِذَا جَلَسْتَ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى

''پھر جب تم بیٹھو تو اپنی بائیں ران پر بیٹھو۔''

حدیث نمبر۱۴...... طحاوی شریف نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ كَانَ يُسْتَحَبُّ اِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلٰوةِ اَنْ يَفْتَرِشَ قَدَمَهُ الْيُسْرٰى عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَجْلِسُ عَلَيْهَا

''آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا بایاں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر بیٹھے۔''

حدیث نمبر۱۵...... ابوداؤد شریف نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى حَتّٰى اَسْوَدَ ظَهْرُ قَدَمِهٖ

''وہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے یہاں تک کہ اس قدم کی پشت سیاہ ہو گئی تھی۔''

حدیث نمبر۱۶......بیہقی شریف نے سیدنا ابوسعید خدری سے ایک دراز حدیث نقل کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَاِذَا جَلَسَ فَلْیَنْصِبْ رِجْلَهُ الْیُمْنٰی وَلْیُخْفِضْ رِجْلِهِ الْیُسْرٰی

"جب نماز میں بیٹھے تو اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے۔"

حدیث نمبر۱۷......طحاوی شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ لَاَحْفَظَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَلَمَّا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی ثُمَّ قَعَدَ عَلَیْهَا

"میں نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی تو دل میں کہا کہ میں حضور ﷺ کی نماز یاد کروں گا فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ التحیات کے لئے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا پھر اسی پر بیٹھ گئے۔"

حدیث نمبر۱۸......طحاوی شریف نے حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَاِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ اَضْجَعَ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْیُمْنٰی عَلٰی صَدْرِهَا وَیَتَشَهَّدُ

"جب حضور ﷺ التحیات کیلئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور داہنا پاؤں اس کے سینے پر کھڑا کیا اور التحیات پڑھتے تھے"

یہ اٹھارہ حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں میں مطلق التحیات کا ذکر ہے۔ اول آخر کی قید نہیں معلوم ہوا کہ مرد التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے عورتوں کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دوسری التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی التحیات میں مرد بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ اور دو سجدوں کے درمیان میں اسی طرح بیٹھے آخری التحیات میں وہابیوں کا اختلاف ہے۔ پہلی التحیات میں بیٹھنا واجب ہے اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض۔ دوسری التحیات میں بیٹھنے کو اگر فرض مانتے ہو تو اسے سجدوں کی درمیانی نشست کی طرح ہونا چاہیئے یعنی بائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو واجب مانا جاوے تو اس سے پہلے التحیات کی نشست کی طرح ہونا چاہیئے یعنی بائیں پاؤں پر یہ کیا کہ وہ دونوں نشستیں بائیں پاؤں پر ہوں اور یہ آخری نشست زمین پر دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی غرضیکہ بائیں پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر سرین رکھ کر بیٹھنا عقل و نقل سب کے ہی خلاف ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ خیال رہے کہ عورت زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے مگر وہ پہلی التحیات میں بھی ایسے ہی بیٹھتی ہے اور دو سجدوں کے بیچ میں بھی اسی طرح لہذا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اس کی ہر نشست اسی طرح ہے۔ غرضیکہ عورتوں کی ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست بائیں پاؤں پر نہ معلوم وہابیوں کی یہ دورنگی ابلقی نشست کس میں شامل ہے۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض وجواب میں

اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں غیر مقلدوں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکے ہیں۔ ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین۔

اِعتراض نمبر 1

طحاوی شریف نے حضرت یحیٰ ابن سعید سے روایت کی۔

اَنَّ الْقَاسِمَ ابْنَ مُحَمَّدٍ اَرَاهُمُ الْجُلُوْسَ فَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَثَنّٰى رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَجَلَسَ عَلٰى وَرِكِهِ الْيُسْرٰى وَلَمْ يَجْلِسْ عَلٰى قَدَمَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَرَانِيْ هٰذَا عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَنِيْ اَنَّ اَبَاهُ عَبْدَاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ كَانَ يَفْعَلُ ذَالِكَ

”کہ قاسم ابن محمد نے ان لوگوں کو نماز میں بیٹھنا دکھایا تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کیا۔ اور بایاں پاؤں بچھایا اور اپنے بائیں سرین پر بیٹھے آپ دونوں قدموں پر نہ بیٹھے۔ پھر قاسم نے فرمایا کہا کہ یہ ہی مجھے عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر نے دکھایا اور مجھے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبداللہ ابن عمر ایسا ہی کرتے تھے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر زمین پر بیٹھنا سنت صحابہ رضی اللہ عنہ ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہ نے یہ عمل اسی لئے کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہوگا۔

جوَابْ

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نماز میں ہر التحیات میں اس ہی طرح بیٹھتے تھے۔ مگر تم کہتے ہو کہ پہلی التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ دوسرے میں اس طرح بیٹھے۔ لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث اس روایۃ کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر دونوں التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے وہ حدیث نہایت قوی تھی۔

یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔ قیاس شرعی کے بھی خلاف اور جب حدیثوں میں تعارض ہو تو جو حدیث قیاس شرعی کے موافق ہوگی اسے ترجیح ہوگی۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث سے تمہارا قول ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں تصریح نہیں۔ کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ زمیں پر سرین رکھ کر بیٹھتے تھے یہ ہے کہ دونوں قدموں پر نہ بیٹھتے تھے واقعی نمازی دونوں قدموں پر نہیں بیٹھتا۔ بلکہ صرف ایک قدم یعنی بائیں پر بیٹھتا ہے۔ لہٰذا اس

میں تمہاری کوئی دلیل نہیں۔

اِعتراض نمبر 2

طحاوی شریف اور ابوداؤد نے محمد ابن عمر ابن عطاء سے ایک طویل حدیث روایۃ کی جس کا ملخص یہ ہے۔

سَمِعْتُ اَبَا حُمَیْدِ السَّاعَدِیْ فِیْ عَشْرَۃٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَذَکَرَ اَنَّہٗ کَانَ فِی الْجَلْسَۃِ الْاُوْلٰی یُثْنِیْ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی فَیَقْعُدُ عَلَیْہَا حَتّٰی اِذَا کَانَتِ السَّجْدَۃُ الَّتِیْ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِہٖ التَّسْلِیْمِ اَخَّرَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَقَعَدَ مُتَوَرِّکًا عَلٰی شِقِّہِ الْاَیْسِرِ فَقَالُوْا تَسْبِعًا صَدَقْتَ۔

”میں نے ابوحمید ساعدی ذکو دس صحابہ کرام کی جماعت میں فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا کہ میں تم سب میں حضور کی نماز کو زیادہ جانتا ہوں فرمایا کہ حضور پہلی التحیات میں اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور اس پر بیٹھتے تھے جب وہ سجدہ فرما لیتے جس کے آخر میں سلام ہے تو اپنا بایاں پاؤں ایک جانب نکال دیتے اور اپنے بائیں سرین پر زمین پر بیٹھتے تو صحابہ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو“

اس حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا کہ پہلی التحیات میں پاؤں پر اور دوسری التحیات میں زمین پر بیٹھنا سنت ہے اور ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں ذکر کی اور ان سب نے اس کی تصدیق فرمائی معلوم ہوا کہ عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا وہ ہی طریقہ تھا جس پر ہم عامل ہیں۔ (یہ غیر مقلد وہابیوں کی مایہ ناز حدیث ہے)۔

جواب

یہ حدیث ضعیف ہی نہیں۔ بلکہ محض گھڑی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کا راوی محمد ابن عمرو ابن عطاء ہے جو بہت جھوٹا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ سَمِعْتُ اَبَا حَمِیْدٍ وَّاَبَا قَتَادَۃِ میں نے ابوحمید اور ابوقتادہ سے سنا۔ حالانکہ حضرت ابوقتادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ انہی کے زمانہ میں شہید ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی ابوقتادہ کی نماز جنازہ پڑھی اور محمد ابن عمرو خلافت حیدری کے بعد پیدا ہوا۔ پھر ابوقتادہ سے کیسے ملا ایسا جھوٹا آدمی ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ نہ اس کی حدیث قابل عمل ہے دیکھو طحاوی شریف اسی باب کا آخر۔

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث وہ ہے۔ جو طحاوی شریف نے اسی بات میں بروایۃ عباس ابن سہیل روایت کی جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے جس میں فرمایا کہ حضور بایاں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور التحیات پڑھتے تھے۔ افسوس ہے کہ آپ ایسی واہی اور ضعیف بلکہ جھوٹے راویوں کی روایتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ اور جب حنفی اپنی تائید میں صحیح حدیث پیش کریں تو اس پر حیلوں بہانوں سے ضعیف ضعیف کی رٹ لگاتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تب بھی گذشتہ ان احادیث کیخلاف ہوگی جو ہم عرض کر چکے ہیں ہماری تمام احادیث چونکہ قیاس شرعی کی تائید سے قوت حاصل کر چکیں۔ لہٰذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث بالکل ناقابل عمل ہے۔

اِعتراض نمبر 3

ترمذی شریف نے عباس ابن سہیل ساعدی سے روایت کی۔

قَالَ اِجْتَمَعَ اَبُوْحُمَيْدٍ وَّاَبُوْاُسَيْدٍ وَسَهْلُ ابْنُ سَعْدٍ وَمُحَمَّدُ ابْنُ مُسْلَمَةَ فَذَكَرُوْا صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَبُوْ حُمَيْدٍ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَلَسَ يَعْنِيْ لِلتَّشَهُّدِ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنٰى عَلٰى قِبْلَتِهٖ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَكَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهٖ يَعْنِيْ سَبَّابَةً

”ایک بار ابوحمید، ابواسید، سہیل ابن سعد اور محمد ابن مسلمہ جمع ہوئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابوحمید فرمانے لگے کہ تم سب سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کو میں جانتا ہوں حضور ﷺ التحیات کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کر دیا اور اپنی داہنی ہتھیلی داہنے گھٹنے پر رکھی بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی (کلمے کی انگلی) سے اشارہ فرمایا“

اس سے معلوم ہو کہ حضور ﷺ ایسے ہی التحیات میں بیٹھتے تھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ ورنہ آپ کے داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا۔ بلکہ یہ پاؤں کھڑا ہوتا۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے حضور ﷺ ہر التحیات میں زمین پر بیٹھتے تھے۔ تم پہلی التحیات میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہو۔ دوسری میں زمین پر۔ یہ کیوں جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہوگا اپنی فکر کرو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری التحیات میں تین کام ہوتے ہیں۔ بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح۔ اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا تعجب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے سمجھ لیا یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ داہنے پاؤں کے سینے کا قبلہ کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان تمام کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے نیز خود انہی ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف بھی منقول ہے وہ تمام احادیث اس حدیث سے بھی زیادہ قوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل اور خود اس فصل میں عرض کر چکے۔ لہٰذا وہ احادیث قابل عمل ہیں اور یہ نا قابل عمل۔

چوتھے یہ کہ اس ہی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں حنفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے اس کے متعلق امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کی یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اکثر علماء کا اس پر عمل ہے۔ آپ نے ایسی صحیح وصاف حدیث کو کیوں چھوڑا اور مجمل حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے متبع نہیں۔ اپنی رائے کا اتباع

کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں۔ بلکہ اہل رائے یا اہل ضدر کھیں۔

اعتراض نمبر 4

بائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ قابل حجت نہیں۔ (پرانا سبق)

جواب

کسی حنفی کو آپ اس منتر سے نہ ڈرایا کریں۔ حنفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا حنفی بحمدہ تعالیٰ اتنی حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ اگر بفرض محال وہ سب ضعیف بھی ہوں۔ تو بھی قوی ہو جاویں۔ نیز امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر مجتہد سراج امت کا قبول فرما لینا ہی اس کو قوی کرنے کے لئے کافی ہے۔ حنفی مذہب کے دلائل یہ روایات نہیں تو یہ تائیدیں ہیں۔ حنفیوں کی دلیل قول امام ہے ہمارا ایمان کتاب پر بھی ہے۔ سنت پر بھی اور اجماع امت وقیاس مجتہد پر بھی ہمارے سامنے یہ آیت کریمہ ہے۔

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۵۹)

''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں کی (مجتہدین امت) کی۔''

باب نمبر 10

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

ہم بیس رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے۔ لمعات المصابیح علی رکعات التراویح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لئے کچھ بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے۔ جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ ہمارا مذکورہ رسالہ ملاحظہ کرے۔ خیال رہے ساری امت رسول اللہ ﷺ کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح آٹھ رکعت نہیں ہاں اکثر مسلمان بیس پڑھتے ہیں اور بعض مسلمان چالیس البتہ غیر مقلد وہابی وہ فرقہ ہے۔ جسے نماز گراں ہے۔ محض نفس پر بوجھ سمجھ کر تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر سو رہتے ہیں اور کچھ روایتوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس لئے ہم اس مسئلہ کو دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں بیس رکعت تراویح کے دلائل دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین۔

فصل نمبر 1

اس کے ثبوت میں

بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ سنت صحابہ سنت عامۃ المسلمین ہے آٹھ رکعت تراویح خلاف سنت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۵ :…… ابن ابی شیبہ۔ طبرانی نے کبیر میں۔ بیہقی۔۔ عبد ابن حمید اور امام بغوی نے سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ یُصَلِّی فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً سِوَی الْوِتْرِ وَزَادَ الْبَیْهَقِی فِیْ غَیْرِ جَمَاعَةٍ

”بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھتے تھے وتر کے علاوہ بیہقی نے یہ زیادہ فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے صرف تین دن تراویح وہاں باجماعت پڑھنا مراد ہے یعنی بغیر جماعت تو ہمیشہ پڑھتے تھے۔ جماعت سے صرف تین دن پڑھیں۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہ معلوم ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ علی العین ہے کہ حضور نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رغبت بھی دی۔

حدیث نمبر ۶......امام مالک نے حضرت یزید ابن رومان سے روایت کی۔

کَانَ النَّاسُ یَقُوْمُوْنَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ فِیْ رَمَضَانَ بِثَلٰثٍ وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَةً

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں لوگ تئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔“

اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ وتر تین رکعت ہیں۔ اسی لئے کل تئیس رکعتیں ہوئیں۔

حدیث نمبر ۷......بیہقی نے معرفہ میں صحیح اسناد سے حضرت سائب ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَّالْوِتْرِ

”ہم صحابہ کرام عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔“

حدیث نمبر ۸......ابن منیع نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَهٗ اَنْ تُصَلِّیَ بِاللَّیْلِ فِیْ رَمَضَانَ قَالَ اِنَّ النَّاسَ یَصُوْمُوْنَ النَّهَارَ وَلَا یُحْسِنُوْنَ اَنْ یَّقْرَءُ وْافَلَوْقَرَأْتَ عَلَیْهِمْ بِاللَّیْلِ قَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ هٰذَا شَیْءٌ لَمْ یَکُنْ فَقَالَ فَقَدْ عَلِمْتُ وَلٰکِنَّهٗ حَسَنٌ فَصَلّٰی بِهِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھا کرو رات میں حضرت ابی نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین یہ وہ کام ہے جو اس سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں۔ لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی نے ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں۔“

اس حدیث سے چند مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری ہی تھی مگر باجماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا اصل تراویح سنت رسول اللہ ہے اور جماعت اہتمام ہمیشگی سنت فاروقی ہے۔

دوسرے یہ کہ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہ کا اجتماع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کو بیس رکعت

پڑھائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے پڑھیں۔ کسی نے اعتراض نہ کیا۔

تیسرے یہ کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جماعت تراویح کی باقاعدہ جماعت اہتمام سے بدعت ہے۔ اس سے پہلے نہ ہوئی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے واقعی یہ بدعت ہے۔ مگر اچھی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کام حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ عہد صحابہ میں رائج ہو کہ تراویح کی جماعت اگرچہ زمانہ فاروقی میں ہوئی۔ مگر اسے بدعت حسنہ فرمایا گیا۔

حدیث نمبر۹...... بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمٰی سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ دَعَا الْقُرَّآءَ فِیْ رَمَضَانَ وَ اَمَرَ رَجُلًا یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَکَانَ عَلِیٌّ یُوْتِرُبِهِمْ

”کہ علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔“

حدیث نمبر۱۰...... بیہقی شریف نے حضرت ابوالحسناء سے روایۃ کی۔

اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَمَرَ رَجُلًا یُّصَلِّیْ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت پڑھائیں۔“

بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں ورنہ بیس رکعت کی احادیث بہت ہیں۔ اگر شوق ہو تو ہماری لمعات المصابیح اور صحیح البہاری ملاحظہ کریں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وجوہ سے ایک یہ کہ دن رات میں بیس رکعت فرض وواجب ہیں۔ ۱۷ رکعت فرض تین رکعت واجب ماہ رمضان میں بیس تراویح پڑھی جاویں۔ ان رکعت کی تکمیل اور مدارج بڑھانے کے لئے لہٰذا آٹھ رکعت تراویح بالکل خلاف قیاس ہیں۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع کو رکوع اس لئے کہتے ہیں کہ اتنی آیات پر حضرت عمر وعثمان وصحابہ کرام رکوع میں رکوع کرتے تھے۔ اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن ہوتا تھا۔ آٹھ رکعت ہوتیں تو چاہیئے تھا کہ قرآن کریم کے رکوع کل دوسو سولہ ۲۱۶ ہوتے۔ حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۵۵۷ ہیں بیس رکعت کے حساب سے ۵۴۰ رکوع ہوتے ہیں۔ کوئی وہابی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر قرآن کریم کے رکوع کی تعداد کی وجہ بیان فرمادیں۔

تیسرے یہ کہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے۔ ترویحہ ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر راحت کرنے کو کہتے ہیں اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو بیچ میں ایک ترویحہ ہوتا۔ اس صورت میں اس کا نام تراویح جمع نہ ہوتا۔ جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔

علماء امت کا عمل ہمیشہ سے قریباً ساری امت کا عمل بیس رکعت تراویح پر رہا اور آج بھی ہے۔ حرمین شریف اور ساری دنیا کے مسلمان بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَاَکْثَرُ اَھْلِ الْعِلْمِ عَلٰی مَارُوِیَ عَنْ عَلِیٍ وَعُمَرَ وَغَیْرِھِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَھُوَ قَوْلُ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ وَابْنِ الْمُبَارَکِ وَالشَّافِعِیْ وَقَالَ الشَّافِعِیْ ھٰکَذَا اَدْرَکْتُ بَلَدًا مَّکَّۃَ یُصَلُّوْنَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً

''اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت عمر و علی و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یعنی بیس رکعۃ تراویح اور یہ ہی سفیان ثوری، ابن مبارک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے مکہ والوں کو بیس رکعۃ تراویح پڑھتے پایا۔''

عمدہ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۵ میں ارشاد فرمایا۔

قَالَ ابْنُ عَبْدِالْبَرِّ وَھُوَ قَوْلُ جُمْھُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَبِہٖ قَالَ الْکُوْفِیُّوْنَ وَالشَّافِعِیُّ وَاَکْثَرُ الْفُقَھَاءِ وَھُوَ الصَّحِیْحُ عَنْ اُبَیِّ اِبْنِ کَعْبٍ مِنْ غَیْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَۃِ

''ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح ہی جمہور علماء کا قول ہے یہ ہی کوئی حضرات اور امام شافعی اور اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہ ہی صحیح ہے ابی ابن کعب سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔''

مولانا علی قاری شرح نقایہ میں بیس رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَصَارَ اِجْمَاعًا لِمَارُوِیَ الْبَیْھَقِیُّ بِاَسْنَادٍ صَحِیْحٍ کَانُوْا یُقِیْمُوْنَ عَلٰی عَھْدِ عُمَرَ وَعَلٰے عَھْدِ عُثْمَانَ وَعَلِیٍّ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً

''بیس رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے کیونکہ بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کی صحابہ کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔''

علامہ ابن حجر ہیثمی فرماتے ہیں۔

اِجْمَاعُ الصَّحَابَۃِ عَلٰی اَنَّ التَّرَاوِیْحَ عِشْرُوْنَ رَکْعَۃً

''تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔''

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے بیس رکعۃ تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے۔ بیس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے۔ بیس رکعت تراویح حرمین شریفین میں پڑھی جاتی ہیں۔ بیس رکعت تراویح عقل کے مطابق ہیں۔ بیس رکعۃ تراویح قرآنی رکوعات کی تعداد کے مناسب ہیں۔ بلکہ آج حرمین طیبین میں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر اب بھی وہاں بیس رکعۃ تراویح پڑھی جاتی ہیں جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔ نہ معلوم ہمارے ہاں کے وہابی غیر مقلد کس کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف سنت صحابہ کے خلاف سنت مسلمین کے خلاف سنت علماء مجتہدین کے خلاف سنت حرمین طیبین کے خلاف ہے۔ ہاں ہوا نفس کے مطابق ہے کہ نماز نفس امارہ پر بوجھ ہے رب تعالیٰ نفس امارہ کے پھندوں سے نکالے اور سنت رسول پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

فصل نمبر 2

اس پر اعتراضات اور جوابات میں

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں کچھ اوہام رکیکہ اور کچھ شبہات فاسدہ ہیں۔ دل تو نہیں چاہتا کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث مکمل کرنے کے لئے ان کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔

اِعتراض نمبر 1

امام مالک نے سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَابِ اَبِیْ ابْنَ کَعْبٍ وَ تَمِیْمَ الدَّارِیْ اَنْ یَّقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰی عِشْرَۃِ رَکْعَۃِ الخ۔

”وہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔ اگر تراویح بیس رکعت ہوتیں تو کل رکعات ۲۳ بنتیں مع وتر کے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی سخت خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہوا۔ وہاں ہی تین وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہوں گی۔ آٹھ تراویح تین وتر۔ اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو کل نو رکعتیں ہوتیں۔ نہ کہ گیارہ۔ بتاؤ تم ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ لہٰذا اس روایت کا جو تم جواب دو گے وہ ہی جواب ہمارا ہے دوسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی محمد ابن یوسف ہیں۔ ان کی روایات میں سخت اضطراب ہے۔ مؤطا امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں۔ اور محمد ابن نصر مروزی نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبدالرزاق نے انہی سے اکیس رکعتیں نقل فرمائیں دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۸ مطبوعہ خیریہ مصر۔ لہٰذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں۔ تعجب ہے کہ آپ نفس امارہ کی خواہش پوری فرمانے کے لئے ایسی واہیات روایتوں کی آڑ پکڑتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ عہد فاروقی میں اولاً آٹھ رکعت تراویح کا حکم ہوا۔ پھر بارہ رکعت کا پھر آخر میں بیس رکعت پر ہمیشہ کے لئے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی موطا امام مالک میں حضرت اعرج سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَکَانَ الْقَارِیُٔ یَقْرَءُ بِسُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ فِیْ ثَمَانِ رَکْعَاتٍ فَاِذَا اَقَامَھَا فِیْ اثْنَیْ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً رَاَیْ النَّاسُ اَنَّہٗ قَدْ خُفِّفَ

”قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورۃ بقر پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر

آسانی ہوگئی۔"

اس حدیث کی شرح میں مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

ثَبَتَ الْعِشْرُوْنَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَوَفِی الْمُوْطَارَوَایَۃِ بِاِحْدٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً وَجُمِعَ بَیْنَھُمَا اَنَّہٗ وَقَعَ اَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلَی الْعِشْرِیْنَ فَاِنَّہُ الْمُتَوَارَاثُ

"ہاں بیس کا حکم حضرت عمر کے زمانہ میں ثابت ہوا موطا شریف میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے تو آٹھ رکعت کا حکم تھا۔ پھر بیس رکعت پر تراویح کا اقرار ہوا یہ ہی مسلمانوں میں رائج ہے۔"

معلوم ہوا آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے بیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں میں معمول۔

اعتراض نمبر 2

تمہاری پیش کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ بیس تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمر نے پہلے آٹھ رکعت کا حکم ہی کیوں دیا خلاف سنت حکم صحابہ کرام کی شان سے بعید ہے۔

جواب

حضور ﷺ نے خود تو بیس رکعات تراویح پڑھیں۔ مگر صحابہ کو اس تعداد کا صریح حکم نہ دیا تھا۔ صرف رمضان کی راتوں میں نماز خصوصی کی رغبت دی تھی۔ بلکہ خود جماعت بھی باقاعدہ ہمیشہ نہ کرائی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تراویح فرض ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے صحابہ پر تراویح کی رکعات کی تعداد ظاہر نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً اپنے اجتہاد سے آٹھ پھر بارہ مقرر فرمائیں بیس کی سند مل جانے پر بیس ہی کا دائمی حکم دے دیا۔ اس زمانہ میں آج کی طرح حدیث کتابوں میں جمع نہ تھی۔ ایک ایک حدیث بہت کوشش و محنت سے حاصل کی جاتی تھی۔

اعتراض نمبر 3

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو سلمہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ نبی ﷺ رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے تو ام المومنین نے ارشاد فرمایا۔

مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَ رَکْعَۃً

"حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے۔ اگر بیس پڑھتے تو کل رکعات ۲۳ ہوتیں۔

جواب

اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے اسلئے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئیں۔ تب ہی تو کل گیارہ ہوئیں۔ بتاؤ تم وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو۔ جواب دو کیا بعض حدیث پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المومنین یہاں تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اس ہی لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان وذیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرأت نہ کرتے۔ اس ہی لئے ترمذی شریف نے اس حدیث کو باب صلوٰۃ الیل یعنی تہجد کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اس ہی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز سرکار آخر رات میں سو کر اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتیں تہجد پڑھی جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس نماز سے مراد تراویح ہے اور آٹھ تراویح حضور نے پڑھی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ حکم کیوں قبول کیا اور خود ام المومنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ اعلان فرمایا کہ میں نے حضور کو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ تم بیس رکعت پڑھتے ہو۔ یہ خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے آپ کیوں خاموش رہیں۔ ذرا ہوش کرو حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو۔

وہابیوں سے سوالات

تمام دنیا کے وہابیوں سے حسب ذیل سوالات ہیں سارے مل کر ان کے جوابات دیں

(۱) بتاؤ کہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت کا حکم کیوں دیا۔ کیا اس سنت کی انہیں خبر نہ تھی آج قریباً چودہ سو برس بعد تم کو پتہ لگا۔

(۲) اگر نعوذ باللہ خلفاء راشدین نے بدعت سیئہ کا حکم دے دیا تھا تو تمام صحابہ نے بے چون وچرا قبول کیوں کر لیا کیا ان میں کوئی بھی حق گو اور متبع سنت نہ تھا آج اتنے عرصہ کے بعد تم حق گو بھی پیدا ہوئے اور متبع سنت بھی۔

(۳) اگر صحابہ بھی خاموش رہے تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک سنت رسول ﷺ کے خلاف بدعت سیئہ کا رواج دیکھا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی یا نہیں جیسے آج تم آٹھ رکعت تراویح کے لئے ایڑی چوٹی کا زبانی و قلبی و بدنی و مالی زور لگا رہے ہو۔ انہوں نے یہ کیوں نہ کیا۔ پھر تو ام المومنین سے تم افضل ہوئے

(۴) وہ تمام خلفاء راشدین اور سارے صحابہ بلکہ خود حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیس رکعت تراویح پڑھ کر پڑھوا کر یا جاری ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر تھے یا نعوذ باللہ گمراہ۔ اگر آج حنفی بیس رکعت تراویح پڑھنے کی بناء پر گمراہ اور بدعتی ہیں تو ان حضرات پر تمہارا کیا فتویٰ ہے۔ جواب دو۔ جواب دو۔ جواب دو۔

(۵) اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے اور آٹھ رکعت تراویح سنت اور تم بہادروں نے چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی۔ تو بتاؤ حرمین طیبین کے تمام مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں۔ اور اگر ہیں تو تم آج نجدی وہابیوں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے۔ تمہارے فتوے صرف ہند و پاکستان میں فساد پھیلانے ہی کے لئے ہیں۔

(۶) حضرات آئمہ مجتہدین اور ان کے سارے متبعین جن میں لاکھوں اولیاء علماء محدث فقہاء مفسرین داخل ہیں۔ جو سب بیس تراویح پڑھتے تھے۔ وہ سب بدعتی اور گمراہ تھے یا نہیں۔

(۷) اگر یہ سارے حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تمہاری مٹھی بھر جماعت ہے تو ان گمراہوں کی کتابوں سے حدیث لینا حدیث پڑھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت صحیح ہے یا نہیں جب بدعمل کی روایت صحیح نہیں۔ تو بدعقیدہ کی روایت صحیح کیونکر ہو سکتی ہے۔

(۸) تمام دنیا کے مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں۔ تمہارے نزدیک گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں اگر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ

''مسلمانوں کے بڑے گروہ کی اتباع کرو۔''

اور قرآن کریم نے عامۃ المسلمین کو خیر امت اور شہداء علی الناس کیوں فرمایا؟

امید ہے کہ حضرات وہابیہ نجد تک کے علماء سے مل کر ان سوالات کے جواب دیں۔ ہم منتظر ہیں۔

ہمارا مطالبہ

ہم ساری دنیا کے وہابیوں نجدیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحیح مرفوع حدیث مسلم بخاری یا کم از کم صحاح ستہ کی ایسی پیش کریں۔ جس میں صراحۃً مذکور ہو کہ حضور ﷺ آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تراویح کا لفظ ہو۔ یا صحابہ کرام نے آٹھ تراویح دائمی طور پر قائم فرمائیں۔

اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دکھا سکو گے۔ صرف ضد پر ہو۔ رب تعالیٰ توفیق بخشے آمین۔ بیس ۲۰ رکعت تراویح کا ثبوت الحمد للہ حضور کے فعل شریف صحابہ کرام کے فرمان و عمل عامۃ المسلمین کے طریقہ شرعی اور عقل سے ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

لطیفہ

غیر مقلد وہابی جو کبھی حنفیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تراویح بیس رکعت پڑھ لیتے ہیں۔ جس کا بارہا مشاہدہ ہوا۔ اور ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی اپنے مذہب پر اعتماد نہیں۔

باب نمبر 11

ختم قرآن پر روشنی کرنا

عامۃ المسلمین کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لئے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان یا شب قدر اور ختم قرآن کے دن خصوصیت سے مسجدوں میں چراغاں یعنی دھوم دھام سے روشنی کرتے ہیں مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں۔ وہابیوں کی مسجدیں بے رونق بے نور رہتی ہیں۔ انہیں مسجدوں میں چراغاں کرنے وہاں زینت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہابی مسلمانوں کے اس کار ثواب کو بدعت حرام بلکہ شرک تک کہتے ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں ان مسائل کا ثبوت دوسرے فصل میں ان مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ ناظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول ہے۔

فصل نمبر 1

اس کے ثبوت میں

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا۔ خصوصاً ماہ رمضان خصوصاً شب قدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چراغاں کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس کا بہت ثبوت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۱۸)

''اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔''

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعات نماز قائم کرنا، وہاں صفائی رکھنا، عمدہ چٹائیاں فرض وغیرہ بچھانا، وہاں روشنی و چراغاں کرنا وغیرہ سب مسجد کی آبادی میں داخل ہیں۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کبریت احمر کی روشنی فرماتے تھے۔ جس کی روشنی میں میلوں تک عورتیں چرخہ کات لیتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں رونق چراغاں کرنا ایمان کی علامت ہے۔ تو ظاہر ہے کہ مسجدوں کو بے نور بے آباد رکھنا کفار کی نشانی ہے۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایۃ کی۔

قَالَ اَوَّلُ مَنْ اَسْرَجَ فِی الْمَسَاجِدِ تَمِیْمُ الدَّارِی

وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلے مسجدوں میں چراغ جلائے وہ تمیم داری صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں روشنی کرنا سنت صحابی ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چراغ کا عام رواج نہ تھا۔ بوقت جماعت کھجور کی لکڑیاں جلا کر روشنی کر لی جاتی تھی حضرت تمیم داری نے وہاں چراغاں کیا۔

(۳) ابوداؤد شریف نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَفْتِنَا فِیْ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِیْتُوْهُ فَصَلُّوْا فِیْهِ وَكَانَتِ الْبِلَادُ فِیْ ذٰلِكَ حَرْبًا فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْهُ فَصَلُّوْا فِیْهِ فَابْعَثُوْا بِزَیْتٍ یُسْرَجُ فِیْ قَنَادِیْلِهٖ

''انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں مسجد بیت المقدس شریف کے متعلق حکم دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں جاؤ اور نماز پڑھو اس زمانہ میں شہروں میں جنگ تھی تو فرمایا کہ اگر تم وہاں نہ پہنچ سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو وہاں تیل بھیج دو کہ وہاں کی قندیلوں میں جلایا جائے۔''

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کی لئے سفر کر کے جانا سنت ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں وہاں تمام نبیوں کو نماز پڑھائی خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے پیغمبر سفر کر کے وہاں نماز پڑھنے

پہنچے۔ دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ جیسا قنادیل جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرے یہ کہ مسجد میں روشنی کرنے کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے۔ یعنی اعلیٰ درجہ کی عبادت اور باعث ثواب ہے چوتھے یہ کہ مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے دور سے تیل بھیجنا سنت صحابہ ہے۔

(۴) حدیث امام رافعی محدث نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ عَلَّقَ فِيْهِ قِنْدِيْلًا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يَنْطَفِيَ ذَالِكَ الْقِنْدِيْلُ

’’کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا اور جو مسجد میں قندیل جلائے گا اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کریں گے جب تک کہ یہ چراغ بجھ نہ جائے۔‘‘

معلوم ہوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا لینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) حدیث ابن بخاری نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایۃ کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَلَّقَ فِيْ مَسْجِدٍ قِنْدِيْلًا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يَنْطَفِيَ ذَالِكَ الْقِنْدِيْلُ

’’فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو مسجد میں کوئی قندیل لٹکائے تو اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں۔ یہانتک کہ یہ قندیل گل ہو‘‘

معلوم ہوا کہ جیسے مسجد میں چراغ جلانا ثواب ہے۔ ایسے ہی مسجد میں چراغ یا تیل یا بتی دینا بھی ثواب ہے خواہ ایک چراغ ہو یا بہت۔

(۶) حدیث ابن شاہین محدث نے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فِيْ اَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَالْقَنَادِيْلُ تَزْهَرُوْنَ وَكِتَابُ اللّٰهِ تُتْلٰى فَقَالَ نَوَّرَ اللّٰهُ لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ فِيْ قَبْرِكَ كَمَا نَوَّرْتَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِالْقُرْاٰنِ

’’فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے مسجد نبوی میں قندیلیں جگمگا رہی تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا اے عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ تمہاری قبر روشن کرے جیسے تو نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن کے وقت روشن کر دیا۔‘‘

(۷) حدیث صحیح البہاری شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ انہیں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی۔

اَنَّهٗ قَالَ نَوَّرَ اللّٰهُ قَبْرَ عُمَرَ كَمَا نَوَّرَ عَلَيْنَا مَسَاجِدَنَا

’’آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر روشن کرے جیسے انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔‘‘

ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغاں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مروج ہے حضرات صحابہ

کرام رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض نہ فرمایا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے انہیں دعائیں دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے انشاء اللہ قبر منور ہوگی۔ لہٰذا اب جو اس روشنی مسجد کو روکتا ہے۔ وہ در پردہ سنت صحابہ پر اعتراض کرتا ہے۔ اس چراغاں کے روکنے والے اپنی قبریں تاریک کر رہے ہیں۔

(۸) قرآن رب تعالیٰ ان بند کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۱۴)

"اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بے آبادی میں کوشش کرے۔"

اس آیت میں ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں نماز، ذکر الٰہی، تلاوت قرآن، نعت خوانی سے منع کریں اور ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں چٹائیاں ڈالنے، فرش بچھانے، روشنی کرنے چراغاں وغیرہ سے روکیں کہ آبادی میں سب چیزیں داخل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسجدوں کو آراستہ کرنا وہاں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقعہ پر چراغاں کرنا اچھا ہے۔ کیونکہ آج ہم اپنے مکانوں میں زیب و زینت کرتے ہیں۔ بیاہ شادی وغیرہ پر خوب دل کھول کر روشنی و چراغاں کرتے ہیں۔ عمارتیں سجاتے ہیں۔ جب ہمارے گھر آراستگی و روشنی چراغاں کے مستحق ہیں تو اللہ کا گھر جو تمام گھروں سے افضل ہے اسے عام گھروں سے زیادہ آراستہ کیا جاوے تاکہ مسجدوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو۔ یہ کام احترام مسجد اور تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلد وہابیوں کے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں۔ وہ نہایت دیانتداری سے مع جوابات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر 1

مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی و اسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں منع فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۳۱)

"کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔"

جواب

مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے۔ فضول خرچی اس خرچ کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو۔ مسجد کے چراغاں میں مسجد کی زینت ہے جو عبادت اور باعث ثواب ہے۔

اعتراض نمبر 2

جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہوسکتی ہے تو باقی چراغاں بے کار ہیں اور بے کار خرچ فضول خرچی میں داخل ہے۔

جواب

جب ایک قمیض و پائجامہ سے ستر حاصل ہو جاتا ہے تو چاہیئے کہ اچکن واسکٹ پہننا فضول خرچی اور حرام ہو۔ جب چھ آنہ گز کے گاڑھے سے ستر چھپ جاتا ہے تو چاہیئے کہ دو روپے گز کے ململ۔ لٹھا۔ چکن وائل پہننا حرام ہو۔ جب گھر میں دو آنہ کے چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو وہاں صدہا روپیہ خرچ کر کے بجلی کی فٹنگ کرانا اور گیس کی روشنی کرنا اسراف و حرام ہونا چاہیئے جب تھرڈ کلاس سے بھی راستے طے ہو جاتا ہے تو انٹر بلکہ سیکنڈ۔ فرسٹ میں روپیہ خرچ کرنا حرام ہونا چاہیئے جناب ایک دیئے سے تو روشنی ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی زینت و رونق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی زینت بھی عبادت۔

اعتراض نمبر 3

گر مسجد میں چراغاں کرنا اچھی چیز ہے تو خود نبی کریم ﷺ نے اپنے زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیوں نہ کیا۔ کیا تم ضور ﷺ سے افضل ہو یا دین کے زیادہ ہمدرد ہو۔ جو کام حضور ﷺ نہ کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جواب

گر واسکٹ، اچکن اعلیٰ درجہ کی ململیں پہننا اچھا کام ہے تو حضور انور ﷺ نے کیوں نہ استعمال فرمائیں جو کام حضور ﷺ نے نہ کیا وہ ے وہابیو تم کیوں کرتے ہو۔ تم اپنے گھروں میں بجلی کی فٹنگ کیوں کرتے ہو تم اپنے گھر میں بجلی گیس کیوں جلاتے ہو۔ جناب حضور ﷺ کے زمانہ شریف میں لوگوں کے گھر بھی سارے معمولی تھے جہادوں کا زمانہ تھا اس طرف توجہ فرمانے کا موقعہ ہی نہ تھا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے گھر اچھے بنائے۔ تو فقہاء صحابہ نے سوچا کہ دین تو دنیا سے اعلیٰ ہے۔ اور اللہ کا گھر یعنی مسجد نبوی شریف مارے گھروں سے افضل۔ جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہیئے۔ یہ سوچ کر حضرت عثمان نے مسجد نبوی شریف ہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب و زینت کی حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ

"تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت مضبوطی سے پکڑو۔"

جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے ایسے ہی حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی سنت لائق عمل حضور ﷺ کے صحابہ نے مسجد نبوی ٹریف میں چراغاں کیا۔ بلکہ خود حضور انور ﷺ نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے تیل بھیجنے کا حکم دیا

اعتراض نمبر 4

بوداؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَ خْرِفُنَّهَا كَمَاز

خُرِفَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی

''فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ مجھے مسجدیں سجانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم یہود و نصاری کی طرح آراستہ کرو گے۔''

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدیں سجانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے سجانا۔ یہود و نصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلمانوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی سجاوٹ ہی ہے لہٰذا یہ بھی منع ہے۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی زینت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے تو انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہ کو مسجدوں کی زینت دیتے وہاں چراغاں کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود ہی اپنی روایت کی مخالفت کی نیز کیا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھے نیز اس صورت میں یہ حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی کہ رب تعالیٰ نے مسجد کی زینت و آبادی کو ایمان کی علامت قرار دیا کہ فرمایا۔ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ الخ پتہ لگا کہ تم نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔

دوسرے یہ کہ یہاں ہر زینت کی ممانعت نہیں بلکہ ناجائز ٹیپ ٹاپ پر عتاب ہے۔ جیسے فوٹو تصویروں سے سجانا اس ہی لئے یہود و نصاری سے تشبیہ دی گئی۔ ان کے عبادت خانے تصاویر فوٹو سے سجائے جاتے ہیں۔ یا وہ زینت مراد ہے جو اللہ کے لئے نہ ہو دکھلاوے اور نام و نمود ریاکاری کے لئے ہو جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ مگر جو زینت و چراغاں صرف مسجد کے احترام اور رب تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو وہ بہتر ہے۔ رب تعالیٰ اپنے اور اپنے محبوب کے کلام کی صحیح فہم نصیب فرمائے۔

اِعتراض نمبر 5

ابوداؤد، نسائی، وارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ۔

''وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کہا یقیناً علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں فخر کریں گے۔''

اس حدیث سے معلوم ہو کہ مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے۔ اس سے اللہ بچائے۔

جواب

اس حدیث کے وہ ہی معنی ہیں جو ہم اعتراض نمبر ۴ کے جواب میں عرض کر چکے یعنی فخریہ مسجدیں بنانا اور شیخی کے طور پر مسجدیں سجانا علامت قیامت ہے کہ ایک محلے والے دوسرے محلہ والوں کے مقابلہ میں مسجد کو زینت دے کر انہیں طعنہ دیں کہ ہماری مسجد تمہاری مسجد سے زیادہ آراستہ ہے جناب فخر و ریا کے لئے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ اخلاص کی نماز بھی منع ہو جاوے۔

یا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قریب قیامت لوگ مسجدوں میں جا کر بجائے ذکر اللہ کرنے کے دنیاوی باتیں ایک دوسرے کے مقابل شیخی مارا کریں گے یہ سخت گناہ ہے اور اگر حدیث کے وہ ہی معنے ہوں جو تم سمجھے یعنی مسجدوں کی زینت علامات قیامت ہے تو بھی اس سے ممانعت

ثابت نہیں ہوتی قیامت کی ہر علامت بری نہیں۔ عیسیٰؑ کا نزول۔ امام مہدی کا ظہور بھی علامت قیامت ہے۔ مگر برا نہیں بلکہ بہت بابرکت ہے۔

اعتراض نمبر 6

مسجدوں میں چراغاں کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

جواب

یہ غلط ہے۔ یہ تو سنت صحابہ رضی اللہ عنہ ہے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور اگر یہ بدعت بھی ہو تو ہر بدعت نہ حرام ہے نہ گمراہی۔ بخاری شریف چھاپنا بدعت ہے مگر حرام نہیں بلکہ ثواب ہے حدیث کا فن اسکی قسمیں بدعت ہیں مگر حرام نہیں بدعت کی نفیس تحقیق اسی جاء الحق کے پہلے حصہ میں دیکھو۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے۔ آج کلمہ ونماز بلکہ ساری عبادتوں میں بہت بدعتیں شامل ہیں ان بدعتوں پر ثواب ہے۔

باب نمبر 12

شبینہ پڑھنا ثواب ہے

ہمیشہ سے صالح مسلمانوں کا دستور رہے کہ ماہ رمضان المبارک میں شبینہ کرتے ہیں کبھی ایک رات میں کبھی دو میں۔ کبھی تین راتوں میں پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرتے ہیں۔ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ رمضان کے علاوہ بھی روزانہ ایک قرآن شریف پڑھ لیتے تھے۔ یہ سب کچھ جائز اور ثواب ہے۔ بشرطیکہ اتنی جلدی نہ پڑھے کہ حروف قرآن درست ادا نہ ہوں۔ نہ سستی اور کسل سے پڑھے۔ مگر غیر مقلد وہابی اسے بھی حرام کہتے ہیں۔ رات بھر سینما دیکھنے والوں کو برا نہیں کہتے مگر تمام رات قرآن پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں۔ ان پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں شبینہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

فصل نمبر 2

اس کے ثبوت میں

ایک شب میں قرآن ختم کرنا باعث ثواب ہے اس کا ثبوت قرآن وحدیث عقل بلکہ خود وہابیوں کی کتابوں سے ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) قرآن کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا۔ اَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا

(پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۱ تا ۴)

''اے چادر اوڑھنے والے محبوب رات بھر قیام فرماؤ سوا کچھ رات کے آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دو یا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔''

اس آیت کریمہ میں حضور ﷺ کو قریباً تمام رات نماز پڑھنے کا حکم دیا اور شروع اسلام میں رات بھر عبادت کرنا فرض تھا۔ کچھ تھوڑا حص آرام کے لئے رکھا گیا تھا۔ پھر ایک سال کے بعد یہ فرضیت منسوخ ہو گئی۔ مگر استحباب اب بھی باقی ہے۔ اب جو شخص شبینہ میں تمام رات جاگے۔ بہت کم سوئے وہ اس آیت پر عامل ہے۔ مگر چاہئیے یہ کہ شبینہ وہ پڑھے۔ جو قرآن صحیح پڑھ سکے۔ جیسا کہ ترتیل کے حکم سے معلو ہو رہا ہے۔

(۲) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایۃ کی جس میں نماز خسوف کا ذکر ہے۔ بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ

''حضور ﷺ نے گرہن کی نماز میں بہت دراز قیام کیا فرمایا قریباً سورہ بقر کی بقدر۔''

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے گرہن کی نماز میں سورۃ بقر یعنی ڈھائی پارہ کی برابر قرات کی شبینہ میں فی رکعت ڈیڑھ پارہ آتا ہے۔ جب ایک رکعۃ میں ڈھائی پارہ پڑھنا ثابت ہے۔ تو ڈیڑھ پارہ پڑھنا بدرجہ ادنیٰ جائز ہے۔

(۳) حدیث ابو داؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی نماز تہجد کے متعلق ایک بہت دراز حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ قَرَءَ فِيْهِنَّ الْبَقْرَةَ وَاٰلِ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ وَالْاَنْعَامَ

''حضور ﷺ نے نماز تہجد میں چار رکعت پڑھیں۔ جن میں سورۃ بقر اور آل عمران اور سورہ نساء اور مائدہ و سورہ انعام پڑھیں۔''

دیکھو نبی ﷺ نے تہجد کی چار رکعتوں میں قریباً آٹھ پارے پڑھے یعنی فی رکعت قریباً دو پارے۔ شبینہ میں ہر رکعت میں اتنی قراۃ نہیں ہوتی۔ ڈیڑھ پارہ فی رکعت ہوتا ہے تو یہ کیوں حرام ہو گا۔

(۴) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدْمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَا تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَلَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا

''حضور نے نماز شب میں اتنا قیام فرمایا کہ قدم مبارک پر ورم آ گیا تو عرض کیا گیا کہ آپ ایسی مشقت کیوں کرتے ہیں آپ کی بدولت آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے تو فرمایا کہ کیا میں بندہ شکر گزار نہ ہوں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت میں مشقت اٹھانا سنت رسول ﷺ ہے۔ اگر کسی شبینہ میں کسی مومن کے پاؤں پر ورم آ جاوے تو

اس خوش نصیب کو یہ سنت نصیب ہوگئی۔ وہابیوں کو خود تو عبادت کی توفیق نہیں ملتی دوسروں کو بھی عبادت سے روکتے ہیں۔

(۵) حدیث طحاوی شریف نے حضرت ابن سیرین سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ تَمِيْمُ الدَّارِيُّ يُحْيِي اللَّيْلَ كُلَّهٗ بِالْقُرْاٰنِ كُلِّهٖ فِيْ رَكْعَةٍ

"فرماتے ہیں کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ تمام رات جاگتے تھے اور ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھتے تھے۔"

شبینہ میں تو بیس رکعت تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ حضرت تمیم داری ﷺ صحابی رسول تو یک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

(۶) حدیث طحاوی شریف نے حضرت اسحاق ابن سعید سے روایت کی۔

"عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّهٗ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ فِيْ رَكْعَةٍ"

وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کی حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔

(۷) حدیث ابونعیم نے حلیہ میں حضرت عثمان ابن عبدالرحمٰن تیمی سے روایت کی۔

قَالَ لِيْ اَبِيْ اَغْلِبَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى الْمَقَامِ فَلَمَّا صَلَّيْتُ الْعَتَمَةَ تَخَلَّصْتُ اِلَى الْمَقَامِ حَتّٰى قُمْتُ فِيْهِ فَبَيْنَا اَنَا قَائِمٌ اِذَا رَجُلٌ وَضَعَ يَدَهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَاِذَا هُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ فَبَدَاَ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَقَرَءَ حَتّٰى خَتَمَ الْقُرْاٰنَ فَرَكَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ اَخَذَ نَعْلَيْهِ فَلَا اَدْرِيْ اَصَلّٰى قَبْلَ ذَالِكَ شَيْئًا اَمْ لَا۔

"مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ آج تمام رات مقام ابراہیم پر جاگوں گا۔ جب میں نماز عشاء پڑھ چکا تو مقام ابراہیم پر پہنچا میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ اچانک ایک صاحب نے میری پشت پر ہاتھ رکھا۔ وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ تھے آپ نے سورہ فاتحہ سے قرآن شروع کیا۔ بس پڑھتے رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کرلیا۔ پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا اور اپنے نعلین شریف اٹھائے یہ مجھے خبر نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھی یا نہیں۔"

(۸) حدیث ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

كَانَ اَسْوَدُ يَخْتِمُ الْقُرْاٰنَ فِيْ رَمَضَانَ فِيْ كُلِّ نَوَّرَتْ مَسَاجِدَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِالْقُرْاٰنِ هلَيْلَتَيْنِ وَكَانَ يَنَامُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

"کہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں ہر دو رات میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور مغرب وعشاء کے درمیان سوتے تھے۔"

(۹) حدیث طحاوی شریف نے حضرت حماد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ اَنَّهٗ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ فِيْ رَكْعَةٍ فِي الْبَيْتِ

"حضرت سعید ابن جبیر صحابی نے بیت اللہ شریف میں ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔"

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اکثر رات جاگنا نماز پڑھنا۔ روزانہ قیام فرمانا حتیٰ کہ پاؤں پر ورم آجاوے۔ ایک رکعت میں ڈھائی پارے

پڑھنا سنت رسول ﷺ ہے اور ایک رات دو رات بلکہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھنا سنت صحابہ رضی اللہ عنہ ہے۔ جو شبینہ کو حرام یا شرک یا فسق کہے وہ نرا جاہل ہے۔

(۱۰) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب تلاوت القرآن میں صفحہ ۶۱۵ پر صحابہ کرام کا دستور اس طرح بیان فرمایا۔

فَخَتَمَهٗ جَمَاعَةٌ فِيْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مَرَّةً وَآخَرُوْنَ مَرَّتَيْنِ وَاٰخَرُوْنَ ثَلٰثَ مَرَاتٍ وَخَتَمَهٗ فِيْ رَكْعَةٍ مَّنْ لَّا يُحْصَوْنَ كَثْرَةً

> ''ایک جماعت نے دن رات میں ایک ختم کیا ایک نے دو بار بعضوں نے تین بار اور رکعت میں قرآن پڑھنے والے تو بے شمار ہیں۔''

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ شبینہ عبادت ہو نہ کہ حرام کیونکہ عبادات کا ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔ گرمیوں کے روزے۔ تلوار کا جہاد۔ مشقت کے حج پر ثواب ملے گا۔ عذاب نہ ہوگا تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مسلمان رب کی رضا کے لئے تمام رات نماز بھی پڑھے۔ قرآن شریف کی تلاوت بھی کرے اور بجائے ثواب کے عذاب پائے۔ قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ہیں تو تعجب ہے کہ سارے قرآن پڑھنے پر بجائے نیکیوں کے الٹا عذاب ہو حضرت داؤد علیہ السلام بطور معجزہ تھوڑی دیر میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک شب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر نعوذ باللہ حضرت داؤد علیہ السلام بقول وہابیہ پوری زبور پڑھنے پر گنہگار ہوتے ہوں گے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

لطیفہ

وہابیوں نے اپنی کتاب ارواح ثلثہ میں اپنے بانی مذہب مولوی اسمٰعیل صاحب کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے لوگوں نے خود ان سے اتنی دیر میں سارا قرآن سنا۔ اب میں وہابیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس لئے لعن طعن کرتے اور ان کی جناب میں گالیاں بکتے ہو کہ وہ جناب ماہ رمضان میں روزانہ دن کو ایک قرآن شریف اور شب کو ایک قرآن ختم کرتے تھے بولو تمہارے اسمٰعیل تو عصر سے مغرب تک ایک قرآن ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اسی لعن طعن کے مستحق ہیں یا نہیں۔ وہ بھی فاسق وفاجر ہیں یا نہیں تمہارا امام جو کرے وہ مباح ہے۔ جواب دو۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

شبینہ کے متعلق ہم وہ اعتراضات بھی نقل کرتے ہیں جو غیر مقلد وہابی کرتے ہیں۔ اور وہ اعتراضات بھی بیان کرتے ہیں جو آج تک ان کو سوجھے نہیں۔ ہم ان کی وکالت میں عرض کرتے ہیں مع جوابات کے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر 1

قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۴)

"قرآن شریف کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کرو۔"

اور ظاہر ہے کہ جب ہر رکعت میں ڈیڑھ پارہ پڑھ کر سارا قرآن ایک رات میں ختم کیا جاوے گا تو حافظ کو بہت تیز پڑھنا پڑے گا۔ جس میں سوا یعلمون وتعلمون سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہٰذا شبینہ حکم قرآن کے خلاف ہے۔

جواب

اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ تمہارے بانی مذہب مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ بتاؤ وہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے یا یعلمون تعلمون وہ حرام کے مرتکب تھے یا نہیں حضرت داؤد علیہ السلام بہت جلد ساری زبور پڑھ لیتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ تمیم داری رضی اللہ عنہ۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہم اکابر صحابہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا ہے خود حضور انور ﷺ تہجد کی ایک رکعت میں دو پارے اور نماز خسوف میں ایک رکعت میں ڈھائی پارے تلاوت فرماتے تھے۔ جن کے حوالے پہلی فصل میں گزر گئے۔ کیا آپ کا یہ اعتراض ان ہستیوں پر بھی جاری ہوگا۔ اگر نہیں تو کیوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض کو قوت لسانی ایسی بخشی ہے کہ وہ بہت تیز پڑھ کر بھی صاف اور واضح پڑھ سکتے ہیں۔ بعض میں یہ قوت نہیں۔ وہ اگر تیز پڑھیں تو صرف یعلمون تعلمون ہی سمجھ میں آوے گا۔ شبینہ صرف پہلی قسم کے حفاظ پڑھیں دوسری قسم کے حفاظ ہرگز نہ پڑھیں اس آیت کریمہ کا یہ ہی منشا ہے۔ آیت کریمہ اپنی جگہ حق ہے اور حضور ﷺ اور ان بزرگ صحابہ کرام ﷺ کا عمل شریف جنہوں نے ایک رکعت میں بہت دراز تلاوت کی اپنی جگہ حق ہے۔

اعتراض نمبر 2

حدیث ترمذی۔ ابوداؤد۔ دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ (مشکوٰۃ باب تلاوۃ القرآن)

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ یَفْقَہْ مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ فِیْ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثٍ

"بیشک فرمایا رسول اللہ نے کہ جو تین دن سے کم میں قرآن پڑھے۔ وہ قرآن نہ سمجھے گا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ہرگز نہ پڑھنا چاہیے کیونکہ پھر سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہٰذا شبینہ بالکل منع ہے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تم تو تین شب کا شبینہ بھی حرام کہتے ہو اور اس حدیث میں اس کی اجازت آگئی۔ دوسرے یہ کہ تمہارے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اس زد میں آجاتے ہیں۔ ان کی صفائی پیش کرو جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا۔

تیسرے یہ کہ سرکار عالم ﷺ نے اس حدیث میں عام لوگوں کی بیان فرمائی۔ کہ علے العموم حفاظ اگر ایک یا دو دن میں ختم قرآن کریں۔ تو سمجھ نہ سکیں گے۔ بعض بندے جو اس پر قادر ہیں۔ وہ اس حکم سے علیحدہ رہیں۔ جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔ اس ہی لئے اس حدیث کی شرح میں مرقات ولمعات شریف میں ہے کہ بعض بزرگ ایک دن ورات میں تین ختم کرتے تھے بعض حضرات آٹھ ختم فرمالیتے تھے اور شیخ ابو مدین مغربی ایک دن ورات میں ستر ہزار قرآن پڑھ لیتے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ حجر اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر آتے آتے ختم قرآن کرلیا۔ اور لوگوں نے حرف بحرف سنا۔ (مرقات جلد دوم صفحہ ۲۱۶ باب تلاوت القرآن میں ہے)۔

وَالْحَقُّ اَنَّ ذَالِكَ تَخْتَلِفُ بِاَشْخَاص

''حق یہ ہے کہ یہ حکم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے۔''

اِعتراض نمبر 3

حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن عمرو سے طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَاقْرَءْ فِیْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذَالِكَ

''ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرو۔ اس پر زیادہ نہ کرو۔''

دیکھو حضرت عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضور رضی اللہ عنہ سے جلد ختم کرنے کی اجازت مانگی حضور رضی اللہ عنہ نے اولاً تو حکم دیا کہ ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہیئے لہٰذا شبینہ منع ہے۔

جَوابؔ

سرکار کا یہ جواب سیدنا عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی حالت کے لحاظ سے ہے وہ ایک دو رات میں ختم کرنے پر صاف نہ پڑھ سکتے ہوں گے یا یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ اگر روزانہ ہر انسان ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کاروبار معطل ہو جاویں گے اگر سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جاوے تو کوئی حرج نہیں جن صحابہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایک رکعت میں ایک ایک قرآن پڑھا ہے انہیں یہ حدیث معلوم تھی پھر بھی ایک رکعتہ میں ختم کرتے تھے

اِعتراض نمبر 4

حضور ﷺ نے کبھی ایک دو رات میں پورا قرآن نہ پڑھا لہٰذا شبینہ بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہیئے۔

جَوابؔ

حضور انور ﷺ کا ایک شب میں پورا قرآن پڑھنا دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ آپ کی اول حیات شریف میں پورا قرآن اترا ہی نہ تھا۔ وفات سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل ہوئی لہٰذا وہاں ختم قرآن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ آپ نے اپنی امت پر رحم فرمایا تاکہ شبینہ پڑھنا ان پر ضروری سنت نہ ہو جائے پھر صحابہ نے شبینہ پڑھا جیسے حضور ﷺ نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی، پھر صحابہ نے باقاعدہ

جماعت سے پڑھی۔ (شبینہ سنت صحابہ ہے) جس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ وہ ہی ثواب ملے گا جو سنت رسول رضی اللہ عنہ پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ سنت صحابہ رضی اللہ عنہ کو بدعت کہہ کر منع کرنا وہابیوں کو ہی سجتا ہے ہم اہل سنت یہ نہیں کہہ سکتے۔

اعتراض نمبر 5

آج کل شبینہ کا یہ حال ہے کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے۔ مقتدیوں میں کوئی سو رہا ہے، کوئی اونگھ رہا ہے، سست بیٹھا ہے۔ اس میں قرآن کریم کی بے ادبی ہے اس لئے شبینہ بند ہو جانا چاہئے۔

جواب

یہ محض جھوٹا الزام ہے، شبینہ میں بعض لوگ باقاعدہ شبینہ سننے آتے ہیں وہ کھڑے ہو کر خوب شوق سے سنتے ہیں۔ بعض محض شبینہ دیکھنے آتے ہیں وہ لیٹے بیٹھے رہتے ہیں، جس میں کوئی حرج نہیں، قرآن سننا فرض کفایہ ہے، بعض کا سننا کافی ہے اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ سارے مسلمان سستی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سستی دور کرو، شبینہ نہ بند کرو، آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کئے جاتے ہیں، ناچ تماشے، باجے آتشبازی سب ہی کچھ ہوتی ہے۔ براہ مہربانی نکاح بند نہ کرو، بلکہ ان چیزوں کو روکنے کی کوشش کرو، حضور ﷺ کے زمانہ میں کعبہ شریف میں بت تھے، تو حضور ﷺ نے کعبہ نہ ڈھایا بلکہ جب رب نے قوت دی تب بتوں کو نکال دیا اگر مسجد میں کتا گھس جاوے۔ تو مسجد کو نہ گراؤ۔ کتے کو نکالو، اگر چارپائی میں کھٹمل کپڑوں یا سر کے بالوں میں جوئیں ہو جاویں تو کیڑے مار دو، چارپائی یا کپڑے یا بالوں کو آگ نہ لگا دو، وہابیوں کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے خرابیاں دور کرنے کے بجائے خود عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے سارے امور خیر کو روکتے ہیں۔ جیسے میلاد شریف، ختم بزرگان وغیرہ اگر سنی بھائیوں نے ہمارا یہ جواب یاد رکھا، تو انشاء اللہ وہابیوں کے فتنے سے بچے رہیں گے ہم نے شبینہ کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو اس لئے کر دی کہ آجکل عام طور پر وہابی اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، جہاں رمضان شریف میں کسی جگہ شبینہ کا اہتمام ہوا جھٹ دیوبندی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرام و شرک کے فتوے جڑے۔

باب نمبر 13

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو، اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہو تو اسے چاہئیے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ لے بشرطیکہ جماعت مل جانے کی قوی امید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھ لے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے۔

فصل نمبر 1

اس کے ثبوت میں

ہم نہایت دیانتداری سے اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ اَبِیْهِ حِیْنَ دَعَاهُمْ سَعِیْدُ ابْنُ الْعَاصِ دَعَا اَبَا مُوْسٰی وَحُذَیْفَةَ وَ عَبْدَاللهِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ قَبْلَ اَنْ یُّصَلِّیَ الْغَدَاةَ ثُمَّ خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِهٖ وَقَدْ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَجَلَسَ عَبْدُاللهِ اِلٰی اُسْطُوَانَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَصَلَّی الرَّكْعَتَیْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ

وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں۔ جب انہیں سعید ابن عاص نے بلایا اس نے حضرت ابوموسیٰ حضرت حذیفہ اور عبداللہ ابن مسعود کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن عاص کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔

دیکھو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے جو فقیہہ صحابی ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں، پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے۔ معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے۔ غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے۔

(۲) اسی طحاوی نے حضرت ابومجلز سے روایتہ کی۔

قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِیْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْاِمَامُ یُصَلِّیْ فَاَمَّا ابْنُ عُمَرَ فَدَخَلَ فِی الصَّفِّ وَاَمَّا ابْنُ عَبَّاسٍ فَصَلّٰی رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قَعَدَ ابْنُ عُمَرَ مَكَانَهٗ حَتّٰی طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَرَكَعَ رَكْعَتَیْنِ

”وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں گیا حالانکہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تو صف میں داخل ہو گئے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اولاً دو سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر وہاں ہی بیٹھے رہے جو سورج نکل آیا تو دو رکعتہ نفل پڑھیں۔“

حضرت عبداللہ ابن عباس نے جو بڑے فقیہہ صحابی اور حضور کے اہل بیت اطہار میں سے ہیں، حضرت ابن عمرؓ و تمام صحابہ کی موجودگی میں

جماعت میں فجر کے وقت دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳) اس طحاوی نے حضرت ابوعثمان انصاری سے روایت کی۔

قَالَ جَاءَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَالْاِمَامُ فِیْ صَلٰوةِ الْغَدَا ةِ وَ لَمْ یَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَیْنِ فَصَلَّى ابْنُ عَبَّاسٍ الرَّكْعَتَیْنِ خَلْفَ الْاِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُمْ

''کہ حضرت عبداللہ ابن عباس مسجد میں اس حال میں آئے کہ امام نماز فجر میں تھے اور حضرت ابن عباس نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں تو آپ نے امام کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سب کے ساتھ شامل ہوئے۔''

(۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ بَیْتِهٖ فَاُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ الصُّبْحَ فَرَكَعَ رَكْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ فِی الطَّرِیْقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى الصُّبْحَ مَعَ النَّاسِ

''فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنے گھر سے نکلے ادھر نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ نے مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔''

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ اَنَّهٗ كَانَ یَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَ النَّاسُ صُفُوْفًا فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَیُصَلِّی الرَّكْعَتَیْنِ فِیْ نَاحِیَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ یَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِی الصَّلٰوةِ

''کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے''

طحاوی شریف نے حضرت ابوعثمان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَاْتِیْ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَبْلَ اَنْ نُّصَلِّیَ الرَّكْعَتَیْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ فِی الصَّلٰوةِ فَنُصَلِّیْ رَكْعَتَیْنِ فِیْ اٰخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِیْ صَلٰوتِهِمْ

''فرماتے ہیں ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر نماز میں ہوتے تھے۔ تو ہم مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔''

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ الْحَسَنُ یَقُوْلُ یُصَلِّیْهِمَا فِیْ نَاحِیَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ یَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِیْ صَلٰوتِهِمْ

''کہ امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو

جاوے۔"

(٨) طحاوی شریف نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

يَقُوْلُ اَيْقَظْتُ ابْنَ عُمَرَ لِصَلٰوةِ الْفَجْرِ وَقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَقَامَ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد ابن عمر کو نماز فجر کے لئے بیدار کیا۔ حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔"

(٩) طحاوی شریف نے حضرت امام شبعی سے روایت کی۔

كَانَ مَسْرُوْقٌ يَجِئُ اِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ فِى الرَّكْعَتَيْنِ فِى الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِى صَلٰوتِهِمْ

"حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کیساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔"

(١٠) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

"اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْاِمَامُ فِى الصَّلٰوةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ"

"کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا' آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔"

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں' اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے' پھر جماعت میں شریک ہو' کیونکہ تمام مؤکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے' حتیٰ کہ مسلم و بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

(١١تا١٥) لَمْ يَكُنِ النَّبِىُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى شَيْئٍ مِنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا مِّنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم جتنی نگہبانی و پابندی سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت کی نہ فرماتے تھے۔"

اور احمد' طحاوی' ابوداؤد شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ےقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَدَعُوْا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَاِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ

"فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو اگرچہ تمہیں دشمن کا لشکر بھگا رہا ہو۔"

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رہ جائیں فرض پڑھ لئے جاویں تو ان کی قضا نہیں ہوتی' سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لئے جاتے ہیں' ادھر جماعت بھی واجب ہے اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے' تو واجب کا تارک ہوا' اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے' تو اتنی اہم سنت مؤکدہ کا تارک ہوا۔ لہٰذا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے' پھر جماعت میں شامل ہو جاوے دو عبادتیں کرنا بہتر ہے' ایک کو چھوڑنا بہتر نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو' وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت کی مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے۔ لہٰذا ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں جماعت میں شامل نہ معلوم ہو' مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کہ پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، مگر بعد فرض پڑھی جا سکتی ہیں، اور سنت عصر وعشاء مؤکدہ نہیں غیر مؤکدہ ہیں، اس لئے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکتے، سنت فجر مؤکدہ بھی ہیں اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں، اس لئے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو، تو پڑھ لے، لیکن اگر جماعت نہ مل سکے، تو پھر سنت فجر چھوڑ دے، کہ جماعت واجب ہے۔ واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض وجواب میں

اب تک اس مسئلہ پر ہم جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں، وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کئے دیتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر 1

طحاوی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ

"آپ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں۔"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہیئے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں، پہلا یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اپنے گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے، اگر وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرأت کی آواز جا رہی ہو، اور جماعت وہاں سے نظر آ رہی ہو تو جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے۔ تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے۔ بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو، حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہٰذا یہ حدیث گویا مجمل ہے۔ جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرا یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے، جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں، کہ فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ لہٰذا ان کا عمل وقول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح پائے گا

چوتھا یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا، کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتیب نماز فرض ہے، اگر اس کی عشاء قضاء ہوئی اور جماع

فجر قائم ہو جاوے، تو وہ اولاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہوگا۔

پانچواں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو، تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے، بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے، تا کہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں، حنفی یہ ہی کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹا یہ کہ بیہقی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّاالْمَكْتُوْبَةَ اِلَّا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ (از حاشیہ طحاوی)

"جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں۔ بجز سنت فجر کے"

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا، بیہقی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی۔ عمل صحابہ رضی اللہ عنہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔ وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

ساتواں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں۔ بلکہ مؤکدہ سنت ہے، یہ تاویل اس لئے ہے، تا کہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر 2

طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن بحینہ سے روایت کی۔

قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ الْفَجْرُ فَاَتٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ يُّصَلِّيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَقَامَ عَلَيْهِ وَلَاثَ بِهِ النَّاسُ فَقَالَ اَتُصَلِّيْهَا اَرْبَعًا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ

"کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور ﷺ ایک شخص پر گزرے جو سنت فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔"

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحۃً ذکر ہو گیا، جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے۔

جواب

یہ صاحب مالک ابن بحینہ کے صاحبزادے عبداللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے جہاں جماعت ہو رہی تھی، یعنی صف سے متصل، یہ واقعی مکروہ ہے، اسی پر حضور ﷺ نے عتاب فرمایا چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اسی حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر طرح مذکور ہے۔

حَمَّدِابْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّبِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ وَهُوَ ہٗ بَيْنَ يَدِيْ نِدَاءِ الصُّبْحِ فَقَالَ لَا تَجْعَلُوْا هٰذِهِ الصَّلٰوةَ كَصَلٰوةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَبَعْدَ هَا وَاجْعَلُوْ

ابینهما فصلا

''محمد ابن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبداللہ ابن مالک ابن بحسینہ رضی اللہ عنہ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کی طرح نہ بناؤ، سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔''

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا، کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہتہ جائز ہے، جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے، یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ لہٰذا آپ کا اعتراض اصل سے ہی غلط ہے۔

اِعتراض نمبر 3

جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی۔ اس لئے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیئے، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، لہٰذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں، پہلا یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لئے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں، کیا قراۃ خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرا یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے، تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں، اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو۔ جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرا یہ ہے قرآن پاک کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی۔ ایک شخص کی تلاوت پر جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو، وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے، آج سائنس کا زور ہے، ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے، جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے۔ اگر سننا خاموش رہنا فرض عین ہو تو مصیبت آ جاوے، بہر حال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

اِعتراض نمبر 4

جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کی مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں، یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں، یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بری چیز ہے۔

جواب

یہ مخالفت جب ہو گی جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاویں اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں۔ اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں، بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے، دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے اور وہ

وضو کر کے واپس آئے۔ اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلے اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا۔ پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا۔ ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرورتاً جائز ہے۔ سنت فجر بھی ضروری ہیں کہ اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کر لی جاویں تو کوئی حرج نہیں۔

بابُ نمبر 14

نمازیں جمع کرنا منع ہیں

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرے، مقیم ہو یا مسافر، بیمار ہو یا تندرست، مگر غیر مقلد وہابی بحالت سفر ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء جمع کر کے پڑھتے ہیں، یعنی عصر کے وقت میں ظہر و عصر ملا کر اور عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل قرآن شریف کے بھی خلاف ہے۔ اور احادیث صحیحہ کے بھی مخالف، ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

فصل نمبر 1

اس کے ثبوت میں

ہر نماز اپنے وقت پر پڑھنا فرض اور عمداً کسی نماز کو اپنے وقت کے بعد پڑھنا بلا عذر سخت گناہ اور منع ہے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر۱: رب تعالیٰ نماز کے اوقات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۰۳)

''مسلمانوں پر نماز فرض ہے اپنے وقت میں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی ہر نماز کا اپنے وقت میں پڑھنا بھی فرض ہے جیسے نماز کا تارک گنہگار ہے۔ ایسے ہی بلا عذر نماز کو بے وقت پڑھنے والا بھی مجرم ہے، اس آیت میں مقیم و مسافر کا کوئی فرق نہیں، ہر مومن کو یہ حکم ہے کوئی ہو۔

نمبر۲: ۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (پارہ ۳۰ سورۃ ۱۰۷ آیت ۴، ۵)

''خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔''

اس آیت میں نماز سستی سے پڑھنے والوں پر عتاب ہے، بلا عذر وقت گزار کر نماز پڑھنا بھی سستی میں داخل ہے، بلکہ اول درجہ کی سستی ہے۔

نمبر۳: ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّكٰوۃَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۴۳)

''نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

قرآن کریم نے کہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہر جگہ نماز قائم کرنیکا حکم دیا ہے' نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھے' صحیح پڑھے' صحیح وقت پر پڑھے۔ نماز کا وقت گزار کر پڑھنا نماز قائم کرنے کے خلاف ہے۔

نمبر۴:۔ رب تعالیٰ متقیوں کی تعریف اس طرح فرماتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

(پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۲۔۳)

''قرآن ان متقی لوگوں کے لئے ہادی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں' اور نماز قائم کرتے ہیں' اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ متقی و پرہیز گار وہ مومن ہے' جو نماز قائم کرے' یعنی ہر نماز اسکے وقت پر پڑھے' اور ہمیشہ پڑھے' خواہ مقیم ہو یا مسافر' سفر میں ظہر یا عصر کا وقت نکال کر نماز پڑھنا ان آیات کریمہ کے صریح خلاف ہے۔

نمبر۵'۶:۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ بِهِنَّ وَلَوِاسْتَزَدْتُّهٗ لَزَادَنِيْ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کونسا عمل سب سے اچھا ہے فرمایا وقت پر نماز پڑھنیمیں نے کہا پھر کونسا عمل فرمایا' ماں باپ کی خدمت۔ میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد۔ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے یہ باتیں فرمائیں اگر زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے۔

نمبر۷ تا ۱۰:۔ احمد' ابوداؤد' مالک' نسائی نے حضرت عباد ابن صامت سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلٰوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَ هُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ الخ

''فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ رب نے پانچ نمازیں فرض کیں جو مسلمان ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ان کے وقت پر ادا کرے اور ان کا رکوع اور حضور قلبی پورا کرے تو اس کے متعلق اللہ کے کرم پر وعدہ ہے کہ اسے بخش دے۔''

نمبر۱۱:۔ ترمذی شریف نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ اِذَا اٰتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَّ لَهَا كُفُوًّا

''بیشک نبی ﷺ نے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر مت لگاؤ نماز جب آ جاوے اور جنازہ جب موجود ہو' لڑکی جب تم

اس کا کفو پاؤ۔"

نمبر۱۲ تا ۱۴: ۔ احمد' ترمذی' ابوداؤد نے حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَتْ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِھَا

"فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے فرمایا نماز پڑھنا اس کے اول وقت مستحب ہیں۔"

نمبر۱۵: ۔ مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ یَجْلِسُ وَیَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰی اِذَا اَصْفَرَّتْ وَکَانَتْ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطٰنِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا یَذْکُرُ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا

"فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب زرد ہو جاوے اور سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچ جاوے تو چار چونچ مارے جن میں رب کا ذکر تھوڑا کرے۔"

اس قسم کی احادیث بیشمار ہیں' جن میں نماز کو وقت پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دیر سے یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنے پر سخت عتاب فرمایا' اسے منافقوں کا عمل قرار دیا گیا' یہاں بطور نمونہ چند احادیث پیش کی گئیں' افسوس ہے ان وہابی غیر مقلدوں پر' جو گھروں سے دو میل جا کر' سفر کا بہانہ بنا کر' وقت نکال کر نماز پڑھتے ہیں' نہ کوئی مجبوری ہوتی ہے' نہ کوئی عذر' صرف نفس امارہ کا دھوکا ہے' کھانا وقت پر کھائیں' دنیاوی تمام کام خوب سنبھال کر کریں مگر نمازیں بگاڑیں جو اسلام کا پہلا فریضہ اور اعلیٰ رکن ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہابیوں کی صحبت سے بچیں' اور سفر و حضر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جاوے' ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں نہ پڑھے' کیوں کہ شریعت نے پانچوں نمازیں اور نماز جمعہ' نماز عیدین' نماز تہجد' نماز اشراق' نماز چاشت سب کے اوقات علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائے کہ ان میں سے کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا جاتا' مسافر بحالت سفر نماز فجر' نماز عصر' نماز عشاء کو اپنے وقت میں ہی پڑھتا ہے۔ ایسے ہی اگر مسافر نماز تہجد' نماز اشراق' نماز چاشت' نماز جمعہ پڑھے' تو ان کے مقررہ وقتوں ہی میں پڑھے گا۔ یہ نہیں کر سکتا کہ نماز تہجد سورج نکلنے کے بعد یا نماز جمعہ عصر کے وقت میں یا نماز فجر آفتاب نکلنے یا نماز عشاء صبح صادق ہو جانے پر پڑھے' تو ظہر اور مغرب نے کیا قصور کیا ہے کہ مسافر صاحب ظہر تو عصر کے وقت میں پڑھیں' اور مغرب عشاء کے وقت میں' حالانکہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے وہ ہی وقت ہیں۔ جو حضر میں ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہابی صاحبان بتائیں کہ جب وہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ ظہر اور مغرب ادا ہوتی ہے یا قضاء اگر قضاء ہوتی ہے تو دیدہ دانستہ نماز قضاء کرنا سخت گناہ ہے۔ اور اگر ادا ہوتی ہے تو کیوں حضرت جبریل امین نے جو حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں نمازوں کے اوقات عرض کیئے' تو یہ نہ فرمایا کہ مسافر کے لئے ظہر کا وقت آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت صبح صادق تک ہوگا' بلکہ ہر مسلمان کے لئے وقت ظہر عصر سے پہلے ختم ہونے اور وقت مغرب عشاء سے پہلے ختم ہونے کا حکم دیا تھا' پھر تم نے مسافر کے لئے ان دو نمازوں میں یہ وقت کی گنجائش کہاں سے نکالی' اور مسلمانوں کی نمازیں کیوں خراب کیں' بہر حال پانچوں اوقات مسافر اور مقیم ہر ایک کے لئے یکساں ہیں' ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کہ ہر حال میں اس کے

وقت میں پڑھے۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض وجواب میں

غیر مقلد وہابی اب تک اس مسئلے کے متعلق جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم وہ تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں ''آیندہ اگر کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اِعتَراض نمبر 1

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

''فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر میں ہوتے تو نماز ظہر وعصر جمع فرما لیتے تھے اور مغرب وعشاء بھی جمع فرماتے تھے۔''

یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی' مؤطا امام مالک' مؤطا امام محمد' طحاوی شریف وغیرہ بہت محدثین نے مختلف راویوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہیں یہ ہی حدیث وہابیوں کی انتہائی دلیل ہے' جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں

جوَابْ

اس کے چند جواب ہیں' بغور ملاحظہ فرماؤ۔

ایک یہ کہ ابوداؤد شریف اور طحاوی شریف وغیرہم نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کی کہ حضور ﷺ بغیر سفر بغیر خوف کے مدینہ منورہ میں بھی ظہر وعصر' ایسے ہی مغرب وعشاء جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ جَمَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصَرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِيْنَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ

''ابن عباس ﷺ نے فرمایا کہ نبی ﷺ ظہر وعصر مغرب وعشاء مدینہ منورہ میں بغیر بارش اور بغیر خوف کے جمع فرما لیتے تھے۔''

بلکہ اسی ابوداؤد طحاوی شریف نے انہیں حضرت ابن عباس ﷺ سے روایت کی کہ حضور مدینہ منورہ میں سات بلکہ آٹھ نمازیں جمع فرما لیتے تھے۔

چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ صَلّٰے بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ ثَمَانِياً وَسَبْعًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں سات نمازیں آٹھ نمازیں جمع کر کے ہم کو پڑھائیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء''

تو اے وہابیو! تم صرف سفر میں، صرف ظہر وعصر یا مغرب وعشاء پر ہی مہربانی کیوں کرتے ہو؟ تمہیں چاہیے کہ روافض کی طرح سات سات آٹھ آٹھ ایک دم پڑھ کر آرام کیا کرو، سفر میں بھی، اور گھر میں بھی، کیا بعض احادیث کو مانتے ہو، بعض کے انکاری ہو؟

دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ بخاری کی روایت میں یہ تو مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر وعصر جمع فرمائی، مگر یہ تفصیل نہیں کہ کیسے جمع فرمائیں، آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھایا، ظہر کو عصر کے وقت میں، ایسے ہی مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی، یا عشاء مغرب کے وقت میں، لہٰذا یہ حدیث مجمل ہے۔ اور مجمل حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرمانا، عذر سفر کی وجہ سے تھا، ضرورت پر بہت سی ممنوع چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، اور جمع میں بھی صرف صورتاً تھا، حقیقتاً نہ تھا، یعنی حضور علیہ السلام نے ظہر عصر کے وقت میں نہ پڑھی۔ بلکہ سفر کرتے کرتے ظہر کے آخر وقت میں قیام فرمایا، ظہر آخر وقت میں ادا فرمائی، اور عصر اول وقت میں، بظاہر معلوم یہ ہوا، کہ حضور علیہ السلام نے دو نمازیں ایک وقت میں ادا فرمائیں، لیکن حقیقتاً ہر نماز اپنے وقت میں ہوئی ظہر یا مغرب آپ نے آخر وقت میں پڑھی، عصر یا عشاء اول وقت میں۔ اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ دوسری ان احادیث کے جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں۔ یہ جمع بالکل جائز ہے، یہ ہی ہمارا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو طحاوی وابوداؤد نے روایت کی۔ جس میں فرمایا گیا۔ کہ حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر بارش سات آٹھ نمازیں جمع فرمالیتے تھے وہاں سات آٹھ نمازیں مراد نہیں، بلکہ سات آٹھ رکعتیں مراد ہیں کہ اگر مغرب وعشاء صورتاً جمع فرمائیں، تو فرض کی سات رکعتیں جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر وعصر جمع فرمائیں۔ تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، چار ظہر کی چار عصر کی، چونکہ یہ جمع صورتاً تھی نہ کہ حقیقتاً لہٰذا سفر میں جائز تھی، اور حضر میں بھی، بیان جواز کے لئے حدیث سمجھنے کے لئے شرعی عقل اور حدیث والے محبوب علیہ السلام وسلم سے رشتہ غلامی چاہیئے، جس سے وہابی بے بہرہ ہیں۔

اس معنی کی تائید

نمازیں جمع کرنے کے جو معنے ہم نے بیان کئے اس معنے کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے۔ جن میں سے بعض احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ سنو اور عبرت پکڑو۔

حدیث نمبر ۱...... طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ یُؤَخِّرُ ھٰذِہٖ فِیْ اٰخِرِ وَقْتِھَا وَ یُعَجِّلُ ھٰذِہٖ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِھَا

''بیشک نبی ﷺ مغرب وعشاء اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے اور عشاء اس کے اول وقت میں۔''

حدیث نمبر۲...... بخاری شریف میں حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهٗ اِذَا اَعْجَلَهُ السَّيْرُ يُقِيْمُ الْمَغْرِبَ فَيُصَلِّيْهَاثَلٰثًاثُمَّ يُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَّمَا يَلْبثُ حَتّٰى يُقِيْمَ الْعِشَاءَ فَيُصَلِّيْهَا رَكْعَتَيْنِ

’’عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی حضور علیہ السلام کا سا عمل کرتے تھے‘ کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی تکبیر کہتے اور تین رکعت پڑھتے پھر سلام پھیرتے پھر تھوڑی دیر ٹھہرتے پھر عشاء کی تکبیر فرماتے اور دو رکعت عشاء پڑھتے۔‘‘

حدیث نمبر۳......نسائی شریف نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اَقْبَلْنَامَعَ ابْنِ عُمَرَمِنْ مَّكَّةِ فَلَمَّا كَانَ تِلْكَ اللَّيْلَةُسَا رَبِنَاحَتّٰى اَمْسَيْنَافَظَنَنَّااَنَّهٗ نَسِىَ الصَّلٰوةَ فَقُلْنَا لَهٗ الصَّلٰوةُفَسَكَتَ وَسَارَ حَتّٰى كَادَ الشَّفَقُ اَنْ يَّغِيْبَ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ هٰكَذَا كُنَّا نَصْنَعُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَدَّبِهِ السَّيْرُ

’’فرماتے ہیں کہ ہم مکہ معظّمہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے‘ جب یہ رات ہوئی تو آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہوگئی‘ ہم سمجھے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نماز بھول گئے ہم نے ان سے کہا کہ نماز پڑھ لیجئے مگر آپ چلتے ہی رہے یہاں تک کہ شفق ڈوبنے کے قریب ہوگئی تو اترے اور مغرب پڑھی‘ پھر شفق غائب ہوگئی تم نماز عشاء پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ بھی ایسا ہی کرتے تھے‘ جب سفر میں جلدی ہوتی۔‘‘

اس قسم کی بیشمار حدیثیں ہیں‘ جن میں صراحتاً ارشاد ہوا ہے کہ سفر میں عصر وظہر یا مغرب وعشاء صرف صورتاً جمع کہ جاویں گی‘ کہ مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھی جاوے‘ عشاء اپنے اول وقت میں‘ نہ تو ظہر عصر کے وقت میں پڑھی جاوے نہ مغرب عشاء کے وقت میں اگر ان احادیث کی تفصیل دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ‘ ہم نے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کیا‘ لہٰذا حنفیوں کی توجیہ بالکل درست ہے‘ اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے‘ اور دیگر احادیث بھی وہابیوں کی توجیہ بالکل باطل ہے‘ قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔

اے وہابیو! اگر تم ان احادیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی مانتے ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے بحالت اقامت سات بلکہ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ لیا کرو یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں‘ جب تم اس حدیث میں جمع صوری مراد لیتے ہو۔ تو یہاں جمع حقیقی کیوں مراد لیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار ہے۔

اِعتراض نمبر 2

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ

نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا

''فرماتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔''

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر کے وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اِلَى الْعَصْرِ سے ظاہر ہے۔

جواب

آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا، اِلٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے نزول فرماتے تھے، غایت مغیا سے خارج ہے۔ نہ کہ داخل عصر تک مؤخر فرمانے کے معنے یہ ہیں کہ عصر کے قریب تک مؤخر فرماتے تھے۔ جیسا کہ اعتراض نمبر1 کے جواب کی حدیث سے معلوم ہوا۔ لہٰذا جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی۔

اِعتَراض نمبر 3

طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

حَتّٰى اِذَا كَانَ عِنْدَ غَيْبُوْبَةِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا وَقَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا اِذَا جَدَّبِهِ السَّيْرُ

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہونے کا وقت آ گیا تو اترے، پس مغرب وعشاء جمع فرمائیں اور فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جب سفر میں جلدی ہوتی۔''

اس حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ شفق غائب ہونیکے وقت اترے یقیناً آپ نے مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی۔

جواب

یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس کے معنے یہ کب ہیں کہ شفق غائب ہونے کے بعد اترے معنے بالکل ظاہر ہیں کہ جب شفق غائب ہونے لگی یعنی غائب ہونے کے قریب ہوئی تب اترے۔ نماز مغرب پڑھتے ہی شفق غائب ہوگئی اور وقت عشاء آ گیا۔ عشاء پڑھ لی۔ ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ان ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل شریف بیان کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں وہ حدیث تمہاری اس حدیث کی تفسیر ہے۔

اِعتَراض نمبر 4

اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہیے اور سفر وغیرہ عذر کی حالت میں بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا گناہ ہے تو حاجی لوگ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو ظہر وعصر ملا کر کیوں پڑھتے ہیں۔ ظہر کے وقت میں عصر اور دسویں ذی الحجہ کو شب کو مزدلفہ میں مغرب

وعشاء ملا کر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں حنفی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز کہتے ہیں۔ جب حج کے موقعہ پر نماز ظہر وعصر ایسے ہی مغرب وعشاء حقیقی طور پر ایک ہی وقت میں جمع ہو گئیں۔ تو اگر سفر میں جمع ہو جاویں تو کیا حرج ہے۔ اے حنفیو! تم قرآنی آیت اور یہ احادیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہ وہابیوں کا انتہائی اعتراض ہے)

جواب

جناب نہ تو عرفہ میں عصر ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے نہ مزدلفہ میں مغرب عشاء کے وقت میں۔ بلکہ وہاں حجاج کے لیے عصر کا وقت ظہر کی طرف اور مغرب کا وقت عشاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے. یعنی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور عصر کا وقت ظہر پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے. جیسے وتر کا وقت عشاء کے فرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے. لہٰذا وہاں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہٹیں. بلکہ نمازوں کے اوقات ہٹ گئے نمازیں اپنے وقت میں ہی ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو. وقت ہٹ جانے اور نماز کے ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے۔

اس کی کھلی دلیل یہ ہے. کہ عرفہ میں ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت میں پڑھے تو سخت گنہگار ہوگا گویا اس نے عصر قضا کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی، اور عشاء اپنے معمولی وقت میں، تو نماز مغرب ہوگی ہی نہیں اور ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا گویا اس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی. معلوم ہوا کہ آج نمازوں کے وقت ہی بدل دیے گئے ہیں.

لیکن اگر مسافر ظہر اور عصر جمع نہ کریں بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے. اور عصر اپنے وقت میں اور ایسے ہی مغرب اپنے وقت میں پڑھے، اور عشاء اپنے وقت میں پڑھے، تو تم بھی اسے گنہگار نہیں مانتے، بلا کراہت جائز کہتے ہو. معلوم ہوا کہ تمھارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا. بلکہ نماز دوسرے وقت میں ادا کی جاتی ہے. لہٰذا حاجیوں کی عرفہ ومزدلفہ والی نمازیں. نہ قرآنی آیات کے خلاف ہیں اور نہ احادیث کے مخالف. وہاں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا حقیقت طور پر نمازوں کا جمع کرنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، احادیث کے بھی. حج میں اوقات نماز میں تبدیلی. حدیث مشہور بلکہ حدیث صحیح متواتر معنی سے ثابت ہے اس پر اس طرح عمل واجب ہے جیسے آیت قرآنیہ پر عمل ضروری ہے. ہم نے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور پر عرض کر دیا ہے اگر اس کی پوری تحقیق دیکھنا ہو تو ہمارا حاشیہ بخاری نعیم البہاری میں یہی بحث ملاحظہ کرو. انشاء اللہ وہاں لطف آ جاوے گا

ناظرین کو اس بحث سے پتہ لگ گیا ہوگا کہ. مذہب حنفی بفضلہٖ تعالیٰ نہایت مضبوط مدلل اور بہت ہی قوی اور قرآن مجید واحادیث کے بالکل مطابق ہے۔

وہابی غلط فہمی میں مبتلا ہیں. ان کے مذہب کی بنیاد محض غلطی پر قائم ہے. رب تعالیٰ ہم کو اس مذہب حنفی پر قائم رکھے ہمارا دین حنفی ہے. مذہب حنفی یعنی ملت ابراہیمی اور مذہب نعمانی۔

باب نمبر 15

سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے

شریعت اسلامیہ نے مسافر کو یہ سہولت دی ہے کہ اس پر چار رکعت فرض بجائے چار کے دو واجب فرمائی ہیں لیکن وہابیوں غیر مقلدوں نے محض نفسانی خواہش سے نماز میں کمی کرنے کے لیے سفر کو ایسا عام کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ گھر سے کھیت دیکھنے گئے مسافر بن گئے ایک آدھ میل سیر و تفریح کرنے شہر سے باہر نکلے مسافر بن بیٹھے اور نماز میں کمی کر دی شرعاً سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے کہ جب انسان اپنے وطن سے تین دن کی مسافت کا ارادہ کر کے نکلے تو وہ مسافر ہے اور اس پر صرف چار رکعت والی فرضوں میں قصر واجب ہے یعنی بجائے چار کے دو رکعت پڑھے یہ تین دن کی مسافت عام اچھے راستوں پر تقریباً ستاون میل انگریزی بنتے ہیں۔ ہر منزل اُنیس میل کی کل تین منزلیں ستاون میل اور ریتلے یا پہاڑی راستہ اس سے کم بنے گا۔ غرضیکہ تین دن کے راہ کا اعتبار ہے۔

حاجیوں کو ضروری ہدایت

آج کل حرمین طیبین میں نجدیوں کی حکومت ہے۔ نجدی امام حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے منیٰ و عرفات میں آ کر قصر نماز ادا کرتا ہے۔ حالانکہ منیٰ کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے صرف تین میل کا ہے۔ اور عرفات کا فاصلہ نو میل۔ حنفی مذہب کی رو سے وہ امام قصر نہیں کر سکتا۔ اس لیے حنفی لوگ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں۔ ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔ شافعی یا حنبلی امام کو ایسے موقعہ پر چاہیے کہ ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے ستاون میل دور نکل جائے۔ یا پھر واپس ہوتے ہوئے منیٰ و عرفات میں قصر پڑھے تاکہ حنفیوں کی نمازیں بھی اس کے پیچھے درست ہوں حاجیوں کو بہت احتیاط چاہیے۔ اس باب کی بھی ہم دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں سفر کی اس مسافت کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

فصل نمبر 1

اس کے ثبوت میں

سفر کی مسافت کم از کم تین دن کی راہ ہے۔ اس سے کم فاصلہ شرعاً سفر نہیں۔ نہ ایسے شخص پر سفر کے احکام جاری ہوں دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر۱...... حدیث بخاری شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُسَافِرُ الْمَرْاَۃُ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا مَعَ ذِیْ رُحْمٍ

”بیشک نبی ﷺ نے فرمایا کہ عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر قریبی رشتہ دار کے نہ کرے“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو اکیلے سفر کرنا حرام ہے۔ ذی رحم قرابت دار کے ساتھ سفر کر سکتی ہے۔ اسی سفر کی مدت حضور ﷺ نے تین دن فرمائی معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن ہے۔

حدیث نمبر۲...... حدیث مسلم شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

"قَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھِنَّ لِلْمُسَافِرِ وَیَوْمًا وَلَیْلَۃً لِلْمُقِیْمِ"

''حضور ﷺ نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کے لئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم کے لئے ایک دن رات''

حدیث نمبر۳ تا ۹...... ابوداوٗد، نسائی، ابن حبان، طحاوی، ابوداوٗد، طیالسی طبرانی، ترمذی نے خزیمہ ابن ثابت انصاری وغیرہم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ فِی الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ لِلْمُقِیْمِ یَوْمٌ وَلَیْلَۃٌ وَلِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَۃُ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھِنَّ

''وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں حضور نے فرمایا کہ مقیم کے لئے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن تین راتیں ہیں''

حدیث نمبر۱۰ تا ۱۲...... اثرم نے اپنی سنن میں۔ ابن خزیمہ دار قطنی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھِنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَلَیْلَۃً اِذَا تَطَھَّرَ فَلَبِسَ خُفَّیْہِ اَنْ یَّمْسَحَ عَلَیْھِمَا وَقَالَ الْخَطَّابِیْ وَھُوَ صَحِیْحُ الْاَسْنَادِ (مشکوۃ)

''وہ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ سے کہ حضور ﷺ نے مسافر کے لیے تین دن تین رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات جبکہ وضو کر کے موزے پہنے ہوں خطابی کہتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔''

حدیث نمبر۱۳ تا ۱۵...... ترمذی، نسائی نے حضرت صفوان ابن عسال سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُنَا اِذَا کُنَّا سَفْرًا اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَ لَیَالِیْھِنَّ الخ (مشکوٰۃ)

''حضور ﷺ ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں اپنے موزے تین دن تین رات تک نہ اتاریں۔ الخ''

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسافر کو تین دن موزے پر مسح کرنے کی اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے علیحدہ نہیں۔ اگر تین دن سے کم مسافت بھی سفر بن جاوے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے مثلاً اگر وہابی صاحب اپنے کھیت پر سیر کرنے ایک میل فاصلہ پر جا کر مسافر بن جاویں۔ تو تین دن مسح کر کے دکھا دیں۔ ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچ جاوے۔ وہ اس اجازت سے کیسے فائدہ اٹھائے لہٰذا تین دن سے کم سفر بن سکتا ہی نہیں ورنہ موزوں پر مسح کی یہ احادیث عمومی طور پر قابل عمل نہیں رہیں گی۔ اس دلیل پر اچھی طرح غور کر لیا جاوے۔

حدیث نمبر۱۶...... امام محمد نے آثار میں حضرت علی ابن ربیعہ والبی سے روایت کی۔

قَالَ سَاَلْتُ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ اِلٰی کَمْ تَقْصُرُ الصَّلٰوۃُ فَقَالَ اَتَعْرِفُ السُّوَیْدَاءَ قُلْتُ لَا وَلٰکِنِّیْ قَدْ سَمِعْتُ بِھَا

قَالَ هِیَ ثَلٰثُ لَیَالٍ فَوَاصِلَ فَاِذَا اَخْرَجْنَا اِلَیْهَا قَصَرْنَا الصَّلٰوةَ

''فرماتے ہیں میں نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کتنی مسافت پر نماز کا قصر ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے مقام سویدا دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا تو نہیں سنا ہے۔ فرمایا وہ یہاں سے تین رات کے (قاصد کی رفتار ہے) فاصلہ پر ہے ہم جب وہاں جائیں تو قصر کر سکتے ہیں۔''

حدیث نمبر ۱۷...... دارقطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصُرُوا الصَّلٰوةَ فِیْ اَدْنٰى مِنْ اَرْبَعَةِ بُرُدٍ مِنْ مَّكَّةَ اِلٰى عُسْفَانَ

''بے شک حضور ﷺ نے فرمایا کہ مکہ والو چار برید سے کم سفر میں نماز قصر نہ کرنا۔ یہ فاصلہ مکہ معظمہ سے عسفان کا ہے۔''

حدیث نمبر ۱۸...... مؤطا امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ فِیْ مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَ عُسْفَانَ وَ فِیْ مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَ جُدَّةَ قَالَ يَحْيٰى قَالَ مَالِكٌ وَ ذَالِكَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ

''کہ آپ نماز قصر کرتے تھے مکہ اور طائف اور مکہ اور عسفان اور مکہ اور جدہ کے برابر فاصلہ میں یحیٰی فرماتے ہیں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ فاصلہ چار برید ہے۔''

حدیث نمبر ۱۹...... امام شافعی نے بہ اسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ سُئِلَ اَتُقْصَرُ الصَّلٰوةُ اِلٰى عَرَفَةَ قَالَ لَا وَ لٰكِنْ اِلٰى عُسْفَانَ وَ اِلٰى جُدَّةَ وَ اِلَى الطَّائِفِ رَوَاهُ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ وَ قَالَ اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا عرفات تک (۹) میل جانے میں نماز قصر کی جاوے گی فرمایا نہیں۔ لیکن قصر کی جاوے گی عسفان یا جدہ یا طائف تک اسے امام شافعی نے نقل فرمایا اور فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔''

حدیث نمبر ۲۰...... امام محمد نے مؤطا شریف میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْبَرِيْدَ فَلَا يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ

''کہ آپ حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ ایک برید سفر کرتے تھے تو قصر نہ فرماتے تھے''

خیال رہے کہ ۴ برید انگریزی میل کے حساب سے قریباً ۵۷ میل ہوتا ہے یعنی ۳۶ کوس تین منزلیں، یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں۔ جس کو شوق ہو وہ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرے ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہیں نہ اس پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ سفر کے لیے چار برید فاصلہ یعنی تین منزلیں چاہئیں۔ صحابہ کرام کا اس ہی پر عمل تھا۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہ ہو کیونکہ شہر کے آس پاس کی زمین شہر کی فنا کہلاتی ہے۔ جس سے شہری ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جیسے قبرستان عید گاہ چراگاہیں۔ گھوڑ دوڑ کے میدان یہاں پہنچ جانا شہر میں پہنچ جانا سمجھا جاتا ہے کوئی شخص اس جگہ سیر و تفریح کے لیے جا کر اپنے کو مسافر نہیں سمجھتا۔ نیز اگر اس جیسی مسافت کو سفر کہا جاوے تو چاہیئے کہ کوئی عورت بغیر محرم مطلقاً شہر سے باہر نہ جا سکے۔ کیونکہ عورت کو بغیر محرم سفر کرنا حرام ہے۔ نیز اسلامی قانون ہے مسافر تین دن رات موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔ یہ قانون ہر مسافر کو عام نہ ہو سکے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں تو چاہیئے کہ سفر کی کم از کم کوئی حد مقرر ہو جسے عقل شرعی بھی سفر مانے اور جس سے یہ اسلامی قانون بھی ہر مسلمان پر جاری ہو وہ حد تین دن ہی ہے۔

نیز تین دن کی مسافت کا سفر ہونا یقینی ہے اس سے کم مسافت سفر ہونا مشکوک نماز کی چار رکعتیں یقین سے ثابت ہیں تو یقینی چیز کو مشکوک سے نہیں چھوڑ سکتے۔ یقین کو یقین ہی زائل کر سکتا ہے۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

اعتراض نمبر 1

اس مسئلہ پر وہابیوں کو صرف ایک ہی حدیث مل سکی ہے جو مختلف کتب حدیث میں مختلف راویوں سے منقول ہے۔ چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی الظُّھْرَ بِالْمَدِیْنَۃِ اَرْبَعًا وَ صَلّٰی بِذِیْ الْحُلَیْفَۃِ رَکْعَتَیْنِ

’’کہ نبی علیہ السلام نے نماز ظہر مدینہ منورہ میں چار رکعت پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں نماز عصر دو رکعتیں ادا فرمائیں۔‘‘

دیکھو ذی الحلیفہ مدینہ منورہ سے صرف تین میل فاصلہ پر ہے۔ جسے آج کل بیر علی کہا جاتا ہے یہ ہی اہل مدینہ کے لیے حج کا میقات ہے جب حضور علیہ السلام مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو صرف تین میل کے فاصلے پر پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔

جواب

اس حدیث میں سیر و تفریح کے لیے صرف ذی الحلیفہ تک جانے کا ذکر نہیں بلکہ یہاں حضور علیہ السلام کے حجۃ الوداع کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ سرکار بہ ارادہ حج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ذی الحلیفہ پہنچ کر وقت عصر آ گیا۔ تو چونکہ آپ آگے جا رہے تھے لہٰذا یہاں قصر فرمایا۔ اس لیے یہاں فرمایا گیا صلی الظہر ایک بار یہ واقعہ ہوا۔ کَانَ یُصَلِّی نہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی تفسیر وہ حدیث ہے جو مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد میں حضرت نافع سے روایت کی۔۔

اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ کَانَ اِذَا خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا قَصَرَ الصَّلٰوۃَ بِذِی الْحَلِیْفَۃِ

’’کہ حضرت عبداللہ ابن عمر جب حج یا عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے تو ذی الحلیفہ پہنچ کر قصر پڑھتے تھے۔‘‘

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل شریف تمہاری پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہے۔ اس سے مسئلہ فقہی یہ معلوم ہوا کہ جو شخص سفر کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہو جاوے تو آبادی سے نکلتے ہی نماز قصر پڑھے گا اور واپسی پر آبادی میں داخل ہونے پر وہ مقیم بنے گا۔ یہ حدیث ہمارے بالکل موافق ہے۔

اعتراض نمبر 2

مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِامْرَاۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِیْرَۃَ یَوْمٍ وَ لَیْلَۃٍ لَّیْسَ مَعَهَا حُرْمَۃٌ

”فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے یہ حلال نہیں کہ ایک دن و رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کرے“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن و رات کی مسافت طے کرنا سفر ہے کہ اسے حضور نے سفر فرمایا اور اس پر سفر کے احکام جاری کئے کہ عورت کو بغیر محرم اتنی دور جانا حرام فرما دیا معلوم ہوا کہ سفر کے لیے تین دن کی مسافت ضروری نہیں ایک دن کا بھی ہو جاتا ہے۔

جواب

اسکے دو جواب ہیں ایک یہ کہ تمہارا مذہب اس حدیث سے بھی ثابت نہ ہوا۔ تمہارا مذہب تو یہ ہے کہ شہر سے میل دو میل سیر و تفریح کے لیے جانا بھی سفر ہے۔ اور اس حدیث میں ایک دن و رات مسافت کی قید ہے۔ لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں تین دن کی روایت اسی بخاری شریف کی پیش کر چکے ہیں ہم کو دو روایتیں ملیں۔ تین والی اور ایک دن والی۔ اگر ایک دن کی حدیث پہلی ہو اور تین دن کی حدیث بعد کی تو ایک دن والی حدیث منسوخ اور اگر تین دن والی حدیث پہلی ہے۔ ایک دن والی حدیث پیچھے تو تین دن والی حدیث ایک دن والی سے منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ تین دن میں ایک دن بھی آ جاتا ہے اور جب ایک دن کی مسافت پر عورت کو اکیلے سفر حرام ہے تو تین دن کا سفر بھی حرام ہوگا۔ لہٰذا تین دن کی روایت بہر حال قابل عمل ہے اور ایک دن کی حدیث پر عمل مشکوک ہے اس لیے ایک دن کی حدیث قابل عمل نہیں۔ تین دن کی حدیث قابل عمل ہے کہ حرمت شک سے ثابت نہیں ہوتی۔ بہر حال سفر کی مدت تین دن کی مسافت ہی ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر 3

آج کل موٹر اور ریل وغیرہ سے تین دن کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے تو بتاؤ کے موزوں پر مسح کی مدت تین دن یہ مسافر کیسے پوری کرے گا۔ تمہارے قول پر بھی یہ حدیث علی العموم قابل عمل نہ ہوئی

جواب

یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ ایک ہے قانون کا اپنا سقم کے قانون خود ہر جگہ جاری نہ ہو سکے یہ قانون کا عیب ہے ایک ہے کسی عارضہ کی وجہ

سے قانون جاری نہ ہونا یہ قانون کا اپنا سقم نہیں شریعت میں سفر پیدل یا اونٹ کی رفتار معتبر ہے اگر وہ تین دن کی ہے تو سفر ہے۔ اسی رفتار میں ہر شخص پر مسح کا قانون حاوی ہے اور جاری ہونا چاہیئے اگر شخص ایک گھنٹہ میں اتنا سفر کر لیتا ہے تو یہ ایک خارجی عارضہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ قانون کی زد سے بچ گیا۔ قانون اپنی جگہ درست ہے۔ تمہارے قول کی وجہ سے قانون میں سقم لازم آتا ہے لہٰذا تمہارا قول باطل ہے۔ ہمارا قول درست ہے۔

باب نمبر 16

سفر میں سنت و نفل

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے چار رکعت فرض دو پڑھے فرض کے علاوہ تمام نفل و سنت وتر گھر کی طرح پورے پڑھے ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے وہ ہی سفر میں ہے نہ تو ان میں قصر ہے نہ یہ منع ہے نہ بالکل معاف۔ مگر غیر مقلد وہابی سفر میں نہ خود پڑھتے ہیں اور نہ اوروں کو پڑھنے دیتے ہیں۔ بعض تو اسمیں بہت سخت ہیں۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا شرعی ثبوت۔ دوسری فصل میں اس پر وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات حق تعالیٰ قبول فرمائے۔

فصل نمبر 1

سفر میں سنت' وتر و نفل پورے پڑھو

مسافر صرف چار رکعت نماز میں قصر کرے باقی ساری نماز پوری پڑھے۔ اسے روکنا یا منع کرنا سخت جرم ہے دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ا......رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَرَءَیْتَ الَّذِی یَنْھٰی۔ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی (پارہ ۳۰ سورۃ ۹۶ آیت ۱۰'۹)

''کیا آپ نے اس مردود کو دیکھا جو بندہ مومن کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے''

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو نماز سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ اور رب تعالیٰ کو سخت ناپسند اس ہی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وقت مکروہ میں پڑھنے لگے، تو اسے نہ روکو کہیں اس آیت کی زد میں نہ آ جاؤ جب نماز پڑھ چکے تو مسئلہ بتا دو (شامی وغیرہ)

اس سے وہابیوں کو عبرت پکڑنا چاہیئے جو مسافر مسلمانوں کو سنت و نفل سے بہت سختی سے روکتے ہیں۔ بلکہ لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں آخر وہ نماز ہی تو ہے اس سے اتنی چڑ کیوں ہے۔

نمبر ۲......رب تعالیٰ کفار مکہ کے عیوب اس طرح بیان فرماتا ہے۔

وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّھِیْنٍ۔ ھَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِیْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ۔ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۸ آیت ۱۰ تا ۱۲)

''اس کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا' ذلیل' چغل خوف' بھلائی سے روکنے والا حد سے آگے بڑھنے والا سخت گنہگار

ہے۔‘‘

معلوم ہوا کہ لوگوں کو بھلائی سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ ان کی بات ہرگز نہ ماننا چاہئے مسلمانوں کو بھلائیوں سے روکنا وہابیوں کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے۔ سینما، جوئے اور شراب سے نہیں چڑتے، چڑتے ہیں تو کس سے؟ سفر میں سنت، نفل نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان ان کی بات ہرگز نہ مانے اس آیت پر عمل کرے۔

نمبر۳...... رب تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔

(پارہ ۱۷ سورۃ ۲۲ آیت ۴۱)

’’مومن وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت دے دیں تو نمازیں قائم کریں اور زکوۃ دیں اور اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔‘‘

اگر خدا نہ کرے زمین میں وہابیوں کی سلطنت ہو جاوے۔ تو لوگوں کو کس چیز سے روکیں سفر میں سنت و نفل نماز پڑھنے سے۔ اللہ کے ذکر کی مجلسوں سے۔ میلاد شریف ختم و فاتحہ و تلاوت قرآن سے۔ کن چیزوں کا حکم دیں گندے کنوؤں سے وضو کرنے کا، کوے خصیے کھانے کا پیشاب اور منی پاک سمجھنے کا۔ اپنے نطفے کی زنا کی لڑکی سے نکاح کر لینے کا جیسا کہ ہم آخر کتاب میں وہابیوں کی خصوصی مسائل بیان کریں گے۔

حدیث ۴، ۵...... ترمذی شریف اور طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کی مگر قدرے لفظی اختلاف سے۔

قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْحَضَرِ وَ السَّفَرِ فَصَلَّیْتُ مَعَہٗ فِی الْحَضَرِ الظُّھْرَ اَرْبَعًا وَ بَعْدَھَا رَکْعَتَیْنِ وَ صَلَّیْتُ مَعَہٗ فِی السَّفَرِ الظُّھْرَ رَکْعَتَیْنِ وَ بَعْدَھَا رَکْعَتَیْنِ وَالْعَصْرَ رَکْعَتَیْنِ وَ لَمْ یُصَلِّ بَعْدَھَا شَیْئًا وَ الْمَغْرِبَ فِی الْحَضَرِ وَ السَّفَرِ سَوَاءً ثَلٰثَ رَکْعَاتٍ وَ لَا یَنْقُصُ فِیْ حَضَرٍ وَ لَا سَفَرٍ وَ ھِیَ وِتْرُ النَّھَارِ وَ بَعْدَھَا رَکْعَتَیْنِ

’’فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ وطن اور سفر میں نمازیں پڑھی ہیں پس میں نے آپ کے ساتھ وطن میں ظہر چار رکعت پڑھی اسکے بعد دو رکعت سنت اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعتیں سنت عصر دو رکعت اس کے بعد کچھ نہ پڑھا اور مغرب وطن سفر میں برابر تین رکعتیں اس میں کمی نہ فرماتے تھے وطن میں نہ سفر میں وہ دن کے وتر ہیں اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھیں‘‘

طحاوی شریف میں یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔

وَ صَلَّی الْعِشَاءَ رَکْعَتَیْنِ وَ بَعْدَھَا رَکْعَتَیْنِ

حضور ﷺ نے عشاء کی نماز دو رکعتیں پڑھیں اسکے بعد دو رکعتیں۔

دیکھو نبی کریم ﷺ نے سفر میں ظہر کے فرض دو اور بعد میں سنت دو مغرب کے فرض تین اور بعد میں سنت دو۔ عشاء کے فرض دو اور بعد میں سنتیں دو پڑھیں اگر سفر میں سنت یا نفل پڑھنا ممنوع ہوتا تو سرکار پرانوار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں پڑھتے یہ وہابی سنت سے چڑتے ہیں۔

نمبر ۶، ۷......ابوداؤد ترمذی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَعَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَاَيْتُهٗ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ

"فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کیساتھ اٹھارہ سفر کئے میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر کے پہلے کے دو نفل چھوڑے ہوں۔"

نمبر ۸......ابوداؤد شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ وَاَرَادَ اَنْ يَّتَطَوَّعَ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهٖ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰى

"فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی ناقہ کو کعبہ کی طرف متوجہ فرمادیتے۔ پھر تکبیر کہہ کر نفل پڑھتے۔"

نمبر ۹، ۱۰......مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِيْ اِيْمَاءً صَلٰوةَ اللَّيْلِ اِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ

"فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سفر میں اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے۔ جدھر بھی اس کا منہ ہوتا آپ اشارے سے نماز پڑھتے۔ تہجد کی نماز سوائے فرض کے۔ وتر بھی سواری پر پڑھتے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سفر میں راستے طے کرتے ہوئے نماز تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ ٹھہرے ہوئے مسافر کو سنت مؤکدہ سے روکتے ہیں۔

نمبر ۱۱......مؤطا امام مالک میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَرٰى ابْنَهٗ عُبَيْدَ اللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ

"فرماتے ہیں کہ بے شک عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے فرزند عبیداللہ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تھے تو آپ منع نہ فرماتے تھے"

نمبر ۱۲......ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

"قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيْ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ"

''فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اسکے بعد دو رکعت سنت اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے''

نمبر ۱۳، ۱۴:۔ مسلم وابوداؤد نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے سفر میں تعریس کی رات نماز صبح قضاء ہوجانے کی بہت دراز حدیث روایت کی جسکے بعض الفاظ یہ ہیں۔

صَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ كَمَا كَانَ يُصَلِّي

''حضور علیہ السلام نے فجر کی سنتیں فرض سے پہلے پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھے جیسے ہمیشہ پڑھا کرتے تھے''۔

نمبر ۱۵ تا ۱۸...... بخاری، مسلم ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ابن ابی یعلی سے روایت کی۔

قَالَ مَا اَخْبَرَنَا اِلَّا اَحَدٌ اَنَّهٗ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الضُّحٰى غَيْرُ اُمِّ هَانِيْءٍ ذَكَرَتْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اِغْتَسَلَ فِيْ بَيْتِهَا فَصَلّٰى ثَمَانِ رَكْعَاتٍ

''فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ام ہانی کے سواء اور کسی نے یہ خبر نہیں دی کہ اس نے حضور ﷺ کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا۔ ام ہانی فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے ان کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نفل نماز چاشت پڑھیں۔''

دیکھو فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں مسافر ہیں۔ اس کے باوجود حضور علیہ السلام نے اپنی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں نماز چاشت آٹھ رکعت پڑھی، حالانکہ نماز چاشت نفل ہے۔

نمبر ۱۹...... ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْحَضَرِ وَصَلٰوةَ السَّفَرِ فَكُنَّا نُصَلِّيْ فِي الْحَضَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا وَكُنَّا نُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا

''فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وطن میں بھی نماز فرض ادا فرمائی اور سفر میں بھی ہم وطن میں فرض نماز سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے اور سفر میں بھی فرض سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے۔''

نمبر ۲۰...... بخاری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ وَهُوَ رَاكِبٌ فِيْ غَيْرِ الْقِبْلَةِ

''نبی کریم ﷺ سواری پر غیر قبلہ کی طرف نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔''

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں سنت ونفل کی نہ تو معافی ہو اور نہ قصر چند وجہ سے۔

ایک یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نمازیں دو دو رکعت فرض کی گئیں۔ پھر سفر میں تو وہ ہی دو دو ہیں۔ حضر میں بعض نمازوں میں زیادتی کردی گئی اور ظاہر ہے کہ معراج میں فرض نمازیں ہی لازم کی گئیں تھیں۔ نہ کہ سنت ونوافل وغیرہ لہٰذا قصر صرف فرض

میں ہوا نہ کہ نفل و سنت میں دوسرے یہ کہ بحالت سفر فرض نماز میں بہت پابندی ہے کہ سواری پر چلتی ریل میں، غیر قبلہ کہ طرف ادا نہیں ہو سکتی، سنت و نفل میں یہ کوئی پابندی نہیں، سواری پر، غیر قبلہ کی طرف بھی ادا ہو جاتی ہے، فرض کے لئے مسافر کو سفر توڑنا پڑتا ہے جس سے دیر لگتی ہے۔ اس لئے وہ نماز آدھی کر دی گئی چونکہ سنت و نفل کے لئے سفر توڑنا نہیں پڑتا، سواری پر ادا ہو جاتی ہے۔ اس لئے نہ تو ان میں قصر کی ضرورت ہے، نہ معافی کا سوال پیدا ہوتا ہے، یہ سمجھنا کہ جب سفر میں فرض کم ہو گئے تو سنتیں بھی کم ہونی چاہئیں غلط ہے، دیکھو جمعہ کے فرض بجائے چار کے دو رکعت ہیں، مگر سنت کوئی کم نہیں ہوئی فرض علیحدہ نماز ہے اور سنت و نفل علیحدہ یعنی سنت و نفل فرض کی ایسی تابع نہیں کہ اگر فرض پورے پڑھے جاویں تو سنتیں بھی پوری ہوں اور اگر فرض میں قصر ہو تو سنتوں میں بھی قصر ہو یا بالکل معاف ہو جاویں۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلد وہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر بہت ہی تھوڑے دلائل ہیں۔ جنہیں وہ ہر جگہ الفاظ بدل کر بیان کرتے ہیں، ہم ان کی وکالت میں ان کے سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر 1

مسلم و بخاری وغیرہ نے حضرت حفص ابن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِیْ طَرِیْقِ مَکَّۃَ فَصَلّٰی لَنَا الظُّہْرَ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ جَآءَ رَحْلَہٗ وَجَلَسَ فَرَاٰی نَاسًا قِیَامًا فَقَالَ مَا یَصْنَعُ ھٰؤُلَآءِ قُلْتُ یُسَبِّحُوْنَ قَالَ لَوْ کُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلٰوتِیْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَانَ لَا یَزِیْدُ فِی السَّفَرِ عَلٰی رَکْعَتَیْنِ وَاَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ کَذٰلِکَ

"فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے راستہ میں تھا تو آپ نے ہم کو نماز ظہر دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنی منزل پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو کچھ لوگوں کو کھڑا ہوا دیکھا فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر نفل پڑھتا تو نماز ہی پوری پڑھتا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور میں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ایسے ہی دیکھا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نفل اور سنت پڑھنا سنت رسول علیہ السلام و سنت خلفائے راشدین کے خلاف ہے۔ اس لئے مسافر دو رکعت فرض پڑھے باقی کچھ نہ پڑھے۔

جواب

اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین نے سفر میں کہیں دو فرض سے زیادہ نہ پڑھے، اور تم کہتے ہو کہ مسافر چاہے قصر پڑھے یا پوری تم نے پوری نماز پڑھنے

کا حکم اس حدیث کے خلاف کیوں دیا

دوسرے یہ کہ آپ کی اس حدیث سے نفل نہ پڑھنا ثابت ہے اور ہماری پیش کردہ بہت سی احادیث سے نفل پڑھنا ثابت ہوا، تو آپ ان بہت سی احادیث کے مقابل صرف اس ایک حدیث پر کیوں عمل کرتے ہو۔ ان احادیث پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ صرف نفسانی خواہش کی وجہ سے کہ نفس امارہ پر نماز بھاری ہے۔

تیسرے یہ کہ خود سیدنا عبداللہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ احادیث ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے جن میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پرنور ﷺ کو سفر میں سواری پر نفل پڑھتے دیکھا، پھر ان ثبوت کی احادیث کو آپ نے کیوں قبول نہ کیا؟ صرف ایک اسی حدیث پر ہی کیوں عمل کیا؟ کیا نماز کم کرنے کا شوق ہے۔

چوتھے یہ کہ جب ثبوت و نفی میں تعارض ہو، تو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو روایتیں ہیں، ثبوت نفل کی بھی اور نفی کی بھی تو ثبوت کی روایت قابل عمل ہوگی نہ کہ نفی کی۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کو جسمانی معراج نہیں ہوئی۔ دیگر صحابہ فرماتے ہیں کہ ہوئی آج تمام دنیا معراج جسمانی کی قائل ہے؟ کیوں؟ اس لئے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہے۔

پانچویں یہ کہ جب احادیث میں تعارض نظر آئے تو ان کے ایسے معنے کئے جاویں، جن سے تعارض دور ہو جاوے، جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات میں تعارض ہے، تو تمہاری اس حدیث کے معنے یہ ہیں، کہ نفل نماز اہتمام سے پڑھنا ان کے لئے سفر توڑنا باقاعدہ اتر کر زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا، چلتی سواری پر نفل درست نہ سمجھنا، یہ نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے، نہ ان خلفائے راشدین سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم، چنانچہ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی یہ ہی بتا رہے ہیں، راوی فرماتے ہیں، کہ آپ نے بعض لوگوں کو ڈیرے پر کھڑے ہوئے نفل پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا۔ حالت بھی سفر کی تھی سفر بھی حج کا تھا رستہ بہت تھا، جلد پہنچنا تھا ان حضرات کے اس طریقہ عمل سے سفر میں دشواری ہوتی تھی، اس لئے آپ نے یہ فرمایا لہٰذا یہ حدیث نہ تو دوسری احادیث کے خلاف ہے نہ خود حضرت ابن عمر کی دوسری روایتوں کے مخالف حدیث میں مقابلہ پیدا نہ کرو بلکہ موافقت کی کوشش کرو۔

چھٹے یہ کہ تمہاری اس حدیث میں بھی سفر میں نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف قیاس فرما کر یہ فرمایا کہ اگر نفل کا ایسا اہتمام ضروری ہوتا، تو نماز فرض ہی کیوں پوری نہ پڑھی جاتی۔

اعتراض نمبر 2

جب سفر میں فرض نماز ہی بجائے چار کے دو رکعت ہوگئی۔ تو سنت و نفل تو فرض سے درجہ میں کم ہیں۔ چاہئے تو وہ بھی یا تو بجائے چار کے دو ہو جاویں۔ یا بالکل معاف ہو جاویں۔

جواب

الحمدللہ کہ آپ قیاس کے قائل ہوگئے کہ سنت کو فرض پر قیاس کرنے لگے لیکن جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس، بہت تھا کہ مجتہدین آئمہ کی تقلید کر لی ہوتی تا کہ آپ کو ایسے قیاسات نہ کرنے پڑتے۔ جناب سنت و نفل کو فرض پر قیاس نہیں کر سکتے، فرض نماز میں صرف دو رکعتیں بھری

پڑھی جاتی ہیں، باقی خالی مگر سنت ونفل کی چاروں رکعت بھری ہیں، فرمایئے، وہاں سنت ونفل فرض کی طرح کیوں نہ ہوئیں۔ وہاں بھی کہہ دو کہ جب فرض میں دو رکعت خالی ہیں تو چاہیئے کہ سنتیں ونفل کی چاروں رکعت خالی ہوں۔ جمعہ کی نماز میں فرض نماز بجائے چار کے دو رکعت ہو جاتی ہیں، مگر سنتیں بجائے گھٹنے کے بڑھ جاتی ہیں، کہ بعد فرض جمعہ چار سنتیں مؤکدہ ہیں، چاہیئے کہ وہاں بھی یہ ہی قیاس کرو کہ جب جمعہ کے فرض بجائے چار کے دو رہ گئے تو چاہیئے کہ جمعہ کے بعد سنتیں بجائے دو کے ایک رکعت ہی رہ جاوے سنت ونفل میں قصر نہ ہونے کہ وجہ ہم پہلی فصل کی عقلی دلیلوں میں عرض کر چکے کہ مسافر کو سنت کے لئے سفر توڑنا نہیں پڑتا۔ سواری پر ہی پڑھ سکتا ہے اس لئے ان میں قصر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ضروری نوٹ

یہ جو کہا گیا کہ نفل وسنت سواری پر پڑھی جا سکتی ہیں۔ سواری کا رخ کدھر ہی ہو۔ یہ مسافر کے لئے راستہ طے کرنے کی حالت میں ہے۔ جبکہ وہ جنگل میں ہو۔ شہر میں۔ یا کسی جگہ ٹھہرنے کی حالت کا یہ حکم نہیں۔ اگر مسافر کسی بستی میں دو چار دن کے لئے ٹھہرا ہوا ہو تو سنت ونفل بھی فرض کی طرح تمام شرائط وارکان کے ساتھ ادا کرے گا۔ غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک مسافر خواہ راستہ طے کر رہا ہو یا کہیں دو چار دن کے لئے ٹھہرا ہوا ہو سنت ونفل نہ پڑھے۔

اعتراض نمبر 3

حضور ﷺ رحمتہ اللعالمین ہیں، جب رب تعالیٰ نے سفر میں اپنی فرض نماز میں رعایت کر دی تو چاہیئے کہ حضور بھی اپنی سنتوں میں کمی کر دیں۔ سنت کا اسی طرح رہنا حضور ﷺ کی رحمت کے خلاف ہے۔

جواب

جی ہاں چونکہ حضور ﷺ رحمت عالم ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ اپنی سنتیں کم نہ فرمائیں نماز رحمت ہے۔ بوجھ نہیں شاید وہابیوں کے نفس پر نماز بوجھ ہوگی۔ اس لئے انہیں ایسے سوالات سوجھتے ہیں۔ جناب اللہ کے فرض مومن کے بالغ ہونے پر لگتے ہیں، اور مرنے سے پہلے چھوڑ دیتے ہیں مگر سنت رسول اللہ کسی وقت اور کسی حالت میں مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتی، مومن سنت رسول کی آغوش میں پیدا ہوتا ہے۔ سنت کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔ سنت کے دامن میں مرتا ہے اور انشاء اللہ سنت والے محبوب ﷺ کی پشت وپناہی میں قیامت میں اٹھے گا، دیکھو ختنہ، بچے کو دو سال تک دودھ پلانا سنت ہی تو ہیں، پھر مرتے وقت وضو، کعبہ کو رخ ہونا مرد کا کفن تین کپڑے عورت کا کفن پانچ کپڑے یہ سب سنتیں ہی ہیں، اس لئے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب نہیں اہل سنت ہے، ہمارے حضور ﷺ کی سنت رحمت ہے، بوجھ نہیں رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا رب تعالیٰ مالک الملک ہے، جب چاہے جتنی چاہے رحمت دے، اس کی رحمتیں یکساں نہیں ہوتیں، کبھی کم کبھی زیادہ ایسے ہی فرض نماز مقیم کے لئے پوری مسافر کے لئے آدھی۔

بَابُ نمبر 17

سفر میں قصر واجب ہے

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر فرض ہے' مسافر یہ نماز پوری نہیں پڑھ سکتا' اگر بھول کر بجائے دو کے چار پڑھ لے تو اسکا وہ ہی حکم ہوگا' جو کوئی فجر کے فرض چار پڑھ لے اگر پہلی التحیات پڑھ کر تیسری رکعت میں کھڑا ہوا تو سجدہ سہو کرے ورنہ نماز کا اعادہ کرے' لیکن اگر دیدہ دانستہ بجائے دو کے چار پڑھے تو نہ ہوگی' مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں' کہ مسافر کو اختیار ہے۔ خواہ قصر پڑھے یا پوری مسافر کسی چیز کا پابند نہیں اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات وجوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

فَصل نمبر 1

سفر میں قصر ضروری ہے

سفر میں قصر ضرور ہونے پر احناف کے پاس بہت دلائل ہیں' جن میں سے کچھ پیش کئے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ا تا ۴...... بخاری' مسلم' مؤطا امام محمد' مؤطا امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لفظی فرق کے ساتھ روایت کی یہ لفظ مسلم و بخاری کے ہیں۔

قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُرِضَتْ اَرْبَعًا وَتُرِكَتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْاُوْلٰى

''فرماتی ہیں کہ اولاً نماز دو دو رکعتیں فرض ہوئیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی تو نمازیں چار رکعت فرض کی گئیں۔ اور نماز سفر پہلے ہی فریضہ پر رہی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے ہر نماز کی دو رکعتیں تھیں۔ بعد ہجرت بعض کی چار رکعتیں کردی گئیں۔ مگر سفر کی نماز ویسے ہی رہی تو جیسے ہجرت سے پہلے اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھ لیتا تو اس کی نماز نہ ہوتی۔ ایسے ہی اب بھی جو مسافر سفر میں چار فرض پڑھ لے تو بھی نماز نہ ہوگی۔ لفظ فرض اور فریضہ کو غور سے ملاحظہ کرو۔ مؤطا امام محمد و امام مالک کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِےْ الْحَضْرِ وَ السَّفَرِ فَاُقِرَّتِ صَلٰوةُ السَّفَرِ وَزِيْدَ فِيْ صَلٰوةِ الْحَضَرِ

''اول سفر و حضر میں نمازیں دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر نماز سفر تو ویسے ہی رہی اور نماز حضر میں زیادتی کردی گئی''۔

حدیث نمبر ۵ تا ۷...... مسلم شریف' نسائی' طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ فِي الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً

"فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبان شریف پر وطن میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں خوف میں ایک رکعت فرض کیں" (یعنی جماعت سے ایک رکعت)

اس میں صراحۃً معلوم ہوا کہ سفر میں دو رکعت ہی فرض ہیں۔ جیسے وطن میں فجر کی نماز۔

حدیث نمبر ۸ تا ۱۳...... مسلم بخاری ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ

"فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف گئے تو حضور انور دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔"

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۶...... بخاری، مسلم، نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ اِمَارَتِهٖ ثُمَّ اَتَمَّهَا

"فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ میں حضور ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں اور خلافت عثمانی کے شروع میں بھی پھر حضرت عثمان نے پوری پڑھنا شروع کر دی۔

حدیث نمبر ۱۷...... طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اِفْتَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ كَمَا افْتَرَضَ فِي الْحَضَرِ اَرْبَعًا

"فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سفر میں دو رکعت ہی فرض فرمائیں جیسے وطن میں چار رکعت فرض کیں۔"

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۰...... نسائی ابن ماجہ ابن حبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلٰوةُ السَّفَرِ رَكْعَتَانِ وَ صَلٰوةُ الضُّحٰى رَكْعَتَانِ وَصَلٰوةُ الْفِطْرِ رَكْعَتَانِ وَصَلٰوةُ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَانِ تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں چاشت کی نماز دو رکعتیں عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں 'یہ دو رکعتیں پوری ہیں ناقص نہیں' حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان شریف پر۔"

اس سے صاف معلوم ہوا کہ نماز سفر دو رکعت پڑھنا ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے جمعہ عیدین دو رکعت پڑھنا۔

حدیث نمبر ۲۱...... مسلم شریف نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کچھ دراز حدیث نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ شریفہ یہ ہیں۔

فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهٖ فَاقْبَلُوْا صَدَقَةً

"میں نے حضور ﷺ سے نماز قصر کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا یہ اللہ کا صدقہ ہے جو صدقہ فرمایا اس صدقہ کو قبول کرو"

اس حدیث میں فاقبلو صیغہ امر ہے۔ امر وجوب کے لئے آتا ہے معلوم ہوا کہ جو شخص سفر میں چار رکعت پڑھے، وہ خدا تعالیٰ کے صدقہ سے

منہ پھیرتا ہے، رب کا صدقہ قبول کرنا اور سفر میں قصر کرنا فرض ہے۔

حدیث نمبر ۲۲...... طبرانی نے معجم صغیر میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ اَبِىْ بَكْرٍ رَكْعَتَيْنِ وَ مَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِكُمُ السُّبُلَ فَوَ اللّٰهِ لَوَدِدْتُّ اَنْ اُخْطٰى مِنْ اَرْبَعِ رَكْعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ مُتَقَبَّلَتَيْنِ

''میں نے سفر میں حضور کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں پھر تم لوگوں کو مختلف راہوں نے متفرق کر دیا۔ قسم رب کی میں تمنا کرتا ہوں کہ مجھے بجائے چار رکعتوں کے دو مقبول رکعتوں کا حصہ ملے۔

ہم نے بطور نمونہ صرف بائیس حدیثیں پیش کیں۔ ورنہ اس کے متعلق بے شمار احادیث ہیں۔ ان پیش کردہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ سفر میں قصر ہی فرض ہے۔ حضور ﷺ و خلفاء راشدین نے قصر ہی پڑھی، چار رکعت پڑھنے سے صحابہ نے منع فرمایا۔ یا اس پر ناراضی کا اظہار کیا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ سفر میں قصر فرض ہے۔ مسافر کو قصر و تمام دونوں کا اختیار دینا عقل شرعی کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ سفر میں ہر چار رکعت والی نماز کی پہلی دو رکعتیں بالاتفاق فرض ہیں آخری دو رکعتوں کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ وہ بھی مسافر پر فرض ہیں، یا نہیں، اگر فرض ہیں تو ان کے نہ پڑھنے کا اختیار کیوں، فرض میں اختیار نہیں ہوتا، فرض و اختیار جمع نہیں ہوتے اور اگر فرض نہیں بلکہ نفل ہیں، تو ایک تحریمہ سے فرض و نفل نمازوں کا ادا ہونا شرعی قاعدے کے خلاف ہے۔ جس کی مثال کسی جگہ نہ ملے گی، فرض کی تکبیر تحریمہ علیحدہ ہوتی ہے، نفل کی علیحدہ ایک تحریمہ سے ایک ہی نماز ہو سکتی ہے نہ کہ دو۔

بہر حال یہ اختیار کہ چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار شرعی عقل کے بالکل خلاف ہے نیز جیسے وطن میں چار رکعت ہی فرض ہیں، کم و بیش کا اختیار نہیں، ایسے ہی سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ اختیار نہیں۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

اس مسئلہ پر ہم غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اتنے اعتراضات معہ جوابات عرض کئے دیتے ہیں، جو انشاء اللہ خود انہیں بھی یاد نہ ہوں گے۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر 1

رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا۔ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۰۱)

"اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر فرض نہیں۔ بلکہ اس کی اجازت ہے۔ کیونکہ ارشاد باری ہوا کہ تم پر قصر میں گناہ نہیں' نہ قصر پڑھنے میں گناہ ہے' نہ قصر نہ پڑھنے میں۔

جواب

اس اعتراض کے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ یہ آیت ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے کیونکہ یہاں قصر کے لئے کفار کے خوف کی شرط ہے' کہ اگر تمہیں کفار سے خوف ہو تو قصر میں گناہ نہیں' اور تم کہتے ہو کہ امن کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے' اب جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ **لا جناح** حاجی کے صفا مروہ کی سعی کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے' رب فرماتا ہے۔

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۵۸)

"تو جب بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے' اس پر اس میں گناہ نہیں کہ صفا و مروہ کا طواف کرے۔"

حالانکہ صفا مروہ کا طواف حج میں واجب ہے عمرہ میں فرض ایسے ہی سفر میں قصر فرض ہے **لا جناح** فرضیت کے خلاف نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر سفر میں قصر صرف مباح ہوتا تو قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا کہ تم پر قصر نہ کرنے میں گناہ نہیں' کیونکہ مباح کی پہچان یہ ہے کہ اسکے کرنے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں' ورنہ فرض کام کرنے میں گناہ نہیں ہوتا' بلکہ اس کے نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے' لہٰذا کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح ہونے کی دلیل نہیں' فرض واجب بھی ایسے ہی ہوتے ہیں' چوتھے یہ کہ زمانہ نبی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ بجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھنا گناہ ہوگا کہ یہ نماز ناقص ہے انہیں سمجھانے کے لئے یہ ارشاد ہوا لہٰذا آیت بالکل واضح ہے' تمہارے لئے مفید نہیں۔

اعتراض نمبر 2

شرح سنہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قَالَتْ كُلَّ ذَالِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلٰوةَ وَاَتَمَّ

"فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ کیا قصر بھی کیا اور پوری نماز بھی پڑھی۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قصر بھی سنت ہے اور پوری پڑھنی بھی سنت' صرف قصر فرض نہیں۔

جواب

اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن یحیٰ ہے' جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بالکل قابل عمل نہیں' دیکھو مرقات شرح مشکوٰۃ اسی حدیث کی شرح

دوسرے یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مخالف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ جلیل القدر صحابہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث خود ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس روایت کے بھی خلاف ہے جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کی' آپ فرماتی ہیں' کہ اولاً نماز دو دو رکعت فرض ہوئی پھر سفر میں وہ ہی دو رکعتیں فرض رہیں وطن میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سفر میں دو رکعتیں فرض بھی ہوں' اور کبھی حضور علیہ السلام نے چار رکعت بھی پڑھ لی ہوں' لہٰذا یہ حدیث واجب التاویل ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں لفظ سفر نہیں' یعنی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے سفر میں قصر و اتمام فرمایا' لہٰذا حدیث کے معنے یہ ہیں ' کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع اسلام میں اولاً قصر یعنی ہر نماز دو دو رکعت پڑھی' پھر جب رکعتیں بڑھا دی گئیں کہ بعض چار رکعت کر دی گئیں اور بعض تین تو حضور علیہ السلام نے اتمام فرمایا یعنی دو سے زیادہ پڑھیں' اس صورت میں یہ حدیث بالکل واضح بھی ہوگئی اور گذشتہ احادیث کے خلاف بھی نہ رہی۔

پانچویں یہ کہ اگر یہاں حالت سفر میں قصر و اتمام مراد ہے' تب بھی مطلب یہ ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحالت سفر قصر پڑھی' اور جب کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت فرمائی' تو اتمام فرمایا اب بھی حدیث بالکل واضح ہے۔

لطیفہ

غیر مقلد وہابی ہمیشہ حنفیوں سے مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ کیا کرتے ہیں مگر جب انہیں خود حدیث پیش کرنا پڑے' تو بخاری مسلم کی ہو یا نہ ہو' صحیح ہو یا ضعیف ہر قسم کی حدیث پیش کر دینے سے شرم نہیں کرتے۔

یہ حدیث ایسی ضعیف ہے کہ اسے صحاح ستہ نے روایت نہ کیا' امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر تک نہ کیا بلکہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ قصر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین سے ثابت ہے' اتمام صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنا فعل ہے' چنانچہ امام ترمذی قصر نماز کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقْصُرُ فِي السَّفَرِ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهٖ وَ الْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَكْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ غَيْرِهِمْ۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث یہ ہی ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ سفر میں قصر کرتے تھے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی شروع خلافت میں اور اس پر ہی اکثر علماء صحابہ و غیر صحابہ کا عمل ہے۔''

اور سفر میں اتمام کے متعلق امام ترمذی نہایت ضعیف طریقے سے فرماتے ہیں۔

وَ قَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تُتِمَّ الصَّلٰوةَ فِي السَّفَرِ

''ہاں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔''

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ مرفوع حدیث قابل اعتبار ہوتی جو تم نے پیش کی۔ تو امام ترمذی حدیث مرفوع کو چھوڑ کر صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمل شریف کا ذکر نہ فرماتے۔ پر لطف کی بات وہ ہے جو آگے فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلٰى مَارُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابِهٖ

”عمل اس پر ہے، جو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے یعنی (قصر)“

امام ترمذی کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی قصر و اتمام دونوں کا اختیار نہ دیتی تھیں۔ بلکہ آپ ہمیشہ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔ اہل علم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل شریف پر عمل کیا یعنی ہمیشہ قصر پڑھنا۔

اِعتَراض نمبَر 3

نسائی و دار قطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی

قَالَتْ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عُمْرَةِ رَمَضَانَ فَطَرَ وَ صُمْتُ وَ قَصَرَ وَاَتْمَمْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَصَرْتَ وَ اَتْمَمْتُ وَ اَفْطَرْتَ وَ صُمْتُ قَالَ اَحْسَنْتِ يَا

”فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ رمضان کے عمرہ میں گئی تو آپ نے روزہ نہ رکھا۔ میں نے رکھا۔ آپ نے نماز قصر پڑھی۔ میں نے پوری پڑھی یعنی اتمام کیا، تو میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ آپ نے قصر کیا، میں نے پوری پڑھی، آپ نے افطار کیا میں نے روزہ رکھا فرمایا اے عائشہ تم نے اچھا کیا مجھ پر اعتراض نہ کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی جائز ہے اور اتمام بھی۔

جواب

یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض غلط اور بناوٹی ہے، کیونکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے کوئی عمرہ رمضان میں نہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ نے کل چار عمرے کئے ہیں، جو سب کے سب ذی قعدہ میں تھے۔ البتہ حجۃ الوداع کے عمرہ کا احرام تو ذی قعدہ میں تھا اور افعال عمرہ ذی الحجہ میں ادا ہوئے۔ خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رمضان کے عمرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہونا ایسا عجیب اور پیچیدہ مسئلہ ہے جسے وہابی صاحبان ہی حل فرما سکتے ہیں، وہابیو! پہلے اپنی بات عقل کے ترازو میں تو لو بعد کو بولو۔

اِعتَراض نمبَر 4

مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنٰى رَكْعَتَيْنِ وَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ بَعْدَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهٖ ثُمَّ اَنَّ عُثْمَانَ صَلّٰى بَعْدَ اَرْبَعًا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلَّى مَعَ الْاِمَامِ صَلَّى اَرْبَعًا وَ اِذَا صَلَّى وَحْدَهٗ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ

”فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی شروع خلافت میں۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں منیٰ میں پڑھیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب امام کے ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے، جب اکیلے پڑھتے تو دو پڑھتے۔“

اگر سفر میں قصر فرض اور اتمام ناجائز ہوتا، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منیٰ شریف میں اتمام کیوں کرتے؟

جواب

اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث آپ کے بالکل خلاف ہے، آپ نے تو مسافر کو قصر و اتمام کا اختیار دیا ہے، کہ چاہے قصر کرے، چاہے پوری پڑھے، مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہمیشہ قصر پڑھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی شروع خلافت میں جب قصر پڑھی تو اتمام نہ کیا۔ پھر جب پوری پڑھنے لگے تو کبھی قصر نہ پڑھی۔ اختیار کسی بزرگ نے نہ دیا آپ کا یہ اختیار کہاں سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف منیٰ شریف میں اتمام کیا عام سفروں میں نہیں، معلوم کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سفر کے اتمام کے قائل نہ تھے، کسی وجہ خاص سے صرف منیٰ شریف میں اتمام فرماتے تھے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منیٰ میں اتمام فرمانا اس لیے نہ تھا کہ آپ قصر و اتمام دونوں جائز مانتے تھے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور تھی، کیا وجہ تھی اس کے متعلق دو روائتیں ہیں امام احمد ابن حنبل نے روایت کی کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت پڑھیں، تو لوگوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ میں اہل والا ہوں، اور میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا ہے کہ جو کوئی کسی شہر میں گھر والا ہو جاوے، وہ وہاں مقیم کی نماز پڑھے، چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں

اَنَّہٗ صَلّٰی بِمِنیٰ اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ فَاَنْکَرَ النَّاسُ عَلَیْہِ فَقَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی تَاَھَّلْتُ بِمَکَّۃَ مُنْذُ قَدِمْتُ وَاِنِّی سَمِعْتُ الخ (مرقاۃ۔ فتح القدیر)

''حضرت عثمان نے منیٰ شریف میں چار رکعتیں پڑھیں تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب سے میں مکہ معظمہ آیا ہوں میں گھر والا ہو گیا ہوں۔''

اس روایت سے تین مسئلہ معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں۔ ہر سفر میں نہیں۔ دوسرے یہ کہ عام صحابہ نے آپ کے اس فعل پر اعتراض کیا۔ جس سے پتہ لگا کہ تمام صحابہ ہمیشہ سفر میں قصر ہی کرتے تھے، اتمام کبھی نہ کرتے تھے، ورنہ آپ پر اعتراض نہ کرتے۔ تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ معظمہ میں زمین خرید لی، وہاں مکان بنوالیا، وہاں اپنی ایک بیوی کو رکھا۔ اس لیے مکہ معظمہ آپ کا ایک قسم کا وطن بن گیا، اور اپنے وطن میں اگر کوئی ایک دن کے لیے آ بھی جائے تو مقیم ہوگا، اور قصر نہ پڑھے گا، پوری نماز پڑھے گا۔ لہٰذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل وہابیوں کے اس مسئلہ اختیار سے کوسوں دور ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ زمانہ عثمانی کے نو مسلم لوگوں نے حج میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر سمجھا کہ اسلام میں نمازیں دو دو رکعتیں ہی فرض ہیں جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس غلط فہمی کا علم ہوا تو آپ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے صرف منیٰ میں اتمام کیا، یعنی چار رکعتیں پڑھیں، چنانچہ عبدالرزاق اور دار قطنی نے ابن جریج سے روایت کی۔

بَلَغَنِیْ اَنَّہٗ اَوْفٰی اَرْبَعًا بِمِنٰی فَقَطْ مِنْ اَجْلِ اَنَّ اَعْرَابِیًّا نَادَاہُ فِیْ مَسْجِدِ خَیْفِ بِمِنٰی یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ

مَازِلْتُ اُصَلِّیْھَا رَکْعَتَیْنِ مُنْذُ رَائَیْتُکَ عَامَ الْاَوَّلِ صَلَّیْتُھَا رَکْعَتَیْنِ فَخَشِیَ عُثْمَانُ اَنْ یَظُنَّ جُھَّالُ النَّاسِ
الصَّلٰوۃَ رَکْعَتَیْنِ وَ اَنَّھَا کَانَ اَوْ فَھَا بِمِنٰی

”مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف منیٰ میں ہی چار رکعتیں پڑھیں، کیونکہ ایک دیہاتی نے مسجد خیف میں آپ کو پکار کر کہا میں تو برابر دو رکعتیں ہی پڑھ رہا ہوں۔ جب سے سال گذشتہ میں آپ کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا، تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خطرہ پیدا ہوا کہ جہلا نماز کی دو رکعتیں ہی سمجھ لیں گے اس لیے آپ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں۔“

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دونوں روایتیں اس طرح جمع کی جاسکتی ہیں، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کی اس غلط فہمی کا علم ہوا تو آپ نے مکہ معظّمہ میں بھی اپنا گھر بار بنالیا تا کہ آپ یہاں آ کر مقیم ہوا کریں اور نماز پوری پڑھیں۔

لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فعل شریف سے وہابی غیر مقلد کسی طرح دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

اِعتراض نمبر 5

جیسے شریعت نے مسافر کو روزہ کا اختیار دیا ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مسافر پر سفر میں نہ روزہ رکھنا فرض ہے، نہ قضا کرنا فرض، ایسے ہی چاہیئے کہ مسافر کو سفر میں نماز کا اختیار ہو، کہ چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے۔ اس پر قصر لازم کر دینا روزے کے اختیار کے خلاف ہے۔

جواب

شکر ہے آپ بھی قیاس کے قائل ہو گئے، کہ نماز کے قصر کو روزے پر قیاس کرنے لگے، مقلد حنفی قیاس کو مانیں تو تمہارے نزدیک مشرک ہو جائیں اور آپ قیاس کریں تو پکے توحید والے رہیں، افسوس۔

جناب روزہ سفر میں معاف نہیں ہوا، بلکہ مسافر کو روزہ قضا کر دینے کی اجازت ملی ہے، اگر سفر میں رکھے تو پورا، اگر قضا کرے تو پورے کی، لیکن فرض نماز سفر میں آدھی معاف ہوگئی ہے کہ چار رکعت والی نماز صرف دو رکعت باقی رہ گئیں، باقی دو رکعتیں نہ اب پڑھیئے نہ وطن پہنچ کر معافی اور چیز ہے، تاخیر کی اجازت کچھ اور، لہٰذا نماز کے قصر کو روزے کی تاخیر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، مسافر پر روزہ معاف نہ ہوا، ورنہ اس کی قضا واجب نہ ہوتی، اس پر روزہ فرض ہے۔

مگر دو رکعتیں اسے معاف ہیں، اس لیے ان کی قضاء نہیں لہٰذا یہ رکعتیں اس کے لیے نفل ہیں، نفل نماز فرض کے تحریمہ سے ادا ہونا خلاف قاعدہ شرعیہ ہے۔

مسئلہ

مسافر پر فرض ہے کہ وطن میں پہنچتے ہی سفر کے رہے ہوئے روزوں کی قضاء شروع کر دے۔ اگر سفر میں آٹھ روزے قضاء ہو گئے، پھر وطن پہنچ کر چار دن بعد فوت ہو گیا۔ تو قیامت میں ان چار روزوں کی پکڑ ہوگی، باقی چار روزوں پر پکڑ نہیں کہ ان کے قضاء کرنے کا وقت ہی نہ پایا، یہ ہی بیمار اور حائضہ عورت کا حکم ہے، کہ شفا پاتے ہی روزے کی قضاء شروع کر دے۔

باب نمبر 18

نماز فجر اوجیالے میں پڑھو

حنفیوں کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ' نماز فجر خوب اوجیالے میں پڑھی جاوے' جب سورج طلوع ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی ہو' تو جماعت کھڑی ہو' مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نماز فجر بالکل اول وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہیئے۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں' پہلی فصل میں اس کا ثبوت' دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

نوٹ ضروری:۔

خیال رہے کہ مذہب حنفی میں دو نمازوں یعنی' نماز مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سوا تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا افضل ہیں' نماز مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ ایسے ہی سردی کے موسم میں نماز ظہر میں' اگر ہم کو اس کتاب کے طویل ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ہر نماز کی تاخیر پر دلائل قائم کرتے' صرف نماز فجر کی تاخیر پر مکمل بحث کرتے ہیں تاکہ ناظرین غور کریں کہ مذہب حنفی کتنا پختہ اور مدلل ہے۔

فصل نمبر 1

نماز فجر میں اوجیالا باعث ثواب ہے

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے کہ' نماز فجر خوب روشنی ہو جانے پر پڑھی جاوے' البتہ دسویں ذی الحجہ کو حاجی لوگ مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھیں۔ اس پر بہت احادیث شاہد ہیں' جن میں بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر ۱ تا ۸...... ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' بیہقی' ابن حبان' ابوداؤد' طیالسی وطبرانی نے کچھ فرق سے حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ

''وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ نماز فجر خوب اوجیالا کر کے پڑھو' کہ اس کا ثواب زیادہ ہے' ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔''

خیال رہے کہ اس حدیث میں اوجیالا کرنے سے مراد خوب اوجیالا کرنا ہے' جب کہ روشنی پھیل جاوے۔ یہ مطلب نہیں کہ فجر یقیناً ہو جاوے کیونکہ اس کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں جس اوجیالے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے' وہ یہی روشنی ہے' جو ہم نے عرض کی۔

حدیث نمبر ۹ تا ۱۰ بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلٰوةً بِغَيْرِ وَقْتِهَا اِلَّا بِجَمْعٍ فَاِنَّهٗ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَ

الْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَ يُصَلِّي صَلٰوةَ الصُّبْحِ مِنَ الْغَدِ قَبْلَ وَقْتِهَا

''میں نے حضور ﷺ کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت پڑھی ہو' سواء مزدلفہ کے کہ وہاں حضرت نے مغرب و عشاء جمع فرمائی اور اس کی صبح نماز فجر اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ ہمیشہ فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھتے تھے' مگر مزدلفہ میں دسویں ذی الحجہ کو اندھیرے میں یعنی وقت معتاد سے پہلے اگر حضور ہمیشہ ہی اول وقت فجر پڑھتے ہوتے تو مزدلفہ میں پہلے پڑھنے کے کیا معنی۔ کیونکہ اس سے پہلے تو فجر کا وقت ہوتا ہی نہیں۔

خیال رہے کہ مزدلفہ میں کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی' ہاں نماز مغرب عشاء کے وقت ادا ہوتی ہے' اور نماز فجر اپنے وقت میں اس پر ساری امت کا اتفاق ہے اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ حضور نے نماز فجر وقت سے پہلے یعنی رات میں پڑھی' بلکہ روزانہ کے وقت معہود سے پہلے پڑھی اس معنی پر حدیث بالکل واضح ہے

حدیث نمبر ۱۱ تا ۱۴...... ابوداؤد طیالسی' ابن ابی شیبہ' اسحاق ابن راہویہ۔ طبرانی نے معجم میں حضرت رافع ابن خدیج سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ يَا بِلَالُ نَوِّرْ بِصَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُبْصِرَ الْقَوْمُ مَوَاضِعَ نَبْلِهِمْ مِنَ الْاَسْفَارِ

''فرماتے ہیں کہ حکم دیا حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے بلال نماز صبح اُجالے میں کر لیا کرو' یہاں تک کہ لوگ اُجالے کی وجہ سے اپنے پھینکے ہوئے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے نماز فجر ایسے وقت پڑھنے کا حکم دیا۔ جبکہ تیر انداز اپنے تیر گرنے کی جگہ کا مشاہدہ کر سکے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے' جب خوب روشنی پھیل جاوے۔

حدیث نمبر ۱۵...... دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَوَّرَ بِالْفَجْرِ نَوَّرَ اللّٰهُ فِيْ قَبْرِهٖ وَ قَلْبَهٗ وَ قِيْلَ فِيْ صَلٰوتِهٖ

''فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جو نماز فجر روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل میں روشنی کرے ایک روایت میں ہے' کہ نماز میں روشنی کرے۔''

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷...... طبرانی نے اوسط میں اور بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ اُمَّتِيْ عَلَى الْفِطْرَةِ مَا اَسْفَرَ بِصَلٰوةِ الْفَجْرِ

''فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میری امت دین فطرت پر رہے گی۔ جب تک کہ نماز فجر اوجیالے میں پڑھے''

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۳...... طحاوی' بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ نے تھوڑے فرق سے حضرت یسار ابن سلامہ سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِيْ عَلٰى اَبِيْ بَرْزَةَ يَسْئَلُ لَهٗ اَبِيْ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ

يَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَ الرَّجُلُ يَعْرِفُ وَجْهَ جَلِيْسِهٖ وَ كَانَ يَقْرَءُ فِيْهَا بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ

''میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ صحابی کے پاس گیا' میرے والدان سے حضور رضی اللہ عنہ کی نماز کے متعلق پوچھتے تھے' تو انہوں نے فرمایا کہ حضور رضی اللہ عنہ نماز صبح سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب ہر شخص اپنے ساتھی کا چہرہ پہچان لیتا تھا' حالانکہ حضور انور رضی اللہ عنہ ساٹھ سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔''

حدیث نمبر ۲۴...... طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَكَانَ يُسْفِرُ بِصَلٰوةِ الصُّبْحِ

''فرماتے ہیں' کہ ہم عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتے تھے' آپ خوب اُجالے میں نماز پڑھتے تھے۔''

حدیث نمبر ۲۵...... بیہقی نے سنن کبرٰی میں ابو عثمان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ الْفَجْرَ فَمَا سَلَّمَ حَتّٰى ظَنَّ الرِّجَالُ ذُوْ وُ الْعُقُوْلِ اَنَّ الشَّمْسَ طَلَعَتْ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالُوْا يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ كَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلِعُ قَالَ فَتَكَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ اَفْهَمْهُ فَقُلْتُ اَيُّ شَيْئٍ قَالَ قَالُوْالَو اطَّلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِيْنَ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز فجر پڑھی' تو آپ نے سلام نہ پھیرا یہاں تک کہ عقل والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین سورج نکلنے ہی والا ہے' آپ نے کچھ فرمایا' جو میں نہ سمجھ سکا' میں نے لوگوں سے پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔

حدیث نمبر ۲۶...... بیہقی نے سنن کبرٰی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی

قَالَ صَلّٰى بِنَا اَبُوْ بَكْرٍ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَءَ آلِ عِمْرَانَ فَقَالُوْا كَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ لَوْ طَلَعْتَ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِيْنَ

''فرماتے ہیں' کہ ہم کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز فجر پڑھائی اس میں سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ سورج نکلنے کے قریب ہے آپ نے فرمایا کہ اگر نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔''

حدیث نمبر ۲۷ تا ۲۸...... طحاوی اور ملا خسرو محدث نے اپنی مسند میں امام اعظم ابو حنیفہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا اجْتَمَعَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَيْئٍ كَاِجْتَمَاعِهِمْ عَلَى التَّنْوِيْرِ فِي الْفَجْرِ وَ التَّعْجِيْلِ فِي الْمَغْرِبِ قَالَ الطَّحَاوِيُّ لَا يَصِحُّ اَنْ يَّجْتَمِعُوْا عَلٰى خِلَافِ مَا كَانَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

''فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں، کہ یہ ناممکن ہے، صحابہ کرام حضور ﷺ کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و عمر فاروق رضی اللہ عنہ خوب اُجالے میں نماز فجر پڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام کا متفقہ عمل اس پر تھا، کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جاوے۔

حدیث نمبر ۲۹...... طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ سے روایت کی

قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُوْلُ يَا قَنْبَرُ اَسْفِرْ اَسْفِرْ

''فرماتے ہیں، میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے کہ اے قنبر اُجالا کرو اُجالا۔''

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب اُجالے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ اَسْفِرْ دو بار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں انیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں۔ اگر زیادہ تحقیق مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔ بہر حال پتہ لگا کہ اوجیالے میں فجر پڑھنا سنت رسول اللہ سنت صحابہ رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا اتفاقی عمل ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اُجالے میں پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اوجیالا اور روشنی، لہٰذا نماز فجر اُجالے میں پڑھنے سے کام کے نام کے مطابق ہوگا۔ اور اندھیرے میں پڑھنا، نام کے مخالف ہے۔ دوسرے یہ کہ اُجالے میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں۔ اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت استنجاء بعض کو غسل وضو کرنا۔ سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں۔ اول وقت فجر کی جماعت کر لینے میں بہت سے لوگ جماعت سے تکبیر اولیٰ سے رہ جاتے ہیں۔ اُجالے میں پڑھنے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکبیر اولیٰ میں شرکت کر سکتے ہیں۔ دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دراز قرات سے اس لیے منع فرمادیا تھا کہ ان کے مقتدیوں پر بار ہوتی تھی۔ جس چیز سے جماعت گھٹ جاوے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو، وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے۔ اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ لہٰذا اسفار بہتر ہے۔ تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہوگا۔ اُجالے میں آسان۔ چنانچہ حضرت عمر کو جب اندھیرے میں عین نماز کی حالت میں شہید کیا گیا، تو صحابہ کرام نے فجر میں بہت اُجالے کرنے کے اہتمام کیا۔ دیکھو طحاوی شریف، صحیح البہاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے۔ مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر دن کی پہلی نماز۔ مغرب کاروبار بند ہونے کا وقت ہے، فجر کاروبار کھلنے کا وقت، مغرب نیند کا فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے، ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے۔ یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہوگا۔ اتنا ہی فجر جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی، تو جیسے نماز مغرب اوجیالے میں پڑھنا افضل ہے، ایسے ہی نماز فجر اُجالے میں پڑھنا بہتر ہے۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

تاخیر فجر پر اب تک وہابیوں غیر مقلدوں کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہم کو معلوم ہو سکے، وہ ہم تفصیل وار مع جواب عرض کرتے ہیں، اگر بعد میں اور کوئی اعتراض معلوم ہوا تو انشاء اللہ تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر 1

ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَلِیُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْھَا الصَّلٰوۃُ اِذَا اَتَتْ وَ الْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَتْ وَ الْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَھَا کُفُوًا

”کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ۔ نماز جب اس کا وقت آ جاوے۔ جنازہ جب حاضر ہو۔ لڑکی کا نکاح جب اس کے لیے کفو مل جاوے۔“

نیز اسی ترمذی میں سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلٰوۃِ رِضْوَانُ اللّٰہِ وَ الْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُاللّٰہِ

”فرماتے ہیں کہ، فرمایا حضور ﷺ نے کہ نماز کا اول وقت رب کی رضا و خوشنودی ہے اور نماز کا آخر وقت اللہ تعالیٰ کی معافی ہے۔“

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اول وقت پڑھنی چاہیے۔ حنفی لوگ فجر دیر میں پڑھ کر رب تعالیٰ کی رضامندی سے محروم ہیں۔

جواب

اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی نماز عشاء اور گرمیوں کی ظہر میں تاخیر مستحب و بہتر جانتے ہو تم بھی خدا کی خوشنودی سے محروم ہو جو تمہارا جواب ہے، وہ ہی ہمارا۔

دوسرے یہ کہ ان حدیثوں سے اول وقت سے مراد وقت مستحب کا اول مراد ہے، نہ کہ مطلق وقت کا آول یعنی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہو جائے تب دیر نہ لگاؤ۔ نماز فجر میں روشنی ہی اول وقت ہے جیسے نماز عشاء کے لیے تہائی رات اول وقت ہے۔

اعتراض نمبر 2

مسلم و بخاری اور تمام محدثین نے روایت کی کہ حضور ﷺ ہمیشہ نماز فجر غلس یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، لہٰذا حنفیوں کا دیر سے فجر پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

جواب

اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں' ایک یہ کہ غلس کے معنی ہیں اندھیرا خواہ وقت کے اعتبار سے اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا حضور ﷺ نماز فجر روشنی میں ہی پڑھتے تھے۔ مگر مسجد میں اندھیرا ہوتا تھا۔ کیونکہ مسجد نبوی شریف بہت گہری بنی ہوئی تھی۔ چھت میں روشندان وغیرہ نہ تھے' اب بھی اگر مسجد میں روشندان نہ ہوں تو اندر بہت اندھیرا رہے کیونکہ بہت گہری بنی ہوئی ہے۔ صحن دور ہے' اس صورت میں یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہے جو پہلی فصل میں پیش کر چکے دوسرے یہ کہ اگر غلس سے صبح کا اندھیرا ہی مراد ہو تو حضور ﷺ کا فعل شریف ہے۔ اور قول شریف وہ ہے' جو ہم پہلی فصل میں بتا چکے ہیں یعنی حضور نے اندھیرے میں فجر پڑھی مگر ہم کو اوجیالے میں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور جب حدیث قولی و فعلی میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قولی کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ فعلی حدیث میں خصوصیت کا احتمال ہے دیکھو، سرکار نے خود نو بیویاں نکاح میں رکھیں مگر ہم کو چار بیویوں کی اجازت دی۔ ہم حکم پر عمل کر کے صرف چار بیویاں رکھ سکتے ہیں۔ آپ کے فعل پر عمل نہ کریں گے۔ یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیئے کہ۔ قول عمل پر راجح ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ عام صحابہ کرام اُجالے میں فجر پڑھتے تھے۔ حالانکہ انہوں نے حضور کا یہ عمل شریف دیکھا تھا' معلوم ہوا کہ حدیث قولی کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتے تھے۔ دوسری حدیث کو لائق عمل نہ سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر اندھیرے میں ہونا قیاس شرعی کے خلاف ہے' اُجالے میں ہونا قیاس کے مطابق لہٰذا اوجیالے والی حدیث کو ترجیح ہو گی۔ کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے' جو مطابق قیاس ہو۔

دیکھو ایک حدیث میں ہے اَلْوَضُوْءُ مِمَّا مَسَّتَهُ النَّارُ آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو واجب ہوتا ہے' دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے کھانا کھا کر نماز پڑھ لی وضو نہ کیا۔ پہلی حدیث خلاف قیاس ہے۔ دوسری مطابق قیاس ہے لہٰذا دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی۔ پہلی حدیث کی تاویل کی گئی کہ وہاں وضو سے مراد کھانا کھا کر ہاتھ دھونا۔ کلی کرنا ہے' ایسے ہی یہاں تاویل کی جاوے کہ غلس سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے' نہ کہ وقت کا بہرحال ترجیح روشنی کی حدیث کو ہے۔

ہمارا اعلان ہے کہ کوئی وہابی ایسی مرفوع حدیث پیش کرے جس میں فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔ جیسے کہ ہم نے اُجالے میں فجر پڑھنے کی ایک دو نہیں بہت احادیث پیش کر دیں' جن میں اسکا حکم دیا گیا ہے۔

پانچویں یہ کہ اندھیرے کی تمام احادیث بیان جواز کے لیے ہیں اور اُجالے کی تمام احادیث بیان استحباب کے لیے لہٰذا دونوں حدیثیں موافق ہیں' مخالف نہیں' یعنی اندھیرے میں فجر پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر عمل فرمایا اور اُجالے میں فجر پڑھنا مستحب ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر 3

مسلم و بخاری نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّفَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلْسِ

''فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز صبح سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی مسجد سے واپس ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔''

معلوم ہوا کہ نماز فجر اتنی جلدی شروع کرنا سنت ہے کہ جب ساٹھ یا سو آئتیں پڑھ کر نماز سے فارغ ہو، تو کوئی نمازی اندھیرے کی وجہ سے پہچانا نہ جا سکے، حنفی اتنا اُجالے کر کے فجر پڑھتے ہیں کہ شروع نماز کے وقت ہی لوگ پہچانے جاتے ہیں، ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔

جواب

اس کے جوابات اعتراض نمبر۲ کے جواب میں گزر چکے کہ یا تو یہ مسجد کا اندھیرا ہوتا تھا نہ کہ وقت کا، یا اس عمل شریف پر حضور علیہ السلام کے فرمان اور حکم کو ترجیح ہے، وغیرہ یہاں ایک جواب اور بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ شریف میں عورتوں کو جماعت میں حاضری کا حکم تھا اس لحاظ سے نماز فجر جلدی پڑھی جاتی تھی کہ وہ بیویاں پردے سے گھر چلی جاویں، پھر عہد فاروقی میں عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا، تو یہ رعایت بھی ختم ہو گئی، عورتوں کو جماعت سے روکنے کی پوری تحقیق اور اس کی وجہ ہماری کتاب اسلامی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

اعتراض نمبر 4

ترمذی شریف نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ

''فرماتی ہیں ہے حضور انور ﷺ نے دو دفعہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہ پڑھی۔ یہاں تک کہ رب نے آپ کو وفات دی''

اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازیں خصوصاً نماز فجر اول وقت پڑھنا حضور علیہ السلام کی دائمی سنت ہے، یہ حکم منسوخ نہ ہوا، حضور علیہ السلام نے آخر حیات شریف تک اس پر عمل کیا افسوس کہ حنفی اسی دائمی سنت سے محروم ہیں، جو حضور علیہ السلام نے ہمیشہ کی۔

جواب

اس اعتراض کے چند جواب ہیں:۔ ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح بھی نہیں، اور اس کی اسناد متصل بھی نہیں۔ کیونکہ اس حدیث کو اسحاق ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضر عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا اور اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کبھی ملاقات نہ کی، لہٰذا درمیان میں راوی رہ گیا ہے اس لیے امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ فرمایا۔

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَ لَيْسَ اَسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ اسی حاشیہ میں ہے لِاَنَّهٗ لَمْ يَثْبُتْ مُلَاقَاةُ اِسْحٰقَ مَعَ عَائِشَةَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

''ابو عیسیٰ نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اسکی اسناد متصل نہیں۔ کیونکہ اسحاق کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہ ہوئی۔''

لہٰذا یہ حدیث قابل عمل نہیں افسوس ہے کہ وہابی ہم سے تو بالکل صحیح اور ٹکسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود ایسی ضعیف اور نا قابل عمل حدیثیں پیش کر دینے میں تامل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بہت سی احادیث کے خلاف ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے بہت دفعہ نمازیں آخر وقت میں پڑھیں ہیں۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام نماز کے اوقات عرض کرنے آئے تو انہوں نے دو دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نمازیں پڑھائیں۔ پہلے دن نماز اول وقت میں، دوسرے دن آخر وقت میں ایک دفعہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے نماز کے اوقات پوچھے تو آپ نے دو دن اپنے پاس ٹھہرایا، ایک دن نمازیں اول وقت میں پڑھائیں دوسرے دن آخر وقت۔ تعریس کی رات میں حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز قضا پڑھی، غزوہ خندق میں حضور علیہ السلام نے کئی نمازیں قضا کر کے پڑھیں۔ عام طور پر سفر میں حضور علیہ السلام نماز ظہر آخر وقت اور نماز عصر اول وقت میں پڑھتے تھے، ایسے ہی مغرب آخر وقت عشاء اول وقت پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر کے لیے بالکل آخر وقت تشریف لائے اور بہت جلد فجر پڑھائی۔ بعد میں فرمایا کہ آج ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے کہ رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ اقدس پر رکھا۔

(مشکوٰۃ باب المساجد)

غرض یہ کہ حضور علیہ السلام نے بارہا نمازیں آخر وقت میں پڑھیں، اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کوئی نماز آخری وقت میں دوبار بھی نہ پڑھی۔ لہٰذا یہ روایت ناقابل عمل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، پھر تم نماز عشاء آخر وقت یعنی تہائی رات گئے پڑھنا مستحب کیوں کہتے ہو اور گرمیوں میں ظہر آخر وقت میں مستحب کیوں بتاتے ہو۔ جو جواب تمہارا ہے وہ ہی جواب ہمارا۔

اعتراض نمبر 5

تم نے جو حدیث پیش کی تھی، کہ فجر کو اوجیالے میں پڑھو۔ اس میں اُجالے سے مراد صبح صادق کی وہ روشنی ہے جس سے وقت فجر آجانا یقینی ہو جاوے۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر شک کی حالت میں نہ پڑھو بلکہ جب یقین ہو جاوے کہ وقت ہو گیا، تب پڑھو، وہاں اسفاق سے وہ روشنی مراد نہیں جو حنفیوں نے سمجھی، یعنی خوب اوجیالا بہت سے محدثین نے اس کا یہ مطلب بیان کیا۔

جواب

ہر گز نہیں کیونکہ اتنا اوجیالا کرنا تو فرض ہے، شک کی حالت میں نماز فجر پڑھنا جائز ہی نہیں اور یہاں فرمایا گیا کہ اس اُجالے کا ثواب زیادہ ہے یعنی یہ اُجالا مستحب ہے نہ کہ فرض لہٰذا اس اُجالے سے مراد وہ ہی روشنی صبح ہے۔ جس میں فجر پڑھنا مستحب ہے اور جو ہم نے معنے کئے وہ ہی درست ہیں حدیث سمجھنے کے لیے تفقہ ضروری ہے۔

باب نمبر 19

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

وقت ظہر سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے نصف النہار کے سایہ کے علاوہ دوگنا ہو جاوے، سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ دیر سے پڑھنا، کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہے، کچھ ٹھنڈک ہو جاوے سنت ہے مگر غیر مقلد وہابی نماز ظہر چلچلاتی دوپہر ہی میں پڑھ لیتے ہیں، اور ایک مثل سایہ کے بعد عصر پڑھ لیتے ہیں، طرح طرح حنفیوں کو بہکاتے

ہیں کہ تمہارا مذہب حدیث کے خلاف ہے اس لیے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات، حنفیوں کو چاہیئے کہ اپنے دلائل اور وہابیوں کے جوابات یاد رکھیں۔

فصل نمبر 1

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

سردیوں میں چونکہ دوپہر ٹھنڈی ہوتی ہے لہٰذا اس زمانہ میں سورج ڈھلتے ہی ظہر پڑھنی سنت ہے، لیکن گرمیوں میں دیر سے پڑھنی سنت جبکہ ٹھنڈی ہو جاوے اور دوپہر کا جوش کم ہو جاوے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۵...... بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

"فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے"

حدیث نمبر ۶ تا ۱۰...... ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم بخاری، نسائی، بیہقی نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَاَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ وَ اشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَ نَفَسٍ فِي الصَّيْفِ۔ الخ

"فرمایا نبی ﷺ نے گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے، لہٰذا ظہر ٹھنڈی کرو آگ نے رب کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کی۔ کہ مولا میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا تو رب نے اسکے دو سانسوں کی اجازت دی ایک سانس سردی میں ایک سانس گرمی میں۔"

حدیث نمبر ۱۱...... نسائی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ وَ اِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ

"فرماتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی تھی تو حضور ﷺ ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تھی تو جلد پڑھ لیتے تھے"۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ظہر جلد پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۱۲ تا ۱۹...... بخاری، ابوداؤد، ابی شیبہ، ترمذی، ابوداؤد طیالسی، طحاوی، ابوعوانہ، بیہقی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَاَرَادَ الْمُؤَذِّنُ اَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ اَبْرِدْ حَتّٰى رَاَيْنَا فَيْئَ التُّلُوْلِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْهَا بِالصَّلٰوةِ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

”فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور انور ﷺ کے ساتھ تھے، مؤذن نے ظہر کی اذان دینی چاہی' تو حضور ﷺ نے فرمایا، ٹھنڈا کرو' پھر انہوں نے اذان کا قصد کیا تو فرمایا ٹھنڈا کرو، یہاں تک کے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا تو فرمایا نبی ﷺ نے کہ گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے۔ پس جب گرمی تیز ہو تو نماز ٹھنڈی کیا کرو' ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن وصحیح ہے۔“

حدیث نمبر ۲۰...... طحاوی شریف نے حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی

اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَجِّلُهَا فِي الشِّتَاءِ وَيُؤَخِّرُهَا فِي الصَّيْفِ

”انہوں نے دیکھا نبی ﷺ کو ظہر کی نماز سردیوں میں جلدی پڑھتے تھے اور گرمیوں میں دیر سے پڑھتے تھے۔“

اس کے متعلق اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں' مگر اختصاراً انہی بیس حدیثوں پر اکتفا کرتا ہوں' اگر تفصیل دیکھنی ہے تو صحیح البہاری' طحاوی وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ۔ خیال رہے کہ نماز جمعہ کا وقت بھی ظہر کی طرح ہے۔ کہ گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے پڑھی جاوے بعض لوگ سخت گرمی میں بھی جمعہ کی نماز بالکل اول وقت میں پڑھ لیتے ہیں یہ خلاف سنت ہے غیر مقلد وہابی تو زوال سے پہلے بھی نماز جمعہ پڑھ لینے سے گریز نہیں کرتے۔ بخاری شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ

”فرماتے ہیں کہ جب سخت ٹھنڈک ہوتی تو حضور ﷺ نماز جلد پڑھتے تھے۔ اور جب گرمی تیز ہوتی تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے یعنی نماز جمعہ“

غرضیکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی طرح سردیوں میں جلد اور گرمیوں میں کچھ دیر کر کے گرمی کی تیزی ٹوٹ جانے پر پڑھنی چاہیئے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہی ہے کہ نماز ظہر گرمیوں میں ٹھنڈی کر کے پڑھنا چاہیئے۔ کہ تیز گرمی میں ظہر پڑھنا مسلمانوں کے لیے تکلیف کا باعث ہے' اس سے جماعت گھٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ گرمیوں میں عام کاروباری لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ یعنی دوپہر میں آرام کرتے ہیں اور دوپہر کی تپش گھر میں گذارنا چاہتے ہیں اگر اس حالت میں نماز ظہر پڑھی جاوے تو وہ لوگ سنت قیلولہ سے بھی محروم رہیں گے اور ان پر اس وقت مسجد کی حاضری گراں بھی پڑے گی ایسے موقعہ پر شریعت مطہرہ آسانی کر دیتی ہے۔

نتیجہ

مذکورہ بالا احادیث شریفہ اور دلیل عقل سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل سایہ سے شروع ہوتا ہے‘ اس کی چند دلیلیں ہیں۔

ایک یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ تمام جگہ خصوصاً ملک عرب میں ایک مثل سایہ کے بعد دوپہر کی تپش ٹوٹتی ہے ایک مثل تک سخت بھڑک رہتی ہے اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے تو یہ احادیث غلط ہوں گی۔

دوسرے یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے اس وقت نماز ظہر پڑھی۔ جب ٹیلوں کا سایہ نمودار ہو گیا۔ ایک مثل سایہ کے وقت ٹیلے کا سایہ نمودار نہیں ہوتا کیونکہ پھیلاوے کی وجہ سے اس کا سایہ ایک مثل کے بعد ظاہر ہو سکتا ہے اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے تو یہ حدیث بھی غلط ہو گی۔

تیسرے یہ کہ نماز عصر کا وقت ہمیشہ ظہر کے وقت سے کم ہونا چاہیئے۔ اگر ایک مثل پر وقت عصر ہو جایا کرے تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی ظہر سے بڑھ جاوے گا۔ یہ قانون شرعی کے خلاف ہے کیونکہ بخاری شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مرفوع نقل فرمائی کہ حضور انور ﷺ نے اپنی امت کی مثال یہود و نصاریٰ کے مقابل اس طرح دی کہ کوئی شخص کسی مزدور کو صبح سے دوپہر تک ایک قیراط پر رکھے‘ دوسرے کو دوپہر سے نماز عصر تک ایک قیراط پر رکھے‘ تیسرے کو نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک دو قیراط اجرت پر رکھے‘ پہلے مزدور یہود ہیں دوسرے مزدور نصاریٰ اور تیسرے مزدور مسلمان کہ ان کے عمل کا وقت تھوڑا‘ مزدوری دگنی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

اَلَا فَاَنْتُمُ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ اِلَّا لَكُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ

''خبردار ہو کہ تم ہی وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے سورج ڈوبے تک کام کرتے ہو تمہاری مزدوری دگنی ہے۔''

اگر عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی اس سے زیادہ ہوتا اس صورت میں مسلمانوں کی یہ مثال بیان نہ فرمائی جاتی لہٰذا نماز عصر کے وقت ظہر سے کم ہونا چاہیئے یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب وہ دو مثل سایہ سے شروع ہو‘ اگر ایک مثل پر عصر شروع ہو جاوے‘ تو بخاری شریف کی یہ حدیث بھی غلط ہو جاتی ہے‘ اس لیے ماننا پڑے گا کہ عصر دو مثل پر شروع ہو جاتی ہے۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

اس مسئلہ پر غیر مقلد وہابیوں کے بعض اعتراضات تو وہ ہیں جن کے جوابات ہم پہلے باب میں دے چکے ہیں جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے یا جیسے تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ‘ نماز‘ توبہ اور لڑکی کا نکاح بعض اعتراضات ان کے علاوہ ہیں، ہم

وہ اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر 1

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث روایت کی جس میں ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے دو دن نماز پڑھائی ایک دن ہر نماز اول وقت میں پڑھی دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْئٍ مِثْلَهٗ

''حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے پہلے دن عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ پر شروع ہو جاتا ہے اور ظہر کا وقت اس سے پہلے نکل جاتا ہے۔

جواب

اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اسی حدیث میں اسی جگہ یہ بھی ہے۔

فَمَا كَانَ الْغَدُ صَلّٰی بِیَ الظُّهْرَ حِیْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَهٗ

''جب دوسرا دن ہوا تو مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے نماز ظہر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو گیا۔''

فرمائیے پہلے دن ایک سایہ پر نماز عصر پڑھی اور دوسرے دن خاص اس ہی وقت نماز ظہر پڑھائی حالانکہ وقت عصر، ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے، اگر ایک مثل سایہ پر وقت عصر داخل ہو جاتا تو دوسرے دن اسی وقت نماز ظہر کیوں پڑھائی گئی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اسی جگہ یہ الفاظ ہیں۔

وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَیْهِ

''اور دوسرے دن مجھے نماز عصر جب پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر کا آخری وقت دو مثل سایہ ہے۔ حالانکہ آخری وقت سورج کا غروب ہے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث میں اول دن کی نماز عصر میں صرف ایک مثل سایہ کا ذکر ہے اور دوسرے دن کے آخر میں عصر میں دو مثل سایہ کا ذکر ہے اصل سایہ کا جو دوپہر کے وقت ہوتا ہے بالکل ذکر نہیں حالانکہ تم بھی کہتے ہو کہ ایک مثل یا دو مثل اصل سایہ کے علاوہ ہونا چاہیئے تو جو تمہارا جواب ہے وہ ہمارا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مثل سایہ پر نماز عصر پڑھا دی گئی اور جو حدیثیں ہم پہلے فصل میں پیش کر چکے ہیں ان میں ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے اور ٹیلے کا سایہ پڑ جانے پر ادا فرمائی جو ایک مثل کے بعد ہوتا ہے تو حدیثیں آپس میں متعارض ہوئیں۔ لہٰذا ہماری پیش کردہ حدیثوں کو ترجیح ہو گئی۔ کیونکہ وہ قیاس شرعی کے مطابق ہیں اور یہ حدیث قابل عمل نہیں، کیونکہ قیاس شرعی کے خلاف ہے، تعارض کے وقت حدیث کو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا یہ عمل پہلے واقع ہوا کیونکہ شب معراج کو صبح کو ہوا جب کہ نماز فرض ہی ہوئی تھی اور حضور علیہ السلام کا عمل

جوہم ثابت کر چکے ہیں، یعنی ٹھنڈک میں نماز پڑھنے کا عمل ہے لہٰذا تمہاری پیش کردہ حدیث منسوخ ہے، ہماری پیش کردہ احادیث اس کی ناسخ' اس لیے یہ یہ حدیث قابل عمل نہیں۔

چھٹے یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ یقینی چیز شک سے زائل نہیں ہوسکتی یقین کو یقین ہی دفع کر سکتا ہے، اس قاعدہ پر صدہا مسائل نکالے گئے ہیں 'سورج ڈھلنے سے وقت ظہر یقیناً آ گیا اور ایک مثل سایہ پر اس وقت کا نکلنا مشکوک ہے' تو اس شک سے وقت ظہر نہ نکلے گا اور وقت عصر داخل نہ ہوگا۔ دو مثل پر ظہر کا نکل جانا یقینی ہے لہٰذا یہ ہی حکم قابل عمل ہے نہ کہ تمہارا قول۔

اِعتَراض نمبر 2

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ظہر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ فرش بہت گرم ہوتا تھا۔ ہم اس پر سجدہ نہ کر سکتے تھے۔ اسی لیے سجدہ کی جگہ کپڑا یا ٹھنڈی بجری رکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر گرمیوں میں بھی اول وقت پڑھنی چاہیئے۔

جوَاب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جن میں گرمیوں میں ظہر کی تاخیر کرنے ٹھنڈی کرنے کا حکم ہے اور وہ حدیثیں قیاس شرعی کے مطابق لہٰذا وہ ہی قابل عمل ہیں یہ حدیث نا قابل عمل یا منسوخ ہے۔

دوسرے یہ کہ فرش کی گرمی خصوصاً ملک عرب میں بہت دیر تک یعنی ایک مثل سایہ کے بعد تک رہتی ہے، یہ گرمی پہلے کی ہوتی تھی۔ وقت ٹھنڈا ہو چکتا تھا لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے بالکل خلاف نہیں جن میں ٹھنڈک کا حکم ہے' جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کی جاوے۔

اِعتَراض نمبر 3

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور رضی اللہ عنہ کے ساتھ عصر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ بعد نماز عصر اونٹ ذبح کر کے بوٹیاں بنا کر بھون کر آفتاب ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ نماز عصر کے بعد تین میل مسافت طے کر کے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے اور ابھی سورج چمکتا ہوتا تھا۔ جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے پڑھی جاتی تھی۔ کیونکہ دو مثل کے بعد اتنا وقت نہیں بچتا کہ یہ کام کیۓ جاویں۔ (عام وہابی)

جوَاب

یہ تمام حدیثیں درست ہیں مگر آپ کا یہ مذکورہ نتیجہ نکالنا غلط' دو مثل کے بعد عصر پڑھ کر تین میل کا فاصلہ بخوبی طے ہوسکتا ہے اہل عرب بہت تیز رفتار ہیں ہمارے ہاں بھی بعض لوگ دس منٹ میں ایک میل چل لیتے ہیں' تین میل آدھ گھنٹے میں چلے جاتے ہیں۔ عصر کا وقت بعض زمانہ میں دو گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی اونٹ کا ذبح کر لینا اور بھون کر کھا لینا غروب آفتاب سے پہلے ہوسکتا ہے' اہل عرب ذبح اور گوشت صاف کرنے پکانے میں بہت ہی پھرتیلے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ ہے۔

اِعتَراض نمبر 4

مسلم بخاری میں حضرت سہل ابن سعد سے روایت ہے۔

قَالَ مَا كُنَّا نَقِيلُ وَ لَا نَتَغَدّٰى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ

''ہم صحابہ رضی اللہ عنہ نہ قیلولہ کرتے تھے، نہ ناشتہ کرتے تھے مگر جمعہ کے بعد''

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سخت گرمی میں بھی بہت جلد پڑھنی چاہیئے کہ دوپہر کا آرام بلکہ صبح کا ناشتہ بھی بعد نماز کیا جاوے، پھر تم کیسے کہتے ہو کہ گرمیوں میں جمعہ ٹھنڈا کر کے پڑھو۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں‘ ایک یہ کہ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے‘ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ نماز جمعہ ناشتہ اور قیلولہ یعنی دوپہر کے آرام سے پہلے پڑھی جاوے تو چاہیئے کہ فجر کے فوراً بعد جمعہ پڑھ لیا جاوے کیونکہ ناشتہ تو بالکل سویرے ہوتا ہے‘ تم بھی اتنی جلدی جمعہ پڑھ لینے کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ کے دن جمعہ کی تیاری کی وجہ سے نماز سے پہلے نہ ناشتہ کرتے تھے نہ دوپہر کا آرام بعد نماز یہ سب کچھ کرتے تھے‘ یعنی نماز کی وجہ سے ناشتہ اور آرام پیچھے کر دیتے تھے‘ نہ کہ ناشتہ اور آرام کی وجہ سے جمعہ پہلے پڑھ لیتے تھے جیسا کہ تم سمجھے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث میں سردیوں کے جمعہ کا ذکر ہے اس زمانہ میں دن چھوٹا ہوتا ہے اور دوپہر میں گرمی نہیں ہوتی‘ اس لیے سورج ڈھلتے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے‘ دوپہر کا کھانا اور آرام بعد جمعہ کرتے تھے‘ اب بھی مدینہ والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ نُزُوْلِ الشَّمْسِ

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔''

لہٰذا اس مذکورہ حدیث کے معنی یہ نہیں کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے پڑھ لی جاتی تھی چونکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی نائب ہے لہٰذا ظہر کے وقت میں ہی ادا ہوگی اور گرمیوں میں ٹھنڈی کر کے سردیوں میں سورج ڈھلتے ہی پڑھی جاوے گی ظہر کی طرح اب احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

باب نمبر 20

اذان و تکبیر کے الفاظ

شریعت میں اذان و اقامت کے (تکبیر) الفاظ اور احکام تقریبا یکساں ہیں۔ جو الفاظ اذان کے ہیں وہ ہی تکبیر کے صرف حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ دو بار زیادہ ہے۔ ترجیع نہ اذان میں ہے‘ نہ اقامت میں اذان کے کل پندرہ کلمے ہیں اور اقامت کے سترہ کلمے جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کی اذان سے علیحدہ ہے اور اقامت بھی اس اقامت کے سوا ہے وہ اذان کی دونوں شہادتوں کو دو دو بار کے بجائے چار چار بار کہتے ہیں‘ اولاً دو بار آہستہ پھر بلند آواز سے اسے ترجیع کہتے ہیں یعنی پہلے اَشْهَدُ اَنْ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ آہستہ کہتے ہیں پھر چیخ کر ایسے ہی اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو اس حساب سے ان کے نزدیک اذان کے کلمات پندرہ کے بجائے انیس ہیں اور اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک بار کہتے ہیں اس طرح کہ دونوں شہادتیں اور حی علی الصلوۃ اور حی الفلاح ایک ایک بار ان کے نزدیک اقامت کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ اسلامی اذان واقامت وہ ہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے لعن طعن کرتے ہیں اور اس ذات کریم کو گالیاں دیتے ہیں' پہلی فصل میں اس مروجہ اسلامی اذان کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات اللہ رسول قبول فرماوے۔

فصل نمبر 1

موجودہ اذان واقامت کا ثبوت

حق یہ ہے کہ اذان اقامت کے کلمات دو دو ہیں نہ اذان میں ترجیع ہے نہ اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک پہلی تکبیر چار بار آخر میں کلمہ لا الہ الا اللہ ایک بار باقی تمام الفاظ دو دو دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۶...... ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان بیہقی' دارقطنی نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ قَالَ كَانَ الْاَذَانُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَالْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرِ اَنَّهٗ يَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ الخ

''وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور تکبیر ایک ایک بار اس کے سواء کے تکبیر میں قد قامت الصلوٰۃ بھی کہتے تھے۔

اس حدیث کے متعلق ابن جوزی جیسے ناقد فرماتے ہیں۔

هٰذَا اَسْنَادٌ صَحِيْحٌ سَعِيْدُ الْمُقْبَرِيّ وَ ثَقَّهٗ اِبْنُ حَبَّانٍ وَغَيْرُهٗ (بہاری)

''یہ اسناد صحیح ہیں۔ سعید المقبر کی ابن حبان نے توثیق کی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں ترجیع نہیں ورنہ اذان کے کلمات دو دو نہ ہوتے شہادتیں چار چار بار ہوتیں اقامت کے ایک بار ہونے کا جواب دوسری فصل میں عرض کیا جاوے گا۔

حدیث نمبر ۷...... طبرانی نے معجم اوسط میں ابومحذورہ موذن رسول اللہ ﷺ کے پوتہ حضرت ابراہیم ابن اسماعیل ابن عبدالمالک ابن ابی محذورہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ جَدِّىْ عَبْدَالْمَلِكِ ابْنَ اَبِىْ مَحْذُوْرَةَ يَقُوْلُ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُ اَبَا مَحْذُوْرَةَ يَقُوْلُ اَلْقٰى عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَذَانَ حَرْفًا حَرْفًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اِلٰى اٰخِرِهٖ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيْهِ تَرْجِيْعًا

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا عبدالملک ابن ابی محذورہ کو فرماتے سنا کہ انہوں نے اپنے والد ابومحذورہ کو فرماتے سنا کہ حضور انور

ﷺ نے مجھے اذان کا ایک ایک لفظ بتایا، اللہ اکبر اللہ اکبر آخر تک اس میں ترجیع کا ذکر نہ فرمایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان میں ترجیع کا حکم حضور نے نہ دیا لہٰذا ترجیع سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۸، ۹......ابن ابی شیبہ ترمذی نے حضرت ابن ابی لیلیٰ تابعی سے کچھ اختلاف الفاظ سے روایت کی

قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ زَيْدِنِ الْاَنْصَارِيْ مُؤَذِّنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ الْاَذٰنَ الخ

”فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن زید انصاری حضور ﷺ کے مؤذن اذان اور تکبیر دو دو بار کہتے تھے۔“

اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ اذان میں ترجیع نہیں دوسرے یہ کہ اقامت یعنی تکبیر کے کلمات دو دو بار کہے جاویں، نہ کہ ایک ایک بار۔

حدیث نمبر ۱۰......بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ الْاَذَانُ مَثْنٰى مَثْنٰى وَالْاَقَامَةُ مَثْنٰى مَثْنٰى وَ مَرَّ بِرَجُلٍ يُقِيْمُ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ اجْعَلْهَا مَثْنٰى مَثْنٰى لَا اُمَّ لَكَ

”آپ فرماتے تھے، کہ اذان بھی دو دو بار ہے تکبیر بھی دو دو بار اور آپ (حضرت علی ؓ) ایک شخص پر گزرے جو اقامت ایک ایک بار کہہ رہا تھا تو آپ نے فرمایا اسے دو دو بار کر تیری ماں نہ رہے۔“

حدیث نمبر ۱۱......ابوداؤد شریف نے حضرت معاذ ابن جبل ؓ سے ایک طویل حدیث بیان فرمائی جس میں عبداللہ ابن زید انصاری کے خواب کا واقعہ مذکور ہے، جو انہوں نے اذان کے متعلق دیکھی تھی، انہوں نے حضور کی خدمت میں آ کر عرض کیا، کہ میں نے فرشتے کو خواب میں دیکھا، جس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الخ کہا پر کچھ ٹھہر کر اذان کی طرح تکبیر بھی کہی الخ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنْهَا بِلَالًا فَاَذَّنَ بِهَا

”راوی کہتے ہیں کہ حضور نے عبداللہ سے فرمایا کہ یہ اذان حضرت بلال پر تلقین کرو پس حضرت بلال نے اذان انہی کلمات سے دی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ تو خواب والے فرشتے نے اذان میں ترجیع کی تعلیم دی نہ اسلام کی پہلی اذان میں ترجیع تھی۔ جو حضرت بلال نے حضور ﷺ کی موجودگی میں عبداللہ ابن زید ؓ کی تعلیم سے کہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اقامت بھی اذان کی طرح دو دو بار ہے۔ لیکن اس میں قد قامت الصلوٰۃ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲، ۱۳......ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی۔

قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَسَلَّمَ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ زَيْدِ الْاَنْصَارِيْ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَاَنَّ رَجُلًا قَامَ وَ عَلَيْهِ بُرْدَانِ

اَخْضَرَ انِ فَقَامَ عَلٰی حَائِطٍ فَاَذَّنَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَ اَقَامَ مَثْنٰی مَثْنٰی

''فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور ﷺ کے بہت صحابہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ عبداللہ ابن زید انصاری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا، جیسے ایک مرد کھڑا ہوا اس پر دو سبز کپڑے ہیں۔ پس وہ دیوار پر کھڑا ہوا اور اذان بھی دو دو بار دی تکبیر بھی دو دو بار کہی۔''

خیال رہے کہ اذان کی تعلیم رب تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو خواب میں فرشتہ کے ذریعہ دی اس خواب میں نہ تو اذان میں ترجیع ہے، نہ اقامت ایک ایک بار معلوم ہوا کہ حنفی اذان و تکبیر وہ ہے جس کی رب نے تعلیم دی۔

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۶...... دارقطنی، عبدالرزاق، اور طحاوی شریف نے حضرت اسود ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ بِلَالًا کَانَ یُثَنِّی الْاَذَانَ وَ یُثَنِّی الْاِقَامَۃَ وَ کَانَ یَبْدَاءُ بِالتَّکْبِیْرِ وَ یَخْتِمُ بِالتَّکْبِیْرِ

''بے شک حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان بھی دو دو بار کہتے تھے، اور اقامت بھی دو دو بار ان دونوں کو تکبیر سے ہی شروع کرتے تھے تکبیر پر ہی ختم کرتے تھے۔''

حدیث نمبر ۱۷...... طبرانی نے اپنی کتاب مسند الشامین میں حضرت جناوہ ابن ابی امیہ سے روایت کی۔

عَنْ بِلَالٍ اَنَّہٗ کَانَ یَجْعَلُ الْاَذَانَ وَ الْاِقَامَۃَ سَوَاءً مَثْنٰی مَثْنٰی

''وہ حضرت بلال سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اذان و اقامت دونوں برابر کہتے تھے یعنی دو دو بار۔''

حدیث نمبر ۱۸...... دارقطنی نے حضرت ابو جحیفہ سے روایت کی۔

اَنَّ بِلَالًا کَانَ یُؤَذِّنُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَ یُقِیْمُ مَثْنٰی مَثْنٰی

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور انور ﷺ کے سامنے اذان دو دو بار کہتے تھے اور اقامت دو دو بار۔''

حدیث نمبر ۱۹...... طحاوی شریف نے حضرت حماد ابن ابراہیم سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ ثَوْبَانُ یُؤَذِّنُ مَثْنٰی مَثْنٰی

حضرت ثوبان اذان دو دو بار کہتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۰...... طحاوی نے حضرت عبید مولیٰ سلمہ ابن اکوع سے روایت کی:

اَنَّ سَلَمَۃَ ابْنَ الْاَکْوَعِ کَانَ یُثَنِّی الْاَذَانَ وَ الْاِقَامَۃَ

''حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان و اقامت دو دو بار کہتے تھے۔''

ہم نے یہ بیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح البہاری، طحاوی شریف وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ۔ ان احادیث سے حسب ذیل چیزیں معلوم ہوئیں۔

(۱) عبداللہ ابن زید ابن عبداللہ ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی خواب جو اسلامی اذان کی اصل ہے اسمیں نہ تو ترجیع کا ذکر ہے نہ اقامت ایک ایک

بار کا' بلکہ وہ ہی اذان وتکبیر مذکور ہے جو عام طور پر رائج ہے۔

(۲) فرشتے نے جو اذان کی تعلیم دی اس میں ترجیع بھی نہیں اور اقامت ایک ایک بار بھی نہیں' وہ ہی ہماری اذان ہے۔

(۳) حضور علیہ السلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ وغیرہم ہمیشہ وہ ہی اذان واقامت دیتے تھے جو عام مسلمانوں میں مروج ہے' یعنی حنفی اذان واقامت۔

(۴) جلیل القدر صحابہ وتابعین جیسے حضرت علی' عبداللہ ابن عمر، سلمہ ابن اکوع، عبداللہ ابن زید، ابراہیم نخعی، حضرت عبید' ابوحنیفہ وغیرہ ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ہی اذان کہتے اور کہلواتے تھے' جو مروجہ ہے ترجیع یا اقامت ایک ایک بار کے قائل نہ تھے۔

(۵) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک ایک اقامت کہنے والے پر ناراض ہوتے تھے دو دو بار کہلواتے تھے' اگر ترجیع یا اقامت ایک ایک بار سنت ہوتی' تو یہ حضرت جو مزاج شناسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، سنت کے متبع' بدعت سے متنفر تھے انہوں نے اس کو کیوں ترک کیا' اور کرنے والوں کو کیوں روکا اور اس پر کیوں ملامت کی۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اذان کی شہادتوں میں ترجیع نہ ہو' کیونکہ اذان میں اصل چیز صلوٰۃ اور فلاح ہے کہ اذان نماز ہی کہ ارکان ودعوت کے لیے ہے' باقی کلمات تکبیر وشہادت وغیرہ برکت یا تمہید یا نماز کی ترغیب کے لیے ہے۔ جب صلوٰۃ اور فلاح میں تکرار اور ترجیع نہیں جو اصل اذان ہے تو ان کلمات میں بھی ترجیع نہ ہونی چاہیئے جو اس کے تابع ہیں۔

دوسرے یہ کہ اذان کا مقصد ہے نماز کی عام اطلاع اس لیے اذان بلند مقام پر اونچی آواز سے کہنی چاہیئے' کانوں میں انگلیاں لگائی جاویں تاکہ آواز خوب اونچی نکلے اب ان دونوں شہادتوں کو اولاً آہستہ آہستہ کہنا مقصد اذان کے بالکل خلاف ہے۔ اسکا ہر کلمہ بلند آواز سے چاہیئے دیکھو اذان کے اول میں تکبیر چار دفعہ کہی جاتی ہے۔ مگر چاروں بار خوب اونچی آواز سے اگر شہادتیں بھی چار دفعہ ہوتیں تو چاروں بار اونچی آواز سے ہوتیں۔

تیسرے یہ کہ اقامت اذان ہی کی طرح ہے حتیٰ کہ اسے بعض احادیث اذان میں فرمایا گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا بَیْنَ کُلِّ اَذَانَیْنِ صَلوٰۃٌ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی اذان واقامت کے درمیان فرق صرف قد قامت الصلوٰۃ کا ہے کہ اَقامت میں ہے اذان میں نہیں' تو چاہیئے کہ اقامۃ کے الفاظ بھی اذان کی طرح دو دو بار ہوں۔ چوتھے یہ کہ اذان میں بعض الفاظ مکرر آئے ہیں کہ اول میں بھی آخر میں بھی جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں کہ صرف ایک جگہ آئے جیسے صلوٰۃ' فلاح جو الفاظ مکرر ہیں وہ پہلی بار دوگنے ہیں دوسری بار اس کے نصف تکبیر پہلی چار چار دفعہ ہے اور پچھلی بار دو دفعہ' شہادت توحید پہلی بار دو دفعہ تو آخر بار ایک دفعہ' تو چاہیئے کہ تکبیر میں بھی ایسا ہی ہو لہٰذا حنفی اذان واقامت جو آج عام مسلمانوں پر رائج ہے۔ بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہے۔ اسپر طعن کرنا جہالت وحماقت ہے۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

حنفی اذان واقامت پر غیر مقلد وہابی اب تک جو اعتراضات کر سکتے ہیں اور جن کی اطلاع ہم کو پہنچی ہے وہ تمام مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ اگر آئندہ اور نئے اعتراضات ہمارے علم میں آئے تو انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں ان کے جوابات بھی عرض کر دیئے جائیں گے۔

اعتراض نمبر 1

مسلم شریف نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوری اذان کی حدیث نقل کی' کہ حضور ﷺ نے انہیں بنفس نفیس اذان کی تلقین فرمائی' اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

''دونوں شہادتوں کے بعد پھر بولو اور کہو اشهد ان لا اله الا الله الخ''

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور ﷺ نے حضرت ابومحذورہ کو اذان کی شہادتین میں ترجیع سکھائی' لہٰذا اذان میں ترجیع سنت ہے۔

جواب

اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سخت متعارض ہیں، اس حدیث میں تو وہ ترجیع کا ذکر فرماتے ہین اور ان ہی کی جو روایت ہم پہلی فصل میں بحوالہ طبرانی پیش کر چکے ہیں اس میں ترجیع کا ذکر بالکل نہیں' طحاوی شریف نے انہی ابی محذورہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث نقل کی اس میں اول اذان میں بجائے چار کے دو بار تکبیر کا ذکر ہے۔ لہٰذا ابومحذورہ کی روایت تعارض کی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔ جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی یہ ترجیع والی حدیث تمام ان مشہور حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں' جن میں ترجیع کا ذکر نہیں لہٰذا وہ احادیث مشہورہ قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث واحد۔

تیسرے یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں انہوں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اور بعد میں کبھی اذان میں ترجیع نہ فرمائی لہٰذا ان کا عمل زیادہ قابل قبول ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو عام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ترک کر دیا۔ ان کا عمل ترجیع پر نہ تھا بلکہ ترجیع کے خلاف تھا لہٰذا وہ ہی زیادہ قوی ہے۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث ابومحذورہ رضی اللہ عنہ قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے اور ہماری پیش کردہ قیاس کے مطابق لہٰذا وہ احادیث قابل عمل ہیں

نہ کہ یہ حدیث جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

چھٹے وہ جواب ہے جو عنایہ شرح ہدایہ نے دیا کہ سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو زمانہ کفر میں توحید و رسالت سے سخت نفرت تھی اور حضور علیہ السلام کی بہت مخالفت، جب یہ اسلام لائے اور حضور علیہ السلام نے انہیں اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے شرم کی وجہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلَ اللّٰهِ آہستہ آہستہ کہا۔ بلند آواز سے نہ کہا' تو حضور علیہ السلام نے انہیں دوبار بلند آواز سے یہ کلمات ادا کرنے کا حکم دیا یہ دوبارہ کہلوانا اس وقت تھا۔ تعلیم کے لیے اور شرم دور کرنے کے لیے لہٰذا یہ حکم عارضی ہے۔ جیسے کوئی شخص آہستہ آہستہ اذان کہدے تو دوبارہ بلند آواز سے کہلوائی جاتی ہے۔ اس صورت میں ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہماری پہلی فصل کے حدیثوں کے خلاف نہیں۔

ساتویں وہ جواب ہے جو فتح القدیر نے دیا کہ حضرت ابو محذورہ نے دونوں شہادتیں بغیر مد کے کہدی تھیں۔ اس لیے دوبار مد کے ساتھ کہلوائیں۔ بہر حال یہ ترجیع ایک خصوصی واقعہ تھا نہ کہ سنت اسلام۔

اعتراض نمبر 2

ابوداؤد' نسائی اور دارمی نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَ الْاِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً

”بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان ۱۹ کلمے اور تکبیر ۱۷ کلمے سکھائے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمے انیس ہیں، یہ ترجیع سے ہی بنتے ہیں اگر اذان میں ترجیع نہ ہو تو کل پندرہ کلمے ہیں۔ لہٰذا ترجیع اذان میں چاہیے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس حدیث سے اذان کی ترجیع ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت کے کلمات دو دو بار ہیں اگر تمہاری طرح ایک ایک بار کلمات ہوتے تو اس کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہوتے' کیا آدھی حدیث پر ایمان لاتے ہو اور آدھی کے انکاری ہو۔

ترجیع اذان کے تمام وہ جوابات ہیں جو اعتراض نمبر ۱ کے ماتحت گذر گئے، کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ابو محذورہ کو ترجیع کی ایک خاص وجہ سے تعلیم دی تھی۔ وغیرہ

اعتراض نمبر 3

مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ذَكَرُوا النَّارَ وَ النَّاقُوْسَ فَنَكَرُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يُّشَفِّعَ الْاَذَانَ وَ يُوْتِرَ الْاِقَامَةَ

”فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اعلان نماز کے لیے آگ اور ناقوس کی تجویز کی تو یہود و عیسائیوں کا ذکر بھی کیا کہ وہ بھی

ان چیزوں سے اعلان عبادت کرتے ہیں تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان دو دو بار کہیں اور اقامت ایک ایک بار۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک کہے جاویں۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ اقامت کے سارے کلمات ایک ایک بار ہوں مگر تم کہتے ہو کہ اقامت میں اولاً تکبیر چار بار ہو **قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ** دو بار ہو پھر تکبیر دو بار ہو لہٰذا جو جواب تمہارا ہے وہ ہی ہمارا۔ اگر کہو کہ دوسری حدیثوں میں **قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ** کو دو بار کہنے کا حکم ہے تو حنفی کہیں گے کہ دوسری احادیث میں یہ بھی ہے کہ اقامت کے تمامی کلمات دو بار کہے جاویں وہ حدیث قابل عمل کیوں نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ کے خواب کا بالکل ذکر نہیں، بلکہ فرمایا گیا کہ جب صحابہ نے آگ یا ناقوس کے ذریعہ اعلان نماز کا مشورہ کیا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اس میں یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ اسلامی اعلان ان کے خلاف چاہیئے تو فوراً ہی بلال کو اذان و اقامت کا حکم دیا گیا تو اس اذان و اقامت سے موجودہ مروجہ شرعی اذان مراد نہیں بلکہ لغوی اذان یعنی اعلان نماز مراد ہے جو محلّہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جماعت مسجد والوں کو جمع کرنے کے لیے کیا جاوے کہ آجاؤ جماعت کھڑی ہو رہی ہے چونکہ یہ اعلان ایک ہی بار کافی تھا اس لیے ایک بار کا ذکر ہوا پھر اس کے بعد عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب کا واقعہ پیش آیا' جس سے مروجہ اذان و اقامت قائم کی گئی وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے تیسرے یہ کہ حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ کے خواب میں فرشتے نے جو اقامت کی تعلیم دی اس میں الفاظِ اقامت دو دو بار ہیں اور وہ خواب ہی اذان و اقامت کی اصل ہے لہٰذا وہ ہی روایت قابل عمل ہے دوسری روایت جو اس کے خلاف ہیں واجب التاویل ہیں یا ناقابل عمل ہیں۔ خیال رہے کہ یہ خواب صرف حضرت عبداللہ کی نہیں بلکہ ان کے علاوہ سات صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ ہی خواب دیکھا۔ گویا یہ حدیث متواتر کے حکم میں ہوگئی۔

چوتھے یہ کہ روایات کا اسی پر اتفاق ہے، کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے اذان میں ترجیع اپنے آخر دم تک نہ کی۔ دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ نیز ان بزرگوں کی اقامت میں اقامت کے کلمات دو ہی رہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے مشہور مؤذن اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اپنی ساری زندگی نہ تو اذان میں ترجیع کریں نہ تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہیں' حالانکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا ہوا۔ لہٰذا ترجیع وغیرہ کی ساری روایتیں واجب التاویل ہیں پانچویں یہ کہ یہ روایات قیاس شرعی کے مخالف ہیں اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے موافق لہٰذا انہیں کو ترجیح ہوگی جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ** آگ کی پکی چیز استعمال کرنے سے وضو واجب ہے۔ دوسری روایت میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر نماز پڑھی اور وضو نہ فرمایا ان احادیث میں تعارض ہوا' تو قیاس کی وجہ سے دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی اب کوئی نہیں کہتا کہ کھانا کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے' یہ کلی قانون ہے۔

باب نمبر 21

متنفل کے پیچھے فرض نماز

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز ادا نہیں ہوتی' ہاں فرض والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے' فرض نماز میں یہ بھی ضروری ہے کہ امام بھی فرض پڑھ رہا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ امام و مقتدی دونوں ایک ہی نماز پڑھیں۔ ظہر والا عصر والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔

نوٹ ضروری:۔ بالغ مسلمان کی کوئی نماز نابالغ بچے کے پیچھے جائز نہیں' نہ فرض نہ تراویح نہ نفل' کیونکہ بچے پر نماز فرض نہیں محض نفل ہے' اور بچے کی نفل شروع کرنے کے بعد بھی نفل ہی رہتی ہے۔ اگر بچہ نفل شروع کر کے توڑ دے تو اس پر اس کی قضاء ضروری نہیں۔ لیکن بالغ کی نفل شروع ہو کر ضروری ہو جاتی ہے۔ کہ اگر توڑ دے تو قضاء لازمی ہے' اس لئے بالغ کوئی نماز بچہ کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا' مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک یہ سب کچھ جائز ہے اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت' دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات۔

فصل نمبر 1

متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز ناجائز ہے

فرض نماز نفل والے کے پیچھے ادا نہیں ہو سکتی' اس پر بہت سی احادیث شریفہ اور قیاس شرعی شاہد ہیں' جن میں کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۴...... ترمذی' احمد' ابوداؤد (شافعی) مشکوٰۃ نے باب الاذان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَّالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمِنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَ اغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِيْنَ

"فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ اے اللہ اماموں کو ہدایت دے اور مؤذنوں کو بخش دے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سارے مقتدیوں کی نمازوں کو اپنی نماز کے ضمن میں لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے' کہ اعلیٰ شئے ادنیٰ کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے نہ کہ ادنیٰ شئے اعلیٰ کو' فرض نفل کو اپنے اندر لے سکتا ہے' کہ نفل سے اعلیٰ ہے' نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ فرض سے ادنیٰ ہے ایسے ہی ہر فرض نماز اپنے مثل فرض کو اپنے ضمن لے سکتی ہے۔ نہ کہ دوسرے فرض کو لہٰذا اگر امام نماز عصر پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے ظہر کی قضاء نہیں پڑھی جا سکتی کہ نماز عصر نماز ظہر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ یہ دونوں نمازیں علیحدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۵...... امام احمد نے حضرت سلیم سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ مُعَاذَ ابْنَ جَبْلٍ یَاْتِیْنَا بَعْدَ مَا نَنَامُ وَنَکُوْنُ فِیْ اَعْمَالِنَا بِالنَّھَارِ فَیُنَادِیْ بِالصَّلٰوۃِ فَنَخْرُجُ اِلَیْہِ فَیُطَوِّلُ عَلَیْنَا فَقَالَ لَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا مُعَاذُ لَاتَکُنْ فَتَانًا اِمَّااَنْ تُصَلِّیَ مَعِیَ وَاِمَّا اَنْ تُخَفِّفَ عَلٰی قَوْمِكَ

''حضرت سلیم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ ہمارے پاس ہمارے سو جانے کے بعد آتے ہیں ہم لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں پھر نماز کی اذان دیتے ہیں۔ ہم نکل کر ان کے پاس آتے ہیں وہ نماز بہت دراز پڑھاتے ہیں تو ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ فتنہ کا باعث نہ بنو یا میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔''

خیال رہے کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نماز عشاء حضور انور ﷺ کے پیچھے پڑھ کر اپنی قوم میں پہنچ کر انہیں پڑھاتے اور دراز پڑھاتے تھے، جس کی شکایت بارگاہ نبوی ﷺ میں ہوئی۔ جس کا واقعہ یہاں ذکر ہوا۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت نہ دی کہ حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنی قوم کو پڑھائیں۔ کیونکہ نفل والے کے پیچھے فرض جائز نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ یا میرے پیچھے پڑھو، تو قوم کو نہ پڑھاؤ۔ یا قوم کو پڑھاؤ تو میرے پیچھے نہ پڑھو۔

حدیث نمبر ٦ ...... امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ اِذَا دَخَلْتَ فِیْ صَلٰوۃِ الْقَوْمِ وَاَنْتَ لَا تَنْوِیْ صَلٰوتَھُمْ لَا تُجْزِیْكَ وَاِنْ صَلَّی الْاِمَامُ صَلٰوتَہٗ وَ نَوَی الَّذِیْ خَلْفَہٗ غَیْرَھَا اَجْزَأَتِ الْاِمَامُ وَلَمْ تُجْزِھِمْ رَوَاہُ الْاِمَامُ مُحَمَّدٌ فِی الْاٰثَار

''فرماتے ہیں کہ جب تم قوم کی نماز میں شامل ہو اور تم ان کی نماز کی نیت نہ کرو۔ تو تمہیں یہ نماز کافی نہیں اور اگر امام ایک نماز پڑھے اور پیچھے والا مقتدی دوسری نماز کی نیت کرے تو امام کی نماز ہو جاوے گی اور پیچھے والے کی نہ ہوگی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ علماء ملت کا بھی یہ ہی مسلک ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ ایسے ہی فرض کے پیچھے دوسرا فرض ادا نہیں ہو سکتا۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہی ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا نہ ہو، کیونکہ امام پیشوا ہے مقتدی اس کا تابعدار امام کی نماز اصل ہے مقتدی کی نماز اس پر متفرع، اس لیے امام کے سہو سے مقتدی پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے لیکن مقتدی کے سہو سے نہ امام پر سجدہ سہو واجب نہ خود اس مقتدی پر۔ امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے مگر مقتدی کی قرأت امام کے لیے کافی نہیں۔ حنفیوں کے نزدیک تو مطلقاً، وہابیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کے سوا میں اگر امام بے وضو نماز پڑھاوے تو مقتدی کی نماز بھی نہ ہوگی لیکن اگر مقتدی بے وضو نماز پڑھ لے تو امام کی نماز درست ہوگی۔ امام سجدہ کی آیت تلاوت کرے تو مقتدی پر سجدہ تلاوت واجب ہے مقتدی سنے یا نہ سنے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے پیچھے سجدہ کی آیت تلاوت کرے تو نہ امام پر سجدہ تلاوت واجب ہو نہ خود اس مقتدی پر، اگر امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر تو مقتدی کو پوری نماز

پڑھنی پڑے گی۔ لیکن اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم تو امام پوری نماز نہ پڑھے گا۔ بلکہ قصر کرے گا۔ اِس قسم کے بہت مسائل ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مقتدی اور اس کی نماز تابع ہے امام اور امام کی نماز اصل و متبوع ہے متبوع تابع سے یا تو برابر ہو یا اعلیٰ اور نفل نماز فرض نماز سے بدرجہ کم ہے تو چاہیئے کہ نفل کے پیچھے فرض ادا نہ ہوں تا کہ اعلیٰ و افضل ادنیٰ کے تابع نہ ہو جاوے اسی طرح ایک فرض دوسرے فرض کے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کے تابع نہیں ہو سکتی۔ جب نماز عید پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز فجر نہیں ہو سکتی، مغرب پڑھانے والے کے پیچھے وتر نہیں ہو سکتے تو ظہر والے کے پیچھے عشاء کی قضا بھی نہیں ہو سکتی غرض کہ ضروری یہ ہے کہ یا تو امام و مقتدی کی نماز ایک ہو یا مقتدی کی نماز امام کی نماز سے ادنیٰ ہو کہ امام فرض پڑھ رہا ہو۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

ہم اس پر غیر مقلد وہابیوں کی وکالت میں ان کی طرف سے وہ اعتراضات بھی عرض کئے دیتے ہیں جو وہ کیا کرتے ہیں اور وہ بھی جو اب تک ان کو سوجھے بھی نہ ہوں گے اور ان تمام کے جوابات دیئے دیتے ہیں۔

اِعتراض نمبر 1

عام محدثین نے حدیث روایت کی کہ معراج کی رات نماز پنجگانہ فرض ہوئیں اس کے بعد دو دن حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو پانچوں نمازیں پڑھائیں پہلے دن ہر نماز اول وقت میں دوسرے دن آخر وقت میں اور پھر عرض کیا کہ حضور ﷺ ان وقتوں کے درمیان ان نمازوں کے اوقات ہیں۔ دیکھو حضور پر نمازیں فرض تھیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے لیے نفل کیونکہ نماز پنجگانہ فرشتوں پر فرض نہیں مگر اسکے باوجود حضرت جبریل علیہ السلام امام ہیں اور حضور ﷺ مقتدی معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے بلکہ اسلام میں پہلی نماز ایسی ہی ہوئی۔ یعنی نفل کے پیچھے فرض اور یہ فعل سنت نبوی بھی ہے اور سنت جبریلی بھی۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ بتاؤ کہ جبریل علیہ السلام یہ نمازیں پڑھانے رب کے حکم سے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے آ گئے بغیر حکم الٰہی۔ دوسری بات تو باطل ہے کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام بغیر حکم الٰہی کبھی نہیں آتے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۶۴)

"ہم رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے"

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئے جب حضرت جبریل علیہ السلام کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو ان پر فرض ہو گئیں رب کا حکم ہی فرض بنانے والی چیز ہے۔ لہٰذا ان نمازوں میں نفل کے پیچھے فرض نہ پڑھے گئے۔

دوسرے یہ کہ ان دو دنوں میں نہ حضور ﷺ پر یہ نمازیں فرض تھیں نہ صحابہ رضی اللہ عنہ پر کیونکہ اگرچہ معراج کی رات نمازیں فرض کر دیں گئیں

لیکن ابھی ان کا طریقہ اور وقت کی تعلیم نہ دی گئی قانون تشریح سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لیے تمام مسلمانوں نے نہ تو حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے یہ نمازیں پڑھیں نہ ان دونوں کی نمازیں قضا کیں لہٰذا حضور علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھے الحمد للہ تمہارا اعتراض جڑ سے اکھڑ گیا۔

اعتراض نمبر 2

مسلم و بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ مُعَاذُ ابْنُ جَبَلٍ يُّصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَاتِيْ قَوْمَهٗ فَيُصَلِّي بِهِمْ

''فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور علیہ السلام کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے اور انہیں نماز پڑھاتے تھے۔''

دیکھو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عشاء کے فرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم میں آ کر پڑھاتے تھے آپ کی نماز نفل تھی اور سارے مقتدیوں کی نماز فرض۔ معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض پڑھنا سنت صحابہ رضی اللہ عنہ ہے۔

جواب

اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ہوسکتا ہے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں اور قوم کے ساتھ فرض ادا کرتے ہوں، حضرت معاذ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فرض پڑھ لیا کرتا ہوں اور مقتدیوں کے آگے نفل کی نیت کرتا ہوں لہٰذا آپ کے لیے یہ حدیث بالکل بے فائدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے کیا انہیں حضور نے اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو اور نفل مقتدیوں کے ساتھ یہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد تھا جو کہ واقعہ میں درست نہ تھا بارہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی اطلاع دی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا کرو یا مقتدیوں کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔ معلوم ہوا کہ حضرت معاذ کا یہ اجتہاد سنت نبوی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔

اعتراض نمبر 3

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہی واقعہ روایت کی اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى قَوْمِهٖ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهٗ نَافِلَةٌ

''فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تھے تو انہیں

عشاء پڑھاتے تھے یہ نماز ان کی نفل ہوتی تھی۔"

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور ﷺ کے ساتھ نفل نہ پڑھتے تھے بلکہ فرض ہی پڑھتے تھے اور مقتدیوں کے آگے نفل ادا کرتے تھے لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ حضور کے پیچھے نفل اور مقتدیوں کیساتھ فرض پڑھتے تھے۔

جواب

آپ کی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ حضرت معاذ کا یہ واقعہ نقل کر کے اپنے اندازے اور قیاس فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ساتھ فرض پڑھتے تھے اس میں یہ نہیں کہ حضرت معاذ نے اپنی نیت وارادے کا پتہ دیا ہو دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے بغیر پوچھے یقین سے نہیں کہا جاسکتا اور نہ اسمیں یہ ہے کہ انہیں حضور ﷺ نے اجازت دی لہٰذا یہ حدیث کسی طرح آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراض نمبر 4

بخاری شریف نے حضرت عمرو ابن سلمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہماری قوم ایک گھاٹ پر رہتی تھی۔ جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے میں حجازی قافلوں سے نبی کریم ﷺ کے حالات اور قرآنی آیات پوچھتا رہتا تھا، فتح مکہ کے بعد میرے والد مدینہ منورہ حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے اسلام لائے وہاں سے نماز کے احکام معلوم کئے ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اذان کوئی دے دیا کرے مگر نماز وہ پڑھائے جسے زیادہ قرآن کریم یاد ہو۔ جب واپس ہوئے تو انہیں پتہ لگا کہ مجھے قرآن کریم سب سے زیادہ یاد تھا۔ مجھے امام بنا دیا اس وقت میری عمر چھ سات سال تھی۔ میں قوم کو نماز پڑھاتا تھا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ فَلَصَتْ عَنِّي فَقَالَتْ اِمْرَا ءَةٌ مِنَ الْحَيِّ اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوْلِي قَمِيْصًا (مشکوٰۃ باب الامامۃ)

"مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی کہ جب میں سجدہ کرتا تو کھل جاتی تھی تو قبیلے کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے قاری صاحب کے چوتڑ کیوں نہیں ڈھکتے تو لوگوں نے میرے لیے کپڑا خرید کر قمیص سی دی۔"

دیکھو عمرو ابن سلمہ رضی اللہ عنہما رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہ ہیں اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے نماز فرض پڑھتے ہیں عمرا بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف چھ سال ہے ان پر کوئی نماز فرض نہیں بچے کی نفل بھی بہت ادنیٰ ہوتی ہے لیکن جوان بڈھے ان کے پیچھے فرض ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا ہو جاتے ہیں۔

جواب

اس کے وہ ہی جوابات ہیں جو اعتراض نمبر ۲ کے ماتحت گزرے ہیں کہ ان کا یہ عمل اپنی رائے سے تھا نہ کہ حضور ﷺ کے فرمانے سے چونکہ یہ حضرات تازہ اسلام لائے تھے۔ احکام شرعی کی خبر نہ تھی بے خبری میں ایسا کیا۔ اگر آپ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہو تو یہ بھی مان لو کہ ننگے امام کے پیچھے بھی نماز جائز ہے کیونکہ عمرو ابن سلمہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میرا کپڑا اتنا چھوٹا تھا کہ سجدہ میں چادر ہٹ

جاتی اور چوتڑ ننگے ہو جاتے تھے اس کے باوجود یہ حضرات نمازیں پڑھتے رہے۔ کسی نے نماز نہ لوٹائی کیوں؟ مسائل شرعیہ سے بے خبری کی وجہ سے افسوس ہے کہ آپ حضرات آنکھ بند کر کے حدیث پڑھتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں کے پاس صریح مرفوع حدیث موجود نہیں نہ حدیث قولی نہ فعلی یوں ہی چند شبہات کی بنا پر اس مسئلہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر محض عداوت سے تبراء کرتے ہیں اور ان کی جناب میں گستاخیاں گالی گلوچ بکتے ہیں۔

باب نمبر 22

خون اور قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ یہ آٹھ چیزیں وضو توڑ دیتی ہیں' جو چیز پیشاب یا پاخانہ کی راہ سے نکلے' غفلت کی نیند' غشی' نشہ' جنون' نماز میں ٹھٹھہ لگا کر ہنسنا' بہتا ہوا خون' منہ بھر کر قے ان کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نہ تو بہتا ہوا خون وضو توڑے نہ منہ بھر کر قے۔ لہٰذا کوئی حنفی کسی غیر مقلد کے پیچھے نماز نہ پڑھے' کیونکہ یہ لوگ بدعقیدہ بھی ہیں اور ان کے وضو کا بھی اعتبار نہیں' کیا خبر کہ قے کر کے یا نکسیر وغیرہ کر کے آئیں اور بغیر وضو کیے مصلے پر کھڑے ہو جائیں چونکہ غیر مقلد اس مسئلہ پر بھی بہت شور مچاتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت اور دوسرے فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

فصل نمبر 1

قے اور بہتا ہوا خون بھی وضو توڑتا ہے

حنفیوں کے نزدیک منہ بھر کے قے اور جسم سے خون کا نکل کر ظاہر بدن پر بہہ کر پہنچ جانا' وضو توڑ دیتا ہے۔ ظاہر بدن وہ ہے جس کا دھونا غسل میں فرض ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱...... دار قطنی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوُضُوْءُ مِنْ کُلِّ دَمٍ سَائِلٍ

"فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کہا کہ وضو واجب ہے ہر بہتے ہوئے خون سے"

حدیث نمبر ۲...... ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَہٗ قَیْءٌ اَوْ رُعَافٌ اَوْ قَلْسٌ اَوْ مَذْیٌ فَلْیَنْصَرِفْ وَ لْیَتَوَضَّاْ

"فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جس کسی کو قے یا نکسیر یا مذی آ جاوے تو نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔"

حدیث نمبر۳...... ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ مجھے استحاضہ کا خون اتنا ہے کہ میں کبھی پاک نہیں ہوتی کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا یہ حیض کا خون نہیں رگ کا خون ہے لہٰذا

اِجْتَنِبِیْ الصَّلٰوۃَ اَیَّامَ مَحِیْضِكِ ثُمَّ اغْتَسِلِیْ وَ تَوَضَّئِیْ لِکُلِّ صَلٰوۃٍ وَاِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَی الْحَصِیْرِ

''حیض کے زمانہ میں نماز سے بچو۔ پھر غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو پھر نماز پڑھو' اگر چہ خون چٹائی پر ٹپکتا رہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون وضو توڑ دیتا ہے ورنہ حضور علیہ السلام ان بی بی صاحبہ پر معذور کے احکام جاری نہ فرماتے اور ہر نماز کے وقت ان پر وضو لازم نہ فرماتے دیکھو جسے ریح یا قطرے کی بیماری ہو وہ ہر نماز کے وقت ایک وضو کر کے نماز پڑھتا رہے کیونکہ ریح اور پیشاب وضو توڑنے والی چیز ہے۔

حدیث نمبر۴...... ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَاءَ اَوْ رَعُفَ فِیْ صَلٰوتِهٖ فَلْیَنْصَرِفْ وَ لْیَتَوَضَّاْ وَلْیَبْنِ عَلٰی صَلٰوتِهٖ مَا لَمْ یَتَکَلَّمْ

''آپ نبی ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کو نماز میں قے یا نکسیر آ جاوے وہ نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کہ بات نہ کی ہے۔''

حدیث نمبر۵'۶...... ترمذی و ابوداؤ نے حضرت طلق ابن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اَعْرَابِیٌّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الرَّجُلُ مِنَّا یَکُوْنُ فِیْ الْفَلَاۃِ فَتَکُوْنُ مِنْهُ رُوَیْحَۃٌ وَ یَکُوْنُ فِیْ الْمَاءِ قِلَّۃٌ فَقَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاءَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ مُلَخَّصًا

''ایک بدوی نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص جنگل میں ہوتا ہے اسکی ریح نکل جاتی ہے اور پانی میں تنگی ہوتی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قے کرے تو وضو کرے (ملخصاً)''

کَذَا فِیْ جَمْعِ الْفَوَائِدِ مِنْ جَامِعِ الْاُصُوْلِ وَ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ

حدیث نمبر۷...... ترمذی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَتَوَضَّاَ فَلَقِیْتُ ثَوْبَانَ فِیْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَذَکَرْتُ ذَالِكَ لَهٗ فَقَالَ صَدَقَ اَنَا صَبَبْتُ لَهٗ وُضُوْءَهٗ وَ حَدِیْثُ حُسَیْنٍ اَصَحُّ شَیْئٍ فِیْ هٰذَا الْبَابِ

''ایک بار نبی ﷺ کو قے آئی تو آپ نے وضو کیا پھر دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا تو ابوالدردا کی یہ حدیث بیان کی کہ آپ نے فرمایا کہ ابوالدرداء نے سچ کہا کہ پانی میں نے ہی ڈالا تھا یعنی میں نے ہی وضو کرایا تھا حسین کی یہ حدیث نہایت ہی صحیح ہے اس بارے میں۔''

حدیث نمبر ۸...... طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

رَفَعَہٗ قَالَ اِذَا رَعُفَ اَحُدُ کُمْ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلْیَنْصَرِفْ فَلْیَغْسِلْ عَنْہُ الدَّمَ ثُمَّ لِیُعَدْ وُضُوْءَہٗ

''آپ مرفوع فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں نکسیر آ جاوے تو علیحدہ ہو جاوے اور خود خون کو دھو دے پھر وضو لوٹائے۔''

حدیث نمبر ۹...... دار قطنی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاءَ اَحُدُ کُمْ اَوْرَعُفَ وَ ھُوَا فِیْ الصَّلٰوۃِ اَوْ اَحْدَثَ فَلْیَنْصَرِفْ وَ لْیَتَوَضَّاءْ

''فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں قے یا نکسیر آ جاوے یا اور کوئی حدث کرے تو علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔''

حدیث نمبر ۱۰...... ابن ابی شیبہ نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَنْ رَعُفَ فِیْ صَلٰوۃٍ فَلْیَنْصَرِفْ فَلْیَتَوَضَّاءْ فَاِنْ لَّمْ یَتَکَلَّمْ بَنٰی عَلٰی صَلٰوتِہٖ وَاِنْ تَکَلَّمَ اسْتَاَنَفَ

''فرماتے ہیں کہ جسے نماز میں نکسیر آ جاوے تو وہ علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے پھر اگر کلام نہ کیا ہو تو باقی نماز پوری کرے اور اگر کلام کر لیا ہو تو نئے سرے سے پڑھے۔''

حدیث نمبر ۱۱...... امام مالک نے حضرت یزید ابن قسط لیثی سے روایت کی۔

اِنَّہٗ رَاٰی سَعِیْدُ ابْنُ الْمُسَیِّبِ رَعُفَ وَ ھُوَ یُصَلِّی فَاَتٰی حُجْرَۃَ اُمِّ سَلْمَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاُتِیَ الْوُضُوْءُ فَتَوَضَّاءَ ثُمَّ رَجَعَ فَبَنٰی عَلٰی مَا قَدْ صَلّٰی

''انہوں نے حضرت سعید ابن میسب کو دیکھا کہ انہیں نماز میں نکسیر آ گئی تو آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آئے تو انہیں کچھ پانی دیا گیا انہوں نے وضو کیا پھر واپس ہوئے اور بقیہ نماز پوری کی''

حدیث نمبر ۱۲...... ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحُدُ کُمْ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلْیَاْ خُذْ بِاَنْفِہٖ ثُمَّ لِیَنْصَرِفْ

''فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب نماز میں کسی کو وضو ٹوٹ جاوے تو وہ اپنی ناک پکڑے پھر چلا جاوے۔''

اس حدیث میں حضور ﷺ نے نمازی کو تدبیر یہ بتائی کہ اگر نماز میں کسی کی ریح نکل جاوے تو اپنے عیب کو چھپانے کے لیے ناک پر ہاتھ رکھ لے تا کہ لوگ سمجھیں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی پھر مسجد سے نکل کر وضو کی جگہ جا کر وضو کر لے، اگر نکسیر سے وضو نہ ٹوٹتا تو یہ تدبیر بے فائدہ ہوتی ہم نے بطور نمونہ بارہ حدیثیں پیش کر دیں ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث موجود ہیں اگر شوق ہو تو صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔

عقل کا تقاضاء بھی یہ ہی ہے کہ بہتا خون اور منہ بھر قے وضو توڑ دے کیونکہ وضو طہارت اور پاکی ہے ناپاکی نکلنے سے وضو ٹوٹ جانا چاہیئے

اسی لیے پیشاب پاخانہ اور ریح سے وضو جاتا رہتا ہے۔ بہتا خون منہ بھر قے ناپاک ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے اَوْدَمًا مَّسْفُوْحًا (پارہ ۸ سورۃ ٦ آیت ۱۴۵) اسی لیے بہتے خون والا جانور ذبح سے حلال ہوتا ہے۔ تا کہ ناپاک خون اللہ کے نام پر نکل جاوے۔ تو جیسے پیشاب پاخانہ اور ریح نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کیوں؟ اس لیے کہ ناپاک چیز نکلی ایسے ہی بہتا ہوا خون اور قے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جانا چاہیئے' کیونکہ یہ بھی نجس ہے جو جسم سے نکلا' نیز استحاضہ اور بواسیر کے خون سے اور مرد کی پیشاب کی جگہ سے خون نکلنے سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے، استحاضہ کے خون کے متعلق تو حدیث مرفوع بھی وارد ہے۔ جیسا کہ ہم اس فصل میں عرض کر چکے ہیں۔ جب یہ تین قسم کے خون وضو توڑ دیتے ہیں تو لامحالہ دوسری جگہ سے خون نکل کر بھی وضو توڑے گا۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر کوئی قوی دلیل نہیں' صرف کچھ شبہات اور وہمیات ہیں' مگر تکمیل بحث کے لیے ہم ان کے جواب بھی دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر 1

احمد و ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ صَوْتٍ اَوْرِيْحٍ

''فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ نہیں ہے وضو' مگر آواز سے یا آہستہ ریح سے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ وضو صرف ریح سے ٹوٹتا ہے خون قے اس کے علاوہ ہے لہٰذا اس سے وضو نہیں ٹوٹنا چاہیئے الا حصر کے لیے ہے۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ پیشاب' پاخانہ' بلکہ عورت یا شرمگاہ چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور الا کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ریح کے کسی چیز سے وضو نہ جاوے تو جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی' مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ریح نکلنے کا شبہ ہو تو بغیر آواز یا بدبو یا یقینی احساس ہوئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس کی تفسیر وہ حدیث ہے جو مسلم شریف نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی۔

اِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ فِيْ بَطْنِهٖ شَيْئًا فَاَشْكَلَ عَلَيْهِ اَخَرَجَ مِنْهُ شَيْئٌ اَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَرِيْحًا

''جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ حرکت پائے اس لیے اسے شبہ ہو جاوے کہ کچھ ہوا نکلا یا نہیں تو مسجد

آواز سنے یا بو پائے۔"

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جسے ریح نکلنے کا شبہ ہو حدیث کا منشا کچھ اور ہے اور آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

اعتراض نمبر 2

حاکم نے حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی

> اَنَّهٗ كَانَ فِیْ غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَرُمِیَ رَجُلٌ مِنْهُ فَتَرَفَهُ الدَّمُ فَرَكَعَ وَ سَجَدَ وَ مَضٰی فِیْ صَلٰوتِهٖ
>
> "کہ آپ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک صحابی کے تیر لگا ان کے خون نکلا مگر انہوں نے رکوع کیا سجدہ کیا اور نماز پوری کر لی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کو عین نماز کی حالت میں تیر لگا خون نکلا، مگر انہوں نے نماز نہ توڑی بلکہ رکوع سجدہ کر کے نماز مکمل کر لی، اگر خون نکلنا وضو توڑتا تو اسی وقت آپ نماز توڑ کر وضو کرتے پھر نماز یا نئے سرے سے پڑھتے یا وہ ہی پوری فرماتے، معلوم ہوا کہ خون وضو نہیں توڑتا۔

جواب

اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب ان صحابی کے تیر لگا۔ خون بہا تو یقیناً ان کے کپڑے اور جسم خون آلودہ ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھتے ہی رہے تو چاہیئے کہ آپ خون، پیشاب پاخانہ سے بھرے ہوئے کپڑوں میں نماز جائز کہو، حالانکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ نمازی کا بدن و کپڑا پاک ہونا چاہیئے لہٰذا یہ حدیث کسی طرح قابل قبول نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ان صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے یہ عمل کیا معلوم ہوتا ہے کہ دوسری واقفیت انہیں نہ تھی اس لیے ایسا کر گزرے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان مرفوع و موقوف حدیثوں کے خلاف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے لہٰذا نا قابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے بدن و کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۴ آیت ۵) گندگی سے دور رہو۔ فرماتا ہے وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۴ آیت ۴) اپنے کپڑے پاک رکھو اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان بزرگ نے گندے جسم اور گندے کپڑوں میں نماز پڑھ لی لہٰذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔

پانچویں یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ صحابی جن کا یہ واقعہ ہے کون ہیں فقیہ ہیں یا غیر فقیہ اگر فقیہ ہیں تو انہوں نے اجتہاد سے یہ کام کیا جو حدیث مرفوع اور تمام فقہاء صحابہ کے خلاف ہے اور جو اجتہاد حدیث کے خلاف ہو وہ واجب ترک ہے اور اگر غیر فقیہہ ہیں تو ان سے یہ ہوا بہر حال حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر 3

اگر خون وضو توڑتا ہے تو چاہئے کہ تھوڑا خون بہتا نہ ہو وہ بھی وضو توڑ دے جیسے کے پیشاب ناقص وضو ہے بہے یا صرف ایک قطرہ ہی نکلے جب تھوڑا خون یعنی بہنے والا وضو نہیں توڑتا تو زیادہ خون بھی ناقص وضو نہیں ایسے ہی قے اگر ناقص وضو ہے تو خواہ منہ بھر کر ہو یا تھوڑی وضو توڑ دیتی ہے۔ یہ فرق تم نے کہاں سے نکالا؟

جواب

الحمدللہ آپ قیاس کے قائل تو ہوئے کہ زیادہ خون کو تھوڑے خون پر اور خون کو پیشاب پر قیاس کرنے لگے مگر جیسے آپ ہیں ویسے ہی آپ کے قیاس۔ جناب گندگی کا نکلنا وضو توڑتا ہے پیشاب مطلقاً گندا ہے تھوڑا ہو یا زیادہ خون بہنے والا گندا ہے رب تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا (پارہ ۸ سورۃ ٦ آیت ۱۴۵) یا رگوں کا بہتا خون۔ نہ بہنے والا گندا نہیں آپ کا یہ قیاس قرآنی آیت کے خلاف ہے نیز ہر گندگی اپنے معدن میں جہاں وہ پیدا ہوتی ہے پاک ہوتی ہے معدن سے نکل کر ناپاک ہوتی ہے دیکھو آنتوں میں پاخانہ اور مثانہ میں پیشاب بھرا رہتا ہے مگر پاک ہے اس لیے آپ کی نماز درست ہوتی ہے اگر یہ ناپاک ہوتے تو نماز کسی طرح جائز نہ ہوتی کہ گندگی اٹھائے ہوئے کی نماز نہیں ہوتی ایسے ہی گندا انڈہ جو اندر سے خون ہو گیا جیب میں ڈال کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے اندر کا خون چونکہ اپنے معدن میں ہے پاک ہے جب یہ سمجھ لیا تو اب پیشاب اور خون نکلنے میں فرق سمجھو پیشاب کی جگہ مثانہ ہے اور وہ مثانہ ہٹ کر پیشاب کی نالی میں آ کر چمکتا ہے لہٰذا نجس ہے اگر ایک بوند ہو مگر خون سارے خون میں دوڑ رہا ہے اور کھال کے نیچے اسکا معدن ہے اگر کہیں سوئی چبھ گئی اور خون چمک گیا مگر بہا نہیں تو وہ اپنی معدن میں رہ کر چکا ہے ناپاک نہیں ہاں جب بہے تو سمجھو کہ اپنے معدن سے علیحدہ ہو گیا اور ناپاک اس فرق کی بنا پر پیشاب تو چمک کر بھی وضو توڑ دیتا ہے مگر خون بہہ کر توڑے گا غرضیکہ خون کا نکلنا اور ہے اور چمکنا کچھ اور لہٰذا خون کو پیشاب پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

اعتراض نمبر 4

عینی شرح بخاری نے ایسی بہت سے حدیثیں نقل کیں

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاءَ وَلَمْ یَتَوَضَّاءْ

”بے شک نبی ﷺ نے قے کی اور وضو نہ کیا“

اگر قے وضو توڑتی تو حضور قے کر کے وضو کیوں نہ فرماتے؟

جواب

ماشاءاللہ کیسا نفیس اعتراض ہے جناب یہ بھی احادیث میں آتا ہے حضور ﷺ بیت الخلاء سے تشریف لائے اور وضو کے لیے پانی پیش کیا گیا مگر حضور علیہ السلام نے وضو نہ کیا تو کہہ دینا کہ پیشاب پاخانہ بھی وضو نہیں توڑتا' جناب وضو نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی وضو ٹوٹ جانے پر فوراً وضو کرنا واجب نہیں ہاں اگر حضور فرماتے کہ قے وضو نہیں توڑتی تو آپ پیش کر سکتے تھے۔ اگر یہ

احادیث اس مسئلہ کی دلیل ہو سکتیں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضرور پیش فرماتے امام ترمذی نے خون وقے کے ناقص وضو ہونے پر نہایت صحیح حدیث پیش کی اور ناقص نہ ہونے پر کوئی حدیث بیان نہ کی صرف علماء کرام کا مذہب بیان فرمایا معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں قے وخون کے وضو توڑنے کی کوئی حدیث نہیں کیونکہ وہ ہر مسئلہ پر حدیث پیش ہیں

اعتراض نمبر 5

قے وخون کے متعلق آپ نے جو احادیث پیش کیں جن میں ارشاد ہوا کہ جس نمازی کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے تو وہ وضو کرے وہاں وضو سے مراد خون وقے سے کپڑا دھولینا ہے۔ نہ کہ شرعی وضو جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النار آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو ہے، وہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا، کلی کرنا ہے نہ کہ شرعی وضو کیونکہ کھا کر ہاتھ دھونا کلی کرنا سنت ہے یہ ناقص وضو نہیں ایسے ہی یہاں ہے لہٰذا تمہارے دلائل غلط ہیں۔

جواب

واقعی آپ کا یہ سوال ایسا ہے کہ جو آج تک کسی کو نہ سوجھا ہوگا۔ ذہن نے بہت رسائی کی اسی کا نام تحریف ہے اولاً تو آپ نے یہ غور نہ کیا کہ وہاں وضو کے عرفی معنے خود حضور علیہ السلام نے بیان فرمادیئے کہ ایک بار کھانا تناول کر کے ہاتھ دھوئے، کلی کی اور فرمایا هٰذَا وُضُوْءٌ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو یہ ہے یہاں آپ یہ معنے چھوڑ کر غیر معروف معنے کیوں مراد لے رہے ہیں نیز اس حدیث میں یہ ہے کہ جس کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے تو وضو کرے اور نماز کی بنا کرے یعنی باقی نماز پوری کرے، اگر کپڑا دھونا مراد ہوتا تو نماز کی بنا جائز نہ ہوتی بلکہ دوبارہ پڑھنی پڑتی۔ جس کا کپڑا نماز میں نجس ہوجاوے اور وہ دھوئے وہ بنا نہیں کرسکتا دوبارہ پڑھے گا لہٰذا آپ کی یہ توجیح محض باطل ہے۔

باب نمبر 23

ناپاک کنواں پاک کرنا

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ اگر کنویں گھڑے یا گڑھے وغیرہ میں تھوڑی سی بھی ناپاکی گرجاوے تو ان کا پانی نجس ہوجاوے گا کہ نہ پیا جاسکتا ہے نہ اس سے وضو وغیرہ جائز ایک قطرہ پیشاب کنویں کو گندا کردیتا ہے اور سمندر تالاب یا بہتا پانی ان کے احکام جداگانہ ہیں۔ مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جب پانی دو مٹکے ہو تو اس میں خواہ کتنی ہی نجاست پڑ جائے ناپاک نہ ہوگا۔ جب تک اس کا رنگ و بو و مزہ نہ بدلے۔ لہٰذا ان کے نزدیک کنویں میں خوب ہگو موتو کنواں پاک ہے شوق سے اس کا پانی پیؤ وضو کرو پھر طرہ یہ ہے کہ اس مسئلے پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالیاں دیتے ہیں کہ انہوں نے گندگی گرجانے پر کنویں کو پاک کیوں نہ قرار دیا مسلمانوں کو پیشاب کیوں نہ پینے دیا حنفیوں کو چاہیئے کہ نہ تو غیر مقلد وہابیوں کے پیچھے نماز پڑھیں نہ ان کے کنوؤں کا پانی بے تحقیق پیئں ان کے کنویں اکثر گندے ہوتے ہیں جن سے یہ لوگ کپڑے دھوتے ہیں نہاتے اور وضو کرتے ہیں نہ ان کے بدن پاک نہ کپڑے پاک چونکہ اس مسئلہ کا یہ لوگ بہت مذاق اڑاتے اور

آوازیں کستے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ احادیث کے بالکل خلاف ہے اس لیے ہم اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کے دلائل دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

فَصل نمبر 1

کنویں کا ناپاک ہونا

کنواں خواہ کتنا ہی گہرا ہو اور اس میں کتنا ہی پانی ہو اگر اس میں ایک قطرہ شراب یا پیشاب یا چوہا بلی وغیرہ گر کر مر جاوے تو ناپاک ہے بغیر پاک کئے اس کا پانی استعمال کے قابل نہیں اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔ جن میں سے ہم بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر۱ تا۴...... مسلم، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّہٗ نَھٰی اَنْ یُّبَالَی فِیْ الْمَآءِ الرَّاکِدِ ثُمَّ یَتَوَضَّاءُ فِیْہِ

''منع فرمایا نبی ﷺ نے اس سے کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب کیا جاوے پھر اس سے وضو کیا جاوے''

حدیث نمبر۵ تا۹...... مسلم و طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَغْتَسِلُ اَحَدُ کُمْ فِیْ الْمَاءِ الدَّآئِمِ وَ ھُوَجُنُبٌ فَقَالَ کَیْفَ تَفْعَلُ یَا اَبَاھُرَیْرَۃَ قَالَ یَتَنَا وَلُہٗ تَنَاوُلًا۔

''فرمایا نبی ﷺ نے کہ کوئی شخص ٹھہرے پانی میں جنابت سے غسل نہ کرے ابو سائب نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پھر جنبی کیا کرے فرمایا علیحدہ پانی لے لے۔''

یہ حدیث احمد ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم بہت محدثین نے مختلف راویوں سے بالفاظ مختلفہ روایت فرمائی۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گڑھے، کنویں اور تمام ٹھہرے ہوئے پانیوں میں نہ پیشاب کرے۔ نہ جنابت کا غسل، اگر ایسا کر لیا گیا تو پانی گندا ہو کر قابل استعمال نہ رہے گا اگر دو مٹکے پانی گندگی گرنے سے ناپاک نہ ہوتا تو حضور ﷺ یہ ممانعت نہ فرماتے۔

حدیث نمبر۱۰ایا۱۲...... ترمذی حاکم (مستدرک) ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا بَلَغَ الْکَلْبُ وَ الْاِ نَاءُ غُسِلَ سَبْعَ مَرَّاتِ اَوَّ لُھُنَّ بِالتُّرَابِ وَ اِذَا بَلَغَ الْھِرَّۃُ غُسِلَ مَرَّۃً اَللَّفْظُ لِاَبْنِ عَسَا کِرِ

''فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب برتن میں کتا چاٹ جاوے تو سات بار دھویا جاوے پہلی بار مٹی سے مانجھا جاوے اور جب بلی چاٹ جاوے تو ایک بار دھویا جاوے۔''

ان احادیث سے پتہ لگا کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے تو برتن سات بار دھویا جاوے اور ایک بار مٹی سے بھی مانجھا جاوے اور اگر بلی برتن

سے پانی پی لے تو ایک بار ہی دھویا جاوے، برتن خواہ چھوٹا ہو جیسے ہانڈی لوٹا یا ٹبرا جسمیں دو چار مٹکے پانی آ جاوے اگر دو مٹکے پانی کسی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا، تو وہ برتن کیوں ناپاک ہو جاتا ہے جسمیں یہ پانی ہے کتے کا منہ تو پانی میں پڑا اور پانی برتن سے لگا ہوا ہے جب برتن نجس ہو گیا تو پانی یقیناً نجس ہو گیا خواہ دو مٹکے ہو یا کم وبیش۔

حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۵...... دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ، طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو الطفیل رحمۃ اللہ علیہ سے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی

اَنَّ غُلَامًا وَقَعَ فِیْ بِیْرِ زَمْزَمَ فَنُزِحَتْ

''زمانہ صحابہ میں چاہ زمزم میں ایک لڑکا گر گیا تو کنویں کا پانی نکالا گیا۔''

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷...... ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی، عطا تابعی ہیں۔

اَنَّ حَبْشِیًّا وَ قَعَ فِیْ زَمْزَمَ فَمَاتَ فَاَمَرَ بِہٖ ابْنُ الزُّبَیْرِ فَنُزِحَ مَاءُ ھَا فَجَعَلَ الْمَاءَ لَا یَنْقَطِعُ فَنَظَرَ فَاِ ذَا عَیْنٌ تَجْرِیْ مِنْ قِبَلِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَقَالَ ابْنُ الزُّبَیْرِ حَسْبُکُمْ

''کہ ایک حبشی چاہ زمزم میں گر کر مر گیا حضرت عبداللہ ابن زبیر نے حکم دیا کہ پانی نکالا جائے پانی ختم نہ ہوتا تھا اندر دیکھا تو ایک چشمہ آب حجر اسود کی طرف سے آ رہا تھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کافی ہے۔''

حدیث نمبر ۱۸...... بیہقی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ حَبْشِیًّا وَقَعَ فِیْ زَمْزَمَ فَمَاتَ فَاَنْزَلَ رَجُلًا اِلَیْہِ فَاَخْرَجَہٗ ثُمَّ قَالَ انْزِحُوْا مَافِیْھَا مِنْ مَّاءٍ

''وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ چاہ زمزم میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو آپ نے ایک آدمی کو اتارا جس نے اسے نکالا پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو پانی کنویں میں ہے اسے نکال دو۔''

ان احادیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے کہ ایک یہ کہ اگر کنویں میں کوئی خون والا جاندار مر جاوے تو کنواں نجس ہو جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ ناپاک کنویں کے پاک کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ اگر اسکا پانی نکال دیا جاوے اسکی دیواریں وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں تیسرے یہ کہ اگر کنویں کا پانی ٹوٹ نہ سکے تو پرواہ نہ کی جاوے جو پانی فی الحال موجود ہے وہ ہی نکال دیا جاوے اسے دھونا ضروری نہیں کنویں کے ساتھ وہ بھی پاک ہو جاویں گے اگر غیر مقلد وہابی ان احادیث میں غور فرمالیں تو امام صاحب کو گالیاں دینا حنفیوں کا مذاق اڑانا آوازے کسنا چھوڑ دیں۔

حدیث نمبر ۱۹...... طحاوی شریف نے امام شعبی تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ الشَّعْبِیِّ فِی الطَّیْرِ وَ السِّنَّوْرِ وَ نَحْوِ ھِمَا یَقَعُ فِی الْبِئْرِ قَالَ یُنْزَحُ مِنْھَا اَرْبَعُوْنَ دَلْوًا

''امام شعبی چڑیا، بلی وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر یہ کنویں میں مر جاویں تو چالیس ڈول پانی نکالا جاوے۔''

حدیث نمبر ۲۰...... طحاوی نے حضرت حماد ابن سلیمان تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ قَالَ فِیْ دُجَاجَۃٍ وَقَعَتْ فِیْ بِیْرٍ فَمَاتَتْ قَالَ یُنْزَحُ قَدْرُ اَرْبَعِیْنَ دَلْوًا اَوْخَمْسِیْنَ ثُمَّ یُتَوَضَّاءُ مِنْھَا

''آپ فرماتے ہیں کہ جب کنویں میں مرغی گر کر مر جائے تو اس سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جاویں پھر اس سے وضو کیا جاوے۔''

حدیث نمبر ۲۱...... طحاوی شریف نے حضرت میسرہ اور زاوان سے روایت کی۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِذَا سَقَطَتِ الْفَارَةُ اَوِالدَّ ابَّةُ فِي الْبِيْرِ فَاُخْرِجْهُمَا حَتّٰى يَغْلِبَكَ الْمَآءُ

''حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب چوہا یا کوئی اور جانور کنویں میں مر جاوے تو اسکا پانی نکالو یہاں تک کے پانی تم پر غالب آجاوے۔''

حدیث نمبر ۲۲...... طحاوی نے حضرت ابراہیم نخعی تابعی سے روایت کی۔

عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْبِيْرِ تَقَعُ فِيْهَا الْفَارَةُ قَالَ يُنْزَحُ مِنْهَا دِلَاءٌ

''ابراہم نخعی فرماتے ہیں کہ جب کنویں میں چوہا گر جاوے تو اس سے کچھ ڈول نکالے جاویں۔''

حدیث نمبر ۲۳...... شیخ علاؤالدین محدث نے بحوالہ طحاوی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی (واللہ اعلم)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ قَالَ فِي الْفَارَةِ اِذَا مَاتَتْ فِي الْبِيْرِ وَ اُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَتِهَا يُنْزَحُ مِنْهَا عِشْرُوْنَ دَلْوًا

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب چوہا کنویں میں گر جاوے اور فوراً نکال لیا جائے تو بیس ڈول نکالے جاویں۔''

حدیث نمبر ۲۴...... ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حضرت خالد ابن مسلمہ سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِيًّا سُئِلَ عَمَّنْ مَنْ بَالَ فِيْ بِيْرٍ قَالَ يُنْزَحُ (انتصار الحق صفحہ ۲۵۷)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اس بارے میں کہ کوئی کنویں میں پیشاب کر دے فرمایا گیا کہ کنویں کا پانی نکالا جائے''

یہ چوبیس روائتیں بطور نمونہ پیش کی گئیں جن سے معلوم ہوا کہ گندی چیز گر جانے سے کنواں نجس ہو جاتا ہے اور پانی کا نکالنا اس کی پاکی ہے۔ اگر زیادہ تحقیق دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست پڑنے سے نجس ہو جاویں، کیونکہ جب نجاست لگ جانے سے کپڑا جسم برتن وغیرہ تمام چیزیں نجس ہو جاتی ہیں تو پانی جو پتلی چیز ہے جسمیں نجاست بہت زیادہ سرایت کر جاتی ہے بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو جانا چاہیئے۔ نیز جب دو مٹکے دودھ، تیل، پتلا گھی، شہد کسی نجاست میں پڑنے سے نجس ہو جاتے ہیں تو پانی ان چیزوں سے زیادہ پتلا ہے وہ بھی ضرور ناپاک ہو جانا چاہیئے ورنہ فرق بیان کرو کہ دو مٹکے دودھ کیوں ناپاک ہو جاتا ہے اور اتنا پانی کیوں نجس نہیں ہوتا اس لیے سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سو کر جاگو تو بغیر ہاتھ دھوئے پانی میں نہ ڈالو (مسلم بخاری) پانی خواہ دو قلے ہو یا کم و بیش دیکھو بے وضو آدمی کو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا، ہاں ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں تانبے شیشے کے برتن صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتے ہیں ناپاک جوتا صرف چلنے پھرنے اور مٹی سے رگڑ لگنے کی وجہ سے پاک ہو جاتا ہے نجس زمین صرف سوکھ جانے اور اثر نجاست جاتے رہنے

سے پاک ہو جاتی ہے نجس کپڑا اور جسم دھونے سے پاک ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ناپاک کنواں پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے ناپاک دودھ وتیل پاک دودھ وتیل کے ساتھ مل کر بہ جانے سے پاک ہو جاتے ہیں بہر حال حق یہ ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست گرنے سے نجس ہو جاتا ہے پھر اس کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض وجواب میں

اب تک غیر مقلد وہابی اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم ان کے جوابات تفصیل وار عرض کرتے ہیں اگر اس کے بعد کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاءاللہ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔

اِعتراض نمبر 1

ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَتَوَضَّاءُ مِنْ بِیْرِ بُضَاعَةَ وَھِیَ بِیْرٌ یُلْقٰی فِیْھَا الْحَیْضُ وَ لُحُوْمُ الْکِلَابِ وَ النَّتْنُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَآءَ طَھُوْرٌ لَایُنَجِّسُہٗ شَیْءٌ

”فرماتے ہیں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم بضاعہ کنویں سے وضو کر سکتے ہیں بضاعہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کے گوشت اور بد بودار چیزیں ڈالی جاتی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔“

بضاعہ مدینہ پاک میں ایک کنواں تھا۔ جس میں ہر قسم کی گندگی حتیٰ کہ مرے کتے بھی پھینک دیئے جاتے تھے مگر اس کے باوجود سرکار نے کنویں کی گندگی حتیٰ کہ ناپاکی کا حکم نہ دیا تعجب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بضاعہ کنویں کو کتے، حیض کے کپڑے اور ہر قسم کی گندگی گرنے سے بھی ناپاک نہیں فرماتے۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک قطرہ پیشاب گر جانے پر بھی سارا کنواں ناپاک کہہ دیتے ہیں۔ حنفیوں کا یہ مسئلہ حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ کیا ابو حنیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پاک وستھرے تھے۔

جواب

اس اعتراض کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں پانی میں کوئی قید نہیں کہ کتنا پانی ناپاک نہیں تو چاہیئے کہ گھڑے لوٹے میں بھی حیض کے کپڑے، کتوں کے گوشت ڈال کر پیا کرو، کیونکہ پانی کو کوئی چیز ناپاک کرتی ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہاں پانی سے کنویں کا پانی ہی مراد ہو اور مطلب یہ ہو کہ کنویں کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، تو بھی آپ کے خلاف ہے کیونکہ تم کہتے ہو کہ اگر نجاست سے کنویں کے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ بدل جاوے تو نجس ہو جاوے گا، وہ کونسا کنواں ہے جو مرے کتوں، حیض کے کپڑوں اور بد بودار چیزوں کے گرنے کے باوجود اس کا رنگ بُو مزہ نہ بدلے، دن رات کا تجربہ ہے کہ اگر ایک مرغی بھی کنویں میں

پھول پھٹ جاوے تو پانی میں سخت تعفن آ جاتا ہے اور اس حدیث کی رو سے آپ کو فتویٰ دینا چاہیئے کہ وہابیوں کے کنوؤں میں مردار کتے، سور، حیض کے کپڑے خوب ڈالے جاویں اور تم اسی بدبودار پانی کو پیتے رہو تم نے بو اور مزہ بدلنے کی قید کہاں سے لگائی۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں تعجب ہے کہ حضور علیہ السلام ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنیکو بھی منع فرماتے ہیں اور یہاں مردار کتے ڈالنے سے ممانعت نہیں فرماتے لہٰذا یہ حدیث قابل عمل نہیں تمام مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے جیسا کہ ہم بھی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور جب احادیث میں تعارض ہو تو جو حدیث خلاف قیاس ہو، واجب الترک ہے اور جو مطابق قیاس ہو وہ واجب العمل ہے لہٰذا ان احادیث پر عمل کرو، جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ بضاعہ کنواں ہمارے ملک کے کنوؤں کی طرح نہ تھا۔ بلکہ اس کے نیچے پانی جاری تھا جیسا کہ آج مکہ معظمہ کے کنویں نہر زبیدہ پر بنے ہوئے ہیں اور مدینہ منورہ کے کنویں نہر زرقا پر واقع ہیں بظاہر کنویں معلوم ہوتے ہیں مگر درحقیقت وہ آب رواں کی نہریں ہیں، چونکہ پانی جاری تھا، اس لیے جو گندگی گری بہ گئی، پاک وصاف پانی آ گیا نہ اس میں بو تھی نہ کوئی گندگی، جاری نہر اور جاری دریا کا حکم یہ ہی ہے چنانچہ امام طحاوی نے امام واقدی سے نقل کیا۔

اَنَّ بِیْرَ بُضَاعَۃٍ کَانَتْ طَرِیْقًا لِلْمَآءِ اِلَی الْبَسَاطِیْنِ فَکَانَ الْمَاءُ اِلَّا یَسْتَقِرُّ فِیْھَا

''بضاعہ کنواں پانی کا راستہ تھا جو باغوں میں جاتا تھا، اس میں پانی ٹھہرتا نہ تھا۔''

اس صورت میں تمام احادیث متفق ہوگئیں اور مسئلہ بالکل حل ہو گیا لہٰذا کنواں گندگی گرنے سے نجس ہو جاتا ہے۔

اِعتراض نمبر 2

ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یُسْئَلُ عَنِ الْمَاءِ یَکُوْنُ فِی الْفَلَاۃِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا یَنُوْبُہٗ السِّبَاعَ وَالدَّوَآبَ قَالَ اِذَا کَانَ الْمَاءُ قُلَّتَیْنِ لَمْ یَحْمِلِ الْخُبْثَ

''فرماتے ہیں کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالانکہ آپ سے اس پانی کے متعلق سوال ہوا جو جنگلوں میں ہوتا ہے جس پر درندے اور جانور وارد ہوتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب پانی دو مٹکے ہو تو نجاست کو نہیں اٹھاتا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ دو مٹکے پانی نجاست گرنے سے نجس نہیں ہوتا۔ امام ترمذی نے محمد ابن اسحاق روایت کہ دو قلے پانی مشکیزہ ہوتے ہیں، جب پانچ مشکیزے پانی نجس نہیں ہوتا تو کنویں میں سینکڑوں مشکیزے پانی ہوتا ہے وہ کیسے نجس ہو سکتا ہے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے دو مٹکے پانی کبھی ناپاک نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی نجاست گرے خبث میں مقدار نجاست کی قید نہیں تو چاہیئے کہ اگر دو مٹکے میں چار مٹکے پیشاب پڑ جاوے اور اس کا بو مزہ رنگ سب

پیشاب کا سا ہو جاوے تب بھی وہابی پیتے رہیں۔ رنگ و بو نہ بدلنے کی قید تم نے کہاں سے لگائی؟ یہ بھی حدیث کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ لَمْ یَحْمِلِ الْخُبْثَ کے یہ معنے کیسے ہوئے کہ نجس نہیں ہوتا اس کے معنے ہیں نجاست برداشت نہیں کرتا۔ یعنی نجس ہو جاتا ہے جب یہ احتمال بھی موجود ہے تو تمہارا استدلال باطل ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ ہی معنے کئے جائیں کہ دو مٹکے پانی کبھی نجس نہیں ہوتا تو یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے کہ حضور ﷺ نے ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا خواہ دو مٹکے پانی ہو یا کم و بیش اور سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے چاہ زمزم میں حبشی کے گرنے پر اس کا پانی نکلوایا یہ کیوں وہاں تو ہزاروں مٹکے پانی تھا۔ لہٰذا یہ حدیث لائق عمل نہیں چوتھے یہ کہ قلتیں قلہ کا تثنیہ ہے قلہ مٹکے کو بھی کہتے ہیں اور انسان کی قد وقامت کو بھی اور پہاڑ کی چوٹی کو بھی یہاں قلہ کے معنی انسانی قد وقامت ہے اور اس سے گہرائی کا اندازہ بتانا مقصود نہیں بلکہ لمبائی کا اندازہ بیان کرنا مقصود ہے' یعنی جب پانی بہہ رہا ہو اور دو قامت انسان کی بقدر اسے بہنے کے لیے فاصلہ مل جاوے تو اب کسی چیز سے نجس نہ ہوگا کیونکہ وہ پانی نہروں کی طرح رواں جاری ہے گندگی بہا لے جاوے گا۔ فورا دوسرا پانی آوے گا۔ اس معنی سے احادیث میں تعارض بھی نہیں ہوگا اور ہر حدیث واجب العمل بھی ہوگی۔ یہ وجہ بہت بہتر ہے کیونکہ اگر قلہ کے معنی ہوں مٹکا تو پتہ نہ چلے گا کہ کتنا بڑا مٹکا کہاں کا مٹکا اور پانچ مشک مقدار مقرر کرنا بھی درست نہیں کہ حدیث میں مقدار مذکور نہیں۔ نیز یہ خبر نہیں کہ مشکیزہ کتنا بڑا اور کہاں کا غرض یہ کہ حدیث مجمل ہوگی مجمل پر عمل ناممکن ہے پانچویں یہ کہ اس حدیث میں وہ صورت مراد ہے کہ دو قلے پانی زمین پر خوب پھیلا ہوا بڑے حوض کی مقدار میں ہو یعنی سو ہاتھ سطح ہو گئی ہو۔ اب چونکہ یہ پانی تالاب میں ہو گیا' لہٰذا معمولی گندگی گرنے سے ناپاک نہ ہوگا۔ اس صورت میں بھی احادیث میں تعارض نہیں۔

اِعتَراض نمبَر 3

حنفیوں کا ڈول بڑے کمال والا ہے کہ ناپاک سے ناپاک کنویں سے صرف ناپاک پانی چھانٹ کر نکال لاتا ہے' پاک پانی چھوڑ آتا ہے۔ حیرت ہے کہ جب کنویں میں چڑیا مر گئی جس سے سارا کنواں ناپاک ہو گیا اور حنفیوں نے اس میں سے صرف تیس ڈول نکالے تو یا تو کہو کہ سارا کنواں ناپاک ہی نہ ہوا تھا۔ صرف تیس ڈول پانی ناپاک تھا جسے یہ کراماتی ڈول چھانٹ کر نکال لایا اگر کل کنواں ناپاک ہو گیا تھا تو تیس ڈول نکل جانے سے سارا پانی پاک کیسے ہو گیا؟

جواب

یہ کرامت وہابیوں کے ڈول میں بھی ظاہر ہوتی ہے جب کنویں کا بدمزہ رنگ بدل جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جاوے اور کنواں چشمہ والا ہو۔ جسکا پانی ٹوٹ نہ سکے اب وہابی صاحبان اسے پاک کریں بتاؤ اس صورت میں کل کنواں ناپاک ہوا ہے یا کچھ ڈول اگر کچھ ڈول پانی ناپاک ہوا ہے تو وہابیوں کا ڈول واقعی کراماتی ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر صرف گندا پانی نکال لایا اور پاک پانی کو ہاتھ نہ لگایا اور اگر کل کنواں ناپاک ہوا تھا تو کنویں کا کل پانی نکالا بھی نہیں پانی کے آس پاس کی دیواریں دھوئی بھی نہ گئیں اور کنواں پاک ہو گیا یہ کیسے ہوا اس کا جو جواب وہابی دیں گے وہ ہی ہماری طرف سے بھی سمجھ لیں۔ جناب عالی چڑیا مر جانے سے سارا ہی کنواں ناپاک ہو جاتا ہے مگر ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے لیے طریقے مختلف ہیں کوئی چیز سوکھ کر کوئی چل کر کوئی بہہ کر کوئی صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتی ہے ایسے

ہی اس کنویں کا پانی صرف آسانی کے لیے چالیس ڈول نکال دینے سے پاک ہوجاتا ہے۔ دیکھو منی ناپاک ہے لیکن جب کپڑے میں لگ کر خشک ہوجاوے تو صرف مل کر جھاڑ دینے سے کپڑا پاک ہوجاتا ہے تمہارا بھی یہ عقیدہ ہے۔ کہیئے یہ کپڑا دھوئے بغیر پاک کیسے ہوگیا۔ صرف آسانی کے لیے ایسی ہی آسانی کے لیے صرف چالیس ڈول نکال دینے سے سارا کنواں پاک ہوجاتا ہے۔

اعتراض نمبر 4

اگر چڑیا چوہا مرنے سے کنواں ناپاک ہوجاتا ہے تو ناپاک پانی کی وجہ سے کنویں کی دیوار بھی نجس ہوگئی اور جب اسے پاک کرنے کے لیے ڈول ڈالا گیا۔ تو وہ ڈول و رسی بھی نجس ہوگئی تو چاہیئے تو یہ تھا کہ اسے پاک کرنیکو دیوار بھی دھوئی جاتی اور ڈول رسی بھی پاک کی جاتی۔

جواب

اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر۳ کے جواب میں گزر گیا کہ ایسے موقعہ پر شریعت آسانی کرتی ہے کنویں کی دیواریں اور ڈول اور رسی دھونے میں سخت دشواری تھی۔ اس لیے اس کی معافی دی گئی۔ تم بھی اپنے گندے کنویں پاک کرتے وقت نہ کنویں کی دیواریں دھوتے ہو نہ ڈول، اور رسی آپ کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے اور نص کے مقابل قیاس دوڑانا جائز نہیں ہم پہلی فصل میں بتا چکے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہم صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہ زمزم پاک کیا مگر نہ اس کی دیواریں دھوئیں نہ ڈول و رسی۔

باب نمبر 24

نماز جمعہ وعیدین گاؤں میں نہیں ہوتی

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ نماز جمعہ و نماز عیدین گاؤں میں نہیں ہوتی۔ ان تینوں نمازوں کے لیے شہر یا شہر کی ملحقہ جگہ ہونا شرط ہے نہ گاؤں والوں پر جمعہ وعیدین لازم ہے اور نہ وہاں گاؤں میں یہ نمازیں جائز ہیں ہاں اگر گاؤں والے شہر آ کر یہ نمازیں پڑھ جائیں تو ثواب پائینگے مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جمعہ وعیدین ہر جگہ جائز ہے نماز ظہر کی طرح ہر گاؤں شہر میں ہوسکتی ہے اس لیے اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں پہلی فصل میں اسی ممانعت کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

ضروری نوٹ

خیال رہے کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کوچے و بازار ہوں ضروریات کی چیزیں مل جاتی ہوں اور وہاں کوئی حاکم بھی رہتا ہو جہاں یہ نہ ہو وہ گاؤں ہے۔

فصل نمبر 1

اس کے ثبوت میں

نماز جمعہ وعیدین کے لیے دوسری شرائط جماعت، خطبہ وغیرہ کیطرح شہر یا فضاء۔ شہر بھی شرط ہے کہ یہ نمازیں صرف شہر میں ہوں گی۔

گاؤں میں نہیں ہوسکتیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوْا الْبَيْعَ

(پارہ ۲۸ سورۃ ۶۲ آیت ۹)

”اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارتیں چھوڑ دو۔“

اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو اذان جمعہ ہو جانے پر دو حکم دیئے جمعہ کے لیے حاضر ہونا اور دوسرے تجارتی کاروبار چھوڑ دینا۔ جس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا۔ جہاں تجارتی کاروبار ہوں اور ظاہر ہے کہ تجارتی کاروبار بازاروں منڈیوں میں ہی ہوتے ہیں اور بازار و منڈیاں شہروں ہی میں ہوتی ہیں۔

حدیث نمبر ا تا ۳...... عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے غریب میں مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجمعہ میں امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيْقَ اِلَّافِىْ مِصْرٍ جَامِعٍ

”آپ نے فرمایا کہ جمعہ اور تکبیر تشریق نہیں ہوسکتے مگر بڑے شہر میں۔“

حدیث نمبر ۴...... ابن ابی شیبہ نے ان ہی امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

قَالَ لَا جُمُعَةَ وَ لَا تَشْرِيْقَ وَ لَا صَلٰوةَ فِطْرٍ وَ لَا اَضْحٰى اِلَّا فِىْ مِصْرٍجَامِعٍ اَوْ مَدِيْنَةٍ عَظِيْمَةٍ

”آپ نے فرمایا کہ نہ تو جمعہ ہوتا ہے نہ تکبیر تشریق نہ عید بقر عید کی نماز مگر بڑے شہر میں۔“

حدیث نمبر ۵...... بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عرفہ میں انہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَا تَشْرِيْقَ وَ لَا جُمُعَةَ اِلَّافِىْ مِصْرٍ جَامِعٍ

”آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے جمعہ اور نہ تکبیر تشریق مگر بڑے شہر میں“

حدیث نمبر ۶...... فتح الباری میں شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۶ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قَالَ لَيْسَ عَلٰى اَهْلِ الْقُرٰى جُمُعَةٌ اِنَّمَا الْجُمُعَةُ عَلٰى اَهْلِ الْاَمْصَارِ مِثْلُ الْمَدَآئِنِ

”آپ نے فرمایا گاؤں والوں پر نماز جمعہ فرض نہیں جمعہ مدائن جیسے شہر والوں پر فرض ہے۔“

حدیث نمبر ۷ تا ۹...... مسلم، بخاری، ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَّنَازِلِهِمْ وَ الْعَوَالِىْ فَيَاْتُوْنَ فِى الْغُبَارِ وَالْعَرَقِ الخ

”نماز جمعہ کے لیے لوگ اپنی منزلوں اور گاؤں سے مدینہ منورہ آتے تھے انہیں غبار لگ جاتا تھا اور پسینہ آ جاتا تھا“

حدیث نمبر ۱۰...... ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثوید رضی اللہ عنہ سے انہوں نے قبا والوں میں سے ایک صاحب سے انہوں نے اپنے والد سے جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں روایت کیا۔

قَالَ اَمَرَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّشْهَدَ الْجُمُعَةَ مِنْ قُبَاءٍ

''فرمایا کہ ہم قباوالوں کو نبی ﷺ نے حکم دیا کہ نماز جمعہ کے لیے قبا سے چل کر مدینہ آئیں۔''

حدیث نمبر ۱۱......ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ نبی کریم ﷺ سے راوی۔

قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰی مَنْ اٰوَاهُ اللَّیْلُ اِلٰی اَهْلِهٖ

''فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو جمعہ پڑھ کر رات تک اپنے گھر واپس پہنچ جائے۔''

حدیث نمبر ۱۲......ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

اَنَّ اَهْلَ قُبَاءٍ کَانُوْا یَجْمَعُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ

''قباوالے لوگ جمعہ کے دن نبی ﷺ کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔''

حدیث نمبر ۱۳، ۱۴......مؤطا امام مالک باب جمعة فی العوالی اور مؤطا امام محمد باب صلوۃ العیدین وامر الخطبہ میں بروایت ابن شہاب عن ابی عبید موسیٰ ابن ازہر ہے۔

قَالَ شَهِدْتُّ الْعِیْدَ مَعَ عُثْمَانَ فَصَلّٰی ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَالَ اِنَّهٗ قَدِ اجْتَمَعَ لَکُمْ فِیْ یَوْمِکُمْ هٰذَا عِیْدَانِ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْ اَهْلِ الْعَالِیَةِ اَنْ یَّنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ فَیَنْتَظِرُهَا وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّرْجِعَ فَقَدْ اَذِنْتُ لَهٗ

''فرمایا میں حضرت عثمان کے ساتھ نماز عید میں حاضر ہوا آپ نے نماز پڑھی پھر لوٹے اور فرمایا کہ آج کے دن میں دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، تو گاؤں والوں میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں وہ کریں اور جو واپس جانا چاہیں میں انہیں اجازت دیتا ہوں۔''

ان آخری احادیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی او زمانہ صحابہ میں قبا اور دیگر گاؤں سے لوگ نماز جمع وعیدین پڑھنے کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے۔ خواہ وہ اپنے گاؤں میں یہ نمازیں پڑھ لیتے تھے اگر گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہوتی تو یہ حضرات وہاں ہی پڑھ لیا کرتے گردوغبار تپش اور پسینہ کی زحمتیں اٹھا کر جمعہ وعیدین کے لیے مدینہ طیبہ نہ آیا کرتے۔ بخاری کے لفظ ینتابون اور مؤطا کے لفظ ان یرجع سے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں ورنہ ان کے باری باری آنے کے کیا معنی اور صرف عید پڑھ کر جو جمعہ کے دن تھی جمعہ پڑھے بغیر لوٹ جانے کا کیا مطلب؟

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور جنگلوں میں نہ ہو بلکہ صرف شہر میں ہو کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا حج الوداع بروز جمعہ ہوا یعنی ۹ ذوالحجہ عرفہ کے دن جمعہ تھا۔ جس میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کا اجتماع تھا مگر حضور ﷺ نے نہ تو خود میدان عرفات میں جمعہ پڑھا نہ مکہ کے حاجیوں کو اس کا حکم آیا نیز صحابہ کرام نے بہت ملک فتح کیے مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات نے گاؤں میں جمعے قائم کیے ہوں چنانچہ فتح القدیر باب الجمعہ میں ہے۔

وَلِهٰذَا لَمْ یُنْقَلْ عَنِ الصَّحَابَةِ حِیْنَ فَتَحُوا الْبِلَادَ وَاشْتَغَلُوْا بِنَصْبِ الْمَنَابِرِ وَالْجُمَعِ اِلَّا فِی الْاَمْصَارِ

''صحابہ کرام سے کہیں منقول نہیں ہوا کہ جب انہوں نے علاقے فتح کیے تو انہوں نے شہروں کے سوا کہیں اور عید اور جمعے قائم کیے ہوں۔''

اگر جمعہ ظہر کی طرح ہر جگہ ہو جایا کرتا تو یہ حضرات ہر جگہ ہی جمعہ قائم کرتے جیسے جمعہ کے لیے خطبہ جماعت وغیرہ شرط ہے جو نماز ظہر کے لیے شرط نہیں نیز جمعہ مسافر اور عورت و بیمار پر فرض نہیں ظہر سب پر فرض ہے ایسے ہی اگر جمعہ کے لیے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے غرضیکہ جمعہ سارے احکام میں ظہر کی طرح نہیں۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

اِعتراض نمبر 1

قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق اطلاق ثابت ہے' وہاں شہر کی قید نہیں تو تم مذکورہ احادیث کی وجہ سے قرآن میں قید کیسے لگا سکتے ہو قرآن مطلق حدیث واحد سے مقید نہیں ہو سکتا۔

جواب

اسکے چند جوابات ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن شریف میں نماز جمعہ کے لیے کوئی شرط نہیں لگائی گئی نہ وقت کی' نہ خطبہ کی' نہ جماعت کی' نہ جگہ کی' تو چاہیئے کہ نماز جمعہ دن رات فجر مغرب ہر وقت میں پڑھالیا کرو' نیز خطبہ کی بھی پابندی نہ ہو جنگل اور گھر میں اکیلا آدمی بھی جمعہ پڑھ سکے حالانکہ آپ لوگ بھی اس کے قائل نہیں دوسرے یہ کہ آیت جمعہ مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور مجمل کی تفصیل حدیث واحد سے بھی ہو سکتی ہے تیسرے یہ کہ یہ احادیث واحد نہیں عرفات میں حضور ﷺ کا جمعہ نہ پڑھنا تمام ان حاجی صاحبان نے دیکھا۔ جنگی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی۔ جس فعل شریف کو اتنے صحابہ دیکھیں وہ خبر واحد کیونکر ہو گی۔ چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں شہر کے شرط ہونیکی طرف اشارہ موجود ہے کہ رب نے حکم جمعہ کے ساتھ فرمایا وَذَرُوْا الْبَیْعَ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔

اِعتراض نمبر 2

بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی ﷺ شریف کے بعد سب سے پہلا جمعہ مسجد عبدالقیس میں ہوا جو بحرین کے ایک قریہ جواثی میں واقع ہے معلوم ہوا کہ قریہ یعنی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ عرب میں قریہ صرف گاؤں کو نہیں کہتے مطلقاً بستی کو کہتے ہیں گاؤں ہو یا شہر قرآن کریم میں بہت جگہ شہر کو قریہ کہا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۳ آیت ۳۱)

"کفار بولے کہ یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ وطائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا۔"

دیکھو اس آیت میں مکہ معظمہ وطائف کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ یہ بڑے شہر ہیں، مکہ معظمہ کی شہریت تو قرآن سے ثابت ہے وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ اور فرماتا ہے۔

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۲ آیت ۸۲)

"آپ پوچھیں اس شہر سے جسمیں ہم تھے۔"

دیکھو اس آیت میں مصر کو قریہ فرمایا گیا جو عظیم الشان شہر ہے۔

نمبر ۳۔ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۸ آیت ۷۷)

"یہ دونوں موسیٰ وخضر علیہما السلام ایک بستی میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا۔"

اس آیت میں انطاکیہ کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ بڑا شہر ہے بہر حال قریہ شہر کو بھی کہتے ہیں اور جواثی گاؤں نہ تھا بلکہ شہر تھا چنانچہ صحاح میں ہے۔

اَنَّ جَوَاثٰی حِصْنٌ بِالْبَحْرَیْنِ

"جواثی بحرین میں ایک قلعہ ہے۔"

اور ظاہر ہے کہ قلعہ شہروں میں ہوتا ہے (فتح القدیر) مبسوط میں ہے۔

اِنَّهَا مَدِیْنَةٌ بِالْبَحْرَیْنِ

"وہ بحرین میں ایک شہر ہے۔"

بہر حال جن لوگوں نے کہا ہے کہ جواثی قریہ ہے انکی مراد قریہ سے شہر ہے دوسرے یہ کہ اگر یہاں قریہ یعنی گاؤں ہو تو اسکی پہلی حالت مراد ہے یعنی پہلے وہ گاؤں تھا جمعہ قائم ہونے کے وقت شہر بن چکا تھا لہٰذا شہر والی روائتیں بھی درست ہیں گاؤں والی بھی تیسرے یہ کہ اگر جمعہ قائم ہونے کے وقت بھی گاؤں تھا تو وہاں جمعہ پڑھنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اپنے اجتہاد سے تھا نہ کہ حضور ﷺ کے حکم سے ان بزرگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا (از فتح القدیر وغیرہ)۔

اعتراض نمبر 3

بیہقی شریف میں بروایۃ عبدالرحمٰن ابن کعب عن کعب ابن مالک ہے فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے جمعہ ہم کو سعد ابن زارہ نے مقام حرہ بنی بیاضہ پر پڑھایا، پوچھا گیا کہ وہاں کتنے آدمی رہتے تھے۔ تو فرمایا صرف چالیس آدمی تھے حضرت کعب جب بھی اذان سنتے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دعائیں دیتے تھے دیکھو سعد بن زارہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں اور حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ بھی ان بزرگوں نے مع دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ایسی جگہ جمعہ پڑھایا جہاں صرف چالیس کی بستی تھی۔ معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔

جواب

یہ واقعہ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے کا ہے جب کہ جمعہ ابھی فرض بھی نہ ہوا تھا۔ بیعت عقبہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلا اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جیسے یہود ہفتہ کے دن اور عیسائی اتوار کے دن اپنے عبادت خانوں میں جمع ہو کر عبادتیں کرتے ہیں ہم بھی عروبہ کے دن جمع ہو کر عبادات کیا کریں۔ چنانچہ حضرت اسعد ابن زارہ نے حرہ بنی بیاضہ میں ایک خاص جگہ مسجد کی شکل کی بنائی اور وہاں عروبہ کے دن جمع ہونا نماز و وعظ کرنا شروع کر دیا اور اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا یعنی مسلمانوں کے اجتماع کا دن یہ نماز ان بزرگوں کی اپنی اجتہادی نماز تھی۔ نہ کہ موجودہ اسلامی جمعہ پھر رب تعالیٰ نے اسی دن میں نماز جمعہ فرض فرمائی اس کی تحقیق بیہقی میں اسی مقام پر اور فتح القدیر میں جمعہ کی بحث میں ملاحظہ کرو اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ نماز مروجہ جمعہ ہی کی نماز تھی۔ تو حرہ بنی بیاضہ مستقل گاؤں نہ تھا۔ بلکہ مدینہ منورہ کے مضافات میں سے تھا۔ یعنی فنائے شہر اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فنائے شہر کے جنگلوں میں بھی جمعہ و عیدین جائز ہیں۔

اِعتَراض نمبَر 4

بخاری شریف میں حضرت یونس سے مروی ہے کہ جناب رزیق ابن حکیم نے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین ایلہ میں جمعہ پڑھ لیا کروں جہاں چند سوڈانی وغیرہ مسلمان رہتے ہیں' انہوں نے جواب دیا ضرور دیکھو' محمد ابن شہاب نے رزیق کو ایک بہت چھوٹے سے گاؤں ایلہ میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ جمعہ گاؤں میں جائز ہے۔

جواب

اس کا جواب بخاری شریف کے اسی مقام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد ابن مسلم ابن شہاب زہری رحمتہ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا ہے نہ کہ کسی حدیث کی بناء پر انہیں مسئلہ معلوم نہ تھا۔ وہ سمجھے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی ہر جگہ ہو جاتا ہوگا لہٰذا یہ حکم دے دیا چنانچہ بخاری میں اس جگہ شہاب کا پورا خط نقل کیا ہے جس میں اس فتوے کی یہ دلیل نقل فرمائی ہے کہ مجھ سے سالم نے ان سے عبداللہ ابن عمر نے ان سے نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اس سے قیامت میں اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب کو گاؤں میں جواز جمعہ کی کوئی حدیث نہ ملی صرف اس حدیث سے استنباط کیا۔

اِعتَراض نمبَر 5

تمہاری پیش کردہ حدیثیں سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال ہیں نہ کہ نبی ﷺ کے فرمان ایک صحابی کے قول سے قرآنی آیت کے خلاف فتویٰ کیونکر دیا جا سکتا ہے۔

جواب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اقوال بھی حدیث ہیں جنہیں حدیث موقوف کہا جاتا ہے اور یہ حدیثیں اگر قیاسات کی نہ ہوں تو حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ قرآن شریف میں جمعہ کہ نماز کے لئے شہر کی صراحتاً قید نہ لگائی گئی اور پھر آپ نے فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی رائے سے یہ کلام نہیں فرمایا' بلکہ حضور ﷺ سے سن کر فرمایا اسی لئے صاحب ہدایہ

نے یہ حدیث مرفوعاً نقل فرمائی کیونکہ ایسی حدیثیں مرفوع کے حکم میں ہی ہوتی ہیں۔

اعتراض نمبر 6

جمعہ کی نماز نماز ظہر کی قائم مقام ہے اسی لئے جمعہ کے دن ظہر نہیں پڑھی جاتی صرف جمعہ ہی پڑھا جاتا ہے۔ جب ظہر گاؤں وشہر ہر جگہ ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ہر جگہ ہو جانا چاہئے۔

جواب

یہ اعتراض تم پر بھی پڑسکتا ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی اکیلے جماعت سے جنگل میں، گھر میں، مسجد میں ہر جگہ ہو جانا چاہئیے۔ اللہ کے بندو جب جمعہ اور ظہر میں بہت فرق ہیں کہ ظہر کی رکعتیں چار جمعہ کی دو ظہر میں سنت مئوکدہ چھ، چار تو فرضوں سے پہلے اور دو بعد میں جمعہ میں آٹھ، چار فرض سے پہلے اور چار بعد ظہر میں جماعت شرط نہیں اور جمعہ میں شرط ہے۔ ظہر میں خطبہ شرط نہیں جمعہ میں شرط ظہر میں ایک اذان جمعہ میں دو ظہر گھر میں بھی جائز مگر جمعہ کے لئے اذان عام کی جگہ ہونا ضروری ظہر سارے مسلمانوں پر فرض مگر جمعہ عورت ومسافر پر فرض نہیں، جب جمعہ اور ظہر میں اتنے فرق موجود ہیں تو اگر یہ فرق بھی ہو جائے کہ جمعہ کے لئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوا تھا۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں جمعہ پڑھا اور نہ ہجرت کے بعد قبا کے قیام کے دوران میں کیونکہ اس وقت مکہ معظّمہ دارالاسلام نہ تھا۔ اور قباء شریف شہر نہ تھا، جمعہ کے لئے دونوں چیزیں شرط ہیں۔

اعتراض نمبر 7

حنفی کہتے ہیں کہ موسم حج میں منیٰ میں جمعہ پڑھا جائے، منیٰ تو گاؤں بھی نہیں محض جنگل ہے اگر جمعہ کے لئے شہر شرط تھا تو منیٰ میں جمعہ جائز کیوں ہو گیا۔

جواب

حج کے زمانہ میں منیٰ شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں حاکم بھی موجود ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں جمعہ جائز ہے۔ اس زمانہ میں دہلی وکانپور کے مقابلہ کا شہر بن جاتا ہے عرفات محض میدان ہے چاہیئے تو تھا کہ وہاں نماز عید بھی پڑھی جاتی مگر چونکہ اس دن حج کے مشاغل بہت زیادہ ہیں اس لئے حجاج پر عید معاف ہے۔ رمی، قربانی، حجامت، طواف زیارت یہ سب دسویں تاریخ کو کئے جاتے ہیں ان کی ادا میں شام ہو جاتی ہے۔ خیال رہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے نہ عید واجب اور اکثر حجاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔

ضروری نوٹ

جہاں مسلمان گاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہوں، وہاں ان کو ظہر احتیاطی پڑھنے کا تاکیدی حکم دیا جائے ورنہ ان کا فرض ادا نہ ہوگا نماز ظہر رہ جائے گی۔

بَابْ نَمبَر 25

نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تلاوت قرآن مطلقاً خلاف سنت ہے اس میں نہ تو سورۃ فاتحہ پڑھی جاوے نہ کوئی اور سورۃ اس نماز میں صرف حمد الٰہی درود شریف اور دعا پڑھی جاوے ہاں اگر الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت ثناء الٰہی یا دعا کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے تلاوت کی نیت سے جائز نہیں' تلاوت اور دعا کی نیتوں کے احکام مختلف ہیں دیکھو ناپاکی (جنابت) کی حالت میں آیت قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام ہے' دعا کی نیت سے پڑھنا درست کسی نے پوچھا' آپ کا مزاج کیسا ہے۔ ہم نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اگر ہم ناپاکی کی حالت میں ہوں تب بھی یہ کہہ دینا جائز ہے لیکن اگر تلاوت قرآنی کی نیت سے یہ آیت پڑھی تو سخت جرم ہے' مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن کی نیت سے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں' پہلی فصل میں اپنے دلائل' دوسرے فصل میں اسی پر سوال و جواب۔

فَصل نَمبَر 1

اس مسئلہ پر دلائل

نمبر ا:۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۸۴)

''منافقین میں سے کوئی مرجائے تو آپ اسپر جنازہ نہ پڑھیں۔''

آیۃ کریم میں نماز جنازہ کو صلوۃ فرمایا مگر ساتھ میں علیٰ ارشاد فرمایا' جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے۔ عرفی نماز نہیں جیسے رب فرماتا ہے۔

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۵۶)

''اے مسلمانوں تم نبی پر درود و سلام پڑھو۔''

یہاں صَلُّوْا عَلَیْہِ میں نماز مراد نہیں بلکہ درود اور دعا مراد ہے کیونکہ اس کے بعد عَلٰی ارشاد ہے جب صلوٰۃ کے بعد عَلٰی ہو تو وہ بمعنی دعاء رحمت ہوتی ہے نہ کہ عرفی نماز اور ظاہر ہے کہ سورۃ فاتحہ و تلاوت قرآنی عرفی نماز کا رکن ہے نہ کہ دعا کا۔ دعا کے لئے تو حمد الٰہی درود شریف چاہئیے چونکہ جنازہ درحقیقت دعا ہے نہ کہ عرفی نماز لہٰذا اس میں تلاوت قرآن کیسی اسی لئے اس میں رکوع سجدہ نہیں اور اس میں میت کو آگے رکھا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۲...... مؤطا امام مالک میں بروایۃ نافع عن ابن عمر ہے۔

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَءُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ (فتح القدیر)

''سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔''

حدیث نمبر۳......اسی موطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

عَمَّنْ سَئَلَ اَبَا هُرَيْرَةَ كَيْفَ يُصَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَنَا لَعُمْرُكَ اُخْبِرُكَ اَتَّبِعُهَا مِنْ عِنْدِ اَهْلِهَا فَاِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ وَحَمِدْتُّ اللّٰهَ وَصَلَّيْتُ عَلٰى نَبِيِّهٖ ثُمَّ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ الخ۔ (فتح)

''روایت ہے اس سے جس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ وہ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا تمہاری عمر کی قسم میں بتاتا ہوں میں میت کے گھر سے اس کے ساتھ جاتا ہوں جب میت رکھی جاتی ہے تو تکبیریں کہتا ہوں اور اللہ کی حمد اس کے نبی صلعم پر درود عرض کرتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں الٰہی تیرا یہ بندہ تیرے فلانے بندے فلانی بندی کا لڑکا توحید و رسالت کی گواہی دیتا تھا الخ''

غور کرو، کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی نماز میں حمد، درود، دعا کا ذکر تو ہے۔ مگر تلاوت قرآن کا بالکل ذکر نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر۳، ۴......ابوداؤد ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاصَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ

''فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لئے خاص دعا کرو۔''

ہم لوگ اس حدیث کے معنی کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو خلوص دل سے اس کے لئے دعا مانگو اس سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہے مگر حضرات وہابی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو نماز میں خالص دعا کرو۔

ان کے اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں صرف دعا ہے اور دعا خالص اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں اور چیز ملاوٹ نہ ہو تو ان کے ہاں مطلب یہ ہے کہ جیسے نمازوں میں تلاوت، رکوع، سجدہ، التحیات و دعا وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے اس جنازہ کی نماز میں بجز دعا کہ کچھ نہ ہو، رہی حمد و درود یہ دعا کے توابع سے ہے کہ دعا کے آداب میں سے ہے بہر حال یہ حدیث ان کے معنی سے ہی انہی کے خلاف ہے۔ اور احناف کی تائید کرتی ہے۔

حدیث نمبر۵ تا ۱۶......عینی شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۴ باب قراءۃ الفاتحہ علی الجنازہ میں حسب ذیل احادیث ہیں۔

وَمِمَّنْ كَانَ لَا يَقْرَءُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ وَ يُنْكِرُ عُمَرُابْنُ الْخَطَّابِ ۲وَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِي طَالِبٍ ۳وَ ابْنُ عُمَرَ۴ وَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَ مِنَ التَّابِعِيْنَ عَطَاءٌ ۱ وَ طَاءُوْسٌ ۲وَ سَعِيْدٌ ۳وَ اِبْنُ الْمُسَيِّبِ۴ وَ اِبْنُ سِيْرِيْنَ ۵وَ سَعِيْدُ۶ ابْنُ جُبَيْرٍ وَ الشَّعْبِيُّ۷ وَ الْحَكَمُ ۸قَالَ اِبْنُ الْمُنْذِرِ وَبِهٖ قَالَ مُجَاهِدٌ ۹وَ حَمَّادٌ ۱۰وَ الثَّوْرِيُّ ۱۱وَ قَالَ

مَالِكٌ قِرَاةُ الْفَاتِحَةِ لَيْسَتْ مَعْمُوْلًا بِهَا فِيْ بَلَدِنَا فِيْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ

> ''اور جو حضرات نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے ان میں حضرت عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، ابن عمر اور ابو ہریرہ ہیں اور تابعین میں سے حضرت عطاء، طاؤس، سعید ابن مسیب، محمد ابن سیرین، سعید ابن جبیر، امام شعبی اور حکم ہیں ابن منذر کہتے ہیں کہ یہ ہی قول مجاہد اور حماد ثوری کا ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنے کا رواج نہیں۔''

عقل کا تقاضا بھی یہ ہی ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ ہو، کیونکہ عام نمازوں میں جیسے تلاوت قرآن رکن ہے ویسے ہی رکوع، سجدہ، التحیات میں بیٹھنا بھی رکن ہے اور ان نمازوں میں قبر یا میت یا کسی زندہ آدمی کا منہ اپنے سامنے ہونا حرام ہے نماز جنازہ میں نہ تو رکوع، سجود و التحیات ہے اور یہ نماز میت کو آگے رکھ کر ادا کی جاتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے اور دعا میں حمد، درود تو ہے مگر تلاوت قرآن نہیں لہٰذا نماز جنازہ میں تلاوت بھی نہیں، وہابی حضرات کو چاہیئے کہ جب نماز جنازہ میں تلاوت کرتے ہیں تو رکوع سجدہ بھی کیا کریں ہمارے ہاں پنجاب میں نماز جنازہ شروع ہوتے وقت پکار کر ایک آدمی نیت کی یوں تلقین کرتا ہے نماز جنازہ فرض کفایہ ثنا واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا واسطے حاضر میت کے منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے امام کے اس سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان نماز جنازہ کو حمد، درود و دعا کا مجموعہ ہی سمجھتے ہیں اسے مروجہ پنجگانہ نماز نہیں سمجھتے، بہر حال نماز جنازہ میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

فصل نمبر 2

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

اب تک ہم کو جس قدر اعتراضات مل سکے ہیں، ان کے جوابات عرض کرتے ہیں اگر بعد میں کوئی نیا اعتراض ملا تو انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اس کا جواب دے دیا جائیگا۔

اعتراض نمبر 1

مشکوٰۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔

عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِاللهِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَءَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ قَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ

> ''روایت ہے طلحہ ابن عبداللہ ابن عوف رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس لیے پڑھی کے تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ سنت رسول اللہ ہے اور صحابہ کا عمل۔

جواب

اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بعد میت کو ایصال ثواب کے لیے پڑھی ہو جیسا کہ فقراء کی ف سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ ف تعقیب کی ہے' دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ کسی تکبیر کے بعد پڑھی' تیسرے یہ کہ اگر اپنی طرف سے کوئی تکبیر بھی مقرر کرلو تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ بنیت حمد وثناء پڑھی یا بنیت تلاوت' بنیت دعا و تلاوت پڑھنا ہم بھی جائز کہتے ہیں' چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ و تابعین کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے یہ عمل اس لیے کیا تا کہ تم جان لو یہ سنت ہے تو پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نہ تو پڑھتے تھے اور نہ اسے سنت جانتے تھے اسی لیے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑی' پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ ہے۔ بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے دوسری ثناء اور دعاء کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں چھٹے یہ کہ نبی کریم ﷺ سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہو' ساتویں یہ کہ بجز سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے' جیسا کہ ہم فصل اول میں عرض کر چکے ہیں چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

نبی ﷺ سے جنازہ میں قرات ثابت نہیں بہرحال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بالکل مجمل ہے' جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

اعتراض نمبر 2

مشکوٰۃ شریف' ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَءَ عَلَی الْجَنَازَۃِ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ

"کہ نبی ﷺ نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔"

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ہے۔

جواب

اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی حَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِیْثٌ لَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِذَاکَ الْقَوِیِّ اِبْرَاھِیْمُ ابْنُ عُثْمَانَ ھُوَ اَبُوْ شَیْبَۃَ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ

"ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اسناداً قوی نہیں ابراہیم ابن عثمان منکر حدیث ہے۔"

دوسرے یہ کہ ابوداؤد نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ غلطی

سے ابوداؤد کا نام لے گئے (مرقاۃ) تیسرے یہ کہ اگر حدیث صحیح بھی مان لو تو بھی اس سے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھی ہو۔ یہاں اس کا بیان ہے چنانچہ اس حدیث کی شرح اشعۃ اللمعات میں ہے۔

> واحتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش از اں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ آلان متعارف است
>
> ''یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے نماز جنازہ سے پہلے یا بعد‘ جنازہ پر برکت کے لیے پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔''

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ملتا تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جواز یا استحباب کرنے کے لیے نہایت کھری صحیح ٹکسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود وجوب ثابت کرنے کے لیے ایسی مجمل اور منکر وضعیف حدیثیں پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے۔

اعتراض نمبر 3

جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو حدیث شریف میں ہے **لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ** (بغیر سورۃ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی) نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورۃ فاتحہ نہ ہونی چاہیے۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ میں رکوع وسجدہ بھی کیا کریں‘ کیونکہ نماز میں یہ بھی فرض ہے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہنا صرف اس لیے ہے کہ اس میں نماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں‘ جیسے وضو‘ قبلہ کو رخ‘ اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو بھی آگے نہ رکھا جاتا۔

خاتمہ

آخر کتاب میں ہم چند اہم ضروری مسائل عرض کرتے ہیں جن سے اہل سنت احناف کے دل باغ باغ ہو جاویں‘ گلشن تقلید کے ایسے پھول سنگھاتے ہیں‘ جن سے ان کے دماغ ایمان سے مہک جاویں‘ کیونکہ وہابی غیر مقلدین کی خشک گفتگو سنتے سنتے دل گھبرا گیا۔

مسئلہ 1

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب

غیر مقلد وہابی حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سخت دشمن ہیں۔ ان کے مسائل پر پھبتیاں کستے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض نے امام اعظم کی تاریخ ولادت سگ‘ اور تاریخ وفات بوکم جہاں پاک‘ لکھی ہے‘ نعوذ باللہ اسی کے جواب میں بعض احناف نے کہا

وہابی اور گدھ کے عدد ایک ہی ہیں یعنی ۲۴ گدھ بھی مردار خور ہیں اور یہ لوگ بھی' گذرے ہوئے بزرگوں کی برائی' غیبت کو قرآن کریم نے مرے بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے۔ خیال رہے کہ وہابی کے عدد چوبیں' چوہے کے عدد چوبیں' وہابی چوہے کیطرح دین کترتے ہیں' گدھ کی طرح غیبت کر کے مردار کھاتے ہیں۔ مجھے اس سے صدمہ ہوا' دل نہ چاہا کہ اس عالی جناب کے کچھ حالات اور مناقب مسلمانوں کو سناؤں اور بتاؤں کہ حضرت امام کا اسلام میں کیا درجہ و منزلت ہے' شائد رب تعالیٰ ان بزرگوں کی مدح خوانی کو میرے لیے کفارہ سیات بنادے اور مجھے ان بزرگوں کے غلاموں میں حشر نصیب فرمادے۔ مسلمان اپنے امام کے مناقب سنیں اور ایمان تازہ کریں۔

امام اعظم کا نام ونسب

حضرت امام ابوحنیفہ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوطی ہے حضرت زوطی یعنی امام کے دادا فارسی النسل ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار اور آپکے خاص مقربین بارگاہ میں سے تھے آپ ہی کی محبت سے کوفہ میں قیام اختیار کیا' جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دارالخلافہ تھا حضرت زوطی اپنے فرزند حضرت ثابت کو جب بچہ تھے حضرت علی مرتضیٰؓ کے پاس دعا کے لیے لے گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ثابت کے لیے دعا فرمائی اور بہت برکت کی بشارت دی۔ حضرت امام حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کرامت و بشارت ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی خیرزان قبرستان میں دفن ہوئے' آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے ستر سال عمر شریف ہوئی۔

حضرت امام نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا' جن میں چار صحابہ سے ملاقات کی انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو بصرے میں تھے' عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ جو کوفہ میں تھے' سہیل ابن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ جو مدینہ منورہ میں تھے ابو طفیل عامر ابن واصلہ جو مکہ معظمہ میں تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں' مگر یہ قول رائج ہے امام اعظم حضرت حماد رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص اور مخصوص صحبت یافتہ ہیں دو سال تک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی معیت نصیب ہوئی۔

حضرت امام کو منصور بادشاہ کوفہ سے بغداد لایا۔ پھر آپ سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنیکی درخواست کی آپ نے انکار کیا اس پر آپ کو قید کر دیا اور قید میں ہی یہ آفتاب عالم و عمل غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

امام اعظم کے مناقب

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے فضائل و مناقب ہماری حد وعد سے باہر ہیں حضرت امام حضور ﷺ کا زندہ جاوید معجزہ اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی نہ مٹنے والی کرامت ہیں۔ امت مصطفویہ کے چراغ دینی مشکلات کو حل فرمانے والے ہیں۔ الحمد للہ اہل سنت احناف بڑے خوش نصیب ہیں ہمارا رسول رسول اعظم ﷺ ہمارا پیر غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہمارا امام امام اعظم عظمت و عزت ہمارے ہی نصیب میں ہے بفضلہٖ تعالیٰ و کرمہٖ' ہم تبرک کے لیے چند مناقب عرض کرتے ہیں۔ حنفی سنیں اور باغ باغ ہوں (۱) حضور سید عالم ﷺ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پیشینگوئی اور فضیلت نہات اہتمام سے بیان فرمائی چنانچہ مسلم و بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابونعیم' شیرازی'

لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ وَ فِيْ رَوَايَةِ الْبُخَارِيْ وَ الْمُسْلِمْ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لِتَنَاوَلَهٗ رَجُلٌ مِنْ فَارِسٍ

''اگر ایمان ثریا تارے کے پاس ہوتا تو فارسی اولاد میں سے بعض لوگ وہاں سے لے آتے مسلم و بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ قسم اسکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر دین ثریا تارے میں لٹکا ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا۔''

بتاؤ فارسی النسل میں اس شان کا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کون ہوا؟

(۲) علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم کے فضائل میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے۔ خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان اس میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تُرْفَعُ زِيْنَتُ الدُّنْيَا سَنَةَ خَمْسِيْنَ وَمِائَةً

''سنہ ڈیڑھ سو میں دنیا کی زینت اٹھالی جاوے گی۔''

سنہ ڈیڑھ سو میں حضرت امام اعظم کی وفات شریف ہے معلوم ہوا کہ امام اعظم دنیائے شریعت کی زینت' شریعت کی رونق علم وعمل کی زیبائش تھے' امام کروری نے فرمایا کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہی اشارہ ہے۔

(۳) حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ دنیائے اسلام میں پہلے وہ عالم دین ہیں جنہوں نے فقہ اور اجتہاد کی بنیاد رکھ کر ساری امت رسول پر احسان عظیم فرمایا باقی تمام ائمہ جیسے امام شافعی' امام مالک' امام احمد حنبل' وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی بنیاد پر عمارت قائم کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں جو اچھا و نیک طریقہ ایجاد کرے اسے اپنا بھی ثواب ملے گا اور تمام عمل کرنے والوں کا بھی۔

(۴) حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تمام فقہاء و محدثین کے بلا واسطہ یا بالواسطہ استاد ہیں' یہ تمام حضرات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سوتیلے بیٹے اور ان کے شاگرد ہیں' ایسے ہی امام مالک نے حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات سے فیض حاصل کیا' نیز امام بخاری محدثین کے استاد ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے استاذ و شیخ حنفی ہیں گویا آسمان علم کے سورج امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں باقی علماء تارے۔

(۵) امام اعظم رحمتہ اللہ کے بلا واسطہ شاگرد ایک لاکھ سے زیادہ ہیں جن میں اکثر مجتہد ہیں جیسے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ' امام زفر رحمۃ اللہ علیہ' امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو دنیائے علم کے چمکتے ہوئے تارے ہیں حضرت امام محمد صاحب نے نوسو نوے دینی شاندار کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چھ کتابیں بڑے پائے کی ہیں۔ جنہیں کتب ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے اور یہ تمام کتب فقہ کی اصل مانی جاتی ہیں۔

(۶) تمام نبیوں کے سردار چار نبی ہیں آسمانی صحیفوں کی سردار چار کتب' فرشتوں کے سردار چار فرشتے صحابہ میں افضل واعلیٰ چار یار۔ علمائے مجتہدین میں افضل چار امام' پھر ان چار نبیوں میں حضور افضل چار کتابوں میں قرآن افضل' چار فرشتوں میں حضرت جبرئیل افضل' چار یار میں حضرت ابوبکر صدیق افضل' چار اماموں میں امام اعظم افضل' اس لیے امام شافعی نے فرمایا کہ فقہاء ابوحنیفہ کی اولاد ہیں وہ ان سب کے والد

(۷) امام اعظم جیسے آسمان علم کے سورج ہیں ویسے ہی میدان عمل کے شہ سوار چنانچہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز

پڑھی‘ چالیس سال ایسے روزے رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی‘ گھر سے کھانا لائے‘ باہر طلباء کو کھلا دیا۔ گھر والے سمجھے کہ باہر جا کر کھایا باہر والے سمجھے کہ گھر میں کھا کر تشریف لائے۔ ہمیشہ ماہ رمضان میں اکسٹھ قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ ایک قرآن دن میں‘ ایک رات میں‘ اور ایک سارے مہینہ میں تراویح میں مقتدیوں کے ساتھ پچپن حج کیے۔

(۸) امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار قبول دعا کے لیے اکسیر اعظم ہے‘ چنانچہ حضرت امام شافعی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں بغداد شریف امام اعظم کے مزار شریف پر حاضر ہوتا ہوں‘ دو رکعت نفل پڑھ کر امام اعظم کی قبر شریف کی برکت سے دعا کرتا ہوں بہت ہی جلد حاجت پوری ہوتی ہے امام شافعی جب امام اعظم قدس سرہٗ کی قبر انور پر حاضر ہوئے تو حنفی نماز پڑھتے تھے کہ قنوت نازلہ نہ پڑھتے تھے کسی نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے فرمایا کہ اس قبر والے کا احترام و ادب کرتا ہوں۔ شامی۔ خیال رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام شافعی بغداد شریف میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے ادب میں سنت ترک فرما دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی امام یا مقلد یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق ہوں‘ دوسرے آئمہ غلطی پر بلکہ اپنے حق میں ہونے کا ظن غالب کرتا ہے تو گویا حضرت امام شافعی نے یہاں حاضر ہو کر اس پر عمل کیا جسے امام اعظم سنت سمجھتے ہیں‘ اس میں ایک سنت کا ترک دوسری سنت پر عمل ہے لہٰذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

(۹) امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے سو بار رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ آخری بار جو دعا رب سے پوچھی اور رب نے جو جواب دیا وہ ردالمختار میں تفصیل وار درج ہے۔

(۱۰) امت محمدیہ کے بڑے بڑے اولیائے اللہ‘ غوث و قطب‘ ابدال‘ اوتار حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ کے مقلد ہیں جس قدر اولیاء مذہب حنفی میں ہیں دوسرے مذہب میں نہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ابن ادہم‘ شقیق بلخی‘ معروف کرخی‘ حضرت بایزید بسطامی فضیل ابن عیاض خراسانی‘ داؤد ابن نصر‘ ابن نصیر ابن سلیمان طائی، ابو عامد لفاف خزردی بلخی۔ خلف ابن ایوب‘ عبداللہ ابن مبارک دلی‘ فقیہ‘ محدث‘ وکیع ابن جراح شیخ الاسلام ابوبکر ابن وراق ترمذی جیسے سرداران اولیاء حنفی ہی ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں‘ غرض یہ کہ مذہب حنفی مذہب اولیاء ہے آج بھی تقریباً سارے اولیاء اللہ حنفی ہی ہیں۔ فخر پاک و ہند حضرت داتا گنج بخش ہجویری جن کا آستانہ مرجع خلائق ہے۔ حنفی تھے آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کے بڑے فضائل کشف سے بیان فرمائے اسی طرح تمام چشتی‘ قادری‘ نقشبندی‘ سہروردی‘ مشائخ سب حنفی ہیں۔

(۱۱) حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب حنفی عالم میں اتنا شائع ہوا اتنا پھیلا کہ جہاں اسلام ہے‘ وہاں مذہب حنفی ہے اکثر مسلمان حنفی ہیں‘ حرمین طیبین‘ میں اکثر حنفی بلکہ دنیائے اسلام کے بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں صرف حنفی مذہب ہی ہے‘ دوسرے مذہب کو عوام جانتے بھی نہیں جیسے بلخ بخارا‘ کابل قندھار‘ اور تقریباً سارا ہندوستان اور پاکستان کہ یہاں شافعی، حنبلی، مالکی دیکھنے میں نہیں آئے کچھ غیر مقلد وہابی جو کہیں کے نہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ مٹھی بھر جماعت ایسی گم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اس مقبولیت عامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم مقبول بارگاہ الٰہی ہیں اور مذہب حنفی عنداللہ محبوب ہے۔

(۱۲) امام اعظم کے مخالفین نے بھی امام اعظم کے فضائل و مناقب میں بہت عظیم الشان کتابیں لکھیں چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے خیرات

الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان لکھی اور سبط ابن جوزی نے کتاب الانتصار الامام آئمۃ الامصار دو جلدوں میں لکھی، امام جلال الدین سیوطی شافعی نے تبیض الصحیفہ فی المناقب ابی حنیفہ لکھی، علامہ یوسف ابن عبد الہادی حنبلی نے تنویر الصحیفہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ تحریر فرمائی، جس میں ابن عبد اللہ کا قول نقل فرملیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حنیفہ جیسا عالم فقیہہ متقی بہترین نہ دیکھا۔

غرضیکہ امت مرحومہ حضرت امام ابو حنیفہ قدس سرہٗ کے فضل وکمال کے گواہ ہیں اگر مٹھی بھر وہابی ان کی شان میں بکواس کریں تو کیا اعتبار اگر چمگادڑ سورج کو برا کہے تو سورج سیاہ نہیں ہو جاتا جیسے آج روافض حضرات صحابہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ایسے ہی وہابی غیر مقلد حضرات امام رضی اللہ عنہ پر۔

(۱۳) تمام آئمہ مجتہدین میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہات قریب ہے کہ آپ کی ولادت پاک سنہ ۸۰ ہجری میں ہے آپ تابعی ہیں آپ نے چار صحابہ سے ملاقات روایت کی۔ جنہوں نے آپ کی تابعیت کا انکار کیا محض تعصب سے کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سیدنا عبد اللہ ابن ابی اوفیٰ جیسے صحابی امام اعظم کے زمانہ میں کوفہ میں ہوں اور حضرت امام ان سے نہ ملیں آج بزرگوں سے ملنے دنیا کھنچی آتی ہے۔ صحابہ کی شان کا کیا پوچھنا بہر حال آپ تابعی ہیں اور آپ کی صحیح حدیثیں حضور سے ملیں۔ خیر القرون میں ہوئے۔

خیال رہے کہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ۸۰ ہجری میں ہوئی وفات سنہ ۱۵۰ سن ہجری میں عمر شریف ستر سال مزار شریف بغداد میں امام مالک کی ولادت سنہ ۹۰ ہجری میں وفات ۱۷۹ ہجری میں عمر شریف ۸۹ سال، مزار شریف مدینہ منورہ میں امام شافعی کی ولادت ۱۵۰ ہجری میں وفات ۲۰۴ ہجری میں عمر ۵۴ سال، آپ امام اعظم کی وفات کے دن پیدا ہوئے، امام احمد ابن حنبل کی ولادت شریف ۱۶۴ھ میں وفات سنہ ۲۴۱ھ میں، عمر شریف ۷۷ سال۔

(۱۴) حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بیت نبوت سے خاص فیوض و برکات حاصل کئے جو دوسرے آئمہ کو حاصل نہ ہوئے کیونکہ امام اعظم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس پاک میں دو سال حاضر رہے خود فرماتے ہیں **لَوْ لَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ** اگر وہ دو سال نہ ملتے تو نعمان یعنی میں ہلاک ہو جاتا۔

(۱۵) حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مظہر اتم ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے خلیفہ اول ہیں اور امام اعظم حضور کی امت کے مجتہد اول صدیق اکبر جامع قرآن ہیں امام اعظم جامع مسائل فقہ اور قواعد دینیہ ہیں حضرت صدیق اکبر نے حضور کے بعد پہلے عدل و انصاف کے قوانین خلافت کی بنیاد رکھی، امام اعظم نے اجتہاد اور تفقہ کی بنیاد رکھی، ابو بکر صدیق نے امت مصطفوی کی بروقت مدد و اعانت کی کہ انہیں اختلاف سے بچالیا، شیرازہ بکھرنے نہ دیا، امام اعظم نے مسلمانوں کی اتنی بڑی مدد کی انہیں کفر والحاد زندقہ کی آندھیوں سے بچالیا، آج ان کے اجتہاد علمی کی برکت سے امت مسلمہ کفار و مرتدین کے فتنوں سے محفوظ ہے۔

(۱۶) جیسے حضور غوث اعظم تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ سب کی گردن پر حضور غوث پاک کا قدم ہے، آپ طریقت کے امام اول ہیں کسی نے کیا خوب کہا۔

غوث اعظم درمیان اولیاء
چوں جناب مصطفیٰ در انبیاء

ایسے ہی امام اعظم تمام علماء کے سردار ہیں کہ تمام علماء شریف آپ کے زیر سایہ ہیں اسی لئے طریقت کے امام اول کا لقب غوث اعظم ہوا اور شریعت کے امام اول کا لقب امام اعظم بغداد شریف مجمع بحرین ہے کہ دونوں امام وہاں آرام فرما ہیں۔

مسئلہ 2

تقلید کی اہمیت

ہم نے رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے جاء الحق حصہ اول میں مسئلہ تقلید بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے جس کا جواب آج تک وہابی غیر مقلدین سے نہ بن سکا اگر شوق ہو تو وہاں مطالعہ فرماویں، اس جگہ کتاب کی تکمیل کے لئے کچھ بطور اختصار تقلید کی ضرورت تقلید کے فوائد تقلید نہ کرنے کے نقصانات عرض کئے جاتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے آمین۔

خیال رہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ واکمل التحیۃ میں بعض وہ خوش نصیب لوگ ہیں۔ جنہیں حضور سید عالم ﷺ کی صحبت میسر ہوئی، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیدار یار کیا وہ حضرات آسمان نبوت کے تارے ساری امت کے ہادی وامام ہیں ان کے حق میں خود حضور انور ﷺ نے بشارت دی۔

اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ

”میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔“

رب تعالیٰ نے انہیں اپنے حبیب ﷺ کی صحبت پاک کی برکت سے گمراہی بدعقیدگی فسق وفجور سے محفوظ ومامون رکھا، خود ارشاد فرماتا ہے۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۲۶)

”رب تعالیٰ نے ان صحابہ پر پرہیزگاری کا کلمہ لازم فرمایا اور وہ اس کے مستحق ہیں۔“

دوسری جگہ صحابہ کرام کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۷)

”اے صحابہ کرام رب نے کفر وفسق اور گناہوں سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈال دی“

اور تمام صحابہ سے رب نے جنتی ہونے کا وعدہ فرما لیا کہ ارشاد فرمایا۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۹۵)

”رب نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرما لیا“

بلکہ رب تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو تمام جہان کے ایمان کا معیار بتایا جسکا ایمان ان کی طرح ہو وہ مومن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ بے دین ہے کہ فرمایا۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۳۷)

”اگر یہ لوگ تمارے ایمان کی طرح ایمان لاویں تو ہدایت پر ہوں گے۔“

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے فضائل ومراتب دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب ''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک نظر'' کا مطالعہ کرو۔ بہر حال حضور ﷺ کی صحبت شریف کی برکت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دل روشن سینے نورانی تھے' وہ حضرات فرش پر قدسی صفات کے حامل تھے۔ نہ ان میں دینی جھگڑے تھے نہ بہت فرقے' نہ مذہبی اختلاف نہ فتنے وفساد لہٰذا اس خیر القرون کو باقاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی وہ تمام جہان کے امام تھے وہ کس کو تقلید کرتے۔

بعد میں مسلمانوں میں مذاہب کا اختلاف خیالات انتشار مسائل کی فراوانی فلسفہ ومنطق کا الحاق پیدا ہوا' تب علماء ملت نے قرآن وحدیث سے مسائل استنباط فرمائے دین محمدی کے جزئیات کو آئینہ کی طرح صاف فرما دیا امت نے محسوس کیا' کہ اب تقلید آئمہ کے بغیر چارہ نہیں غرضیکہ بعد کے مسلمان تین قسم کے ہوگئے' عوام' علماء' مجتہدین' عوام نے علماء کی پیروی اور علماء نے آئمہ مجتہدین کی تقلید کو لازم وضروری سمجھا' یہ تقلید واجتہاد ضروریات زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ اولاً جب تک ضرورت پیش نہ آئی صحابہ کرام نے قرآن کریم بھی کتابی شکل میں جمع نہ فرمایا' عہد عثمانی میں جب ضرورت پڑی تو قرآن کتابی شکل میں جمع ہوا۔ پھر بہت عرصہ کے بعد قرآن میں زیر زبر لگائے گئے۔ پھر بہت عرصہ کے بعد اس میں رکوع سیپارے مرتب کئے گئے کسی صحابی نے جمع حدیث اور حدیث کے اقسام واحکام بنانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی' بخاری مسلم وغیرہ عہد صحابہ کے بہت بعد کی کتابیں ہیں' غرضیکہ دینی ضرورتیں بڑھتی گئیں' یہ چیزیں بنتی گئیں' یہ ہی حال آئمہ کی تقلید کا ہے' جیسے آج یہ نہیں کہا جا سکتا' کہ قرآن کا جمع' اعراب سیپارے بنانا۔ علم حدیث اور کتب حدیث' بدعت ہیں' عہد نبوی یا عہد صحابہ میں نہ تھے ایسے ہی یہ بھی کہنا حماقت ہے کہ تقلید آئمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا۔ آج اگر جمع شدہ قرآن اور مسلم بخاری ضروری ہیں۔ تو اماموں کی تقلید بھی لازم ہے۔ ہم اس جگہ نہایت اختصار سے تقلید کی اہمیت قرآن، حدیث، عمل امت اور عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ سنیئے اور ایمان تازہ کیجئے رب فرماتا ہے۔

(۱) فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۶ آیت ۴۳)

''پھر اگر تم نہ جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھو۔''

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دینی بات میں اپنی اٹکل نہ لگائے ناواقف کو ضروری ہے کہ واقف سے پوچھے جاہل عالم سے پوچھے' غیر مجتہد علماء سے دریافت کریں' اس ہی کا نام تقلید ہے۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۵۹)

''اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے امر والے علماء کی''

قرآن کریم پر عمل اللہ کی اطاعت ہے حدیث شریف پر عمل حضور کی فرمانبرداری اور فقہ پر عمل اولی الامر کی اطاعت ہے' یہ تینوں اطاعتیں ضروری ہیں' امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا یہاں اولوالامر سے مراد علماء دین ہیں نہ کہ سلاطین' کیوں کہ بادشاہوں پر علماء کی اطاعت بہر حال ضروری ہے۔ مگر علماء پر بادشاہوں کی اطاعت ہر حال میں واجب نہیں' صرف انہیں احکام میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں ایسے ہی حکام وسلاطین علماء سے احکام حاصل کریں گے۔

(۳) وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

(پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۰۰)

"اول سبقت کرنیوالے مہاجرین اور انصار اور وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہوا یہ اللہ سے راضی۔"

اس سے پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تین جماعتوں سے راضی ہے۔ مہاجرین' انصار اور تا قیامت ان کی اتباع وتقلید کرنے والے مسلمان غیر مقلد ان تینوں جماعتوں سے خارج کیونکہ نہ تو وہ مہاجر صحابی ہیں نہ انصاری اور نہ ان کے مقلد، ان کے نزدیک تقلید شرک ہے

(۴) وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۱ آیت ۱۵)

"اس کے راہ چلو جو میری طرف رجوع لایا۔"

اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے چاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بندے ہیں اور تمام اولیاء علماء صالحین مومنین ان کے مقلد لہٰذا تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدین وہابیت مردودوں کا راستہ ہے۔

(۵) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۱۹)

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔"

معلوم ہوا کہ صرف ہمارا تقویٰ و پرہیز گاری بخشش کے لئے کافی نہیں' پرہیز گاری کے ساتھ اچھوں کے ساتھ دوستی / تعلق بھی لازم ہے ورنہ راستہ میں ڈکیتی کا اندیشہ ہے چاروں امام اچھے ہیں' اور امت کے سارے اچھوں نے تقلید کی سارے اولیاء علماء محدثین مفسرین مقلد گزرے' غیر مقلدوں میں اگر کوئی ولی گزرا ہو تو دکھاؤ' جس شاخ میں پھل پھول پتے نہ لگیں وہ چولھے کے لائق ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا ہے۔

(۶) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (پارہ ۱ سورۃ ۱ آیت ۶'۵)

"ہم کو ہدایت دے سیدھے راستہ کی انکا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستہ کی پہچان یہ ہے کہ اس پر اولیاء اللہ علماء صالحین ہوں دیکھ لو سارے اولیاء صالحین مقلد ہیں' حضور غوث پاک خواجہ اجمیری بہاؤالدین نقشبند امام ترمذی وغیرہ جیسے پایہ کے بزرگ مقلدین گزرے لہٰذا تقلید سیدھا جنت کا راستہ ہے۔ اور وہابیت غیر مقلدیت ٹیڑھا راستہ جو دوزخ تک پہنچائے گا۔

(۷) وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِمَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۱۵)

"جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کی راہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے جدھر وہ پھرے گا ہم ادھر ہی پھیر دینگے اور اسے دوزخ میں پہونچائینگے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو سزا حضور ﷺ کی مخالفت کرنیوالے کفار کی ہے' وہ ہی سزا ان کلمہ گو بے دینوں کی بھی ہے جو مسلمانوں کا

راستہ چھوڑ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائیں' تقلید عام مسلمانوں کا راستہ ہے غیر مقلد ان سب سے علیحدہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔

(۸) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

(پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۴۳)

''اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور نبی تمہارے گواہ۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان رب تعالیٰ کے دنیا و آخرت میں گواہ ہیں' جس آدمی یا جس راستہ یا جس مسئلہ کو عام مسلمان اچھا کہیں واقعی اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ واقعی میں برا، دیکھ لو۔ عام مسلمان تقلید کو اچھا کہتے ہیں' مقلد ہیں' اور غیر مقلدوں کو برا جانتے ہیں' لہٰذا تقلید ہی اچھا راستہ ہے اور مقلدین اچھی جماعت۔

احادیث شریفہ

اس بارے میں احادیث بہت ہیں کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱...... ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ۔ (مشکوٰۃ)

''بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں علیحدہ ہی جائیگا۔''

معلوم ہوا کہ مومن کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا چاہئیے' جماعت سے علیحدگی دوزخ میں جانے کا راستہ ہے' عامۃ المسلمین مقلد ہیں' غیر مقلد اپنا انجام سوچ لیں۔

حدیث نمبر ۲ تا ۴...... مسلم' ترمذی' احمد نے حضرت حارثہ اشعری سے روایت کی۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قَدْرَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

''جو شخص بالشت برابر جماعت سے نکل گیا۔ اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔''

حدیث نمبر ۵...... مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَارُزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَارُزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا

(مشکوٰۃ باب الاعتصام)

''فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایمان مدینہ منورہ کی طرف ایسے سمٹ آوے گا۔ جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف''

معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے اور رہے گا وہاں انشاء اللہ کبھی شرک نہ ہوگا الحمد للہ کہ سارے حجاز خصوصاً مکہ معظمہ و مدینہ میں سارے مسلمان مقلد تھے اور مقلد ہیں وہاں غیر مقلد ایک بھی نہیں نذیر حسین دہلوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے' غیر مقلدیت کی وجہ سے گرفتار کر لیے گئے وہاں تقیہ کر کے مقلد بن کر جان چھڑائی پھر ہندوستان آکر غیر مقلد بن گئے' نذیر حسین غیر

مقلدوں کے سرگروہ گزرے ہیں اب اگرچہ وہاں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر نجدی بھی اپنے کو غیر مقلد کہتے ہوئے ڈرتے ہیں اپنے کو حنبلی کہتے ہیں اگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طیبین اس سے پاک وصاف رہتے۔

حدیث نمبر ٦......امام احمد نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّیْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ کَذِئْبِ الْغَنَمِ یَا خُذُ الشَّاذَۃَ وَالْقَاصِیَۃَ وَالنَّاحِیَۃَ وَ اِیَّا کُمْ وَالشِّعَابِ وَ عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ وَ الْعَامَۃِ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

”فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جیسے بھیڑیا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والی یا کنارہ والی یا بچھڑ جانے والی کا شکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والے کا شکار کرتا ہے تم گھاٹیوں سے بچو جماعت اور عامۃ المسلمین کیساتھ رہو!“

- لَا یَجْتَمِعُ اُمَّتِی عَلَی الضَّلَالَۃِ وَیَدُاللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ فَاِنَّ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔ (مشکوٰۃ)

”میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی، جماعت پر اللہ کی رحمت ہے، جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہوکر جاوے گا۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے نجات کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آ گیا۔ عام جماعت مسلمین مقلد ہے۔ لہٰذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمین سے علیحدگی ہے۔

عمل مسلمین:۔ ہمیشہ سے ہر طبقہ کے مسلمان مقلد ہوئے، محدثین، مفسرین، فقہاء اولیاء اللہ ان میں کوئی غیر مقلد وہابی نہیں، چنانچہ امام قسطانی اور تاج الدین سبکی نے صراحتاً امام نووی نے اشارۃً فرمایا کہ امام بخاری شافعی ہیں، ترمذی ابوداؤد، نسائی، دارقطنی، وغیرہ تمام محدثین شافعی ہیں، طحاوی وامام زیلعی، عینی شارح، بخاری، طیبی، علی قاری، عبدالحق محدث دہلوی، وغیرہم تمام محدثین حنفی ہیں۔

تفسیر کبیر، تفسیر خازن، بیضاوی، جلالین، تنویر المقیاس والے سارے مفسرین شافعی ہیں تفسیر مدارک، تفسیر صاوی والے سارے مفسرین حنفی، فقہا اور اولیاء اللہ سارے کے سارے مقلد ہیں اور عالم اولیاء حنفی ہیں جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، غیر مقلد وہابی سوچیں، کہ ان میں کتنے محدث کتنے مفسر کتنے فقہاء کتنے اولیاء ہیں ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے اور وہ کس درخت کی شاخ یا کس شاخ کا پھل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تقلید اشد ضروری فریضہ ہے اور غیر مقلدیت نجدیت زہر قاتل ہے، ایمان کے لیے سخت خطرناک ہے چند وجوہ سے ایک یہ کہ قرآن وحدیث مسائل نکالنے کے لیے آسان نہیں، ان سے مسائل کا استنباط سخت دشوار ہے، اس ہی لیے رب تعالیٰ نے قرآن سکھانے کے لیے اتنے بڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اگر اسے سمجھنے کے لیے صرف عقل انسانی کافی ہوتی تو اس کی تعلیم کے لیے حضور سید الانبیاء نہ بھیجے جاتے فرماتا ہے۔

یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۲۹)

”وہ رسول مسلمانوں کو قرآن وحکمت سکھاتے ہیں“

جیسے قرآن سمجھانے کے لیے حضور ﷺ بھیجے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کے لیے آئمہ مجتہدین پیدا فرمائے گئے جو لوگ آج تقلید سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن وحدیث میں ایسی ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ خدا کی پناہ میں نے بڑے بڑے غیر مقلد وہابیوں کو بارہا اعلان کیا کہ حدیث سمجھنا تو. کیا تم صرف یہ ہی بتادو کہ حدیث اور سنت میں فرق کیا ہے۔ مگر یہ فرق حدیث سے ثابت کیا جاوے۔ آج تک نہ بتا سکے اور انشاء اللہ قیامت تک نہ بتا سکیں گے۔ ہمارا اعلان عام ہے کہ آج بھی کوئی وہابی صاحب تکلیف کر کے جواب دیں' حدیث سمجھنا اس سے مسائل نکالنا تو ان بے چاروں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کی چار حدیثیں بے سمجھے رٹ لیں' اور اہل حدیث بن گئے حدیث سمجھنا تو خدا کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے اگر فہم حدیث کا لطف اٹھانا ہے تو ہمارے حاشیہ بخاری عربی یعنی نعیم الباری کا مطالعہ فرماؤ جس میں بفضلہٖ تعالیٰ ایک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے بطور مثال ایک عام مشہور مختصر سی حدیث پیش کرتا ہوں۔

اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهٗ

"احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔"

ہم نے حسب ذیل مسائل شریعت وطریقت کے مستنبط کیے۔

(۱) حضور ﷺ کی محبوبیت صرف انسانوں سے خاص نہیں' بے عقل جانور بے جان لکڑی پتھر بھی حضور ﷺ کے چاہنے والے ہیں۔ حسن یوسف لاکھوں نے دیکھا۔ مگر عاشق صرف زلیخا' حسن محمدی کسی نے نہ دیکھا لیکن عاشق کروڑوں' حضور ساری مخلوق کے محبوب ہیں کیوں نہ ہوں' کہ خالق کے محبوب ہیں (۲) جس انسان کو حضور ﷺ سے محبت نہ ہو پتھروں سے زیادہ سخت اور جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے (۳) جب حضور ﷺ پتھر کے دل کا حال جانتے ہیں کہ فرماتے ہیں احد ہم سے محبت کرتا ہے تو انسانوں کے دل کے راز کیوں نہ جانیں ان سے کوئی غیب چھپا نہیں (۴) حضور کی بارگاہ میں عشق ومحبت اور دلی کیفیت زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ دل کی گہرائیوں کو جانتے ہیں احد نے منہ سے کچھ نہ کہا مگر اس کے دل کا حال حضور ﷺ پر روشن تھا اگر حضور ﷺ انسانوں کی دلی حالات نہ جانیں تو کل قیامت میں شفاعت کیسے کریں گے۔ جو بھی حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرے تو حضور ﷺ فرما دیں کہ مجھے خبر نہیں تو مومن تھا یا کافر شفاعت کیسے کروں کیونکہ بعض وہ بھی ہوں گے جو بغیر وضو کیے فوت ہوئے ان کے چہروں پر آثار وضو کی چمک نہ ہوگی (۵) تمام عبادتوں کا بدلہ جنت ہے مگر محبت مصطفیٰ کا نتیجہ محبت ہے کہ فرمایا احد ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں' لہٰذا عشق رسول عبادات سے اعلیٰ ہے کہ اس کا بدلہ جنت والا محبوب ہے۔ بخاری شریف کی ایک اور حدیث سنو اور اس سے ایمانی وعرفانی مسائل کا استنباط کرو ایمان تازہ کرو۔

حدیث:۔ حضور دراز گوش پر سوار جا رہے ہیں سامنے دو قبریں نمودار ہوئیں اور دراز گوش دو پاؤں سے کھڑا ہو گیا۔ حضور ﷺ تڑپے اور فرمایا کہ ان قبروں والوں پر عذاب ہو رہا ہے جسے دیکھ کر خچر گھبرا گیا۔ ان میں سے ایک تو اونٹوں کا چرواہا تھا۔ جو اونٹوں کے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا' اس لیے عذاب قبر میں گرفتار ہوئے' یہ فرما کر کھجور کی شاخ کی دو چیریں فرمایا کہ دونوں قبر پر گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ تر ہے' عذاب قبر میں تخفیف ہوگی۔

فوائد

اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوئے (۱) حضور ﷺ کی چشم مبارک کے لیے کوئی چیز آڑ نہیں، آپ پس پردہ بھی دیکھتے ہیں، دیکھو عذاب ہزاروں من مٹی کے نیچے یعنی قبر کے اندر ہو رہا ہے، مگر نگاہ پاک مصطفیٰ ﷺ قبر کے اوپر سے ملاحظہ فرما رہی ہے (۲) جس جانور پر حضور ﷺ سوار ہو جاویں، اس جانور کی آنکھ سے بھی حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ خچر نے حضور ﷺ کی برکت سے قبر کا عذاب دیکھ لیا اور بھڑک گیا ورنہ ہمارے خچر دن رات قبرستان سے گزرتے ہیں، نہیں بھڑکتے، لہٰذا اگر حضور ﷺ کسی ولی پر نظر فرما دیں تو اس کی نگاہ سے بھی غیبی حجاب اٹھ جائیں گے (۳) حضور ﷺ ہر شخص کے ظاہر و خفیہ اگلے پچھلے تمام اعمال جانتے ہیں کہ فرما دیا کہ ایک چغل خور تھا، دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا، حالانکہ ان دونوں نے یہ اعمال حضور ﷺ کے سامنے نہ کئے تھے لہٰذا حضور ﷺ ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں (۴) حضور ﷺ عذاب الٰہی سے بچانا عذاب دور کرانا بھی جانتے ہیں۔ گویا روحانی بیماریوں اور ان کے علاج سے خبردار ہیں، کہ ان قبر والوں کا عذاب دفع کرنے کے لیے تر شاخیں قبر میں گاڑھ کر فرمایا کہ اس سے عذاب ہلکا ہوگا (۵) تر سبزہ کی تسبیح کی برکت سے مومن کا عذاب قبر ہلکا ہوتا ہے لہٰذا اگر قبر پر تلاوت یا قرآن یا ذکر اللہ کیا جاوے تو میت کو فائدہ ہوگا۔ کیونکہ مومن کی تسبیح و تہلیل تر سبزہ کی تسبیح سے اعلیٰ ہے۔

(۶) اگر خشک چیزیں بھی تسبیح پڑھتی ہیں وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۴۴) مگر انکی تسبیح سے عذاب قبر دفع نہیں ہوتا ذکر کی تاثیر کے لیے زبان بھی تاثیر والی ہونے چاہیئے، لہٰذا وہابی وغیرہ خشکوں کی تلاوت قرآن وغیرہ بے فائدہ ہے، مومن جس کے دل میں محبت مصطفیٰ کی تری و سبزی ہے اس کا ذکر تاثیر والا ہے (۷) مومن کی قبر پر سبزہ پھول وغیرہ ڈالنا مفید ہے کہ اس سے قبر والے کو فائدہ ہے حضور نے سبز شاخ قبر پر لگائی اور فرمایا کہ جبتک یہ تر رہے گی تب تک عذاب میں تخفیف ہوگی (۸) حلال جانور کا پیشاب نجس ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اسکی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہیں دیکھو اونٹ حلال ہے مگر اسکی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہوئیں۔

یہاں تک تو ہم نے آپ کو اپنے حاشیہ بخاری کی سیر کرائی اب ہمارے حاشیہ القرآن کی بھی کچھ سیر کرلو، صرف ایک آیت کے فوائد عرض کرتا ہوں۔

مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۴ آیت ۱۴)

''جنات کو سلیمان کی وفات نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے جو آپ کا عصا کھاتی تھی۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بحالت نماز ہوئی بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی، آپ اسی طرح لکڑی کے سہارے کھڑے رہے چھ ماہ کے بعد دیمک نے لاٹھی کھالی، لاٹھی گرنے کیوجہ سے آپ کا جسم شریف زمین پر آ رہا، تب جنات جو بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فائدے

اس آیت اور واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوئے (۱) انبیاء کرام رضی اللہ عنہ کے اجسام وفات کے بعد گلنے یا بگڑنے سے محفوظ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم شریف چھ ماہ تک قائم رہا مگر کوئی فرق نہ آیا (۲) انبیاء کرام رضی اللہ عنہ کے اجسام شریفہ کو کیڑا نہیں کھا سکتا

نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی کھائی پاؤں شریف نہ کھایا لہٰذا حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیئے نے نہ کھایا تھا یہ فرزند غلط کہہ رہے ہیں (۳) پیغمبر کا کفن بھی گلنے یا میلا ہونے سے محفوظ ہے دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کا لباس شریف ان چھ ماہ میں نہ گلا نہ میلا ہوا' ورنہ جنات کو آپ کی وفات کا پتہ چل جاتا۔ (۴) انبیاء کرام بعد وفات بھی دنیاوی و دینی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بعد وفات مسجد بیت المقدس کی تکمیل کرادی (۵) دینی ضرورت کی وجہ سے پیغمبر کے دفن و کفن میں دیر لگا دینا سنت الہیہ ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے تکمیل مسجد کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بعد وفات چھ ماہ تک بغیر کفن دفن رکھا لہٰذا صحابہ کرام کا تکمیل خلافت کے لیے حضور ﷺ کے کفن و دفن میں تاخیر کرنا بالکل صحیح تھا کیونکہ تکمیل خلافت تکمیل مسجد سے کہیں زیادہ اہم ہے (۶) ہارٹ فیل یعنی اچانک موت اللہ کے نیک بندوں کے لیے عتاب نہیں بلکہ رحمت ہے دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی' مگر رحمت تھی ہاں غافل کے لیے عذاب ہے کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملتا لہٰذا حدیث شریف واضح ہے

ایک اور آیۃ کریمہ کے فوائد و مسائل سنو جو ہم نے اپنے اس حاشیہ القرآن میں بیان کئے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْ خُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (پارہ ۳۰ سورۃ ۱۱۰ آیت ۱، ۲، ۳) آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دو خاص نعمتوں کا ذکر فرمایا اور ان کے شکریہ میں رب کی تسبیح و حمد کا حکم دیا ایک تو فتح مکہ دوسرے فتح کے دن اور اس کے بعد لوگوں کا جوق در جوق فوج در فوج اسلام قبول کرنا۔ اس آیت سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے۔

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ ہزار ہا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں افواج یعنی فوجیں فرمایا دو چار آدمیوں کی فوجیں نہیں ہوتیں جیسے حضرات انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ رسول ہیں اور چار مرسل ایسے ہی صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں سے تین سو تیرہ بدر والے چار خلفائے راشدین جو کہے کہ مومن صحابہ کل چار پانچ تھے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے

(۲) فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان رب تعالیٰ کے ہاں قبول ہوا کہ انہیں رب نے فرمایا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے ان کا داخل فی الدین ہو جانا قرآن سے ثابت ہوا لہٰذا ابوسفیان، ہند' عکرمہ' امیر معاویہ رضی اللہ عنہم و غیرہم رضی اللہ عنہم سچے پکے مخلص مومن ہیں جو ان کے ایمان کا انکار کرے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔

(۳) فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مرتد نہ ہوا۔ یہ حضرات ایمان پر قائم رہے ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ ان کے ایمان میں داخل ہونے کی صریحی آیت موجود ہے اسلام سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں نیز رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کا ذکر بطور نعمت الہیہ کیا اگر یہ لوگ آیندہ ایمان سے نکل جانے والے ہوتے تو رب تعالیٰ بجائے تسبیح و تحمید کے حکم کیوں فرماتا کہ محبوب ان کے ایمان کا اعتبار نہ کریں یہ لوگ پھر جائینگے۔ اب جو تاریخی واقعہ ان کا کفر ثابت کرے وہ جھوٹا ہے کہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔

وہابیو! بولو آج تک قرآن و حدیث کے ایسے ایمان افروز عارفانہ مسائل کسی وہابی کے ذہن شریف میں بھی آئے' یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے تم نے صرف غلط سلط ترجمے کرنا ہی سیکھے ہیں حنفی بھائیو! اگر تمہیں اس جیسے صدہا عارفانہ' عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو تو ہمارا حاشیہ القرآن اردو اور حاشیہ بخاری انشراح بخاری عربی کا مطالعہ کرو۔

دوسرے یہ کہ قرآن و حدیث طب ایمانی کی دوائیں ہیں جب طب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی رائے سے نہیں کرسکتا اگر کریگا تو جان

سے ہاتھ دھوئیگا ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا اگر نکالے گا تو وہابیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوئے گا۔

تیسرے یہ کہ قرآن وحدیث سمندر ہیں جیسے سمندر سے ہر شخص موتی نہیں نکال سکتا ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلے نہیں نکال سکتا تمہیں موتی سمندر سے نہ ملیں گے بلکہ جوہری کی دوکان سے ایسے ہی تمہیں مسائل قرآن وحدیث سے نہ ملیں گے' بلکہ امام ابوحنیفہ وشافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دوکانوں سے ملیں گے۔

چوتھے یہ کہ دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے۔ کھانا پکانا' کپڑا سینا' پہننا' غرضکہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کے ماہروں کی تقلید نہ کی جاوے' دین تو دنیا سے کہیں اہم ہے اگر اس میں ہر شخص بے نکیلے اونٹ کی طرح بے قید ہو کہ جس کا جس طرف منہ اٹھا ادھر چل دیا تو دین تباہ ہو جائیگا غیر مقلد وہابیوں کو چاہیئے کہ پاؤں میں ٹوپی سر پر جوتا ٹانگوں میں کرتہ اور کندھے پر پائجامہ پہنا کریں' کیونکہ عام لوگوں کیطرح لباس پہننے میں تقلید ہے غیر مقلد یہ کیا بات ہے کہ آپ ہر کام میں ہر طرح مقلد اور صرف تین چار مسئلے۔ قرات خلف الامام رفع یدین وغیرہ ہیں۔ غیر مقلد اگر غیر مقلد ہو تو پورے بنو ہر کام انوکھا کرو ہر بات نرالی کہو۔

پانچویں یہ کہ بظاہر احادیث میں اتنا تعارض معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ ایک مسئلہ کے متعلق جب احادیث دیکھی جاویں تو چکر آ جاتا ہے اگر تقلید نہ کی جاوے صرف حدیثیں دیکھی جاویں تو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ کیا کریں کدھر جائیں کوئی وہابی صاحب دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھادیں جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو۔ ایک ایک مسئلہ پر دس دس قسم کی روایتیں موجود ہیں حضور وتر ایک رکعت پڑھتے تھے' تین یا پانچ پڑھتے تھے' سات پڑھتے تھے نو گیارہ یا تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اب غیر مقلد ایسی وتر پڑھ کر دکھادیں کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جاوے ایک وہابی صاحب نے آمین بالجہر کی ایک حدیث پڑھی میں نے آمین بالاخفاء کی پانچ پڑھ دیں بیچارے منہ تکتے رہ گئے یہ کام مجتہد کا ہے کہ دیکھے کون حدیث ناسخ ہے کون منسوخ کون حدیث ظاہری معنی پر ہے کون واجب التاویل' حدیث پر وہ عمل کرے جو مزاج شناس رسول ہو۔ اور راز دار پیغمبر یہ مزاج شناسی راز داری ہرایرے غیرے کا کام نہیں

وہابی اور حدیث

غیر مقلدوں کا اصلی نام وہابی ہے' لقب نجدی کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمد ابن عبدالوہاب جو نجد میں رہنے والا تھا اگر انہیں مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاوے تو وہابی کہا جاتا ہے اور اگر جائے پیدائش کیطرف نسبت دی جاوے تو نجدی جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کو مرزائی بھی کہتے ہیں اور قادیانی بھی پہلی نسبت مورث کی طرف ہے دوسری نسبت جائے پیدائش کی طرف اسی جماعت کی پیشین گوئی خود حضور انور ﷺ نے کی تھی کہ نجد کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَ الْفِتَنُ وَ يَخْرُجُ مِنْهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ

''نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے۔ اور وہاں سے ایک شیطانی فرقہ نکلے گا۔''

غرض کہ اس جماعت کا بانی محمد ابن عبدالوہاب نجدی ہے اور اس کا ہندوستان میں پرورش کرنے والا اسماعیل دہلوی ہے اس فرقہ کے حالات ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرماؤ یہ لوگ عام مسلمانوں کو مشرک اور صرف اپنی جماعت کو موحد کہتے ہیں۔ مقلدوں کے جانی دشمن اور آئمہ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان اقدس میں تبرّ ے

کرتے ہیں یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں یہ لوگ پہلے تو اپنے آپ کو فخریہ طور پر وہابی کہتے تھے چنانچہ ان کی بہت کتب کے نام تحفہ وہابیہ وغیرہ ہیں مگر اب وہابی کے نام سے چڑتے ہیں ان کے عقائد و اعمال نہایت ہی گندے اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ ہیں۔ ہم یہاں اہل حدیث نام پر مختصر سا تبصرہ کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ ان کا نام بھی درست نہیں، مسلمانوں سے امید انصاف ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے محبوب ﷺ سے امید قبول ہے۔

خیال رہے کہ دنیا میں کوئی شخص اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہو سکا ہی نہیں۔ کسی کا اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دو نقیضین یا دو ضدوں کا جمع ہونا غیر ممکن ہے کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات گفتگو یا کلام رب فرماتا ہے۔

(۱) فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۷ آیت ۵۰)

''قرآن کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے۔''

(۲) اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۹ آیت ۲۳)

''اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا۔''

(۳) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۱ آیت ۶)

''بعض لوگ وہ ہیں جو کھیل کی باتیں وناول، قصے خریدتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔''

اس تیسری آیت میں ناول قصے کہانیوں کو حدیث فرمایا گیا ہے

اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام و عبارت کا نام ہے جس میں حضور سید عالم ﷺ کے اقوال یا اعمال اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و اعمال بیان کیے جاویں اس عامل بالحدیث فرقے سے سوال ہے کہ تم کونسی حدیث پر عامل ہو لغوی پر یا اصطلاحی پر ہو اگر لغوی حدیث پر عامل ہو تو چاہیئے کہ ہر ناول گو قصہ خوان اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر سچی جھوٹی بات پر عمل کرتا ہے اگر اصطلاحی حدیث پر عامل ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ ہر حدیث پر عامل ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے کیونکہ حضور ﷺ کے کسی نہ کسی فرمان پر ہر شخص ہی عامل ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ سچ نجات دیتا ہے جھوٹ ہلاک کرتا ہے ہر مشرک و کافر اس کا قائل ہے وہ سب ہی اہل حدیث ہو گئے تم حنفی شافعی مالکی حنبلی مسلمانوں کو اہل حدیث کیوں نہیں مانتے یہ تو ہزار ہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں اگر اہل حدیث کے معنی ہیں حضور ﷺ کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ حضور ﷺ کی بعض حدیثیں منسوخ ہیں بعض حدیثوں میں حضور ﷺ کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور ﷺ کے لیے مباح یا فرض تھے ہمارے لیے حرام ہیں جیسے منبر پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمانا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سید الشہداء خاتم آل عبا رضی اللہ عنہ کے لیے سجدہ دراز فرمانا حضرت امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر لے کر نماز پڑھنا، نو بیویاں نکاح میں رکھنا، بغیر مہر نکاح ہونا ازواج میں عدل و مہر واجب نہ ہونا۔ بلکہ حدیث میں سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کلمہ یوں پڑھتے تھے لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الخ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں یہ حضرات اسی حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ حدیث حضور ﷺ کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور کے لیے کمال ہیں، ہمارے لیے کفر۔

اسی طرح حضور ﷺ کے وہ افعال کریمہ جونسیان یا اجتہادی خطاء سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں' عامل بالحدیث صاحبان کو چاہیئے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں۔ ہر حدیث پر جو عامل ہوئے بہرحال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکا جو اس معنی سے اپنے کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہے' وہ غلط کہتا ہے جب نام ہی جھوٹ ہے تو اللہ کے فضل سے کام بھی سارے کھوٹے ہی ہوں گے' اسی لیے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ

''لازم پکڑو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو''

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو۔ کیونکہ ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سنت لائق عمل ہے حضور ﷺ کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں حضور ﷺ سے خاص بھی نہ ہوں خطاء۔ نسیانا بھی سرزد نہ ہوں۔ بلکہ امت کے لیے لائق عمل ہوں انہیں سنت کہا جاتا ہے مگر وہابیوں کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن ہے۔ اب حدیثوں کی یہ چھانٹ کہ کون سی حدیث منسوخ ہے کون حکم کون حدیث حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے کون سب کی اتباع کے لیے کون فعل شریف اقتداء کے لیے ہے کون نہیں۔ کس فرمان کا کیا منشاء ہے کس حدیث سے کیا مسئلہ صراحتاً ثابت ہے اور کون مسئلہ اشارتاً کون دلالتاً کون اقتضاء یہ سب کچھ امام مجتہد ہی بتا سکتے ہیں ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے جیسے قرآن پر عمل کرانا حدیث کا کام ہے' ایسے ہی حدیث پر عمل کرانا امام مجتہد کا کام یوں سمجھو کہ حدیث شریف رب تک پہنچنے کا راستہ ہے اور امام مجتہد اس راستہ کا نور جیسے بغیر روشنی راہ طے نہیں ہوتا بغیر امام و مجتہد حضور کی سنتوں پر عمل ناممکن ہے اسی لیے علماء فرماتے ہیں۔

اَلْقُرْاٰنُ وَ الْحَدِيْثُ يُضِلَّانِ اِلَّا بِالْمُجْتَهِدِ

''بغیر مجتہد قرآن و حدیث گمراہی کا باعث ہے''

رب تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۔ (پارہ ا سورۃ ۲ آیت ۲۶)

''اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ بہت کو ہدایت دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کرتا ہے''

چکڑالوی اس ہی لیے گمراہ ہیں کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے ہیں وہابی غیر مقلد اسی لیے راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں کہ یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر امام مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں مقلدین اہل سنت کا انشاء اللہ بیڑا پار ہے کہ ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہے سنت رسول بھی اور سراج امت امام مجتہد کا نور بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حدیث بننا ناممکن اور جھوٹ ہے اہلسنت بنا حق و درست ہے اہل سنت وہ ہی ہو سکے گا جو کسی امام کا مقلد ہو گا۔ قیامت میں رب تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا رب فرماتا ہے

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۱)

''اس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کیساتھ بلائیں گے''

خیال رکھو کہ قرآن وسنت کا سمندر ہم مقلد بھی عبور کرتے ہیں اور غیر مقلد وہابی بھی لیکن ہم تقلید کے جہاز کے ذریعہ جس کے ناخدا حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کی ذمہ داری پر سفر کر رہے ہیں غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔ انشاء اللہ مقلدوں کا بیڑا پار ہے اور وہابیوں کا انجام غرقابی ہے۔

آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے براہ مہربانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتادیں کہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ، تحریمی اور حرام میں کیا فرق ہے اور نماز میں کتنے فرض ہیں کتنے واجب کتنی سنتیں کتنے مستحبات کتنے مکرو تنزیہی کتنے مکروہ تحریمی اور کتنے حرام انشاء اللہ تا قیامت ان تمام مسائل پر یہ حضرات حدیث سے نہیں بتا سکتے۔ حالانکہ دن رات ان مسائل سے واسطہ ہوتا ہے تو دوستو ضد کیوں کرتے ہو تقلید اختیار کرو۔ جس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب یکم رمضان سنہ ۱۳۷۶ھ اپریل سنہ ۱۹۵۷ء روز دوشنبہ کو شروع ہو کر ۳ ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۶ھ یکم جولائی سنہ ۱۹۵۷ء بروز دوشنبہ یعنی دو ماہ دو دن میں اختتام کو پہنچی۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ اسے قبول فرمائے۔ میرے لیے کفارہ سیات اور صدقہ جاریہ بنائے۔ مسلمانوں کے لیے اسے نافع بنائے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ بے کس گناہگار کے لیے حسن خاتمہ اور معافی سیات کی دعا کرے کہ اس ہی لالچ میں میں نے یہ محنت کی ہے۔

وَلِي اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ
وَاَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ اٰمِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

۲ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ یوم دوشنبہ مبارکہ یکم جولائی ۱۹۵۷ء

احمد یار خاں اشرفی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات

اختتام حصہ دو

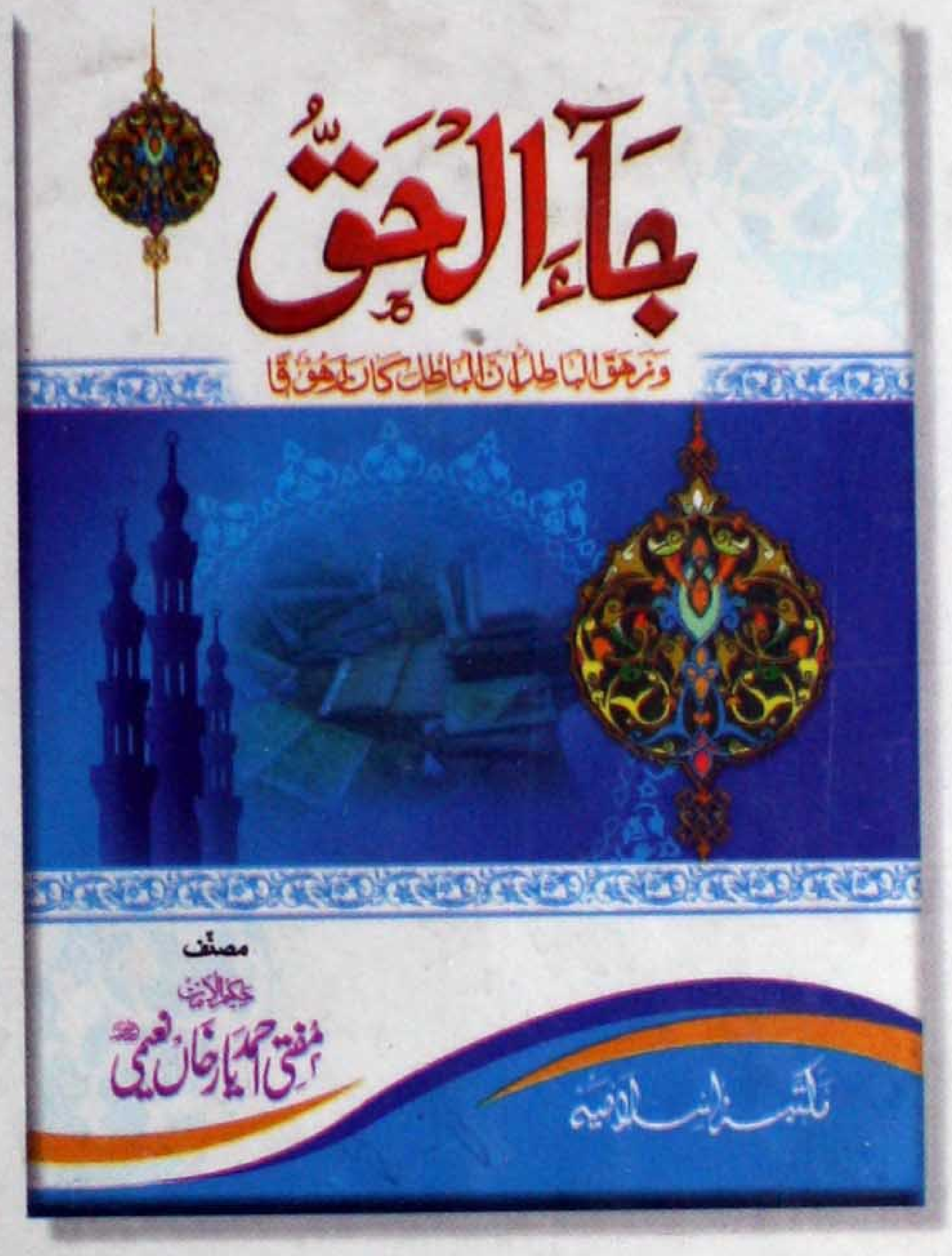

جاءالحق

وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا

مصنف

حکیم الامت

مفتی احمد یار خان نعیمی

مکتبہ اسلامیہ

مکتبہ اسلامیہ

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ
38- اُردو بازار لاہور Ph: 042-37354851